

سیرت نبوی پر ایک جامع مدلل اور اثباتی و اقامتی
سیرت لکھنوی پر دنیا بھر میں سب سے بڑی کتاب

2 نور اک النور نور حمۃ للعالمین



ڈاکٹر محمد عسکری خان لیفٹننٹ گورنر

سیرتِ نبوی پر ایک جامع، مدلل اور اٹیک کی واقعاتی
سیرتِ استنبی پر دنیا بھر میں سب سے بڑی کتاب

فہم القرآن در حرمہ العالمین

جلد دوم

تالیف:

ڈاکٹر محمد سعید خاں لیفٹننٹ کرنل (ر)

زبیہ سنٹر نزد مسلم ماڈل ہائی سکول ۴۰، اردو بازار لاہور
فون: 042-7246006

شبیر برادرز

﴿جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں﴾

نورِ اُمّ النور نورِ رحمۃ للعالمین (جلد دوم)	_____	نام کتاب
سیرت النبی ﷺ	_____	موضوع
ڈاکٹر محمد عمر خان لیفٹیننٹ کرنل (ر)	_____	تالیف
شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ / اگست 2007ء	_____	بار اول
ورڈز میکر	_____	کمپوزنگ
500	_____	تعداد
ملک شبیر حسین	_____	ناشر
اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور	_____	مطبع
روپے کال سیٹ	_____	قیمت

انشاء اللہ عزوجل

مدنی مقصد: مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔

M. Shahid Raza Attari

0306-0313-7919528 اسلامی بکس، قرآن

مدنی

امپورٹڈ عطریات، قرآن پاک، اسلامی بکس، تسبیحات، ٹوپی، عمامے

موزے، مسواک، گلوں، میلاد پرچم، بینرز، گاہول سیل پوائنٹ

Shop # 2-3 Ground Floor, Waqas Plaza, Amin Pur Bazar, Faisalabad.
Ph: 041-2621568 E-mail: muhammadshahidattari@yahoo.com



ترتیب

۳۹..... تحقیقات حلف الفضول	۱۵..... حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ واپسی
۵۱..... ملک شام کی طرف دوسرا سفر	۱۶..... حضرت عبدالمطلب کی شفقت و محبت
۵۷..... ازدواجی زندگی کا آغاز	۱۹..... حضرت ابوطالب کی شفقت و محبت اور خاص توجہ
۵۷..... حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد زواج	۱۹..... حضرت ابوطالب کے گھر عجائبات کا ظہور
۶۱..... کعبہ معظمہ کی تعمیر نو	۲۱..... قحط اور بارانِ رحمت
۷۱..... حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا مشورہ	۲۲..... خشک زمین سے میٹھے پانی کا چشمہ
۷۲..... حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	۲۲..... ایک قیافہ شناس کا کہنا
۷۵..... ایک اور اہم واقعہ	۲۳..... رزق حلال کمانا، کھانا، کھلانا
۷۷..... الخمس	۲۳..... رضائے الہی اور سنت انبیاء کرام
۷۹..... راہِ نبوت پر پیش قدمی	۲۴..... محنت کی عظمت
۷۹..... آثارِ بعثت کا ظہور	۲۵..... کسب معاش کا دور
۷۹..... خلوت پسندی کا غلبہ	۲۶..... گلہ بانی
۸۰..... رویائے صادقہ سچے خواب	۲۶..... بکریاں چرانا
۸۴..... حصول وحی، بعثت کے لئے خدائی تیاری	۲۸..... لفظ قرارِ یط سے مراد؟
۸۵..... رنگ، روشنی اور آواز	۳۰..... ملک شام کا پہلا سفر
۸۸..... وہ عظیم باسعادت گھڑی آگئی	۳۱..... لفظ بحیرئ
۹۰..... دل مبارک کا دھڑکنا	۳۲..... دوسری بار شدید قحط اور بارانِ رحمت
۹۶..... وحی	۳۵..... اتفاقہ مماثلت
۹۶..... وحی کے مراتب	۳۶..... عصمت ربانی
۹۶..... وحی کا معنی	۳۶..... قدرتی حفاظت کا مضبوط حصار
۹۷..... نزول وحی کی عمومی صورتیں	۴۰..... حرب فجار
۹۷..... ۱- سچے خواب	۴۰..... فجار کہنے کی وجہ
۹۷..... ۲- دل میں ڈالنا	۴۱..... حرب فجار کیوں ہوئیں
۹۸..... ۳- گھنٹی کی مثل آواز	۴۲..... حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر
۹۹..... ۴- فرشتے کا آدمی کی شکل میں آنا	۴۷..... حلف الفضول

۱۳۵	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	۹۹	۵- اللہ تبارک تعالیٰ کا بلا واسطہ وحی فرمانا
۱۳۱	حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	۹۹	نزول وحی کی خصوصی صورتیں
۱۳۳	حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	۱۰۰	۱- فرشتے کا اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہونا
۱۳۳	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	۱۰۰	۲- شب معراج کی وحی
۱۳۵	بیعت رضوان کا ہیرو	۱۰۰	۳- اللہ تبارک تعالیٰ کی بلا واسطہ وہا حجاب وحی
۱۳۵	ذی قعدن ۶ ہجری	۱۰۱	نبی
۱۳۸	نسب اور خاندان	۱۰۱	رسول
۱۳۸	پیدائش	۱۰۲	نبوت
۱۳۸	اسلام سے پہلے کی زندگی	۱۰۲	نزول وحی کا آغاز
۱۳۹	قبول اسلام	۱۰۳	فترت وحی
۱۳۹	جمع و اشاعت قرآن	۱۰۵	وحی کتنا عرصہ بند رہی؟
۱۵۲	حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ	۱۰۵	(فترت وحی کی مدت)
۱۵۶	خاندان و ولادت	۱۲۰	اب اس روایت کے بارے میں
۱۵۷	ذریعہ معاش	۱۲۲	رسالت کا آغاز
۱۵۷	خدمت فی سبیل اللہ	۱۲۳	نماز- پہلا حکم الہی
۱۵۹	ترکہ اور وصیت	۱۲۵	ابتدائے دعوت اسلام
۱۵۹	امہات المؤمنین رضی اللہ عنہا کی حفاظت اور خبر گیری	۱۲۶	مکی زندگی کے مراحل یا ادوار
۱۶۰	سیرت و اخلاق و علم و فضل	۱۲۶	پہلا دور
۱۶۰	حلیہ	۱۲۶	دوسرا دور
۱۶۱	وفات	۱۲۶	تیسرا دور
۱۶۲	ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	۱۲۶	وتھا دور
۱۶۷	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۱۲۷	مکی زندگی کے مراحل یا ادوار
۱۶۹	شوال ۳ ہجری	۱۲۷	پہلا دور
۱۷۰	ایک اور موقع پر رجل صالح	۱۲۷	دوسرا دور
۱۷۱	نام و نسب	۱۲۷	تیسرا دور
۱۷۲	پیدائش	۱۲۷	پہلا دور یا مرحلہ
۱۷۲	وفات	۱۲۷	نبیہ دعوت و تبلیغ کا دور
۱۷۲	حلیہ	۱۳۲	بقون الاولون کی وضاحت
۱۷۲	حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ	۱۳۳	بقون الاولون
۱۷۷	شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پروانہ کون تھا؟	۱۳۳	فترت ام المؤمنین، سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

۲۳۰	انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	۱۷۷	ابتدائی حالات - نام و نسب
۲۳۵	حضرت اسید بن حنظلہ رضی اللہ عنہ (ایک اور عظیم صحابی)	۱۷۷	غزوات میں شرکت
۲۳۱	حضرت اُمّ عمارۃ نسیمیہ بنت کعب رضی اللہ عنہ	۱۷۸	جنگ جمل اور شہادت
۲۳۸	حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ	۱۷۹	مدفن
۲۳۸	محمد رسول اللہ کی جانب سے مسلمہ کذاب کی طرف	۱۷۹	حلیہ
۲۵۳	حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ	۱۷۹	ذریعہ معاش
۲۵۸	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	۱۷۹	سیرت و کردار
۲۶۷	حضرت نعمان بن مقرن المزنی رضی اللہ عنہ	۱۸۱	حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
۲۷۲	حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ	۱۸۳	نام، نسب، پیدائش
۲۷۷	حضرت اُمّ سلمہ اسماء بنت یزید بن سکن الانصاریہ رضی اللہ عنہا	۱۸۳	قبول اسلام
۲۸۱	حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ	۱۸۳	طاعون عمواس اور وفات
۲۸۶	حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ	۱۸۵	مدفن
۲۹۱	حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ	۱۸۵	سیرت و اخلاق
۲۹۵	حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ	۱۸۷	حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ
۳۰۱	حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ	۱۸۷	سن ۵ ہجری
۳۰۹	حضرت عقیف کنڈی رضی اللہ عنہ	۱۸۹	خاندان اور قبول اسلام
۳۱۰	حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ	۱۹۰	عمر
۳۱۲	حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ اور بیت ارقم	۱۹۱	حلیہ
۳۱۶	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اشاعت و تبلیغ دین اسلام	۱۹۱	حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ (ایک عظیم باپ کا عظیم بیٹا)
۳۱۸	اسلام کا پہلا مبلغ، خطیب	۱۹۳	خاندان
۳۲۰	حضرت صہیب اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما	۱۹۵	قبول اسلام
۳۲۱	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	۱۹۶	وفات
۳۲۵	حضرت حصین والد عمران رضی اللہ عنہ	۱۹۶	ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
۳۲۶	حضرت عمرو بن عتبہ السلمی رضی اللہ عنہ	۲۰۲	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۳۲۸	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	۲۰۷	قریب الموت
۳۳۰	راہِ خدا میں مصائب	۲۰۷	حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ
۳۳۰	حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	۲۱۳	حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ
۳۳۱	یزید بن عمرو بن نفیل	۲۱۸	حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا
۳۳۳	حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	۲۲۳	حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ
۳۳۹	حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	۲۲۶	قصہ مختصر

آپ کے ایمان لانے کی تاریخ	۳۴۶	آپ ﷺ کی کردار کشی اور ہولناک ظلم و تشدد	۳۹۸
کیا اسلام تلوار سے پھیلا؟	۳۴۹	ظلم و جور	۴۰۱
تبلیغ کا حکم	۳۵۲	آپ ﷺ کی ہیبت	۴۲۳
دلکش اندازِ مخاطب	۳۵۲	اللہ توکل	۴۲۳
تبلیغ کا حکم اور اس کے مضمرات	۳۵۳	مشرکین کے بد ارادے	۴۲۴
علانیہ تبلیغ	۳۵۷	مشرکین سے دود و باتھ	۴۲۵
دعوتِ اسلامیہ کا دوسرا دور	۳۵۷	اراش کا ایک مظلوم	۴۲۶
قریبی رشتہ داروں کو دعوت حق دینے کے لیے حکم الہی	۳۵۷	زبیدی مظلوم	۴۲۷
قربت داروں کو تبلیغ دین کی حکمت	۳۵۷	قرآن حکیم کی تاثیر	۴۲۹
پہلا اجتماع	۳۵۸	سردارانِ مشرکین پر اثر انہیں حقیقت کی پہچان	
دعوت کا اہتمام	۳۵۹	وائے رے ان کی بد نصیبی	۴۲۹
دوسرا اجتماع	۳۶۰	قارئینِ کرام!	۴۲۹
ازلی بد بخت، سخت کینہ پرور	۳۶۳	قرآن کریم کی اثر آفرینی کی چند اور مثالیں	۴۳۰
تیسرا اجتماع	۳۶۳	ابو جہل، اخنس بن شریق، ابوسفیان کا چھپ چھپ	
بخاری اور مسلم سے مزید متعلقہ روایت	۳۶۵	کرفرقان حمید کا سننا	۴۳۱
ایک غلط فہمی کا ازالہ	۳۶۶	نضر بن حارث	۴۳۲
اسی طرح کا استدلال	۳۶۷	ولید بن مغیرہ کے خیالات	۴۳۳
دعوتِ اسلامیہ کا تیسرا دور	۳۷۱	مشرکین مکہ کا یہودی علماء کی معرفت صداقت نبوت	
کھلی اور عام دعوت	۳۷۱	کا جانچنا	۴۳۱
امیہ بن ابی اہصلت کا ابوسفیان کو جواب	۳۷۳	صحابہ کرام پر ظلم و ستم کے روح فرسا واقعات	۴۳۲
مشرکین کا پہلا وفد	۳۷۷	مشرکین کے گھٹیا خیالات	۴۳۳
حضرت ابوطالب کے پاس	۳۷۷	(۱) حضرت بلال رضی اللہ عنہ	۴۳۶
مشرکین کا دوسرا وفد	۳۷۸	(۲) حضرت عمار بن یاسر اور انکی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا	۴۵۱
مشرکین کا تیسرا وفد	۳۸۰	(۳) حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ	۴۵۲
حضرت ابوطالب کی دوراندیشی	۳۸۱	(۴) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ	۴۵۵
سردارانِ مشرکین مکہ کی سودا بازی کی کوشش	۳۸۳	(۵) حضرت ابوقلیبہ رضی اللہ عنہ، ابوقلیبہ (حضرت اُح ابوقلیبہ)	۴۵۸
عتبہ بن ربیعہ کا براہ راست رابطہ	۳۸۳	حمامہ رضی اللہ عنہا	۴۵۹
براہ راست رابطہ وفد سردارانِ مشرکین کا	۳۸۷	زیرہ رضی اللہ عنہا	۴۵۹
سردارانِ مشرکین کی ایک اور پیشکش	۳۹۲	اُمّ عئیس رضی اللہ عنہا	۴۵۹
اسلام کا پہلا شہید	۳۹۷	نہدیہ اور ان کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا	۴۶۰

جلد دوم	
۴۹۳	حیات طیبہ سے استدلال
۴۹۳	شیطان کے لئے ممکن نہیں
۴۹۶	حبشہ کی طرف دوسری ہجرت
۴۹۷	بنو ہاشم
۴۹۸	بنو امیہ
۴۹۸	بنو اسد بن خزیمہ
۴۹۸	بنو عبد شمس بن عبد مناف
۴۹۸	بنو نوفل بن عبد مناف
۴۹۸	بنو اسد بن عبد العزیٰ
۴۹۹	بنو عبد بن قصی
۴۹۹	بنو عبد الدار بن قصی
۴۹۹	بنو زہرہ بن کلاب
۴۹۹	بنو ہذیل
۴۹۹	بنو بہراء
۴۹۹	بنو تمیم
۵۰۰	بنو مخزوم (یعنی ابو جہل کا خاندان)
۵۰۰	بنو جحج
۵۰۱	بنو سہم بن عمرو
۵۰۱	بنو عدی بن کعب
۵۰۲	بنو عامر بن لوی
۵۰۲	بنو حرث بن فہر
۵۰۲	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دو ہجرتیں
۵۰۳	مہاجرین کی تعداد
۵۰۷	دربار نجاشی میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا تاریخی خطاب
۵۱۲	وہ خوش بخت نجاشی
۵۱۶	وہ حق پسند شاہ حبش
۵۱۶	مکتوبات نبوی
۵۱۷	نجاشی اصمٰحہ کے نام ایک اور مکتوب گرامی
۵۱۷	لبیک یا رسول اللہ لبیک
۵۱۹	شعب ابی طالب
۴۶۰	لطیفہ رضی اللہ عنہ
۴۶۱	دریادل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
۴۶۳	ہجرت حبشہ
۴۶۳	پہلی ہجرت حبشہ
۴۶۹	ہجرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
۴۷۱	ہجرت کے لئے حبشہ کو کیوں منتخب کیا گیا
۴۷۲	ہجرت حبشہ
۴۷۲	پیغمبرانہ دانش کا عظیم کارنامہ
۴۷۳	اللہ تبارک تعالیٰ کی شان اور مشرکین مکہ کا سفید جھوٹ
	مسلمانوں کی قوت میں اضافہ اور چند مسلمانوں کی
۴۷۷	حبشہ سے واپسی
۴۷۹	حبشہ سے واپس آنے والوں پر کیا ہمتی
۴۸۱	مشرقیین کا سفید جھوٹ کو بیچ میں ملانا
۴۸۱	بعض مسلمان علماء کا بہک جانا اور اس کا مکمل رد
۴۸۱	تنبیہ
۴۸۱	مشرقیین
۴۸۲	ہم اور تحریک استعراق
۴۸۲	امت مسلمہ کی بد نصیبی
۴۸۳	وہ مردود کہانی، روایت
۴۸۶	مردود روایت کا رد
۴۸۷	سورہ حج آیت 52
۴۸۷	علامہ ابن حیان غرناطی رحمہ اللہ
۴۸۷	معمول کا استدلال
۴۸۹	امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ
۴۸۹	امام بیہقی رحمہ اللہ
۴۹۰	سورہ نجم
۴۹۱	نقل و عقلا جھوٹ کا پلندہ
۴۹۲	امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ
۴۹۲	علامہ ابو عبد اللہ قرطبی رحمہ اللہ
۴۹۲	قاضی عیاض رحمہ اللہ

جلد دوم

محصولی کے تین سال	۵۱۹	آبادیاں	۵۸۳
قصہ مختصر	۵۲۰	۱- قباء	۵۸۳
ایام محصورہ میں فریضہ تبلیغ کی مسلسل ادائیگی	۵۲۶	۲- عالیہ یا عوالی	۵۸۳
معاہدہ کودیمک چاٹ گئی	۵۲۷	۳- یہود کے قبیلہ بن نضیر کی بستی	۵۸۳
معاہدہ سوشل بائیکاٹ کو پارہ پارہ کرنے کا واقعہ	۵۳۱	۴- یہودی بنی قریظہ کی بستی	۵۸۳
معجزہ شق القمر	۵۳۸	۵- بنی ظفر بنی عبدالاشہل بنی حارثہ اور بنی معاویہ کی بستیاں	۵۸۳
مزید سمجھانے کی خاطر	۵۴۰	۶- یثرب کی بستی یا قصبہ	۵۸۳
اللہ کی شان دیکھئے!	۵۴۰	یثرب کا ماحول	۵۸۵
سب سے بڑی دلیل	۵۴۶	یثرب کے پہلے باشندے	۵۸۵
تسلل فروغ دین اسلام	۵۴۷	یہودیوں کی آمد	۵۸۶
مشرکین مکہ کا وہی رویہ	۵۴۷	اوس و خزرج کیا باؤ اجداد کی آمد	۵۸۸
طفیل بن عمرو الدوسی کا قبول اسلام	۵۴۸	انصار کا مقام	۵۹۲
رُکانہ پہلوان	۵۵۳	اوس و خزرج کی اولاد	۵۹۷
حضرت ضما از دی رضی اللہ عنہ	۵۵۷	مالک بن اوس	۵۹۷
مکہ میں وفد نجران کی آمد اور ان کا قبول اسلام	۵۵۸	جنگ بعاث	۶۰۰
ہائے رے بد نصیبی	۵۵۹	حسد	۶۰۳
حزن و ملال کا سال	۵۶۱	باب 1	۶۰۵
وفات حضرت ابوطالب	۵۶۲	طائف میں تبلیغ	۶۰۵
حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا ایمان	۵۶۵	طائف سے واپسی کے دوران	۶۱۹
ایک گزارش	۵۶۹	نخلہ سے مکہ کی طرف	۶۲۳
اُمّ المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر ملال	۵۶۹	طائف سے واپسی پر تبلیغی سرگرمیاں	۶۲۷
حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد کفار مکہ کا		قبائل اور افراد کو دعوت اسلام	۶۲۷
انسانیت سوز رویہ	۵۷۳	وہ قبائل جنہیں دعوت اسلام دی گئی	۶۲۷
حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح	۵۷۶	بنی کندہ	۶۲۸
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح	۵۷۷	بنی عبد اللہ	۶۲۸
اسلام، یثرب و انصار	۵۷۹	بنی حنیفہ	۶۲۹
تحقیق نسب عالی	۵۸۱	بنی عامر	۶۲۹
صحیحین کی ایک حدیث	۵۸۲	بنی عبس	۶۳۰
یثرب	۵۸۲	بنی شیبان بن ثعلبہ	۶۳۲
وادیاں	۵۸۳	اہل عرب کا دستور	۶۳۶

۶۸۳	بنی عمرو بن عوف	۶۳۷	تجارتی میلوں، منڈیوں میں تبلیغ
۶۸۴	خزرج بن الحارثہ	۶۴۲	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح
۶۸۴	ان کے بھائی	۶۴۶	مکہ سے باہر قبول اسلام
۶۸۵	بنی عمرو بن مبذول	۶۴۷	رافع اور معاذ بن عفراء
۶۸۵	بنی عمرو بن مالک	۶۴۹	ایاس بن معاذ
۶۸۵	بنی مازن بن النجار	۶۵۰	ضماد اڑوی
۶۸۵	بلحارث بن خزرج	۶۵۰	سوید بن صامت
۶۸۶	بنی بیاضہ بن عامر	۶۵۱	ابو رغنفاری
۶۸۶	بنی عامر بن زریق	۶۵۳	طفیل بن عمرو دوسی
۶۸۷	بنی سلمہ بن سعد	۶۵۴	یثرب کے چھ عالی نصیب اشخاص
۶۸۸	بنی سواد اور بنی غنم	۶۵۶	یثرب میں قبول اسلام کا آغاز
۶۸۸	بنی نابی	۶۵۸	قبول اسلام کی وجوہات
۶۸۸	بنی حرام بن کعب	۶۵۸	یہودی دھمکی
۶۸۹	ابن اسحاق نے کہا ان کے حلیف	۶۵۹	یہودی تعلیمات
۶۸۹	عوف بن خزرج	۶۶۰	امن کی تلاش
۶۹۰	بنی سلیم بن غنم	۶۶۱	قبائل انصار میں اشاعت اسلام کا شاندار آغاز
۶۹۰	بنی ساعدہ بن کعب	۶۶۱	”عقبہ“
۶۹۰	یہ دو عورتیں	۶۶۳	ایمان کی خوشبو ہر گھر
۶۹۱	بنی سلمہ میں سے دوسری عورت	۶۶۵	بیعت عقبہ اولیٰ
۶۹۱	کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت	۶۶۶	اسلام کی بیعت، معیار بیعت
۶۹۲	حلف وفاداری	۶۶۶	بیعت عقبہ اولیٰ کے کلمات
۶۹۶	بیعت کے بعد	۶۶۸	امام یوسف بن محمد الصالحی کا نقطہ نظر
۶۹۷	شیطان لعین کا داویلا	۶۶۸	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی یثرب روانگی
۶۹۷	قریش کا فوری رد عمل	۶۶۹	تر بیت یافتہ مبلغ
۶۹۹	اہل ایمان کا تعاقب	۶۷۲	ذرائع ابلاغ کا موثر استعمال
۷۰۰	تبلیغ و اشاعت میں اضافہ اور اس کے خوشگوار انداز و نتائج	۶۷۲	یثرب میں نماز جمعہ کا قیام
۷۰۳	باب 3	۶۷۸	بیعت عقبہ ثانیہ
۷۰۳	معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۶۸۲	سعادت مندوں کے اسمائے مبارک
۷۰۳	اسراء اور معراج کا تعارف	۶۸۳	اوس بن حارثہ اور بنی عبدالاشہل
۷۰۵	معراج کب واقع ہوئی	۶۸۳	بنی حارثہ بن الحارث

ملکیت، نورانیت ۷۵۱	معراج آپ ﷺ کا معجزہ ہے ۷۰۷
مظہریت، حقیقت ۷۵۲	معجزہ کی تعریف ۷۱۰
معراج کے رموز و حکمتیں ۷۵۲	دلائل معراج جسمانی ۷۱۲
حدیث معراج ۷۵۷	برہان قرآن ۷۱۲
قرآن مجید فرقان حمید ۷۶۱	برہان حدیث ۷۱۲
سورۃ اسراء کی روشنی میں واقعہ معراج ۷۶۲	برہان قول صحابی ۷۱۵
اسریٰ (اس نے سیر کروائی) ۷۶۵	برہان روایت و درایت ۷۱۵
بعبدہ (اپنے کامل بندے کو) ۷۶۶	برہان تاریخ عالم ۷۱۶
خود بھی یہی مانگا ۷۶۷	جسمانی معراج کے منکرین کے دلائل اور جواب ۷۲۲
بعبدہ ۷۶۷	رفقار، زمان اور مکان ۷۲۷
حبیب خدا اور دیگر انبیاء میں امتیاز ۷۶۸	وقت اور فاصلوں کا سمٹ جانا، پھیل جانا ۷۲۹
عبد کون؟ ۷۶۸	اگر ہم یہ سمجھ جائیں ۷۳۲
لیلاً ۷۶۹	معجزہ لازمہ نبوت ۷۳۳
لنریہ من آیاتنا ۷۶۹	حضرت نوح علیہ السلام ۷۳۵
انہ هو السميع البصیر ۷۷۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام ۷۳۵
معراج، سورۃ نجم کی روشنی میں ۷۷۱	حضرت یوسف علیہ السلام ۷۳۵
لفظ نجم کا مفہوم ۷۷۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام ۷۳۶
اذا هوٰ ۷۷۳	حضرت ہود علیہ السلام ۷۳۶
ماضل صاحبکم وما غوی ۷۷۳	حضرت صالح علیہ السلام ۷۳۶
صاحبکم ۷۷۳	حضرت داؤد علیہ السلام ۷۳۷
وما ينطق عن الهوى ۷۷۵	حضرت سلیمان علیہ السلام ۷۳۷
هوٰ کا مفہوم ۷۷۵	حضرت زکریا علیہ السلام ۷۳۷
ضل اور ينطق کا اہم فائدہ ۷۷۶	حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۷۳۷
ان هو الاوحی یوحی ۷۷۷	حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ۷۳۸
علیہ شدید القوی ۷۷۸	مکہ سے معراج ہونے میں مصلحتیں ۷۳۹
ذومرۃ ۷۷۸	معراج کے مراحل و حیثیات ۷۵۰
فاستویٰ وهو بالافق الاعلیٰ ۷۷۸	1- اسراء ۷۵۰
ثم دنا فتدلیٰ ۷۷۸	2- معراج ۷۵۰
فکان قاب قوسین او ادنیٰ ۷۷۹	3- اعراف ۷۵۰
فاوحی الی عبدہ ما اوحی ۷۸۰	بشریت ۷۵۱

۷۹۶	حریص آدمی	۷۸۰	ما کذب الفواد مار ای
۷۹۶	بڑی بات کی ندامت	۷۸۱	ولقد رآه نزلة اخرى
۷۹۶	ریا کاری	۷۸۲	عند سدرۃ المنتهی
۷۹۷	جنت نے درخواست کی	۷۸۳	اس مقام کو انتہی کہنے کی متعدد وجوہ بیان ہوئی ہیں
۷۹۷	دوزخ کی آرزو	۷۸۳	اذ یغشی السدرۃ ما یغشی
۷۹۸	جنات کو بھگانا	۷۸۴	ما زاغ البصر و ما طغی
۷۹۸	یہ مجاہد ہیں		(نہ عاجز و در ماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حدادب)
۷۹۸	یہ خوشبو کس کی ہے	۷۸۴	سے آگے بڑھی)
۷۹۹	پتھر گرنے کی آواز	۷۸۵	لقد رآی من آیات ربہ الکبری
۷۹۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز میں	۷۸۷	بیان معراج
۷۹۹	براق کا باندھنا	۷۸۸	سوموار، ۲۷ رجب
۷۹۹	فرشتوں کا استقبال کرنا	۷۸۸	جبرائیل کو حکم ملا
۸۰۰	حوروں کا استقبال کرنا	۷۸۹	۱- پیغام بھیجنا
۸۰۰	امام انبیاء	۷۸۹	۲- سواری بھیجنا
۸۰۱	خطبات رسل	۷۸۹	۳- نمائندہ بھیجنا
۸۰۲	جنت کے مشروبات	۷۸۹	براق
۸۰۲	ہوا میں معلق پتھر	۷۹۰	رفرف
۸۰۲	سیڑھی کا ظہور	۷۹۰	بقعہ نور
۸۰۳	ہوائی اور ناری کرے	۷۹۰	ادب سے بیدار کرنا
۸۰۳	دریائے قاصیہ	۷۹۱	وضو اور طواف
۸۰۳	پہلا آسمان	۷۹۲	شرح صدر مبارک
۸۰۳	فرشتے قیام میں	۷۹۲	براق، سواری
۸۰۳	حضرت آدم علیہ السلام	۷۹۳	نور مستور
۸۰۴	جہاد، صدقہ، خیرات	۷۹۳	امت کی یاد خیر خواہی
۸۰۴	نماز میں لا پرواہی	۷۹۳	روانگی مبارک
۸۰۴	تارک زکوٰۃ	۷۹۳	چار پکاریں
۸۰۴	زنا کار	۷۹۵	زمین یثرب
۸۰۵	قیموں کا مال کھانے والے	۷۹۵	طور سینا
۸۰۵	راہ کے موذی	۷۹۵	بیت اللحم
۸۰۵	خیانتی	۷۹۵	عافیت، بخت اور دولت

خوشامدی	۸۰۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام	۸۱۵
غیبت کرنے والے	۸۰۶	بیت المعمور	۸۱۵
شراب نوش	۸۰۶	سدرۃ المنتہی	۸۱۵
جھوٹے گواہ	۸۰۶	توبہ کرنے والے	۸۱۶
سودخور	۸۰۶	جبرائیل علیہ السلام کی حد اور واپسی	۸۱۶
قاتل ناحق	۸۰۶	حجاب زلیغت	۸۱۶
نافرمان بیویاں	۸۰۷	حجاب کبریا	۸۱۷
نافرمان اولاد	۸۰۷	سدرہ سے آگے تنہا	۸۱۷
بحر الحیوان	۸۰۷	اُدُن منی کا خطاب	۸۱۹
دوسرا آسمان	۸۰۷	اللہ کا درود	۸۲۰
فرشتے رکوع میں	۸۰۸	قلموں کی آواز	۸۲۰
حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام	۸۰۸	التحیات کے رموز	۸۲۱
تیسرا آسمان	۸۰۸	حدیث وضع الکف	۸۲۱
فرشتے سجدہ میں	۸۰۸	دیدار الہی	۸۲۲
حضرت یوسف علیہ السلام	۸۰۹	انکار رویت	۸۲۷
جبر و تکبر کرنے والے	۸۰۹	رویت کا امکان	۸۲۹
چوتھا آسمان	۸۰۹	علماء امت کی تصریحات	۸۳۲
فرشتے قعدہ میں	۸۱۰	تذکرہ واقعہ معراج	۸۳۳
حضرت ادریس علیہ السلام	۸۱۰	قریش کا مذاق اڑانا	۸۳۵
حضرت عزرائیل علیہ السلام	۸۱۰	نبیوں کے حلیے	۸۳۵
سورج	۸۱۲	قافلوں کی آمد	۸۳۵
پانچواں آسمان	۸۱۲	یہودی مسلمان ہو گیا	۸۴۰
فرشتے خشوع میں	۸۱۲		
حضرت ہارون علیہ السلام	۸۱۲		
شرک کرنے والے	۸۱۳		
چھٹا آسمان	۸۱۳		
حضرت موسیٰ علیہ السلام	۸۱۳		
ساتواں آسمان	۸۱۴		
پیدائش ملائکہ	۸۱۴		
حضرت اسرافیل علیہ السلام	۸۱۵		

حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ واپسی

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے اس مقام پر حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا پھر اپنے کریم مالک اور مہربان مالکہ کے درمیتیم کو اپنی آغوش شفقت میں لیا۔ اس جان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے موسلا دھار بارش کے قطروں کی طرح ٹپکنے والے آنسو پونچھے۔ اس کے دل درد مند کو تسلی دی۔ اس کی روح حزیں کو دلا سہ دیا۔ جب انہوں نے چھ سالہ معصوم بچے کو اپنی ماں کی مرقد سے جدا کیا ہو گا تو دونوں پر کیا ہمتی ہو گی۔ اسے صرف حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہی جانتی ہیں۔

قدرت مقبولان بارگاہ صمدیت کی تربیت پرورش و حفاظت کا خود انتظام فرماتی ہے۔ یہ انتظامات انسان کے طے کئے گئے انتظامات سے انوکھے ہوتے ہیں۔ مادرِ مشفق کا سایہ تو اٹھالیا لیکن اس کے عوض ایک سیاہ فام جہنم حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی گود عطا فرمادی جس کی لگن، پر خلوص پیار، بے پایاں محبت، بے مثل خلوص اور انتھک خدمت کے جذبات نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دوسری ماں کا درجہ دے دیا۔ رضی اللہ عنہا سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے دار فانی سے رخصت ہونے کے بعد قادر مطلق اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ایک ایسی آغوش مرحمت فرمائی جہاں بے پایاں محبت، بے مثل خلوص اور انتھک خدمت کے عمیق جذبات کے چشمے ابل رہے تھے جس نے اس معصوم دل کے درد و آلام کو بہت حد تک کم کر دیا۔

اس جہنم کو اس مقام کے لئے تجویز کر کے یہ بتا دیا کہ انسانیت کی عالی قدریں صرف سفید فاموں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ قدرت کی فیاضیاں یہ خصائل حمیدہ ان دلوں اور روحوں کو بھی عطا فرمادیتی ہے جن کی رنگت سیاہ ہے۔ اس لئے انسانیت کو رنگ و روپ کی کسوٹی پر مت پرکھو بلکہ ان کمالات اور خوبیوں سے جانچو جو شرف انسانیت ہیں جن میں عظمت و کرامت کا راز پوشیدہ ہے۔ خصوصاً وہ ہستی جس نے کالے اور گورے کے جھوٹے امتیازات کو ختم کرنا تھا اسے دو ماؤں کی محبت عطا فرمائی۔ اسی لئے جب حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو کسی کو عار دلاتے ہوئے یہ سنا۔

”اے کالی ماں کے بیٹے“

تو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو یارائے ضبط نہ رہا اور قدرے جوش اور غضب سے فرمایا۔

”پیما نہ چھلک گیا، پیما نہ چھلک گیا، پیما نہ چھلک گیا، کسی سفید رنگ والی ماں کے بیٹے کو کسی سیاہ رنگ والی ماں کے بیٹے پر کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے۔ پس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سفید رنگ والی ماں کا فرزند ہے اور اس کی پرورش کالے رنگ والی ماں نے کی ہے پس وہ ان دونوں کا بیک وقت بیٹا ہے۔“

(خاتم النبیین، امام محمد ابوزہرہ جلد 1 صفحہ 131)

اس شفیق خادمہ نے در یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ اونٹ پر سوار کیا اور یہ مختصر قافلہ جواب صرف دو افراد اور دو اونٹوں پر مشتمل تھا مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان مسافروں نے یہ مسافت کتنے دنوں میں طے کی اور وہ مکہ کب پہنچے، لیکن جب حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا مکہ پہنچی ہوں گی اور گھر والوں نے حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو نہ پایا ہوگا تو یقیناً حضرت عبدالمطلب پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہوگا۔

حضرت عبدالمطلب کی شفقت و محبت

حضرت عبدالمطلب تو پہلے ہی حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ کر اپنے بڑھاپے کے دن گزار رہے تھے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے انتقال پر ملال کے بعد تو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی الفت نے ایک طوفان کی صورت اختیار کر لی۔ کبھی ان کی انگلی پکڑے حرم کی طرف جا رہے ہیں، کبھی انہیں اپنے کندھوں پر اٹھائے کعبہ کے گرد طواف کر رہے ہیں۔ اپنے خوبصورت پیارے پیارے فرزند ارجمند کی درازی عمر کے لئے دعائیں کر رہے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تندرستی، صحت کامل سے منور و مہربان و قربان ہو رہے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں تو انہیں اپنے ساتھ بٹھا کر۔ سوتے ہیں، تورات کو اپنے پہلو میں سلاتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی جدا کرنا گوارا نہ تھا۔

اب تو بطور خاص حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنے دادا کی توجہ اور محبت کا مرکز بن گئے اور ان کی اپنی اولاد ثانوی حیثیت اختیار کر گئی۔ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت آنکھوں کے سامنے رکھتے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کے لئے کہیں جاتے تو ان کی بے قراری اور پریشانی کی انتہا نہ رہتی۔

حضرت عبدالمطلب، جب حرم شریف میں حاضری کے لئے جاتے تو سایہ کعبہ میں ان کے لئے مخصوص نشست گاہ بنائی جاتی، کسی بڑے سے بڑے آدمی کی مجال نہ تھی کہ اس پر قدم رکھ سکے حتیٰ کہ ان کے فرزند ان گرامی قدر بھی ازراہ ادب اس نشست گاہ سے دور ہٹ کر بیٹھتے لیکن جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو بلا جھجک اپنے ذی وقار دادا جان کی نشست پر بیٹھنے کے لئے آگے بڑھ جاتے۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپ کو ایسا کرنے سے روکتے تو حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹوں کو فرماتے کہ

”میرے بچے کو مت روکو اس کو آگے آنے دو بخدا اس کی بڑی شان ہوگی۔“

ہمیشہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ بٹھاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر پیار سے ہاتھ پھیرتے، حضور کی معصوم ادا میں دیکھتے اور خوشی سے پھولے نہ سماتے۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد 1 صفحہ 195)

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت ہونے کا پورا احساس و اعتماد بھی تھا جب کوئی کام نہ ہوتا تو وہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیتے یا آپ کو اس میں شریک کر لیتے وہ کام فوراً پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا۔

ایک مرتبہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے اونٹ گم ہو گئے۔ تلاش میں اپنے بیٹوں کو بھیجا مگر وہ ناکام رہے۔ انہوں نے پھر اپنے سابقہ تجربات کے باعث حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے مگر واپسی میں کچھ دیر ہو گئی۔ اس پر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سب کچھ بھول گئے اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کی دعائیں مانگنے لگے۔ جب زیادہ دیر ہوئی تو آپ کی تشویش اور بڑھ گئی۔ طواف کی حالت میں رو کر بارگاہ خداوندی میں عرض کرنے لگے۔

”اے اللہ! میرے شہسوار اور جگر پارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لوٹا دے۔ اے رب کریم! انہیں بھیج دے اپنے ناچیز بندے پر احسان کر“ (دلائل النبوة للبیہقی جلد 2 صفحہ 21، الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 81)

وہ مسلسل دعا گریہ زاری اور طواف میں مصروف رہے یہاں تک کہ اطلاع ملی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ تلاش کر کے لے آئے ہیں۔

برکت و سعادت کے انہی مظاہر نے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ بنا دیا تھا جب بھی کھانا کھانے لگتے تو کہتے میرے بیٹے کو لاؤ آپ کو لایا جاتا تب کھانا تناول کرتے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔

اپنے عظیم دادا کی بے پایاں شفقتوں اور محبتوں کے گھنے اور خنک سایہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سال بسر ہو گئے۔ عمر مبارک آٹھ سال ہو گئی تو قدرت خداوندی نے اپنی دور رس حکمتوں کے پیش نظر حضرت عبدالمطلب کو بھی اس دنیا سے اٹھالیا۔ وفات سے پہلے آپ نے اپنے بیٹے حضرت ابوطالب کو بلایا اور حضور پر نور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت اور خدمت ان کے سپرد کی کیونکہ آپ حضرت عبد اللہ کے سگے بھائی تھے۔ دونوں فاطمہ بنت عمرو بن عائد کے لطن سے تولد ہوئے تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب آٹھ سال ہو گئی تو حضرت عبدالمطلب اس دار فانی سے دار بقا کو سدھارے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد 1 صفحہ 241)

آپ کی عمر اس وقت ایک سو چالیس سال اور دوسری روایت کے مطابق ایک سو دس سال تھی۔ آپ کو

حجون میں اپنے جد اعلیٰ قصی کی قبر کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ (السيرة النبوية، احمد بن زینی وطلان جلد 1 صفحہ 87)

آپ کی وفات پر کئی دنوں تک بازار بند رہے اور منڈیوں میں کاروبار معطل رہا۔ آپ کی چھ بیٹیاں تھیں۔ ہر ایک نے اپنے عظیم باپ کی وفات پر مرثیے لکھے جن میں آپ کے محامد و کمالات ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے گہرے دلی رنج و غم کا اظہار کیا، جب آپ کا جنازہ اٹھا تو لوگوں نے آپ کے آٹھ سالہ کمسن پوتے کو بھی دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ (السيرة النبوية، احمد بن زینی وطلان جلد 1 صفحہ 88)

قارئین کرام! درج ذیل میں مندرجہ بالا کو دہرانا ہی ہے لیکن اس میں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی حتمی عمر کے ساتھ ساتھ ایک دو اور مفید معلومات درج ہیں۔ اس لئے اس کو ایک علمی ضرورت کے تحت یہاں بیان کیا گیا ہے، شامل کیا گیا ہے۔

اسی واقعہ کو نبیہتی نے دلائل النبوة میں یوں بیان کیا ہے۔

جب حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال ہو گئی۔

اس وقت حضرت عبدالمطلب کی عمر ایک سو دس سال ہو چکی تھی۔ زندگی کا کوئی بھروسہ نہ تھا کسی وقت بھی موت کا بلاوا آ سکتا تھا۔ انہیں سب سے زیادہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر تھی۔ ان کے لئے قدم قدم پر خطرہ تھا۔ دشمن گھات لگائے بیٹھا تھا کہ اسے موقع ملے اور وہ اپنے مکروہ عزائم پورے کرے۔ اس لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو صحیح معنوں میں ان کی ہمدرد و غمگسار اور دل و جان سے فدا ہو اور ہر حالت میں ان کی حفاظت کر سکے۔

حضرت ابوطالب حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سگے چچا تھے دونوں فاطمہ بنت عمرو بن عاذ کے بطن سے تھے۔ حضرت عبدالمطلب کو اس مقصد کے لئے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے زیادہ موزوں کوئی شخص نظر نہ آیا۔ انہوں نے سوچا ابوطالب ہی اپنے بھائی کی اس نشانی کی پوری جگر سوزی اور جرات و ہمت کے ساتھ حفاظت کر سکتا ہے اور اس تعلق کو نبھاسکتا ہے چنانچہ حضرت ابوطالب کو بلایا اور وصیت کی صورت میں کچھ اشعار ارشاد فرمائے جن کا مفہوم کچھ یوں ہے۔

”میرے مرنے کے بعد اپنے بھتیجے کو تنہائی کا احساس نہ ہونے دینا۔ اپنی اولاد سے بڑھ کر شفقت دینا ہر آڑے وقت میں ان کے لئے سینہ سپر ہو جانا اور ہر میدان میں ان کی مدد کرنا۔“

(دلائل النبوة للبیہقی جلد 2 صفحہ 22)

یہ وصیت کر کے وہ مطمئن ہو گئے جیسے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہو آخر ایک سو دس سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ آپ کی وفات واقعہ فیل کے آٹھ سال بعد 578ء میں ہوئی۔ وہ اہل مکہ کے معروف قبرستان واقع حجون میں دفن کئے گئے جو مکہ معظمہ کی بلند سمت میں ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ آپ کی قبر اپنے دادا قصی کے پہلو میں

بنائی گئی۔ اب یہ حصہ جنت المعلیٰ کے ایک علیحدہ خطہ میں واقع ہے جہاں حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اجداد کے مزارات ہیں۔

حضرت ابوطالب کی شفقت و محبت اور خاص توجہ

حضرت عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق حضور انور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کی سعادت حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔ مالی و معاشی دشواریوں کے باوجود آپ نے خدمت گزاری کا حق ادا کر دیا۔ آپ اپنے بچوں سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار کرتے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ رات کو سوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پہلو میں لٹاتے۔ کھانے کا وقت ہوتا تو اس وقت تک دسترخوان نہ چناتا جب تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ پورے قبیلے میں مالی لحاظ سے بہت کمزور تھے۔ کثرتِ اولاد کے باعث تنگدستی نے کچھ زیادہ ہی پریشان کیا ہوا تھا۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں تشریف لائے تو سیدہ حلیمہ کے گھر کی طرح اللہ تبارک تعالیٰ کے اذن و حکمت سے اس کی رحمتوں، برکتوں اور نعمتوں نے اس گھر میں بھی ڈیرے ڈال دیئے جنہیں حضرت ابوطالب نے پہلے ہی روز محسوس کر لیا اور جان گئے کہ سعادت و برکت ان کے ہمرکاب ہے جہاں جاتے ہیں، خوشیاں اور نعمتیں ساتھ لاتے ہیں۔

جب حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ حلیمہ کے گھر تشریف لے گئے تھے تو وہاں بھی بظاہر سیدہ حلیمہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو پال رہی تھیں مگر حقیقت میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اور ان کے پورے خاندان کو پال رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل انہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازا رکھا تھا۔

حضرت ابوطالب کے گھر عجائبات کا ظہور

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے گھر میں بھی اسی شان و کیفیت کا اعادہ ہوا۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پورے خاندان کو پالنا شروع کر دیا۔ ابن سعد، ابن عساکر اور حافظ ابو نعیم وغیرہ نے مختلف طرق سے اس روایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

جب حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے گھر والے انفرادی یا اجتماعی صورت میں حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کھانا کھاتے تو ان کا پیٹ ہی نہیں بھرتا تھا اور جب حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مل کر کھاتے تو وہ سب سیر شکم ہو جاتے۔ اس لئے صبح و شام جب بھی کھانے کا وقت ہوتا تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ انہیں روک دیتے اور کہتے پہلے میرے بیٹے کو آنے دو۔ پس حضور پر نور صلی

اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور ان کے ساتھ مل کر کھاتے تو کھانا بچ جاتا۔ (الوفاء بحوالہ طفی جلد ۱ صفحہ ۱۳۱)

کھانے کے دوران حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے بچے بعض اوقات استغناء (صبر و انتظار) کا مظاہرہ نہ کر پاتے۔ جو حضرت ابوطالب کو بہت گراں گزرتا۔ انہیں اس سے روکتے اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی متانت و سنجیدگی کی طرف ان کی توجہ دلاتے اور آپ کی شان استغناء اور شائستگی کا حوالہ دیتے مگر جب بچوں کو اس بات کا احساس نہ ہوا تو انہوں نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو علیحدہ کھانا دینا شروع کر دیا تاکہ بچوں کی غیر شائستگی کی وجہ سے آپ کی طبیعت مبارک بوجھل نہ ہو اور طبع مبارک پر ان کی عادات گراں نہ گزریں۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، جلد 2 صفحہ 184)

ویسے بھی حضور انور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کھانے کی طرف زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ صبح اٹھ کر آپ زمزم کے کنویں پر تشریف لے جاتے اور چند گھونٹ پانی نوش فرمالیتے، پھر جب ہم کھانے کے لئے بلا تے تو فرماتے مجھے خواہش نہیں پیٹ بھرا ہوا ہے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 83)

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے بچے جب صبح کو بیدار ہوتے تو ان کی طبیعت عام بچوں کی طرح نیند یا سونے کے اثر سے متاثر ہوتی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھتے تو صاف ستھرے ہشاش بشاش چاک و چوبند اور یوں محسوس ہوتا جیسے مبارک آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا ہے اور بالوں میں کنگھی کی ہوئی ہے۔

(الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 120)

یہ غیر معمولی صورتحال کچھ سوچنے پر مجبور کر دینے کے لئے کافی تھی کیونکہ یہ ایک دن کی بات نہیں تھی ہر روز کا مشاہدہ تھا۔ ان ہی مشاہدات اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات و برکات نے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ بنا دیا تھا وہ ہر وقت حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ رکھتے اور اپنے ساتھ ہی سنانے کی کوشش کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ستر ہونا پسند نہیں فرماتے تھے ایک روز سوتے وقت چچا سے فرمایا:

اے چچا! اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیں تاکہ میں کپڑے اتار کر بدل لوں کیونکہ کسی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ میرے جسم کو دیکھے۔ (محمد رسول اللہ، محمد رضا صفحہ 38)

اکثر ایسا ہوتا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم چچا کے ساتھ رات کو سوتے مگر جب ان کی آنکھ کھلتی تو وہ محسوس کرتے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بستر میں نہیں ہیں وہ ادھر ادھر ہاتھ مارتے مگر حضور پر نور کا بالکل پتہ نہ چلتا آخر حالت پریشانی میں اٹھ بیٹھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے چچا میں یہیں ہوں تب انہیں اطمینان ہوتا۔

اس معاشرے کے لئے ذکر الہی عجیب بات تھی۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرماتے وقت ”بسم اللہ الاحد“ پڑھتے اور جب فارغ ہوتے تو الحمد للہ کہتے یہ سب باتیں اور منفرد عادتیں حضرت ابوطالب کے لئے

انوکھی تھیں۔ انہوں نے ایک دن اپنے بھائی عباس سے ان کا تذکرہ کیا تو وہ بھی دنگ رہ گئے۔

(محمد رسول اللہ، محمد رضا، صفحہ 38، 39)

قحط اور بارانِ رحمت

کتب سیر میں اسی دور کا ایک مشہور واقعہ، جسے ابن عساکر نے جلبہ بن عرفطہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ وہ ایک بار مکہ آئے۔ قریش مکہ شدید قحط میں مبتلا تھے اور بارش کی بوند تک کو ترس گئے تھے۔ کسی نے کہا ”لات وعزیٰ“ سے التماس کریں کوئی کہتا ”مناۃ“ سے مدد طلب کی جائے۔ اتنے میں ایک پختہ عمر و جیہہ اور خوبرو شخص آیا۔ اس نے لاة وعزیٰ کی باتیں سن کر اظہارِ تعجب کیا اور مشورہ دیا کہ اس فضول بحث و تکرار میں وقت ضائع کرنے کے بجائے تم ابراہیم و اسماعیل کی اولاد کے پاس جاؤ وہ کریم خانوادہ تمہارے درمیان موجود ہے۔ لوگوں نے اس تجویز کو پسند کیا اور سیدھے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ سب ان سے یوں عرض گزار ہوئے۔

”اے ابوطالب قحط سالی نے وادی مکہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ بال بچے جاں بلب ہیں۔

تشریف لائیں اور بارش کے لئے دعا فرمائیں۔“ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 86)

حضرت ابوطالب ان سب کو لے کر روانہ ہوئے، ان کے ساتھ ایک نو عمر لڑکا بھی تھا، جن کے بارے میں راوی کہتے ہیں، کان شمس ”دجنة تجلت عليه سحابة قماء“ کہ اسے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے خورشید جہاں تاب (سورج کائنات کو روشن کرنے والا) ابھی بادلوں کی اوٹ سے باہر نکلا ہو۔ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت کعبہ کی دیوار کے ساتھ لگا کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ آسمان پر بادلوں کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ مبارک ہاتھوں کا اٹھنا تھا کہ بادل جھوم کر آئے اور ایک جگہ اکٹھے ہو گئے پھر چند لمحوں میں موسلا دھار بارش یوں برسی کہ مکہ کی وادی میں جل تھل ہو گیا، سارے ٹیلے اور میدان بارش میں نہا گئے، نتیجتاً کچھ ہی عرصہ بعد سبزاگ آیا اور درخت سرسبز ہو گئے۔

حضرت ابوطالب نے بعد ازاں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چند نعتیہ اشعار کہے جن میں سے یہ دو شعر بہت مشہور ہوئے، ان کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

1- ”سفید رنگت والے (خوبصورت) جن کے چہرہ اقدس کا واسطہ دے کر بارانِ رحمت طلب کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بے سہارا بیواؤں کی عصمت کے محافظ ہیں۔

1- بنی ہاشم کے ناچار ہلاکت سے بچنے کے لئے ان کے دامن کرم میں پناہ لیتے ہیں۔ انہیں اس بارگاہ بیکس پناہ میں ہر قسم کی نعمت سے مالا مال کر دیا جاتا ہے۔“

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 2 صفحہ 158)

خشک زمین سے میٹھے پانی کا چشمہ

بعض محدثین نے اسی عہد طفلی کا ایک اور محیر العقول واقعہ بیان کیا ہے۔ ابن سعد، خطیب تبریزی، ابن عساکر اور امام ابن جوزی وغیرہ نے اپنی مستند کتب میں یہ روایت یوں بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کعبہ کہیں جا رہے تھے۔ چلتے چلتے کسی لوق ودق صحرا میں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو پیاس لگ گئی، دور دور تک آبادی کا نشان نظر نہیں آتا تھا، جہاں سے پانی طلب کیا جاسکتا۔ پیاس کی یہ شدت رفتہ رفتہ تیز ہوتی گئی حتیٰ کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اب مجھ سے آگے نہیں چلا جاتا، سخت پیاس سے جان پر بن آئی ہے۔

مہربان چچا کی یہ حالت دیکھ کر حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی گہرائیوں سے دعا نکلی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خشک سنگلاخ زمین پر اپنی ایڑی مبارک زور سے ماری، زمین سے ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ بہہ نکلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چچا جان اب جی بھر کر پی لیں، انہوں نے پانی پیا تو جان میں جان آئی اور سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔

(الطبقات الکبریٰ، جلد 1 صفحہ 153، الوفا لابن جوزی جلد 1 صفحہ 131)

اس روایت سے کسی کو تعجب و حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ اگر حضرت ہاجرہ کے لخت جگر سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے مکہ کی سنگلاخ زمین سے ایڑھیوں کے رگڑنے پر پانی کا چشمہ ”زم زم“ جاری ہو سکتا ہے تو اللہ تبارک تعالیٰ کے حبیب پیغمبر اول و آخر و اعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین، ہادی انس و جان، فخر کائنات اصل الموجودات نور و مظہر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک کی ضرب سے تو ہزاروں زم زم رواں ہو سکتے ہیں۔

ایک قیافہ شناس کا کہنا

اس زمانے میں عرب کے نامور قیافہ شناس گاہے گاہے مکہ مکرمہ آیا کرتے تھے اور جب بھی ان میں سے کوئی وہاں آتا تو لوگ اپنے بچوں کو ان کے پاس لے جاتے اور ان کے مستقبل کے بارے میں ان کی رائے معلوم کرتے۔ اس قسم کے متعدد واقعات میں سے ایک واقعہ ہدیہ قارئین ہے۔

بنی ازد کا ایک خاندان ”لہب“ ہے جو قیافہ شناسی میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس کا ایک ماہر قیافہ شناس، جب کبھی مکہ میں آتا تو لوگ اپنے بچے اس کے پاس لے جاتے تاکہ ان کے مستقبل کے بارے میں اپنے علم قیافہ کی مدد سے انہیں کچھ بتائے۔ ایک دفعہ جب وہ مکہ آیا تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لے کر اس کے پاس گئے۔ اس نے ایک مرتبہ دیکھا پھر وہ دوسرے بچوں کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ جب فارغ ہوا تو کہنے لگا ابھی ابھی میں نے ایک بچہ دیکھا تھا وہ کہاں ہے؟ اسے میرے پاس

لے آؤ۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے جب حضورِ نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کی شدید حرص کو دیکھا تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپا دیا۔ وہ بار بار اصرار کرتا وہ بچہ میرے پاس لاؤ۔ وہ بچہ مجھے دکھاؤ بخدا اس کی شان بڑی بلند ہوگی لیکن حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ حضورِ نور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر چلے گئے اور پھر اس کے اصرار کے باوجود اسے نہیں دکھایا۔

(السيرة النبوية، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 242، السيرة النبوية، احمد بن زینی و حلان جلد 1 صفحہ 97، الروض الانف جلد 1 صفحہ 204)

رزق حلال کمانا، کھانا، کھلانا

رضائے الہی اور سنت انبیاء کرام

تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے محنت و مشقت سے رزق حلال کمایا ہے، کھایا ہے اور کھلایا ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی امت کو محنت و مشقت سے رزق حلال کمانے کی عملی مثال دی ہے، تربیت دی ہے، ترغیب دی ہے۔ اس لئے بنی نوع انسان کے لئے رزق حلال کمانا کھانا رضائے الہی ہی نہیں ہے بلکہ سنت انبیاء کرام بھی ہے۔ میں اس ضمن میں صرف چند انبیاء کرام کا ذکر کروں گا اور وہ بھی مختصراً صرف اتنا جو اس نکتے کی وضاحت کر دے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر آ جانے کے بعد اپنی بھوک پیاس کو مٹانے کے لئے جو محنت و مشقت، جدوجہد کرنی پڑی ہوگی اس کا تو آپ کسی حد تک بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں، تصور کر سکتے ہیں۔ دنیا پہ آ کے بھوک پیاس بجھانے کے لئے سوائے اللہ تبارک تعالیٰ کی غیبی مدد و رہنمائی کے علاوہ اور کچھ بھی تو مانوس نہ تھا، معلوم نہ تھا اور ستم بالائے ستم کہ جوڑا بھی اکٹھا نہ تھا کہ ایک دوسرے کی مدد و رہنمائی کرتے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک مدت بھٹیاری کی ملازمت کی اور رزق حلال کمایا، کھایا اور ناداروں کو کھلایا، پھر جب اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کے لئے لوہے کو مثل موم نرم کر دیا تو پھر بھی آپ لوہے سے زر ہیں، زنجیریں اور روزمرہ کی ضرورت کے آلات بنا کر بیچتے تھے اور رزق حلال کماتے تھے اور حاجت مندوں کو بھی کھلاتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رزق حلال کھانے، کمانے اور اس کے لئے باشوق و خوشی محنت و مشقت کرنے کی وضاحت، بلکہ بہت خوبصورتی سے جامع وضاحت سورہ قصص کی آیت 24 سے اور اس کی تھوڑی سی تفسیر سے ہو جاتی ہے۔

سورہ قصص آیت 24 میں حضرت موسیٰ اپنے رب سے یوں عرض گزار ہیں۔

فَسَقَى لَهُمَاءً تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۝

ترجمہ: ”(موسیٰ نے) عرض کی اے میرے رب میں اس کھانے کا جو تو میرے لئے اتارے محتاج

ہوں۔“ (نقص: 24)

یہ واضح ہو کہ آپ یہ دعا اس وقت کر رہے ہیں جب شہر مصر سے آٹھ دس دن کے سفر اور بھوک پیاس کے بعد مدین پہنچے ہیں۔ دھوپ اور گرمی کی شدت تھی کئی روز سے کھانا نہ کھایا تھا۔ بھوک کا غلبہ تھا۔ آپ ایک کنویں کے نزدیک درخت کے سایہ میں آرام فرما ہیں۔ کئی دنوں کے بھوکے ہیں لیکن پھر بھی اللہ تبارک تعالیٰ کی خوشنودی، رضا کے لئے دو مجبور عورتوں کی مدد فرماتے ہیں، حاضی مشقت کرتے ہیں اور ان کے جانوروں کو بروقت پانی پلا دیتے ہیں۔ اس کار خیر سے پہلے آپ اپنے رب سے، سارے جہانوں کے رب سے کتنی عاجزی کے ساتھ رزق حلال کے لئے دعا فرماتے ہیں اپنے رب سے رزق طلب کرتے ہیں۔ وہ ترجمہ آیت کی صورت میں آپ نے پڑھ ہی لیا ہے اور جب تمام تر ادب و آداب شرم حیا کے ساتھ لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچتے ہیں اور وہ آپ کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں میں نے یہ کار خیر اپنے اللہ کی خوشنودی، رضا کے لئے کیا تھا، میں اس کے بدلے کھانا نہیں کھاؤں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ساری زندگی رزق حلال کھانے کمانے اس کے لئے محنت و مشقت کرنے اور امت کو اسی کی تربیت و ترغیب دینے سے عبارت ہے۔ آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کی طرح جاہ و دولت سے دور عبادت الہی اور تبلیغ دین میں ہی عمر گزار دی۔ آپ کا گھر بار نہ تھا نہ بستر بوریا یہاں تک کہ کھانے پینے کا ساز و سامان تک نہ تھا۔ رزق حلال کمانا اسے پتوں پر رکھ کر کھالینا اور اوک سے پانی پی لینا آپ کے لئے معیوب نہ تھا بلکہ آپ کا حسین و سادہ معمول تھا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیجا کہ کتاب الہی کی تعلیم بھی دیں اور اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاں جو پسندیدہ افعال ہیں وہ بندوں کو کر کے بھی دکھادیں تاکہ وہ سند بن جائے اور لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ان افعال میں عزت ہے اور وہ اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاں مقبول ہیں۔ چنانچہ حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کے کام کاج کئے، نعلین پاک سیئے، کپڑوں کو پیوند لگائے، جھاڑو دیا تاکہ امتی کو کوئی کام کرتے ہوئے بھی عار محسوس نہ ہو۔ وہ جان لے، تصور کر لے کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا ہے اور یہ ان کی سنت ہے پھر یہ باعث ننگ و عار کیسے ہو سکتا ہے؟

محنت کی عظمت

قرآن و حدیث کے واضح ارشادات سے خوب واضح ہے کہ محنت و مزدوری معیوب نہیں اور نہ ہی اس سے منصب نبوت پر کوئی حرف آتا ہے۔

محنت دلیل عظمت اور افتخار کا نشان ہے۔ یہ عادت نو جوانوں کی جانفشانی مہم جوئی، فرض شناسی اور احساس ذمہ داری پر دلالت کرتی ہے اور اسلامی تعلیمات کا ایک ایسا حصہ ہے جو قابل فخر بھی ہے اور قابل ستائش بھی،

جس پر اسلام نے بطور خاص زور دیا ہے اور محنت مزدوری کرنے والوں کو حلال کی روزی کھانے والوں کو دنیا بھی پسند کرتی ہے، سراہتی ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ بھی پسند فرماتے ہیں۔

محنت و مزدوری کے دائرے میں چھوٹے سے چھوٹے کام سے لے کر بڑے سے بڑا کام آ جاتا ہے اور جو شخص جو کام بھی کرتا ہے وہ اپنی جگہ بڑا اہم ہوتا ہے خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو۔ اور کوئی بھی اس کام کی وجہ سے چھوٹا نہیں ہوتا، اس سنہری اسلامی اصول کی روشنی میں چھوٹے پیشہ ور لوگ، محنت کش، مزدور، مزارع، ملازم سب قابل عزت ٹھہرتے ہیں اور اپنی اپنی جگہ اہم ہیں۔ ان کا وہ کام بھی اہم ہے جس کے ذریعے وہ روزی کماتے اور اہل و عیال کو پالتے ہیں۔

رزق حلال کے لئے تگ و دو اور اہل و عیال کی بہتر پرورش کے لئے محنت و مشقت عبادت ہے۔ ایک مزدور اور محنت کش جتنی محنت کرتا ہے وہ محنت کی اجرت کے علاوہ اللہ تبارک تعالیٰ کی بارگاہ سے اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب حاصل کر لیتا ہے۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جو شخص محنت مزدوری کی وجہ سے تھک کر چور ہو گیا اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔“

(طبرانی)

(۲) حضرت مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

”کسی شخص نے کوئی ایسا کھانا نہیں کھایا جو اس کے ہاتھوں کی محنت سے زیادہ خیر و برکت والا ہو۔“

(مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 131)

(۳) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے اچھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ آدمی اپنے ہاتھ سے کام کرے اور دھوکہ فریب سے پاک بیع کرے۔“

(مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 141)

گویا جان مار کر محنت کرنا اور مزدوری کے دوران تھک کر چور ہو جانا کوئی عیب یا باعث شرم بات نہیں کہ انسان منہ چھپاتا پھرے اور احساس کمتری کا شکار ہو جائے بلکہ یہ ایک فخر کی بات ہے جس سے انسان اللہ تبارک تعالیٰ کی بارگاہ کا مقبول بن جاتا ہے اور اس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔ گویا اس کی جسمانی خستگی اور ذہنی تھکاوٹ اس کے لئے نوید مغفرت اور پروانہ مقبولیت بن جاتی ہے۔

کسب معاش کا دور

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک محنتی خوددار اور جفاکش انسان کی طرح حیات مبارکہ کے آغاز میں ہی اپنے کفیل چچا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا

تھا۔ ان کی مالی حالت ویسے بھی زیادہ اچھی نہیں تھی۔ اس لئے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوجھ بننے کے بجائے ان کی بھرپور مدد فرمائی۔ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرانے کا شغل اپنایا جس کا آغاز بچپن میں حضرت سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سے ہو چکا تھا۔

دوسرا ذریعہ جو اس وقت اہل مکہ میں مروج تھا اور بیشتر لوگوں کی معیشت اس سے وابستہ تھی، وہ پیشہ تجارت تھا۔ اہل قریش ہر سال موسم کی مناسبت سے یمن یا شام کی منڈیوں میں اپنا سامان فروخت کرنے کے لئے جاتے اور وہاں سے اشیائے ضرورت خرید کر لاتے۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز شباب میں ہی اپنے چچا کے ہمراہ تجارتی قافلوں کے ساتھ جانا شروع کر دیا۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔ یہاں ہم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے ذریعہ معاش یعنی گلہ بانی کو مختصر اذیر بحث لانا چاہتے ہیں۔

گلہ بانی

انہی مقتدر کاموں میں سے ایک کام گلہ بانی بھی ہے جسے آپ نے بچپن سے لے کر جوانی کی عمر تک وقتاً فوقتاً جاری رکھا اور سنت قائم کر دی کہ محنت سے روزی کمانا عزت ہے اس میں شرم کی کوئی بات نہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے بڑی بے تکلفی سے اس کا اعتراف و اظہار بھی فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

”ہم مقام مرالظہر ان پر حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے ہم نے پیلو کے پھل چننے شروع کر دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کالے کالے چنویہ پکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ تجربے کی بات سن کر ہم لوگ دنگ رہ گئے اور پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بکریاں چراتے رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔“

(صحیح بخاری، کتاب الا جارات، باب الکباث جلد 2 صفحہ 820)

ایک اور حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں حضور پر نور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تبارک تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ فرمایا، ہاں قراریط پر اہل مکہ کی بکریاں ہم بھی چرایا کرتے تھے۔“

(صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 301)

بکریاں چرانا

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے تو اپنے رضاعی بھائیوں کے

ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ نے بڑے ہو کر بھی بکریاں چرائیں چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم مقام الظہر ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم وہاں پیلو کے پھل چننے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیاہ رنگ کے چنوں، وہ زیادہ لذیذ ہوتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بکریاں چرایا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا، ”ہاں کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔“ (بخاری شریف جلد 3 صفحہ 216)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور مہاجر صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ نے بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں میں بھی اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کی اجرت پر چرایا کرتا تھا۔ (بخاری جلد 2 صفحہ 22، ابن ماجہ باب الصناعات فی التجارات)

ابو سعید خدری اور نضر بن حزن سے روایت ہے کہ ایک بار اونٹ والے اور بکریوں والے آپس میں فخر کرنے لگے تو حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ نبی بنا کر بھیجے گئے وہ بکریاں چرانے والے تھے اور داؤد نبی بنا کر بھیجے گئے وہ بھی بکریاں چرانے والے تھے اور میں نبی بنا کر بھیجا گیا اور میں بھی اپنے گھروالوں کی بکریاں مقام اجیاد میں چرایا کرتا تھا۔ (مسند احمد جلد 3 صفحہ 525)

انبیاء کرام علیہم السلام کا بکریاں چرانا امت کی گلہ بانی کا دیباچہ اور پیش خیمہ تھا۔ اونٹ اور گائے کے مقابلے میں بکریوں کا چرانا زیادہ دشوار ہے۔ بکریاں کبھی ایک چراگاہ میں جاتی ہیں اور کبھی دوسری میں، ابھی اس طرف دوڑ رہی ہیں اور دوسرے لمحہ دوسری طرف دوڑتی ہوئی نظر آتی ہیں اور چرواہا ہر طرف خیال رکھتا ہے کہ کوئی بھیڑ یا درندہ تو ان کی تاک میں نہیں اور کوشش کرتا ہے کہ تمام بکریاں ایک جگہ جمع رہیں اور کوئی گلہ سے علیحدہ نہ ہونے پائے تاکہ وہ درندوں سے محفوظ رہیں۔ چرواہا صبح سے شام تک اسی فکر میں ان کے پیچھے سرگرداں اور پریشان رہتا ہے۔

یہی حال انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے۔ وہ امت کی اصلاح کی فکر میں دن رات سرگرداں رہتے ہیں۔ امتی تو بکریوں کی طرح ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کمال شفقت سے ان کو اپنی طرف بلا تے رہتے ہیں۔ امت کی بے اعتنائی سے ان کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس پر صبر و تحمل فرماتے ہیں اور کسی وقت بھی دعوت و تبلیغ و ارشاد و تعلیم سے اکتاتے اور گھبراتے نہیں اور جس طرح بکریاں درندوں کے خونخوار حملوں سے بے خبر ہوتی ہیں اسی طرح امت کے لوگ نفس و شیطان کے حملوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ کہیں نفس و شیطان ان کو اچک نہ لے۔

(فتح الباری جلد 4 صفحہ 557، حاشیہ عیون الاثر جلد 1 صفحہ 112)

لفظ قرارِ ربط سے مراد؟

قرارِ ربط کیا چیز ہے؟ اس کے بارے میں محدثین کرام کی دو آراء ہیں۔

(۱) ایک گروہ کا خیال ہے۔ یہ لفظ ”قراط“ کی جمع ہے اور یہ دینار کے بیسویں حصے کو کہتے ہیں۔ اس وضاحت کی روشنی میں حدیث کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ آپ اجرت لے کر بکریاں چرایا کرتے تھے۔

اگر یہ بات درست ہو تو بھی منصب نبوت کے منافی نہیں۔ محنت کر کے اجرت لینا خودداری کی نشانی ہے۔ اس میں شان کو بیٹہ لگانے والی کوئی معیوب بات نہیں اسے مقام نبوت کے منافی سمجھنا نادانی ہے۔

قرآن پاک میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں ملازمت اختیار فرمائی تھی اور اجرت یہ ٹھہری تھی کہ وہ کھانا دیں گے آپ کی شادی اپنی ایک بیٹی سے کر دیں گے۔ اور اس کے عوض حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آٹھ دس سال خدمت کرنا ہوگی یعنی کہ بیٹے کی طرح گھر کے کام کاج چلانے ہوں گے۔

سورہ قصص آیات 27، 28 میں ارشادِ رب للعالمین یوں ہے:

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ نُكَحَّكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمْنِي حَجَجٍ ۖ فَإِنْ أَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝

ترجمہ: ”شعیب علیہ السلام نے کہا: میں چاہتا ہوں اپنی ایک بیٹی کی شادی آپ کے ساتھ کر دوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال میری خدمت کریں اگر دس سال پورے کر دیں تو یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ (سورہ قصص آیات 27، 28)

حضرت عقبہ بن منذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور انور نبی کریم ﷺ رؤف ورہیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بے شک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بذات خود ملازمت اختیار کر لی تھی اس شرط پر کہ مدت گزرنے کے بعد ان کی شادی ہو جائے گی اور کھانا پینا چلتا رہے گا۔“ (سنن ابن ماجہ صفحہ 178)

(۲) دوسرے گروہ کا خیال ہے ”قرارِ ربط“ سے دینار کا بیسواں حصہ مراد لینا غلط ہے، کیونکہ عرب کی سرزمین پر اس نام کا کوئی سکہ رائج نہیں تھا البتہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں ایک غیر معروف جگہ کا نام ”قرارِ ربط“ ضرور ہے اور یہاں وہی مقام مراد ہے۔ یہ جگہ موضع اجداد کے قریب ہی تھی چنانچہ حضور پر نور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی قرارِ ربط میں، اور کبھی اجداد میں، بکریاں چرایا کرتے تھے۔ حدیث پاک میں اجداد کا ذکر صراحۃً موجود ہے۔

ابو اسحاق کہتے ہیں، ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے اور وہ بکریاں چرایا کرتے تھے اور داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے وہ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے اور ہم مبعوث ہوئے اور ہم بھی مقام اجیاد میں اپنے گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 126)

اس حدیث پاک میں دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔

(۱) ایک تو اجیاد کا ذکر ہے جو قراریط کے قریب ہی تھا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں جگہوں پر بکریاں چرایا کرتے تھے۔ علامہ بدر الدین عینی نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے ان کے ہاں اس موقف کی علمی دلیل یہ ہے۔

حدیث پاک میں لفظ ”علی قراریط“ آیا ہے اور لفظ علی اصل وضع کے اعتبار سے استعلاء کے لئے آتا ہے اور استعلاء کا معنی بصورت حقیقت اسی وقت متعین ہو سکتا ہے جب اس سے جگہ مراد لیں اور اگر اس سے ”سکھ“ مراد لیں تو یہ مجازی معنی بن جاتا ہے اور مجازی معنی اس وقت مراد لیتے ہیں جب حقیقت معذور ہو اور یہاں کوئی تعذر نہیں ہے۔ (عمدة القاری جلد 12 صفحہ 80)

لیکن شیخ ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ایک اور مفہوم بیان کیا ہے لکھتے ہیں۔

”بکریوں کے دودھ کا حصہ جو حضور اجرت کے طور پر لیا کرتے تھے اور جو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال کے ساتھ بطور غذا استعمال فرمایا کرتے۔“

علامہ بدر الدین عینی نے عمدة القاری میں ابراہیم حربی کے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب تھا۔

(۲) دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ہم گھر والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے اور جو شخص اپنے گھر کا کام کاج کرے اور اپنے بزرگوں کا ہاتھ بٹائے وہ کوئی اجرت نہیں لیتا۔

اس لئے یہ اس دور کی بات ہے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام فرماتے تھے اور آپ نے ان کی مالی کمزوری کے پیش نظر یہ کام اپنے ذمہ لے لیا تھا تا کہ چچا کا معاشی بوجھ ہلکا ہو اس میں عیب یا عار والی کوئی بات نہیں۔

حضور پر نور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم معصوم بچپن اور بے مثال لڑکپن سے گزر کر اب قابل رشک عہد شباب کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی براہ راست نگرانی میں شاہراہ حیات پر آگے بڑھنے والے یہ جوان رعنا، طاہری حسن اور زیب قامت کے ساتھ ساتھ اجتماعی، قومی اور ملی شعور میں پختگی کے لحاظ سے بھی

دوسروں کی نسبت ممتاز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف چچا کے ساتھ گھریلو امور کی انجام دہی، محنت و مشقت اور خاندانی ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہو رہے تھے تو دوسری طرف مکہ جیسے بین الاقوامی شہر کے معزز خاندان کے چشم و چراغ کی حیثیت سے بھی پہچانے جانے لگے تھے لیکن اس شہرت و نیک نامی اور عزت و توقیر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابھرتی ہوئی شخصیت کو کبر و نخوت یا خاندانی تفاخر میں ہرگز مبتلا نہیں ہونے دیا بلکہ آپ قدم قدم پر پیکرِ رحمت و شفقت بن کر اہل مکہ کے نادار اور بے سہارا لوگوں کے مسائل حل فرماتے رہے اور ان کی ہر طرح سے مدد فرماتے رہے۔

بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آغازِ شباب میں ہی شہرِ مکہ کی معزز شخصیت بن گئے تھے۔ اس لئے دفاعی معاملات ہوں یا معاشرتی و خاندانی، اہل مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور عمل سے مستفید و مستفیض ہوتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم رکھتے تھے۔ اس مبارک عہد کے متعلق کتب تاریخ و سیر نے جو واقعات درج کئے ہیں ان میں تین واقعات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱- حربِ فجار میں شرکت

۲- حلف الفضول میں شرکت اور

۳- کعبہ معظمہ کی تعمیر نو میں آپ کی حکمت و بصیرت

ان کو زمانہ وقوع کے لحاظ سے موقع پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

ملکِ شام کا پہلا سفر

جب پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک بارہ سال کے قریب پہنچی تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اپنے تجارتی مقاصد کے لئے شام کے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ علامہ ابن خلدون نے عمر کے بارے میں تیرہ سال اور سترہ سال کے دو قول لکھے ہیں۔ (تاریخ ابن خلدون جلد 2 صفحہ 712)

جب آپ روانہ ہونے لگے تو حضور پر نور رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے اونٹ کی ٹیکل پکڑی اور اصرار کیا کہ مجھے بھی اپنے ہمراہ لے جائیں۔

مَسَّكَ بِرِمَامٍ نَاقَةٍ أَبِي طَالِبٍ وَقَالَ يَا عَمِّ الْيَ مَنْ تَكْلِنِي لَا أَبَ لِي وَلَا أُمَّ

”حضور نے آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور فرمایا اے میرے چچا! آپ مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے

ہیں میرا نہ باپ ہے اور نہ ماں۔“

چنانچہ ابوطالب رضی اللہ عنہ آپ کو ساتھ لے جانے پر تیار ہو گئے اور آپ کو اپنی اونٹنی پر اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد جب یہ قافلہ ”بُصْرَى“ پہنچا تو وہاں عیسائی راہبوں کی ایک خانقاہ کے نواح میں شبِ بصری کے لئے قیام کیا۔ اس خانقاہ میں ایک عیسائی راہب عرصہ دراز سے سکونت پذیر تھا۔ اس کا نام جرجیس تھا

لیکن وہ راہب بھیری کے نام سے مشہور تھا۔ بھیری سریانی لفظ ہے اس کا معنی عبقری اور نابغہ ہے یعنی از حد دانشمند اور علامہ روزگار۔ (نظرۃ الجدیدہ فی السیرۃ صفحہ 16)

لفظ بھیری

المجد میں اس لفظ کی املا یوں ہے ”بجیر“ لیکن اسلامی کتب میں اس کی املا بھیری ہے یعنی یاء مفتوح جاء مجرور یا ساکن آخر میں یاء اس پر الف علامہ ابن کثیر کی سیرت میں اسی طرح لکھا ہے۔ اصفہانی کی دلائل نبوۃ میں اس کی املاء بجیراء ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو جو خصوصی علوم عطا کئے گئے تھے وہ نسل بعد نسل چلے آتے تھے اور اس زمانہ میں ان علوم کا امین یہی بھیری راہب تھا۔ قریش کے تجارتی کارواں ہمیشہ اس راستہ سے گزرا کرتے تھے لیکن اس نے کبھی ان کی پروا نہیں کی تھی وہ ان سے گفتگو کرنے کا روادار بھی نہ تھا لیکن اس دفعہ جب یہ قافلہ اس کی وادی میں داخل ہوا تو اس نے اپنی خانقاہ سے دیکھا کہ ایک نوخیز بچے پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے۔ وہ بچہ جدھر جاتا ہے بادل کا ٹکڑا اس کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ پھر اس نے اس امر کا بھی مشاہدہ کیا کہ جب یہ قافلہ ایک درخت کے سایہ میں اترے۔ یہ بچہ جب وہاں پہنچا تو درخت کے سایہ میں کوئی جگہ باقی نہ رہی تھی اس لئے مجمع سے باہر ہی وہ بچہ دھوپ میں بیٹھ گیا اور درخت نے فوراً جھک کر اپنا سایہ اس بچے پر پھیلا دیا۔

بھیری نے جب اپنی خانقاہ کے دریچے سے یہ منظر دیکھا اسے خیال آیا کہ جس نبی صادق و امین کے ہم منتظر ہیں اور جس کی علامات ہماری کتب میں مرقوم ہیں کہیں یہ نوجوان وہی تو نہیں اسے قریب سے دیکھنا چاہئے تاکہ ان کی نشانیوں کے بارے میں پورا وثوق ہو جائے۔ اس نے اس کے لئے یہی تجویز مناسب سمجھی کہ سارے قافلہ کی ضیافت کی جائے وہ نوجوان بھی آئے گا۔ اسے قریب سے دیکھ کر دل کو مطمئن کر لوں گا۔ چنانچہ خلاف معمول وہ اپنی خانقاہ سے نکل کر ان قافلہ والوں کے پاس آیا اور کہا کہ آج آپ کے قافلہ کے تمام افراد کو میں دعوت دیتا ہوں کہ آج ماہر میرے ہاں تناول فرمائیں اس کے اس طرز عمل سے سارا قافلہ سراپا حیرت بنا ہوا تھا۔ آخر ایک شخص سے نہ رہا گیا اور اس نے پوچھ ہی لیا کہ اے بھیری! آپ کے طرز عمل نے ہمیں حیران کر دیا ہے۔ پہلے بھی ہم یہاں سے بارہا گزرے ہیں لیکن آپ نے ہماری طرف کبھی توجہ تک نہ کی۔ اس دفعہ آپ خلاف معمول اپنی خانقاہ سے چل کر ہمارے پاس آئے اور ہمیں کھانے کی دعوت دے کر ہماری عزت افزائی فرمائی۔ آپ کے طریقہ کار میں اب یہ بین فرق کیوں؟

بھیری نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا کہ بے شک آپ درست کہہ رہے ہیں لیکن آخر کار آپ ہمارے مہمان ہیں۔ اپنے مہمانوں کی عزت کرنا اور ان کی ضیافت کا شرف حاصل کرنا ہمارا فرض ہے۔ جب مقررہ وقت آیا تو

قافلے کے سارے افراد بحیرئ کے ہاں گئے۔ اس نے بڑے اہتمام سے ان کا خیر مقدم کیا لیکن جس جانِ دو عالم کے لئے وہ بڑی بے تابی سے اپنی آنکھیں فرشِ راہ کئے ہوئے تھا وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پوچھا آپ میں سے کوئی رہ تو نہیں گیا۔ انہوں نے بتایا کہ تمام لوگ آ گئے ہیں صرف ایک بچہ پیچھے رہ گیا ہے۔ اسے ہم اپنے خیموں اور اونٹوں کی حفاظت کے لئے چھوڑ آئے ہیں۔ اس نے اصرار کیا کہ اسے بھی ضرور بلاؤ اس قافلے کا کوئی فرد چھوٹا ہو یا بڑا غلام ہو یا آزاد پیچھے نہ رہے چنانچہ آپ کے چچا حارث بن عبدالمطلب گئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر لے آئے۔ اس پیکرِ نور و سعادت کے آنے سے بحیرئ کے دل بے قرار ہو کر آ گیا اور وہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے کے لئے ٹکٹکی باندھ کر رخِ انور کو دیکھنے میں محو ہو گیا۔

جب قافلے والے کھانے سے فارغ ہوئے تو اس نے سب کو رخصت کر دیا اور خود پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا اور آزمانے کے لئے کہنے لگا۔

”میں تم سے لات و عزئی کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ جس بارے میں، میں آپ سے پوچھوں آپ مجھے اس کا جواب دیں۔“

اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمانے کے لئے لات و عزئی کی قسم کھائی تھی۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”مجھ سے لات و عزئی کے واسطے سے کوئی بات مت پوچھو بخدا جتنی مجھے ان سے نفرت ہے اتنی اور کسی چیز سے نہیں۔“

بحیرئ نے کہا۔

”تو میں اللہ کے واسطے سے عرض کرتا ہوں کہ جو میں آپ سے پوچھوں اس کا جواب آپ مجھے مرحمت فرمائیں۔“

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اب جو تمہارا جی چاہے پوچھو میں اس کا صحیح صحیح جواب دوں گا۔“

وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی نیند و بیداری وغیرہ کی کیفیات کے بارے میں دریافت کرتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جواب ارشاد فرماتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو حالات اسے بتاتے اس سے ان صفات کی تصدیق ہوتی جاتی تھی جو نبی آخر الزمان کے بارے میں اس کے پاس تھیں۔ آخر میں اس نے پشتِ مبارک سے کپڑا اٹھایا وہاں اس نے خاتمِ نبوۃ کو بعینہ اس صورت میں دیکھا جو اس کے پاس تھی۔ بے ساختہ اس نے جھک کر خاتمِ نبوۃ کو چوم لیا۔ جن قافلہ والوں نے یہ منظر دیکھا وہ کہنے لگے کہ اس راہب کے دل میں محمد معصوم کی بڑی قدر و منزلت ہے۔

جب بحیرئ اس سے فارغ ہوا تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا۔
 ”اس بچے کا آپ سے کیا رشتہ ہے آپ نے کہا یہ میرا بیٹا ہے۔“
 بحیرئ نے کہا۔

”یہ آپ کا بیٹا نہیں اور نہ اس کا باپ زندہ موجود ہو سکتا ہے۔“
 حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ”یہ میرا بھتیجا ہے۔“
 اس نے پوچھا: ”ان کا باپ کہاں ہے۔“

آپ نے فرمایا کہ ان کا انتقال ہو گیا جب کہ ابھی یہ شکم مادر میں تھے۔
 اس نے کہا: ”اب آپ نے سچی بات کہی ہے پھر ان کی ماں کہاں ہے۔“
 آپ نے بتایا: ”تھوڑی مدت گزری وہ بھی انتقال کر گئی ہیں۔“

پھر اس نے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو لے کر وطن لوٹ جائیں اور یہودیوں سے ہر وقت ہوشیار رہیں اگر انہوں نے دیکھ لیا اور ان کو ان حالات کا علم ہو گیا جن کا مجھے علم ہوا ہے تو وہ انہیں ضرر پہنچانے سے باز نہیں آئیں گے۔ آپ کے بھتیجے کی بڑی شان ہوگی یہ چیز ہماری کتابوں میں لکھی ہوئی ہے اور ہمیں اپنے اباؤ اجداد نے یہی بتایا ہے۔ دیکھو! میں نے آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کا فرض ادا کر دیا۔
 انہیں جلدی اپنے وطن واپس لے جاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ بحیرئ نے صراحتاً انہیں بتا دیا کہ

”یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں۔ یہ رب العالمین کے رسول ہیں، انہیں اللہ تبارک تعالیٰ رحمت

للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا۔“ (السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی و حلان جلد 1 صفحہ 98 و 100)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ وہیں سے حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر واپس مکہ آگئے لیکن دوسری روایت میں ہے آپ قافلہ کے ساتھ شام گئے جلدی جلدی کاروبار سے فراغت پا کر مکہ لوٹ گئے۔

فَخَرَجَ بِهِ عَمَّهُ سَرِيعًا حَتَّى أَقْدَمَهُ مَكَّةَ حِينَ فَرَغَ مِنْ تِجَارَتِهِ بِالشَّامِ

”آپ کے چچا آپ کو لے کر وہاں سے جلدی نکلے شام پہنچے اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر آپ کو

لے کر مکہ واپس آئے۔“ (الروض الانف صفحہ 207)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس قافلہ میں شریک تھے اور جب راہب نے تاکید کی کہ آپ کو فوراً اپنے وطن واپس بھیج دیا جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کو اپنے ہمراہ مکہ واپس لے آئے۔ لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس سفر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شریک سفر نہ تھے اور نہ اس وقت ان کی عمر اتنی تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نگرانی میں مکہ واپس لے آتے۔ بلکہ ایک دوسرے سفر میں آپ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال میں تجارت کی غرض سے ان کے غلام میسرہ کی معیت میں کیا گیا تھا۔ اس سفر میں بھی ایک راہب سے بصرہ کے مقام پر ملاقات ہوئی تھی لیکن وہ راہب بحیری نہیں تھا بلکہ اس کا نام ”نسطورا“ تھا۔

بعض مؤرخین نے ان دونوں واقعات کو ایک واقعہ تصور کیا ہے اس لئے ان کے بیان کرنے میں کچھ سیرت نگاروں سے یہ معاملہ خلط ملط (گڈنڈ) ہو گیا ہے۔

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 243 تا 245، السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی و حلان جلد 1 صفحہ 100)

دوسری بار شدید قحط اور بارانِ رحمت

ابن عساکر نے جہمہ بن عرفطہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں مکہ گیا وہاں شدید قحط سالی تھی۔ عرصہ دراز سے بارش کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکی تھی۔ ایک شخص نے اہل مکہ کو کہا چلولات و عزئی کے پاس۔ وہاں جا کر فریاد کرو۔ ایک اور بولا، منات کے پاس بھی چلو۔ اس وقت ایک شیخ نمودار ہوا جو بڑا خوش اندام اور خوب رو تھا۔ اس کی رائے بھی بہت صائب تھی اس نے کہا کہ تم مارے مارے بھٹکتے پھر رہے ہو جب کہ تمہارے پاس ابراہیم و اسماعیل کے خاندان کی یادگار موجود ہے لوگوں نے کہا، تمہارا مطلب یہ ہے کہ ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں۔ اس بزرگ نے کہا بے شک۔

سب لوگ کھڑے ہو گئے میں بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا ہم نے جا کر ابوطالب رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھٹکھٹایا آپ باہر نکلے۔ سب لوگ آپ کی طرف دوڑے عرض کی اے ابوطالب! قحط سالی نے وادی کو جلا کر رکھ دیا ہے۔ بال بچے بھوک سے بلک رہے ہیں۔ تشریف لائیے اور بارش کے لئے دعا مانگئے۔ حضرت ابوطالب، سب کے ہمراہ روانہ ہوئے ان کے ساتھ ایک نوخیز جوان بھی تھا (یعنی حضور پر نور رحمۃ اللعالمین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم) یوں معلوم ہوتا تھا کہ مہر درخشاں ابھی بادلوں کی اوٹ سے باہر نکلا ہو۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد کئی آپ کے ہم عمر بھی تھے۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کعبہ کے ساتھ لگا دی۔ اس نوجوان نے سراپا عجز و نیاز بن کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اس وقت آسمان پر بادل کا نام و نشان تک نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ اٹھتے ہی جگہ جگہ سے بادل کی ٹکڑیاں نمودار ہونے لگیں اور چند لمحوں میں بادل اٹھ کر آگئے اور بارش برسنے لگی۔ ایسی موسلا دھار بارش برسی کہ ساری وادیاں لبریز ہو گئیں۔ سارے میدان لبالب بھر گئے۔ کچھ عرصہ بعد ہر طرف سبز گھاس لہلہانے لگی مرجھائے ہوئے درخت سرسبز و شاداب ہو گئے۔

بعثت کے بعد جب کفار نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانی شروع کی تو آپ نے اپنی قوم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ احسان یاد دلایا اور اس عظیم برکت کا ذکر کر کے انہیں ان اذیت رسائیوں سے باز

آنے کی تلقین کرنے کے لئے ایک قصیدہ لکھا جس کے دو شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور لطف اٹھائیے۔
”ان کی رنگت سفید ہے ان کے رخ انور کا واسطہ دے کر بارش کی بھیک مانگی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کی پناہ
ہیں اور بیواؤں کے عصمت کے محافظ ہیں۔“

”خاندان ہاشم کے مسکین، ہلاک ہونے سے اس کے دامن کرم میں پناہ لیتے ہیں پس وہ لوگ آپ کے
پاس ہر قسم کے انعامات اور احسانات سے مالا مال کر دیئے جاتے ہیں۔“

(السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی و جلان جلد 1 صفحہ 89)

اتفاقہ مماثلت

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ اشعار حضرت عبدالمطلب کے ہیں۔ آپ کے زمانے میں بھی اسی طرح
شدید قحط پڑا تھا۔ آپ اپنی قوم کے ساتھ جبل ابی قبیس پر دعا مانگنے کے لئے گئے تھے۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کی کمسنی کا عالم تھا۔ آپ نے اپنے اس نور نظر کو اپنے کندھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔ حضور کے واسطہ سے دعا
مانگی جو فوراً قبول ہوئی۔ اس واقعہ سے انکار نہیں۔ لیکن یہ اشعار حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ہیں کیونکہ بخاری
شریف کی حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

عہد نبوت میں بھی ایک مرتبہ شدید قحط پڑا۔ ایک اعرابی حاضر ہوا اور عرض کی۔ یا رسول اللہ
”خشک سالی کے باعث ہم بھی ہلاک ہو گئے اور ہمارے مویشی بھی ہلاک ہو گئے۔“

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔
اس سے پیشتر کہ دست مبارک نیچے آتے بارش شروع ہو گئی اور اس کی بوندیں ریش مبارک کو تر کر کے نیچے ٹپکنے
لگیں۔ پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی۔ دوسرے جمعہ کو (یعنی سات دن بعد) پھر اسی اعرابی نے یا کسی دوسرے بدو
نے بارش کی کثرت سے ہلاک ہونے کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا اور اسی وقت بادل
چھٹ گئے۔ بارش رک گئی۔

اللہ تبارک تعالیٰ کی ان رحمتوں نعمتوں فریادری کے شکرانے و خوشی میں اس موقع پر پیغمبر اول و آخر و اعظم
حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے پھر فرمایا اگر ابوطالب
رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو یہ منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں کون ہے جو ان کا شعر سنائے۔ حضرت علی کرم اللہ
وجہہ نے عرض کی۔“

”کیا حضور کی مراد آپ کے یہ (مذکورہ بالا) اشعار ہیں۔ حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا بے شک اس روایت سے ثابت ہو گیا کہ یہ اشعار حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ہیں۔“



عصمت ربانی

قدرتی حفاظت کا مضبوط حصار

عرب کے جاہلی معاشرے میں یہ برائیاں اس وقت ان کی روزمرہ زندگی کا حصہ بنی ہوئی تھیں۔ شراب، بدکاری اور عریانی کے علاوہ بت پرستی بھی عام تھیں اور وہ بڑی بے تکلفی اور فخر سے انہیں سینے سے لگائے زندگی گزار رہے تھے اور ان سے اجتناب کرنے والوں کو مطعون کرتے تھے اور انہیں اعلانیہ ہدف تنقید بناتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بے داغ کردار بعض اوقات کھٹکتا تھا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہنی صحت و سلامتی کے بارے میں سوچنے لگ جاتے تھے۔ مریض خود تھے اور مسیحا کو بیمار سمجھتے تھے۔

حضور نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن سے لے کر جوانی تک جاہلی دور کی ان تمام خرافات اور لغویات سے بالکل محفوظ رہے۔ کسی جاہلی رسم میں کبھی حصہ نہ لیا۔ قدرت نے انہیں ہر طرح اپنی حفاظت کے مضبوط حصار میں رکھا اگر رشتہ داروں، دوست، احباب کے مجبور کرنے پر کبھی حالات کے زغے میں آ بھی گئے تو فوراً غیب سے حفاظت اور بچاؤ کے انتظامات ہو گئے۔

قدرت نے طبیعت مبارکہ میں ہی ان غیر مہذب کاموں کے لئے نفرت پیدا کر دی تھی اور ان کے قرب ہی سے طبع نورانی پریشان ہو جاتی تھی۔ اس لئے خود بھی دوری اختیار فرمائی اور دوسروں کو بھی باز رہنے کی تلقین فرماتے رہے۔

ایک مرتبہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

”کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بعثت سے قبل) کبھی بت کی پرستش کی؟ فرمایا: نہیں عرض کی: کیا کبھی شراب پی؟ فرمایا: نہیں۔ ہمیں شروع ہی سے یہ احساس رہا ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں وہ کفر ہے۔“ (الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۹)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنا ایک ابتدائی واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

”کعبہ میں تانبے کا ایک بت نصب تھا جسے ”اساف“ کہتے تھے۔ کعبہ کا طواف کرتے وقت چکر مکمل کر کے لوگ اسے بھی ہاتھ لگاتے تھے ایک دفعہ میں اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف کر رہے تھے جب چکر مکمل ہوا تو میں نے لوگوں کی طرح اسے بھی چھوا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روکا اور فرمایا اسے مت چھوؤ۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے پھر طواف شروع کر دیا میں نے دل میں سوچ لیا کہ چکر پورا کر کے پھر اسے ہاتھ لگاؤں گا تاکہ دیکھوں کیا ہوتا ہے؟ جب میں نے اسے ہاتھ لگایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ڈانٹا اور فرمایا: کیا میں نے تجھے اس عمل سے روکا نہیں؟ پس اس ذات پاک کی قسم! جس نے حضور پُر نور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت و کرامت اور قرآن پاک کی دولت عطا کی پھر میں نے کبھی اس کو نہ چھوا یہاں تک کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔“ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 90)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے یہ دونوں بیانات اس حقیقت کے شاہد ہیں کہ بتوں سے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعی نفرت تھی یہاں تک کہ آپ نے بحیرا راہب سے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ان کا تذکرہ میرے سامنے مت کرو میں انہیں بالکل پسند نہیں کرتا۔

اسی بات کی تائید و وضاحت کرنے والی ایک روایت حضرت شداد بن اواہل رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے آپ فرماتے ہیں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب سے ہماری نشوونما شروع ہوئی ہے اسی وقت سے بتوں کی نفرت ہمارے دل میں ڈال دی گئی ہے۔“ (کنز العمال)

ایک دفعہ ”چاہ زمزم“ کی مرمت کا مرحلہ تھا لوگ رضا کارانہ طور پر اس مقدس کام میں حصہ لے رہے تھے اور تعمیر کے لئے دور دور سے پتھر لارہے تھے تاجدار کائنات حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوعمری کا زمانہ تھا۔ حضرت عباس بھی ساتھ تھے۔ دوسرے لوگوں نے دستور کے مطابق پتھروں کی رگڑ سے بچنے کے لئے تہہ بند اتار کر کندھوں پہ ڈال لئے اور بغیر کسی جھجک اور احساسِ ندامت کے پتھر ڈھونے لگے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی مشورہ دیا جو آپ کو بہت ناگوار گزرا مگر جب انہوں نے شفقت کی بنا پر اصرار کیا تو آپ نے بادل نا خواستہ ان کی بات ماننے کا ارادہ فرمایا ہی تھا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔

بعد میں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے پوچھا بھتیجے! کیا ہوا تھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: میں نے سفید کپڑوں میں ملبوس ایک شخص کو دیکھا اس نے ہدایت کی، باپردہ رہو عریاں ہونے کی اجازت نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ کے ذہن میں خیال آتے (تہہ بند اتارے جانے کے تصور سے) ہی آپ گر پڑے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھاگ کر آپ کے پاس گئے اور پوچھا کیا ہو گیا، آپ فرمانے لگے ”عریاں ہو جانے کے خدشہ کے پیش نظر مجھے تہہ بند اتارنے سے روک دیا گیا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس کیفیت کو نہ سمجھ سکے۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

”میں یہ بات لوگوں سے چھپایا کرتا تھا۔ مبادا کہ آپ کو مجنون سمجھنا شروع کر دیں۔“
(گویا اس دور میں مستور ہونا، پردہ کرنا اور شرم و حیا سے کام لینا ان کے ہاں دیوانگی کی علامت تھی۔)
حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں۔

”بوانہ“ عربوں کا محبوب بت خانہ تھا۔ اس بت خانے پر آ کر وہ ہر سال عید منایا کرتے تھے۔ لوگ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مجبور کرتے کہ قومی میلہ اور اجتماعی عید میں شرکت کریں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انکار کر دیتے۔ ایک دفعہ آپ کی پھوپھیاں سخت ناراض ہوئیں اور کہنے لگیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم ہمارے خداؤں سے نفرت کرتے ہو یہ اچھی بات نہیں! اگر کسی دیوتا کا غضب نازل ہو گیا تو کیا بنے گا؟ ابوطالب رضی اللہ عنہ نے بھی انہی خیالات کا اظہار کیا لہذا مجبوراً ان کی عید میں شریک ہونا پڑا۔

وہاں جا کر لوگ اپنے کاموں میں لگ گئے اور کسی کو آپ کا خیال ہی نہ رہا۔ لہذا آپ وہاں سے غائب ہو گئے جب تمام لوگ اپنی رسوم و روایات سے فارغ ہو گئے تو آپ بھی آگئے مگر سخت پریشان تھے۔ پھوپھیاں قربان ہو گئیں اور پوچھا کیا بات ہے؟

آپ نے فرمایا: میں جب بھی کسی بت کے قریب کھڑا ہوتا تھا تو ایک حسین و جمیل لمبا جوان نمودار ہو کر زور سے چیختا اے محمد! پیچھے رہو اس کے قریب نہ جاؤ!

وہ کہنے لگیں تمہاری شان عجیب ہے ہم آئندہ تمہیں اپنے ساتھ نہیں لائیں گے۔

اس کے بعد انہوں نے کبھی آپ کو عید میلہ میں شرکت پر مجبور نہ کیا۔

یہ دوسرا موقع تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غیبی ہستی کو اس روپ (غیبی مددگار برائیوں سے دور رکھنے والے کے روپ) میں دیکھا۔

بتوں کے پجاریوں نے کعبہ معظمہ کے اندر بھی بت سجائے ہوئے تھے۔ آپ کے چچا زاد بھائی وہاں اکٹھے تھے۔ انہوں نے حضور انور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے پاس بلایا آپ وہاں گئے کچھ دیر تک کعبہ کو دیکھتے رہے پھر واپس مڑے دوسرے نوجوان بھائی اس انداز پر حیران رہ گئے اور پوچھا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا بات ہے؟

آپ نے فرمایا: ”مجھے اس بت کے قریب کھڑا ہونے سے منع کر دیا گیا ہے۔“

منع کرنے والا کون ہے اسے دیکھنے اور اس حقیقت کو سمجھنے سے وہ قاصر تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ ہی رہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاہلی تہذیب سے بیزار اور اس کی رسوم و روایات سے سخت متنفر تھے۔ قدرت نے آپ کو اس کے زہر سے بالکل محفوظ رکھا تا کہ آپ ایک مثالی نمونہ اور کامل اسوہ پیش کر کے اس کی اصلاح کر سکیں اور اسے صالح تہذیب میں بدل سکیں اور آپ نے بہت مختصر مدت میں واقعی اسے بدل کر رکھ دیا۔

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم، رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا کرتے جب بھی میں کسی ایسے کام کا ارادہ کرتا جو میری شان کے شایاں نہ ہوتا تو اللہ تبارک تعالیٰ اس کے ارتکاب سے مجھے بچا لیتا۔ چند واقعات زبان رسالت سے سماعت فرمائیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایک روز میں اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ ہم سب پتھر اٹھا اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا رہے تھے میں نے اپنا تہبند اتار کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور اس پر پتھر رکھ کر ڈھونے لگا۔ فوراً کسی غیر مرئی ہستی نے مجھے طمانچہ رسید کیا پھر آواز آئی جلدی کرو اپنا تہبند باندھ لو۔ چنانچہ میں نے اپنا تہبند باندھ لیا اور بچوں کے ساتھ پتھر اٹھانے کے شغل میں پھر مصروف ہو گیا حالانکہ سارے بچوں نے اپنی چادریں اتاری ہوئی تھیں۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد 1 صفحہ 197)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے بچپن میں صرف دو مرتبہ ایسے کام کرنے کا ارادہ کیا جو زمانہ جاہلیت کے لوگ عموماً کیا کرتے تھے لیکن دونوں مرتبہ میرے رب کریم نے مجھے بچا لیا۔

جب میں اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا تو دوسرے چرواہوں کے ساتھ میں بھی مکہ سے باہر صحرا میں شب بسر کیا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے اپنے ساتھی چرواہے سے کہا آج تم میری بکریوں کا خیال رکھنا میں ذرا مکہ جاتا ہوں اور جہاں قصے کہانیوں کی محفلیں جمتی ہیں ان میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھی نے ہامی بھر لی اور میں مکہ چلا آیا۔ جب میں مکہ کے قریب پہنچا تو مجھے گانے، دفوں کے بجانے اور راز و ساز کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں جو گارہے ہیں اور دف بجا رہے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ فلاں شخص کی فلاں عورت کے ساتھ شادی ہے اس لئے یہ راگ رنگ کا سماں ہے۔ میں وہاں محفل سے دور ہی سننے کے لئے بیٹھا ہی تھا کہ مجھے نیند نے آلیا، میری آنکھ لگ گئی رات بھر سویا رہا۔ جب سورج چڑھا اور اس کی گرم کرنیں میرے جسم کو جلانے لگیں تو میری آنکھیں کھلیں میں اٹھا اور اپنے ساتھی کے پاس لوٹ آیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا بتاؤ رات کیسے گزری۔ مجھ پر جو بتی تھی وہ میں نے اسے سنا دی۔

ایک مرتبہ پھر میں نے اسی طرح مکہ کی رونقوں سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کی۔ اس کا (اس بار) بھی

یہی انجام ہوا۔ (السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی و حلان جلد 1 صفحہ 101)

حرب فجار

فجار کہنے کی وجہ

شیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

”فجار فاجر کا مصدر ہے اور باب مفاعلہ کا مصدر فعال اور مفاعلۃ کے وزن پر آتا ہے جیسے قاتل کا مصدر قتال و مقاتلۃ اور ناقش کا مصدر نقاش و مناقشۃ ہے۔ فجار کا معنی ہے دو فریقوں کا فحور کا ارتکاب کرنا۔“

(خاتم النبیین، امام محمد ابوزہرہ جلد 1 صفحہ 199)

اس جنگ کو حرب فجار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جنگ کے دونوں فریقوں نے ان مہینوں میں ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کی جن میں جنگ کرنا عہد جاہلیت میں بھی حرام سمجھا جاتا تھا۔ یہ شریعت ابراہیمی کا ایک حکم تھا جس پر عرب معاشرہ میں اس وقت بھی سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ یہ حرمت والے مہینے یہ تھے۔ ذی قعدہ۔ ذی الحجہ اور محرم۔ یہ تینوں مہینے ایک ساتھ تھے۔

اس کی حکمت یہ تھی کہ جزیرہ عرب کے اطراف و اکناف سے لوگ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے آئیں تو انہیں راستہ میں مکمل امن و امان میسر ہو۔ کسی اچانک حملہ یا کسی راہزن کا انہیں اندیشہ نہ ہو۔ اور جب یہ فریضہ ادا کرنے کے بعد اپنے وطن واپس جائیں تب بھی خیر و عافیت کے ساتھ واپس جاسکیں۔ چوتھا مہینہ رجب کا مہینہ تھا یہ ان کے نزدیک عمرہ ادا کرنے کے لئے مخصوص تھا۔ اس میں بھی حرم جانے والوں کو ضمانت دی گئی تھی کہ وہ آزادی اور اطمینان سے یہ سفر کرے اس کی جان و مال سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائے گا۔

اسلام نے بھی ان مہینوں کی حرمت کو برقرار رکھا اور مسلمانوں پر بھی حرام قرار دیا کہ وہ ان حرمت والے مہینوں میں جنگ کا آغاز کریں اگر دشمن ان پر حملہ کر دے تو اپنے دفاع میں انہیں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی گئی۔

سورہ توبہ آیت 36 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

ترجمہ: ”بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تبارک تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہے۔ کتاب الہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ان میں سے چار عزت والے ہیں۔ یہی دینِ قیم ہے۔ پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ

کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تبارک تعالیٰ پر ہیز گاروں کے ساتھ ہے۔“ (سورہ توبہ آیت 36)

اس جنگِ حربِ فجار میں بھی اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی خود حفاظت فرمائی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود جنگ و قتال میں حصہ نہیں لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے نہ کوئی شخص مارا گیا اور نہ زخمی ہوا۔ حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں شمولیت اس حد تک تھی کہ آپ کے سارے چچا اس میں شریک تھے۔ ان کا دفاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا وہ آپ بجالائے۔

چنانچہ اس جنگ میں اپنے کردار کے بارے میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

كُنْتُ اَنْبَلُ عَلَى اَعْمَامِيْ اس فقرہ کے دو معنی کئے گئے ہیں۔ عام علماء نے تو اس کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ میرے چچا دشمن پر تیر برساتے تھے اور میں ترکش سے تیر نکال نکال کر انہیں دیا کرتا تھا۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے جو شیخ ابوزہرہ نے بیان کیا ہے۔

کہ میں ان تیروں کو روکا کرتا تھا جو میرے چچوں پر چلائے جاتے تھے۔ تو گویا حضور اپنے چچوں کے لئے دشمن کے واروں سے بچانے والی زرہ تھے۔ (خاتم النبیین، امام محمد ابوزہرہ جلد 1 صفحہ 151)

حربِ فجار کیوں ہوئیں

عہدِ جاہلیت میں عرب کے باشندے عقیدہ کی گمراہی، علم سے محرومی کے علاوہ نسلی تفاخر، قبائلی عصبیت، شخصی رعونت اور انا پرستی کی بیماریوں میں بری طرح مبتلا تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر غضب ناک ہو جاتے، آپس میں الجھ پڑتے تلواریں نیام سے باہر نکل آتیں۔ پھر اپنے بھائی بندوں کو اس بے دردی سے تہ تیغ کرتے کہ خون کی ندیاں بہنے لگتیں۔ اس بے مقصد قتل عام پر انہیں ذرا ندامت نہ ہوتی بلکہ ان کارستانیوں پر فخر کرتے اور اتراتے۔ ان بہادروں کی شان میں قصیدے لکھے جاتے جنہوں نے اپنے عزیزوں کو زیادہ بے دردی سے اور کثیر تعداد میں قتل کیا ہوتا۔

یہاں بطور مثال ایک جنگ کا ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ حضور پر نور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے چچوں کے ساتھ اس میں شرکت فرمائی تھی۔ اس جنگ کی تفصیلات ”العقد الفرید“ میں ہیں۔ اور میں انہیں ضیا النبی سے نقل کر رہا ہوں۔ اس کے مطالعہ سے زمانہ جاہلیت کی ساری لڑائیوں کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔

زمانہ جاہلیت میں متعدد جنگیں ہیں جو حربِ فجار کے نام سے مشہور ہیں ہم جس حربِ فجار کا ذکر کر رہے ہیں یہ وہ جنگ ہے جو زمانہ بعثت سے بیس پچیس سال قبل اس وقت لڑی گئی جب حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پندرہ بیس سال کے درمیان تھی اس جنگ میں ایک فریق قریش اور بنی کنانہ تھے اور دوسرا فریق بنو ہوازن اور اس کی وجہ یوں بیان کی گئی ہے کہ

حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر

ہر سال جب عکاظ کا میلہ لگتا تھا اس وقت حیرہ کا بادشاہ نعمان بن منذر اپنا تجارتی قافلہ وہاں پر بھیجا کرتا۔ اس قافلہ میں مشک و عنبر وغیرہ خوشبودار چیزیں سرفہرست ہوتیں۔ یہ قافلہ اپنے مال کو عکاظ کی منڈی میں فروخت کرتا اور وہاں سے طائف کی چمڑے کی مصنوعات اور دیگر ضرورت کی چرمی چیزیں خرید کر حیرہ لوٹ آتا۔ حیرہ سے عکاظ جاتے ہوئے اس قافلہ کو بہت سے صحرائین قبائل کے علاقوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ یہ لوگ قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔

اس لئے نعمان، جب اپنا تجارتی قافلہ روانہ کرتا تو عرب کے کسی رئیس کی حفاظت اور نگرانی میں اسے روانہ کرتا۔ اس طرح کوئی قبیلہ اور کوئی فرد اس پر دست تعدی دراز نہ کرتا۔ اس دفعہ جب وہ قافلہ تیار ہوا تو نعمان نے اپنے اہل دربار سے پوچھا کہ اس دفعہ ہمارے قافلے کو کون اپنی پناہ میں لے گا۔ براض بن قیس النمری نے کہا کہ بنی کنانہ سے میں اسے اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ نعمان نے کہا مجھے تو ایسا آدمی چاہئے جو نجد اور تہامہ کے حملہ قبائل سے اس قافلہ کو پناہ دے۔

وہاں ہوازن کا ایک رئیس عروۃ الرحال موجود تھا۔ اس نے کہا اے بادشاہ! کیا ایک مردود کتا۔ (کمزور برا) بے کار آدمی براض بن قیس النمری) تمہارے قافلہ کو پناہ دے گا میں تیرے قافلے کو عرب کے تمام قبائل سے پناہ دیتا ہوں۔ براض نے کہا اے عروہ! کیا تو بنی کنانہ سے بھی اس قافلہ کو پناہ دیتا ہے۔ عروہ نے کہا میں سب لوگوں سے اسے پناہ دیتا ہوں چنانچہ نعمان نے اس قافلہ کی زمام کار عروہ کے سپرد کر دی وہ اس کو لے کر روانہ ہوا۔

براض بھی اس کے تعاقب میں نکلا۔ عروہ کو کسی سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ کیونکہ وہ اپنی قوم کے علاقے سے گزر رہا تھا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ سکے جب وہ بنی تمیم کی ایک بستی ”اوارہ“ میں اترتا تو اس نے رات کو شراب پی۔ ایک لونڈی آئی اس نے اپنے رقص و سرود ناچ گانے سے اس کا دل بہلایا۔ پھر وہ اٹھا اور جا کر اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ براض نے جب اسے تنہا دیکھا تو اندر چلا گیا۔ عروہ نے جب اس کو اس حالت میں دیکھا تو اس نے خطرہ بھانپ لیا۔ لگا اس کی منت سماجت کرنے اور کہا مجھ سے غلطی ہو گئی ہے مجھے معاف کر دو۔ لیکن براض نے اس کی منت سماجت کی ذرا پروا نہ کی اور تلوار کے ایک وار سے اس کا کام تمام کر دیا اور یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

”وہ کہتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی اس نے یہ لغزش میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ کیوں نہیں کی میں

اپنی تیز دھار تلوار کو اس کے سر پر بلند کروں گا۔ یعنی اس کا سر کاٹ دوں گا۔“

عروہ جس کی امان میں نعمان کا یہ قافلہ سفر کر رہا تھا جب وہ مارا گیا تو براض نے قافلہ کو بے یار و مددگار سمجھ

کر ہانک لیا اور خیر لے گیا۔ براض کے تعاقب میں مساور بن مالک الغطفانی اور اسد بن حشیم غنمی نکلے وہ بھی خیر پہنچ گئے۔ وہاں سب سے پہلے جس شخص سے ان دونوں کی ملاقات ہوئی وہ خود براض بن قیس نمری تھا۔ اس نے ان سے پوچھا، آپ کون صاحبان ہیں؟ انہوں نے اپنے اپنے قبیلہ کا نام لیا اور تعارف کرایا۔ براض نے کہا غطفان اور غنمی کا یہاں کیا کام؟ انہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں خیر کا باشندہ ہوں۔

انہوں نے کہا براض بن قیس نمری کے بارے میں تمہیں کچھ علم ہے۔ اس نے جواب دیا وہ ہمارے پاس آیا تھا گویا کسی نے اس کو دھکے مار کر اور رسوا کر کے اپنے ہاں سے نکال دیا ہو۔ خستہ و شکستہ حال خیر میں کسی نے اس کو اپنے ہاں پناہ نہیں دی اور نہ کسی نے اپنے گھر کا دروازہ اس کے لئے کھولا۔

انہوں نے پوچھا کہ وہ کہاں ہوگا؟ اس نے کہا اگر میں تمہیں اس تک پہنچا دوں تو کیا تم میں اس کے مقابلہ کی طاقت ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں اس نے کہا پھر اپنے اونٹوں سے نیچے اترو۔ وہ اترے اور اپنے اونٹوں کو عقالوں سے باندھ دیا۔ براض نے ان سے دریافت کیا کہ تم میں سے زیادہ بہادر، جرأت سے پیش قدمی کرنے والا اور تیز تلوار والا کون ہے؟ غطفانی نے کہا میں۔ براض بن قیس نمری نے کہا میرے ساتھ چلو میں تمہیں اس کے پاس لے چلتا ہوں۔ اور تمہارا یہ دوسرا ساتھی ان دو سوار یوں کی حفاظت کرے گا چنانچہ غطفانی چلا۔

براض اس کے آگے آگے تھا وہ اسے خیر کی آبادی سے باہر ایک کھنڈر میں لے گیا۔ براض نے اسے کہا کہ وہ اس کھنڈر میں رہتا ہے تم انتظار کرو میں جا کر دیکھتا ہوں وہ یہاں ہے یا نہیں۔ وہ وہاں ٹھہر گیا براض اندر داخل ہوا۔ پھر باہر نکلا اور بتایا کہ وہ اس دیوار کے پیچھے جو کمرہ ہے اس میں سو رہا ہے تم جب اندر داخل ہو گے تو وہ کمرہ تمہاری دائیں طرف ہوگا۔ کیا تمہاری تلوار کی دھارتیز ہے۔ اس نے کہا ”ہاں“ براض نے کہا۔ لاؤ میں دیکھوں کہ اس کی دھارتیز ہے یا نہیں اس نے اپنی تلوار اس کو پکڑا دی۔ براض نے اس کو ہوا میں لہرایا پھر ایک وار سے اس کا سر قلم کر دیا اور تلوار کو دروازے کے پیچھے رکھ دیا۔

اس کے بعد وہ غنمی کے پاس آیا جسے اونٹوں کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا تھا اس نے جب اس شخص کو دیکھا تو پوچھا خیریت تو ہے اس نے جواب دیا کہ میں نے تیرے ساتھی سے زیادہ بزدل کوئی نہیں دیکھا۔ میں نے اس کو اس کمرہ کے دروازے کے قریب کھڑا چھوڑا جس میں وہ آدمی سو رہا تھا۔ تیرا ساتھی وہاں بے جان مورتی کی طرح کھڑا ہو گیا نہ آگے بڑھتا تھا نہ پیچھے ہٹتا تھا۔ گویا ایک بے جان لاشہ ہے۔ غنمی نے بصد افسوس کہا کاش اگر کوئی شخص ہمارے ان دو اونٹوں کی حفاظت کرتا تو میں خود جاتا۔ براض نے کہا ان کا میں ذمہ دار ہوں اگر کوئی شخص لے گیا تو میں ان کا تاوان ادا کروں گا۔

غنمی اس مکان کی طرف چل دیا۔ براض اس کے پیچھے پیچھے تھا جب وہ اس کھنڈر کے دروازے کے اندر

چلا گیا تو براض نے وہ تلوار اٹھالی جسے وہ دروازے کے پیچھے چھوڑ گیا تھا اور اس کو بھی تہ تیغ کر دیا۔ دونوں مقتولوں کے ہتھیار بھی لے لئے۔ دونوں اونٹوں پر قبضہ کر لیا اور وہاں سے چلتا بنا۔

براض کے اس قتل و غارت کی خبر قریش کو اس وقت ملی جب وہ عکاظ کی منڈی میں اپنے اپنے خیموں میں امن و سکون کے ساتھ اپنے کاروبار میں مشغول تھے۔ عکاظ ایک جگہ کا نام ہے جو طائف سے تقریباً 16 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ جہاں ہر سال یکم ذی قعد سے ایک منڈی لگتی تھی۔ لوگ دور دور سے اپنی مصنوعات وغیرہ لے آتے۔ انہیں فروخت کرتے اپنی ضرورت کی چیزیں خرید کر اپنے اپنے علاقے میں واپس چلے جاتے۔ کاروباری سرگرمیوں کے علاوہ یہاں ان دنوں ثقافتی اور ادبی سرگرمیاں بھی عروج پر ہوتیں۔ شعراء قصیدے لکھ کر لاتے اور مجمع عام میں لوگوں کو سناتے اور سامعین سے داد وصول کرتے جو قصیدہ تمام قصائد سے اعلیٰ قرار پاتا اسے سونے کے پانی سے لکھ کر کعبہ کی دیواروں کے ساتھ آویزاں کر دیا جاتا ایک سال تک وہ وہاں لٹکا رہتا۔ زائرین کعبہ اس قصیدہ کو سال بھر پڑھتے رہتے اور لکھنے والے کو داد دیتے۔

جب یہ خبر اس موقع پر قریش کو پہنچی تو انہوں نے مشورہ کے لئے ایک خصوصی مجلس مشاورت کا اہتمام کیا۔ بنو قیس نے جب یہ سنا کہ براض نے ان کے سردار عروۃ الرحال کو قتل کر دیا ہے تو وہ ابو براء بن مالک کی قیادت میں جنگ کے لئے تیار ہو کر نکلے۔ اتنے میں قریش حدود حرم میں داخل ہو گئے تھے۔ بنو قیس نے بلند آواز سے اعلان کیا اے گروہ قریش! ہم اللہ تبارک تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کرتے ہیں کہ عروہ کا خون رائیگاں نہیں جانے دیں گے اور تم میں سے ایک بڑے سردار کو اس کے بدلے میں قتل کر کے رہیں گے اور آئندہ سال انہی ایام میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ حرب بن امیہ جو قریش کا سالار تھا اس نے اپنے بیٹے ابوسفیان کو کہا کہ تم انہیں کہو کہ ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال اسی دن اسی مقام پر ہوگا۔

آئندہ سال قریش اپنے تمام خلفاء بنو کنانہ، احابیش اور بنو اسد کے ساتھ پوری طرح مسلح ہو کر بنو ہوازن کا مقابلہ کرنے کے لئے تاریخ مقررہ پر میدان میں نکلے۔

”الاحابیش“ اس کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب عقد الفرید لکھتے ہیں۔

سَمُّوا كَذَلِكَ كَانَتْهُمْ تَحَالَفُوا بِاللَّهِ اَنْتَهُمْ يَدُّ عَلَى غَيْرِهِمْ مَا سَجَا لَيْلٌ وَمَا وَضَحَ نَهَارٌ
وَمَا رَسَا حُبَيْشٌ وَهُوَ جَبَلٌ اَسْفَلَ مَكَّةَ

”ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تبارک تعالیٰ کی قسم اٹھائی تھی کہ وہ اپنے مخالفین کے مقابلہ میں یک جان رہیں گے جب تک رات تاریک ہو اور دن روشن ہو جب تک حبیش کا پہاڑ اپنی جگہ پر گڑا رہے۔ اس حبیش کی نسبت سے وہ احابیش کہلائے۔ (عقد الفرید جلد 5 صفحہ 256)

عبداللہ بن جدعان نے سوتیر اندازوں کو پوری طرح مسلح کرنے کے اخراجات برداشت کئے تھے۔ بنی

سلیم اور بنو ہوازن بھی اپنے حلیفوں کے لشکروں سمیت میدان میں آ کر ڈٹ گئے۔ قریش اور اس کے حلیف قبائل کا سپہ سالار حرب بن امیہ تھا۔ اور ان کے مہینہ پر عبد اللہ بن جدعان اور میسرہ پر کریم بن ربیعہ اور قلب میں حرب بن امیہ لشکر کی کمان کر رہا تھا۔ ہوازن کا سالار مسعود بن معتب الشقی تھا۔ دونوں اٹھے اور اپنے مد مقابل پر حملہ آور ہوئے۔

دن کے پہلے حصہ میں بنو کنانہ کا پلڑا بھاری رہا لیکن دن کے آخری حصہ میں ہوازن نے جان کی بازی لگا دی۔ تیروں اور نیزوں کی بوچھاڑ میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ کر ڈٹے رہے یہاں تک کہ کنانہ کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ ان میں سے ایک سو بہادر موت کے گھاٹ اترے۔ قریش میں سے کوئی قابل ذکر شخص اس جنگ میں کام نہیں آیا چنانچہ یہ دن جس کو یوم شمشہ کہا جاتا ہے ہوازن کو کنانہ پر فتح نصیب ہوئی۔ ”شمشہ“ عکاظ کے قریب ایک گاؤں ہے جہاں یہ جنگ لڑی گئی۔

ایک سال گزرنے کے بعد پھر دونوں قبیلے ”عبلاء“ کے قریب آمنے سامنے ہوئے عبلاء عکاظ کے قریب ایک سفید چٹان کا نام ہے۔ دونوں لشکروں کے سالار وہی لوگ تھے جنہوں نے گزشتہ سال اپنی اپنی فوجوں کی قیادت کی تھی اس دن بھی ہوازن کا پلڑا بھاری رہا۔

تیسرے سال پھر انہی دنوں میں ”شرب“ کے مقام پر جو ایک گاؤں ہے اور مکہ کے قریب ہے وہاں ان دونوں لشکروں کا آمنہ سامنا ہوا۔ دونوں لشکروں کے سالار وہی لوگ تھے۔ عبد اللہ بن جدعان نے اس مرتبہ سو شتر سوار لڑاکے اس جنگ کے لئے پیش کئے۔ قریش اور کنانہ نے صبر و استقامت اور جرأت و شجاعت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ ہوازن کو عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ وہ جنگ ہے جس میں حضور انور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پندرہ بیس سال کی عمر میں شرکت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ترکش سے تیر نکال نکال کر اپنے چچاؤں کو دیتے تھے۔

چوتھے سال نخلہ کے قریب حریرہ کے مقام پر دونوں قبیلوں کی مڈ بھڑ ہوئی اور آئندہ سال عکاظ کے میدان میں پھر جمع ہونے کا وعدہ کر کے دونوں قبیلے اپنے اپنے علاقہ میں لوٹ آئے۔

(العقد الفرید جلد 5 صفحہ 258، در ضیاء النبی جلد 2 صفحہ 112 تا 117)

ابن ہشام نے واضح طور پر لکھا ہے کہ

آخری روز زبیر بن عبد المطلب نے جنگی قیادت اپنے ہاتھ میں لی چونکہ یہ قبائلی افتخار کا معاملہ تھا اس لئے قبیلہ کے ہر فرد کو اس میں شامل ہونے کی ہدایت کی۔ حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں پہلے دن ہی سے شریک نہیں ہو رہے تھے جسے بزرگ چچا نے محسوس کیا اور حکم دیا کہ انہیں بھی شریک کیا جائے چنانچہ چچاؤں کے کہنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شریک تو ہوئے مگر جنگ میں بالکل حصہ نہ لیا۔

ایک روایت ہے۔

”حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک دن کے لئے شریک ہوئے کیونکہ آپ کے چچاؤں نے مجبور کیا تھا۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں صرف اپنے چچاؤں کو تیراٹھا کر دیتا تھا۔“

(السيرة النبوية، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 186)

حسب وعدہ جب عکاظ کے میدان میں فریقین کا اجتماع ہوا۔ شمشیر زنوں نے تلواروں کو میانوں سے نکال لیا۔ تیراٹکنوں نے اپنی کمانوں کے چلوں پر تیروں کو رکھا اور نیزہ برداروں نے نیزوں کو اپنے ہاتھوں میں تولنا شروع کیا۔ قریب تھا کہ جنگ شروع ہو جائے اور دونوں قبیلے اپنے بہادر نوجوانوں کو لقمہ اجل بنا کر تباہ و برباد ہو جائیں کہ عتبہ بن ربیعہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر میدان میں نکلا اور بلند آواز سے فریقین کو مخاطب کیا۔ اے مضر کے فرزندو! یہ تو بتاؤ تم کیوں ایک دوسرے کا خون بہانے اور ایک دوسرے کو موت کی بھینٹ چڑھانے پر تلے ہوئے ہو؟

ھوازن کی طرف سے آواز آئی۔

اے عتبہ! تم ہمیں کس چیز کی طرف بلاتے ہو؟

عتبہ نے کہا صلح کی طرف۔

انہوں نے پوچھا اس کی عملی صورت کیا ہے؟

عتبہ نے کہا جتنے تمہارے مقتول ہیں ہم ان کی دیت تمہیں ادا کریں گے۔ اور ان دیتوں کی ادائیگی تک ہم اپنے بچے تمہارے پاس بطور رہن رکھیں گے اور ان جنگوں میں جو ہمارے لوگ قتل ہوئے ہیں ان کا خون ہم تمہیں معاف کر دیتے ہیں۔

انہوں نے پوچھا ہمارے پاس اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم ان شرائط کو پورا کرو گے۔

عتبہ نے کہا ”میں خود ضمان ہوں یعنی کہ ضمانت دہندہ ہوں۔“

انہوں نے پوچھا۔ تم کون ہو؟

اس نے کہا میں عتبہ ہوں ربیعہ کا بیٹا۔

چنانچہ اس بات پر صلح ہو گئی قریش بنی کنانہ نے اپنے چالیس آدمی بطور یرغمال ان کی طرف بھیج دیئے۔ ان چالیس میں حکیم بن حزام جیسی شخصیت بھی تھی۔ جب بنی عامر بن صعصاع نے ان چالیس آدمیوں کو اپنے قبضہ میں پایا جو بطور رہن ان کے پاس بھیجے گئے تھے تو انہوں نے بھی اپنے مقتولوں کی دیتوں کو معاف کر دیا۔ یوں دو قبیلوں میں پانچ سال سے خونریزی کا جو المناک سلسلہ شروع ہوا تھا اختتام پذیر ہوا۔

(السيرة النبوية، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 256، 257)

حلف الفضول

جزیرہ عرب میں کوئی منظم حکومت نہ تھی نہ وہاں باقاعدہ عدالتیں تھیں تاکہ مظلوم دادری کے لئے ان کا دروازہ کھٹکھٹا سکے۔ سارا عرب معاشرہ قبائلی نظام میں جکڑا ہوا تھا۔ اگر کسی قبیلے کا کوئی فرد دوسرے قبیلے کے کسی فرد کو قتل کر دیتا تو مقتول کا قبیلہ صرف اس قاتل سے باز پرس نہ کرتا بلکہ قاتل کے سارے قبیلہ کو اپنے انتقام کا ہدف بناتا لیکن کمزور قبائل کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ طاقتور قبیلہ سے اپنے مقتول کا بدلہ لے سکیں۔

اسی طرح اگر کوئی مسافر کسی شہر میں آجاتا اور اس شہر کا کوئی باشندہ اس پر ظلم اور زیادتی کرتا تو اس کی فریاد سننے والا وہاں کوئی نہ ہوتا۔ مکہ مکرمہ میں قریش کے دس قبائل آباد تھے جو دیگر عربی قبائل کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ اگر کوئی عربی قبیلہ کسی ایک قریشی قبیلہ پر حملہ کرتا تو سارے قریشی قبائل اس قبیلہ کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو کر حملہ آور قبیلہ کا مقابلہ کرتے۔ یہ دریافت کرنے کی کوئی زحمت گوارا نہ کرتا کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون۔

اس صورتحال سے مکہ کے وہ باشندے جن کو اللہ تبارک تعالیٰ نے درد مند دل عطا فرمایا تھا سخت نالاں تھے۔ انہیں ہرگز یہ پسند نہ تھا کہ کسی بے سہارا مسافر پر مکہ کا کوئی رئیس زیادتی کرے اور وہ بے بس تماشا شائی بنے رہیں۔ اسی اثناء میں ایک واقعہ پیش آیا کہ زبید (یمین) کا ایک تاجر اپنے سامان تجارت کے ساتھ مکہ آیا۔ یہ قبیلہ بنو زبید کا فرد تھا اور یہ قبیلہ مکہ سے دور یمین کی طرف صحراؤں میں آباد تھا۔ اسی لئے اس کے نام کی جگہ زبیدی لکھا ہے۔ عاص بن وائل جو یہاں کا ایک رئیس تھا۔ اس نے اس تاجر سے سامان خریدا پھر اس کی قیمت دینے سے انکار کر دیا۔

وہ بے چارا مسافر تھا یہاں اس کی جان تھی نہ پہچان، اس نے عاص بن وائل کے دوست قبائل عبدالدار، مخزوم جج، سہم عدی بن کعب سے اس کی شکایت کی۔ اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں اس کی مدد کریں۔ انہوں نے الٹا اسے جھڑک دیا۔ زبیدی نے ان سے مایوس ہو کر ایک اور حیلہ طریقہ اختیار کیا۔ طلوع آفتاب کے بعد جب قریش حرم کعبہ میں حسب معمول اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے تو وہ جبل ابی قیس کے اوپر چڑھ گیا اور وہاں کھڑے ہو کر بلند آواز سے فریاد کی۔

”اے فہر کی اولاد اس مظلوم کی فریاد سنو! جس کا مال و متاع مکہ شہر میں ظلماً چھین لیا گیا ہے۔ وہ

غریب الدیار ہے اپنے وطن سے دور اپنے مددگاروں سے دور۔“

”وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ اس نے ابھی عمرہ بھی ادا

نہیں کیا۔ اے مکہ کے رئیسو! میری فریاد سنو۔ مجھ پر حطیم اور حجر اسود کے درمیان ظلم کیا گیا ہے۔“

”عزت و حرمت تو اس کی ہے جس کی شرافت کامل ہو۔ جو فاجر اور دھوکہ باز ہو اس کے لباس کی تو

کوئی حرمت نہیں۔“

حرم میں موجود سارے قریشیوں نے یہ فریاد سنی لیکن سب سے پہلے جس کو ایک مسافر اور بے یار و مددگار کی فریاد پر لبیک کہنے کا حوصلہ ہوا وہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ آپ کو یہ سن کر یارائے ضبط نہ رہا۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور اعلان کیا۔

یعنی اب اس فریاد کو نظر انداز کر دینا ہمارے بس کا روگ نہیں۔

مراد یہ کہ اس واقعہ پر خاموش ہو کر بیٹھ جانا اور درگزر کر جانا ہم برداشت نہیں کریں گے لہذا انہوں نے سب سے کہا کہ وہ عبداللہ ابن جدعان کے گھر میں جمع ہوں تاکہ اس ظلم کے انسداد کے لئے کوئی لائحہ عمل وضع کیا جاسکے۔

عبداللہ ابن جدعان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا چچا زاد بھائی تھا اور طبعاً شریف النفس، صلح پسند اور انتہائی فیاض شخص تھا۔ اس لئے اہل مکہ اس کا احترام کرتے تھے چنانچہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں زبیر، بنی ہاشم، بنی زہرہ، بنی تیم بن مرہ قبائل جمع ہوئے۔ ابن جدعان نے پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔ ان سب شرکاء نے کھڑے ہو کر اللہ تبارک تعالیٰ کے ساتھ یہ عہد کیا۔

”وہ سب متحد ہو کر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں گے یہاں تک کہ ظالم، مظلوم کو اس کا حق ادا کر دے۔ اور ہم اس عہد پر پابند رہیں گے جب تک سمندر، صوف (اون) کو تر کرتا ہے اور جب تک حراء اور شبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور معاش میں ہم ایک دوسرے کی ہمدردی کریں گے۔“

اس معاہدہ کو حلف الفضول کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ عہد قدیم میں بنو جرہم نے بھی اس قسم کا ایک معاہدہ کیا تھا اور جن تین آدمیوں نے اس معاہدہ کی تحریک کی تھی اور اسے پروان چڑھایا تھا ان تینوں کا نام فضل تھا۔

(۱) فضل بن فضالہ (۲) فضل بن وداعہ (۳) فضیل بن حارث (فضل بن حارث) بعض نے اس کا نام بھی فضل ہی بتایا ہے۔

کیونکہ اس معاہدہ کے بھی وہی مقاصد تھے اس لئے اس کو بھی حلف الفضول کے نام سے شہرت ملی۔ جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو سب مل کر عاص بن وائل کے گھر گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس تاجر کا مال واپس کر دے۔ اب اسے مجال انکار نہ رہی اور اس نے مجبوراً اس کا مال اس کو واپس کر دیا۔ اس موقع پر حضرت زبیر بن عبدالمطلب نے اپنی مسرت کا اظہار یوں کیا ہے۔

”یہ معاہدہ کرنے والوں نے قسم اٹھائی ہے کہ سرزمین مکہ میں کوئی ظالم نہیں ٹھہر سکے گا۔“

”یہ ایسی بات ہے جس پر ان سب نے متفقہ معاہدہ کیا ہے۔ پردیسی اور فقیر جوان کے ہاں ہوگا ہر قسم کے جور و ستم سے محفوظ ہوگا۔“ (الروض الالف جلد 1 صفحہ 156 دیگر کتب سیرت)

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم، رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بیس سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ میں شرکت فرمائی۔ بعثت کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شرکت پر اظہارِ مسرت فرمایا کرتے تھے۔ ارشادِ گرامی ہے۔

”کہ میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں حاضر تھا۔ جب معاہدہ حلف الفضول طے پایا۔ اس معاہدہ کے بدلے میں اگر مجھے کوئی سرخ اونٹ دے تب بھی میں لینے کے لئے تیار نہیں اور اس قسم کے معاہدہ کی دعوت اسلام میں بھی اگر کوئی مجھے دے تو میں اسے قبول کروں گا۔“

یہ معاہدہ مدتوں نافذ العمل رہا۔ جب کسی مظلوم نے اس معاہدہ کا واسطہ دے کر فریاد کی تو لوگ بلا تامل تلواریں بے نیام کئے اس فریادی کی مدد کے لئے دوڑ کر آئے۔

تحقیقات حلف الفضول

رومانیہ کے وزیر خارجہ ”کونستانس جیورجیو“ نے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ”نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ رسول اللہ“ جس کا عربی ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر محمد التونجی نے کیا ہے جو حلب یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ اس میں مصنف مذکور نے حلف الفضول کے بارے میں اپنی تحقیقات کا اضافہ کیا ہے۔ اس سے اس حلف کو ایک منظم اور طاقتور بنانے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مساعی جمیلہ پر روشنی پڑتی ہے اس لئے میں اس کتاب کے حوالے سے چند چیزیں ہدیہ قارئین کرتا ہوں۔

وہ حلف الفضول کے عنوان کے نیچے لکھتے ہیں۔

”یعنی حلف الفضول عبارت ہے۔ اس منظم دستہ سے جو مسلح نوجوانوں پر مشتمل تھا اور جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی مظلوم کا حق ضائع نہ ہو۔“ (نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ رسول اللہ صفحہ 39)

وزیر موصوف اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

ایک بدو جنوبی علاقہ سے فریضہ حج ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ آیا۔ اس کے ساتھ اس کی ایک بیٹی بھی تھی جو بڑی خوب رو تھی۔ مکہ کے ایک دولت مند تاجر (جس کا نام کچھ مؤرخین نے نبیہ بن حجاج لکھا ہے) نے اس بچی کو اغوا کر لیا۔ اس مسکین باپ کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اپنے قبیلہ کے پاس جائے انہیں اپنی داستانِ غم سنائے اور ان سے مدد کی درخواست کرے لیکن پھر اسے یاد آیا کہ اس کے قبیلہ میں مردوں کی تعداد بہت کم ہے۔

وہ مکہ کے دس قریشی قبیلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ اسی پریشانی میں سرگرداں تھا جب محمد مصطفیٰ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے نو جوانوں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں کہا کہ قریشی نے تاجر کے ساتھ جو نازیبا حرکت کی ہے اس پر ہمیں خاموش نہیں رہنا چاہئے چنانچہ قریش کے چند نو جوان کعبہ شریف کے پاس جمع ہوئے اور سب نے بایں الفاظ حلف اٹھایا۔

”ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ ہم مظلوم کی مدد کریں گے یہاں تک کہ ظالم سے وہ اپنا حق واپس لے لے اور ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ اس حلف سے اس کے بغیر ہمارا کوئی اور مقصد نہیں ہوگا۔ ہم اس بات کی پروا نہیں کریں گے کہ مظلوم غنی ہے یا فقیر۔ (نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ رسول اللہ صفحہ 40)

جب انہوں نے قسم اٹھائی تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تھے۔ پھر انہوں نے حجر اسود کو زمزم کے پانی سے دھویا اور اس دھوون کو پی لیا۔ مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ اپنی قسم پر پختہ رہیں گے۔ حلف برداری کی اس تقریب کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے نو جوان ساتھیوں کو ہمراہ لے کر اس ظالم تاجر کے گھر گئے اور اس کے مکان کا گھیراؤ کر لیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس بچی کو عزت و آبرو کے ساتھ واپس کر دے۔ تاجر نے کہا کہ ایک رات مجھے مہلت دو میں صبح وہ لڑکی اس کے باپ کو لوٹا دوں گا لیکن ان نو جوانوں نے اس کی اس تجویز کو ٹھکرا دیا اس کو مجبور کیا کہ وہ بچی کو فوراً اس کے باپ کے سپرد کرے۔ اب وہ مجبور ہو گیا اور بادل خواستہ اسے بچی کو واپس کرنا پڑا۔

کونستانس جیور جیو لکھتے ہیں:

اس سلسلہ میں ایک اور روایت بھی ہے۔

ایک پردیسی تاجر مکہ آیا ابو جہل نے اس سے کچھ سامان خریدا۔ لیکن اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پردیسی تاجر کو نو جوانوں کے اس جتھے کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ وہ فریاد کناں اپنے قبیلہ کے پاس آیا انہیں برا بیگنہ کیا کہ وہ اس کی مدد کریں لیکن ایک محدود افراد پر مشتمل قبیلہ قریش کے دس قبائل سے کیونکر ٹکر لے سکتا تھا۔ انہوں نے معذرت کر دی۔ وہ تاجر پھر مکہ لوٹ آیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل کی اس حرکت کا علم ہوا تو حضور بنفس نفیس ابو جہل کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اس سامان کی قیمت تاجر کو ادا کرے چنانچہ بادل خواستہ اسے قیمت ادا کرنا پڑی۔

اس قسم کے واقعات سے حلف الفضول کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ مظلوم و بے آسرا لوگ جن پر اثر و رسوخ والے لوگ ظلم کیا کرتے تھے اور کسی کو انہیں ٹوکنے کی بھی ہمت نہ تھی اب ان مظلوموں کو ایک سہارا مل گیا۔ جب بھی کسی پر کوئی شخص زیادتی کرتا تو حلف الفضول کے ارکان اور ان کے اس مسلح دستے کے نو جوان اس کی فریادری کے لئے سامنے آ جاتے۔

علامہ کونستانس جیور جیو لکھتا ہے۔

”بعثت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حلف الفضول کے منصوبہ کی تجویز بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس جدت سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے کھوئے ہوئے حقوق واپس دلانے میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور اس تجویز کے ذریعہ سارے قبیلے کو ہدف انتقام بنانے کے نظریہ کا قلع قمع کر دیا۔

(نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ رسول اللہ صفحہ 41)

جس طرح پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حلف فضول کا آغاز حضرت زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک سے ہوا اور اس کے بعد عبد اللہ بن جدعان کے گھر چند مشہور قبائل کے سردار جمع ہوئے اور انہوں نے مظلوم کی امداد کرنے کا معاہدہ کیا جو حلف الفضول کے نام سے تاریخ میں مشہور ہوا۔ لیکن اس میں صحیح قوت اور جان اس وقت پیدا ہوئی جب حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں سرگرم حصہ لیا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر قریشی نوجوانوں کا ایک ایسا مسلح جتہ تیار ہو گیا جو اس معاہدہ کے تحت کئے گئے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہر وقت سردھڑ کی بازی لگانے کے لئے تیار رہتے تھے اور مکہ کے بڑے بڑے رئیسوں اور سرمایہ داروں کی مجال نہ تھی کہ ان کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ اسی لئے اس یورپین مورخ نے حلف الفضول کے نظریہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔“

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بعثت سے قبل اپنی قوم کی شرکانہ رسوم اور دیگر ناشائستہ حرکات اور اخلاق باختہ سرگرمیوں سے کلیتہً اجتناب فرمایا کرتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضور اپنے معاشرہ سے الگ تھلگ راہبانہ قسم کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی صحت مند اور مفید سرگرمیوں میں فعال حصہ لیا کرتے۔ ان کی شادی، غمی میں شریک ہوتے۔ ان کی سیاسی، ثقافتی، معاشی مصروفیتوں میں موثر کردار انجام دیتے۔ جب کبھی سلیم الطبع لوگ اپنے معاشرہ کی بگڑی ہوئی حالت کو سنوارنے کے لئے کوئی مثبت قدم اٹھاتے تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی گرمجوشی سے اس میں شرکت فرماتے اور اس منصوبہ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔ زندگی اور زندگی کے تقاضوں سے آنکھیں بند رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت سلیمہ کو گوارا ہی نہ تھا۔ تجارتی کاروانوں میں دور دراز کے سفر اختیار کرنا، حلف فضول میں شرکت اور اس کو کامیابی سے ہمکنار کرنا اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

ملک شام کی طرف دوسرا سفر

جزیرہ عرب کا بیشتر حصہ لُح و دُق صحراؤں اور خشک پہاڑی سلسلوں پر مشتمل ہے۔ اس زمانہ میں یہاں کے باشندے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ چرا کر گزر اوقات کیا کرتے تھے جہاں کہیں پانی دستیاب ہوتا وہاں چھوٹے چھوٹے نخلستان اور تھوڑی بہت کھیتی باڑی ہو جاتی۔ البتہ اہل مکہ تجارت پیشہ تھے۔ مشرق اور مشرق بعید کے ممالک سے درآمد کی ہوئی اجناس گرم مصالحے اور مصنوعات بادبانی کشتیوں کے ذریعے یمن کی بندرگاہوں تک

پہنچتیں۔ یہاں مکہ کے قریشی تاجران کو خرید لیتے اور اپنے اونٹوں پر لاد کر بحیرہ روم کی بندرگاہوں اور شام کے شہروں تک لے جاتے۔ وہاں انہیں فروخت کرتے اور یہاں سے مغربی ممالک سے درآمد شدہ اشیاء خرید کر یمن کی بندرگاہوں اور شہروں تک پہنچاتے جو لوگ سرمایہ کی کمی کے باعث تجارت کی سکت نہ رکھتے وہ اپنے اونٹوں کے ذریعہ مال برداری کر کے کافی اجرت کما لیتے۔ اس طرح اہل مکہ کو فارغ البالی اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے کے مواقع میسر تھے۔ مکہ مکرمہ کے قریشیوں کے تجارتی کارواں موسم گرما میں شام کو جاتے اور موسم سرما میں یمن کا رخ کرتے۔ یہ تجارت کافی وسیع پیمانے پر ہوتی تھی۔

مکہ کے جو لوگ اس تجارت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور سب سے زیادہ متمول اور مالدار تھے ان میں سرفہرست حضرت خدیجہؓ تھیں۔

حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت تقریباً پچیس سال تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت و امانت، کاروباری لین دین میں صداقت اور حسن معاملہ نے پورے مکہ کو گرویدہ کر لیا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ”الامین“ اور ”الصادق“ کے معزز القاب سے یاد کرنے لگے تھے۔ پورے معاشرے میں اس حقیقت نے شہرہ حاصل کر لیا تھا کہ ”محمد“ ایک صالح اور باکردار نوجوان ہیں، صداقت و امانت کا پیکر ہیں اور جو معاملہ رتے ہیں وہ ہر قسم کے عیب و نقص اور کھوٹ سے پاک ہوتا ہے۔ انہیں کسی نے جھوٹ بولتے نہیں سنا اور نہ کسی سے جھگڑتے دیکھا ہے۔ بالکل کھرے انسان ہیں جن کا کردار ان کی ذات ہی کی طرح بے عیب اور پاک ہے۔

مکہ میں حضرت خدیجہؓ بڑی ہی دانا، معاملہ فہم، انتظامی صلاحیتوں سے بہرہ ور، پورے عرب میں نامور اور مکہ مکرمہ کی امیر ترین خاتون تھیں۔

آپ ایک کامیاب اور متمول تاجرہ کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کا پیکر جمیل تھیں۔ عفت و پاکدامنی کے باعث اس عہد جاہلیت میں ”طاہرہ“ کے لقب سے ملقب تھیں۔ رحم دلی، غریب پروری اور سخاوت آپ کی امتیازی خصوصیات تھیں۔

جب اہل مکہ کا تجارتی قافلہ بیرون ملک جاتا تو آپ کے تجارتی سامان سے لدے ہوئے اونٹ بھی اس قافلہ کے ہمراہ ہوتے۔ جتنا سامان تجارت سارے اہل قافلہ کا ہوتا اتنا ہی خدیجہؓ کا ہوتا۔ آپ اپنے نمائندوں کو سامان تجارت دے کر روانہ کرتیں جو آپ کی طرف سے کاروبار کرتے اس کی دو صورتیں تھیں۔ یا وہ ملازم ہوتے ان کی اجرت یا تنخواہ مقرر ہوتی جو انہیں دی جاتی نفع اور نقصان سے انہیں کوئی سروکار نہ ہوتا یا نفع میں ان کا کوئی حصہ، نصف، تہائی یا چوتھائی مقرر کر دیا جاتا اگر نفع ہوتا تو وہ اپنا حصہ لے لیتے۔ بصورت نقصان ساری ذمہ داری حضرت خدیجہؓ پر عائد ہوتی۔ اس کو شریعت میں ”عقد مضاربہ“ کہتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جملہ کاروبار کی خود نگرانی فرماتی تھیں۔ ہر بار اپنا وکیل تجارت مقرر کرتیں جو سامان لے کر چلا جاتا اور تمام کاروباری امور کا ذمہ دار ہوتا۔ واپسی پر اسے مقرر کردہ رقم عطا کر دیتیں اور ملک شام سے آیا ہوا مال یہاں فروخت کر کے دوہرا نفع کمالیتیں۔ اس طرح ان کی آمدن سب سے زیادہ تھی اور شاہانہ انداز سے زندگی گزار رہی تھیں۔ مال و دولت میں کسی کو ان کے ہم پلہ ہونے کا دعویٰ نہ تھا۔ اس لئے سب دل و جان سے ان کا احترام کرتے تھے۔

بیوہ ہو چکی تھیں۔ عمر چالیس سال کے قریب تھی اور ان کی ذات حسن صورت اور حسن سیرت کا حسین سنگم تھی۔ قدرت نے ظاہری اور باطنی رعنائی و زیبائی کے ساتھ شخصی و جاہت بھی عطا فرمائی ہوئی تھی۔ سیرت و کردار کی پختگی، معاملہ فہمی، دور اندیشی اور حسن تدبیر نے اس و جاہت اور دلکشی کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا عرصہ سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت، دیانت اور شرافت کا بے نظیر شہرہ سن رہی تھیں۔ انہیں ایک ایسے ہی امین و ذہین وکیل کی ضرورت تھی جو ان کا سامان تجارت ملک شام لے جائے۔ اس نے اپنے بھتیجے قلیعہ کے ذریعہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مال تجارت شام لے جانے کے لئے تیار ہو جائیں تو اسے دوسروں سے دگنا معاوضہ دوں گی۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے فوراً حامی بھر لی اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو آمادہ کیا کہ ضرور تشریف لے جائیں اور اللہ کا فضل تلاش کریں بے شک یہ غیبی امداد ہے۔

تجارتی قافلہ تیار ہو گیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پتہ تھا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت بابرکت اور عادات و اطوار کے لحاظ سے بے مثل انسان ہیں۔ عرب کے مروجہ خصائل کو پسند نہیں کرتے اور انتہائی پاکیزہ زندگی گزار رہے ہیں۔ اس لئے اس نے اپنے ذوق تجسس کی تسکین کے لئے اپنے غلام میسرہ کو بلایا اور ہدایت کی کہ ”وہ بھی قافلہ کے ہمراہ جائے اور ہر صورت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانے اور خدمت کرے۔“

ان کے اس حکم سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ نے میسرہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کرنے کے لئے نہیں بھیجا تھا بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام و آسائش کا ہر طرح خیال رکھنے کے لئے اور خدمت گزاری کے لئے بھیجا تھا۔ 16 ذی الحجہ کو یہ قافلہ روانہ ہوا۔ روانگی کے وقت حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا صاحبان الوداع کہنے کے لئے آئے اور اہل قافلہ کو تاکید کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر طرح خیال رکھیں۔ شیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے محبت بھرے انداز میں قافلہ کی روانگی کا منظر یوں بیان فرماتے ہیں۔

”قافلہ مکہ سے روانہ ہوا جس میں وہ ہستی تھی جو اللہ تبارک تعالیٰ کی ساری مخلوق سے اعلیٰ و افضل تھی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نگاہ لطف و عنایت اس کی نگہبانی فرما رہی تھی۔“

اس دفعہ بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال بردار اونٹوں کی تعداد دیگر قافلہ والوں کے سارے اونٹوں کی

تعداد کے برابر تھی۔

چند روز کی کٹھن مسافت طے کرنے کے بعد قافلہ شام کے شہر بصریٰ میں جا اتر اور ایک خانقاہ کے قریب ایک سایہ دار درخت کے نیچے پڑاؤ کیا۔ حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پہلے سفر شام میں بھی بصریٰ آئے تھے اور اسی صومعہ (خانقاہ) کے قریب قیام کیا تھا۔ اور یہاں ایک راہب سے ملاقات بھی ہوئی۔ لیکن اس راہب کا نام بھیری تھا۔ اور موجودہ راہب جس سے ملاقات ہوئی یہ دوسرا شخص تھا جس کا نام ”نسطورا“ تھا دونوں سفروں میں تیرہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ حضور پُر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت بارہ سال اور اب پچیس سال تھی۔ ممکن ہے اس اثنا میں پہلا راہب فوت ہو گیا ہو۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ وہ یہاں سے نقل مکانی کر کے کسی دوسری خانقاہ میں چلا گیا ہو۔

نسطورا کی ملاقات جب میسرہ سے ہوئی تو اس نے پوچھا یہ شخص کون ہے جو اس درخت کے نیچے تشریف فرما ہے۔ میسرہ نے بتایا کہ یہ مکہ کے ایک قریشی نوجوان ہیں۔ راہب نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قریب ہو گیا۔ سر مبارک اور قد میں شریفین کو بوسہ دیا اور کہا۔

”میں آپ پر ایمان لے آیا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کا ذکر اللہ تبارک تعالیٰ نے تورات میں کیا ہے۔ پھر جب اس نے مہربوت کو دیکھا تو چوم لیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ نبی امی ہیں جس کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔“ (خاتم النبیین، امام محمد ابوزہرہ جلد 1 صفحہ 159)

میسرہ نے جب راہب کی یہ بات سنی ہوگی تو حیران رہ گیا ہوگا کیونکہ راستہ میں اس نے یہ ایمان پرور منظر تو بارہا دیکھا تھا کہ جب بھی دھوپ تیز ہو جاتی تھی تو دو فرشتے (بہ شکل پرندے) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر دیتے تھے۔ اور حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سائے میں ہی ہوتے۔

۱ (خاتم النبیین امام محمد ابوزہرہ جلد 1 صفحہ 159)

دوران کاروبار شام کے بازار میں ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص سے بات کر رہے تھے کہ اس نے کہا۔

میں تب یقین کروں گا جب آپ ”لات اور عزیٰ“ کی قسم کھائیں گے۔

آپ نے فرمایا:

”میں نے کبھی ان کی قسم نہیں کھائی اگر ان کے قریب سے گزروں تو منہ پھیر لیتا ہوں۔“ اس آدمی نے میسرہ کو بتایا۔

”اللہ کی قسم! یہ نبی ہیں ہمارے علماء بتاتے ہیں۔ ان کے اوصاف گزشتہ کتابوں میں لکھے ہوئے

ہیں۔ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 91)

میسرہ نے یہ گواہی بھی ذہن نشین کر لی۔

حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک شام میں قیام فرمایا یہاں تک کہ حضرت خدیجہؓ کا سارا سامان تجارت جو مکہ سے ساتھ لائے تھے وہ فروخت کر دیا اور جو قیمت وصول ہوئی اس سے شام کی مصنوعات اور مغربی ممالک سے درآمد شدہ چیزیں خرید فرمائیں۔ پھر اپنے نئے خرید کردہ سامان کو اونٹوں پر لدوایا اور مکہ واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

اس اثناء میں کسی گاہک سے کسی چیز کی خرید و فروخت پر اختلاف ہو گیا۔ اس نے کہا آپ لات وعزلی کی قسم کھائیے میں آپ کی بات مان لوں گا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان جھوٹے خداؤں کی قسم نہیں کھایا کرتا۔ وہ شخص ایسا متاثر ہوا کہنے لگا ”القول قولک“ اے امین اے صادق، جو تو کہتا ہے وہی سچ ہے، قسم کی ضرورت نہیں۔

اس سفر میں دگنا نفع ہوا جو توقع سے بھی بہت زیادہ تھا۔ یہ محض حضور کی امانت و دیانت اور کاروباری مہارت کا ثمر تھا۔ اور سب سے زیادہ اس برکت کا نتیجہ تھا جو اس ذاتِ ستودہ صفات حمیدہ صفات قابلِ صد تعریف اخلاق کے ساتھ وابستہ کر دی گئی تھی۔

نئے خرید کردہ سامان تجارت کو اونٹوں پر لادا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ جب ”مر الظهران“ کے مقام پر پہنچے تو حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میسرہ کو حکم دیا کہ وہ آگے چلا جائے اور اپنی مالک کو کامیاب تجارتی سفر کی خوشخبری سنائے۔

حسب ہدایت میسرہ نے حضرت خدیجہؓ کو قافلے کے پہنچنے سے پہلے ہی خوشخبری دے دی اور حضرت خدیجہؓ بھی اپنی سہیلیوں کے ہمراہ واپسی کا منظر دیکھنے کے لئے بالا خانے پر بیٹھ گئیں۔

سب سے پہلے انہیں ایک شہسوار نرالی شان کے ساتھ نظر آیا۔ دھوپ میں اس کا نکھرا ہوا چہرہ آئینے کی طرح چمک رہا تھا اوپر دو بڑے بڑے پرندے پر پھیلائے اس کے ساتھ ساتھ آرہے تھے۔ واضح طور پر انہوں نے شہسوار پر سایہ کیا ہوا تھا تا کہ وہ دھوپ کی تمازت سے محفوظ رہے۔ منظر اتنا حسین و جمیل باوقار اور شاہانہ تھا کہ حضرت خدیجہؓ کے ذہن پر نقش ہو گیا۔

انہوں نے سہیلیوں کو دکھایا یہ ایک حقیقت تھی کوئی واہمہ نہیں تھا۔ سب نے تصدیق کی پرندے واقعی شہسوار پر پر فشاں تھے اور انہیں اپنے سائے کے جلو میں لئے آرہے تھے۔

یہ ہر قسم کے تصنع نے پاک، قدرتی اعزاز و اکرام کا ایک شاندار نشان تھا جو آنے والے کی بے مثل شان اور بارگاہِ خداوندی میں مقبولیت کا مظہر تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حیرت زدہ اور مبہوت رہ گئیں اور پھر جب سواری نزدیک آئی اور پتہ چلا کہ اس ”شان باکمال“ کے ساتھ آنے والے ”حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ ہیں تو مجسمہ عقیدت بن گئیں۔

میسرہ نے آکر رپورٹ دی اور بتایا کہ ان کے نبی ہونے کی بشارتیں دی گئی ہیں۔ ان کے سر مبارک پر فرشتوں کو ہمیشہ پر فشاں دیکھا گیا ہے اور وہ پرندوں کی شکل میں پر پھیلا کر ان کے اوپر اڑتے رہتے تھے تاکہ سایہ رہے اور دھوپ و تمازت سے محفوظ رہیں۔

حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچنے کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ میسرہ نے اس طویل سفر میں حضور انور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت و دیانت، سیرت کی پختگی، کردار کی بلندی، اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حسن سلوک، معاملہ فہمی اور کاروباری مہارت کے جو روح پرور مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے ان کا تذکرہ کیا۔ نسطور اراہب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر جس طرح فریفتہ ہو گیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقبل کے بارے میں جو پیش گوئیاں کی تھیں وہ سنائیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حسب و نسب کے لحاظ سے پہلے ہی ارفع و اعلیٰ تھے۔ ذاتی خصال حمیدہ کا ذکر جمیل سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ اگر ان کی رفیقہ حیات بننے کا شرف انہیں نصیب ہو جائے تو ان کی بڑی خوش قسمتی ہوگی۔



ازدواجی زندگی کا آغاز

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد زواج

اس سے پیشتر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دو مرتبہ شادی ہو چکی تھی اور آپ کے دونوں شوہر فوت ہو گئے تھے۔ ان سے آپ کی اولاد بھی تھی۔ اس کے بعد بڑے بڑے امراء اور رؤسا نے کوشش کی کہ وہ انہیں رشتہ ازدواج میں قبول کریں لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کسی کی طرف التفات نہ کیا۔ حضور انور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری اور باطنی کمالات کو دیکھ کر انہوں نے ایک زیرک اور دور اندیش خاتون کی طرح فیصلہ کیا کہ وہ حضور سے عقد کریں گی۔

جس شان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے دیکھا اور جو آنکھوں دیکھے کانوں نے حقائق میسرہ نے سناے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت دل میں ایک بات ٹھان لی کہ اگر انہوں نے کسی سے نکاح کیا تو دنیا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔

اور ان ہی روح پرور خوش کن، غیبی ارشادات کے سبب آپ جلد سے جلد رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے لئے بے قرار ہو گئی تھیں تاکہ یہ دولت نایاب کسی اور کے حصے میں نہ چلی جائے اور کسی کو ان اعجازی شانوں کا پتہ نہ چل جائے جو ان کے علم میں آگئی ہیں اس لئے انہوں نے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔

آپ اسی سلسلہ میں سماوی کتابوں کے ماہر ورقہ بن نوفل کے پاس بھی گئیں۔

”وہ ان کا چچا زاد بھائی تھا اور نصرانی ہو چکا تھا اس نے کہا! اے خدیجہ! جو باتیں میسرہ نے بتائی ہیں اگر وہ سچی ہیں تو جان لے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے نبی ہیں۔ مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ اس امت کا نبی آنے والا ہے۔ اس کا انتظار کیا جا رہا ہے اور اس کے ظہور کا یہی زمانہ ہے۔“

(الہدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 296)

یہاں سے بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شوق کو غذا ملی انہیں سو فیصد یقین ہو گیا کہ ختم نبوت کے تحت و تاج کے وارث آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اب اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ادھر مشیت ایزدی بھی خدیجہ رضی اللہ عنہا پر رضاء مند ہو گئی تھیں۔ اس لئے انہوں نے خود ہی پیغام رسانی کی

تیا ریاں شروع کر دیں۔

اس بارے میں ان کی ایک سہیلی نفیسہ بنت منیہ کہتی ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت ہی دانا اور سمجھ دار عورت تھیں۔ انہوں نے بڑے بڑے مالداروں کے رشتے ٹھکرا دیئے اور حضور پر نور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے لئے فوراً تیار ہو گئیں کیونکہ انہیں پتہ چل گیا تھا یہ مستقبل کے ایسے عظیم انسان ہیں جن کے پایہ تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔

انہوں نے سب کام چھوڑ دیئے اور ایسی سہیلیاں تیار کیں جو حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پہنچ کر شادی کی بات کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کی ترغیب دیں۔

نفیسہ کہتی ہیں۔

”جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم شام سے واپس تشریف لائے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مجھے فوراً آپ کی خدمت میں بھیجا کہ اس سلسلے میں بات کروں۔“ (الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 131)

دوسری روایت میں ہے۔

”حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بہن سے کہا فوراً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے میرا ذکر کرو۔“ (الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 132)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور کی مرضی دریافت کرنے کے لئے اپنی ایک ہم راز سہیلی نفیسہ بنت منیہ کو کہا کہ وہ کسی طرح حضور کی رائے اس بارے میں معلوم کرے۔ یہ واقعہ نفیسہ کی زبانی سنئے۔ نفیسہ نے کہا۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک عقل مند، بہادر اور شریف النفس خاتون تھیں۔ نسب میں اعلیٰ شرافت میں ارفع، مال و ثروت میں سب سے زیادہ، ساری قوم کے شرفاء ان سے نکاح کرنے کے لئے بے قرار تھے اگر ان کا بس چلتا، سب نے کوشش کی لیکن بے سود۔ نفیسہ کہتی ہے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سفر شام سے واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مجھے مامور کیا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے دریافت کروں۔

چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شادی کیوں نہیں کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سرمایہ نہیں جس سے شادی کا فریضہ ادا کر سکوں۔ میں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پروا نہ کریں اس کی میں ذمہ دار ہوں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمال، شرف اور خوشحالی کی طرف دعوت دی جائے تو کیا آپ اسے قبول نہیں فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کون؟ میں نے کہا ”خدیجہ“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لئے یہ کیوں کر ممکن ہے۔ (یعنی میں کیوں نہ قبول فرماؤں گا)

یہ جواب سن کر میں خوشی خوشی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور جا کر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے بات چیت ہوئی جب انہیں یقین ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی درخواست کو مسترد نہیں کریں گے تو کہنے لگیں۔ اے میرے چچا زاد! میں اس لئے تم میں رغبت رکھتی ہوں کہ رشتہ میں تم میرے قریبی ہو۔ اپنی قوم میں تمہاری شان بلند ہے۔ امانت، حسن خلق، صدق بات چیت حق پرستی اعلیٰ کلام اور دلکش انداز آپ کی خصوصی صفات ہیں جب انہوں نے ادب و احترام کے ساتھ اپنی خواہش کا اظہار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کر لیا۔

اس باہمی رضامندی کے باعث حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ اب آپ اپنے چچا جان کے پاس تشریف لے جائیں اور کل سویرے انہیں ہمارے ہاں بھیجیں۔ دوسرے روز حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ (حضرت ابوطالب) میرے چچا نوفل کے پاس جائیں اور اپنے بھتیجے کے لئے میرا رشتہ طلب کریں۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا اور فرمایا ”ہذا صنع اللہ“ یہ قدرت الہی کا کرشمہ ہے۔ اس طرح دولہا اور دلہن کے بزرگوں کی منظوری سے منگنی انجام پذیر ہوئی اور نکاح کے لئے تاریخ مقرر ہوئی۔

جانبین کے متفقہ فیصلہ سے وقت اور دن کا تعین ہو گیا۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ معززین قریش بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد کا پہلے سے انتقال ہو گیا تھا۔ اس طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد اور ورقہ بن نوفل نے بارات کا استقبال کیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ان کے چچا عمرو بن اسد وکیل بنے۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وکالت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ نے اس وقت ایک فصیح و بلیغ خطبہ نکاح ارشاد فرمایا۔

”سب تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیم کی اولاد سے حضرت اسماعیل کی کھیتی سے معد کی نسل سے اور مضر کے اصل سے پیدا فرمایا۔ نیز ہمیں اپنے گھر کا پاسبان اور اپنے حرم کا منتظم مقرر کیا۔

ہمیں ایک ایسا گھر دیا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ایسا حرم بخشا جہاں امن میسر آتا ہے نیز ہمیں لوگوں کا حکمران مقرر فرمایا۔

حمد کے بعد! میرا یہ بھتیجا جس کا نام محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اس کا دنیا کے جس بڑے سے بڑے آدمی کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا اس سے اس کا پلڑا بھاری ہوگا۔ اگر یہ مالدار نہیں تو کیا ہو مال تو ایک ڈھلنے والا سایہ ہے اور بدل جانے والی چیز ہے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کی قرابت کو تم خوب جانتے ہو

اس نے خدیجہ بنت خویلد کا رشتہ طلب کیا ہے اور ساڑھے بارہ اوقیہ سونا مہر مقرر کیا ہے اور بخدا مستقبل میں اس کی شان بہت بلند ہوگی اس کی قدر و منزلت بہت جلیل ہوگی۔

(خاتم النبیین، امام محمد ابوزہرہ جلد 1 صفحہ 162، دیگر کتب سیرت)

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کے بعد ورقہ بن نوفل کھڑے ہوئے جو حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے اور جوابی خطبہ دیا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

”سب تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے جس نے ہمیں ان عزتوں اور انعامات سے نوازا جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اور ہمیں وہ فضیلتیں بخشیں جن کو آپ نے گنا ہے۔ پس ہم سارے عرب کے سردار اور راہبر ہیں۔ اور تم بھی ان صفات سے متصف ہو۔ قبیلہ کا کوئی فرد ان کا انکار نہیں کرتا اور کوئی شخص تمہاری فضیلت کو رد نہیں کرتا۔ ہم اپنا تعلق تم سے استوار کرنے میں بڑا اشتیاق رکھتے ہیں۔ اے خاندان قریش کے سردارو! گواہ رہو۔ میں نے خدیجہ دختر خویلد کا نکاح محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کر دیا ہے۔“

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ گویا ہوئے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کار خیر میں اے ورقہ خدیجہ کے چچا بھی شریک ہوں۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بولے۔

”اے قبائل قریش! گواہ رہنا میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کر دیا ہے اور اس پر قریش کے سردار گواہ مقرر ہوئے ہیں۔“

زرقانی علی المواہب نے ان لمحات کو یوں محفوظ کیا ہے۔

یہ ازدواجی خطبہ پڑھ کر ورقہ بن نوفل چپ ہو گئے۔ ابوطالب رضی اللہ عنہ نے کہا۔

”اے ورقہ! میں چاہتا ہوں خدیجہ کا چچا بھی آپ کے ساتھ نکاح کرنے میں شریک ہو جائے۔“

یہ سن کر عمرو بن عبد اللہ نے اسی طرح کیا اور کہا کہ

”اے زہدہ قریش! گواہ ہو جاؤ کہ میں نے محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خدیجہ کا نکاح کر دیا۔“

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح قبول کیا اور سرداران قریش نے گواہی دی۔

(زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 203)

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ہادی انس و جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ پہلی شادی مبارک تھی جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس اہتمام اور شان و شوکت کے ساتھ انجام پذیر ہوئی اور قیامت تک امت کے لئے ان گنت خیرات و برکات کا سرچشمہ بنی۔ اس وقت حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عفو ان شباب تھا۔ عمر مبارک پچیس سال تھی اور سیدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال اور اس سے پہلے وہ دوبار بیوہ ہو چکی تھیں۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی مبارک سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اتنی خوشی ہوئی کہ تمام غلام آزاد کر دیئے تاکہ یہ شادی ان کے لئے بھی یادگار بن جائے اور وہ ساری زندگی خوش ہوتے اور دعائیں دیتے رہیں، اپنی کنیزوں کو حکم دیا کہ دف بجا بجا کر خوب اظہار مسرت کریں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی دولت سرمدی پا کر اپنی ساری دولت آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دی اور عرض کی:

”میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس کے مالک ہیں جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں۔ میرا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔“ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ یہی مال بعثت کے بعد نصرت اسلام کا سبب بنا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم معاشی فکر سے آزاد ہو کر دعوت دین کا فریضہ مکمل اطمینان اور یکسوئی نبھاتے رہے۔

اس طیبہ طاہرہ رفیقہ حیات کی آمد سے حضور انور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ایک خوش آئند اور مسرت آگیاں انقلاب رونما ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھرپور محبت اور شبانہ روز خدمت گزاری نے اس خلا کو بڑے سلیقہ سے پر کرنے کی سعی مشکور کی جو سیدہ آمنہ کے سایہ عاطفت کے اٹھ جانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچپن سے ہی محسوس کرتے تھے۔ قبیلہ قریش کی اس معزز، دانشمند اور دور اندیش خاتون کو عبدالمطلب کے جواں سال اور جواں بخت پوتے کے فضائل و شمائل نے ایسا گرویدہ کر دیا تھا کہ انہوں نے اپنا دل، اپنی جان اور اپنا مال و متاع سب کچھ ان کے قدموں پر نثار کر دیا تھا اور اس سودے پر وہ صرف خوش ہی نہ تھیں بلکہ نازاں تھیں اور شکر گزار تھیں کہ اس پیکر جمال و کمال نے انہیں اپنی رفاقت، زوجیت و خدمت میں قبول فرمایا ہے۔ آپ اپنے بخت پر، خوش نصیبی پر، حاصل پر کیوں نازاں نہ ہوں کہ آپ کو حاصل کائنات مل گیا۔ آپ کا اس چرنازاں ہونا بجا تھا۔

کعبہ معظمہ کی تعمیر نو

کعبہ معظمہ زمین کا وہ اشرف اور مقدس ترین ٹکڑا ہے جسے زمین کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے۔ قرآن پاک میں سورہ نازعات آیت 30 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے

وَالْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ دَحَاهَا ۝

”اور اللہ پاک نے آسمان پیدا کرنے کے بعد زمین کو بچھایا۔“ (سورہ نازعات آیت 30)

زمین کو بچھانے کا عمل اسی جگہ سے شروع ہوا جہاں کعبہ معظمہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”بیت اللہ شریف زمین سے دو ہزار سال پہلے موجود تھا۔ قیامت کے دن جب زمین کو پھیلایا

جائے گا تو اس کی ابتدا بھی اسی خطہ ارض کے نیچے سے ہوگی۔“

(دلائل النبوة للبیہقی جلد 2 صفحہ 44، سورہ انشقاق آیت 3)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ خطہ زمین ابتدا ہی میں حج و زیارت کے لئے منتخب کر لیا گیا تھا تا کہ تڑپتی ہوئی انسانیت کو ایک ”حرم امن“ ملے اور وہ اسے اپنے قبلے اور اجتماعی مرکز کے طور پر پہچانیں۔ دور دور سے اس کے طواف اور حج کے لئے آئیں اور اس مرکز فیض سے فیوض و برکات پائیں۔

قرآن حکیم سورہ حج آیات 22 اور 27 میں ارشاد فرمایا گیا۔

كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝
وَإِذْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝
”(اے ابراہیم) لوگوں میں حج کا اعلان کر دو لوگ پیدل اور اونٹنیوں پر سوار ہو کر دور دراز مقامات سے آئیں گے۔“ (سورہ حج آیات 22 اور 27)

سورہ بقرہ آیت 125 میں اس کی اجتماعیت اور مرکزیت کا ذکر ہے جس کے لئے ارشاد رب للعالمین یوں ہے۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ط
”ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ایک عظیم مرکز اور امن کا گہوارہ بنایا۔“

(سورہ بقرہ آیت 125)

اس شان و عظمت والے گھر کی تعمیر کس انفرادی شان سے ہوئی اس کا ذکر اس حدیث مبارک میں ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں فرماتے ہیں پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ پاک نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کی طرف جبریل امین علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا: میرے لئے ایک گھر بناؤ! چنانچہ جبریل امین علیہ السلام نے حد بندی کر دی اور آدم علیہ السلام نے مٹی کھودنا شروع کی۔ حضرت حوا علیہا السلام وہ مٹی دوسری جگہ منتقل کرتی رہیں یہاں تک کہ وہ پانی کی سطح تک پہنچ گئے۔ نیچے سے آواز آئی اے آدم! اب بس کرو اتنی گہرائی کافی ہے۔ جب انہوں نے تعمیر مکمل کر لی تو اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔ اب اس کا طواف کرو۔ انہیں بتایا گیا آپ پہلے انسان ہیں اور یہ پہلا گھر ہے۔ اس کے بعد صدیاں بیت گئیں یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا حج کیا پھر صدیاں بیت گئیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیادوں کو اٹھایا۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد 2 صفحہ 45، البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 299)

پھر گردشِ دوراں کے ساتھ جب یہ عمارت منہدم ہو گئی تو اسے ”عمالقہ“ نے تعمیر کیا جب صدیوں کے وقفہ کے بعد پھر منہدم ہوئی تو اسے ”بنو جرہم“ نے تعمیر کیا۔

ہم خانہ کعبہ کی تعمیر نو کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہاں خانہ کعبہ کے بارے میں بہت زیادہ تفصیلات کا تذکرہ

مطلوب نہیں ہے جس وقت کی ہم بات کر رہے ہیں اس وقت کعبہ کی کیفیت یہ تھی کہ پتھروں کی ایک چار دیواری تھی جس کی اونچائی انسان کے قد سے کچھ زیادہ تھی۔ پتھر جوڑ جوڑ کر یہ چار دیواری بنائی گئی تھی جنہیں آپس میں جوڑنے کے لئے گارا استعمال کرنے کا تکلف بھی نہیں کیا گیا تھا اور اس چار دیواری پر چھت بھی نہیں تھی۔ اور اس پر بھی وقت رفتہ کے ساتھ ٹوٹ پھوٹ کا عمل جاری رہا۔

اس کے علاوہ بالائی حصہ سے جب سیلاب کا پانی نشیب کی طرف آتا تو ہر بار عمارت کو کافی نقصان پہنچتا اور اب تو عمارت کی صرف کچھ دیواریں باقی رہ گئی تھیں۔ جب قریش نے ازسرنو اس کی تعمیر کا منصوبہ بنایا اس وقت حضور پر نور تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً 35 سال تھی۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو کی فوری وجہ یہ تھی کہ کعبہ کے اندر ایک کنواں (گڑھا) تھا۔ زائرین کعبہ شریف کے لئے جو نذرانے اور تحائف پیش کرتے تھے وہ اس کنویں میں ڈال دیئے جاتے تھے۔ وہاں قیمتی اشیاء اور سونے کے زیورات کا ایک گراں بہا خزانہ جمع ہو گیا۔ کعبہ شریف کی مکمل چار دیواری نہ تھی اور نہ چھت تھی اور نہ ہی اس کا کوئی دروازہ تھا۔ ایک رات چند چوروں نے اندر داخل ہو کر کچھ قیمتی اشیاء چوری کر لیں۔ جب ان کی تلاش کی گئی تو وَدِیک نامی ایک شخص کے پاس سے مل گئیں۔ دو یک بنو لیح بن عمرو خزاعی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ مسروقہ اشیاء قبضہ میں لے لی گئیں اسے پکڑ کر قریش کے حوالے کر دیا گیا۔ قریش نے سرقہ کے جرم میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے چور کوئی اور دوسرے لوگ تھے اور وہ ان مسروقہ اشیاء کو وَدِیک کے پاس رکھ گئے تھے۔ (السرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 209)

ان ہی وجوہات کی بنا پر اکابرین قریش نے سوچا کہ نئی تعمیر پختہ بنیادوں پر ہونی چاہئے تاکہ وہ سیلاب سے متاثر نہ ہو اور اس پر چھت بھی ڈال دی جائے تاکہ جو تحائف وغیرہ آتے ہیں وہ اندر محفوظ رہیں۔

ان اسباب و حالات نے انہیں تعمیر نو کا احساس دلایا مگر مسئلہ یہ تھا کہ پہلی بوسیدہ عمارت کے ڈھانچے کو گرانے کی جرأت کون کرے۔ ہو سکتا ہے قدرت کو یہ مٹی کا حرم ہی پسند ہو اور مرمی سلوں کو پذیرائی نصیب نہ ہو۔

تمام سردار سر جوڑ کر بیٹھے ولید بن مغیرہ نے کہا ہماری نیت صحیح ہے ہم شکست و ریخت نہیں، تعمیر چاہتے ہیں۔ اس لئے کوئی آفت نازل نہیں ہوگی۔ یہ امکان تب ہو سکتا ہے جب ہماری نیتوں میں فتور ہو جب ہم اصلاح و تعمیر کے متمنی ہیں تو ہمیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے۔ ان ہی دنوں قدرتی طور پر تعمیر کعبہ کے اسباب بھی مہیا کئے گئے۔

ہوایوں کہ جب ہر قبیلہ اپنے اپنے حصہ کے مطابق سامان فراہم کرنے میں مشغول ہو گیا۔ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر پتھر تیار کئے جا رہے تھے تو انہی دنوں اتفاق سے ایک باد بانی کشتی کو سمندر کی تند موجوں نے دھکیل

کر جدہ کے ساحل پر بھینک دیا۔ وہ کشتی طوفان کے سبب ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔ بعض نے اس بندرگاہ کا نام شعبیہ بتایا ہے جو بحر حجاز کے ساحل پر کشتیوں کی بندرگاہ تھی۔ اس کی قیمتی لکڑی بڑی کارآمد تھی۔ قریش کو معلوم ہوا انہوں نے اس کے تختے خرید لئے۔

شیخ ابراہیم عرجون اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

قیصر روم نے حبشہ کے ایک گرجا کی مرمت کے لئے جسے ایرانیوں نے جلا دیا تھا اس کشتی میں تعمیر کا سامان بھیجا تھا۔ اب جب یہ کشتی شعبیہ کی بندرگاہ پر پہنچی تو سمندری طوفان کی تند و تیز لہروں نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

”قریش کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اس کے تختوں کو خرید لیا اور ”باقوم“ کے ساتھ کعبہ کی تعمیر کے بارے میں بات کی۔ وہ ان کے ساتھ مکہ مکرمہ آیا۔“ (محمد رسول اللہ، ابراہیم عرجون جلد 1 صفحہ 187)

یہ باقوم کون تھا؟

بعض کے نزدیک یہ اس انجینئر کا نام ہے جسے قیصر روم نے سامان تعمیر سے بھری ہوئی اس کشتی کے ہمراہ بھیجا تھا تاکہ وہ اپنی نگرانی میں حبشہ میں اس کنیہ کی تعمیر کرائے جسے ایرانیوں نے جلا دیا تھا اور ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ وہ ایک قبیلہ بڑھئی تھا اور مکہ میں اقامت گزیرا تھا۔ قریش نے اس کی خدمات حاصل کیں۔ (السيرة النبوية، ابن کثیر، جلد 1 صفحہ 276)

امام ابن ہشام نے بھی اس قول کو اپنی کتاب سیرت میں نقل کیا ہے۔

وہ لکڑی کا ماہر کاریگر تھا۔ کعبہ مشرفہ کے لئے دروازے، شہتیر، بالے وغیرہ بنانے کا کام اس کے سپرد کیا گیا۔ (السيرة النبوية، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 209)

جب قریش نے کعبہ کی اس شکستہ عمارت کو گرا کر نئی عمارت تعمیر کرنے کا عزم مصمم کر لیا تو ان میں سے ایک بزرگ ابو وہب (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کے ماموں جو شریف و پاکباز آدمی تھے) نے کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا۔

”اے گروہ قریش! کان کھول کر سن لو۔ کعبہ کی تعمیر میں اپنی پاک اور حلال کمائی کے سوا کوئی چیز داخل نہ کرنا۔ کسی بدکارہ کی آمدنی، کوئی سود، کسی آدمی پر ظلم سے حاصل کی ہوئی دولت (حرام کی کمائی) اس فنڈ میں ہرگز شامل نہ کرنا۔“ (السيرة النبوية، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 277، دیگر کتب سیرت)

یہ ابو وہب، حضرت عبداللہ کے ماموں تھے۔ اور جو اپنی سخاوت اور شرافت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ضرورت کا سارا سامان مہیا ہو گیا تھا دوسرے انتظامات بھی مکمل ہو گئے تھے لیکن قریش کو ابھی کئی رکاوٹوں کا سامنا تھا۔ کعبہ خدا کا گھر تھا۔ اس کا گرانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ابرہہ کا عبرتناک انجام انہوں نے اپنی

آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ خوف انہیں بار بار پریشان کر رہا تھا کہ کہیں کعبہ کو گرا کر وہ غضب الہی کا شکار نہ ہو جائیں۔ کعبہ کو نیا تعمیر کرتے کرتے کہیں ان کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دی جائے۔

نیز کعبہ کے اندر جو کنواں تھا۔ اس میں سے ایک خوفناک اثر دھا کبھی کبھی نکلا کرتا اور کعبہ کی دیوار پر چڑھ کر دھوپ تاپا کرتا اس کا ڈر بھی انہیں کوئی اقدام کرنے سے روکتا تھا۔ ایک روز اثر دھا حسب عادت دیوار پر لیٹا ہوا تھا کہ فضا سے ایک پرندہ جھپٹا اور اس کو اچک کر لے گیا۔ یہ منظر دیکھ کر قریش کی ایک پریشانی دور ہو گئی۔ اس کو انہوں نے تائید ایزدی سمجھا۔ انہیں تسلی ہو گئی کہ جس کام کا انہوں نے ارادہ کیا ہے وہ منشاء خداوندی کے مطابق ہے۔ دوسری جھجک کو دور کرنے کے لئے ولید بن مغیرہ آگے بڑھا اور اس نے کہا۔

”میں اس عمارت کے گرانے کی ابتدا کرتا ہوں اس نے کدال لی اور جنوبی دیوار کے چند پتھر

گرائے وہ پتھر بھی گرا رہا تھا اور یہ دعا بھی مانگ رہا تھا۔ اے اللہ! ہمیں خوفزدہ نہ کرنا۔ اے اللہ!

ہم صرف خیر کا ارادہ رکھتے ہیں۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 211)

لوگوں نے کہا اگر رات بخیریت گزر گئی تو ہم سمجھیں گے کہ اس معاملہ میں ہمیں اللہ تبارک تعالیٰ کی رضا حاصل ہے۔ ورنہ ان گرے ہوئے پتھروں کو اٹھا کر ان کی جگہ پر رکھ دیں گے اور اپنے اس ارادہ کو ترک کر دیں گے۔ چنانچہ رات خیر و عافیت سے گزر گئی۔ سب لوگوں نے مل کر کعبہ کی پہلی خستہ عمارت کو منہدم کر دیا۔ تعمیر کعبہ کے لئے انہوں نے تقسیم کار کے اصول پر عمل کیا مختلف قبائل کو ایک ایک دیوار کی تعمیر کی ذمہ داری تفویض کی گئی۔

مشرقی دیوار، جس میں خانہ کعبہ کا دروازہ شریف نصب ہے۔ اس کی تعمیر بنو عبد مناف اور بنو زہرہ قبیلوں کے سپرد کی گئی۔ جنوبی دیوار حجر اسود سے لے کر رکن یمانی تک بنو مخزوم اور چند دوسرے قریشی قبائل کے حوالے کی گئی۔ مغربی دیوار یعنی پشت کعبہ کی تعمیر بنو جحج، بنو سہم جو عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی کی ذمہ داری قرار پائی۔ شمالی دیوار، جس طرف حطیم ہے اس کو تعمیر کرنے کا کام بنو عبد الدار، بنو اسد، بنو عدی کے سپرد ہوا۔ اس کے بعد سارے قریش بڑے خلوص اور انہماک سے اللہ تبارک تعالیٰ کے اس مقدس گھر کی تعمیر میں مشغول ہو گئے۔ اپنے جدا جدا سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی یاد کو بڑے ذوق و شوق سے تعمیر کر رہے تھے کیونکہ یہی گھر ان کی عزت، معاشی خوشحالی اور سیاسی اقتدار کا عنوان تھا اور یہی ان کی اولین پہچان تھی۔

لیکن انہوں نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ تعمیر کا جو ساز و سامان انہوں نے اکٹھا کیا ہے اس سے وہ ان بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر نہیں کر سکیں گے جن بنیادوں پر حضرت ابراہیم نے اس کو تعمیر کیا تھا اور مزید سامان فراہم کرنے کی ان میں سکت نہیں تھی۔ ان کے لئے اس کے بغیر چارہ نہ تھا کہ وہ اصلی رقبہ میں سے کچھ رقبہ نکال دیں اور جتنے طول و عرض پر چھت ڈالنے کا ان کے پاس سامان ہے اس پر چھت ڈال دیں اور بقیہ رقبہ کی چھوٹی دیوار

سے حد بندی کر دیں تاکہ طواف کرنے والے کعبہ کے سارے رقبہ کا طواف کر سکیں۔

چنانچہ تعمیر کعبہ کا کام زور و شور سے شروع ہو گیا۔ ہر کار خیر میں آگے آگے رہنے والے حضور انور نبی کریم رُوف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خالق کریم کے گھر کی تعمیر سے کیونکر لاتعلق رہ سکتے تھے۔ حضور انور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم از اول تا آخر بڑے جوش و خلوص سے اس مقدس کام میں شامل رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے شریک کار تھے۔ دونوں مل کر پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ حضرت عباس نے دیکھا کہ مبارک کندھے پر پتھروں کی رگڑ سے خراشیں پڑ رہی ہیں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ حضور اپنی نیچے کی چادر اپنے کندھوں پر رکھ لیں تو پتھر ڈھونے میں دقت نہ ہوگی۔ حضور نے تہبند اتارنے کے لئے ارادہ ہی فرمایا تھا اور ہاتھ بڑھانا ہی چاہتے تھے کہ غشی کی کیفیت طاری ہو گئی جب ہوش آیا تو پہلے تہبند پر ہاتھ گیا جو بندھا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الحمد للہ کہا۔

قارئین کرام! اس موقع پر میں ایک حقیقت کی وضاحت کر دوں کہ عربوں کا عام لباس یا قمیض ہماری قمیض جیسی نہیں ہوتی تھیں۔ وہ قمیض اوپر سے ہماری قمیض جیسی لیکن قدرے کھلی اور لمبائی میں ٹخنوں کے لیول تک کی ہوتی ہے جس میں اطراف میں چاک نہیں ہوتے بلکہ وہ ہر طرف سے گولائی میں ٹخنوں تک جاتی ہے۔ اب تک ساڑھے چودہ سو سال گزر گئے ہیں اس دوران تہذیب و تمدن میں بھی بہت تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ لیکن باوجود اس حقیقت کے کہ وہ قمیض ہی بذات خود ہر صورت میں مکمل ستر پوشی رکھتی ہے کرتی ہے پھر بھی اس دور میں بھی آج کل بھی مملکت سعودی عرب کے افراد زیر جامہ، پاجامہ، شلوار یا جانیگہ (پاجامہ نما جانیگہ) ضرور پہنتے ہیں۔ فی زمانہ آج کل کی نسل نے ماڈرن انڈرویئر کا استعمال کرتی ہے۔ الحمد للہ اب تک آپ کو کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ملے گا جو ستر پوشی میں مزید احتیاط کی خاطر اس لمبی گول قمیض کے نیچے کچھ اور نہ پہنتا ہو۔

اس زمانہ میں بھی زیر جامہ کوئی اور کپڑا ضرور ہوتا تھا جسے تہبند کہتے تھے۔ وہ ہمارے تہبند کی طرح کا بھی ہوتا تھا۔ پاجامہ شلوار یا لمبے جانیگہ کی طرح کا بھی ہوتا تھا۔

میں عرب ممالک میں گھوما ہوں اور سعودی عرب میں گیارہ سال رہا ہوں۔ اس دوران ان کے مرد و زن سے میرا شب و روز کا واسطہ رہا ہے۔ میں یہ کہنے میں شوق کے ساتھ فخر بھی محسوس کرتا ہوں کہ وہ گول لمبی قمیض اس قدر ستر پوشی کرتی ہے کہ میں نے اس عرصہ میں انہیں کام کے دوران یا بے خیالی میں اٹھتے بیٹھتے وقت بھی پنڈلیوں کے وسط سے اوپر کسی ایک فرد کو بھی نگاہیں دیکھا اور ان کی پنڈلیوں پر بھی نگاہ اس وقت پڑتی تھی جب وہ وضو کے لئے احتیاطاً ارادی یا بے ارادی طور پر قمیض کے نچلے حصہ کو گھیلا ہونے سے بچانے کے لئے کچھ اوپر اٹھا لیتے تھے ورنہ عام حالات میں تو ٹخنوں سے ذرا اوپر تک پردہ ہی رہتا ہے۔

اس لئے یہاں یا اس موقع پر قارئین کرام کو یا کسی کو بھی یہ دوسوہ نہیں ہونا چاہئے کہ نعوذ باللہ اس وقت یا

اس سے بھی پہلے ایسے واقعات میں یا کسی اور طرح سے بچپن میں بھی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر پوشی میں کبھی کوئی خامی آگئی ہوگی۔ ایسا بالکل نہیں ہے کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ کو، خالق و مالک کائنات کو جو بچپن سے ہی اپنے محبوب بندے، پیغمبر اول و آخر و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا مربی اور مودب ہے اس کو یہ کبھی بھی گوارا نہیں ہے کہ اس کا حبیب ایسے لباس میں ہو جس میں کسی صورت بھی کم سے کم عریانی کا امکان تک بھی پایا جاتا ہو۔

سارے قبائل اپنے اپنے مقررہ حصہ کی تعمیر میں مشغول ہو گئے۔ کام کی رفتار تسلی بخش تھی۔ محبت و پیار کی فضا میں ہر چیز حسن و خوبی سے سرانجام پا رہی تھی۔ لیکن جب حجر اسود رکھنے کا وقت آیا تو اچانک اندھی عصبیت کے سوئے ہوئے فتنے انگڑائی لینے لگے۔ دیوار کعبہ میں حجر اسود نصب کرنا بہت بڑا اعزاز تھا۔ ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ یہ اعزاز اسے حاصل ہو۔ دوسرے قبائل اگر خوشی سے اس کے حق میں دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوں تو وہ بزور شمشیر بھی یہ اعزاز حاصل کر کے رہے گا۔

بنو عبدالدار نے اپنے قبیلہ کے قابل ذکر افراد اور اپنے خلفاء کو مشورے کے لئے جمع کیا۔ انہوں نے اجتماعی طور پر یہی فیصلہ کیا کہ حجر اسود، دیوار کعبہ میں وہی نصب کریں گے۔ اس عہد و پیمان کو مزید پختہ کرنے کے لئے خون کا بھرا ہوا پیالہ محفل میں لایا گیا۔ انہوں نے اور ان کے حلیفوں نے اس خون میں ہاتھ ڈبو کر اس عہد پر ثابت قدم رہنے کی قسمیں اٹھائیں کہ وہ جان دے دیں گے لیکن کسی دوسرے قبیلہ کو یہ اعزاز حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

مسلل چار پانچ روز تک حالات بڑے کشیدہ رہے۔ ہر لحظہ لڑائی چھڑ جانے کا خطرہ بڑھتا جا رہا تھا کسی وقت بھی کوئی دھماکہ ہو سکتا تھا۔ آخر ایک روز اس نزاع کا تصفیہ کرنے کے لئے سب مسجد حرام میں اکٹھے ہوئے۔ ابوامیہ (قریش کا سردار) بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم جو ولید بن مغیرہ سابق الذکر کا بھائی اور عمر میں سب سے بڑا تھا کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔

”اے گروہ قریش! جس معاملہ میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو گیا ہے اس کا فیصلہ کرنے کے لئے اس شخص کو اپنا حکم بنا لو جو کل سب سے پہلے اس مسجد کے دروازہ سے داخل ہو۔ اس بات پر سب متفق ہو گئے۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 380، دیگر کتب سیرت)

دوسری صبح سب سے پہلے حرم شریف کے اس دروازہ سے جسے باب بنی شیبہ کہا جاتا ہے حضور پر نور اصل الموجودات سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حرم مسجد میں داخل ہوئے۔ حضور کو دیکھ کر لوگوں کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی۔ ان میں سے جو بزرگ ترین شخص تھا اس نے کہا۔

یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ یہ امین ہیں ہم سب ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نزدیک پہنچے تو انہوں نے سارا ماجرا عرض کیا۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے بڑی حکمت عملی اور دور اندیشی سے کام لیا۔ اپنی چادر مبارک زمین پر بچھا دی اور حکم دیا کہ چار منتخب سردار آگے آ جائیں جو اپنی قوم کے نمائندے ہوں چنانچہ عتبہ بن ربیعہ، ابوزمعه ابو حذیفہ بن مغیرہ اور قیس بن عدی آگے آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ لو، چادر کے چاروں کونے سرداروں کو پکڑا کر خود اپنے دست مبارک سے حجر اسود اٹھا کر اس چادر پر رکھ دیا۔ پھر فرمایا سارے مل کر اسے کعبہ کی دیوار تک اٹھا کر لے جاؤ جب وہ لوگ حجر اسود کو دیوار تک لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اٹھا کر اسے دیوار میں نصب کر دیا۔

یہ حسن تدبیر کی ایک ایسی مثال اور حکمت و بصیرت اور خداداد اعلیٰ ترین سوچ و صلاحیتوں کا ایسا مظاہرہ تھا جس نے بڑے بڑے سرداروں کو انگشت بدنداں کر دیا اور عدل و انصاف پر مبنی اس فیصلہ سے سب خوش ہو گئے اور تسلیم کر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی قوم کو نئی زندگی عطا کر دی ہے۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت، ذہانت، بصیرت، تدبیر اور معیار عدل کو دیکھ کر لوگ پہلے بھی دیدہ و دل فرس راہ کئے رہتے تھے۔ اہل مکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق، گفتار و کلام حسن معاشرت اور صفت دیانت و امانت سے اتنے متاثر تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو الصادق والا مین کے لقب سے یاد کرتے تھے اور اس جھگڑے کا حکیمانہ فیصلہ فرما کر تو حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے دل موہ لئے۔

اس وقت کے شعراء اپنے جذبات کے اظہار سے کیسے باز رہ سکتے تھے چنانچہ سب نے اپنے اپنے معیار کے مطابق خوبصورت الفاظ و اشعار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت، دور اندیشی، تدبیر و حکمت و بصیرت کو خوب سراہا۔ ان میں سے ایک قادر الکلام شاعر نے ایک طویل قصیدہ لکھا ہے۔ اس کے چند اشعار ہدیہ قارئین ہیں۔ اس سے قارئین ان جذبات احترام و عقیدت کا با آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں جو اس وقت کے معاشرہ میں لوگوں کے دلوں میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں (کے لئے) موجزن تھے۔ ہمیرہ بن وہب الکحزومی اپنے قصیدہ میں اپنی عقیدت و محبت کا اظہار یوں کرتا ہے۔

اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

1- ”ایک بات کے فیصلہ کرنے میں قبائل میں اختلاف رونما ہو گیا۔ ایسا اختلاف جس نے سعادت کے بعد انہیں نحوست سے دوچار کر دیا۔“

2- ”جب ہم نے دیکھا کہ معاملہ از حد سنگین ہو گیا ہے اور تیز تلوار کے میان سے نکالنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہا۔“

- 3- ”ہم اس بات پر راضی ہو گئے کہ جو شخص کل صبح سب سے پہلے حرم میں داخل ہوگا وہی عدل کرے گا۔“
- 4- ”پس اچانک یہ امین جس کا نام نامی محمد ہے وہ آتا ہوا نظر آیا اس کو دیکھ کر ہم نے کہا ہم راضی ہو گئے اس امین کے ساتھ اس محمد کے ساتھ۔“
- 5- ”وہ اپنے شامل کریمہ کے طفیل کل بھی اور آج کے دن بھی تمام قریش سے بہترین ہیں اور آئندہ کل بھی اللہ تبارک تعالیٰ اس پر جو مہربانیاں کرنے والا ہے اس کے بارے میں ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔“
- 6- ”انہوں نے اس جھگڑے کا ایسا فیصلہ کیا جس کی مثال لوگوں نے آج تک نہیں دیکھی۔ اس کا فیض عالم تھا جس کی ابتدا اور جس کا نتیجہ دونوں دلوں کو خوش کرنے والے تھے۔“
- 7- ”ہم سب اس کے اس کارنامے اور اس شاندار عمل پر راضی ہو گئے پس اس حاوی اور مہدی کی رائے کتنی عظیم الشان تھی۔“
- 8- ”ہم پر آپ کا یہ جلیل القدر احسان ہے جو آج بھی اور کل بھی ہمیشہ باقی رہے گا۔“

(السيرة النبوية، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 214)

تعمیر کا سلسلہ پھر زور و شور کے ساتھ شروع ہو گیا۔ اس دفعہ انہوں نے دیواریں بہت اونچی بنائیں اور دروازہ بھی بلندی پر رکھا تا کہ اندر آنا اس کے لئے ممکن ہو جسے وہ اجازت دیں۔ چھت بھی ڈال دی۔ مگر وہ حصہ جسے ”حطیم“ کہتے ہیں اسے نہ بنا سکے کیونکہ پوری قوم کے پاس اتنی جائز و حلال کمائی نہیں تھی کہ خانہ کعبہ کو ابراہیمی بنیادوں پر پوری طرح تعمیر کر سکتے اور اس پر چھت بھی ڈال سکتے۔

قریش کے پاس مالِ حلال کی کمی پڑ گئی۔ اس لئے انہوں نے شمال کی طرف سے کعبہ کی لمبائی تقریباً چھ ہاتھ کم کر دی۔ یہی ٹکڑا حجر اور حطیم کہلاتا ہے۔ اس دفعہ قریش نے کعبہ کا دروازہ زمین سے خاصا بلند کر دیا تا کہ اس میں وہی شخص داخل ہو سکے جسے وہ اجازت دیں۔ جب دیواریں پندرہ ہاتھ بلند ہو گئیں تو اندر چھ ستون کھڑے کر کے اوپر سے چھت ڈال دی گئی اور کعبہ اپنی تکمیل کے بعد قریب قریب چوکور شکل کا ہو گیا۔

اب خانہ کعبہ کی بلندی پندرہ میٹر ہے۔ حجر اسود والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار یعنی جنوبی اور شمالی دیواریں دس دس میٹر ہیں۔ حجر اسود مطاف کی زمین سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر ہے۔ دروازے والی دیوار اور اس کے سامنے کی دیوار یعنی مشرق اور مغرب کی دیواریں 12، 12 میٹر ہیں۔ دروازہ زمین سے دو میٹر بلند ہے۔ دیوار کے گرد نیچے ہر چار جانب سے ایک بڑھے ہوئے کرسی نما ضلعے کا گھیرا ہے جس کی اوسط اونچائی 25 سینٹی میٹر اور اوسط چوڑائی 30 سینٹی میٹر ہے۔ اسے شاذ روان کہتے ہیں۔ یہ بھی دراصل بیت اللہ کا جزو ہے لیکن قریش نے اسے بھی چھوڑ دیا تھا۔

(السيرة النبوية، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 192، 197، فقہ السیرہ صفحہ 62، 63، صحیح بخاری باب فضل مکہ ونبیائہا جلد 1 صفحہ 215 تاریخ

نصری جلد 1 صفحہ 64، 65)

ضرورت اس چیز کی تھی کہ وہ دخول و خروج کے لئے مشرقی اور مغربی سمت میں دو الگ الگ دروازے تعمیر کرتے مگر انہوں نے اپنی چودھراہٹ اور برتری قائم رکھنے کے لئے ایسا نہ کیا تاکہ اپنے خیال کے مطابق ناپسندیدہ عناصر کو اس سعادت سے محروم رکھ سکیں۔

سعید بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔

”میں نے قریش کو دیکھا وہ دور جاہلیت میں پیر اور جمعرات کو بیت اللہ شریف کا دروازہ کھولتے تھے چنانچہ حاجب اور دربان لوگ دروازے پر بیٹھ جاتے تھے۔ جب کوئی ایسا شخص سیڑھی پر چڑھتا جسے وہ داخل کرنا پسند نہیں کرتے تھے تو اسے دھکا دے کر پرے دھکیل دیتے تھے۔“

(الطبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۹۷)

حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی یہ روش اور غرور و تکبر سے لبریز یہ غیر مہذب حرکت پسند نہیں تھی جس کا اظہار آپ نے ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے فرمایا اور افسوس بھرے لہجے میں فرمایا۔

”تعمیر کے وقت بے شک آپ کی قوم نے کعبہ کی عمارت چھوٹی کر دی تھی اب یہ لوگ شرک و کفر کی فضاؤں سے تازہ تازہ نکل کر آئے ہیں اگر ان کے بدک جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں اس میں چھوڑی ہوئی جگہ کو شامل کر دیتا۔ اور مشرقی اور مغربی جانب دو دروازے بنا دیتا جو زمین کے ساتھ لگے ہوتے؟ اے عائشہ! کیا تو جانتی ہے تیری قوم نے کعبہ کا دروازہ اتنا اونچا کیوں بنایا تھا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

میں نے عرض کی: حضور مجھے تو علم نہیں۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، یہ انہوں نے اپنی بڑائی جتانے کے لئے بنایا تھا تاکہ جسے چاہیں صرف اسی کو داخل ہونے دیں۔“ (الطبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۴۷)

بہر حال امت مسلمہ کے لئے کعبہ اللہ کی موجودہ شکل بھی عین حکمت خداوندی کا مظہر ہے۔ اگر ”حطیم“ بھی عمارت کی چار دیواری میں شامل ہو جاتا تو صاف ظاہر ہے کہ اسے بھی بالعموم بند ہی رہنا تھا۔ ایسی صورت میں عوام الناس تو کیا خواص بھی کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہونے کی سعادت سے محروم رہتے۔ لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے چاہا میرے بندے بلا تفریق کعبۃ اللہ کی نورانی فضاؤں اور فیوض و برکات سے مستفیض ہوں۔ اس لئے حطیم کو کعبہ کا حصہ ہوتے ہوئے بھی بند نہ ہونے دیا۔ آج طواف کرنے کے بعد ہر امیر، غریب، عورت و مرد بچہ بوڑھا حسب استطاعت اس حصے میں کھڑے ہو کر دعائیں مانگتے ہیں۔ نوافل پڑھتے ہیں۔ کعبۃ اللہ کی بند عمارت میں تو شاہان وقت ہی جاسکتے ہیں لیکن الحمد للہ حطیم کعبہ میں ہر کوئی داخل ہو کر دل کی پیاس بجھا لیتا ہے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مشورہ

قارئین کرام! خانہ کعبہ کے بارے میں میں نے حیات طیبہ کے بعد کے کچھ واقعات پر مشتمل ان دو صفحوں کو اس لئے شامل کر لیا ہے کہ اولاً خانہ کعبہ کے بارے میں ذکر مختصر کی اچھی تکمیل ہو جائے گی اور ثانیاً یہ کہ مجھے حضرت امام مالک کا فرمان، رائے یا مشورہ بہت پسند آیا ہے اور اس پر یہ خوبی کہ خلیفہ وقت نے اسے خوشدلی سے مان بھی لیا۔ میری طرح شاید آپ کو بھی اس سے دلی خوشی ہو کہ اس میں امت مسلمہ کے لئے دین و دنیا کی بھلائی چھپی ہے۔

یہ عمارت عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ بلکہ اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک جوں کی توں قائم رہی۔ 64ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رحمہ اللہ کا قبضہ حرم مکہ پر مکمل ہو گیا۔ یزید نے اپنا لشکر حصین بن نمیر کی قیادت میں آپ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اس نے حرم شریف کا محاصرہ کر لیا اور منجنيقوں کے ذریعہ پتھر برسائے اس سنگ باری سے عمارت میں جگہ جگہ شکاف پڑ گئے۔ وہ ظالم اللہ کے گھر پر ابھی پتھر برسا رہا تھا کہ یزید کی موت کی اسے اطلاع ملی اور اسے اپنا محاصرہ اٹھا کر بے نیل مرام لوٹنا پڑا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس خستہ عمارت کو گرا کر ان بنیادوں پر کعبہ مقدسہ کی از سر نو تعمیر کی جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ دو دروازے سطح زمین کے برابر رکھے ایک مشرقی سمت دوسرا مغربی سمت میں ایک داخل ہونے کے لئے۔ دوسرا باہر نکلنے کے لئے لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اقتدار زیادہ عرصہ برقرار نہ رہا۔ حجاج نے مکہ پر حملہ کیا اور آپ کو بڑی بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ حجاج کو مکہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔

اس نے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کو کعبہ کی تعمیر کے بارے میں لکھا۔ اس نے ازراہ بغض حکم دیا کہ اس عمارت کو گرا دیا جائے جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرائی ہے اور جن بنیادوں پر پہلے تعمیر کی گئی تھی انہی پر تعمیر کی جائے۔ حجر کے حصہ کو حسب سابق باہر رکھا جائے۔ دو دروازوں کے بجائے ایک دروازہ رکھا جائے۔ دوسرا دروازہ بند کر دیا جائے۔ جب اس کے حکم کے مطابق کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی گئی تو پھر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اب وہ اظہار ندامت کیا کرتا اور حجاج پر لعنت بھیجتا۔

آخر کار بنی امیہ کا عہد حکومت اختتام پذیر ہوا ان کی جگہ عباسی خلافت کا آغاز ہوا۔ ان کے ایک خلیفہ مہدی نے ارادہ کیا کہ اس عمارت کو گرا دے اور پھر کعبہ کو اپنی اصلی بنیادوں پر تعمیر کرے اس نے اس کے بارے میں امام دارالہجرۃ (امام مسجد نبوی) سیدنا امام مالک رحمہ اللہ سے دریافت کیا۔ اس عالم ربانی نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور اس کی وجہ بھی بیان فرمادی فرمایا:

”میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں اس طرح کعبہ مقدسہ بادشاہوں کا کھلونا بن جائے گا، یعنی جس کا جی چاہے گا پہلی عمارت کو گرا کر اپنے نام سے نیا کعبہ بنانے لگے گا اس طرح اس کا تقدس مجروح

ہوگا۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 282)

خلیفہ مہدی نے امام کی رائے کے سامنے سر جھکا دیا آج تک کعبہ کی وہی عمارت قائم ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ عزت و شرف کے ساتھ اپنے اس مقدس گھر کو ابد الابد تک سلامت رکھے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ قبیلہ کلب کی ایک شاخ ”عبدود“ کے خوش خصال فرزند تھے قدرت نے اس نونہال بچے کو جاذب نظر خدو خال سے نوازا تھا۔ بچہ اگر خوبصورت ہو تو وہ ویسے ہی پیارا لگتا ہے اگر اس کی عادات بھی پیاری اور من موہنی ہوں تو سونے پہ سہاگہ ہو جاتا ہے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی عمر آٹھ سال کے قریب تھی کہ یہ اپنی ماں کے ہمراہ ماموں سے ملنے گیا۔ وہاں دشمنوں نے حملہ کر کے مال و اسباب لوٹ لیا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے بھی قیدی بنا لیا۔

آپ کا نام زید بن حارثہ بن شراحیل الکعبی تھا۔ آپ کی والدہ کا نام سعدی تھا جو بنی معن خاندان کی ایک خاتون تھیں اور آپ لوگوں کو لوٹنے والے بنی قین کے افراد تھے جو آپ کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے اور عکاظ کی منڈی میں اسے جا کر فروخت کر دیا۔ حکیم بن حزام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے انہوں نے چار سو درہم کے عوض اسے خرید لیا اور اپنی پھوپھی صاحبہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب آپ نبی کریم ﷺ کے عقد میں آئیں تو آپ نے حضرت زید کو بطور تحفہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے حضور پر نور ﷺ نے حضرت زید کو اسی وقت آزاد کر دیا اور بچوں کی طرح ان کے ساتھ محبت و پیار کا برتاؤ فرماتے رہے۔

حضرت زید کے والد حارثہ اپنے لڑکے کے فراق میں دیوانہ ہو گئے۔ اس کی تلاش میں ملک ملک کی خاک چھان ماری۔ اپنے بیٹے کے فراق میں جو قصیدہ انہوں نے لکھا اسے پڑھ کر آج بھی دل پہنچ جاتا ہے اس کے چند شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اپنی اولاد کے لئے والدین کے بے لوث پیار میں کتنی گہرائی، کتنی سچائی، کتنا خلوص ہوتا ہے اور ان سے جدائی میں، دوری میں، ان کی تکالیف و بیماریوں میں وہ کیسے بے چین رہتے ہیں، تڑپتے ہیں درج ذیل اس کا خوبصورت نمونہ ہے۔

اشعار کا ترجمہ

1- ”میں زید کے فراق میں ہر وقت روتا رہتا ہوں مجھے اس کے حال کا کوئی علم نہیں کیا وہ زندہ ہے

تا کہ اس کے لوٹ آنے کی امید کی جائے یا موت کی آغوش میں سوچکا ہے۔“

2- ”سورج جب طلوع ہوتا ہے تو وہ اس کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ اور جب غروب ہونے لگتا ہے تو

پھر بھی اس کی یاد ستانے لگتی ہے۔“

3- ”جب ہوا میں چلتی ہیں تو اس کی آتش شوق کو بھڑکا دیتی ہیں اس کی جدائی میں میرا غم اس کے متعلق میرے اندیشوں کا سلسلہ کتنا طویل ہے۔“

4- ”میں اپنی اعلیٰ نسل کی سائنڈنی کو زمین میں چلاتا رہوں گا اور نہ میں اس کی تلاش میں طواف (سفر) کرنے سے تھکوں گا اور نہ ہی میری اونٹنی۔“

5- ”مجھے اپنی زندگی کی قسم۔ میں اس کی طرف سفر جاری رکھوں گا یہاں تک کہ میری موت آجائے۔ ہر شخص فانی ہے اگرچہ امید اسے دھوکا میں رکھے۔“

(السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 266)

اتفاق سے قبیلہ بنی کلب کا ایک قافلہ حج کے لئے مکہ آیا حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا اور پہچان لیا اور انہوں نے بھی حضرت زید کو پہچان لیا اور اسے بتایا کہ تیرا باپ تیرے ہجر میں دن رات روتا رہتا ہے اس نے تجھے تلاش کرنے کے لئے سارے ملک کا چپہ چپہ روند ڈالا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ میرے باپ کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دینا۔

”میرے دل میں اپنی قوم کا شوق موجزن رہتا ہے اگرچہ اپنے وطن سے بہت دور ہوں۔ میں ایسے گھر میں سکونت پذیر ہوں جو مشاعر کے قریب ہے۔ میں اللہ تبارک تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک شریف خاندان میں زندگی بسر کر رہا ہوں جو لوگ بڑے کریم النفس ہیں اور جو پستہا پشت سے اپنے علاقہ کے رئیس و سردار ہیں۔“

یہ قافلہ جب اپنے وطن واپس پہنچا انہوں نے حضرت زید کے باپ کو زید کا پیغام پہنچایا۔ حارثہ اپنے بھائی کعب کو لے کر مکہ آیا۔ حضور انور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا اور عرض کی اے عبدالمطلب کے فرزند! اے ہاشم کے نور نظر! اپنی قوم کے سردار کے لخت جگر! ہم اپنے بیٹے کے بارے میں آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں ہم پر احسان کیجئے ہم فدیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہیں آپ اسے آزاد فرما دیجئے۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنے من موہنے انداز میں فرمایا کہ اس کے علاوہ تمہاری اور بھی کوئی خواہش ہے انہوں نے عرض کی نہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بیٹے کو بلاؤ اور اس کو اختیار دے دو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اسے فدیہ لئے بغیر تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دوں گا۔ لیکن اگر وہ تمہارے ساتھ جانے کے بجائے میرے پاس رہنے کو پسند کرے پھر تمہیں بھی اسے مجبور نہیں کرنا چاہئے۔

انہوں نے کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ فرما کر صرف ہمارے ساتھ انصاف ہی نہیں کیا بلکہ لطف و احسان کی انتہا کر دی ہے۔ ہمیں یہ تجویز منظور ہے۔ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور اس سے پیغمبر اول و آخر و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں یہ میرا باپ ہے اور یہ میرا

چچا ہے۔ پھر اسے بتایا گیا کہ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے اگر تم چاہو تو تم اپنے باپ کے ساتھ اپنے وطن واپس جاسکتے ہو اور اگر چاہو تو میرے پاس رہ سکتے ہو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا

”میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ آپ کو چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ چلا جاؤں آپ ہی میرے باپ ہیں آپ ہی میرے چچا بھی ہیں۔“

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے باپ کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ زید ایسا فیصلہ کرے گا ان دونوں نے کہا۔

”اے زید! صد حیف تم آزادی کے بجائے غلامی کو اور اپنے ماں باپ کے بجائے ان کو پسند کر رہے ہو تمہیں کیا ہو گیا ہے۔“

حضرت زید تو خلق محمدی کے دام کا اسیر تھا کہنے لگا۔ تمہیں کیا معلوم کہ جس ہستی کی غلامی پر میں آزادی کو اور اپنے ماں باپ اور سارے خاندان کو قربان کر رہا ہوں وہ ہستی اس دنیا میں سب سے زیادہ مہربان و شفیق ہے۔ وہ ہستی اتنی دربار اور کتنی دلکش ہے یہ تم نہیں جانتے اور میں اس کو چھوڑ کر کہیں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

(الاصابہ، ابن حجر جلد 1 صفحہ 545۔ اسد الغابۃ، ابن اثیر جلد 2 صفحہ 234، 235 ضیاء النبی جلد 2 صفحہ 157 تا 159)

جب حضور پر نور ﷺ نے حضرت زید کی یہ بات سنی اور اس کی یہ محبت و ارغی دیکھی تو بہت خوش ہوئے زید کو بغل میں دبا لیا اور کعبہ معظمہ کے قریب حطیم کے پاس تشریف لے گئے وہاں سرداران قریش بیٹھے تھے آپ نے وہاں جا کر اعلان کیا۔ ”زید آج سے آزاد ہے وہ میرا بیٹا ہے میں اس کا اور وہ میرا وارث ہوگا“ لطف و کرم ایثار و محبت اور عنایت و توجہ کے یہ حسین اور دلاویز مناظر دیکھ کر باپ اور چچا کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے ان کا دل ٹھنڈا ہو گیا۔ جان گئے کہ زید کو یہاں قبیلے سے بڑھ کر سکون اور سہولت حاصل ہے۔ یہاں سے نہ لے جانا ہی بہتر ہے وہ جائے گا بھی نہیں اور ہم اسے یہ محبت و شفقت بھی نہیں دے سکیں گے جو اسے اب حاصل ہے اس لئے وہ خوش و خرم واپس چلے گئے۔

اس دن سے حضرت زید رضی اللہ عنہ زید بن محمد کے نام سے مشہور ہو گئے اور پھر یہی نام زبانوں پر چڑھ گیا اللہ تبارک تعالیٰ کی کوئی اور حکمتیں یا یہ کہ چونکہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ خاتم النبیین تھے اور آپ کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا ممکن ہی نہیں تھا اس لئے قدرت کو یہ منظور ہوا کہ لوگ اب حضرت زید کو اس نسبت سے نہ پکاریں تاکہ کسی ذہن میں یہ خیال نہ آئے کہ حضور پر نور ﷺ کا بیٹا ہو اور نبوت سے محروم ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو سرکارِ دو عالم ﷺ کے رتبہ سے کم تر بات ہے۔ اس واہمہ کو سرے سے ختم کرنے کے لئے پہلے ہی بتا دیا کہ لے پالک، متبئی یعنی منہ بولا بیٹا اصلی اور حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہوتا۔ حقیقی بیٹا ہوتا تو یہ گمان ہو سکتا تھا اس لئے آپ کے حقیقی بیٹوں کو بچپن ہی سے وفات دے دی گئی تاکہ ختم نبوت کا منصب قائم رہے اور کوئی اعتراض ہی پیدا نہ ہو۔

حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم سید المرسلین، سرور کائنات ﷺ کا بیٹا کہلانا بہت بڑا اعزاز تھا۔ ظاہر ہے

جب اس کی ممانعت آئی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دل کی کیفیت بدل گئی ہوگی دنیا میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں ممکن ہے کوئی طعنہ دینے والا بھی پیدا ہو جاتا اور حرف گیری کرتا کہ دیکھا اعزاز چھن گیا ہے۔

رب کریم کی رحمت کا کوئی حد و حساب ہی نہیں اس کی شان عطا مختلف زاویوں سے بندے کو اس طرح نوازتی ہے کہ وہ دنگ رہ جاتا ہے اور دل پر چھایا ہوا غم کا غبار لمحوں میں دھل جاتا ہے۔

ایک عظیم حکمت کے باعث زید سے یہ حسین و جمیل اور قابلِ صد عز و افتخار اعزاز نسبت و رتبہ واپس لے لیا لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے بندے کے دل کو میلانہ ہونے دیا ساتھ ہی اسے وہ اعزاز بخشا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو حاصل نہیں اور بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس عظیم اعزاز کا نعم البدل دے دیا۔ وہ یہ کہ قرآن پاک میں کسی صحابی کا اسم گرامی نہیں مگر حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ہے جو قیامت تک موجود رہے گا اور ہمیشہ پڑھا جائے گا۔ اس اعزاز سے حضرت زید کے دل پر چھائے ہوئے غم کے بادل چھٹ گئے اور ان کا دل اس عطائے خاص پر پھر کنول کی طرح کھل اٹھا ان کا سر مبارک پھر اونچا ہو گیا۔ کسی کے لئے حرف گیری یا طعنہ زنی کی گنجائش نہ رہی۔

(السيرة النبوية، احمد بن ذہبی دحلان جلد 1 صفحہ 179)

خوش بخت حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنے وطن واپس جانے پر حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی غلامی کو پسند کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ازراہ بندہ پروری زید کو اپنا متبنی بنا لیا اور جب تک سورہ احزاب کی وہ آیات نازل نہیں ہوئی زید کو زید بن حارثہ کے بجائے زید بن محمد ہی کہا جاتا رہا۔

اس ایک واقعہ سے ہی آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اخلاق عالیہ اور صفات جمیلہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضرت زید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفہ پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اس کو آزاد فرما دیا اور پھر اس کے ساتھ ایسا مشفقانہ برتاؤ کیا کہ جب اسے یہ موقع ملا کہ وہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرے یا اپنے ماں باپ کو تو اس نے بلا جھجک یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی ساری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں بسر کرے گا۔ یہ واقعہ اعلان نبوت سے پہلے کا تھا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اس بات کی صاف غمازی کر رہے تھے کہ یہ ہستی سارے عالم انسانیت کے لئے سراپا رحمت و ہدایت بن کر ظہور پذیر ہونے والی ہے۔ (الاصابة، ابن حجر جلد 1 صفحہ 545۔ اسد الغابہ، ابن اثیر جلد 2 صفحہ 235)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ خود زید کے والد حارثہ انہیں ڈھونڈتے ہوئے مکہ مکرمہ آئے وہاں انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھ لیا اور پہچان لیا پھر یہ واقعہ پیش آیا۔

ایک اور اہم واقعہ

بعثت سے پہلے ایک اور اہم واقعہ ہے جس سے حضور نبی کریم ﷺ کی سیاسی بصیرت اور قومی حمیت پر روشنی پڑتی ہے اس کا مطالعہ بھی قارئین کرام کے لئے ذاتِ مصطفویٰ کے کمالات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے

از بس مفید ہوگا۔

جسٹس سید امیر علی نے اپنی سیرت کی کتاب میں یورپ کے ایک مایہ ناز مورخ کی کتاب بنام ”کازن ڈی پرسیوال“ کی جلد 1 صفحہ 335 کے حوالہ سے یہ واقعہ قلمبند کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

حضور کی بعثت سے پہلے مکہ مکرمہ میں چند آدمی ایسے تھے جو بتوں کی پرستش سے بیزار تھے اور اپنی قوم کی اخلاقی پستی پر از حد افسردہ رہا کرتے تھے انہوں نے ایک دن اکٹھے ہو کر فیصلہ کیا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں عقل و خرد کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ ہم پتھر کی ان بے جان مورتیوں کو اپنا خدا بنائیں اور ان کو سجدہ کریں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم تلاش حق میں مختلف ممالک میں جائیں اور اگر کہیں ہمیں نور حق دستیاب ہو اس سے اپنے دلوں کو بھی منور کریں اور اپنے وطن واپس آ کر اپنی قوم کو بھی اس ذلت سے نکالنے کی سعی کریں اس گروہ کو ”حنفاء“ کہا جاتا تھا۔

ان میں ورقہ بن نوفل۔ عبید اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو کے نام بہت مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک شخص عثمان بن حویرث، قسطنطنیہ پہنچا، قیصر روم کے دربار میں اسے رسائی حاصل ہوئی اس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا اور قیصر کے دربار میں بڑا مقام پیدا کر لیا۔ قیصر نے بھی اپنے انعامات کی اس پر بارش کر دی اور جب قیصر کو یقین ہو گیا کہ عثمان اب وحشی طور پر بھی اور مذہبی طور پر بھی پوری طرح اس کے زیر اثر آ گیا ہے تو اس نے اس کو اپنا آلہ کار بنا کر اپنی ایک دیرینہ خواہش (مکہ اور اس کے گرد و نواح کو اپنے زیر اثر لانا) پوری کرنے کا منصوبہ بنایا۔

شہر مکہ کو کعبہ شریف کی وجہ سے سارے جزیرہ عرب میں جو احترام، جو مرکزیت اور جو اہمیت حاصل تھی اس سے سب باخبر تھے۔ روحانی عقیدت کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ مکہ کو کاروباری میدان میں بھی بڑی مرکزیت اور بالادستی حاصل تھی۔ مشرق اور مشرق بعید سے جتنا تجارتی سامان بادبانی کشتیوں کے ذریعہ یمن کی بندرگاہوں تک پہنچتا تھا اسے مکہ کے تاجروں سے خرید کر اپنے اونٹوں پر لاد کر مصر، شام کے علاوہ بحر روم کی دوسری بندرگاہوں تک پہنچاتے۔ وہاں کے تاجروں کے ہاتھ فروخت کرتے پھر اسی رقم سے مغربی ممالک اور مصر وغیرہ سے آیا ہوا سامان خریدتے اپنے اونٹوں پر لادتے اور یمن کی بندرگاہوں تک پہنچاتے۔ جس سے مکہ کے تاجر پیشہ لوگوں کی مالی حالت بڑی مستحکم ہو گئی تھی۔

قیصر کو اگرچہ شام فلسطین مصر وغیرہ پر سیاسی غلبہ حاصل تھا اور یمن میں بھی اس کا گورنر حکمران تھا لیکن اس کی یہ آرزو تھی کہ مکہ بھی اس کے زیر نگیں ہو جائے تاکہ یہ تجارتی شاہراہ اس کے قبضہ میں آ جائے چنانچہ اس نے عثمان بن حویرث کو بہت سا سونا دے کر مکہ بھیجا کہ وہ سونے کے ان ذخائر کے ذریعہ مکہ کے امراء کے ضمیر خریدے اور ان کو قیصر کی سیاسی بالادستی قبول کرنے پر آمادہ کرے۔ یہ ایک بڑی خطرناک سازش تھی اور اس سازش کو کامیاب

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿۷۷﴾ جلد دوم

بنانے کے لئے قیصر روم نے اپنے شاہی خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اور عثمان بن حویرث کو کافی عرصہ تک اپنے پاس رکھا اس کو گونا گوں انعامات سے مالا مال کرتا رہا اس کو چنی طور پر تیار کرتا رہا۔

اور جب اسے اس کی وفاداری کا پورا یقین ہو گیا تو اس نے خزانوں سے لدے ہوئے اونٹوں کی ہمراہی میں اسے مکہ بھیجا اس نے بڑی ہوشیاری اور رازداری سے مہم کا آغاز کیا اور لوگوں کے ضمیر خریدنے کے لئے داد و دہش کا بازار گرم کر دیا۔ لیکن جب اس سازش کا علم سرکارِ دو عالم ﷺ کو ہوا تو حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطرناک سازش کو تہس نہس کرنے کا عزم مصمم کر کے اپنی قوم کی غیرت کو لاکارا۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی اس بروقت اور جرأت مندانہ پیش قدمی سے ساری قوم کی آنکھیں کھل گئیں اس طرح اہل مکہ کو سیاسی آزادی کے افق پر غلامی کی جو کالی گھٹا گھر کر آ گئی تھی وہ چھٹ گئی اور مطلع صاف ہو گیا۔

اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بروقت اقدام نہ کرتے اور اپنی قوم کو اس خطرناک سازش کے ہولناک انجام سے آگاہ نہ فرماتے تو معلوم نہیں مکہ بلکہ سارے جزیرہ عرب کا انجام کیا ہوتا۔ یہ واقعہ بھی اعلان نبوت سے پہلے کا ہے۔

اس قسم کے سارے واقعات اس بات کی ناقابل تردید گواہی دے رہے تھے کہ یہ ہستی ایک عظیم انقلاب کی داعی بن کر ابھرنے والی ہے۔ جو بنی نوع انسان کو صرف ظاہری غلامی کی زنجیروں سے ہی آزاد نہیں کرے گی بلکہ جسمانی روحانی، اخلاقی اور چنی جملہ قسم کی غلامیوں سے نجات کا مژدہ جان فزا ثابت ہوگی۔

(کتاب سیرت از جسٹس امیر علی صفحہ 31)

الحُصْن

قارئین کرام! الحُصْن کا اس سے پہلے تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے۔ اس کو یہاں دوبارہ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ میں اس حقیقت کی ایک دفعہ پھر مختصراً وضاحت کر دوں کہ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم، سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ بعثت سے پہلے بھی ہر قسم کی خرافات، بدعات، جاہلی رسومات و لغویات سے ایک دم پاک صاف اور محفوظ تھے اور حضور پر نور ﷺ حقیقی دینِ ابراہیم کے مطابق رب للعالمین کی عبادت بندگی کرتے تھے۔

قریش مکہ کو بلاشبہ یہ شرف حاصل تھا کہ وہ کعبہ مقدسہ کے خادم اور ہمسائے تھے۔ لیکن اس خداداد شرف نے ان میں غرور و نخوت اس حد تک پیدا کر دی تھی کہ وہ عرب کے دوسرے باشندوں سے اپنے آپ کو بالاتر مخلوق سمجھنے لگے تھے۔ اپنی جھوٹی برتری کو برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے دینِ ابراہیمی میں ایسے قبیح اور شرمناک امور کا اضافہ کر دیا تھا جن کے ذکر سے ہی جبین حیا عرق آلود ہو جاتی ہے۔

اپنی پیدا کردہ مختلف قسم کی بیہودہ پابندیاں خود انہوں نے اپنے اوپر عائد کر رکھی تھیں اسلام نے ان تمام بدعات و خرافات کو یک قلم منسوخ کر دیا۔ ان تمام بدعات کو ”الحُصْن“ کہا جاتا تھا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے جس طرح اپنے محبوب بندے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو عہد جاہلیت کی دیگر آلودگیوں سے محفوظ رکھا تھا ”الحمس“ کی ان بدعات سیئہ سے بھی سرکارِ دو عالم ﷺ کا دامن پاک صاف اور منزہ رہا۔ عثمان بن ابی سلیمان اپنے چچاناف سے اور نافع اپنے باپ جبیر بن معطم سے روایت کرتے ہیں۔

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، وحی نازل ہونے سے پہلے (بعثت سے پہلے) کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر سوار ہو کر سب لوگوں کے ساتھ عرفات کے میدان میں موجود تھے اور اپنی قوم کے ہمراہ یہاں سے طوافِ افاضہ کے لئے جانے کا انتظار فرما رہے تھے۔“ (قارئین کرام! یہ خیال رہے کہ قریش حج کے لئے میدانِ عرفان میں جانا اپنی توہین سمجھتے تھے)

(السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 221)

حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ابتدا ہی سے تمام مراسم شرک اور بت پرستی اور دیگر برائیوں سے محفوظ و مامون رہے، حضور انور رسول اللہ ﷺ اس حال میں عالم شباب کو پہنچے کہ اللہ تبارک تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور نگرانی فرماتے تھے اور جاہلیت کی تمام برائیوں سے آپ کو پاک رکھتے تھے، کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ ارادہ فرما چکے تھے کہ آپ ﷺ کو نبوت و رسالت اور عز و شرف سے سرفراز فرمائیں۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مروت کے اعتبار سے سب سے افضل، خلق کے اعتبار سے زیادہ اچھے، حسب کے لحاظ سے زیادہ کریم، پڑوس کے لحاظ سے زیادہ بہتر، حلم کے اعتبار سے سب سے عمدہ، گفتگو کے اعتبار سے سب سے سچے، امانت کے لحاظ سے زیادہ امین اور فحش گوئی اور بری عادات سے بہت دور غرض ہر معاملے میں سب پر فوقیت لے گئے اور اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام اچھی باتیں جمع کر دیں تو قوم نے آپ کو امین کہنا شروع کر دیا۔

(سیرت ابن کثیر جلد 1 صفحہ 249، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 207)

ایک دفعہ قریش نے آپ ﷺ کے سامنے کھانا لا کر رکھا جو بتوں کے نام کا تھا۔ آپ ﷺ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس مجلس میں زید بن عمرو بن نفیل بھی تھے۔ انہوں نے بھی کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانور اور بتوں کے چڑھاوے نہیں کھاتا۔ صرف وہی چیز کھاتا ہوں جس پر صرف اللہ کا نام لیا جائے۔ (بخاری جلد 2 صفحہ 217، فتح الباری جلد 7 صفحہ 179، 180)

نبوت سے پہلے حضور انور ﷺ نے بت پرستی کی برائی شروع کی تھی اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا ان کو اس سے منع فرماتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ ﷺ نے کبھی کسی بت کو پوجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ آپ ﷺ نے شراب پی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، میں ہمیشہ ان سے چیزوں کو کفر سمجھتا تھا۔ اگرچہ مجھے کتاب اور ایمان کا علم نہ تھا۔

(خصائص کبریٰ جلد 1 صفحہ 209، 210)

راہِ نبوت پر پیش قدمی

آثارِ بعثت کا ظہور

بلاشبہ اللہ تبارک تعالیٰ کی قدرت بے پایاں ہے۔ وہ ہر وقت ہر لمحہ ہر کچھ کرنے پر قادر ہے۔ لمحہ بھر میں جو چاہے وہ ظہور پذیر ہو جاتا ہے لیکن عطاءِ نبوت میں اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی شانِ ربوبیت کا ظہور آہستہ آہستہ ہو۔ حیاتِ طیبہ کے چالیس سال پورے ہونے والے ہیں، جسمانی نشوونما معراجِ کمال کو پہنچ چکی ہے۔ ذہنی قوتوں پر شباب کا عالم ہے اخلاق کی بلندی، کردار کی پختگی اور سیرت کی پاکیزگی اپنوں اور بیگانوں کو اپنا گرویدہ بنا رہی ہے۔ جس معاشرہ میں حضور انور ﷺ نے اپنی زندگی کی یہ منزلیں طے کی ہیں وہ دور بڑا پر آشوب ہے۔ سیاہ کاری، اخلاقِ باخستگی، ذہنی آوارگی، اور کفر و شرک کی گندگی، ظلمتِ ضلالت، تعفن، بدبو سے ماحول پر ہے۔

اس ناگفتہ بہ اور شرمناک ماحول میں پروان چڑھنے والا یہ جوان رعنا، شبنم کی طرح پاکیزہ، گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ و شاداب اور چودھویں کے چاند کی طرح تابناک اور ضیا بار ہے۔ اب وہ مبارک گھڑی قریب آ پہنچی ہے جب اسے وہ امانتِ عظمیٰ تفویض کی جائے گی جس کی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دینے کے لئے قدرتِ الہی کی نوازشوں، کرم نوازیوں اور رحمتوں نے اس دریتیم کو اتنے اہتمام سے اپنے آغوشِ لطف و کرم میں لیا اور اتنے پیار و ادب و احترام سے ایک عظیم ترین مقصد کی تکمیل کے لئے اس کی تربیت فرمائی۔

اس ساعتِ مسعود و مبارک کی آمد سے پہلے اس کے بابرکت آثار نمایاں ہونے لگے۔

خلوت پسندی کا غلبہ

حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک جوں جوں چالیس سال کی طرف بڑھ رہی تھی آپ ﷺ کی طبیعت مبارکہ میں بڑی تبدیلی آتی جا رہی تھی جسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی بڑی شدت سے محسوس کیا اور دل ہی دل میں خوش بھی ہوئیں کیونکہ ان کا من پسند آئیڈیل محبوب بڑی شدت سے نبوت کی طرف رواں دواں تھا اور انہوں نے اسی خیال سے شادی کی تھی کہ اس عظیم ہستی سے وابستگی عزت و شوکت کا معراج ہے۔ لہٰذا عم

سے اس وقت باسعادت، ساعت معراج عزت و شوکت کی منتظر تھیں۔ دس بارہ سال کی ازدواجی رفاقت کے بعد جب انہیں اس کے نمایاں آثار نظر آنا شروع ہوئے تو وہ خود بھی اس معاملہ میں مدد و معاون بن گئیں اور ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرنے لگیں تاکہ آپ ﷺ کی یکسوئی، ذہنی رجحان اور قلبی میلان میں کوئی فرق نہ آئے اور وہ جدھر جا رہے ہیں تیزی سے ادھر بڑھتے ہی رہیں۔

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ کی طبیعت مبارک یہ چاہنے لگی کہ شہری ہنگاموں، معاشرتی دھندوں اور دنیاوی بکھیڑوں سے بالکل الگ تھلگ ہو کر کسی پرسکون جگہ، کسی کونے میں جا بیٹھیں۔ ایک مناسب سا پرسکون گوشہ تنہائی ہو جہاں کوئی مغل ہونے والا نہ ہو۔ جہاں ذکر و یاد محبوب کے سوا کسی اور بات کا تصور تک خلل انداز نہ ہو اور جہاں فلاحِ انسانیت کے لئے سوچا جاسکے، دعائیں کی جاسکیں۔ اس کے لئے آپ ﷺ ”کوہِ حرا“ پر تشریف لے گئے جب ”غارِ حرا“ کے دہانے پر پہنچے تو رک گئے دل نے کہا یہی منزل مقصود ہے یہیں سے اس حسنِ ازل تک رسائی نصیب ہوگی یہی وہ راحت کدہ ہے جہاں جلوؤں کی بارات اترے گی اور قلب و نظر کو قرار و تسکین کی دولت میسر آئے گی۔ آرزوئے دید اور حصول مقصد کی امید میں آپ اس میں داخل ہو گئے۔ واقعی وہ راحت گاہ تھی کیوں نہ ہوتی؟ حسنِ ازل نے اپنے جلوؤں کے لئے انہی خوش قسمت پتھروں کا انتخاب کر لیا تھا۔ اس لئے طبعی طور پر آپ ﷺ کے قلب و نگاہ نے بھی اسی خلوت گاہ کو جلوہ گاہ محبوب بنا لینے کے لئے قبول کر لیا۔ اور پھر آپ ﷺ اس میں آنے جانے لگے۔

رویائے صادقہ سچے خواب

”ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز سچی خوابوں سے ہوا جو خواب حضور ﷺ رات کو دیکھتے اس کی تعبیر دن کو ہو بہو صبح کے اجالے کی مانند صاف اور واضح سامنے آ جاتی۔ پھر حضورِ پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت پیدا ہو گئی۔ خلوت گزینی کے لئے حضورِ انور ﷺ غارِ حرا میں تشریف لے جایا کرتے وہاں عبادت میں مصروف رہتے۔ چند راتیں عبادتِ الہی میں بسر فرماتے پھر اپنے اہل خانہ کی طرف واپس تشریف لے آتے۔ کچھ عرصہ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزار کر پھر خور و نوش کا سامان لے کر غارِ حرا میں واپس آتے اور عبادتِ الہی میں مصروف ہو جاتے یہ آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ حق آ گیا۔

ہو بہو صبح کے اجالے کی مانند، سے مراد ہے اتنی واضح جتنا صبح کا اجالا۔

یعنی رات کو نیند کی حالت میں حضور ﷺ جو خواب دیکھتے دوسرے روز اس کی تعبیریوں واضح صورت میں سامنے آ جاتی جیسے صبح کا اجالا۔ اور اس خواب کے بارے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہتا سچے خواب دکھانے میں حکمت یہ ہے کہ منصب نبوت پر جب کسی ہستی کو فائز کیا جاتا ہے تو ان حقائق کو اس پر آشکارا کیا جاتا ہے جن کا

تعلق عالم غیب سے ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر کہ عالم غیب کا دروازہ یکبارگی کھلے اور عالم غیب کے محیر العقول عجائبات آشکارا ہو کر نگاہوں کو خیرہ اور عقل کو دنگ کرنے کا سبب بنیں، انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تبارک تعالیٰ اس سے پہلے سچے خواب دکھاتا ہے تاکہ عالم غیب کے حقائق سے کچھ انس اور مناسبت پیدا ہو جائے اور جب اس کا دروازہ کھلے تو وہ حیران و سرسیمہ ہو کر نہ رہ جائے بلکہ ان کا مشاہدہ کر کے اللہ تبارک تعالیٰ سے ان کا تعلق اور پھر اس پر ان کا توکل مزید پختہ اور مضبوط ہو جائے۔ تبلیغ حق کا جو جہاد انبیاء کرام کو درپیش ہوتا ہے اس میں یہی قوت ان کے کام آتی ہے۔

غیبی امور کے انکشاف کا اعلیٰ ترین ذریعہ وحی نبوت اور ادنیٰ ترین ذریعہ رویائے صادقہ ہیں۔ چنانچہ جب نبوت کا زمانہ قریب آیا تو آپ ﷺ کو رویائے صادقہ یعنی سچے اور صحیح خواب دکھائی دینے لگے۔ علقمہ بن قیس سے روایت ہے کہ اول انبیاء کرام علیہم السلام کو خواب دکھائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ سچے خوابوں سے ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں تو حالت بیداری میں ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا ایک جزو ہے۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے رویائے صالحہ کو نبوت کا چھبیسواں حصہ بتایا ہے اور ایک دوسری حدیث میں چالیسواں حصہ کہا گیا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب ہمیشہ سچے ہوتے ہیں۔ ان میں جھوٹ کا امکان نہیں ہوتا۔

البتہ صالحین کے خواب میں صدق غالب رہتا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بات میں سب سے زیادہ سچا ہے وہی خواب میں بھی سب سے زیادہ سچا ہے۔ (فتح الباری جلد 1 صفحہ 11 اور جلد 12 صفحہ 450۔ زرقانی جلد 1 صفحہ 218)

عالم نور سے ربط و تعلق کے اس اعزاز سے وہی سرفراز ہو سکتا ہے جو اپنی ذات میں نور کو جذب کر لے اور بشری عوارض سے بالاتر ہو کر نور کی کائنات میں داخل ہو جائے۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیازی شان ہے اس کو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ان کے ظاہر لوگوں کے ساتھ اور باطن فرشتوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ (الشفاء)

عالم نور ہی سے رابطہ قائم کرنے کے لئے یہ روحانی اور نورانی حضرات خلوت میں جاتے ہیں اور نور جذب کر کے مرکز نور کی طرف پرواز کرتے ہیں۔

چونکہ یہ ایک تدریجی اور دیر طلب عمل ہے اس لئے ملائکہ کا نزول یکدم نہیں ہوتا بلکہ پہلے ان کے قوائے فکر و شعور اور ظاہر و باطن کو اس ربط و ضبط کے لئے باقاعدہ تیار کیا جاتا ہے۔ غیبی آوازیں آنا، روشنی دکھائی دینا، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اسی طرح خواب بھی اسی ارتقائی عمل کا ایک حصہ ہیں۔ حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

”انبیاء کرام کو جو کچھ بھی عطا کیا جائے وہ سب سے پہلے خواب میں عطا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ کلی

طور پر مطمئن اور مانوس ہو جاتے ہیں پھر اس کے بعد وحی نازل ہوتی ہے۔“ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 93)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں حضور ﷺ کو بھی باقاعدہ نزول وحی سے پہلے خواب آنا شروع ہو گئے تھے آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ سپیدہ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا یعنی جو کچھ رات کو خواب میں دکھائی دیتا وہ دن کے اجالے میں بیداری کی حالت میں اسی طرح وقوع پذیر ہو جاتا۔“

وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی آپ نیند میں جو کچھ دیکھتے تھے وہ طلوع صبح، سپیدہ سحر کی طرح ظاہر ہو جاتا تھا۔ (دلائل النبوة، ابی نعیم صفحہ 168)

ان خوابوں کا فائدہ یہ ہے کہ فرشتوں کا سامنا کرنے کا حوصلہ اور شوق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ نبی اجنبی مخلوق کو سامنے دیکھ کر حیرت اور گھبراہٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ طبیعت میں فرحت و تسکین اور ٹھنڈک پاتا ہے۔

اس کی ایک مثال یہ واقعہ ہے اور راوی حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ ﷺ نے خواب دیکھا جیسے مکہ میں موجود ہیں اور آپ ﷺ کے گھر کی چھت پر کوئی آیا اور اس نے چھت کی کڑیاں ایک ایک کر کے اکھاڑنا شروع کر دیں یہاں تک کہ جب تمام چھت اکھاڑ لی تو اس میں چاندی کی سیڑھی داخل کی پھر دو آدمی نیچے اترے حضورِ نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا میں نے نیند میں کسی کو پکارنا چاہا مگر آواز نہ نکلی۔ ایک آدمی سر کے پاس اور دوسرا ہمارے پہلو کے قریب بیٹھ گیا اور پہلو میں ہاتھ داخل کر کے جیسے دو پسلیاں نکال لیں پھر دل نکالا اور ہتھیلی پر رکھ کر کہا صالح انسان کا کتنا پاکیزہ دل ہے اس کے ہاتھ کی ٹھنڈک ہم نے باقاعدہ محسوس کی پھر اس نے دل دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ دیا اور پسلیاں بھی جوڑ دیں پھر وہ دونوں اوپر چڑھ گئے اور سیڑھی بھی اٹھالی۔ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 94)

پھر یہ خواب دن کے اجالے میں وقوع پذیر ہوا جبریل و میکائیل واقعاً تشریف لائے اور شق صدر کر کے قلب اطہر نکالا دھویا اور جو علوم و اسرار بھرتا تھے وہ اس میں بھرے پھر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔

اسی روایت میں ہے کہ

حضورِ نور نبی کریم ﷺ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے باہر تشریف لے گئے جب واپس آئے تو بتایا پہلے پیٹ مبارک کو چاک کیا گیا پھر دھو کر پاک کر کے پہلے کی طرح کر دیا گیا۔ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 94)

جب سچے خوابوں کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ دل جو پہلے ہی معرفت الہی اور محبت الہی کے نور سے منور تھا اس میں اپنے معبود برحق بلکہ مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی کی یاد میں کھو جانے کا جذبہ، کارگاہ حیات کی مصروفیتوں سے نکال کر اس گوشہ تنہائی میں گوشہ نشین ہونے پر مجبور کرنے لگا۔ جہاں یاد محبوب کے سوا کسی اور بات کا تصور تک خلل انداز نہ ہو۔ چنانچہ محبت الہی کا یہ طوفان حضورِ نور ﷺ کو مکی زندگی کی مصروفیتوں سے نکال کر ایک غار میں لے آیا جس کا نام غار حرا ہے۔

یہ غار حرا، جس پہاڑ کی چوٹی پر ہے اس کا نام ”جبل النور“ ہے۔ یہ غار چار گز لمبی دو گز چوڑی ہے اس کی وسعت اتنی ہے کہ ایک آدمی اس میں لیٹ سکتا ہے۔ جبل النور اور اس کے ارد گرد جتنے پہاڑ ہیں خشک اور بے آب و گیاہ ہیں راستہ اتنا کٹھن اور دشوار گزار ہے کہ صحت مند اور طاقتور آدمی بھی وہاں بڑی مشکل سے پہنچنے میں کامیاب ہوتا ہے یہ پہاڑ حرم مکہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اگرچہ دوسرے پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی اس قسم کے گوشہ تنہائی کو تلاش کیا جاسکتا تھا۔ لیکن سرورِ دو عالم ہادی انس و جان رہبر کائنات ﷺ نے اپنی گوشہ نشینی کے لئے غار حرا کو اس لئے پسند فرمایا کہ یہاں بیٹھ کر بیت اللہ شریف کی زیارت بھی ہو سکتی تھی۔

(ارشاد الساری جلد 1 صفحہ 62)

اس وقت تو جبل النور مکہ مکرمہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا لیکن اب یہ شہر کافی وسیع ہو گیا ہے اور اس کی حدود جبل نور کو چھونے لگی ہیں۔ آپ ﷺ کے غار حرا میں قیام کا عرصہ یا مدت متعین نہ تھی اس کے بارے میں علامہ احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ نے یوں وضاحت کی ہے۔

”یعنی قیام کی مدت کو مبہم رکھا کیونکہ یہ مدت متعین نہ تھی کبھی تین رات کبھی پانچ کبھی سات راتیں کبھی رمضان کا پورا مہینہ یہاں قیام فرمایا کرتے۔“ (السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 163)

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ صرف رمضان شریف کا پورا مہینہ یہاں گزارتے تھے۔ لیکن احادیث صحیحہ کے مطالعہ سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ حضور ﷺ رمضان المبارک کا پورا مہینہ یہاں گزارتے تھے لیکن اس کے علاوہ بھی بکثرت یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔

درج ذیل روایت کے الفاظ بھی اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔

”کہ حضور ﷺ چند روز کے لئے خور و نوش کا سامان لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے جب یہ راشن ختم ہو جاتا تو پھر ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت النعمان کے پاس آتے چند روز قیام فرماتے خور و نوش کا سامان لے کر پھر اس غار میں اپنے رب کو یاد کرنے کے لئے فروکش ہو جاتے۔ اسی حالت میں وحی کا آغاز ہوا۔“

حضور پر نور سرورِ دو عالم ﷺ اس غار میں آکر کیا کرتے تھے؟

اس کا جواب ایک لفظ وَتَحَنَّنُٹ میں مذکور ہے۔ یہ باب تفعّل کا فعل مضارع ہے اس باب کا اہم خاصہ یہ ہے کہ مصدری معنی سے تجنب پر دلالت کرتا ہے یعنی مصدری معنی کی نفی کرتا ہے جیسے تاثم اس کا ماخذ اور مصدر اثم ہے جس کا معنی گناہ کرنا لیکن جب اس مصدر سے باب تفعّل بنا کر تاثم کہا جاتا ہے تو اس وقت اس کا معنی ہوتا ہے گناہ سے اجتناب کرنا اس طرح تہجد کا مصدر ہجود ہے جس کا معنی سونا ہے لیکن جب اس کا باب تفعّل بنا کر تہجد کہا جاتا ہے تو اس کا معنی جاگنا ہوتا ہے۔ جس میں سونے کی نفی کی جاتی ہے۔ اسی طرح تحنن کا ماخذ حنٹ ہے جس کا معنی گناہ کا ارتکاب کرنا اور تحنن کا معنی ہوگا، گناہوں سے اجتناب کرنا یعنی اپنا

وقت یا دالہی میں صرف کرنا۔ (عمدة القاری، علامہ عینی جلد 1 صفحہ 55)

علامہ عینی نے اس کا ایک دوسرا معنی بھی نقل کیا ہے۔

”ابوالمعالی کہتے ہیں کہ تخت کا معنی تعبد ہے یعنی عبادت کرنا۔“ علامہ عینی نے ایک اور قول بھی اس سلسلہ میں نقل کیا ہے۔

یعنی ابن الاعرابی اور شیبانی کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ یَتَخَنَّتْ نہیں ہے بلکہ یَتَحَنَّفُ ہے۔ املاء کی غلطی سے ایسا لکھا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے یکسوئی سے اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کرنا۔ (عمدة القاری، علامہ عینی جلد 1 صفحہ 49)

قارئین کرام! میں مصنف کتاب ہذا لفظ یَتَخَنَّتْ اور مندرجہ بالا سوال کہ حضور انور ﷺ اس غار میں آکر کیا کرتے تھے؟ کے بارے میں مزید گزارش گزار ہوں کہ

حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ غار حرا میں دکھی انسانیت کو، معاشرہ کو شرک اور گناہ آلود زندگی سے بچانے کے لئے سوچ و بچار کرتے تھے دعائیں فرماتے تھے۔ جس کی لاشی اس کی بھینس کے بجائے سب کے لئے پرسکون، خوشحال، مسرور کن اور خدائے واحد کی عبادت سے مزین زندگی کے لئے سوچتے تھے، خواہش کرتے تھے، سوچ و بچار کرتے تھے اور انسانیت کی فلاح کے لئے دعائیں فرماتے تھے اور یہی کچھ (خواہش، تفکر، سوچ و بچار اور دعائیں) آپ ﷺ کی عبادت کا بڑا حصہ تھیں۔ اور سورہ ضحیٰ کی آیت 7 میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ اے میرے محبوب میں نے تمہیں اپنی محبت فلاح انسانیت کی سوچ و فکر میں خود رفته پایا۔

یہ سلسلہ جاری رہا۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

”فرمایا میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہوں جو مجھ پر نزول وحی سے پہلے سلام بھیجا کرتا تھا۔ اسی طرح

حضور انور نبی کریم ﷺ جب مکہ سے باہر وادیوں اور جنگل میں تشریف لے جاتے تو پتھر اور درخت

الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ۔ کہہ کر سلام عرض کرتے۔“ (صحیح مسلم۔ ترمذی)

ان تمام امور سے مقصد یہ تھا کہ حضور انور نبی کریم ﷺ کو نئے ماحول سے انسیت ہو آنے والی ذمہ

داریوں سے کچھ نہ کچھ آگاہ ہو جائیں ان کو اٹھانے اور نبھانے کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔

حصول وحی، بعثت کے لئے خدائی تیاری

آپ ﷺ کے شب و روز اسی غور و خوص و عبادات و بندگی الہی میں گزرنے لگے اور حضور پر نور ﷺ اکثر غار حرا آنے جانے لگے۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد چند روز کا خور و نوش کا سامان تیار کر دیتیں۔ آپ ﷺ اسی مقدس غار میں آکر معکف ہو جاتے اور کئی کئی روز تک واپس نہ جاتے۔ محبوب کی لافانی ذات اس کی شان خلاقی اس کی صفات اور مخلوقات کے تنوع میں تفکر اور عبادت و مناجات میں ہر وقت مگن و مصروف رہنا وظیفہ حیات بن گیا۔ شب و روز

اسی کی یاد و ذکر میں منہمک رہنے لگے خالق و مالک کائنات اللہ تبارک تعالیٰ کی یاد کی لذت نے ہر یاد فکر اور لذت سے بے نیاز کر دیا۔ اس غور و فکرِ یادِ الہی میں وہ کیف و سرور تھا جسے الفاظ میں نہیں ڈھالا جاسکتا صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔

سلسلہ بڑھتا رہا، انوارِ الہی بڑھتے رہے، دن بیتے رہے آخر یہ خلوت نشینی رنگ لائی، جس مقصد کے لئے دنیا سے الگ تھلگ ہو کر یہاں گوشہ نشین ہوئے تھے اس کی طرف قدم تیزی سے بڑھنے لگے، حضور پر نور ﷺ آپ نے محسوس کیا جیسے غار میں دور کوئی چراغ روشن ہو گیا ہے اور اس کی روشنی ماحول کو منور کر رہی ہے۔ آہستہ آہستہ آپ اس روشنی سے مانوس ہو گئے پھر وہ روشنی بڑھنے اور قریب آنے لگی اور پھر وہ معمول کا ایک حصہ بن گئی۔

رنگ، روشنی اور آواز

اس کے بعد بات کچھ اور آگے بڑھی۔ جب بھی آپ تنہا ہوتے تو بڑی میٹھی اور دلکش آواز سنائی دیتی جیسے کوئی پاس بیٹھا ہو اور پیار سے پکار رہا ہو یا محمد! یا محمد! اس ندا میں محبت و عقیدت اور پیار کی چاشنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی مگر پکارنے والا نظر نہ آتا اور پھر یہ نئی بات بھی معمول کا حصہ بن گئی۔ آپ ﷺ نے گھر آ کر اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتایا:

اے خدیجہ! مجھے روشنی نظر آتی ہے اور غیبی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 95)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: آقا ﷺ! یہ اچھی علامت ہے آپ میں جو حمیدہ خصائل موجود ہیں اور انسانیت کا جو درد پایا جاتا ہے اس کا اچھا نتیجہ نکلے گا گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ یہ اندیشے تو ان لوگوں کو ہوتے ہیں جن کی زندگی بے مقصد، بے فائدہ اور بے کار ہو۔ آپ تو معاشرے کے ماتھے کا جھومر اور قوم کا افتخار ہیں۔ غرباء کے ہمدرد اور مساکین کے خیر خواہ ہیں یتیموں اور بیویوں کا ماویٰ و ملجا (آخری زمینی سہارا، دنیا پہ آخری سہارا) ہیں۔ آپ ﷺ کو کوئی خطرہ کیسے ہو سکتا ہے اللہ نے چاہا تو ہر طرح خیر ہی خیر ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایک قریبی رشتہ دار ورقہ بن نوفل تھے جو اس دور جاہلیت میں حق کے سچے طلبگار اور کسی صادق رہنما کے متلاشی تھے اور اسی تلاش و جستجو میں زندگی کی تمام بہاریں دیکھ چکے تھے اور اب گور کنارے بیٹھے تھے۔

اس وقت حق و صداقت تک رسائی کے لئے دو ہی کتابیں تھیں چنانچہ وہ تورات و انجیل کے مطالعہ ہی میں غرق رہتے تھے اس کے نتیجے میں انہیں پتہ چل چکا تھا اب دنیا کی رہنمائی کے لئے صرف نبی آخر الزمان ﷺ کی تشریف آوری باقی ہے اور وہ مبعوث ہونے ہی والے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چونکہ ورقہ بن نوفل کی قابلیت و دانائی اور معلومات کی وسعت سے آگاہ تھیں اس لئے انہوں نے مناسب سمجھا کہ یہ بات ان کے کانوں سے بھی نکال دی جائے۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو بے

اختیار پکاراٹھے یہ تو نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت کی ابتدائی علامات ہیں، انہوں نے کہا: اے محمد! اب اگر وہ آواز سنائی دے تو آپ وہیں بیٹھے رہیں اور توجہ سے اس کی بات سنیں حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ (الطبقات الکبریٰ، جلد 1 صفحہ 195)

حضرت عمرو بن شرجیل رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

پس جب حضور ﷺ خلوت میں گئے تو آواز آئی اے محمد! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اسی کے بندے اور رسول ہیں۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 157)

حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے گھر آ کر جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتائی تو وہ خوشی سے جھوم گئیں انہیں اپنی خواہش پوری ہوتی نظر آنے لگی وہ اسی خوشی میں پھر حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچ گئیں اور ساری بات بتادی۔۔

ورقہ بن نوفل بھی بہت خوش ہوئے ان کی معلومات کے مطابق نبی آخر الزماں ﷺ کی تمام علامتیں حضور انور ﷺ میں موجود تھیں انہوں نے قبل از وقت ہی بتادیا۔

”آپ کو بشارت ہو! آپ کو دوہری بشارت ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی وہ عظیم المرتبت ہستی ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے جن کی آمد کی خوش خبری دی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو فرشتہ آیا کرتا تھا وہی آپ کے پاس بھی آنے والا ہے اور یہ کہ آپ بے شک نبی ہیں۔“

(الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 95۔ دلائل النبوة للبیہقی صفحہ 127۔ دلائل النبوة ابی نعیم صفحہ 170)

جو روشنی دور سے نظر آتی تھی اب وہ بالکل قریب آ گئی اور پھر اس میں سے ایک حسین صورت ابھرنے لگی جیسے روشنی اور رعنائی پیکر میں ڈھل گئی ہو اور حسن و نور کو ایک مجسمے کی صورت دے دی گئی ہو اس پیکر نور کی ہر ادا دلکش اور مسکراہٹ عقیدت و محبت سے لبریز تھی اس نے جھلک دکھائی اور پھر غائب ہو گیا۔

حضور ﷺ نے گھر آ کر نئی صورت حال اور انکشاف سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آگاہ کیا وہ اپنے خوابوں کی تعبیر کو قریب پا کر پھر کھل اٹھیں۔ انہیں سو فیصد یقین تھا روشنی میں نمودار ہونے والا پیکر نور اللہ کے فرشتے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی نورانی عادات اور نادر خصائل سے آگاہ تھیں ان کے نظریے یقین و خیالات کے مطابق کسی شریقت کے آپ ﷺ کے نزدیک آنے کی گنجائش ہی نہیں تھی کسی جن بھوت پریت شیطان میں کہاں طاقت تھی کہ اس سرچشمہ حق و صداقت اور منبع خیر و برکت کے قریب بھی بھٹک سکے اور وہ اسی یقین کے سہارے ایک صاحب علم سے بھی اس کی تصدیق کرانے کے لئے پھر ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچ گئیں اور نئے تجربات سے آگاہ کیا۔

حضرت ورقہ بن نوفل نے کہا:

خدا کی قسم! وہ سچے ہیں اور یہ ان کی نبوت کی ابتدائی علامات ہیں خدا کی قسم! ان کے پاس ”ناموس اکبر“

اختیار پکاراٹھے یہ تو نبی آخر الزماں ﷺ کی نبوت کی ابتدائی علامات ہیں، انہوں نے کہا: اے محمد! اب اگر وہ آواز سنائی دے تو آپ وہیں بیٹھے رہیں اور توجہ سے اس کی بات سنیں حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ (الطبقات الکبریٰ، جلد 1 صفحہ 195)

حضرت عمرو بن شرجیل رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔

پس جب حضور ﷺ خلوت میں گئے تو آواز آئی اے محمد! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اسی کے بندے اور رسول ہیں۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 157)

حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے گھر آ کر جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتائی تو وہ خوشی سے جھوم گئیں انہیں اپنی خواہش پوری ہوتی نظر آنے لگی وہ اسی خوشی میں پھر حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچ گئیں اور ساری بات بتادی۔۔

ورقہ بن نوفل بھی بہت خوش ہوئے ان کی معلومات کے مطابق نبی آخر الزماں ﷺ کی تمام علامتیں حضور انور ﷺ میں موجود تھیں انہوں نے قبل از وقت ہی بتادیا۔

”آپ کو بشارت ہو! آپ کو دوہری بشارت ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی وہ عظیم المرتبت ہستی ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے جن کی آمد کی خوش خبری دی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو فرشتہ آیا کرتا تھا وہی آپ کے پاس بھی آنے والا ہے اور یہ کہ آپ بے شک نبی ہیں۔“

(الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 95۔ دلائل النبوة للبیہقی صفحہ 127۔ دلائل النبوة ابی نعیم صفحہ 170)

جو روشنی دور سے نظر آتی تھی اب وہ بالکل قریب آ گئی اور پھر اس میں سے ایک حسین صورت ابھرنے لگی جیسے روشنی اور رعنائی پیکر میں ڈھل گئی ہو اور حسن و نور کو ایک مجسمے کی صورت دے دی گئی ہو اس پیکر نور کی ہر ادا دلکش اور مسکراہٹ عقیدت و محبت سے لبریز تھی اس نے جھلک دکھائی اور پھر غائب ہو گیا۔

حضور ﷺ نے گھر آ کر نئی صورت حال اور انکشاف سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو آگاہ کیا وہ اپنے خوابوں کی تعبیر کو قریب پا کر پھر کھل اٹھیں۔ انہیں سو فیصد یقین تھا روشنی میں نمودار ہونے والا پیکر نور اللہ کے فرشتے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی نورانی عادات اور نادر خصائل سے آگاہ تھیں ان کے نظریے یقین و خیالات کے مطابق کسی شریقت کے آپ ﷺ کے نزدیک آنے کی گنجائش ہی نہیں تھی کسی جن بھوت پریت شیطان میں کہاں طاقت تھی کہ اس سرچشمہ حق و صداقت اور منبع خیر و برکت کے قریب بھی بھٹک سکے اور وہ اسی یقین کے سہارے ایک صاحب علم سے بھی اس کی تصدیق کرانے کے لئے پھر ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچ گئیں اور نئے تجربات سے آگاہ کیا۔

حضرت ورقہ بن نوفل نے کہا:

خدا کی قسم! وہ سچے ہیں اور یہ ان کی نبوت کی ابتدائی علامات ہیں خدا کی قسم! ان کے پاس ”ناموس اکبر“

(جبریل امین) فرشتہ آتا ہے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۹۷)

مطلب یہ تھا کسی غلط اور شریر قوت کا یہاں امکان نہیں ہے انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا: پھر بھی اگر آپ اس کے فرشتہ ہونے کا امتحان لینا چاہتی ہیں تو اس کا طریقہ میں بتائے دیتا ہوں۔

جس جگہ انہوں نے اس پیکر نور کو دیکھا ہے آپ بھی وہیں چلی جائیں پس جب وہ پیکر نور ان کو دکھائی دے تو اپنے سر سے دوپٹہ اتار دیں اگر وہ آنے والا پیکر نور اللہ کی طرف سے ہے تو غائب ہو جائے گا اور دکھائی نہیں دے گا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۲)

یہ نسخہ کیسیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل کو لگا کہ پاک اور ناپاک قوت کو پہنچانے کا یہ ایک موثر ذریعہ تھا انہوں نے حضور ﷺ سے کہا:

”آقا ﷺ گزارش ہے کہ جب آپ کے پاس وہ پیکر نور آئے تو کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں بتا سکتا ہوں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اب وہ جب بھی آئے تو مجھے بتائیں۔ چنانچہ کسی موقع پر حضور نور نبی کریم ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما تھے اتنے میں جبریل امین نمودار ہوئے آپ نے فرمایا: اے خدیجہ! وہ پیکر نور آ گیا ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا اب وہ نظر آ رہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: آپ میری دائیں جانب آ کر بیٹھ جائیں۔ حضور ﷺ ان کے دائیں جانب جا کر بیٹھ گئے انہوں نے پوچھا: کیا اب بھی دکھائی دے رہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں انہوں نے عرض کی اب آپ میری گود میں آ کر بیٹھ جائیں۔ حضور نور ﷺ ان کی گود میں جا کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے پوچھا: کیا اب بھی آپ اسے دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر مبارک سے دوپٹہ اتار کر پرے ڈال دیا سرنگا ہو گیا تو پوچھا: کیا اب بھی وہ دکھائی دے رہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں وہ چلا گیا۔ عرض کی: میرے آقا ﷺ آپ ثابت قدم رہیں اور مبارک و بشارت قبول فرمائیں پھر آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں اور گواہی دی کہ جو کچھ آپ کے پاس آیا ہے وہ حق ہے۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۵۲)

جب ظہور نبوت کا وقت بہت قریب آ گیا تو اس میں ایک چیز کا اضافہ ہو گیا۔

جب بھی حضور نور نبی کریم ﷺ کسی پتھر یا درخت کے قریب سے گزرتے تو وہ آپ کو سلام عرض کرتا ”السلام علیک یا رسول اللہ“ آپ سن لیتے اور دائیں بائیں اور پیچھے دیکھتے مگر درختوں اور ارد گرد پھیلے ہوئے پتھروں کے سوا کوئی نظر نہ آتا۔ (الطبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۵۷)

نور کے ہالے میں جو پیکر نظر آنے لگا تھا اب اس نے ہمکلام ہونا شروع کر دیا۔ یہ ایک نیا نشاط انگیز اور قرار بخش تجربہ تھا اس نے ذوق و شوق اور کیف و سرور کو فزوں تر کر دیا طبیعت چاہنے لگی کہ اب وہ پیش نظر اور ہمکلام ہی رہے یعنی میں تیرے روبرو ہوں تو میرے روبرو ہے۔

وہ پیکر نور عرض کرتا۔

”اے پیارے محمد ﷺ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔“

حضور ﷺ اس سے پوری طرح مانوس ہو گئے اور اس سے اجنبیت کا احساس ختم ہو گیا جب وہ سامنے آتا تو اسے دیکھتے ہی رہتے اور دید مظہر قدرت رب للعالمین میں محو ہونے کے باعث وقت کا بھی پتہ نہ چلتا۔ وہ عظیم باسعادت گھڑی آ گئی

آپ ﷺ چالیس سال کے ہو گئے تو ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں جب آپ ﷺ غار حرا میں حسب معمول تشریف فرما تھے وہ عظیم باسعادت گھڑی آ گئی کہ جب جبریل امین بشل آدمی اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و حکمت سے آپ حضور پر نور ﷺ کے پاس حاضر ہو گئے اور آپ سے کہا پڑھیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس پر اس نے مجھے پکڑ کر اس زور سے دبایا کہ میری قوت نچوڑ دی۔ پھر چھوڑ کر کہا پڑھیے۔ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے پھر مجھے پکڑا اور سینے سے لگا کر خوب بھینچا یہاں تک کہ مجھے اس کے زور سے بھینچنے سے تکلیف محسوس ہوئی۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور تیسری بار کہا پڑھیے۔ میں نے پھر کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے مجھے پکڑ کر تیسری بار پہلے کی طرح خوب بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا سورہ علق کی آیات 1 تا 5 تلاوت فرمائی گئیں۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

ترجمہ: ”آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جسے ہوئے خون سے۔ پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطے سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا۔“ (سورہ علق آیات 1 تا 5)

(یہ روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے امام احمد یثین حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے)

مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں

حدیث پاک کے اس حصہ میں چند امور کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اقرأ صیغہ امر ہے۔ جو وجوب اور حکم کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہاں یہ تلقین کے لئے ہے تکلیف کے لئے نہیں۔ بارگاہ نبوت کے ادب کا تقاضا بھی یہی ہے۔ (فیض الباری انور شاہ جلد 1 صفحہ 24)

لفظ ”عَطَّ“ کا معنی ہے کسی چیز کو پانی میں ڈبو دینا۔ یا کسی چیز کو زور سے نچوڑنا تاکہ اس میں پانی کا قطرہ بھی نہ رہے۔ یہاں مراد ہے سینے سے لگا کر بھینچنا۔

علماء کے نزدیک اس سے مقصد تنبیہ کرنا ہے۔ لیکن صوفیاء کرام کے نزدیک اس سے مقصود دل میں القاء کرنا بشریت سے ملکیت کی طرف قریب کرنا۔ استاد و تلمیذ (شاگرد) میں مناسبت پیدا کرنا ہے۔

(فیض الباری، انور شاہ، جلد 1 صفحہ 24)

جب تک جبریل امین نے صرف اقراء کہا تو جواب ملا مَا اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھنے والا نہیں ہوں) جب چوتھی بار انہوں نے اللہ تبارک تعالیٰ کا نام ساتھ ملا کر کہا اَقْرَأْ بِسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ "اے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم! اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے ساری کائنات کو پیدا فرمایا ہے وہی آپ کے سینہ کو علم و معرفت کے انوار سے منور کرنے والا ہے وہی آپ کے اُمی ہونے کے باوجود آپ کی زبان اقدس پر کلمات حکمت کو جاری کرنے والا ہے اس کے نام سے پڑھیے تو پھر حضور انور ﷺ نے پڑھنے سے انکار نہیں کیا بلکہ فوراً آیات طیبات کی تلاوت شروع کر دی۔ علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے الروض الانف میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور شیخ محمد ابراہیم العرجون نے بڑے پیارے انداز میں یہی بات کہی ہے۔

”خلاصہ کلام یہ ہے! اے حبیب! آپ بطور معجزہ اس کی قرأت کریں اگرچہ آپ علم سیکھ کر پڑھنے والے نہیں۔ آپ اپنے اس رب کے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے قرأت کریں جس نے آپ کی تربیت فرما کر آپ کو سارے عالم کے لئے استاد تیار کیا ہے۔“

(محمد رسول اللہ، ابراہیم العرجون جلد 1 صفحہ 243)

اب ہم اس روایت کا وہ حصہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں جس میں نزول وحی کے بعد حضور ﷺ کی گھر واپسی اور اپنی رفیقہ حیات اُم المؤمنین حضرت خدیجہ عنہا سے اپنے بارے میں اندیشوں کا تذکرہ اور اس کے جواب میں اُم المؤمنین کی تسلی آمیز اور اطمینان بخش گفتگو ہے۔

”پس ان آیات کو سن کر اور دل میں محفوظ کر کے رسول اللہ ﷺ واپس گھر تشریف لائے حضور انور ﷺ کا دل کانپ رہا تھا۔ آپ ﷺ ام المؤمنین خدیجہ بنت خویلد کے پاس آئے اور فرمایا مجھے چادر اوڑھاؤ مجھے چادر اوڑھاؤ۔ پس انہوں نے حضور پر نور ﷺ پر چادر ڈال دی یہاں تک کہ وہ ہر اس دور ہو گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سارا ماجرا سنایا اور فرمایا مجھے اپنے بارے میں ڈر لگ رہا ہے۔ آپ نے عرض کی ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ تبارک تعالیٰ کبھی آپ کو بے آبرو نہیں کرے گا۔ آپ قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں کمزوروں اور ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ جو مفلس نادار ہو اس کو اپنی نیک کمائی سے حصہ دیتے ہیں مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ حق کی وجہ سے کسی پر کوئی مصیبت آجائے تو آپ اس کی مدد کرتے ہیں اور دستگیری فرماتے ہیں۔

اور جس شخص میں یہ خوبیاں ہوں اللہ تبارک تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ ایسے شخص کو بے آبرو اور ذلیل نہیں کرتا

بلکہ اس کی عزت و آبرو کا خود نگہبان ہوتا ہے۔“

حدیث پاک کے اس حصہ میں دو باتیں ایسی ہیں جو قارئین کرام کی خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔
پہلی بات تو یہ ہے کہ نزول وحی کے بعد خوف و ہراس کی یہ کیفیت کیوں روپذیر ہوئی؟
دوسری غور طلب بات حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا تسلی آمیز جواب ہے۔

دل مبارک کا دھڑکنا

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح ہر امتی پر لازم ہے کہ وہ اپنے نبی کی نبوت پر ایمان لائے اسی طرح ہر نبی پر بھی ضروری ہے کہ وہ بھی اپنی نبوت پر ایمان لے آئے۔ مگر نبی کو اپنی نبوت پر یقین محکم نہ ہوگا تو وہ دوسروں کو کیونکر اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دے سکے گا۔

اس بارے میں سورہ بقرہ کی آیت مبارک 285 میں ارشادِ حاکم الحاکمین یوں ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ط كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ قَدْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ قَدْ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا قَدْ غُفِرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝
”رسول بھی ایمان لایا“ (اس پر) جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل کیا گیا اور مومن بھی

ایمان لے آئے۔“ (سورہ بقرہ آیت 285)

امتیوں کو تو یہ ایمان اپنے نبی کی دعوت اس کے دلائل سن کر نیز اس کے پیش کئے ہوئے معجزات دیکھ کر حاصل ہوتا ہے لیکن نبی کے دل میں اپنی نبوت کا عرفان منجانب اللہ پیدا ہو جاتا ہے وہ کسی دلیل اور معجزہ کا محتاج نہیں ہوتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس سے اپنے اہل و عیال سمیت اپنے وطن مصر واپس جا رہے تھے جب وادی سینا میں پہنچے تو رات کا وقت تھا۔ سخت سردی تھی، آپ نے دور سے آگ جلتی دیکھی وہاں گئے تاکہ آگ لے آئیں خود بھی تاپیں اور ان کے اہل و عیال بھی اس سے حرارت حاصل کریں۔ اللہ تبارک تعالیٰ اس موقع پر طورہ طہ آیات 11 تا 13 میں فرماتے ہیں۔

فَلَمَّا اتَهَانُوْا دِيْ يَمُوْسٰى ۝ اِنِّىْ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝
وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى ۝

ترجمہ: ”پس جب آپ وہاں پہنچے تو ندا کی گئی اے موسیٰ! بلاشبہ میں تمہارا پروردگار ہوں پس تو اتار دے اپنے جوتے۔ بے شک تو طویٰ کی مقدس وادی میں ہے اور میں نے پسند کر لیا ہے تجھے (رسالت کے لئے) سو خوب کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے۔“

(سورہ طہ آیات 11 تا 13)

اس آواز کے سننے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اپنے نبی ہونے کے بارے میں یقینی علم پیدا ہو گیا جس میں شک و شبہ کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ یقینی علم جو دلائل و براہین کے بغیر دل میں پیدا ہو جائے اسے ”علم ضروری“ اور ”بدیہی“ کہتے ہیں۔

اچانک یہ آواز سننے سے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اپنی نبوت کے بارے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا تو حضور پر نور ﷺ کی وہ ذات اقدس جس کو نزول وحی سے پہلے کئی علامات اشارات اور نشانات دکھانے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا انہیں اپنی رسالت کے بارے میں کیونکر کوئی شبہ ہو سکتا تھا۔ مکہ سے باہر جاتے ہیں وادیوں سے گزرتے ہیں تو دائیں بائیں شجر و حجر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر اپنی نیاز مندی کا نذرانہ پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ ہر رات جو خواب دیکھتے ہیں صبح کی روشنی کی طرح دوسرے دن اس کی تعبیر ہو بہو سامنے آ جاتی ہے۔ ایسی ذات پر جب ایسا مقدس کلام نازل ہوا ہو گا تو روح کو جوتا زگی اور قلب کو جو مسرت ہوئی ہوگی اس کا صحیح اندازہ حضور پر نور ﷺ کے بغیر اور کون لگا سکتا ہے۔

پھر یہ خوف ہر اس کیسا؟ پھر یہ سراسیمگی اور حیرانی کیسی؟

اس کے بارے میں علماء کرام نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں اور داد تحقیق دی ہے۔

لیکن اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اتنا ہی غور فرمائیے کہ وہ فرقان حمید جس کی جلالت شان کا یہ عالم ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ سورہ حشر کی آیت 21 میں یوں فرماتے ہیں۔

لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝

ترجمہ: ”اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا، دبا ہوا، پاش پاش ریزہ ریزہ ہوتا، اللہ کے خوف و ہیبت سے۔“

پہاڑ اس کی ہیبت سے ریزہ ریزہ ہونے لگتے ہیں تو جب اس کا نزول اس حساس قلب پر ہوا ہو گا جس کو اس کلام کی جلالت شان اور زہرہ گداز ذمہ داریوں کا سب سے زیادہ احساس تھا تو کیا وہ قلب لطیف لرز لرز نہ گیا ہو گا؟ یہ تو حال ہے ان تیاریوں کے بعد جو شق صدر سے فرمائی گئیں اور اللہ تبارک تعالیٰ کی رضا و مدد ہمہ وقت موجود ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ ان حالات میں خوف و ہراس۔ بے چینی و اضطراب کا پیدا ہونا باعث حیرت نہیں۔ اس کا ہونا تو لازمی تھا بلکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو باعث صد حیرت و تعجب ہوتا۔

اور میرے نزدیک (اس کتاب کا مصنف) خوف و ہراس، بے چینی و اضطراب کی یہی صحیح ترین دلیل یا توجیہ ہے۔ ایسا ہونا کسی حکمت کے تحت رضائے الہی سے ہونا ضروری تھا کیونکہ جیسا کہ میں پہلے گزارش کر چکا ہوں اس

سے پہلے حضور پر نور ﷺ کو شوق صدر فرمایا گیا کہ نزول قرآن وحی کو برداشت کرنے کے قابل ہو جائے اور اس کے باوجود اللہ تبارک تعالیٰ کی تائید و نصرت مدد و رضا تو ہمہ وقت آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ تھیں اور ہیں۔

درج ذیل توجیہات میں بھی آپ کو یہی مفہوم ملے گا انہیں غور سے پڑھیے اور دل جمعی سے سمجھئے۔

اس کی ایک اور خوبصورت، قابل فہم توجیہ حاضر خدمت ہے۔

اہل دل کو حضور ﷺ کے ساتھ اتنی قلبی و روحانی وابستگی ہے کہ وہ بعض اوقات یہ تصور کرتے ہیں کہ یہ دل کا دھڑکنا، آپ کی عظمت و شان اور مقام قرب و حضور کے منافی ہے۔ وہ جب یہ پڑھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا قلب اطہر دھڑکنے لگا تو خود ان کا اپنا دل دھڑکنے لگ جاتا ہے۔ وہ آپ ﷺ کی طرف اتنی سی نسبت بھی پسند نہیں کرتے۔ یہ ان کے جذبات محبت و وارفتگی ہیں جس میں خیر ہی خیر ہے اور عشق و محبت کا جذبہ کار فرما ہے مگر حقیقت سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے تاکہ انہیں تسلی ہو اور وہ دھڑکنے کی اس نسبت کو منافی نبوت و عظمت تصور نہ کریں۔

بات یہ ہے کہ ہمارا جہان ”عالم ناسوت“ یعنی ایک مادی جہان ہے، جو عالم لائہوت کے مقابلے میں ہے، عالم لائہوت ایک جہان نور ہے، جس میں ملائعہ اعلیٰ کے فرشتے، انبیاء کرام اور دیگر نوری وجود رہتے ہیں جو طہارت و پاکیزگی کے پیکر اور نور و نگہت کے خوگر ہیں، قدرت کریم نے انہیں طاہری باطنی پاکیزگی عطا کی ہے اور اپنا مقرب بنایا ہے۔

اس عالم نور کی مخلوق کے کچھ اپنے خصائص اور وہاں کے ماحول کے کچھ اپنے ضابطے اور آداب ہیں، عالم مادی کے باسی کے لئے ان سے تعلق ان کی دید اور ان سے استفادہ ممکن نہیں یہاں تک کہ وہ بھی ان ہی کے رنگ میں رنگا جائے اور نور و سرور کی پُر کیف فضاؤں سے مانوس ہو جائے۔ اگر اچانک کسی کے سامنے وہ جہان نور منکشف ہو جائے یا اس کی مخلوق کو وہ اصلی روپ میں دیکھ لے تو عام انسان کا اپنے حواس میں رہنا ممکن ہی نہیں، اور انبیاء کرام جیسے اہل نور کے قوائے فکر و شعور اور ذہن و دماغ پر بھی اس کا اثر ہونا لازمی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور پر نور ﷺ کو اس جہان نور سے علیحدہ ہوئے، چالیس سال بیت چکے تھے، اس عالم ناسوت اور اس کی مخلوق کے ساتھ وابستگی اور تعلقات نے یہاں کارہائشی بنا دیا تھا، آپ ﷺ بشریت کے تمام تقاضے پورے فرماتے تھے، جب اچانک اس جہان نور سے رابطہ قائم ہوا، اور وہاں کی عظیم الشان مخلوق نے پورے جاہ و جلال کے ساتھ ظہور فرمایا، اور آپ کو جو ذمہ داری سونپی گئی اس کا تصور فرمایا اور جہلاء کی مخالفت اور عدم قبول حق کا خیال آیا تو دل دھڑکنے لگا۔ یہ بشری تقاضے کے عین مطابق تھا اور حضور پر نور ﷺ اس دنیا میں بشری روپ میں ہی جلوہ گر تھے، انسان تھے اور ایسے مواقع پر انسان کے دل کا دھڑکنا کسی تعجب کا باعث نہیں، اس لئے اگر آپ کا دل مبارک ان حالات میں دھڑکنے لگا تو یہ کوئی مقام و مرتبہ سے فروتر بات نہیں تھی۔ محبوب کے ساتھ رابطہ قائم ہو جائے بلکہ اس کی یاد ہی آجائے تو دل بے قابو ہو جاتا ہے۔ یہ دھڑکن لگن کی علامت ہے۔

علماء محققین نے بھی بڑی خوبصورتی سے یہی بات کہی ہے اور یہی انداز اپنایا ہے بلکہ علامہ محمد صادق العرجون نے تو ”قَدْ خَشِيتُ عَلَيَّ“ پر ایک اور خوبصورت زاویہ سے نگاہ ڈالی ہے۔

علماء محققین نے اس حدیث کے ان کلمات لَقَدْ خَشِيتُ عَلَيَّ نَفْسِي کی متعدد توجیہات پیش کی ہیں جو انشاء اللہ آپ کو بھی پسند آئیں گی۔

علامہ بدرالدین عینی نے اسے بایں الفاظ بیان کیا ہے۔

”حضور ﷺ کو اس بات پر اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس امر عظیم کی ذمہ داریوں کو آپ پوری طرح سے سرانجام نہ دے سکیں اور وحی کے اس بارگراں کے متحمل نہ ہو سکیں۔“

(عمدة القاری، علامہ عینی جلد 1 صفحہ 68)

علامہ ابن حجر نے بھی اسی توجیہ کو بایں الفاظ بیان کیا ہے۔

”مبادا میں نبوت کے اس بارگراں کو اٹھانہ سکوں۔“ (فتح الباری جلد 1 صفحہ 20)

علامہ محمد صادق عرجون رحمہ اللہ نے اپنی گراں قدر تصنیف ”محمد رسول اللہ“ میں بحوالہ امام قسطلانی ”قَدْ خَشِيتُ عَلَيَّ“ کے جملہ کی ایک اور توجیہ پیش کی ہے اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

قَدْ خَشِيتُ عَلَيَّ یہ واحد متکلم کا صیغہ نہیں بلکہ واحد مونث مخاطب کا صیغہ ہے اور یہاں حرف استفہام مقدر ہے اَقَدْ خَشِيتُ عَلَيَّ

لکھتے ہیں کہ رحمت کائنات ﷺ شرف نبوت سے مشرف ہونے کے بعد گھر تشریف لائے اپنی رفیقہ حیات ام المومنین حضرت خدیجہ فاطمہ سے ملاقات فرمائی۔ کیونکہ حضور انور نبی کریم ﷺ مقررہ وقت سے کافی دیر بعد تشریف لائے تھے اس تاخیر سے آپ بے چین ہو گئیں حضور پر نور سرورِ دو عالم ﷺ تشریف لائے تو عرض کی اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ اے ابوالقاسم (حضور ﷺ کی کنیت) حضور ﷺ اتنی دیر کہاں تشریف فرما رہے۔ میں تو تاخیر کے باعث بے چین ہو گئی تھی حضور ﷺ کی تلاش میں اپنے آدمی بھیجے لیکن جب وہ ناکام واپس آئے تو میری بے قراری میں مزید اضافہ ہو گیا، سرور کائنات نے اپنی رفیقہ حیات کو تسلی دینے کے لئے فرمایا ذرا میری طرف دیکھو۔ مائی؟ مجھے تو کوئی تکلیف نہیں پہنچی میں تو بخیر و عافیت تمہارے سامنے موجود ہوں پھر اَقَدْ خَشِيتُ عَلَيَّ کیا تمہیں میرے بارے میں خوف و اندیشہ لاحق ہو گیا تھا؟ انہوں نے عرض کی کلا؟ ہرگز مجھے کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہوا تھا چونکہ آپ ان صفات کمال سے متصف ہیں جو ہستی ایسے اوصاف حمیدہ سے متصف ہو اللہ تبارک تعالیٰ خود اس کا نگہبان ہوتا ہے وہ اسے رسوا نہیں کرتا۔ اس کے بعد حضور انور نبی کریم ﷺ روئے ورجم ﷺ نے انہیں حرا کی خلوتوں میں جبرئیل کی آمد اور قرأت آیات قرانی کے بارے میں بالتفصیل مطلع فرمایا۔

(محمد رسول اللہ، ابراہیم عرجون جلد 1 صفحہ 370، 371)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے یہ تسلی آمیز کلمات ایک آئینہ حق نما ہیں جس میں حضور پر نور ﷺ کے اخلاق عالیہ کے نقوش جمیلہ پوری آب و تاب کے ساتھ نظر آرہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان الفاظ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فرزانگی، حقیقت شناسی اور حضور انور نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کی بے پایاں عقیدت کا بھی اظہار ہو رہا ہے۔ بیویاں اپنے شوہروں سے بہت کم متاثر ہوتی ہیں دوسرے لوگ بڑے لوگوں کے صرف کمالات اور ان کی خوبیوں سے آگاہ ہوتے ہیں لیکن بیویاں ان کی ان کمزوریوں اور خامیوں پر بھی مطلع ہوتی ہیں جن پر ان کے بغیر اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہاں حضور ﷺ کی جلوت و خلوت پر کامل آگاہی رکھنے والی خاتون، اپنے آقا کے ان محامد و کمالات کا نہایت بلیغ اور دلنشین انداز میں اظہار کر کے اپنی اس وارفتگی اور دلچسپی کا والہانہ اظہار کر رہی ہیں جس کی مثال تاریخ میں ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایک چچا زاد بھائی تھے جن کا نام ورقہ بن نوفل بن اسد عبد العزیٰ تھا۔ یہ ان چند لوگوں میں سے تھے جو بت پرستی سے دل برداشتہ ہو کر تلاش حق میں گرد و نواح کے ممالک میں چلے گئے تھے وہاں جا کر ورقہ نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ آپ عبرانی زبان لکھنا جانتے تھے اور توریت و انجیل کے عالم تھے۔ آپ نے انجیل کو عبرانی رسم الخط میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ آپ کی عمر کافی زیادہ ہو گئی تھی بینائی بہت کمزور ہو چکی تھی گویا نہ ہونے کے برابر تھی۔ حضرت خدیجہ حضور ﷺ کو لے کر ورقہ کے پاس آئیں (آپ احتراماً برائے ملاقات تشریف لائے) اور انہیں کہا۔

اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنو۔
ورقہ نے حضور ﷺ کو کہا فرمائیے! آپ کو کیا نظر آیا ہے۔
حضور پر نور ﷺ نے سارا ماجرا ان سے بیان کیا۔

یہ سب کچھ سن کر ورقہ بن نوفل نے کہا یہ وہی ناموس (جبریل) ہے جس کو اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا۔ اے کاش! میں اس وقت جوان ہوتا اے کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے۔ ورقہ نے کہا جی ہاں! جو شخص بھی اس قسم کی دعوت لے کر آیا جو آپ (ﷺ) لے کر آئے ہیں لوگوں نے اس سے دشمنی کی۔ اگر مجھے آپ ﷺ کا وہ دن دیکھنا نصیب ہوا تو میں آپ کی پرزور مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے۔ جلد ہی انتقال فرما گئے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت اور منصب نبوت پر فائز ہونے کے بارے میں یہ وہ جامع، مستند اور صحیح ترین روایت ہے جو صحیح بخاری سے نقل کر کے قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش کی ہے۔
امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الخصائص الکبریٰ میں لکھتے ہیں

چونکہ حضرت ورقہ بن نوفل نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو پہچان کر ایمان لانے اور امداد کرنے کا اظہار کر دیا تھا اس لئے یہ خوش قسمت اور نیک بخت انسان ناجی (نجات پانے والے) اور جنتی ہے۔ حضرت عمرو بن شریک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

”ہم نے ورقہ بن نوفل کو ریشمی لباس میں دیکھا ہے کیونکہ وہ ہم پر ایمان لے آئے تھے اور تصدیق کر دی تھی۔“ (الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۹۵)

امام شہاب الدین احمد القسطلانی رحمہ اللہ نے المواہب اللدنیہ میں ایک حدیث نقل کی ہے جسے امام یوسف بن اسماعیل النہجانی رحمہ اللہ نے الانوار المحمدیہ میں یوں لکھا ہے۔

حضرت جبریل امین علیہ السلام حسین ترین صورت میں نمودار ہوئے آپ سے خوشبو کی لپٹیں آرہی تھیں انہوں نے آکر کہا: اے محمد! اللہ تبارک تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے آپ کو تمام جنوں اور انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ پس آپ انہیں لا الہ الا اللہ کا نظریہ قبول کرھنے کی دعوت دیں۔ پھر جبریل امین علیہ السلام نے زمین پر پاؤں مارا پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا وہاں سے انہوں نے وضو کیا مقصود یہ تھا کہ سرکارِ دو عالم حضور انور ﷺ دیکھ لیں وضو کا طریقہ کیا ہے چنانچہ اس نے سرکار سے عرض کی: آپ بھی اسی طرح وضو کریں۔ پھر جبریل امین نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور سرکارِ دو عالم حضور پر نور ﷺ سے کہا آپ بھی میرے ساتھ پڑھیں۔ چنانچہ اس طرح انہوں نے آپ ﷺ کو وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا۔ (الانوار المحمدیہ من المواہب صفحہ ۴۱)

حضور ﷺ جب گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو منصب رسالت عطا کئے جانے کی خوشخبری سنائی اور بتایا کہ آپ کو تخت و تاج نبوت کا تاجدار بنا دیا گیا ہے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا خوشی سے بے خود ہو گئیں۔ پھر نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان کو بھی حکم دیا کہ وضو کریں اور نماز پڑھائی جس طرح حضرت جبریل امین علیہ السلام نے آپ ﷺ کو پڑھائی اور سکھائی تھی۔ (الانوار المحمدیہ من المواہب صفحہ ۴۱)



وحی

اب وحی، نبی، نبوت اور رسالت کی اصطلاحات کی مختصراً تعریف و تشریح ہو جائے تو قارئین کرام کے لئے بہت زیادہ مفید ہوگا۔ کیونکہ سیرت نبوی کو سمجھنے کے لئے ان کلمات کی ماہیت پر آگاہی ضروری ہے جب تک ان کلمات کا صحیح مفہوم ذہن نشین نہ ہو تو جگہ جگہ پر الجھنیں انسان کے ذہن کو پراگندہ کرنے کے لئے موجود ہوتی ہیں۔

وحی کے مراتب

حیات مبارکہ کی تفصیلات شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ وحی کا معنی، اس کے نزول کی صورتیں اور کیفیات کو سمجھ لیا جائے کیونکہ یہی رسالت کا مصدر اور اس کی بنیادی خصوصیت ہے۔

وحی کا معنی

وحی کا معنی اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام بھیجنا یا پہنچانا، دل میں ڈالنا اور دوسروں سے چھپا کر بات کہنا نیز جو کچھ بھی کسی دوسرے کے خیال میں ڈالا جائے وحی کہلاتا ہے۔

لیکن وہ وحی جو اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اس کی تشریح صاحب المنار نے یوں کی ہے۔

وہ وحی جو اللہ تبارک تعالیٰ اپنے انبیاء کرام کی طرف کرتا ہے اس سے مراد وہ علم ضروری اور بدیہی (ظاہر۔ جس میں دلیل کی حاجت نہ ہو) ہے جو منجانب اللہ تبارک تعالیٰ انبیاء کرام کے دلوں میں پیدا کرویا جاتا ہے اور جسے دوسرے لوگوں سے مخفی رکھا جاتا ہے۔ اور اس وحی کے القا سے پہلے اللہ تبارک تعالیٰ انبیاء کرام کی ارواح میں ایسی استعداد (صلاحیت، قوت، قابلیت) پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ اس وحی کو قبول کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں چاہے وہ وحی فرشتہ کے واسطے سے ہو یا بغیر کسی واسطے کے۔ (المنار، جلد 6 صفحہ 68)

وحی قرآن کی صورت میں متلو اور جلی ہو یا حدیث کی صورت میں غیر متلو اور خفی ہو، ذہنوں میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ وہ کن کن صورتوں اور کن کن شکلوں میں حضور ﷺ پر نازل ہوتی رہی، اس سوال کے جواب پر غور کریں تو وحی کی نوعیت سے قطع نظر آٹھ صورتیں بیان کی جاسکتی ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق نزول وحی کے عمومی

حال سے ہے اور باقی تین خصوصی حال سے متعلق ہیں، جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے انہیں بیان کیا ہے۔
نزول وحی کی عمومی صورتیں

1- سچے خواب

پہلی صورت یا حالت جس میں حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا اس کا تعلق ان روایات صادقہ سے ہے جو خواب یا نیند کی حالت میں آپ کو پیش آتے تھے۔ ایسا اعلان نبوت سے قبل کے ابتدائی ایام میں ہوتا تھا۔ آپ ﷺ بستر پر آرام فرما رہے ہوتے تو سوتے میں سچے خواب دکھائی دیتے، جن کی تعبیر آپ بیداری کی حالت میں دیکھ لیتے۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث کے الفاظ ہیں: آپ فرماتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز جس چیز سے ہوا وہ سچی خوابیں تھیں حضور انور ﷺ خواب میں رات کو جو کچھ دیکھتے اس کی تعبیر دن کو صبح کے اجالے کی طرح سامنے آ جاتی۔ (صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 2 باب بدأ الوحی)
انبیاء کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحی الہی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند ابرہہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا۔

اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں اب تو بتا، تیری کیا رائے ہے۔ (سورہ صفت آیت 102)

اس خواب کو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وحی الہی سمجھتے ہوئے عرض کیا کہ ابا جان آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ گزر گزریے انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

یہی حال دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے۔ اسی واسطے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔
انبیائے کرام کا خواب وحی ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الوضو)

2- دل میں ڈالنا

وحی کی دوسری صورت القاء فی القلب کی ہے یعنی فرشتہ حضور پر نور ﷺ کے قلب انور میں جاگتے میں کوئی بات القاء کر دیتا۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

وحی کی دوسری قسم آپ ﷺ کے دل پر کلام القاء کیا جانا ہے جیسا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ روح القدس میرے دل پر کلام القاء کرتا ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن جلد 1 صفحہ 44)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ نے فرمایا:

روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی کہ کوئی نفس مر نہیں سکتا یہاں تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہ کر لے

اس لئے اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور طلبِ رزق میں بہتر طریق اختیار کرو اور رزق کی تاخیر تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اسے اللہ کی معصیت (نافرمانی، رضا کے خلاف) کے ذریعے تلاش کرو کیونکہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی اطاعت کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ (زاد المعاد، ابن قیم جلد 1 صفحہ 79)

وحی کی اس صورت کے دوران آپ ﷺ آلاتِ جسمانیہ کو بالکل معطل فرما کر صرف قوائے روحانی اور حواسِ قلبی سے کام لیتے تھے۔ اس وقت آپ کی آنکھوں سے فرشتے کودیکھتے اور دل کے کانوں سے اس کی آواز سنتے تھے۔

3- گھنٹی کی مثل آواز

وحی کی تیسری صورت گھنٹی کی مثل آواز کی ہوتی تھی۔ حضور انور ﷺ آرام فرما ہوئے تو یکایک گھنٹی کی آواز سے آپ کے کان مبارک آشنا ہو جاتے اور خدا کا کلام گھنٹی کی آواز کی صورت میں آپ کے قلب مبارک میں جاگزیں ہو جاتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔

کبھی کبھی میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح وحی آتی ہے اور وہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے پھر وہ مجھ سے جدا ہو جاتی ہے یہاں تک کہ میں اس کو یاد کر لیتا ہوں۔ (صحیح بخاری جلد 1 صفحہ 2، باب بدء الوحی)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نزولِ وحی کی کیفیت جب ختم ہو جاتی تو سخت سردی کے دنوں میں بھی آپ کی پیشانی پر پسینہ آ جاتا۔

(صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ)

اگر سواری کی حالت میں وحی آ جاتی تو سواری کا اونٹ بیٹھ جاتا اور گردن زمین کے ساتھ لگا دیتا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 118)

کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور انور نبی کریم ﷺ پر اس حال میں وحی آئی کہ میرا زانو آپ کے زانوئے مبارک کے نیچے تھا مجھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرا زانو ٹوٹ جائے گا۔ (صحیح البخاری کتاب التفسیر، باب لا یستوی القاعدون حدیث 4316)

وحی کی صورتوں میں اختلاف اقتضائے وحی کے مطابق ہوتا تھا مثلاً اگر وحی وعدہ خیر اور بشارت میں نازل ہوتی تو فرشتہ آدمی کی صورت میں آتا، اور اگر وحی وعید شر اور کسی امر سے ڈرانے کے بارے میں نازل ہوتی تو صلصلۃ الجرس (گھنٹی کے بجنے کی آواز) کی مثل ہوتی۔

(زرقاتی علی المواہب جلد 1 صفحہ 234)

4- فرشتے کا آدمی کی شکل میں آنا

وحی کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جھرمٹ میں یوں بیٹھے ہوتے جیسے چاند ستاروں کے جھرمٹ میں ہوتا ہے تو جبریل امین بشری لباس میں کسی غلام کا روپ دھار کر آپ کے قدموں میں آ بیٹھتے اور محبوب کا کلام آقائے کائنات ﷺ تک پہنچا دیتے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فخریہ سے مروی ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے حضور پر نور ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ تو جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کبھی تو وہ گھنٹی کی آواز کی صورت میں آتی ہے اور بسا اوقات فرشتہ میرے سامنے آدمی کی شکل میں آتا ہے وہ مجھ سے کلام (وحی) کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے میں یاد کر لیتا ہوں۔ (صحیح بخاری، باب بدأ الوحی)

احادیث مبارکہ میں ہے کہ اکثر و بیشتر حضرت جبریل پیغام خداوندی بصورت وحی لے کر حضور ﷺ کے ایک جانثار صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے۔

حضرت ابن شہاب فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو جبریل علیہ السلام سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔

(الاستیعاب، ابن عبد البر القرطبی علامہ عبد البر القرطبی جلد 1 صفحہ 168)

5- اللہ تبارک تعالیٰ کا بلا واسطہ (پردے کے پیچھے سے) وحی فرمانا

وحی کی ایک صورت اللہ تبارک تعالیٰ کے فرشتے کے واسطے کے بغیر بھی آپ ﷺ سے براہ راست گفتگو فرمانا ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی تھی۔ سورہ نساء آیت 164 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقُصِّهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۝

اور اللہ تبارک تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ (سورہ نساء آیت 164)

وحی کی یہ صورت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے نص قرآنی سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے لئے اس کا ثبوت (قرآن کی بجائے) معراج کی حدیث میں ہے۔ (زاوالمعاد، ابن قیم جلد 1 صفحہ 80)

نزول وحی کی خصوصی صورتیں

وحی الہی کی مذکورہ پانچ عمومی صورتوں کے علاوہ تین خصوصی صورتیں بھی تھیں جو پیغام خداوندی کی ترسیل کے لئے حضور انور ﷺ کی ذات ستودہ (عالی) صفات سے مختص تھیں۔ یہ صورتیں درج ذیل ہیں۔

1- فرشتے کا اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہونا

وحی الہی کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ آپ ﷺ فرشتے (جبریل) کو اس کی اصلی اور پیدائشی صورت میں دیکھتے تھے۔ اور اسی حالت میں وہ اللہ تبارک تعالیٰ کی حسب مشیت آپ کی طرف وحی کرتا تھا۔ یہ صورت آپ کے ساتھ دو مرتبہ پیش آئی۔ جس کا ذکر اللہ تبارک تعالیٰ نے سورہ النجم میں فرمایا ہے۔

(زاد العاد جلد 1 صفحہ 80)

حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی اور پیدائشی صورت میں دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ زمانہ بعثت میں فترت وحی کے بعد اور دوسری مرتبہ شب معراج میں سدرہ کے پاس۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور انور نبی کریم ﷺ نے جبریل امین کو اس کی اصلی صورت میں دو ہی بار دیکھا ہے۔ ایک بار اس وقت جب کہ آپ ﷺ نے خود ان سے ان کے اصلی شکل و صورت میں ظاہر ہونے کے لئے کہا اور انہوں نے دکھایا تو آسمان کے کنارے ان سے بھر گئے اور دوسری بار شب معراج میں سدرہ کے پاس۔

(زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 230)

بعض علماء کرام کا قول ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت حقیقی ہے اور دوسری مثالی ہے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام کی حقیقی صورت کو نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور کا دیکھنا ثابت نہیں ہے۔ یعنی یہ بھی حضور ﷺ کی خصوصیت ہے جبکہ مثالی صورت کو دیگر انبیائے کرام نے بلکہ بعض صحابہ عظام رضی اللہ عنہم نے بھی دیکھا ہے۔ (زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 234)

2- شب معراج کی وحی

وحی الہی کی ایک صورت وہ وحی ہے جو اللہ تبارک تعالیٰ نے معراج کی رات آپ ﷺ پر نماز کی فرضیت وغیرہ کے سلسلے میں فرمائی۔ جب کہ آپ آسمانوں کے اوپر تھے۔ (زاد العاد جلد 1 صفحہ 18)

3- اللہ تبارک تعالیٰ کی بلا واسطہ و بلا حجاب وحی

وحی الہی کی ایک صورت اللہ تبارک تعالیٰ کا بلا واسطہ و بلا حجاب وحی فرمانا ہے۔ حضور انور سرورِ دو عالم ﷺ کی بے شمار خصوصیات میں سے ایک بہت بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے اللہ تبارک تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا اور بلا واسطہ کلام فرمایا چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عائش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا۔

”میں نے اپنے رب عزوجل کو بہترین صورت میں دیکھا رب ذوالجلال نے مجھ سے فرمایا کہ ملائکہ مقربین کس بات پر جھگڑا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی مولا تو ہی خوب جانتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر میرے رب نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا۔ میں نے اس (کے وصول فیض) کی ٹھنڈک اپنی

دونوں چھاتیوں کے درمیان پائی، پس مجھے ان تمام چیزوں کا علم ہو گیا جو کہ آسمانوں اور زمینوں میں تھیں اور ہیں۔“
(سنن دارمی، کتاب الروایا، باب فی رویۃ الرب تعالیٰ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ
حضور ﷺ نے دو مرتبہ اپنے رب کو دیکھا ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے اور ایک مرتبہ دل کی آنکھوں سے۔
(الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 161)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوالحسن اشعری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے۔

کہ حضور انور نبی کریم ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تبارک تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

(زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 307)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
اکثر علماء کے نزدیک ترجیح اسی کو ہے کہ بلاشبہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے (شب معراج میں) اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ (زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 232)
شب معراج میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ قرب کے اس مقام پر پہنچے کہ وہاں تک جبریل امین کو تو کیا، کسی مخلوق کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی وہاں اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک ﷺ کے درمیان کوئی واسطہ حجاب نہ تھا۔ سورہ نجم کی آیت مبارک 10 میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد پاک ہے۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی ۝

پھر اس نے اپنے بندہ خاص کو وحی کی جو کی۔ (سورہ نجم آیت 10)

نبی

مولانا بدر عالم، ”ترجمان السنّت“ میں حافظ ابن تیمیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ

نبی کا لفظ نباء سے بنا ہے یا تکلا ہے اور لغت میں انباء گو ہر چیز کے لئے استعمال ہو سکتا ہے لیکن اس کا عام استعمال اب صرف غیب کی خبروں کے زمرے میں ہونے لگا ہے۔

اس لحاظ سے نبی اللہ یعنی جس کو اللہ تبارک تعالیٰ نے نبی بنایا ہو اور اس کو غیب کی خبریں دی ہوں اسے نبی

کہتے ہیں۔ (ترجمان السنّت جلد 4 صفحہ 441)

رسول

علامہ ابن منظور، ”لسان العرب“ میں لفظ رسول کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول کا معنی لغت میں

یہ ہے کہ جس نے اس کو بھیجا ہے اس کی اخبار (غیب کی خبروں) کی پیروی کرے۔

اور اردو انسائیکلو پیڈیا یعنی کہ دائرۃ المعارف اردو میں لفظ رسول کی تشریح یوں کی گئی ہے۔

جو اپنے بھیجنے والے کے احوال و واقعات کی مطابقت کرے۔ عام استعمال میں یہ لفظ قاصد، ایلچی یا پیغام لانے والے کے لئے بولا جاتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں رسول سے مراد اللہ کا وہ برگزیدہ بندہ ہے جسے اللہ تبارک تعالیٰ نے بنی نوع انسان تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے مبعوث فرماتا ہے۔ (دائرۃ المعارف اردو جلد 10 صفحہ 251، 252)

نبوت

نبوت اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان پیغام رسانی کو کہتے ہیں جس سے ان کی دنیا اور آخرت کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ نبی کیونکہ ایسی باتوں سے آگاہ کرتا ہے جس سے عقل سلیم کو تسکین ہوتی ہے اس لئے یہ (نبی) فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(المفردات، لفظ نبی۔ ضیاء القرآن جلد 4 صفحہ 10، 9)

نزول وحی کا آغاز

جس طرح پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وحی کا آغاز سچی خوابوں کے دکھائے جانے سے ہوا۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ امام بیہقی سے مروی ہے کہ رؤیا صادقہ کی مدت چھ ماہ تھی اور اس کی ابتداء ربیع الاول شریف میں ہوئی جب کہ تاجدار کائنات سرورِ دو عالم ﷺ کی عمر مبارک پوری چالیس سال ہو گئی۔ بیداری کی وحی کا آغاز ماہ رمضان المبارک میں ہوا۔ (فتح الباری، جلد 1 صفحہ 22)

لیکن اس بارے میں مورخین کا اختلاف ہے کہ وہ کون سا مہینہ ہے جس میں اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو شرف نبوت سے سرفراز فرمایا اور نزول وحی کا آغاز ہوا۔

ایک گروہ کی رائے ہے کہ ماہ ربیع الاول میں یہ شرف بخشا گیا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ماہ رمضان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ماہ رجب میں۔ لیکن نصوص قرآنی اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ نزول قرآن کی ابتداء رمضان المبارک کے مہینہ میں ہوئی۔

سورہ بقرہ کی آیت مبارک 185 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

”رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔“ (بقرہ آیت 185)

سورہ قدر کی پہلی آیت مبارک میں ارشاد رب للعالمین یوں ہے۔

”بے شک ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا۔“ (سورہ قدر آیت 1)

اور یہ امر مسلم ہے کہ لیلۃ القدر ماہ رمضان کی ایک رات ہے۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ نزول وحی کا آغاز کس تاریخ کو ہوا۔ بعض نے سات۔ بعض نے سترہ بعض نے اٹھارہ رمضان المبارک کی تاریخیں مقرر کی ہیں لیکن اگر ہم اس تاریخ کے تعین کے لئے آیات قرآنی اور احادیث نبوی پر اعتماد کریں تو یہ الجھن بآسانی حل ہو جاتی ہے۔

نص قرآنی سے ثابت ہے کہ نزول قرآن کا آغاز ماہ رمضان میں ہوا۔ یہ بھی آیت قرآنی سے ثابت ہوا کہ جس رات میں اس کا نزول ہوا اس رات کا نام لیلۃ القدر ہے۔ اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو مزید کرم فرمایا اور امت کی سہولت کے پیش نظر اس کو آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کی ترغیب دی۔

ان آیات اور روایات کے مطالعہ سے ہم بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ نزول قرآن کا آغاز ماہ رمضان کی اکیسویں۔ تیسویں۔ پچیسویں۔ ستائیسویں اور انیسویں راتوں میں سے کسی ایک رات میں ہوا۔ ان پانچ راتوں میں سے وہ کون سی مخصوص رات ہے جس کو یہ لافانی خدائی شرف و اعزاز نصیب ہوا تو اس بارے میں بھی زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی ایک اور حدیث پاک ہمیں اس الجھن سے نکالنے کے لئے کافی ہے۔ حضور انور نبی کریم ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ ہر سوموار کو عام طور پر روزہ رکھا کرتے تھے، حضرت ابوقحادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ سوموار کے دن اکثر روزہ کیوں رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

”کہ اسی دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن میں مبعوث ہوا اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل ہوا۔“

(صحیح مسلم)

اب ان پانچ راتوں میں سے یہ دیکھنا ہے کہ سوموار کی رات کون سی تھی۔ اگر یہ معلوم ہو جائے تو پھر یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ تقویم علمی کے حساب سے اس آخری عشرہ میں سوموار کی دو راتیں بنتی ہیں ایک اکیسویں اور ایک اٹھائیسویں۔ طاق رات کیونکہ اکیسویں ہے اس لئے ان دلائل کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا زیادہ مناسب ہے کہ اکیس رمضان المبارک کی بابرکت رات میں نزول قرآن کا آغاز ہوا۔ یعنی کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کے سراققدس پر ختم نبوت کا تاج سجا کر اور رحمۃ للعالمین کی خلعت فاخرہ پہنا کر اکیس (21) رمضان المبارک کی رات کو خفتہ بخت انسانیت کی تقدیر کو جگانے کے لئے مبعوث فرمایا۔

فترت وحی

فترت وحی سے مراد وہ زمانہ، وقت، مہینے یا دن ہیں جو پہلی وحی اور دوسری وحی کے درمیان گزرا ہے اور اس دور کو فترت وحی کا دور کہتے ہیں۔ اس کو آپ دور فترت وحی یا وحی کی بندش کا زمانہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

یہ بات وضاحت سے لکھی جا چکی ہے کہ جب حضور انور سرورِ دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ کے چالیس سال پورے ہو گئے تو ماہ ربیع الاول میں آثار نبوت کا ظہور سچے خوابوں کی صورت میں شروع ہو گیا۔ چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا پھر رمضان المبارک کے مہینہ میں جب حضور پر نور ﷺ حسب معمول غار حرا کی خلوتوں میں گوشہ نشین تھے عبادت و ذکر الہی اور کائنات میں ہر طرف بکھری ہوئی نشانیوں یعنی آیات ربانی میں غور و تدبر میں شب و روز منہمک تھے اس ماہ کی ایک بابرکت رات کی ایک سعید ترین ساعت میں نزول وحی کا آغاز ہوا اور جبریل امین نے حضور پر نور ﷺ کو آپ کے رب قدوس رب العالمین کا پہلا روح پرور پیغام پہنچایا۔ اور وہ پیغام سورہ علق کی ابتدائی آیات مبارک 1 تا 5 پر مشتمل ہے۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (سورہ علق آیات 1 تا 5)

ترجمہ: پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب ہی سب سے کریم۔ جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔ پہلی وحی کے نزول کے بعد، کچھ عرصہ کے لئے نزول وحی کا سلسلہ موقوف کر دیا گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمتیں تو بے شمار ہیں لیکن ہمیں جو حکمت معلوم دیتی ہے وہ یہ کہ اس سے دو فوائد حاصل ہوں،

1- اچانک فرشتے کے ظہور اور وحی کے ثقل سے نیز مستقبل کی ذمہ داری اور فرائض نبوت کی انجام دہی کے احساس سے جو رعب سا طاری ہو گیا ہے وہ زائل ہو جائے۔

2- اور اس کی جگہ شوق اور انتظار لے لے، کیونکہ وحی، قول ثقیل ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ پر لذت، خوش کن، راحت بخش، سرور انگیز کیفیت، پاکیزہ سرور و کیف و مستی سے پر، انتہائی دلکش، پرکشش اور شدت سے اپنی طرف راغب و مائل کرنے والی بھی ہے اور جس میں ایک مستقل کیفیت سرور اور ”مقام حضور“ بھی ہے، جو انتہائی قرب کا ترجمان ہے، اس لئے طبعی طور پر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ رابطہ اور تعلق ضرور قائم ہو جائے چنانچہ یہی ہوا وہ جو اضطراب یا رعب کی کیفیت تھی وہ تو بہت جلد زائل ہو گئی اور اس کی جگہ یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ پیغام بر پھر آئے اور اس کا پیغام پہنچائے۔

اللہ تبارک تعالیٰ کی حکمت سے اس عمل تسلسل وحی میں جان بوجھ کر تاخیر کی گئی یہاں تک کہ انتظار کے شوق کی جگہ اضطراب نے لے لی، اور یہ اضطراب شدت اختیار کر گیا۔

یہ تاخیر، یہ دوری، یہ بے اعتنائی، یہ وقفہ وحی، بے مقصد نہ تھا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ شوق دید کو فزوں سے فزوں تر کرے، طلب و تڑپ اور بڑھے اور شوق دید انتہائی حدوں کو چھو لے اور پھر اسے سامنے پا کر خائف ہونے کی بجائے خوش ہوں اور اس کے ظہور کو غنیمت و نعمت سمجھیں۔ اور اس سے لازوال سرور و شادمانی ہی

حاصل کریں۔

کان مبارک الہام، آواز غیب، پیغام الہی اور دیگر غیب کی لذتوں سے آشنا ہو چکے ہیں۔ روح اس پیغام کی لطافتوں کا مزہ چکھ چکی ہے۔ دل بے قرار کو ان پیارے پیارے جملوں میں سکون و اطمینان کا ایک گراں بہا خزانہ مل گیا ہے۔ غار حرا کا خلوت نشین اس لطف عظیم و کریم کے لئے سراپا انتظار ہے وہ لمحہ اب کب آتا ہے جب محبوب حقیقی کی دل نواز صدا فردوس گوش بنے گی۔ روح کو قرار اور دل کو چین نصیب ہوگا۔ کئی راتیں گزر گئی ہیں کئی دن بیت گئے ہیں لیکن وہ سعادت آگیاں گھڑی دوبارہ نہیں آئی۔ معلوم نہیں وہ قاصد فرخندہ فر، قاصد خیر و سکون ازل کب آئے گا۔ اور اس دوران دل مضطرب کا کیا حال ہوگا۔

اللہ تبارک تعالیٰ کو اپنے محبوب کی یہ بے قراری اور بے چینی گوارا نہ ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد (چالیس روز کے وقفہ کے بعد) نزول وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کا ذکر امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یوں کیا ہے۔

ابن شہاب زبیری کہتے ہیں کہ مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے خبر دی کہ جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ جب فترۃ وحی کی حدیث بیان کر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا:

”دریں اثناء میں (حراء سے واپسی پر وادی میں) چل رہا تھا کہ میں نے آسمان کی طرف سے آواز سنی۔ میں نے اپنی نگاہیں اوپر اٹھا کر دیکھا تو اچانک مجھے وہ فرشتہ نظر آیا جو حراء میں میرے پاس آیا تھا۔ وہ فرشتہ زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اسے اس حالت میں دیکھ کر میں مرعوب سا ہو گیا پھر میں گھر لوٹ آیا میں نے کہا مجھے چادر اوڑھا دو جب میں چادر اوڑھ کر لیٹا ہوا تھا تو اللہ تبارک تعالیٰ نے سورہ مدثر کی 1 تا 5 آیات مجھ پر نازل فرمائیں۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

ترجمہ: ”اے چادر اوڑھنے والے! اٹھئے اور لوگوں کو ڈرائیے اور اپنے پروردگار ہی کی بڑائی بیان کیجئے

اور اپنے لباس کو پاک رکھئے اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہئے۔“ (سورہ مدثر آیات 1 تا 5)

حضور پر نور ﷺ کا اشتیاق فزوں تر ہو گیا۔ آپ قبول وحی کے لئے دل و جان سے تیار ہو گئے پھر جو نہی وحی نازل ہوئی تو آپ میدان عمل میں اتر آئے۔ حق نے باطل کے ساتھ زبردست تصادم کا تاریخی سلسلہ شروع کر دیا اور پھر وحی بھی لگا تار نازل ہونے لگی۔ حدیث پاک کے الفاظ ہیں ”حمی الوطیس“ ”یعنی وحی کا تنور گرم ہو گیا“ ”یعنی کہ وحی الہی کے نزول میں سرگرمی اور تیزی پیدا ہو گئی اور بندش کا دور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

وحی کتنا عرصہ بند رہی (فترت وحی کی مدت)

اب ہم دوسرے سوال پر غور کرتے ہیں کہ فترۃ الوحی کا سلسلہ کتنے عرصہ تک جاری رہا۔ اس کے بارے

میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

امام احمد نے اپنی تاریخ میں شععی سے یہ قول نقل کیا ہے۔

”کہ فترۃ الوحی کی مدت تین سال تھی۔“

امام سہیلی نے اڑھائی تک سال کی مدت بتائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ یہ مدت چالیس روز تھی۔

تفسیر ابن جوزی میں پندرہ دن اور مقاتل نے یہ مدت تین دن بتائی ہے۔

امام محمد بن یوسف الصالحی یہ اقوال لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔

بارگاہ الہی میں جو مقام پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ کو حاصل ہے اس کے پیش نظر یہ آخری قول (تین دن) زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے بہ نسبت اس قول کے جو سہیلی نے کہا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

”بعض لوگوں نے شععی کی روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے فترۃ کی مدت اڑھائی سال قرار دی ہے لیکن شععی کی روایت مرسل ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت کے معارض ہے جس کو ابن سعد نے آپ سے نقل کیا ہے۔“

شععی کی اس روایت کے برعکس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی روایت میں فترۃ وحی کی مدت صرف چالیس روز بتائی ہے جیسے ابن سعد نے ان سے نقل کیا ہے۔ اور یہ روایت کیونکہ مرفوع ہے اس لئے شععی کی روایت سے اقویٰ اور ارجح ہے۔“ (فتح الباری، کتاب تعبیر جلد ۱ صفحہ 313)

یہ تحقیق کہ قرآن کریم کی کون سی آیات سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ اور ان کے بعد کون سی آیات مبارک نازل فرمائی گئیں، بھی ہمیں مدت فترت وحی کو سمجھنے میں رہنمائی کرے گی۔

مشہور روایت تو یہ ہے کہ سورہ علق کی پہلی پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل ہونے والی آیتیں ہیں۔ چند روایات میں یہ مذکور ہے کہ سورہ مدثر کی ابتدائی آیات کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ اور بعض روایات میں سورہ الضحیٰ کو سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت کہا گیا ہے۔

ان مختلف روایات کی تطبیق (میں مطابقت، موافقت) یوں کی گئی ہے کہ حقیقی اولیت کا شرف تو سورہ علق کی پہلی پانچ آیات مبارک کو حاصل ہے اور فترۃ وحی کے اختتام پر سب سے پہلے جو آیتیں نازل ہوئیں وہ سورہ المدثر کی پہلی پانچ آیات مبارک ہیں۔ کیونکہ صحیحین (صحاح ستہ) کی روایت اسی کی تائید کرتی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

”سورہ مدثر کو اول اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ فترۃ وحی کے بعد سب سے پہلے اس کا نزول ہوا۔“

ورنہ مطلقاً اولیت کا شرف سورہ علق کی پہلی پانچ آیات مبارک کو حاصل ہے۔“

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۱۲)

پھر کچھ عرصہ بعد حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ بیمار ہو گئے۔ علالت کی وجہ سے رات کا قیام بھی نہ ہو سکا جس پر ایک مشرک (کافر) عورت نے بڑی بے حیائی کا ثبوت دیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ جو صحیح بخاری میں بایں الفاظ مروی ہے۔

”جندب بن سفیان الجبلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور دو یا تین راتیں قیام نہ فرما سکے۔ پس ایک مشرک عورت آئی اور کہنے لگی یا محمد (ﷺ) میں خیال کرتی ہوں کہ (نعوذ باللہ) تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے۔ اور دو تین رات سے تیرے قریب نہیں آیا (اس دلخراش اور نازیبا جملہ سے سرکارِ دو عالم ﷺ کے قلب نازک کو جو تکلیف ہوئی ہوگی اس کا آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں) اس وقت اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب کی دلجوئی کے لئے یہ سورہ مبارکہ (الضحیٰ) نازل فرمائی۔“ (صحیح بخاری، کتاب تفسیر سورہ ضحیٰ)

ان تمام روایات کو سامنے رکھتے ہوئے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وحی کا آغاز سورہ علق کی پہلی پانچ آیات مبارک (آیات ۱ تا ۵) سے ہوا۔

کچھ عرصہ (چالیس روز، کم سے کم تین روز اور زیادہ سے زیادہ چالیس روز) کے لئے نزول وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ جب از سر نو وحی کا نزول شروع ہوا تو پہلے سورہ مدثر کی پہلی پانچ آیات مبارک نازل ہوئیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد حضور ﷺ کا مزاج مبارک، بابرکت ناساز ہو گیا جس کی وجہ سے قیام لیل کا عمل موقوف ہو گیا۔ اس چند دن کے قلیل دورانہ میں کفار نے طعن و تشنیع کے تیر چلانے شروع کر دیئے۔ اس کے بعد سب سے پہلے سورہ الضحیٰ نازل ہوئی جس میں بڑے پیارے انداز میں رب کائنات نے اپنے محبوب کو دلا سے دیئے اور دلجوئیاں فرمائیں اور اپنے محبوب کے لئے ایک ایسے مستقبل کی وعید فرمائی جو روز بہ روز ترقی پذیر خوشیوں، کامیابیوں، کامرانیوں اور مختلف النوع اعزازات سے اس قدر مالا مال ہے کہ آپ ﷺ اپنے رب کریم کے بے کراں فضل و کرم سے راضی ہو جائیں گے یعنی اللہ تبارک تعالیٰ وہ کریں گے جو نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی رضا ہو۔

وحی کی بندش کے بارے میں ”رحیق المختوم“ کتاب سیرت میں صفحہ ۱۰۱ اور ۱۰۲ پر یوں درج ہے۔

رہی یہ بات کہ وحی کتنے دنوں تک بند رہی تو اس سلسلے میں ابن سعد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ بندش چند دنوں کے لئے تھی اور سارے پہلوؤں پر نظر ڈالنے کے بعد یہی بات راجح بلکہ یقینی معلوم ہوتی ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ وحی کی بندش تین سال یا ڈھائی سال تک رہی تو یہ قطعاً صحیح نہیں۔

رحیق المختوم صفحہ ۱۰۲ پر یوں درج ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی بندش وحی کا واقعہ سنا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے۔

”میں چلا جا رہا تھا کہ مجھے اچانک آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وحی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ پھر میں نے اپنے اہل خانہ کے پاس آ کر کہا۔ مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ انہوں نے مجھے چادر اوڑھا دی۔ اس کے بعد اللہ تبارک تعالیٰ نے سورہ مدثر کی پہلی پانچ آیات مبارک نازل فرمائی۔ پھر نزول وحی میں گرمی آگئی اور وہ پیارے نازل ہونے لگی۔“ (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب والرجز فاجبر جلد 2 صفحہ 733)

اس روایت کے بعض طرق کے آغاز میں یہ بھی اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ”میں نے حرا میں اعتکاف کیا اور جب اپنا اعتکاف پورا کر چکا تو نیچے اترا۔ پھر جب میں بطن وادی سے گزر رہا تھا تو مجھے پکارا گیا..... الخ۔“

اہل سیر، اہل سیرت کی تمام روایات کے مجموعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے تین سال حرا میں رمضان کا اعتکاف کیا تھا اور نزول وحی والا رمضان تیسرا یعنی آخری رمضان تھا اور آپ ﷺ کا دستور تھا کہ آپ ﷺ رمضان کا اعتکاف مکمل کر کے پہلی شوال کو سویرے ہی مکہ آ جاتے تھے۔ مذکورہ بالا روایت کے ساتھ اس بات کو جوڑنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سورہ مدثر کی پہلی پانچ آیات مبارک والی وحی، پہلی وحی کے دس دن بعد یکم شوال کو نازل ہوئی تھی۔ یعنی بندش وحی کی کل مدت دس دن تھی۔ واللہ اعلم۔

قارئین کرام!

پہلی وحی مبارک اور دوسری وحی مبارک کے درمیان جو دن گزرے یعنی کہ فترت الوحی یا وحی کی بندش کے دن وقت یا زمانہ پوری چھان بین کے بعد جو مصدقہ ہے وہ کم سے کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن کا دورانیہ ہے۔

فترت الوحی (بندش وحی کا دورانیہ) کے بارے میں آپ ایک دفعہ اور پڑھ لیں اور اس امر کو ذہن نشین کر لیں کہ بندش وحی کا دورانیہ کم سے کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن کا ہے۔ کیونکہ اب میں ایک روایت کے بارے میں آپ کو اپنے خیالات گوش گزار کروں گا اور ان خیالات و رائے کو سمجھنے میں ”بندش وحی کا دورانیہ“ مدد دے گا یا آپ میری بات کی صداقت کو آسانی سے جان جائیں گے، مان جائیں گے۔

سیرت طیبہ کی اکثر کتابوں میں اس روایت کا ذکر ہے بس کچھ الفاظ کا رد و بدل ہے لیکن مجموعی مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ وہ روایت بھی بعد میں نقل ہوگی لیکن پہلے سیرت کی ایک دو کتابوں سے اس روایت کو بیان کرنے کے ایک دو نمونے جو اس حدیث کی بنا پر لکھے گئے پیش خدمت ہیں۔ یہ نمونے پیش کرنے کا بھی میرا

مقصد یہی ہے کہ آپ میرے نقطہ نظر کو اچھی طرح سمجھ جائیں اور میرے ہم خیال ہو جائیں کہ اسی میں انسان ہونے کی، انسانیت کی عظمتیں ہیں۔

1- سیرت الرسول، طاہر القادری جلد 3 صفحہ 221 پر مذکورہ ذیل روایت کی بنا پر یوں بیان درج ہے:

”شوق فراواں کے باعث صورت حال یہ ہو گئی کہ آپ نے فیصلہ کر لیا کہ اگر ”پیغام یار“ نہ آیا تو آپ ﷺ پہاڑ کی چوٹی سے کود جائیں گے اور واقعی آپ ﷺ اس ارادے سے پہاڑ پر چڑھ گئے مگر اچانک وہ پیکر نور نمودار ہو گیا۔“

2- الرحیق المختوم، صفی الرحمن صفحہ 101 پر مذکورہ ذیل روایت کی بنا پر یوں بیان درج ہے:

”وحی بند ہو گئی جس سے رسول اللہ ﷺ اس قدر غمگین ہوئے کہ کئی بار بلند و بالا پہاڑ کی چوٹیوں پر تشریف لے گئے کہ وہاں سے لڑھک جائیں۔ لیکن جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے کہ اپنے آپ کو لڑھکالیں تو حضرت جبریل نمودار ہوتے۔“

مذکورہ روایت عربی زبان میں امام بخاری نے ”کتاب تعبیر“ میں جن الفاظ میں بیان کی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

”کچھ عرصہ کے لئے نزول وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا جس سے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ از حد غمگین ہوئے کئی بار پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس لئے گئے کہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے پھینک دیں جب بھی اس خیال سے حضور ﷺ پہاڑی کی کسی چوٹی پر پہنچتے تو جبریل سامنے نظر آنے لگتے اور یہ کہتے (يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ حَقًّا) اے محمد! آپ بلاشبہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ یہ سن کر حضور انور ﷺ کے دل کو قرار آتا اور جبریل کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور حضور پر نور ﷺ واپس چلے آتے۔ پھر جب کچھ وقت گزر جاتا اور وحی کا سلسلہ منقطع رہتا تو حضور ﷺ پھر بے چین اور مضطرب ہو کر پہاڑ کی کسی چوٹی کا رخ کرتے تاکہ وہاں سے اپنے آپ کو نیچے گرا دیں جبریل پھر نمودار ہو کر وہی تسلی آمیز جملہ دہراتے۔“

قارئین کرام آپ نے دیکھ لیا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت کے سبب کسی نے لکھا ہے کہ پہاڑ کی چوٹی سے لڑھک جائیں

کسی نے لکھا ہے کہ پہاڑ کی چوٹی سے کود جائیں۔

کسی نے لکھا ہے کہ پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو نیچے گرا دیں۔

اور اس سے پہلے آپ ﷺ کی کیفیت کو از حد غمگین، اس قدر غمگین، مایوسی کا عالم، بے یقینی کی کیفیت سے تعبیر کیا ہے۔ ایک محترم عالم نے شوق فراواں اور چوٹی سے کود جانے کو اکٹھا کر دیا ہے جبکہ یہ دونوں متضاد ہیں۔ قارئین کرام یہاں میرا مقصد تنقید کرنا نہیں ہے بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ لفظ ”الفاظ“ معنی ”مفہوم کیسے بدل جاتے

ہیں اور کیوں بدل جاتے ہیں۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ اس روایت کے یہ تکلیف دہ غیر معیاری گرے ہوئے الفاظ اصل روایت یا ابتدائی روایت میں موجود ہوں۔

بہت ممکن ہے کہ یہ الفاظ اصل سے نقل کرتے وقت نادانستہ یا دانستہ در آئے ہوں (اس میں آگے ہوں)۔ یہ سرمایہ حیات طیبہ تو سب سے پہلے عربی زبان میں ہی مدون کیا گیا تھا، لکھا گیا تھا، جمع و ترتیب دیا گیا تھا۔

پہلے اس کام کو محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اور پھر اس کے کوئی پچاس ساٹھ سال بعد علامہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کام کو مزید بہتر طریقے سے لکھا اور ترتیب دیا۔

پھر وقت رفتہ کے ساتھ نہ جانے کس کس نے اس علمی خزانے سے حسب ضرورت نقل کیا۔ نقل کرتے وقت غلطیاں بھی رہ جاتی ہیں، ہو جاتی ہیں اور اکثر لوگ مشکل کو آسان فہم بنانے کے لئے کچھ الفاظ کا رد و بدل بھی کر جاتے ہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دین اسلام جزیرہ عرب کی حدوں سے باہر نکل کر چاروں اطراف پھیل گیا۔ کسریٰ و قیصر کی سلطنتیں مملکت اسلامیہ کا حصہ بن گئیں۔ دین متین کے پھیل جانے کے ساتھ ساتھ اس سیرت طیبہ اور تاریخ اسلام کے علمی سرمایہ کا ترجمہ فارسی، انگریزی، عبرانی، لاطینی، ہندی، اردو وغیرہم زبانوں میں ہوا۔ اتنے مراحل سے گزرنے میں کچھ الفاظ کا بدل جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ لیکن کسی مثبت خیال، نیک بات کا منفی خیال اور بری بات سے بدل جانا تو بہت بڑی بات ہے، بہت بری بات ہے اور مسلمانوں کے ایمان و وحدت کو کمزور کرنے والی بات ہے جو کسی صورت قابل قبول نہیں ہے۔

علماء کرام، مترجم مہربانوں کی ذرا سی لاپرواہی، غفلت سے لفظ الفاظ معنی و مفہوم کیسے بدل جاتے ہیں۔ اس کی وضاحت میں قرآن حکیم کی دو آیات میں لفظ ”مکر“ اور ”قوم“ کے غیر محتاط ترجمے کی مثال دے کر کروں گا۔ ان لفظوں کے یہ غیر محتاط، غیر معیاری ترجمے میں نے خود پڑھے ہیں، آپ نے بھی شاید پڑھے ہوں۔ ان مترجمین کے میں یہاں نام ظاہر نہیں کروں گا کیونکہ ایسا کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

اس بارے میں پہلی مثال لفظ ”مکر“ کی ہے۔ اور یہ لفظ سورہ انفال کی آیت مبارک 30 میں آیا ہے۔

سورہ انفال کی آیت مبارک 30 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۖ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينَ ۝

صحیح معیاری ترجمہ: ”اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔“

اسی آیت مبارک کا غلط اور غیر معیاری ترجمہ جو میں نے پڑھا ہے۔

”اللہ سب سے بہتر مکر کرنے والا ہے۔“

”اللہ کا مکر سب سے بہتر ہے۔“

نعوذ باللہ یہ کتنا غلط اور مغالطے میں ڈالنے والا گھٹیا ترجمہ ہے۔ اُردو زبان میں لفظ مکر انسانی فطرت کے برے پہلو کو مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے مناسب اور آسان ترجمے کے لئے اللہ کی خفیہ تدبیر اللہ کی کرنی اللہ کی چال اللہ کی خفیہ چال وغیرہم کتنے ہی الفاظ موجود ہیں لیکن مترجم نے نہ جانے کیوں انہیں پسند نہیں کیا اور ایک غیر معیاری اور ابہام پیدا کرنے والے لفظ کا انتخاب کر لیا۔

اب اگر کوئی اس اُردو کے ترجمہ سے ہی کسی اور زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ کرے گا تو وہ نہ جانے اس لفظ ”مکر“ کے کتنے غیر معیاری گھٹیا اور مکروہ قسم کے الفاظ اللہ تبارک تعالیٰ کی شان میں کہہ ڈالے گا، لکھ ڈالے گا۔

اس سے متعلق دوسری مثال لفظ ”قوم“ کی ہے اور یہ لفظ سورہ حجرات کی آیت مبارک 11 میں آیا ہے۔

سورہ حجرات کی آیت مبارک 11 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

صحیح اور معیاری ترجمہ

”نہ مرد مردوں پر ہنسیں، عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں۔“

اسی آیت مبارک کا غیر معیاری اور ابہام پیدا کرنے والا ترجمہ

”اور نہ قوم قوموں پر ہنسیں، عجب نہیں کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں۔“

قرآن حکیم کی اسی آیت میں لفظ ”قوم“ کے مطابق لفظ ”نساء“ یعنی کہ ”عورتیں“ کا آیا ہے۔ لفظ نساء کا لفظ ”قوم“ کے ساتھ بیان میں آ جانے سے ایک معمولی سمجھ بوجھ کا مالک بھی لفظ قوم کا اُردو میں ترجمہ ”مرد“ کرے گا جو کہ قابل فہم اور صحیح ترجمہ ہے۔

نہ جانے ترجمہ کرنے والے مہربان نے لفظ ”مرد“ کو ترجمہ کے لئے کیوں پسند نہیں کیا اور عربی زبان کے لفظ قوم کو ہی اُردو میں بطور اس کے ترجمہ لکھ دیا۔ پہلی مثال کے لفظ ”مکر“ کی طرح اُردو ترجمہ میں عربی کے لفظ قوم کو قوم ہی لکھ دینا سراسر زیادتی ہے جو کہ ایک غیر معیاری اور ابہام پیدا کرنے والا ترجمہ ہے۔

اب اگر کوئی اس اُردو کے ترجمہ سے ہی کسی اور زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ کرے گا تو وہ نہ جانے کیا کیا

گل کھلائے گا۔ اگر وہ انگریزی زبان میں ترجمہ کر رہا ہے تو یقینی طور پر اب وہ اس لفظ قوم کا ترجمہ نیشن
'Nation' قبیلہ Tribe یا گروہ Group کرے گا۔

آپ نے مندرجہ بالا مثالوں سے دیکھ لیا، جان لیا کہ غیر محاط، غیر ذمہ دار، لا پرواہ مترجمین حضرات بھی کس کس انداز سے قرآن حکیم کے ترجمے میں اور سیرت طیبہ میں غیر معیاری، گھٹیا اور گرے ہوئے الفاظ لے آنے کے، در آنے کے، شامل کر دینے کے، لکھ دینے کا سبب بن جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا روایت کے یہ الفاظ و خیال پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، ہادی انس و جان، رہبر کائنات، رسول، بحر و بر، اصل الموجودات، حاصل کائنات، فخر اولاد آدم، انسان کامل، رحمت للعالمین، حضور پر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک، صفات مبارک، تعلیم مبارک، اسوۂ حسنہ مبارک کے پاک، منزہ، معطر و مطہر معیار سے اتنے زیادہ گرے ہوئے ہیں کہ انہیں برداشت نہیں کیا جاسکتا، اور یہ کسی صورت بھی قبول نہیں کئے جاسکتے۔

یعنی کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں ایسے گھٹیا الفاظ فقرے خیال و خیالات کو پڑھ کر خاموش بیٹھ جاؤں گا۔ ہرگز نہیں، میں پورے دلائل کے ساتھ روایت کے ان الفاظ فقرے و خیال کا رد لکھوں گا، انہیں رد کروں گا اور میرے دلائل قرآن و سنت پر مبنی ہوں گے اس لئے وہ قارئین کرام کو میرا ہم خیال بنا دیں گے اور پھر وہ بھی ایسی غلط باتوں کا سد باب کریں گے۔

قارئین کرام! اس روایت کی اصلیت کیا ہے؟ اس کی حقیقت و صداقت کیا ہے؟ اس کے بارے میں کچھ بعد میں قدرے تفصیل سے بات چیت ہوگی لیکن پہلے اس روایت کے چند الفاظ، خیال و انداز کے بارے میں جو یہ مذکور ہے کہ

”فترۃ الوحی کے عرصہ میں حضور انور نبی کریم ﷺ نے مایوسی کی حالت میں پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو نیچے گرا دینے کا کئی بار قصد کیا۔ ہر بار جبریل امین نے ظاہر ہو کر حضور ﷺ کو اطمینان دلایا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“

یہ الفاظ مایوس ہونا، بے حد غمگین ہونا، بہت مضطرب یا پریشان ہونا اور یہ خیال و انداز کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے لڑھکا دیں، گرا دیں، نیچے پھینک دیں کسی بھی نبی کے شایان شان نہیں ہیں کجا یہ کہ ایسے الفاظ، خیال، و انداز اصل الموجودات، محبوب خاص پیغمبر اول و اعظم و آخر، پیغمبر بحر و بر پیغمبر کائنات خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے منسوب کئے جائیں۔

مانا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو بشری تقاضوں کے ساتھ ساتھ فلاح کائنات کے

کارنامے انجام دینے کے لئے مبعوث فرمایا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ ﷺ کے یادگیر انبیاء کرام کے بشری تقاضے اور ان کی تکمیل بھی ہمارے ہی معیار کی تھی، ہمارے ہی انداز کی تھی اور خاص طور پر پیغمبر اول و آخر و اعظم خاتم النبیین ﷺ کو ہر صفت و بات انداز و خیال میں شرف خاص حاصل تھا اور حاصل ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے تاجدار کائنات حاصل کائنات، اصل الموجودات، فخر کائنات ﷺ کی جسمانی دماغی روحانی اور دیگر صلاحیتیں خیال و انداز ایسے بنائے ہوئے جیسا کہ ہم عام لوگ خیال کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جس خدا نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین سید المرسلین بشر کامل بنایا ہے اس نے اسے ہر کچھ بھی افضل ترین، اشرف ترین اور کامل ترین دیا ہے۔

سورہضحیٰ میں کافروں، مشرکین کی گری ہوئی سوچ کا جواب ہی ہے اور اگر ہم بھی ان ہی کی طرح کی سوچ رکھتے ہیں تو یہ جواب ہمارے لئے بھی ہے۔

میں درج ذیل میں سورہضحیٰ کی پہلی پانچ آیات مبارک کا ترجمہ لفظی کے بجائے تفسیری انداز سے لکھوں گا تاکہ قاری کو اس اہم نکتہ کی سمجھ آ جائے کہ آپ ﷺ اصل الموجودات ہیں (جس سے کائنات بنی ہے، جس کے سبب کائنات بنی ہے) اور اللہ تبارک تعالیٰ کی تمام تر کرم نوازیاں، مہربانیاں، دستگیری و رہنمائی لمحہ لمحہ قدم قدم پر آپ ﷺ کو حاصل تھیں، حاصل ہیں، حاصل رہیں گی۔

سورہ الضحیٰ کی آیات 1 تا 5

وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝

ترجمہ: ”چمکتے سورج جیسی روشن، عیاں صفات کامل اور خوبصورت سیاہ گیسوئے عنبریں کے حامل میرے محبوب مجھے تمہاری ان خوبیوں، خاصیتوں کی قسم تم میرے افضل ترین بندے اور وہ رسول ہو جس کے ساتھ میں ہر وقت بطور نگہباں، محافظ، رہنما ہر جگہ موجود ہوں۔ جس کے خیالات، سوچ انداز، طریق کار، تبلیغ دین اور دنیاوی کام کاج و افکار سب کچھ ہی میری رضا کے مطابق ہیں اور میری خاص عطا ہیں۔

مشرکین و کافروں کی تو سوچ ہی غلط ہے۔ آپ ان کے برے خیالات و سوچ کی پرواہ نہ کریں۔ یہ سب باطل ہیں اور آپ کا سب کچھ حق ہے۔ میرا تحفظ، کرم نوازیاں، نوازشات، مہربانیاں ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں۔ میرے محبوب ہر آنے والا دن آپ کا ہے۔ ہر آنے والا دن گزرے دن سے بہتر ہوگا۔ میں تمہاری پر خلوص و خالص بندگی، عبادت، عبدیت اور افضل ترین کامیاب کاوش تبلیغ دین سے اس قدر خوش ہوں راضی ہوں کہ اب میں تمہیں ہر وہ کچھ دوں گا جو مانگو گے جس کی خواہش کرو گے۔ اور میں تمہیں اپنی عنایات،

نوازشات، کرم نوازیوں سے خوش کر دوں گا، راضی کر دوں گا۔“

قارئین کرام! اب اس میں لگی لپٹی یا غیر واضح بات تو نہیں رہ گئی ہے۔ جس انسان کامل کی، پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ﷺ کی خود اللہ تبارک تعالیٰ رضا چاہتا ہو اس کے بارے میں ایسے الفاظ، خیال سوچ و انداز اپنانا مناسب نہیں ہے۔ یہ الفاظ یہ سوچ، یہ خیال نبی کریم ﷺ کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ ہمیں انہیں قبول نہیں کرنا چاہئے انہیں اپنانا نہیں چاہئے۔

دین میں زبردستی نہیں ہے (سورہ بقرہ آیت 256) اس لئے میں یہ بھی گزارش کر رہا ہوں کہ اگر یہ الفاظ، سوچ، انداز و خیال کسی کو پسند ہیں، معیاری لگتے ہیں تو وہ بے شک ان کو شوق سے اپنائے۔ یہ تو میں اپنے بارے میں کہہ رہا ہوں کہ یہ الفاظ، سوچ انداز و خیال جو اس روایت میں موجود ہیں یہ پیارے رسول ﷺ کی شان سے مطابقت نہیں کھاتے، شایانِ شان نہیں ہیں۔

میں اس بارے میں کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہراتا۔ آپ نے مندرجہ بالا میں دیکھ ہی لیا ہے کہ اچھے اچھے عالموں سے نادانستہ الفاظ کا کیسا استعمال یا غیر معیاری استعمال و ترجمہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے دینی اثاثوں کی اصل زبان تو عربی ہے اس کے بعد فارسی زبان ہے۔ ان زبانوں کے ترجمے اور مختلف زبانوں میں ہوئے۔ ہر زبان میں الفاظ و بلاغت کی اتنی وسعت تو نہیں ہے کہ عربی زبان کے سارے الفاظوں کی اسی مفہوم میں ترجمانی کر سکے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ کسی راوی کا معیار بلاغت (اپنی بات بیان کرنے کا معیار) ہی کم تھا کہ وہ اپنے مفہوم کو مناسب یا اچھے الفاظ میں بیان نہ کر سکا۔

لیکن اس میں زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ دین اسلام اور امت مسلمہ کا برا چاہنے والوں نے یہ مذموم حرکت نہ کردی ہو۔ مستشرقین اور ان کے طریقہ ہائے واردات کے بارے میں پہلے ہی مفصل لکھا جا چکا ہے۔ ان کے تو دین اسلام میں ابہام شک و شبہات پیدا کرنے اور امت مسلمہ میں تفرقہ پیدا کرنے کے سینکڑوں طریقے ہیں۔ اور وہ یہ کارروائی بھی ایسے رنگ و روپ، انداز و صفائی سے کرتے ہیں کہ ہم سادہ لوح مسلمان ان کو ایک نگاہ میں نہیں پکڑ سکتے۔ ہم ان کے یہ داؤچ نہیں سمجھ سکتے اور آپس میں تفرقہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ان کے اس طریقہ واردات کا ذکر میں باب مستشرقین میں کر چکا ہوں۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر مختصراً بیان دوبارہ حاضر خدمت ہے۔

دین اسلام اور امت مسلمہ کا برا چاہنے والے بہت آسانی کے ساتھ یہ (درج ذیل) کر سکتے ہیں، یہ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے کہ وہ ایک مخیر مسلمان کا روپ دھار کر ہم میں شامل ہو بلکہ خدمات دین اسلام میں

زبانی و کلامی بھی پیش پیش ہو۔ ہماری ہی کسی درس گاہ سے مزید دینی تعلیم حاصل کرے اور پھر تعلیم دے۔ اور دین اسلام اور امت مسلمہ کی بھلائی کے لئے مستند کتابوں سے، ان کتابوں کو جن سے ہم حوالہ جات دیتے ہیں اور جن سے ہم عالم اسلام میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور وہ کتابیں مقابلتاً ناپید ہیں (مٹی لحاظ سے عملی طور پر بھی ایسی کتابیں ناپید یا نایاب ہی ہوتی ہیں کیونکہ زبان فہم قیمت و ضرورت کے لحاظ سے وہ عوام کی دسترس میں نہیں ہوتیں۔ وہ بڑی بڑی لائبریریوں اور دینی درس گاہوں میں ہوتی ہیں) ایسی کسی ایک کتاب کا نسخہ حاصل کیا۔ فرض کریں کہ وہ سات سو صفحوں کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں ہر ستر اسی صفحوں کے بعد بہت ہی اہم موضوع یا حساس معاملہ کے متعلق ایک صفحہ میں صرف ایک دو اچھے الفاظ کو غیر معیاری الفاظ، غیر معیاری سوچ و خیال سے بدل دیں۔ یعنی پوری سات سو صفحوں کی کتاب میں صرف آٹھ دس صفحوں کے چند الفاظ میں اپنے مقصد کی تبدیلی کر دی، غیر معیاری الفاظ لے آئے۔

اس کی کتابت یا کمپیوٹر سے کمپوزنگ کرا کے چھاپ دیں۔ اب بناوٹی مخیر مسلمان اپنے خیراتی ادارے کی طرف سے اسے مارکیٹ میں لے آئے اور اسے بانٹ دے یا نمایاں کم قیمت پر اسے مارکیٹ کے ذریعے فروخت کر دے۔ اس مستشرق نے تو اتنا کام کر کے اپنا مشن پورا کر لیا کیونکہ جب تک یا جب کبھی اس کتاب کی کوئی غلطی پکڑی جائے گی یا جب تک باریک بینیوں کے پاس وہ کتاب پہنچے گی اس وقت تک وہ ملک و ملت میں پھیل چکی ہوگی۔

اب آپ لاکھ چاہیں، لاکھ جتن کریں نہ وہ جلدیں جہاں جہاں پہنچ چکی ہیں وہاں سے واپس لی جاسکتی ہیں اور نہ آپ ہر کسی کو اس کے زہریلے الفاظ کے تغیر و تبدل سے آگاہ کر سکتے ہیں۔ تقسیم شدہ، بکلی ہوئی کتابیں اسلام کے خیر خواہ پر خلوص کارندے تو کیا ایک اچھی اسلام پسند حکومت بھی واپس نہیں لے سکتی۔ پھر وہ تحریف شدہ کتابیں دین و ملت میں تفرقہ کا باعث بنتی ہیں اور دین و ملت اسلامیہ کا برا چاہنے والوں کی چال کامیاب ہوتی ہے۔

دین اسلام اور امت مسلمہ کو مستشرقین کی اس طرح کی تخریب کاریوں سے بچانے کے لئے نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث پاک ہے موجود ہے۔ اگر ہم اس کے مطابق عمل کریں تو یقینی طور پر ہم دین میں ابہام، شکوک و شبہات اور ملت اسلامیہ کے تفرقہ سے بہت حد تک بچ سکتے ہیں جو کہ ہمارا نصب العین ہونا چاہئے۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔

”کہ ایک زمانہ آئے گا تم ایسی حدیثیں سنو گے جو تمہارے باپ دادا نے نہ سنی ہوں گی۔ تم ان کو قرآن کریم اور اسوۂ حسنہ یعنی سنت پاک پر پرکھنا۔ اگر وہ ان کے موافق ہوں تو انہیں قبول کر لو ورنہ باصورت دیگر میں ان سے بری الذمہ ہوں۔“

اس مکمل حدیث پاک کا حوالہ جات کے ساتھ ذکر ”آپ ﷺ نے کبھی بددعا نہیں کی“ کے باب میں گزر چکا ہے۔ اس کا حوالہ کرنل محمد انور مدنی کی کتاب ”نکاح خوان رسول“ کا آخری صفحہ ہے۔ اس حدیث کے سبب حصے کا حوالہ مسلم جلد 1 صفحہ 29 اور مشکوٰۃ صفحہ 27 ہے اور اس حدیث کی تکمیل و مدد سورہ نساء کی آیت مبارک 59 سے کی گئی ہے۔ قارئین کرام میں سے جو اس کی مزید تفصیل جاننا چاہے وہ اسے باب ”آپ ﷺ نے کبھی بددعا نہیں کی“ میں پڑھ لے۔

کوئی بھی حدیث، کوئی بھی آپ ﷺ سے منسوب واقعہ، لفظ، الفاظ، بات، گفت و شنید خیال، انداز، طریقہ یا کوئی عملی اظہار جو نبی کریم ﷺ سے منسوب ہو اور وہ قرآن و سنت (اسوہ حسنہ) سے متصادم ہو یعنی کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق نہ ہو تو اس کے بارے میں ہادی کائنات، رہبرانس و جاں، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کا واضح فرمان پاک ہے کہ اسے میری ذات سے منسوب نہ کیا جائے۔ میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

بالفاظ دیگر ہم سب مسلمانوں کو، امت مسلمہ کو، آپ کو اور مجھے حضور پر نور ﷺ نے یہ حق بطریق حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ سے منسوب جو بھی لفظ، الفاظ، بات خیال، مفہوم، انداز گفتگو، انداز بیان شایان شان نہ لگے، جس میں جہالت کی بو ہو، جو نور سے عاری اور ظلمت و ضلالت کے قریب ہوں جو اخلاقی و معیاری نہ ہو، جس سے شان نبی کریم ارفع و عظیم میں کمی یا کجی آتی ہو یا چوٹ پڑتی ہو تو اسے فوراً رد کر دو کیونکہ وہ بہتان ہے، زیادتی ہے، ظلم ہے۔

یہ ایسی روایت ہے جسے پڑھنے کے دوران ہی دل بوجھل ہو جاتا ہے اور پڑھ لینے کے بعد آدمی یہ سوچتا ہے خواہش کرتا ہے کہ کاش میں نے اسے پڑھا ہی نہ ہوتا۔

اس روایت کے مطالعہ سے عام قاری کے دل میں طرح طرح کے شبہات انگڑائیاں لینے لگتے ہیں۔ کیا نبی کریم ﷺ کو اپنی نبوت کے بارے میں یقین راسخ نہ تھا؟ کیا حضور پر نور ﷺ کسی شک و شبہ میں مبتلا تھے؟ جس کے باعث حضور ﷺ بار بار اپنی زندگی کا چراغ گل کے نے کا ارادہ کر کے پہاڑ کی کسی چوٹی پر پہنچتے اور حضرت جبریل کو نمودار ہو کر روکنا بیڑتا اور ”آپ اللہ کے رسول برحق ہیں“ کہہ کر شک و شبہ سے نجات دلانا پڑتی۔

کوئی بھی امتی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا اپنے نبی کی نبوت پر یقین راسخ نہ ہو۔ اسی طرح نبی پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی نبوت پر محکم ایمان لے آئے۔ (بمطابق فرمان سورہ بقرہ آیت 285) اس لئے ہم تاجدار کائنات حضور پر نور سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارے میں یہ کیونکر تصور کر سکتے ہیں کہ حضور ﷺ ایسا کرتے تھے یا مایوس ہو جاتے تھے۔ کیا نبی کا ظرف اتنا چھوٹا اور حوصلہ اتنا تنگ ہوتا ہے کہ معمولی معمولی بات پر مایوس ہو جائے؟ اور مایوس بھی اتنا کہ زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دینے لگے۔

قارئین کرام! نبی کا ظرف بہت بہت ہی بڑا ہوتا ہے اور ہمارے پیارے نبی خاتم النبیین سید المرسلین پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کا ظرف تو اتنا بڑا ہے کہ تمام انس و جان اور یہ کائنات اس میں سمائے ہوئے ہیں اور ہم اور آپ اس کی وسعت کا تصور بھی کرنا چاہیں تو اپنے تصور میں نہ لاسکیں۔ اللہ کے نبی کو اپنی ذات کے غم دکھ درد نہیں ہوتے اور ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کائنات کی خوبی و بھلائی اور تمام انس و جان کی فلاح دارین کا ہی دکھ تھا (ماشاء اللہ یوم بعثت سے قیامت تک کے سب انس و جان آپ ﷺ ہی کی امت ہیں)

آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں سب سے زیادہ دکھ بھرا دن طائف والا تھا اور اس کے بعد دکھوں بھرا دن غزوہ اُحد کا دن تھا۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم ﷺ کا ظرف دیکھئے کہ اس دن بھی غزوہ کے اختتام پر فرماتے ہیں ”وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جو اپنے نبی کا یہ حال کرتی ہے۔“ آپ ﷺ نے اپنے کسی روحانی جسمانی تکلیف، زخم، درد کا ذکر نہیں کیا اگر اپنے غم و دکھ کا اظہار فرمایا تو اپنی نافرمان امت کے لئے کہ اے باری تعالیٰ میری اس نافرمان امت کو بھی فلاح دارین کی توفیق دے۔

اس روایت میں بے مقصد جان دینے کا خیال پیش کیا گیا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ آپ بھی، میں بھی اور کوئی بھی بے مقصد جان دینے کو تیار نہیں ہوتا کجا یہ کہ ایسی بات، خیال، حاصل کائنات، پیغمبر اول و آخر و اعظم محبوب خدا نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے بارے میں پیش کیا جائے۔

ہاں بامقصد جان قربان کرنے کے لئے سید کونین، رحمت للعالمین، ہادی کائنات، رہبر انس و جان ﷺ نے با آواز بلند اس دور میں ہی فرما دیا تھا جب ہر طرف سے ہر وقت جان عزیز پر خطرات منڈلا رہے تھے۔ غیر ضروری طوالت سے بچنے کی خاطر میں اس وقت صرف اتنا حوالہ دوں گا یا بیان کروں گا کہ یہ اس دور کی بات ہے واقعہ ہے جب تبلیغ و دعوت اسلام کھلے عام ہونے لگی تھی۔ اور مشرکین و کفار مکہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پاس اس غرض سے آئے کہ محمد (ﷺ) ہمارے بتوں کو خداؤں کو برا بھلا نہ کہے اور نئے دین کی تبلیغ سے باز آ جائے ورنہ با صورت دیگر ہم تم دونوں (ابوطالب رضی اللہ عنہ اور بھتیجا محمد ﷺ) کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے۔

جب آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو اس بارے میں سمجھایا تو انسان کامل، فخر کائنات پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا۔

”اے میرے چچا! اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں اور یہ توقع کریں کہ میں دعوت حق کو ترک کر دوں گا تو یہ ناممکن ہے۔ یا تو اللہ تبارک تعالیٰ اس دین کو غلبہ دے دے گا یا میں اس کے لئے جان دے دوں گا۔ اس وقت تک میں اس کام کو

چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔“ (السيرة النبوية ابن کثیر جلد 1 صفحہ 474)

قارئین کرام! مجھے ایک نقطہ عوام الناس کو سمجھانے کی خاطر یہاں ایک ایسی مثال دینی ہے، بات کرنی ہے جو بہت حد تک عوام الناس میں مشترک ہو، ان کے معیار کی ہو اور جس کو وہ آسانی سے سمجھ سکیں نعوذ باللہ! اس بات کی اس مثال کی آپ ﷺ کے واقعہ سے کوئی مماثلت نہیں ہے۔ اس کے لئے میں اللہ تبارک تعالیٰ سے اور ایسے سب قارئین کرام سے معافی مانگتا ہوں جنہیں یہ بات، مثال مناسب نہ لگے۔ میں تو کم پڑھے لکھوں کے لئے یعنی کہ عوام الناس کے لئے لکھتا ہوں۔ سچ بات یہ ہے اس سے زیادہ مشترک زود فہم اور اچھی مثال مجھے سمجھ نہیں آئی یا مجھے نہیں ملی اس لئے بہت معذرت اور معافیوں کے ساتھ یہی پیش خدمت ہے۔ لیجئے وہ بات، تمثیل، مثال کس کچھ اس طرح سے ہے۔

آپ کا تعلق سوسائٹی کے نچلے طبقہ سے ہے اور آپ کی شکل و صورت، رنگ و صحت اور قد وغیرہ بھی واجبی سے ہیں اور آپ کی مالی حالت بھی کافی کمزور ہے۔ پچھلے کئی سالوں سے آپ اور آپ کے والدین آپ کی شادی کے لئے کوششیں کر رہے ہیں لیکن اس سلسلہ میں آپ کے ان قریبی رشتہ داروں نے بھی حوصلہ افزائی نہیں کی جو معاشی، مالی، طبقاتی اور ہر لحاظ سے آپ ہی کے برابر کے تھے بلکہ کچھ ان میں سے مالی معاشرتی لحاظ سے آپ سے کمتر بھی تھے۔ انہوں نے بھی رشتہ نہیں دیا۔

آپ کو اپنے ہی علاقہ میں ایک لڑکی شکل و صورت و سیرت کی بہت اچھی لگتی تھی۔ ان کے گھر آپ کا اپنے روزگار کے سلسلہ میں آنا جانا بھی تھا لیکن نہ تو وہ لڑکی اپنوں میں سے تھی اور اس کا تعلق بھی سوسائٹی کے خوشحال و تعلیم یافتہ طبقہ سے تھا۔ اس نمایاں مالی معاشرتی تعلیمی و طبقاتی فرق کے سبب آپ نے اپنی اس پسند کا ذکر، کبھی بھی کسی سے نہیں کیا اور اتنے نمایاں فرق کے سبب نہ ہی آپ ایسا کرنے کی ہمت کر سکتے تھے کیونکہ ظاہر نتیجہ انکار و بے عزتی ہی تھا۔

پھر اللہ تبارک تعالیٰ جو مسبب حقیقی ہے یعنی کہ مسبب الاسباب ہے اس نے آپ پر کرم خاص کیا اور وہ خوبصورت خوب سیرت لڑکی جسے آپ محسن ہی من میں بہت زیادہ پسند کرتے تھے اس لڑکی کے والدین نے بارضا و رغبت اس لڑکی کی آپ سے منگنی کر دی اور تھوڑے ہی دنوں میں آپ کے ساتھ اس کی شادی کر دینے کی خوشخبری بھی آپ کو آپ کے والدین کو دے دی۔

اللہ تبارک تعالیٰ کی اس کرم نوازی پر، عنایت پر، نوازش پر یقینی طور پر آپ بے انتہا خوش ہوں گے شاداں و فرحاں ہوں گے اور اپنی اس خوش قسمتی پر ناز بھی کریں گے۔ یعنی کہ آپ اس پر بے انتہا خوش، شاداں، فرحاں و نازاں ہیں۔

اب آپ سے میرا ایک سوال ہے وہ یہ کہ آپ اپنی اس خوشی کا اظہار کس طرح سے کریں گے؟

یہی ناں کہ پہلے تو آپ اللہ تبارک تعالیٰ کے شکر گزار ہوں گے۔ اپنے سرال کے افراد کا خلوص دل سے، شوق سے احترام کریں گے۔ ان سے خوشی خوشی ملنا جلنا ہوگا اور اچھی گفتگو کریں گے۔ اور اپنے دوستوں کے ساتھ تو آپ خوشی میں بھنگڑا بھی ڈال لیں گے۔ خوشی میں جھو میں گے ناچیں گے اور کچھ مہذب ہلہ غلہ کر لیں گے۔ اکیڈے بھی اپنی لگن میں مگن خوش و خرم چہل قدمی کریں گے، گھومیں گے اور گنگنائیں گے۔ تنہائی میں بیٹھ کر اپنی خوش قسمتی پر سوچیں گے، تصور جانِ جاں میں گم ہو جائیں گے۔ اس خوشی کے عالم میں کبھی کبھی اپنے آپ سے باتیں کریں گے اور کبھی کبھی تو بے اختیار تنہائی میں بھی با آواز بلند اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے۔ ان حالات میں، خوشی کے اس موقع پر یقیناً آپ یہ تو نہیں کریں گے کہ آپ اپنے سرال سے ناراض ہو جائیں یا انہیں نقصان پہنچائیں یا خود اپنے آپ کو کسی طرح سے موت کے حوالے کر دیں۔ آپ بتائیے کہ کیا یہ میں نے سچ نہیں کہا ہے؟

اس سب کچھ کو پڑھ لینے اور بین السطور کو سمجھ لینے کے بعد اگر آپ میرے ہم خیال ہیں تو یقین کر لیں ”یہ فقرے جو بدالوحی کی روایت کے ساتھ باہر سے چسپاں کر دیئے گئے ہیں وہ باطل ہیں، کھوٹے ہیں اور مردود ہیں۔ انہیں آپ رد کر دیں۔ مبعوث ہونا یا وحی کا نازل ہونا یا جبریل امین کا حاضر خدمت ہونا آپ ﷺ کی طلب تو نہ تھی، مقصود تو نہ تھا آپ ﷺ تو اپنے طور پر حق کی تلاش میں تھے اور کائنات میں ایک خدائے واحد کی عبادت اور حق کا بول بالا دیکھنا چاہتے تھے۔

اس دوران آپ ﷺ کی نیک خواہشات، خوبصورت و پسندیدہ صفات و عادات حمیدہ کی بنا پر اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے لئے چن لیا۔

غیر ماری مخلوقات سے رابطہ، ایک اور ہی دنیا کے عجیب و غریب دلکش نظارے، سرور کن رنگ و ماحول، دیگر مخلوقات الہی کا ادراک یہ سب کچھ آپ ﷺ کا مطلوب تو نہ تھے۔ یہ تو اللہ تبارک تعالیٰ کی آپ ﷺ کی صفات حمیدہ، تلاش حق کے لئے نیک خواہشات، طلب حق اور عادات جمیلہ کے سبب خاص نوازش تھی، کرم نوازی تھی۔

یہ تو ایک عام آدمی کے معیار سے بھی تک نہیں لگتی، بات صحیح نہیں لگتی کہ اس پر کوئی مہربانی کرے، عنایت کرے، نوازش کرے اور وہ الٹا شکر گزار ہونے کے بجائے خود کشی کرے موت کو ترجیح دے۔

اپنے رب سے بہتر رابطے کے لئے ہر کسی کو گوشہ تنہائی چاہیے۔ ایسی جگہ جہاں کوئی اور اس رابطہ میں مغل نہ ہو۔ پہاڑی علاقوں کے رہنے والوں کا سیر و تفریح کی خاطر بھی پہاڑ پر چڑھ جانا معمول ہے۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ مخصوص دنوں میں باقاعدگی سے غار حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں مصروف عبادت رہتے تھے، اعتکاف فرماتے تھے۔ یعنی کہ غار حرا کے پہاڑ جبل نور پر چڑھنا آپ ﷺ

کا معمول تھا۔

آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے کی زندگی مبارک بھی صبر و شکر، خوش خلقی، غربا پروری، خدمت خلق، صداقت و امانت سے عبارت ہے۔ بعثت کے بعد آپ ﷺ کی تمام خوبیاں دوچند ہی ہوئی ہوں گی، یقینی طور پر ان میں اضافہ ہی ہوا ہوگا۔ پھر ایسی بات کا تصور کیسے کیا جاسکتا ہے۔

آپ ﷺ تو کائنات کے رہبر ہیں، ہادی انس و جاں ہیں۔ بھلا رہبر ایسی بات کرے گا جو اللہ تبارک تعالیٰ کو ناپسند ہو۔

اب اس روایت کے بارے میں

اس روایت کے بارے میں سیر حاصل بحث تو فضیلۃ الشیخ محمد الصادق ابراہیم عرجون رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”محمد رسول اللہ“ میں کی ہے جو تقریباً سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ انہوں نے اس بحث کا حق ادا کر دیا ہے یہاں اس کو من وعن نقل کرنے کی تو گنجائش نہیں البتہ ان کی بحث کا خلاصہ، لب لباب پیش خدمت ہے۔ امید ہے اس کے مطالعہ سے قارئین کے شبہات کا مکمل طور پر ازالہ ہو جائے گا۔

بحث کا آغاز وہ اپنے اس پر جلال فیصلہ کن جملہ سے کرتے ہیں۔

ترجمہ: ”یعنی یہ فقرے جو بدء الوحی کی حدیث کے ساتھ باہر چسپاں کر دیئے گئے باطل ہیں۔

کھوٹے اور مردود ہیں اور اس کی کئی وجوہات ہیں۔“

پہلی وجہ: قاضی عیاض رحمہ اللہ جو علوم حدیث کے ماہر اور سنت نبویہ مطہرہ کے ائمہ کے سردار ہیں انہوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس بلاغ کی نسبت معمر کی طرف ہو یا زہری کی طرف یہ مرفوع نہیں ہے۔ درمیان میں دو یا تین واسطوں کا ذکر تک نہیں۔ معلوم نہیں یہ کس قسم کے لوگ تھے۔ یہ تسلیم کہ معمر اور زہری خود ثقہ ہیں۔ ان کا شمار ائمہ حدیث میں ہوتا ہے۔ لیکن جن لوگوں سے انہوں نے یہ روایت نقل کی ہے ان کا نام تک بھی نہیں لیا گیا۔ تاکہ ہم تحقیق کر کے ان کے بارے میں فیصلہ کر سکیں کہ یہ ثقہ تھے یا غیر ثقہ۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر ثقہ راوی ہمیشہ ثقہ راوی ہی سے روایت کرتا ہے۔ کبھی غیر ثقہ راویوں سے بھی ثقہ راوی روایت کرتے ہیں اس احتمال نے روایت کو پایہ اعتبار سے ساقط کر دیا ہے۔ اس لئے یہ حدیث ضعیف ہوگی۔ وہ مزید لکھتے ہیں۔

”کبھی ثقہ غیر ثقہ سے روایت کرتا ہے کیونکہ وہ اس کی نظر میں ثقہ ہوتا ہے لیکن دوسرے علماء کے نزدیک وہ

ضعیف ہے۔ اور اس کی روایت قابل قبول نہیں۔“ (محمد رسول اللہ ابراہیم عرجون، جلد 1 صفحہ 386، 387)

یہ روایت زیادہ سے زیادہ امام زہری کی مرسلات میں سے ہوگی اور ان کی مرسلات کے بارے میں علماء جرح و تعدیل نے طویل گفتگو کی ہے ان کی مرسلات پر تنقید کرنے والوں میں یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ پیش پیش

ہیں اور یہ یحییٰ بن سعید علماء ناقدین کے امام ہیں۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ امام زہری کی قوت حافظہ بے نظیر تھی۔ اس کے باوجود وہ معصوم نہ تھے۔ شیخ عرجون فرماتے ہیں کہ سند کے لحاظ سے اس بلاغ کو قابل اعتبار تسلیم کر بھی لیا جائے تو حدیث کی صحت کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ سند کی صحت کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا متن بھی صحیح ہو اور متن کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین کے اصولوں میں سے کسی اصول کے ساتھ ٹکراتا نہ ہو۔ چنانچہ علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

ترجمہ: ”یعنی کہ سند کے صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ متن کا صحیح ہونا بھی شرط ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ وہ حدیث ایسے راویوں سے مروی ہو جو ثقہ اور ضابطہ ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ متن بھی صحیح ہو۔ یعنی ایمان کے وہ اصول جوائمہ دین کے نزدیک متفق علیہ ہیں ان اصولوں میں سے کسی اصول کے ساتھ یہ متن ٹکراتا نہ رہا ہو۔ اور ان قوی دلائل کے مخالف نہ ہو۔“

(محمد رسول اللہ، ابراہیم عرجون جلد 1 صفحہ 386، 387)

جب علماء حدیث کے نزدیک صحت حدیث کے لئے یہ تسلیم شدہ اصول ہے تو پھر یہ روایت صحیح نہیں ہوگی کیونکہ یہ اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ کیونکہ اس سے عصمت انبیاء کا عقیدہ مجروح ہو جاتا ہے اور یہ عقیدہ دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔ حضور پر نور ﷺ کا بار بار حالت یاس میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس ارادہ سے جانا کہ اپنے آپ کو گرا کر زندگی کا خاتمہ کر دیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ العیاذ باللہ حضور ﷺ کو اپنی نبوت پر ایمان راسخ نہیں تھا۔ حضور پر نور ﷺ کی عصمت کی اجلی چادر پر اس سے زیادہ سیاہ داغ اور کیا لگایا جاسکتا ہے۔

دوسری وجہ: اس روایت کے ضعیف ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ فترۃ وحی کے بارے میں جو روایت مرفوعاً حضور سرورِ دو عالم ﷺ سے مروی ہے اس میں ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ حدیث ہم امام بخاری کے حوالہ سے اس بحث کی ابتدا میں نقل کر آئے ہیں آپ اس پر دوبارہ ایک نظر ڈال لیجئے آپ کو اس قسم کا کوئی اشارہ وہاں بھی نہیں ملے گا۔

مرفوع حدیث، مرسل حدیث سے یقیناً رائج ہوتی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ حدیث بھی امام زہری کے واسطے سے مروی ہے ہمارے سامنے امام زہری کی دو روایتیں ہیں ایک مرفوع متصل اور دوسری مرسل اور مقطوع۔ اب آپ فیصلہ کریں کہ ان میں سے آپ کس کو ترجیح دیں گے یقیناً مرفوع متصل کو ہی آپ ترجیح دیں گے اور اس میں اس واقعہ کے بارے میں اشارہ بھی نہیں ذکر نہیں۔

فترۃ وحی کے زمانے سے مراد یہ ہے کہ اس عرصہ میں وحی کا نزول نہیں ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بارگاہ

رسالت میں جبریل امین کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ پہلی وحی کے نزول کے وقت جو رعب اور ہیبت طاری ہو گئی تھی اس کا اثر زائل ہو جائے نیز دوبارہ وحی کے نزول کے لئے ذوق شوق اپنے عروج پر پہنچے۔

اگرچہ شیخ عربون نے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں اور ان کی ہر دلیل بڑی بصیرت افروز اور ایمان پرور ہے لیکن میں ان ہی دلائل کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں امید ہے قارئین کرام پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی ہوگی کہ وہ روایت جس میں پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا دینے کے ارادے کا ذکر ہے پایہ اعتبار سے ساقط ہے وہ اس لئے قابل ذکر نہیں۔

رسالت کا آغاز

نبوت کا اظہار تو سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات کے نزول سے ہو گیا۔ لیکن رسالت کا آغاز اس وقت ہوا جب سورہ مدثر کی ابتدائی آیتیں (1 تا 5) نازل ہوئیں۔ ارشاد فرمایا گیا۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

ترجمہ: اے چادر لپیٹنے والے! اٹھئے اور لوگوں کو ڈرائیے۔

اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے۔

اور اپنے لباس کو پاک رکھئے۔

اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہئے۔

کسی پر احسان نہ کیجئے زیادہ لینے کے لئے۔

اور اپنے رب کی رضا کے لئے صبر کیجئے۔

یہ وہ آیات طیبات ہیں جن سے رسالت محمدی کا آغاز ہوا۔

اپنے رب کریم کا یہ حکم ملتے ہی حضور انور نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ نے کمر ہمت باندھ لی۔ حق کا علم بھونکے کرنے کے لئے، ظلمت کدہ عالم کو نورِ توحید سے منور کرنے کے لئے، باطل کو ہر میدان میں شکست قائل دینے کے لئے درہمیت حضور پر نور ﷺ نے عزم مصمم کر لیا۔ باویہ ضلالت میں صدیوں سے بھٹکنے والے قافلہ انسانی کو منزلِ مراد تک پہنچانے کے لئے جو قدم اٹھا، وہ ہمیشہ آگے ہی بڑھتا گیا۔ مخالفت کا کوئی طوفان اس کی برقِ رفتاری کو متاثر نہ کر سکا۔ عداوت و حسد کے کتنے ہی آتش کدے بھڑکائے گئے لیکن اس بشیر و نذیر رسول ﷺ کے مبارک قدموں کی برکت سے وہ گلستانوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ تند و تیز آندھیاں اس کے روشن کئے ہوئے چراغوں کو بجھانہ سکیں۔ اس کے جاں نثاروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے لیکن ان کی حوصلہ مند یوں میں ذرا فرق نہ آیا۔

نماز - پہلا حکم الہی

پہلی وحی الہی کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے اسی روز حضور ﷺ کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھایا، چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام اقراء کا درس دے چکے تو انہوں نے آپ ﷺ کو کہا کہ اس پہاڑ (غار حرا) سے اترے۔ آپ ﷺ اتر آئے تو جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر اپنا پیر مارا جس سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا، اس سے جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا اور حضور ﷺ انہیں وضو کرتے ہوئے دیکھتے رہے، پھر جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو وضو کرنے کے لئے کہا، جب آپ ﷺ وضو سے فارغ ہوئے تو جبرائیل علیہ السلام نے نماز پڑھائی اور آپ کو اپنے ساتھ کھڑا کیا، آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ دو رکعت کعبۃ اللہ کی جانب منہ کر کے ادا کیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام واپس آسمانوں پر چلے گئے اور حضور ﷺ گھر کو روانہ ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ جس حجر، شجر پر سے بھی گزرتے تھے، وہ آپ ﷺ کو سلام کرتا تھا، پھر آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہیں سارے واقعے کی خبر دی، پھر آپ ﷺ انہیں لے کر ایک چشمے پر آئے اور وضو کیا تاکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کو دیکھ کر وضو کا طریقہ سیکھ لیں۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے جب وضو کر لیا تو آپ ﷺ نے انہیں اسی طرح نماز پڑھائی جیسے جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو پڑھائی تھی، نماز سے فارغ ہو کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہ وہ پہلی نماز تھی جو کرۂ ارض پر حضور ﷺ کی نبوت (بعثت) کے بعد ادا کی گئی۔

(زرقاتی علی المواہب جلد 1 صفحہ 234، 235۔ السیرۃ الحلبیہ، برہان الدین حلبی جلد 1 صفحہ 426۔ السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 168، 169)

ایک روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ کے سامنے خوبصورت ترین شکل اور بہترین خوشبو کے ساتھ ظاہر ہوئے اور کہا کہ اے محمد (ﷺ) اللہ تبارک تعالیٰ آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کے لئے اللہ کے رسول ہیں، سو آپ ﷺ انہیں لا الہ الا اللہ کی طرف بلائے، پھر انہوں نے اپنا پیر زمین پر مارا اور اس سے چشمہ ابل پڑا۔ (السیرۃ الحلبیہ، برہان الدین حلبی جلد 1 صفحہ 424)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے سب سے پہلی نماز پیر کے روز (جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ) دن کے شروع میں ادا کی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پیر ہی کے روز دن کے آخر میں ادا کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اگلے روز یعنی منگل کو ادا کی۔ (عیون الاثر، ابن سید الناس جلد 1 صفحہ 179)

پہلے حکم الہی کے بارے میں مزید ”سبل الہدیٰ والرشاد، از امام محمد بن یوسف صالحی شامی سے پڑھیے۔ یہ کچھ اور معلوماتی ہے اس سے آپ کے علم میں اضافہ ہوگا۔

نزول وحی کے بعد سب سے پہلا حکم الہی نماز ادا کرنے کے بارے میں تھا۔ حضرت جبرائیل، حضور

پر نور مکی ﷺ کو ہمراہ لے کر ایک وادی میں سے گزرے۔ جبریل نے اپنا پر مارا وہاں سے پانی کا ایک چشمہ ابل پڑا۔ حضور انور مکی ﷺ کی موجودگی میں جبریل نے وضو کیا۔ پھر حضور پر نور سرکارِ دو عالم ﷺ نے اسی طرح وضو کیا۔ پھر جبریل نے حضور مکی ﷺ کی معیت میں نماز ادا کی یہ نماز دو رکعتوں پر مشتمل تھی۔ اس کی ادائیگی کے دو وقت تھے طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ پانچ وقت کی نماز تو ”اسراء“ یعنی معراج کی رات فرض ہوئی۔ ان کے اوقات کی تعلیم کے لئے جبریل امین دو روز برابر حاضر ہوتے رہے اور حضور مکی ﷺ کو نماز پڑھنے کا طریقہ اور اس کے اوقات کی تعلیم دیتے رہے۔ چنانچہ علامہ محمد بن یوسف صاکی لکھتے ہیں۔

”پہلی کہتے ہیں کہ حضرت حربی اور یحییٰ بن سلام نے کہا کہ شب معراج سے قبل دو نمازیں فرض تھیں، ایک غروب آفتاب سے پہلے اور ایک طلوع آفتاب سے پہلے۔ ابن جوزی نے مقاتل بن سلیمان سے نقل کیا ہے کہ ابتدائے اسلام میں اللہ تبارک تعالیٰ نے مسلمانوں پر دو رکعتیں صبح کو اور دو رکعتیں شام کو فرض کی تھیں۔“

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد 2 صفحہ 400)

وضو کی آیت تو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ لیکن وضو کی فرضیت کا حکم پہلی نماز کی فرضیت کے ساتھ دیا گیا حضور نبی کریم ﷺ نے بغیر وضو کے کوئی نماز ادا نہیں کی۔

حضرت عائشہ صدیقہ فخرتہا اس آیت کو آیت تیمم فرمایا کرتی تھیں کیونکہ تیمم کا حکم پہلی بار اس آیت میں نازل ہوا۔



ابتدائے دعوتِ اسلام

قارئین کرام

تحریک دین اسلام تو بنیادی طور پر شروع سے ہی عالمی تحریک تھی۔ کیونکہ اس مبارک تحریک کے بالکل شروع کے چند دنوں میں خیال رہے کہ ہفتوں مہینوں میں نہیں بلکہ شروع کے چند دنوں میں اس تحریک میں شامل ہونے والے، اس پر لبیک کہنے والے (حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ) کا تعلق ملک حبشہ سے تھا اور پھر اس کے کچھ ہفتوں بعد اس میں شامل ہونے والے، لبیک کہنے والے (حضرت صہیب رضی اللہ عنہ) کا تعلق ملک روم سے تھا۔ یہ دین سارے جہانوں کے لئے تھا اور ہے لیکن قدرت الہی کے قوانین و ضابطہ کے تحت ہر دینی یا غیر دینی تحریک نے فرد واحد سے شروع ہونا ہوتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ تحریک تقویت حاصل کرتی ہے زور پکڑتی ہے اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے اس تحریک میں مختلف مثبت و منفی عوامل کی وجہ سے مزید تغیر و تبدل آتا ہے۔

سیرت نگاروں نے سیرت طیبہ کو آسانی اور اچھی طرح سے سمجھانے کی خاطر اسے مختلف ادوار (دور کی جمع) یا مراحل میں بیان کیا ہے۔ میں ان ادوار میں کچھ رد و بدل کروں گا اور کیونکہ پہلے دور کے علاوہ باقی اور دور وقت کے ساتھ محدود نہیں ہیں یعنی کہ باقی سب دور ایک دوسرے سے ملے ہیں، ایک دوسرے میں مدغم ہیں یا ساتھ ساتھ چلتے ہیں اس لئے میں اس کتاب سیرت طیبہ میں پہلے دور کے علاوہ کسی اور دور یا مرحلہ کا بطور خاص بھل موضوع یا ہیڈنگ بنا کر بیان نہیں کروں گا۔

ایسا کرنے کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ میری خواہش اور کوشش ہے کہ میں حیات طیبہ کے زیادہ سے زیادہ واقعات و حالات کو ان کے زمانہ وقوع کے لحاظ سے بیان کر سکوں۔ یہ کام تو بہت مشکل ہے۔ موجودہ وسائل کی چھان بین کرنا بہت طویل اور کٹھن کام ہے لیکن اس بارے میں میں نے پیشگی آپ سب کی خواہشات و تمنائیں دعائیں اپنے ساتھ لے لی ہیں انشاء اللہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

ہم حضور پر نور، پیغمبر اول و آخر و اعظم، رہبر کائنات ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی مبارک کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جو ایک دوسرے سے مکمل طور پر نمایاں اور ممتاز ہیں وہ دو حصے یہ ہیں۔

1- مکی زندگی جس کی مدت تقریباً 13 سال ہے۔

2- مدنی زندگی جس کی مدت 10 سال ہے۔

مکی زندگی کو پھر چار مراحل یا دوروں (ادوار) میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جس کا صرف پہلا دور یا مرحلہ مکی حیات طیبہ کے ساتھ مخصوص ہے اور باقی تین مراحل یا ادوار مکی اور مدنی حیات طیبہ میں تقریباً یکساں ہیں۔

مکی زندگی کے مراحل یا ادوار

پہلا دور

یہ دور خفیہ دعوت اسلام و تبلیغ کا دور بھی کہلاتا ہے۔ اس کا عرصہ تقریباً تین سال ہے اور یہ پہلی وحی مبارک کے نزول سے شروع ہوا اور خالق و مالک کائنات کے اس حکم و ہدایت ”اور اے محبوب اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔“

(سورہ شعراء آیت 214) پر ختم ہو گیا۔

دوسرا دور

اس کو آپ اعلانیہ دعوت و تبلیغ اسلام کا دور بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ شروع تو مذکورہ بالا آیت مبارک کے نزول کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ اس آیت مبارک کے جلد بعد ہی اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ حکم و ہدایت ”تو اعلانیہ کہہ دیجئے جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکین سے رخ پھیر لیجئے۔“ (سورہ حجر آیت 94) فرما دیا جس کے تحت احتیاط سے لیکن کھلم کھلا دعوت دین اسلام اور تبلیغ دین متین ہونے لگی۔

تیسرا دور

شہر و گرد و نواح مکہ کے باہر دعوت اسلام کی مقبولیت اور پھیلنے کا دور۔ اس دور کی مدت دسویں سال نبوت کے اواخر سے ہجرت مدینہ تک کا ہے۔

چوتھا دور

اسے آپ عالمی دور بھی کہہ سکتے ہیں۔ جیسے ہی دین اسلام اس وقت کے آزاد ملک عرب سے باہر نکلا اور دنیا کے مختلف ممالک و اطراف میں پھیلنا شروع ہوا یہ عالمی دور اسی وقت شروع ہو گیا۔ دراصل یہ مرحلہ یا دور اسی دن شروع ہو گیا تھا جب دین اسلام کے چند پیروکار بحالت مجبوری (اپنے دین و جان کی حفاظت کے لئے) ایک دوسرے ملک حبشہ میں پہنچ گئے تھے۔

مدنی زندگی کے مراحل یا ادوار

پہلا دور

ہجرت کے وقت مدینہ کے مخصوص حالات، مسلمانوں کا بھائی چارا، یہود کے ساتھ معاہدے اور مسلح کشاکش جس میں سرایا اور غزوات شامل ہیں۔

دوسرا دور

صلح حدیبیہ، جس کے بعد مسلمان ایک بڑی قوت، طاقت، قوم، بن کر ابھرے اور پھر قوت میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا اور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اقوام عالم کے بادشاہوں اور امراء کے نام اطاعت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے۔

تیسرا دور

فتح مکہ اور غزوہ حنین میں کامیابی کے ساتھ ہی ایک دم دین اسلام ایک وسیع و عریض ملک کا مذہب و دین بن گیا جن کی تعداد فوراً لاکھوں میں جا پہنچی اور مسلمان پورے عرب میں ایک منظم، موثر اور فعال طاقت بن گئے۔

میں نے مندرجہ بالا مختصراً پہلے ہی اس خیال سے لکھ دیا ہے کہ قاری کو بعد میں الجھن نہ ہو، تشنہ لبی نہ رہے ورنہ ابھی تو مکی زندگی کے پہلے دور کے بارے میں لکھنا ہے۔

پہلا دور یا مرحلہ

خفیہ دعوت و تبلیغ کا دور

جیسا کہ میں اس سے پہلے بھی گزارش کر چکا ہوں یہ دور پہلی وحی مبارک کے نزول کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔

اس دور کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں دعوت و تبلیغ خفیہ رکھی گئی۔ مجمع عام میں پہنچ کر علانیہ کسی کو نہ کہا گیا کہ وہ ہمارا ”ہم سفر“ بنے اور بتوں کی غلامی کی زنجیریں توڑ کر آزاد فضاؤں میں آجائے اس خفیہ اور رازدارانہ کارروائی میں ایک خاص حکمت تھی۔ جو قائد تحریک ﷺ کے تدبیر و دوراندیشی اور ماہرانہ قیادت پر دلالت کرتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی تحریک کو یکدم نہیں بلکہ آہستہ آہستہ افرادی قوت حاصل ہوتی ہے اور ابتدائی سفر میں ایک فرد کا ضیاع بھی تحریک کی نقطہ نظر سے بہت بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے عاقبت اندیش کامیاب اور

جہان دیدہ قائد اتنی سی قوت بھی ضائع ہونے نہیں دیتا اور اسے آنے والے وقت کے لئے سنبھال کر رکھتا ہے۔ اس مرحلے میں فتنہ پرداز اور شریک لوگ کھل کر سامنے آ جاتے ہیں اور جن کے مفادات پر زد پڑے وہ بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ چاہتے ہیں اس قوت کو ابھرنے سے پہلے ہی کچل دیں اور اس پودے کو تناور درخت بننے سے پہلے ہی اکھاڑ دیں۔ اس لئے وہ جذبہ رحم سے عاری ہو کر میدان میں آتے ہیں اور ہر ظلم و ستم روار کھتے ہیں۔ تحریک کے جان نثاروں پر بطور خاص ان کی نظر ہوتی ہے تاکہ دہشت گردی اور ہر ممکنہ طریقہ سے انہیں ہراساں کر کے تحریک سے علیحدہ اور بد دل کرنے کی کوشش کریں۔ بصورت دیگر راستہ سے ہٹا دیں۔

یہ ابتلاء و آزمائش کا دور ہوتا ہے دم خم رکھنے والے جواں ہمت اور مضبوط عزم و ایمان والے جیالے ہی اس میدان میں ثابت قدم رہتے ہیں اور محبت کے امتحان میں سرخرو ہو کر نکلتے ہیں۔ اس لئے دانا قائد وقت سے پہلے اظہار اور تصادم سے کلیتاً اجتناب کرتا ہے، اور ساری توجہ افراد میں اضافہ اور ان کی تربیت پر مرکوز رکھتا ہے۔ وہ انہیں بامقصد تعلیم و تربیت باقاعدگی سے دیتا ہے، قوت کو جمع کرتا ہے، منظم کرتا ہے اسے آنے والے وقت کے لئے محفوظ رکھتا ہے اور اپنے مقصد کی صداقت پر یقین محکم پیدا کرتا ہے اور اسے لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھاتا ہے۔ حقائق مابعد سے آگاہ کر کے ان کے حوصلے بڑھاتا رہتا ہے تاکہ ایک ایسا وقت آ جاتا ہے جب اس کی قوت ایک سیل تند و تیز کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور افراد اتنے تربیت یافتہ ہو جاتے ہیں کہ انہیں دھونس دھاندلی لالچ اور ترغیب سے منحرف کرنا ممکن نہیں رہتا۔ تب سالار کاروان میدان میں آتا ہے اور اپنی تربیت اور فیض صحبت کے اعجاز دلربا کا مظاہرہ کرتا ہے۔ دشمن اس کے ساتھیوں پر مظالم ڈھاتے ہیں۔ بے رحمی سے انہیں دماغی جسمانی اذیت پہنچاتے ہیں ناقابل برداشت اذیتیں دیتے ہیں جنہیں مظلوم اہل حق صبر و استقامت سے برداشت کرتے ہیں مگر زبان سے ”اف“ تک نہیں کرتے۔ اس وقت ظالم لوگ دل میں ان کے کردار کو سراہتے حیران ہوتے اور منہ میں انگلیاں دباتے ہیں کہ یہ کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں، جو کسی سختی کو خاطر ہی میں نہیں لاتے جان دینا گوارا کر لیتے ہیں مگر اپنے موقف سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ یہی کردار صدیقی اور بلالی کردار ہوتا ہے۔

تین سال تک دعوت و تبلیغ کا یہ خفیہ طریقہ اور زیر زمین تربیت کا یہ پوشیدہ عمل یونہی جاری رہا، پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور نور نبی کریم ﷺ نے کسی ٹکراؤ کو پسند نہ فرمایا اور اعلانیہ تبلیغ سے احتراز کیا تاکہ کسی فرعون سے براہ راست تصادم نہ ہو اور وہ غرباء و مساکین کے درپے آزار نہ ہو جائے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے دعوت و تبلیغ کا عمل خفیہ رکھنے میں یہ حکمت بھی کار فرما تھی کہ اہل حق افرادی قوت حاصل کر لیں اور ایمان کی مٹھاس و فرحت اور مشن کی محبت ان کے دلوں میں رچ بس جائے اور وہ دین و ایمان کے لئے ایثار و قربانی اور فدائیت

کے اس درجہ کمال تک پہنچ جائیں کہ ہر قسم کا نقصان برداشت کر سکیں۔ جانیں دے دیں اور کسی صورت اپنے محبوب آقا و داعی حق کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کریں۔

پھر ان حضرات کی کوششوں سے ایک مختصر سا کاروان حق تیار ہو گیا جس نے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی زیر نگرانی روحانی تربیت اور صدق و صفا کی منزلیں طے کرنا شروع کر دیں اور جادہ نور پر گامزن ہو گئے۔

پھر اکادکا مسافر انفرادی کوششوں کے ساتھ شریک قافلہ ہوتے رہے اور یہ چپکے چپکے بڑھتا پھیلتا اور جوش و جذبہ حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ اس رواں دواں قافلہ نے کچھ رونق حاصل کر لی اور اہل کاروان کچھ سکون اور خوشی محسوس کرنے لگے کہ اب ماشاء اللہ ان کی تعداد اچھی خاصی ہو گئی ہے۔

غارِ حرا کی پر نور و پرسکون ملکوتی فضاؤں میں حکم ربانی پالینے اور نبوت کی ذمہ داریوں سے سرفراز ہونے کے بعد اب پیش نظر ایک ہی مقصد تھا کہ حکم خداوندی کی تعمیل اور دعوت و تبلیغ کے کام کا آغاز کہاں سے اور کیسے کیا جائے؟ سردست جاہلی ماحول و فضاؤں کے پروردہ لوگوں میں یہ معاملہ یہ نیک کام فوری طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ مادہ پرست لکیر کے فقیر اور شراب و شباب کے رسیابت پرست لوگ اپنے ناقص ذہنوں کے ساتھ اس حقیقت کبریٰ کا ادراک ہی نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی چندھیائی ہوئی آنکھیں اس شمع فروزاں کے سامنے کھل ہی نہیں سکتی تھیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ سب سے پہلے یہ صحیفہ صداقت ان حقیقت پسندوں کے سامنے کھولا جائے جو موجودہ ماحول سے متنفر، حق پرست، حق کے متلاشی، محرم راز اور شب و روز کی جلوتوں اور خلتوں کے امین ہیں۔ جن میں خدا خونی ہے، اچھائی بھلائی کے طلبگار ہیں اور جن کے سامنے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کا کردار و سیرت عیاں ہے اور زندگی کا کوئی گوشہ ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔

چنانچہ سب سے پہلے حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اس پیغام سے آگاہ کیا۔ وہ تو جیسے پہلے ہی سے منتظر بیٹھی تھیں، اشارہ پاتے ہی خاتونِ اول کی حیثیت سے اسلام کے دامن میں آ گئیں۔

مردوں میں سب سے پہلے یہ پیغام حق قبول کرنے کی سعادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔ کسی قسم کے تردد اور ہچکچاہٹ کے بغیر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر آپ نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور اسلام کے دائرے میں آ گئے۔

بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی سعادت و عزت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔

پھر ان حضرات کی کوششوں سے ایک مختصر سا کاروان حق تیار ہو گیا جس نے حضور انور نبی کریم ﷺ کی زیر نگرانی روحانی تربیت اور صدق و صفا کی منزلیں طے کرنا شروع کر دیں اور جادہ نور پر گامزن ہو گئے۔

پھر اکادکا مسافر انفرادی کوششوں کے ساتھ شریک قافلہ ہوتے رہے اور یہ چپکے چپکے بڑھتا پھیلتا اور جوش و جذبہ حاصل کرتا رہا یہاں تک کہ اس رواں دواں قافلہ نے کچھ رونق حاصل کر لی اور اہل کارواں کچھ سکون اور خوشی محسوس کرنے لگے کہ الحمد للہ اب ان کی تعداد خاصی ہو گئی ہے۔

اس دور کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں دعوت و تبلیغ خفیہ رکھی گئی۔ مجمع عام میں پہنچ کر علانیہ کسی کو نہ کہا گیا کہ وہ ہمارا ”ہم سفر“ بنے اور بتوں کی غلامی کی زنجیریں توڑ کر آزاد فضاؤں میں آجائے اس خفیہ اور راز دارانہ کارروائی میں ایک خاص حکمت تھی جو قائد تحریک مظلوم کے مدبر دور اندیشی اور ماہرانہ قیادت پر دلالت کرتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کسی بھی تحریک کو یکدم نہیں بلکہ آہستہ آہستہ انفرادی قوت حاصل ہوتی ہے اور ابتدائی سفر میں ایک فرد کا ضیاع بھی تحریکی نقطہ نظر سے بہت بڑا نقصان ہوتا ہے اس لئے عاقبت اندیش کامیاب اور جہاندیدہ قائد اتنی سی قوت بھی ضائع ہونے نہیں دیتا اور اسے آنے والے وقت کے لئے سنبھال کر رکھتا ہے۔

اس مرحلے میں (برے لوگ) متعصب، اڑیل فتنہ پرداز اور شر پسند لوگ کھل کر سامنے آ جاتے ہیں اور جن کے مفادات پر زد پڑے وہ بھی معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ چاہتے ہیں اس قوت کو ابھرنے سے پہلے ہی کچل دیں اور اس پودے کو تناور درخت بننے سے پہلے ہی اکھاڑ دیں۔ اس لئے وہ جذبہ رحم سے عاری ہو کر میدان میں آتے ہیں اور ہر ظلم و ستم روار کھتے ہیں۔ تحریک کے جان نثاروں پر بطور خاص ان کی نظر ہوتی ہے تاکہ دہشت گردی اور ہر ممکنہ طریقہ سے انہیں ہراساں کر کے تحریک سے علیحدہ اور بددل کرنے کی کوشش کریں بصورت دیگر راستہ سے ہٹا دیں۔

یہ ابتلاء و آزمائش کا دور ہوتا ہے دم خم رکھنے والے جوان ہمت اور مضبوط عزم و ایمان والے جیالے ہی اس میدان میں ثابت قدم رہتے ہیں اور لگن، عقیدت محبت کے امتحان میں سرخرو ہو کر نکلتے ہیں۔ اس لئے ولنا قائد وقت سے پہلے معاملہ کی بے جا تشہیر و اظہار اور بے وقت کے تصادم سے کلیتاً اجتناب کرتا ہے اور ساری توجہ افراد میں اضافہ اور ان کی تربیت پر مرکوز رکھتا ہے حقائق مابعد سے آگاہ کر کے ان کے حوصلے بڑھاتا رہتا ہے اور پھر وقت رفتہ کے ساتھ ایک ایسی منظم، باشعور تربیت یافتہ انفرادی قوت حاصل ہو جاتی ہے جس کو نہ تو آسانی سے دبایا جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی ظلم و زیادتی دھونس دھاندلی اور ترغیب سے اس راہ اختیار کردہ سے روکا جاسکتا ہے، منحرف کیا جاسکتا ہے۔

تب سالار کاروان میدان میں آتا ہے اور اپنی تربیت اور فیض صحبت کے اعجاز و دربا کا مظاہرہ کرتا ہے۔ دشمن اس کے ساتھیوں پر مظالم ڈھاتے ہیں۔ بے رحمی سے انہیں ہر طرح کا نقصان پہنچاتے ہیں ناقابل برداشت اذیتیں دیتے ہیں جنہیں مظلوم اہل حق صبر و استقامت سے برداشت کرتے ہیں مگر زبان سے ”اف“ تک نہیں کرتے اس وقت ظالم لوگ دل میں ان کے کردار کو سراہتے حیران ہوتے اور منہ میں انگلیاں دباتے ہیں کہ یہ کس

مٹی کے بنے ہوئے ہیں، جو کسی سختی کو خاطر ہی میں نہیں لاتے جان دینا گوارا کر لیتے ہیں مگر اپنے موقف سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور ان کے اس جذبہ و ایثار سے متاثر ہو کر کبھی کبھی کچھ لوگ ان کی صفحوں میں آ ملتے ہیں۔

تقریباً تین سال تک دعوت و تبلیغ کا یہ خفیہ طریقہ اور زیر زمین کا یہ پوشیدہ عمل یونہی جاری رہا، حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے کسی ٹکراؤ کو پسند نہ فرمایا اور علانیہ تبلیغ سے احتراز کیا تا کہ کسی فرعون وقت سے براہ راست تصادم نہ ہو اور وہ غرباء و مساکین کے درپے آزار نہ ہو جائے، دعوت و تبلیغ کا عمل خفیہ رکھنے میں یہ حکمت بھی کار فرما تھی کہ اہل حق افرادی قوت حاصل کر لیں اور ایمان کی بشارت اور مشن کی محبت دلوں میں رچ بس جائے اور وہ دین و ایمان کے لئے ایثار و قربانی اور فدایت کے اس درجہ کمال تک پہنچ جائیں کہ ہر نوع کا نقصان برداشت کر سکیں جائیں دے دیں لیکن راہ حق، دین حق اور حضور انور نبی کریم ﷺ کا ساتھ، اطاعت و اتباع چھوڑنا گوارا نہ کریں۔

چنانچہ اللہ تبارک تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت مختصر عرصہ میں ایسے جانباز اور سرفروش تیار ہو گئے جو عشق و محبت کے اس معیار پر پورے اترتے تھے۔

اس فہرست میں نمایاں نام خود داعی انقلاب اور قائد تحریک رہبر اعظم پیغمبر انقلاب سید المجاہدین حضور حبیب کبریا احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا آتا ہے جنہیں ظالموں نے روح فرسا اذیتیں دیں بے ادبی اور بدتمیزی کی انتہائی حدوں کو چھولیا۔ اپنے وطن میں رہنا دو بھر کر دیا، بلکہ قتل کے درپے ہو گئے اور اپنے طور پر اس منصوبے کے تمام انتظامات بھی مکمل کر لئے۔

دوسرا نام صاحب صدق و صفا حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے اثر و رسوخ اور قوت و دولت کے باوجود راہ ایمان و انقلاب میں بے حد و حساب مشکلات اور شداوند مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ دشمنوں کے مظالم کا بطور خاص ہدف بنے اور ان کے قہر و غضب کے شکنجے میں آئے مگر کوئی اذیت اور تکلیف ان کے پائے ثبات و استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکی اور آپ اپنے انقلابی موقف پر سختی سے ڈٹے رہے۔

چونکہ آپ مکہ کے نامور تاجر اور بیرون ملک آنے جانے والے بارسوخ انسان تھے اس لئے آپ کی کوششوں اور مخلص مشوروں سے کچھ اور لوگ بھی اسلام لے آئے جو معاشرے میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور قابل ذکر شخصیتوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان میں سرفہرست حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی ہے۔ پھر آپ ہی کی تبلیغ سے حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمان بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر فرزندان قوم بھی حلقہ اسلام میں شامل ہو گئے۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور آپ کے دونوں بھائی حضرت قدامہ اور حضرت عبداللہ، حضرت عبیدہ بن حارث، حضرت سعید بن زید اور آپ کی اہلیہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں سب نے مصطفوی قافلہ تحریک دین اسلام میں شمولیت اختیار کر لی۔

حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد خواتین میں سے جو عورتیں اس دور میں مسلمان ہوئیں ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ (حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی) حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں۔

بگڑے ہوئے اور بھٹکے ہوئے معاشرے کے پیدا کردہ ان نامساعد حالات میں ایمان لانا اور پرانی قدروں کا ”جوا“ گلے سے اتار پھینکنا کوئی کھیل تماشا اور آسان کام نہ تھا بلکہ اپنی جان پر کھیلنے کے مترادف تھا۔ اس لئے ایسے ماحول سے ٹوٹ کر آنے والوں کو قدرت نے ایک خصوصی اعزاز بخشا اور عظمت و بزرگی کا ایسا تمغہ عطا کیا جس کے سامنے دنیاوی تمنغے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے۔ قرآن پاک نے انہیں ”سابقین واولین“ قرار دیا اور قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لئے انہیں منفرد و ممتاز قرار دے دیا۔

ان ممتاز اور ”افضل واول“ سعادت مندوں میں سے کچھ کا قدرے تفصیل سے تعارف پیش کیا جاتا ہے تاکہ ”وہ دور انقلاب“ اپنے پورے خدوخال کے ساتھ قارئین کرام کے سامنے آجائے اور راہ انقلاب کے ساتھیوں کو جوش و جذبہ ملے اور ان کا عزم توانا اور حوصلہ جوان ہو۔

سابقون الاولون کی وضاحت

اعلانِ نبوت کے بعد جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے وہ بارگاہِ خداوندی میں مقرب ہیں۔ قرآن کریم اور حضور انور نبی کریم روف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بشارت دی ہے۔ تاہم اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

سعید بن مسیب قتادہ اور ابن سیرین رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ سابقون الاولون سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں (بیت المقدس اور خانہ کعبہ) کی طرف منہ کر نماز پڑھی یعنی جو لوگ تحویل قبلہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے وہ اس میں شامل ہیں۔

عطاء ابن ابی رباح کا قول ہے کہ اس سے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں جو جنگِ بدر میں شریک ہوئے۔ شعبی کہتے ہیں کہ اس میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں جو حدیبیہ کی بیعت رضوان میں شریک تھے ایک اور قول یہ بھی ہے کہ سابقون الاولون میں وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں جو ہجرت سے قبل مسلمان ہو گئے تھے۔ (روح المعانی جلد 11 صفحہ 7 - تفسیر مظہری جلد 4 صفحہ 285)

سابقون الاولون

حضرت ام المؤمنین، سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی محبوب ترین اور قابل صد احترام بیوی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضور انور نبی کریم ﷺ ان کی بہت قدر کرتے تھے وجہ یہ تھی کہ یہ شروع ہی سے انقلاب کی راہوں کی ساتھی اور تحریک کے راستے میں پیش آنے والی تمام مشکلات میں قدم سے قدم ملا کر چلنے والی خاتون تھیں۔ یہی نہیں کہ دشمنوں کے لگائے ہوئے چر کے بڑی خندہ پیشانی اور صبر و استقامت سے سہتی اور ہر دکھ درد بڑے استقلال سے برداشت کرتی رہیں بلکہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو بھی اخلاقی اور مالی مدد فراہم کی۔ حوصلہ شکن حالات میں ڈھارس بندھائی۔

دلائل کے ساتھ روشن مستقبل دکھایا کہ آپ خوبصورت اوصاف، پسندیدہ خصائل، قابل تعریف اور مہذب عادت و اطوار کے مالک ہیں اس لئے راہ انقلاب میں ناکامی سے دوچار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کامیاب اور روشن مستقبل خود بھاگا ہوا آئے گا اور آپ کے مبارک قدموں پر نثار ہو جائے گا۔ یہ ابتلاء و آزمائش کے لمحات عارضی ہیں جب انقلاب کے قدم مضبوط ہوئے اور لوگوں نے اس کی ضرورت و اہمیت محسوس کی تو از خود ان کا رجحان اس طرف ہو جائے گا اور وہ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگیں گے اور ذوق و شوق کے ساتھ اس کاروان انقلاب اور قافلہ شوق و مستی میں شریک ہو جائیں گے۔

مشن اور تحریک کے لئے ان ہی عظیم، ناقابل فراموش اور ٹھوس خدمات کی وجہ سے حضور انور نبی کریم ﷺ نے انہیں افضل ترین خاتون قرار دیا اور بتایا ”وہ دنیا جہان کی عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔“

حضور پر نور نبی کریم ﷺ اعتراف خدمات کے طور پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بہت کثرت سے ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اتنا زیادہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی ذات پر رشک آنے لگا آخر ایک مرتبہ انہوں نے عرض کر دی کہ: آقا ﷺ آپ ایک بوڑھی خاتون کو اتنا کیوں یاد کرتے ہیں؟ جبکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے سرکار کو ان سے، ترحوان بیوی عطا فرمادی ہے۔ حضور پر نور ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! تمہارا خال غلط ہے۔ خدیجہ سے

بہتر اللہ پاک نے مجھے کوئی بیوی عطا نہیں فرمائی۔ خدیجہ خدیجہ ہی تھی۔ قوم نے میری تکذیب کی تو اس نے میری تصدیق کی لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انحراف کیا تو وہ صدق دل سے ایمان لائی۔ اپنی تمام دولت اثر رسوخ و قابلیت دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ نامساعد حالات میں وہ جرأت و ہمت اور تدبیر کے ساتھ مضبوط دیوار بن کر کھڑی ہو گئی اور میری ذات پر کیا جانے والا ہر وار اپنی ذات پر مہا، بت پرستوں کے حوصلوں کو پست کیا اور انہیں کوئی بڑی کارروائی کرنے کی جرأت نہ ہونے دی بھلا اس جیسا کون ہو سکتا ہے؟

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ باب فضائل خدیجہ ام المومنین رحمہا، حدیث: ۲۴۳۷)

تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ

اللہ کی ساری مخلوق میں سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں، مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کوئی مرد اور کوئی عورت آپ سے پہلے اسلام نہیں لایا۔“ (اکمال ابن اثیر جلد 2 صفحہ 37)

علامہ ابن ہشام اپنی السیرۃ النبویہ میں رقمطراز ہیں۔

”نبی کریم ﷺ پر حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ایمان لے آئیں۔ حضور ﷺ کی تصدیق کی اور رسالت کی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں حضور ﷺ کی ڈھارس بندھائی۔ آپ سب سے پہلے اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں۔ حضور ﷺ کی تصدیق کی۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اپنے محبوب نبی کے بوجھ کو ہلکا کیا۔ جب مخالفین حضور ﷺ کے ساتھ تلخ کلامی کرتے یا جھٹلاتے تو حضور پر نور ﷺ کو بہت دکھ ہوتا لیکن حضور ﷺ جب گھر تشریف لاتے تو ام المومنین رضی اللہ عنہا ایسی گفتگو کرتیں کہ غم و اندوہ کے بادل چھٹ جاتے۔ وہ حضور ﷺ کو ثابت قدمی پر ابھارتیں۔ اس غم کو ہلکا کرتیں۔ حضور ﷺ کی تصدیق کرتیں۔ اس طرح لوگوں کی مخالفتوں کے باعث دل کو جو ملال اور رنج پہنچتا اس کا ازالہ کر دیتیں اللہ تبارک تعالیٰ کی آپ پر رحمتیں ہوں۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 259)

ایمان لانے میں سب سے سبقت لے جانے اور ہر مرحلہ پر نبی کریم ﷺ کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کرتے رہنے کا صلہ بارگاہ الہی سے حضرت ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو یہ ملا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت جبریل کو حضور پر نور سرور انبیاء سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس بھیجا جب حضور ﷺ غار حرا میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے آکر عرض کی۔

”یا رسول اللہ! اپنے رب کی طرف سے اور میری طرف سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سلام پہنچائیے اور انہیں خوشخبری دیجئے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے لئے جنت میں موتیوں کا بنا ہوا ایک محل مخصوص کیا ہے جس میں کوئی شور نہیں ہوگا اور نہ کوئی کوفت۔ حضرت ام المومنین حضرت خدیجہ رضی

اللہ عنہا نے جواب دیا۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہی سلام ہے ساری سلامتیاں اسی سے ہیں۔ جبریل پر سلام ہو۔ اور یا رسول اللہ آپ پر سلام ہو نیز اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔“

(السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 175)

اس جواب میں بارگاہِ صمدیت کے آداب کا جس طرح خیال رکھا گیا ہے اس سے جہاں آپ کی عقلمندی اور دانشمندی کا پتہ چلتا ہے وہاں اس طرح آپ کی ایمانی قوت اور یقین کی نور افشائیاں بھی نمایاں ہو رہی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضور پر نور نبی کریم ﷺ ایک ہی محلے میں رہتے تھے اور تقریباً ہم عمر بھی تھے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ طبع و مزاج میں بڑی ہم آہنگی تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ شروع ہی سے بت پرست قوم کے جاہلانہ اطوار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ شراب سے انہیں نفرت تھی۔ طبیعت پر نفاست و متانت کا غلبہ تھا۔ انہوں نے قتل و غارت اور لوٹ مار میں کبھی حصہ نہ لیا۔ تجارت کے ذریعے حلال کمائی کو ترجیح دی اور دیانت و امانت کے بل بوتے پر کاروبار کو اتنا پھیلایا کہ آپ کا شمار مکہ کے امراء میں ہونے لگا۔ آپ پورے عرب میں بڑے اثر و رسوخ کے مالک اور باعزت باشعور انسان تھے اور سب انہیں احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد 3 صفحہ 29)

ان سلجھے ہوئے خصائل نے انہیں حضور انور نبی کریم ﷺ کے بہت قریب کر دیا تھا یہ بھی حضور پر نور ﷺ کی ذات گرامی کی یکتائی اور کردار و سیرت کی انفرادیت سے بہت متاثر تھے ان کے ہر عمل میں دلکشی، پاکیزگی اور ندرت ہوتی تھی۔ یہ محسوس کرتے تھے کہ محمد ﷺ بڑی ہی غیر معمولی شخصیت کے مالک ہیں زمانے کی جہالت کے باعث وہ اس کی صحیح توجیہ کرنے سے قاصر تھے۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ حقیقت واضح ہونے لگی اور سربستہ راز کھلنے لگے۔ انہیں پتہ چل گیا کہ ان کے مہربان دوست مستقبل کے بہت بڑے انسان ہیں اتنے بڑے کہ موجودہ حالات میں وہ اس بڑائی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

بعثت سے پہلے حضور انور نبی کریم ﷺ روؤف و رحیم ﷺ اور حضرت ابو بکر کے درمیان گہرے دوستانہ مراسم تھے ایک دوسرے کے پاس آمد و رفت، نشست و برخاست، ہر اہم بات پر صلاح مشورہ ہر روز کا معمول تھا۔ کئی تجارتی سفر جو بیرون ملک پیش آئے ان میں بھی ابو بکر حضور ﷺ کے ہم سفر رہے طبیعتوں میں کمال یکسانیت کے باعث باہمی انس و محبت بھی درجہ کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ اس بے تکلف میل جول کے باعث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور پر نور سرورِ دو عالم ﷺ کے کمالات و محامد کے عینی شاہد تھے اور دل سے گرویدہ تھے۔ اس عرصہ میں آپ نے کئی خواب دیکھے جنہوں نے آپ کے قلب و ذہن کو حضور ﷺ کی محبت اور عقیدت کا گہوارہ بنا دیا تھا۔

شیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے الروض الانف کے حوالے سے ایک خواب کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہے۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک رات خواب دیکھا کہ چاند مکہ میں اتر رہا ہے اور تمام گھروں میں اس کی روشنی پھیل گئی ہے اور اس کا ایک ایک ٹکڑا ہر گھر میں گرا ہے۔ پھر آپ نے دیکھا کہ چاند کے ٹکڑے ہوئے ٹکڑے یکجا ہو گئے اور وہ مکمل چاند ان کی گود میں آ گیا۔ اہل کتاب کے کسی عالم سے آپ نے اس خواب کی تعبیر پوچھی اس نے بتایا کہ وہ نبی آخر الزمان جس کی آمد کے ہم منتظر ہیں اور جس کے ظہور کی گھڑی بالکل قریب آ گئی ہے وہ ظاہر ہو گا۔ اور آپ اس کی اطاعت و پیروی کریں گے اور اس کی اطاعت کی برکت سے آپ سارے جہان میں سعید ترین شخص ہوں گے۔ ایسے خوابوں نے اور ہر روز نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے کمالات کے مشاہدہ نے انہیں اس آواز والہام غیب کے لئے سراپا گوش بنا دیا جس کا سارے عالم کو انتظار تھا اور علماء کتاب جس کی آمد کا برملا اعلان کرتے رہتے تھے۔

مختلف سفروں کے دوران میں آپ نے حضور ﷺ سے ایسی علامت دیکھی تھیں جو حضور ﷺ کی عظمت شان اور درخشاں مستقبل کی پیشین گوئی کر رہی تھیں، گویا رحمت خداوندی نے اپنے محبوب ﷺ کی رفاقت کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جن لیا تھا۔ اور وہی طور پر ان کو یوں تیار کر لیا تھا کہ ادھر نور نبوت چمکے ادھر یہ اس کے اجالے کو عام کرنے کے لئے اپنی ساری توانائیاں پیش کر دیں ادھر دعوت حق کا اعلان ہو ادھر لبیک اللہم لبیک کی صدا ائیں اس کے استقبال کے لئے ان کی دل کی گہرائیوں سے بلند ہونے لگیں۔ چنانچہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے جب آپ کو ایمان لانے کی دعوت دی تو بلا ادنیٰ تاہل انہوں نے اس کو قبول کر لیا۔

حضور پر نور، سرور دو عالم ﷺ خود فرماتے ہیں۔

”میں نے جس کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو اس کا پاؤں پھسلا اور وہ تشویش میں مبتلا ہوا اور غور و فکر کرنے لگا سوائے ابوبکر کے۔ اس نے نہ تردد کیا اور نہ جھجکا۔“

(سبل الہدیٰ والارشاد جلد 2 صفحہ 406)

حقیقت یہ ہے کہ ورقہ اور دیگر علماء اور راہبوں نے حضور نور ﷺ کے بارے میں بڑی پیش گوئیاں کی تھیں جن کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔ آپ کو یقین تھا کہ اس ہستی کو اللہ تبارک تعالیٰ نبی بنا کر مبعوث فرمانے والا ہے اور اس گھڑی کے لئے آپ شدت سے منتظر رہا کرتے تھے کہ حضور اپنی نبوت کا اعلان کریں اور یہ جلدی سے حضور ﷺ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے ایمان لانے کا شرف حاصل کریں چنانچہ ایک روز، آپ حکیم بن حزام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حکیم کی لونڈی اس کے پاس آئی اور بتایا کہ آپ کی پھوپھی خدیجہ آج یہ خیال کر رہی ہیں کہ ان کے خاوند نبی مرسل ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام تھے۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموشی سے کھسک گئے اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے، اور آپ سے خبر دریافت کی حضور انور ﷺ نے وحی کی آمد کا واقعہ انہیں بتایا اور آگاہ کیا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اسی وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔

”آپ نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ نے سچ فرمایا ہے اور آپ سچوں میں سے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے بغیر اور کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تبارک تعالیٰ کے رسول ہیں۔“ علامہ زرقانی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

شرح مواہب اللدنیہ میں علامہ زرقانی لکھتے ہیں۔

”کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایمان کے فوراً بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے کیونکہ آپ کو یہ توقع تھی کہ حضور ﷺ اپنی نبوت کا اعلان فرمانے والے ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ کے بارے میں آپ نے ورقہ بن نوفل سے بہت کچھ سنا تھا۔ ایک روز حکیم بن حزام کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے کہ ان کی لونڈی آئی اور حکیم کو بتایا کہ ان کی پھوپھی خدیجہ (رضی اللہ عنہا) آج کہہ رہی تھیں کہ ان کے خاوند موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی مرسل ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چپکے سے وہاں سے کھسک گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔“ (محمد رسول اللہ، محمد صادق العرجون جلد 1 صفحہ 522)

اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جو توصیف اور مدح حضور ﷺ نے فرمائی ہے وہ مضمون کے اعتبار سے بالکل ایک جیسی ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے متعلق یہ حدیث، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ذکر پاک میں گزر چکی ہے اس لئے یہاں اسے دوہرایا نہیں جائے گا۔ ہاں اسی سے ملتے جلتے الفاظ و انداز حضور پر نور ﷺ نے اس وقت فرمائے جب ایک موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں کچھ تلخ کلامی ہو گئی۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ کو اس سے بڑی تکلیف ہوئی حضور ﷺ نے حضرت عمر کو فرمایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر مبعوث کیا تو تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا یہ سچا ہے۔ اس نے اپنی ذات اور مال سے میری دلجوئی کی۔ کیا تم میرے لئے میرے اس دوست کو چھوڑ دو گے یا نہیں۔

ان احادیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ (محمد رسول اللہ، محمد صادق العرجون جلد 1 صفحہ 523)

آپ کا نام عبدالکعبہ تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام بدل کر عبد اللہ رکھا۔ ابوبکر آپ کی کنیت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

”خصال حمیدہ میں جدت طراز ہونے کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوبکر رکھی گئی۔“

آپ کا لقب عتیق تھا، کیونکہ آپ بڑے خوب رو اور خوش شکل تھے اس لئے آپ کو عتیق کے لقب سے ملقب کیا گیا اور بعض کے نزدیک یہ لقب سرورِ دو عالم ﷺ نے آپ کو دیا کیونکہ حضور ﷺ نے آپ کو خوشخبری دی کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کو آتشِ جہنم سے آزاد کر دیا۔

اب رہا یہ سوال کہ سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف کس کو حاصل ہوا۔

اس کے بارے میں عرض ہے کہ اس امر پر تمام ائمہ متفق ہیں کہ ساری امت اسلامیہ میں سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان کے بعد اولیت کا شرف حضرت علی مرتضیٰ کو حاصل ہوا یا صدیق اکبر کو اس کے بارے میں متعدد روایات ہیں علماء ربانین نے ان مختلف روایات میں یوں تطبیق کی ہے۔ کہ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوا بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حضرت علی مرتضیٰ کو حاصل ہوا اور بالغ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے کی سعادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔ انہوں نے اسلام قبول بھی کیا اور اس کا اعلان بھی کیا۔ غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔

لیکن ابن جوزی صفوة الصفوة میں شععی سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے درج ذیل اشعار کی روایت کرتے ہیں۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے عربی اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

”جب تم اپنے قابل اعتماد بھائی کے حزن و ملال کو یاد کرنا چاہو تو اپنے بھائی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یاد کرو ان تکالیف کے باعث جو انہوں نے برداشت کیں۔ حضور انور نبی کریم ﷺ کے بعد وہ ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ متقی اور سب سے افضل تھے انہوں نے جو ذمہ داری اٹھائی اس کو پورا کرنے میں سب سے زیادہ وقار دار تھے۔ حضور ﷺ کے بعد آنے والے دوسرے آپ تھے آپ کا مشہد قابل تعریف تھا اور ان لوگوں میں سب سے پہلے تھے جو رسولوں پر ایمان لائے۔“ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 2 صفحہ 406)

علامہ سہلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ مدحیہ اشعار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھے۔ حضور انور نبی کریم ﷺ نے انہیں سنا اور ان کی تردید نہیں کی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا۔ آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے میں اولیت کا شرف حاصل ہوا۔

ابن کثیر اپنی السیرۃ النبویہ میں لکھتے ہیں کہ

آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے کا اعزاز آپ ہی کو حاصل ہے بچوں میں یہ اعزاز

پانے والے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیر خدا ہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر، جلد 1 صفحہ 437)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں۔

ایک شخص نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے آپ ہیں یہ بڑی عزت کی بات ہے پھر مہاجرین و انصار نے آپ کے ہوتے ہوئے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کیسے کر لی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

”اس قسم کا دعویٰ حقیقت سے انحراف کے مترادف ہے اصل بات یہ ہے کہ چار باتوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مکمل سبقت حاصل ہے۔“

وہ سب سے پہلے اسلام لائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی غار ثور کی خلوتوں میں ساتھ رہے جبکہ وہاں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور کوئی نہ تھا اور چوتھی بات یہ کہ مکہ مکرمہ میں علانیہ نماز پڑھتے رہے جبکہ میں شعب ابی طالب رضی اللہ عنہ میں محصور تھا۔ (حاشیہ ذی دحلان، السیرۃ الحلبیہ، جلد 1 صفحہ 173)

جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے۔ یہ اس دور کے حوالے سے اتنی بڑی رقم ہے جسے خزانہ کہا جاسکتا ہے مگر آپ نے دین و ایمان کے فروغ کے لئے یہ خزانہ بے دریغ اسلام کی راہ میں لٹا دیا۔

چونکہ کاروباری حلقوں میں جانے پہچانے امیر کبیر اور با اثر آدمی تھے اس لئے اپنے قریبی حلقے تک آپ نے مصطفوی مشن کی بات پہچانا شروع کر دی اور انہیں بتایا کہ ہم لوگ تاریکیوں کے مسافر ہیں اور بے مقصد زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارے موجودہ معاشرے کی حرکتیں اور خصلتیں حیوانوں اور درندوں سے مختلف نہیں۔ یہاں جنگل کا قانون نافذ ہے کسی کی عزت و آبرو محفوظ نہیں، کوئی ضابطہ اخلاق نہیں بے لگام زندگی کے جاہلانہ اطوار پوری انسانیت کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔

انسانی شرف و مقام حاصل کرنے کے لئے ہمیں یہاں ایک صالح انقلاب کی ضرورت ہے جو موجودہ معاشی معاشرتی اور اخلاقی قدروں کو بدل ڈالے اور انسان کو ضلالت و مذلت سے نکال کر عظمت سے آشنا کرے اس مقصد کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمادیا ہے وہ اپنی تمام تر خوبیوں اور جلوؤں کے ساتھ منظر عام پر آ گئے ہیں۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اس آفتاب کرم سے ہدایت کی کرنیں لے کر اپنے دلوں کے شب کدوں کو اجالوں میں بدلیں اور انسان بنیں۔ یاد رکھو! اگر ہم نے یہ زریں اور حسین موقعہ کھو دیا تو ہماری طرف سے کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو گونا گوں صفات حمیدہ سے متصف فرمایا تھا۔ نسبی لحاظ سے آپ کا خاندان قوم قریش میں با معزز شمار ہوتا تھا۔ آپ بڑے کامیاب تاجر تھے کاروبار میں راست بازی، لین دین میں دیانتداری آپ کا طرہ امتیاز تھا، غریبوں کی امداد، یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی آپ کا معمول تھا زمانہ جہالت کی

آلودگیوں سے آپ کا دامن پاک تھا آپ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔

وَفِي السِّيَرَةِ الْحَلَبِيَّةِ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ لَمْ يَسْجُدْ لِصَنَمٍ قَطُّ

”سیرت حلبیہ میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔“

(السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی و حلان جلد 1 صفحہ 179)

اخلاق باختگی کے اس دور میں مے خواری، قمار بازی سے آپ ہمیشہ دور رہے۔ دولت مند ہونے کے باوجود غرور اور تکبر کی انہیں ہوا تک نہ لگی تھی۔ بات کے سچے، وعدہ کے پکے، بڑے خوش خلق، بلند کردار عالی ظرف، تحمل و بردباری کے پیکر الغرض ان صفات جمیلہ کے باعث تمام اہل مکہ دل سے ان کا احترام کرتے تھے معاشرہ کے ہر طبقہ میں ان کی عزت کی جاتی۔

آپ کے پاس آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہر شخص سے آپ عزت سے پیش آتے اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی دلجوئی کرتے۔ ان خداداد خوبیوں کے باعث آپ کے احباب کا ایک وسیع حلقہ معروض وجود میں آگیا تھا جو مکہ کے چیدہ چیدہ افراد پر مشتمل تھا ان لوگوں کو آپ پر مکمل اعتماد تھا۔ ہر اہم کام میں مشورہ کے لئے وہ لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے اور آپ کی صائب رائے سے مستفید ہوتے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے جب آپ کو شرف ایمان سے مشرف فرمایا اور دل نور ہدایت سے منور ہو گیا تو آپ کی طبع فیاض نے گوارا نہ کیا کہ لوگ اندھیروں میں بھٹکتے رہیں۔ آپ نے اپنے دوستوں کے حلقہ میں تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا جن پر آپ کو اعتماد تھا۔ چنانچہ آپ کی کوشش بار آور ہونے لگیں اور بڑی بڑی عظیم شخصیتیں دین اسلام کو قبول کر کے امت مسلمہ میں شامل ہونے لگیں وہ سعادت مند روہیں جو حضرت صدیق اکبر کی مساعی جمیلہ سے مشرف باسلام ہوئیں ان میں سے چند کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

☆ حضرت عثمان بن عفان

☆ حضرت زبیر بن العوام

☆ حضرت عبدالرحمن بن عرف

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص

☆ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم اجمعین

آپ کی کوششیں جاری تھیں اور وقت کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بہت منظم، مدلل و موثر طریقہ سے بڑے پیمانے پر جاری تھیں کہ اس کے (مندرجہ بالا افراد کا اسلام لانے کے) دوسرے روز ہی خوش نصیبوں کا ایک اور گروہ لے کر حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ ان حضرات نے بھی رہبر کائنات ہادی دو جہاں ﷺ کے دست مبارک و ہدایت بخش پر ہاتھ رکھ کر بیعت اسلام کی

☆ حضرت ابو عبیدہ بن جراح

☆ حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد

☆ حضرت ارقم بن ابی ارقم

☆ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم اجمعین (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 439)

آپ کی موثر گفتگو اور ترغیب نے جن خوش نصیبوں کو اسلام کے دائرے میں آنے کا موقعہ فراہم کیا ان میں ایسی شخصیات بھی ہیں جن کی صلاحیتوں نے اسلام کی قابل قدر اور نمایاں خدمات انجام دیں اور تاریخ کے صفحات پر گہرے نقوش ثبت کئے جن کا نام سن کر آج بھی مسلمانوں کی آنکھیں عقیدت و محبت سے جھک جاتی ہیں اور دل ان کی عظمتوں کو سلام کہتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

پنجمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے جب دعوائے نبوت فرمایا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک دس سال تھی مگر قدرت نے ذہن رسا اور فہم ثاقب و ہدایت طلب عطا فرمایا تھا۔ اس کم عمری میں بھی بات کی گہرائی اور معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے اس لئے آپ کو حق و صداقت کی روشنی پہچاننے اور منزل مقصود تک پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ قدرت نے بھی کچھ ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ یہ راہ آسان ہو گئی اور آپ کو منبع ہدایت پر پہلے ہی پہنچا دیا۔ ہوا یوں کہ ان ہی دنوں سرزمین عرب کو قحط نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، معاشی حوالے سے وہاں کے حالات اتنے دگرگوں اور اتر تھے کہ ذرا سی خشک سالی ان کے ہوش اڑا دیتی تھی اور وہ سب کچھ فراموش کر کے روٹی کی فکر میں لگ جاتے تھے اس وقت ان کے سامنے ایک ہی مسئلہ ہوتا تھا کہ پیٹ کی آگ کیسے بجھائی جائے۔

حضور ﷺ کو اپنے چچا ابوطالب رضی اللہ عنہ کے گھریلو حالات کا علم تھا وہ عیال دار آدمی تھے مگر آمدن کے ذرائع محدود تھے اس لئے خشک سالی کے دنوں میں عسرت اور تنگی سے گزر بسر ہوتی تھی۔ جب تک حضور ﷺ وہاں رہے انہوں نے بھی آسودگی کا منہ دیکھ لیا تھا مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کے بعد حضور ﷺ نے اپنا گھرا لگ بسالیا تھا اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے گھر میں پھر پہلے جیسے حالات پیدا ہو گئے تھے۔

قریش میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ خوشحال اور کھاتے پیتے آدمی تھے اپنے بھائی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وہ اکثر و بیشتر مالی امداد کرتے رہتے تھے مگر جب تک معقول ذرائع آمدن نہ ہوں کسی کی محدود امداد کب تک فائدہ دے سکتی ہے؟ اس لئے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے شب و روز وہی تھے۔ ان ہی معاشی حالات کے پیش نظر ایک دن حضور پر نور نبی کریم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور فرمایا:

آپ جانتے ہیں اس وقت ملک میں قحط و مایوسی کا حال ہے۔

بھائی ابوطالب رضی اللہ عنہ صورت حال سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوئے ہیں میرا خیال ہے کہ ہم دونوں مل کر ان کا بوجھ ہلکا کریں اور ان کا ایک ایک بیٹا لے لیں تاکہ چچا ابوطالب رضی اللہ عنہ پر قدرے معاشی بوجھ کم ہو اور وہ سکھ کا سانس لیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ ہمدردانہ تجویز بہت پسند آئی چنانچہ دونوں حضرات ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اپنی تجویز سے آگاہ کیا وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے کہا: عقیل اور طالب کو میرے پاس رہنے دیں باقی دو بچوں کو بے شک لے جائیں۔

اس وقت ان کے چار بچے تھے سب سے چھوٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے ان سے دس سال بڑے حضرت جعفر تھے ان سے بڑے حضرت عقیل تھے یہ تینوں حضرات بعد میں اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے لیکن چوتھا بیٹا طالب اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہا۔

وہ سب ایک دوسرے سے دس دس سال چھوٹے تھے اور ترتیب یہ تھی۔ طالب، عقیل، جعفر اور علی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو سب سے کمن تھے حضور انور رحمت دو عالم نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنی کفالت میں لے لیا اور جعفر کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ لے گئے۔ اس طرح اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت علی کو اعلان نبوت سے پہلے ہی آغوش نبوت میں پہنچا دیا۔ تاکہ یہ قطرہ، صدف احمدی میں پرورش پا کر در شہواز بنے اپنے علمی اور روحانی انوار مبینہ سے تاقیامت اکناف عالم کو منور اور روشن کرتا رہے۔

آپ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

جب میرا یہ بچہ پیدا ہوا تو حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اس کا نام علی رکھا۔ اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اپنی زبان مبارک اس مولود مسعود کو چوسنے کے لئے اس کے منہ میں ڈالی جسے یہ بچہ چوستا رہا یہاں تک کہ سو گیا۔ (السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 182)

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

ایک روز آپ کا شانہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں نماز پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا آپ یہ کیا کر رہے ہیں۔

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ یہ اللہ کا دین ہے جسے اس نے اپنے لئے پسند کیا ہے اور اس کی تبلیغ کے لئے مجھے رسول مبعوث کیا ہے۔ پس میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لاؤ اور اس کی عبادت کرو۔ اور لات وعزئی کے ساتھ کفر کرو۔“ (السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 182)

حضرت علی نے جواب دیا یہ عجیب بات ہے اس کے بارے میں، میں نے آج تک نہیں سنا۔ جب تک میں اپنے والد سے مشورہ نہ کر لوں میرے لئے کوئی فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اے علی! اگر تم اسلام نہیں لانا چاہتے تو کم از کم اس راز کو افشا نہ کرنا۔

ایک رات یوں ہی گزر گئی۔ پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے دل کو نور ایمان سے روشن کر دیا تو وہ صبح سویرے حضورِ نور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ سوموار کا دن تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو مع ام المومنین رضی اللہ عنہا نماز پڑھتے دیکھا۔ منگل کے روز آپ مشرف باسلام ہوئے اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی۔ ایک روایت میں آپ کی عمر دس سال بیان کی گئی ہے اگرچہ آپ بالغ نہیں ہوئے تھے لیکن سن تمیز کو پہنچ چکے تھے۔ ابتداء میں آپ نے ایمان کو اپنے والد کے خوف سے پوشیدہ رکھا۔

جب بھی نماز ادا کرنا ہوتی حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مہربان و مربی اور شفیق آقا اور بے مثال و کامل رہنما حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ہمراہ، بیرونی پہاڑیوں پر تشریف لے جاتے اور وہاں چھپ کر نماز ادا فرماتے، عرصہ تک یہی معمول جاری رہا۔ ایک روز اتفاق سے ادھر حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ آ گئے۔ یہ قیام و رکوع اور جلسہ و جدہ اور عبادت کا انداز دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ان کے لئے یہ بالکل نئی بات تھی ایسی عبادت اور پرکشش حرکات سے وہ واقف نہ تھے کھڑے کھڑے دیکھتے رہے۔ جب دونوں حضرات فارغ ہوئے تو پوچھا:

اے بھتیجے! یہ کون سا دین ہے؟ جس پر میں تجھے کار بند دیکھ رہا ہوں؟

حضور ﷺ نے جواب دیا:

”اے محترم چچا! یہ اللہ کا دین ہے۔ اس کے فرشتوں کا دین ہے اس کے رسولوں کا دین ہے۔ اور ہمارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر اپنے بندوں کی طرف مبعوث کیا ہے اور اے محترم چچا! آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ میں آپ کو نصیحت کروں اور ہدایت کی دعوت دوں اور آپ سب سے زیادہ حق دار ہیں کہ میری اس دعوت کو قبول کریں۔ اور اس سلسلہ میں میری مدد کریں۔“

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میرے بھتیجے! میں (سردست) اپنے آباء کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن بخدا کوئی شخص تیرے قریب نہیں آ سکتا کہ تمہیں تکلیف پہنچائے جب تک میں زندہ ہوں۔“

(السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 265)

انہوں نے اپنے فرزند حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ ہی لیا تھا۔ پوچھا اے بیٹے علی یہ کیسا دین ہے جو تو نے اختیار کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا۔

”اے میرے باپ! میں اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آیا ہوں اور جو دین لے کر یہ آئے ہیں اس کی میں نے تصدیق کی ہے اور آپ کی معیت میں اللہ کے لئے نماز پڑھی ہے اور آپ کی پیروی کی ہے۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے علی! انہوں نے تمہیں خیر کی طرف بلایا ہے ان کا

دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 265)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

آپ کے بارے میں تفصیل اس سے پہلے باب (اوراق) میں گزر چکی ہے اور آپ کے ایمان لانے کے بارے میں وضاحت سے یہ بیان سیرت کی مختلف کتابوں میں درج ہے کہ آپ سابقوں الاؤلون میں سے ہیں اور آزاد شدہ غلاموں میں سے سب سے پہلے آپ ایمان لائے اور غلاموں میں حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے میں اولیت کا شرف حاصل ہوا۔

(سبل الہدی والرشاد، جلد 2 صفحہ 406)

قارئین کرام

اب مختصر، تھوڑا تھوڑا چند سابقوں الاؤلون کے بارے میں

ان کے بارے میں لکھے جانا ان کا حق ہے، ہمارا احترام کرنا ہے اور امت مسلمہ کے لئے باعث سعادت ہے۔ ان پر لکھے گئے کو بھی پورے احترام، دلچسپی اور توجہ سے پڑھیں کہ ان کے اس آئینے میں آپ حضور پر نور ﷺ کو ہی دیکھیں گے۔ وہ جن تکالیف، اذیتوں، پریشانیوں، مصائب و مشکلات و دشواریوں سے گزرے وہ سب ان کے دین اسلام اختیار کرنے کے سبب تھیں۔

کیونکہ آپ ﷺ ہی ان سب کے حالات سے باخبر رہنے والے، ان کے دکھ درد و کوشدت سے محسوس کرنے والے، ان کا مداوا کرنے والے، تسلی و تشفی دینے والے، دلجوئی کرنے والے، صبر و استقامت بڑھانے والے، حوصلہ اور سہارا دینے والے کامل مسیحا تھے یوں ان کے دکھ آپ ﷺ ہی کے دکھ درد تھے۔ یعنی کہ ان کے شب و روز بھی ایک طرح سے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم ﷺ کے ہی شب و روز تھے اور اس کتاب کا مقصد واقعی سیرت طیبہ کو واقعی انداز میں، حتی الامکان ایک تسلسل سے، ممکن حد تک آپ ﷺ کے شب و روز ہی بیان کرنا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے توفیق دی تو زیادہ سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمایاں ایمان افروز حالات و واقعات ایک تسلسل (یعنی زمانہ وقوع کے لحاظ سے) بیان کرنے ہیں ہمیں ان سب کی بہت عزت، احترام و قدر کرنی ہے کیونکہ یہ تمام شمعیں حضور پر نور ﷺ کے نور پاک سے روشن ہیں اور ہر سو اسی کی ضیا پاشی کر رہی ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

آپ خلفاء راشدین میں سے خلیفہ ثالث تھے۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے۔ آپ امیر المومنین بنے اور آپ کے زمانہ خلافت میں مندرجہ ذیل ممالک فتح ہوئے۔ قبرص۔ اصطر۔ خوز۔ فارس کا آخری حصہ۔ طبرستان۔ دارا بجر۔ کرمان۔ بھستان۔ ساہور و غیرہ

(السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ ۱۸۷)

حضور انور نبی کریم ﷺ نے اپنی دو صاحب زادیاں یکے بعد دیگرے آپ کو نکاح کر کے دیں، اسی لئے ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی خوشحالی کے لئے آپ نے بڑی فیاضی سے اپنی دولت لٹائی۔ آپ بڑے کامیاب تاجر تھے۔ آپ کا چہرہ بڑا خوبصورت، جلد ریشم کی طرح نرم، گھنی داڑھی، گندم گوں رنگ تھا۔ آپ کو ذی الحجہ کی اٹھارہ تاریخ، بروز جمعہ باغیوں نے شہید کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک بیاسی سال تھی۔ آپ کی شہادت ۳۵ھ میں ہوئی۔ آپ ان دس خوش نصیبوں میں سے تھے جن کو حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے جنت کی خوشخبری دی تھی اور جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔

(محمد رسول اللہ، محمد رضا، صفحہ ۷۷)

آپ ﷺ نے فرمایا:

”ہر نبی کے کچھ رفیق ہوتے ہیں، میرے رفیق جنت میں عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔“

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ہر صحابی کو کوئی نہ کوئی اعزاز، امتیاز حاصل ہے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین ہونے کے علاوہ بیعت رضوان کا ہیرو ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

بیعت رضوان کا ہیرو

ذی قعد سن ۶ ہجری

مکہ معظمہ سے ۱۳ کلومیٹر باہر حدیبیہ کے مقام پر ایک نیم خشک چشمے کے کنارے بول کے درخت کے نیچے رحمت اللعالمین خاتم النبیین ﷺ کو اپنے حلقہ میں لئے چودہ سوا حرام پوش جاں نثار ان رسول ﷺ جمع ہیں۔ ان کی سواری کے جانوروں کے علاوہ دور دور تک قربانی کے اونٹ دکھائی دیتے ہیں جن کی گردنوں میں علامت کے طور پر قلا دے پڑے ہوئے ہیں۔ چودہ سو قدوسیوں کے اس مجمع میں ایک گھمبیر سا جوش و خروش ہے۔ چہرے متممائے ہوئے ہیں، زبانیں خاموش ہیں، آنکھیں اپنے ہادی و آقا ﷺ کے روئے اقدس پر جمی ہوئی ہیں اور سارا مجمع ہمہ تن گوش ہے کہ دیکھیں حضور پر نور ﷺ کیا حکم دیتے ہیں۔

مجمع کی حالت تیغ و کفن باندھے ہوئے مرنے مارنے والوں کی سی ہے۔ قریش مکہ نے حضور پر نور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عمرہ کی غرض سے مکہ میں داخلہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ ایسا کرنے کا انہیں کوئی حق حاصل نہیں۔ بیت اللہ کے حج و عمرہ کا یکساں حق تمام قبائل عرب کو حاصل ہے۔ اس پر قریش کی اجارہ داری نہیں کہ جس کو چاہیں حج و عمرہ کرنے دیں اور جس پر چاہیں بیت اللہ کے دروازے بند کر دیں۔

حضور انور ﷺ کی سفارتی کوششیں ابھی بار آور نہیں ہوئی۔ قریش اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں چونکہ آپ ﷺ کی نیت جنگ و جدال کی نہیں بلکہ رامن، طرقتے سے عمرہ کر کے، حلالہ، زکاء، حرامہ

لئے میانوں میں بندگواروں کے سوا کوئی دوسرا اسلحہ ساتھ نہیں اور پر امن عزائم کا مزید ثبوت یہ ہے کہ قریش کے حملہ آور دستوں کو گرفتار کرنے کے بعد غیر مشروط طور پر رہا کر دیا ہے اور مصالحت کی ایک اور کوشش کے طور پر اپنے معتمد علیہ، مخلص اور جان نثار صحابی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قریش کی طرف سفیر بنا کر بھیجا ہے۔

وہ آپ ﷺ کے داماد بھی ہیں، حقیقی پھوپھی کے نواسے بھی ہیں اور قریش کے طاقتور اور صاحب اثر قبیلے بنی امیہ کے ایک معزز فرد بھی۔ بہت سنجیدہ مزاج، حلیم الطبع اور وجیہہ انسان ہیں لیکن کئی دن گزر چکے ہیں اور عثمان رضی اللہ عنہ واپس نہیں آئے۔ لشکر اسلامی میں افواہ گشت کرنے لگی ہے کہ داماد رسول ﷺ کو قریش نے شہید کر دیا ہے۔ اس سے ایک عام اضطراب اور اشتعال کی کیفیت سب پر طاری ہے۔ بڑا نازک موقع ہے۔ مسلمان اپنے مرکز سے اندازاً 450 کلومیٹر دور ہیں۔ جنگی تیاری بھی کر کے نہیں آئے، کوئی جنگی ساز و سامان ساتھ نہیں جبکہ دشمن کو ہر قسم کے وسائل حاصل ہیں۔

آخر پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور رحمت اللعالمین ﷺ کی باوقار آواز بلند ہوتی ہے۔

”اللہ کے مومن بندو! ہم صرف پر امن طریقے سے عمرہ کرنے کے ارادے سے آئے ہیں۔ ہم نے قریش کو ہر ممکن طریقے سے اپنے پر امن مقاصد کا یقین دلانے کی کوشش کی اور چاہا کہ وہ ہم سے معاہدہ کر لیں۔ آخری چارہ کار کے طور پر ہم نے عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ کئی دن ہو گئے نہ تو وہ خود واپس آئے نہ ان کی طرف سے کوئی خبر آئی۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے میں عثمان کے قصاص کے لئے اس وقت تک لڑوں گا جب تک میری گردن الگ نہ ہو جائے اور اللہ تبارک تعالیٰ اپنا فیصلہ پورا نہ کر دے۔ تم میں سے کون ہے جو میرے ہاتھ پر خون عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت کرتا ہے؟“

پھر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر بیعت کے لئے اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ ہاتھ عثمان کا ہے۔ یہ دیکھ کر ایک صحابی نے بے اختیار کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے نبی ﷺ کا ہاتھ اس کے اپنے ہاتھ سے بہتر ہے۔ چودہ سو قہ و سیویں کے مجمع کا جوش و خروش اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ سب آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ دست رسول ﷺ میں دینے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرنے لگے۔ مجمع میں ایک بھی فرد ایسا نہ رہا جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لئے لڑنے اور جان تک دے دینے کا مقدس عہد نہ کیا ہو۔

تاریخ میں یہ بیعت، بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہوئی۔ جب قریش کے جاسوسوں نے حضور پر نور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عزم بالجزم کی اطلاع انہیں پہنچائی تو ان کی عقل ٹھکانے آئی۔ انہوں نے نہ صرف عثمان رضی اللہ عنہ کو رہا کر دیا بلکہ انہیں عمرہ کر لینے کی پیشکش بھی کی لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جب

نورام النور نور رحمۃ للعالمین ۱۴۷ ۰ جلد دوم

تک رسول اللہ ﷺ عمرہ نہیں کرتے میں بھی نہیں کروں گا۔ پھر آپ حضور انور ﷺ کی خدمت میں واپس پہنچے اور قریش کے حالات و خیالات سے آگاہ کیا۔

مدینہ واپسی کے سفر کے اثناء میں ضحنان کے مقام پر سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اس صلح کو رسول ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ کے لئے ”فتح مبین“ قرار دیا اور ان چودہ سو مسلمانوں سے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا جو بیعت رضوان میں شامل ہوئے۔

سورہ فتح آیت ۱۰ میں ارشاد رب العالمین ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَتْ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

”اے نبی! جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا“۔ (سورہ فتح آیت ۱۰)

سورہ فتح آیت ۱۸ میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد یوں ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ (سورہ فتح آیت ۱۸)

”اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا اس لئے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی۔ ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی اور بہت سا مال غنیمت عطا کیا جسے وہ (عنقریب) حاصل کریں گے۔ اللہ زبردست اور حکیم ہے۔“

سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ”ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا“ فرما کر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ انہوں نے اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ”اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے“۔

یہ سب کچھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر ہوا اور ان کی طرف سے خود رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مار کر بیعت کی جو عثمان رضی اللہ عنہ پر آپ ﷺ کے انتہائی اعتماد پر شاہد ہے۔ یہ عز و شرف یہ خصوصیت اور یہ امتیاز کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سکا۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک دوسرے تمام لوگوں کے ہاتھوں اور جانوں سے عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کتنا افضل اور ان کی جان کتنی اہم عزیز اور گرامی تھی! اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ اعزاز بنی امیہ کے سب سے پہلے مسلمان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھ دیا تھا کہ ان کے قصاص کی خاطر بیعت کرنے والوں کو اپنی خوشنودی اور بخشش و رحمت کا ابدی ٹھوٹلیٹ عطا فرمائے۔ یہی بیعت رضوان فتح مکہ کی بنیاد بن گئی۔

صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی اشاعت ترقی اور عروج کی راہیں کھل گئیں۔ رسول اللہ ﷺ اور جان نثاران رسول ﷺ کی سیرت و اخلاق نے ہزاروں دلوں کو بے تیغ و تنگ فتح کر لیا۔ ان فتوحات و برکات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارت مکہ اور آپ کے انتقام کے لئے لی گئی بیعت رضوان کو بڑا دخل ہے۔ بیعت رضوان کے فوراً بعد خیبر فتح ہوا اور بالآخر دو سال بعد خود مکہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

نسب اور خاندان

حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی! قریش کا مشہور قبیلہ بنو امیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پردادا امیہ سے منسوب ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر حضور پر نور رسول اکرم ﷺ سے مل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ اردوی بنت کریم حضور پر نور ﷺ کی پھوپھی ام حکیم بیضا بنت عبد المطلب کی صاحب زادی تھیں۔ آپ حضور انور نبی کریم ﷺ کی پھوپھی کے نواسے تھے۔ بنی امیہ کے خاندان کو زمانہ جاہلیت سے عز و شرف اور اقتدار حاصل تھا۔ قریش کے تمام خاندانوں میں بنی ہاشم کے سوا ان کا کوئی مد مقابل نہ تھا۔ قریش کا قومی جھنڈا عقاب اسی خاندان کی تحویل میں رہتا تھا۔

بعثت نبوی کے وقت آپ کے والد عفان فوت ہو چکے تھے۔ آپ کی والدہ اردوی نے عقبہ بن ابی معیط سے دوسرا نکاح کیا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت عقبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ماں جانی بہن تھیں۔ رسول کریم رؤف ورہیم ﷺ کی ہجرت کے بعد ہجرت کرنے والی آپ سب سے پہلی مسلمان خاتون ہیں جو اپنے والدین اور حقیقی بہن بھائیوں کو چھوڑ کر تنہا مدینہ پہنچیں۔ سورہ ممتحنہ کی آیت ۱۰ آپ ہی کی ہجرت کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماں جائے بھائی تھی جو فتح مکہ کے موقع پر دوسرے بنی امیہ اور اہل مکہ کے ساتھ مسلمان ہوئے اور خلافت عثمانی کے دوران میں کوفہ کے گورنر رہے۔ اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ہجرت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی ہجرت کر کے مدینہ آ گئی تھیں۔ مسلمان ہوئیں اور حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی بیعت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

پیدائش

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اصحاب الفیل کے واقعہ کے چھ سال بعد (۵۷۶ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ حضور انور ﷺ سے چھ سال چھوٹے تھے۔ بعثت نبوی کے وقت آپ کی عمر ۳۴ سال تھی۔

اسلام سے پہلے کی زندگی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بچپن کے حالات اور آپ کے والد کے حالات زندگی پر گنہامی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

بعث نبوی سے پہلے آپ کے والد فوت ہو چکے تھے۔ چچا حکم بن العاص خاندان کے سربراہ تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ کے ان چند افراد میں سے تھے جو ظہور اسلام سے پہلے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آپ ایک سلیم الفطرت، صالح، پرہیزگار، خوش خلق، منکسر المزاج، نرم خو، متین، باحیا، دیانتدار اور خوش معاملہ نوجوان کی حیثیت سے ممتاز اور نمایاں تھے۔

مکی معاشرہ میں رائج برائیوں سے اپنے دامن کو کبھی آلودہ نہیں ہونے دیا۔ جاہلیت میں بھی شراب، زنا، جوا، قتل و غارتگری، جھوٹ، بددیانتی، بدعہدی وغیرہ سے بچے رہے۔ جوان ہو کر تجارت شروع کی جو زیادہ تر غلے کی تھی۔ اس سلسلے میں روم و ایران کے دور دراز سفر کئے۔ اپنی کاروباری سوجھ بوجھ، دیانت و امانت اور عمدہ اصول و اخلاق کی بنا پر تجارت میں بڑی ترقی کی اور قریش کے ملک التجار کہلائے۔ لوگوں میں مقبول اور معزز ٹھہرے۔ مکہ کے روسا میں شمار ہوئے، فطری نیک طبعی اور تجارت پیشہ کی مشترکہ خصوصیات کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ آپ کے قبول اسلام میں اس ہم مشربی (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کو بڑا دخل تھا۔

قبول اسلام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسلام کے سابقون الاولون میں سے ہیں۔ آپ کا شمار صحابہ رضی اللہ عنہ کے طبقہ اولیٰ میں ہوتا ہے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اس وقت اسلام لائے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی دار ارقم کو اپنا تبلیغی مرکز نہیں بنایا تھا۔ آپ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ایک ہی دن مسلمان ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ آپ سے ایک دن بعد اسلام لائے۔ قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر ۳۴ سال تھی۔

حضرت عثمان کے والد عفان فوت ہو چکے تھے۔ آپ کا چچا حکم بن العاص خاندان کا سربراہ تھا۔ اسلام لانے کی پاداش میں اس نے آپ کو درخت کے ساتھ رسیوں سے جکڑ کر ڈنڈوں سے بری طرح پیٹا۔ سخت ایذا پہنچائی اور اسلام ترک کرنے پر زور دیا۔ لیکن آپ نے کہا کہ ”بے شک جان سے مار ڈالو! اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔ میں کسی صورت میں بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑ سکتا۔“ تھک ہار کر چچا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ بنی امیہ میں سے آپ پہلے شخص ہیں جو اسلام لائے۔ تمام کافر اعزہ و اقارب نے بے رخی اختیار کر لی لیکن آپ نے ذرا پروانہ کی اور صبر و استقلال سے ان کی زیادتیاں برداشت کرتے رہے۔ ساتھ ہی اپنا تجارتی کاروبار بھی جاری رکھا۔

جمع و اشاعت قرآن

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے اہم اور نمایاں کام جمع و اشاعت قرآن کا ہے۔

کے ملت اسلامیہ کو ایک قرأت پر جمع کرنا ہے۔ عہد صدیقی میں جنگ یمامہ کے بعد قرآن حکیم کو ایک مصحف کی صورت میں مدون اور محفوظ کیا جا چکا تھا۔ عہد فاروقی و عثمانی میں جب دور دراز کے ممالک فتح ہوئے اور مختلف عرب قبائل وہاں پھیل گئے۔ نیز مفتوحہ قوموں نے اسلام قبول کیا جن کی زبان عربی نہ تھی تو قرأت میں اختلاف پیدا ہونے لگا۔

مختلف علاقوں اور قبیلوں کے عربوں میں بھی تلفظ اور لہجہ کا اختلاف تھا۔ نو مسلم عجمیوں میں اور بھی پیدا ہوا۔ مشہور بزرگ صحابی حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ جہاد کے سلسلے میں ۳۰ھ میں آرمینہ میں تھے۔ وہاں انہوں نے دو مسلمانوں کو قرآن حکیم کی قرأت کے بارے میں باہم اختلاف و نزاع کرتے دیکھا۔ ہر ایک دوسرے کی قرأت کو غلط اور اپنی قرأت کو صحیح بتاتا تھا۔

ایک معروف حدیث کے مطابق قرآن حکیم سب سے احرف یعنی سات طریقوں، قرأتوں، تلفظوں میں نازل ہوا ہے۔ نزول قرآن کے زمانے میں عرب میں سات اہم قبائل قریش، ہذیل، ثقیف، ہوازن، کنانہ، تمیم، یمن (معہ اہل مدینہ) کی زبان فصیح اور مستند سمجھی جاتی تھی لیکن بعض تلفظات میں مقامی اختلافات تھے۔ قریش مکہ کی زبان فصیح ترین تسلیم کی جاتی تھی۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں مختلف قبائل کے تلفظات اور لہجہ کے اختلاف کو ر اور رکھا تھا۔ لیکن عہد عثمانی میں غیر عرب اقوام کے داخل اسلام ہو کر قرآن پڑھنے سے قرأت کے تلفظ اور لہجہ میں مزید فرق پیدا ہونے لگا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے اختلاف قرأت کو خطرہ کی گھنٹی سمجھا اور انہیں خوف پیدا ہوا کہ کہیں مختلف علاقوں اور ملکوں میں قرآن کے متن ہی میں اختلاف پیدا نہ ہو جائے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو توجہ دلائی کہ اختلاف قرأت کا جلد سے جلد سد باب کیا جائے اور تمام مسلمانوں کو ایک قرأت پر جمع اور متحد کیا جائے ورنہ عیسائیوں کی طرح مسلمان بھی کلام اللہ میں اختلاف پیدا کر دیں گے اور یہ اختلاف دین میں رخنہ اور مسلمانوں میں افتراق و پھوٹ کا باعث بن جائے گا۔

چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا اور عہد صدیقی کا مدون شدہ مصحف منگوا کر اس کی نقلیں تیار کرنے کے لئے حضرت زید بن ثابت انصاری، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمن بن حارث مخزومی رضی اللہ عنہ پر مشتمل ایک بورڈ قائم کر دیا اور ہدایت کردی کہ اگر تمہیں کسی کلمہ میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان میں لکھا جائے کیونکہ قرآن قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ چنانچہ اس متفقہ و مصدقہ مصحف کی متعدد نقلیں اسی نبوی رسم الخط میں تیار کی گئیں جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنے قرآنی نسخوں کو عہد نبوی میں لکھا تھا اور جس کے مطابق مصحف صدیقی لکھا گیا۔

تیار شدہ نسخے، اہم اسلامی مراکز بصرہ، کوفہ، شام، یمن، مصر اور بحرین روانہ کئے گئے۔ ایک نسخہ مدینہ میں رکھا گیا اور ایک نسخہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس رکھا کیونکہ انہیں حافظ قرآن ہونے کے باوجود ناظرہ

تلاوت سے شغف تھا۔ شہادت کے وقت آپ اسی نسخہ سے تلاوت کر رہے تھے اور اسی پر آپ کے مقدس خون کے چھینٹے گرے۔ یہ نسخہ آج کل سوویت یونین کے شہر تاشقند (اور بعض کے بقول ماسکو) میں موجود ہے۔ اسلامی عہد میں تاشقند اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہ چکا ہے۔

مصحف عثمان کے تین اور نسخے (۱) حجرہ نبوی (مدینہ منورہ) (۲) خزانہ آثار نبویہ استنبول اور (۳) کتب خانہ مصریہ میں موجود ہیں۔

کلام اللہ کے جو ذاتی طور پر مرتب کردہ نسخے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس موجود تھے وہ تلف کر دیئے گئے۔ اس طرح جمیع امت مسلمہ کا اتفاق ایک قرآن ایک قرأت پر ہو گیا جو گزشتہ چودہ سو سال سے بعینہ اسی طرح غیر متبدل اور غیر محرف چلا آتا ہے اور زمانہ حال میں کمپیوٹر کی مدد سے بھی بعض محققین نے اس کا محفوظ اور غیر محرف ہونا ثابت کر دیا ہے اور وہ جو خود قرآن نازل کرنے والے خدائے بزرگ و برتر نے فرمایا کہ ”ہم نے اسے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (سورہ حجر آیت ۹) چودہ صدیوں کے بعد بھی حرف بحرف صحیح ہے۔ ہر قسم کے حذف و اضافہ سے پاک ہے۔ اس کی ترتیب و تدوین بھی وہی ہے جو جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم کے مطابق سکھائی تھی۔ اس کی ترتیب و تدوین اور رسم الخط دونوں توفیقی ہیں۔ زمانہ حال میں دو مصری فاضل استاذ عبدالرزاق نوفل اور ڈاکٹر راشد خلیفہ نے الگ الگ طور پر قرآن کے اعداد و شماریات وغیرہ کے متعلق ایک نئے انداز سے تحقیق کی ہے خاص کر موخر الذکر نے کمپیوٹر کی مدد سے قرآن کے اندرونی دروبست کے متعلق حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں جن سے اس کی بات کی ناقابل تردید شہادت ملتی ہے کہ اگر قرآنی حروف الفاظ آیات سورتوں میں کوئی کمی بیشی کی گئی ہوتی تو اس کے حروف و الفاظ و آیات سورہ کا باہمی اندرونی نظام بگڑ گیا ہوتا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو عام طور پر جامع القرآن کہا جاتا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ جمع قرآن کا کام تو عہد صدیقی (خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ہی میں سرانجام پا چکا تھا اور ان کے مدونہ و مرتبہ (تیار شدہ) مصحف کو ”امام“ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کی نشر و اشاعت کا کارنامہ سرانجام دیا۔ یہ ایک عظیم خدمت تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام اور مسلمانوں کی سرانجام دی اور انہیں بنیادی تفرقہ اور اختلاف فی القرآن سے بچالیا۔ ان کے احسان سے دنیائے اسلام کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے احتیاطاً جو ذاتی طور پر مرتب کردہ نسخے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس موجود تھے وہ تلف کر دیئے۔ اس ذاتی نسخے تلف کر دینے کے معاملہ پر کچھ نا سمجھ لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف باتیں بنائیں۔ اس بارے میں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام صحیح تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ سے ایک قول درج ذیل ہے۔

علامہ ابن جریر طبری اپنی تاریخ طبری (جلد م پنجم) میں لکھتے ہیں کہ سدید بن غفلہ جو اپنے قول کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے کان، آنکھ، دل اور زبان سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ مختار ثقفی کے خروج کے زمانے میں کوفہ آئے اور وہاں کے ہمدانیوں (شیعان علی رضی اللہ عنہ) سے دوران گفتگو انہوں نے اور باتوں کے ساتھ یہ بھی کہا کہ

”میں ہر گز تم سے کوئی ایسی بات بیان نہ کروں گا جسے خود میرے کانوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہ سنا ہو یا جسے میرے دل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سن کر یاد نہ رکھا ہو۔ میں نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو صحائف کا پھاڑنے والا مت کہو۔ خدا کی قسم انہوں نے جو کچھ کیا، ہم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے سے کیا۔ اگر یہ کام میرے سپرد کیا گیا ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔“

ایک تاریخ دان ولیم میور نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کا حوالہ دیا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام“ کا مقابلہ نگار لکھتا ہے کہ ”جس حفاظت سے قرآن حکیم ہم تک پہنچا ہے اس کی نظیر دنیا میں نہیں۔“

اس تاریخی قرآن حکیم کا عکس جس کی تلاوت کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ترکی کے شہر استنبول کے ”توپ کا پی عجائب گھر“ میں محفوظ ہے۔

شہادت کے وقت حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے جو آپ کے خون سے رنگین ہو گئی۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پیشے کے لحاظ سے تاجر تھے۔ ایک خوشحال گھرانے کے معزز فرد، جہان رعنا اور حسن و جمال کا چلتا پھرتا مجسمہ تھے۔

رنگ سفید، سرخی مائل چہرہ حسین اور جسم چھریا تھا، زلفیں سیاہ اور دراز، پلکیں لمبی لمبی، آنکھیں موٹی موٹی، ناک اونچی، انگلیاں بھاری بھاری اور ہتھیلیاں بھری بھری تھیں۔ (محمد رسول اللہ، محمد رضا صفحہ 97)

گویا مجموعی لحاظ سے وہ انسانی وجاہت اور مردانہ بانگین کا ایک جیتا جاگتا نمونہ اور دلنشین شاہکار تھے۔ دیکھنے والے اس میں سالہ نو جوان کو دیکھ کر ایک مرتبہ تو انگشت بدنداں رہ جاتے اور دل میں ان کے شباب و جمال اور دلکش خدو خال کو سراہے بغیر نہ رہتے۔

تجارت کی غرض سے یمن کی طرف ان کا جانا آنا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ وہاں ”عسکلان حمیری“ کے پاس

قیام پذیر تھے۔ عسکراں حمیری ایک عالم و دانا بزرگ اپنے قبیلے کے سردار اور پڑھے لکھے انسان تھے۔ وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اس لئے آؤ بھگت کرتے کہ وہ مکہ مکرمہ کے باسی تھے۔ وہ کعبہ اللہ آب زمزم اور شہر مکہ کے بارے میں ان سے تفصیلات پوچھتے اور بے انتہا خوش ہوتے، انہیں ان مقامات کے ساتھ روحانی وابستگی اور جذباتی لگاؤ تھا۔ ان کے تذکرہ سنتے سنتے ان پر رقت طاری ہو جاتی اور وہ انجانے سے کیف و سرور میں ڈوب جاتے جو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سمجھ میں نہ آتا۔

آخر ایک دفعہ انہوں نے اس سربستہ راز سے پردہ اٹھا ہی دیا۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب انہیں میری آمد کا علم ہوا تو تکلیف کے باوجود اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اپنے بیٹوں، پوتوں اور نواسوں کو بلا لیا تا کہ سب اس راز سے آگاہ ہو جائیں اور مجھے کہا:

اے عبدالرحمن! کیا میں تجھے ایک ایسی بشارت نہ دوں جو تیرے لئے نفع مند تجارت سے بہتر ہو؟ میں نے جواب دیا: کیوں نہیں! میں منتظر ہوں۔ انہوں نے بتایا: اے عبدالرحمن! تو سفر میں ہے لیکن تیرے شہر میں اسی مہینے اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبی مبعوث فرمائے ہیں اور انہیں کتاب ہدایت دے دی ہے۔ وہ بتوں کی پرستش و قربت سے روکتے اور اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ اقدار خیر کا حکم دیتے ہیں اور خود بھی ان پر عمل کرتے ہیں۔ برائی کو باطل قرار دیتے ہیں اور خود بھی اس سے رکتے ہیں اے عبدالرحمن تمہارا خاندان اسی نبی کا انھیال ہے۔ فوراً واپس پہنچو اور ان پر ایمان لے آؤ۔ خیر و فلاح اسی میں ہے اور میرے یہ اشعار ان کی نذر کر دو۔

حضرت عسکراں الحمیری کے اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔ آپ نے اپنے اشعار میں ایمان لانے اور حضور پر نور ﷺ کے ساتھ خوب خلوص و عقیدت و احترام کا اظہار کیا ہے۔

- 1- میں اللہ تبارک تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں جو شب و روز کا خالق اور بزرگیوں کا مالک ہے۔
- 2- کہ آپ قریش کے ایک سربر آوردہ فرد ہیں اے حضرت عبداللہ کے فرزند ارجمند جن کے بدلے اونٹ ذبح کئے گئے تھے۔
- 3- آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے آپ ایمان و یقین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور حقانیت و کامرانی کا راستہ دکھاتے ہیں۔
- 4- میں اللہ تبارک تعالیٰ رب موسیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ بے شک آپ سرزمین مکہ میں رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔
- 5- اے مخلوق کو فلاح و کامرانی کی طرف بلانے والے رسول! بارگاہ خداوندی میں آپ میری بھی شفاعت فرمائیں۔

یہ حالات سن کر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے دل میں بے قراری سی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے تیزی کے

ساتھ اپنا مال فروخت کیا اور اپنے وطن کی راہ لی۔ اس وقت ان کا جی چاہ رہا تھا کہ پر لگ جائیں اور وہ اڑ کر مکہ مکرمہ پہنچ جائیں اور مبعوث ہونے والے نبی کی زیارت کریں، جس نبی کے اجنبی سرزمینوں پر بھی جہے ہیں اور اہل بصیرت آنکھ والے انہیں دور بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔

جب مکہ مکرمہ پہنچے تو گھر بھی نہ گئے شوق کے ہاتھوں کشاں کشاں اپنے یار غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے اور بے تابی سے پوچھا ابوبکر! یہ کیسا انقلاب ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: عبدالرحمن! قدرت نے ہماری سرزمین پر کرم کیا ہے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں یہاں کی فضا پر ابر رحمت بھیجا ہے وہ اللہ کے رسول ہیں اور باطل سے منہ پھیر کر حق و صداقت اور توحید و رسالت کی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ دیر نہ کرو ورنہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ سعادت اور ابدی فلاح تمہاری منتظر ہے۔ میرے ساتھ چلو اور ایمان لے آؤ۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے کا شانہ عالیہ میں تشریف فرما ہیں۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا شوق اور بھی بڑھ گیا، دو آتشہ ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نصیحت نے اسے فزوں تر کر دیا۔ جب بارگاہ مصطفویٰ میں پہنچے تو تاجدار کونین صلی اللہ علیہ وسلم دور ہی سے دیکھ کر مسکرائے جیسے جانتے ہوں کہ عبدالرحمن کن مراحل سے گزر کر آ رہا ہے۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے عقیدت و نیاز مندی سے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو امانت تیرے سپرد کی گئی ہے اور جو پیغام تجھے دیا گیا ہے وہ پہنچا دو! حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے ”عسکان حمیری“ کی ساری داستان سنادی اور اس کا پیغام پہنچا دیا۔ مہربان آقا رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک قبیلہ حمیر کا یہ آدمی خاص مومنین میں سے ہے۔ پھر فرمایا کئی ایسے لوگ ہیں جو مومن ہیں لیکن انہوں نے ہمیں نہیں دیکھا اور کئی ایسے لوگ ہیں جو ہمارے تصدیق کرنے والے ہیں مگر وہ ہمارے دربار میں حاضر نہیں ہوئے یہی لوگ ہمارے بھائی ہیں۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۰۱)

آپ ان دس خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں جن کو حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔ آپ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ چھ رکنی شوریٰ کمیٹی کے ایک رکن بھی تھے۔ آپ نے بھی پہلے حبشہ پھر مدینہ طیبہ ہجرت کی۔ حضور کی معیت میں تمام معرکوں میں شریک ہوئے۔ احد کی جنگ میں انہیں اکیس زخم آئے اور اگلے دو دن ٹوٹ ٹوٹ گئے۔ کامیاب تاجز بڑے دولت مند اور بڑے نخی تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی راہ میں پانی کی طرح روپیہ بہایا کرتے تھے۔ سفید سرخ رنگ، خور و سیاہ چشم، لمبی پلکیں، اونچی بینی، ہتھیلی پر گوشت، انگلیاں بھاری تھیں۔ آخر عمر تک بال کالے تھے۔ بہتر سال کی عمر میں ۳۳ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (محمد رسول اللہ محمد رضا صفحہ ۷۸)

پیغمبر اول و اعظم آخرو اعظم رسول بحر و برہادی انس و جان سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تو تمام جہانوں

میں سب سے زالی اور اونچی شانیں ہیں، رفعتیں ہیں، عظمتیں ہیں اور حضور پر نور ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بھی بہت شانیں ہیں جو سب آپ ﷺ کے طفیل ہیں۔

حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا۔

عبدالرحمن بنی النضر بن عوف اہل زمین میں بھی امین ہیں اور اہل آسمان میں بھی۔ (رسول اللہ ﷺ)

سن ۶ ہجری کا پر آشوب اور تشویشناک زمانہ تھا۔ مدینہ دشمنوں میں اس طرح گھرا ہوا تھا جیسے بتیس دانتوں میں اکیلی زبان۔ مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی سازشوں اور متوقع حملوں کی خبریں متواتر آ رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ دشمنوں کے دفعیہ کے لئے سرایا بھیجتے تھے۔ اگرچہ اس سے پہلے دومتہ الجندل کا عرب حکمران جو مذہباً عیسائی تھا اور غسانوں کا حلیف، حضور نور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک خچر اور ایک بیش قیمت ریشمی جبہ بھیج چکا تھا جو اطاعت و صلح جوئی کا اظہار تھا لیکن اب پھر دومتہ الجندل سے تشویشناک خبریں آ رہی تھیں کہ وہاں مدینہ پر حملہ کی نیت سے لشکر جمع ہو رہا ہے۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ فتنہ کے پیشگی سد باب کے لئے کئی دن سے سوچ رہے تھے۔ شعبان کی ایک صاف اور چمکیلی صبح کو حضور نور نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک صحابی کو بلا بھیجا۔ پیغام ملتے ہی ایک چھریرے جسم کے طویل قامت، دراز ریش، دراز کا کل، سرخ و سفید خوبصورت چہرے اور ستواں ناک والے صاحب جن کے پاؤں میں قدرے لنگ تھا۔ بڑے ادب و احترام سے حاضر خدمت ہوئے اور سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ بیٹھ گئے تو فرمایا: ”ابو محمد! مجھے دومتہ الجندل کی طرف سے تشویش ناک خبریں مل رہی ہیں۔ وہاں مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر جمع ہو رہا ہے۔ تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے ادھر روانہ ہو جاؤ۔ سات سو مجاہد تمہارے ساتھ جائیں گے۔ دومتہ الجندل پہنچ کر وہاں کے سردار اور اس کے قبیلہ کلب کو پہلے اسلام کی دعوت دینا اگر وہ اسلام لے آئیں تو قبیلہ کے سردار کی لڑکی سے نکاح کر لینا لیکن اگر لڑائی کی نوبت آئے تو دیکھنا کسی کو دھوکا نہ دینا۔ خیانت اور بد عہدی نہ کرنا۔ بچوں، عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ خدا کے باغیوں سے دنیا کو پاک کر دینا۔“

اگلی صبح کو وہ صحابی ہتھیار لگائے، عمامہ باندھے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ حضور نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا۔ ایک نظر ان کے عمامہ پر ڈالی۔ پھر انہیں اپنے قریب بلایا۔ ان کا عمامہ اتار کر اپنا سیاہ عمامہ اپنے ہی دست مبارک سے ان کے سر پر باندھا اور دونوں شانوں کے درمیان تھوڑا سا شملہ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ ”ابو محمد! عمامہ یوں باندھا کرو کیونکہ یہ احسن اور اعرف ہے۔“ ابو محمد رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی کے کیا کہنے کہ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا۔

ابو محمد نے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا عطا کردہ مقدس اور بابرکت عمامہ

بعد میں بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا اور اسے وقتاً فوقتاً اہم مواقع پر پہنتے رہے۔ اپنا سیاہ عمامہ ابو محمد کو پہنانے کے بعد حضور پر نور ﷺ نے سالار لشکر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ایک پر مغز اور پرتا شیر خطبہ ارشاد فرمایا:

”اے لوگو! بلاؤں کے نازل ہونے سے پہلے پانچ باتوں کا خیال رکھو۔ کسی ملک میں جب کم تولنے کا رواج ہو جاتا ہے تو اللہ تبارک تعالیٰ قحط نازل کرتا ہے اور پھلوں میں کمی آ جاتی ہے۔ اور جب کسی قوم میں بد عہدی رواج پذیر ہو جاتی ہے تو اللہ تبارک تعالیٰ ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے۔ اور جب زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی تو بارش موقوف ہو جاتی ہے اگر بے زبان جانور نہ ہوں تو ایک قطرہ بھی نہ برے۔ اور جب کسی قوم میں بے حیائی پھیل جاتی ہے تو طاعون پھیلتا ہے۔ اور جب قرآنی احکام پر عمل چھوڑ دیا جاتا ہے تو ان میں اختلاف بڑھ جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں۔“ (سیرت عبدالرحمن بن عوف از سید فضل ابن احمد)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کی کنیت بھی ابو محمد تھی۔ لیکن یہ ابو محمد جو حضور پر نور ﷺ کی عنایت خاص کے مستحق ٹھہرے کون خوش نصیب تھے؟ یہ تھے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ جن کے بارے میں حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”وہ اہل زمین میں بھی امین ہیں اور اہل آسمان میں بھی۔“ نیز دعا فرمائی تھی کہ ”اے اللہ عبدالرحمن کو عز و وقار عطا فرما۔“

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص میرے بعد تم لوگوں (امہات المؤمنین) کی خبر گیری کرے گا۔ وہ سچا اور پاک نفس ہوگا“ اور ابن عوف کے حق میں دعا فرمائی کہ ”اے اللہ! عبدالرحمن کو چشمہ سلسبیل سے سیراب کر۔“ حضور انور نبی کریم ﷺ کے انتقال کے بعد ہی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہم کے خبر گیر رہے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضور انور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں سات سو صحابہ کرام کا سالار بن کر دومتہ الجندل گئے۔ وہاں پہنچ کر حسب ارشاد نبوی تین دن تک اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ تیسرے دن دومتہ الجندل کا حکمران اصغ بن عمرو کلبی عیسائیت ترک کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور اس کے قبیلے کے بہت سے لوگ بھی مسلمان ہو گئے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اصغ کی لڑکی تماضر سے نکاح کر لیا اور اسے اپنے ساتھ مدینہ لے آئے۔

خاندان و ولادت

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قریش کے قبیلہ بنو زہرہ میں سے تھے۔ فاتحہ ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ خود حضور پر نور رحمۃ اللعالمین ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی اسی قبیلے سے تھیں۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام شفا تھا۔ والدہ کی طرف سے ان کا نسب پانچویں پشت میں اور

باپ کی طرف سے چھٹی پشت میں جناب رسالتِ مآب ﷺ سے مل جاتا ہے۔

ان کی والدہ نے حضورِ نور ﷺ کی ولادت باسعادت کے موقع پر دایہ کی خدمات انجام دی تھیں اور سب سے پہلے انہی نے حضورِ نور ﷺ کو اپنے ہاتھوں میں لیا تھا جو ایک بہت بڑا شرف اور امتیاز ہے۔ وہ بھی مسلمان ہوئیں اور مدینہ ہجرت کی۔ قبیلہ بنو زہرہ اگرچہ قریش کی طرف سے جنگ بدر میں شریک ہوا لیکن ان کی تلواریں مسلمانوں کے خون سے آلودہ نہ ہوئیں۔ اسلام لانے سے پہلے حضرت عبدالرحمن بن عوف کا نام عبدالکعبہ یا عبد عمرو تھا۔ حضورِ نور ﷺ نے بدل کر عبدالرحمن رکھا۔ کنیت ابو محمد تھی۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف عام الفیل (مکہ پر ابرہہ کے حملہ کا سال) کے دس سال بعد ۵۸۱ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ حضورِ نور نبی کریم ﷺ سے دس سال چھوٹے تھے۔

ذریعہ معاش

تجارت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا خاندانی پیشہ چلا آتا تھا۔ وہ مکہ میں بھی تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ مدینہ پہنچ کر بھی انہوں نے روز اول سے تجارت شروع کر دی اور اس میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق تجارت کرتے تھے۔ ملاوٹ بے جا منافع خوری اور ذخیرہ اندوزی سے بچتے تھے۔ ان کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ ملتا ہوا نفع واپس نہ کیا جائے خواہ کتنا ہی کم ہو۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جس تجارت کا منشا زیادہ نفع کمانا ہو وہ تجارت نہیں کوئی اور شے ہے۔ انہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہمیشہ یاد رہتا تھا کہ سچا تاجر صدیقوں کا ہم نشین ہوگا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی تجارت میں اس قدر برکت دی کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں پتھر کو بھی ہاتھ لگاؤں تو سونا ہو جاتا ہے۔ ان کا شمار چند دولت مند ترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا۔ بہت کمایا بہت خرچ کیا۔ قارونیت کی راہ پر نہیں چلے۔ ان کو اس پر یقین تھا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے دولت کبھی کم نہیں ہوتی۔

عمر کے آخری حصے میں زراعت بھی بڑے پیمانے پر شروع کر دی تھی۔ مقام جرف کی اراضی میں بیس اونٹوں سے آب پاشی اور کاشتکاری کرتے تھے۔ دوسرے بدری صحابہ کی طرح وہ بھی وظیفہ پانے والوں میں سے تھے۔ مالِ غنیمت میں سے بھی حصہ ملتا تھا لیکن وہ اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ اسی طرح اب بھی زندگی کے آخری دنوں تک فراخ دلی سے راہِ خدا میں خرچ کرتے رہے جس طرح رسول اللہ ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں کیا کرتے تھے۔

خدمت فی سبیل اللہ

اندازہ خرچ کی۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا بے حد شوق تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اشارہ ابرو کے منتظر رہتے تھے کہ کہیں خرچ کرنے کا حکم دیں تو مال و اسباب پیش کریں۔ عام مسلمانوں کی حاجت روائی کے لئے بھی آپ کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ وہ آیت ”قل العفو“ کے رمز آشنا تھے۔

ان کے صدقہ و خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے) کے بہت سے واقعات تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔

ایک دفعہ ان کا بہت بڑا تجارتی قافلہ مال و اسباب سے لدا ہوا مدینہ پہنچا جس میں اور چیزوں کے علاوہ سات سو اونٹوں پر صرف گندم آٹا اور دوسری اشیائے خوردنی لدھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے سارے کا سارا غلہ اور دوسرا تجارتی سامان اونٹوں اور ان کے پالانوں سمیت اللہ کی راہ میں مسلمان حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک دفعہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے فرمانے پر اپنا نصف مال پیش کر دیا۔ پھر دو دفعہ ایسا ہوا کہ چالیس چالیس ہزار طلائی دینار دیئے۔ مسلمانوں کی جہاد کی تیاریوں کے لئے پانچ سو گھوڑے اور ڈیڑھ ہزار اونٹ دیئے۔

ایک دفعہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”اے ابو محمد! تم مالدار اور صاحب ثروت ہو لیکن جنت میں تم کھسکتے کھسکتے جاؤ گے۔ اس لئے اللہ کو قرض دو کہ وہ تمہارے پاؤں کھول دے۔“ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پوچھا ”یا رسول اللہ ﷺ! میں اللہ کو کیا قرض دوں؟“ فرمایا ”جس پر تمہاری شام گزری ہو اس سے شروع کرو۔“ پھر پوچھا کیا سب کا سب یا رسول اللہ ﷺ؟ فرمایا ”ہاں“ چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی راہ میں سب کچھ لٹانے کا ارادہ کر کے حضور انور ﷺ کے پاس سے چلے۔ لیکن آپ ﷺ نے پیغام بھیجا کہ جبریل امین نے آ کر کہا ہے کہ ابن عوف کو مہمان نوازی مساکین کو کھانا کھلانے اور مساکین کی حاجت روائی کا حکم دیجئے اور وہ اپنے قرابت داروں سے شروع کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کے مال کی زکوٰۃ ہو گئی۔“ چنانچہ ایسا ہی کیا۔

عہد نبوی کے بعد ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پانچ سو اونٹ غلہ اور دیگر بہترین مال تجارت سے لدے ہوئے آئے۔ آپ نے وہ سب کے سب راہ خدا میں صدقہ کر دیئے۔

ایک دفعہ ایک قطعہ زمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں بیچا اور ساری کی ساری رقم راہ خدا میں تقسیم کر دی۔ اس فیاضی اور سخاوت کے باوجود اکثر متفکر رہتے کہ کہیں یہ کثرت مال آخرت میں نقصان کا باعث نہ ہو۔

ملی امور میں دل کھول کر خرچ کرتے تھے اس کے علاوہ اپنے قبیلہ بنو زہرہ کے غربا و مساکین کی اعانت بالخصوص اپنے ذمہ لے رکھی تھی اور بالعموم مدینہ کے سب ہی حاجت مندوں کی کفالت کرتے تھے۔ مدینہ کی

نورام انور، نور رحمۃ للعالمین ۱۵۹۰ جلد دوم

تقریباً ایک تہائی آبادی کو صلہ رحمی کے طور پر مال و دولت دیتے تھے۔ ایک تہائی کے قرضے اپنے پاس سے ادا کرتے تھے اور کچھ لوگوں کو ان کی ضرورت کے لئے قرض حسد دیتے تھے لیکن کیا مجال کہ کبھی اظہار و نمائش کی کوشش کی ہو۔ علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ ”آپ خدا کی راہ میں بہت خرچ کرنے والے تھے“ اسی طرح القول المختار کا مصنف بھی اعتراف کرتا ہے کہ ”آپ بہت زیادہ صدقہ و خیرات کرنے والے تھے۔“

ترکہ اور وصیت

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ راہ خدا میں خرچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ جتنا خرچ کرتے تھے اللہ اس سے کہیں زیادہ دیتا تھا۔ وفات کے وقت ساڑھے چھبیس لاکھ دینار چھوڑے۔ ایک ہزار اونٹ، ایک سو گھوڑے، تین ہزار بکریاں اور اراضی اس کے علاوہ تھیں۔ سونے کی اتنی بڑی مقدار تھی کہ اسے کلباڑیوں سے کاٹنا پڑا۔ چار بیویوں میں سے ہر ایک کے حصہ میں اسی ہزار درہم آئے۔ بقیہ ترکہ میں حسب ذیل خصوصی وصیت کی۔

۱- ایک سو بدری صحابہ جو بقید حیات تھے ان میں سے ہر ایک کو چار چار سو دینار دیئے جائیں یعنی کل چالیس ہزار دینار

۲- پچاس ہزار دینار غربا و مساکین میں تقسیم کئے جائیں۔

۳- ایک ہزار اونٹ فی سبیل اللہ دیئے جائیں۔

۴- ایک باغ مالیتی چار لاکھ درہم امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے لئے چھوڑا

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی حفاظت اور خبر گیری

حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا تھا کہ میرے بعد جو شخص تمہاری حفاظت اور خبر گیری کرے گا وہ نہایت صادق اور نیکو کار ہوگا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ خدمت حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے اپنے ذمہ لی۔ وہ حج و عمرہ کے سفر میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ جاتے۔ سواری پر وہ اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتے۔ جہاں امہات المؤمنین کا پڑاؤ ہوتا خود اس کی حفاظت کرتے اور کسی کو قریب نہ آنے دیتے۔ وقتاً فوقتاً ہدیئے اور تحائف بھیجتے رہتے۔ مختلف مواقع پر بڑی بڑی رقوم بھی پیش کیں۔ ایک دفعہ ایک جائیداد پیش کی جو چالیس ہزار دینار میں فروخت ہوئی۔ ایک دوسرے موقع پر چار لاکھ درہم بھیجے۔ وفات کے وقت بھی اپنے ترکہ میں سے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے لئے ایک باغ کی وصیت کی جو چار لاکھ درہم میں فروخت ہوا۔ رقم امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے آپس میں بانٹ لی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ ”اللہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو جنت کے چشمہ سلسبیل سے سیراب کرے۔“

سیرت و اخلاق و علم و فضل

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ علم و فضل، تفقہ فی الدین اور اصابت رائے میں ممتاز تھے۔ وہ ان چند صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارک ہی میں فتویٰ دینے کی اجازت دے رکھی تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی یہ خدمت ان کے ذمہ رہی اور انہوں نے متعدد مواقع پر گہری دینی بصیرت کا اظہار کیا۔ بعض اہم مواقع پر اپنے علم حدیث کی بنا پر خلیفہ وقت کو فیصلہ کرنے میں مدد دی۔ مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا سوال اٹھایا گیا تو انہوں نے اس حدیث کی تصدیق کی کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا، لہذا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں وراثت نہیں۔

عہد فاروقی میں جب ایران فتح ہوا تو سوال پیدا ہوا کہ آتش پرست ایرانیوں کو کس زمرے میں رکھا جائے۔ حضرت ابن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ بتا کر مسئلہ حل کر دیا کہ حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کی طرح آتش پرستوں کو بھی ذمی قرار دیا تھا۔ طاعونِ عمواس (عمواس فلسطین کا وہ شہر جہاں سے طاعون کی وبا شروع ہوئی) کے موقع پر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ اور اگر وہاں پہلے سے موجود ہو تو وہاں سے نہ نکلؤ۔“

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ایک سنجیدہ اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے انہیں دینی اور دنیاوی معاملات میں بصیرت اور دوراندیشی سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ تدبر اور دیانت و امانت میں سربر آوردہ تھے۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اہل زمین میں بھی امین ہیں اور اہل آسمان میں بھی۔ ”نیز یہ کہ سچے، مخلص پاک نفس اور صابر ہیں۔ مزید یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کی خبر گیری کرے گا وہ صادق اور نیکو کار ہوگا اور یہ حضرت ابن عوف ہی تھے۔“

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ ”اے اللہ! عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو وقار عطا فرما“ اور یہ بھی کہ ”اے اللہ! عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو جنت کے جسمہ سلسبیل سے سیراب فرما“۔ اپنے فہم و فراست، تدبر، اصابت رائے، دوراندیشی، معاملہ فہمی اور انصاف پسندی میں اسلام لانے سے پہلے بھی ممتاز تھے۔ قبول اسلام کے بعد اپنی تمام توانائیاں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے وقف کریں۔

حلیہ

ایسی خوبصورت صفات و عادات کے حامل صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک دوبارہ بیان کر دینے میں مجھے خوبی ہی نظر آتی ہے اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اب قدرے تفصیل سے بیان ہے۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ خوبصورت و جیہہ اور پروقار شخصیت کے مالک تھے۔ چہرہ پر جسم دراز قامت اور رنگ سرخ و سفید تھا۔ چودھویں کے چاند جیسا سفید اور روشن چہرہ۔ سینہ کسی قدر آگے کو نکلا ہوا تھا۔ ستواں ناک

نورام النور، نور رحمۃ للعالمین ۱۶۱۵ جلد دوم

آنکھیں بڑی بڑی اور پلکیں گھنی تھیں۔ جلد ملائم تھی۔ ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں تغیر نہیں ہوا تھا اس لئے خضاب نہیں لگاتے تھے۔ ریش دراز تھی۔ سر کے بال کانوں سے نیچے تک گھنگرا لی کالکوں کی صورت میں لٹکتے تھے۔ کلاسیاں مضبوط ہتھیلیاں پر گوشت اور انگلیاں موٹی تھیں۔ غزوہ احد میں سامنے کے دودانت ٹوٹ گئے تھے۔ پاؤں کے زخم کے باعث لنگڑا کر چلتے تھے۔

وفات

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی عمر پر مورخین کا اتفاق ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کے پچھتر سال اس دنیائے فانی میں گزارے۔ محمد ابن سعد نے طبقات میں نیز صاحب اکمال نے ان کا سال وفات 32 ہجری دیا ہے جبکہ ابن اثیر نے 35 ہجری لکھا ہے۔ بعض کی رائے میں ان کا سال وفات 31 ہجری ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال چھوٹے تھے۔ اس لئے حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تریپن سال تھی۔ ان کی عمر پچھتر سال جمی ہوتی ہے کہ وہ حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بائیس سال زندہ رہے ہوں۔ لہذا 32 ہجری ہی صحیح سال وفات معلوم ہوتا ہے۔

انہیں کفن بھی کیا خوب اور متبرک ملا۔ ایک خاتون اپنے ہاتھ سے ایک چادر بن کر بطور خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر لائیں۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر تہہ کے طور پر باندھی اور بڑی تعریف کی۔ ہدیہ لانے والی کی دلجوئی کا یہ ایک حسین انداز بھی تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے وہ چادر حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لئے مانگ لی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر تک باندھے رکھنے کے بعد وہ چادر حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمادی۔ انہوں نے یہ چادر سنبھال کر اپنے کفن کے لئے محفوظ رکھی۔

ان کی علالت کے دوران ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے طور پر کہلا بھیجا کہ اگر آپ چاہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے بھائیوں ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن ہوں مگر انہوں نے ازراہ ادب انکار کیا اور شکریہ کے ساتھ کہلا بھیجا کہ آپ کا گھر تنگ ہو جائے گا جو مجھے گوارا نہیں۔

خليفة وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ (جنت البقیع میں سب سے پہلے دفن ہونے والے مسلمان) کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ سلطان ابن سعود کی حکومت سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے مزارات پر ایک ہی قبہ ہوا کرتا تھا۔ اب صرف وہاں کے معلم مٹی ہوئی قبروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

وفات پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہلا بھیجا کہ جنازہ میرے گھر کے سامنے سے لے جایا جائے۔ چنانچہ آپ کی خواہش کے احترام میں ایسا ہی کیا گیا اور آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنازہ اٹھانے والوں میں شامل تھے اور کہتے جاتے تھے۔ واجبلہ یعنی

افسوس کہ پہاڑ جیسا عظیم انسان چل بسا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ام المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا

اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اللہ و رسول ﷺ کو دنیا کی ہر چیز پر ترجیح دی اور کفر کی طرف لوٹنے کو اسی طرح پسندنا پسند کیا جیسے کوئی شخص آگ میں چھلانگ لگانے کو ناپسند کرتا ہے۔ (مورخین)

ابوسفیان کے دل میں کبھی یہ خیال تک نہ آیا تھا کہ قریش کا کوئی فرد اس کی حکم عدولی یا کسی اہم معاملے میں اس کی مخالفت کی جرات کر سکتا ہے کیونکہ وہ مکہ مکرمہ کا ایسا سردار تھا جس کی باشندگان مکہ عزت اور اطاعت کیا کرتے تھے لیکن اس کی بیٹی اُم حبیبہ رملہ نے اپنے باپ کے خداؤں کا انکار کر کے اس کی اپنے بارے میں خوش فہمی کو خاک میں ملا دیا۔

یہ اور ان کا خاوند عبداللہ بن جحش اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لے آئے اور حضور انور نبی کریم ﷺ کی رسالت کا صدق دل سے اعتراف کر لیا، ابوسفیان نے اپنی بیٹی اور داماد کو اپنے آبائی دین کی طرف لوٹانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ اس مشن میں کامیاب نہ ہو سکا، کیونکہ جو ایمان حضرت رملہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اتر چکا تھا اس کی جڑیں اتنی گہری ہو چکی تھیں کہ ابوسفیان کی طرف سے پیا کیا گیا ظلم و بربریت کا طوفان بھی اسے اکھاڑ نہ سکا اور نہ ہی اس کا غیض و غضب ان کے پایہ استقلال میں کوئی لرزش پیدا کر سکا۔

حضرت رملہ رضی اللہ عنہا کے اسلام لانے کی وجہ سے ابوسفیان پر غم و اندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اپنی بیٹی کو رسول اقدس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے باز رکھنے اور اپنی مرضی کے تابع بنانے سے عاجز آ جانے کے بعد ہر دم اسی سوچ و بیچار میں پڑا رہتا کہ اب میں قریش کے سامنے کس منہ سے جاؤں، وہ میرے متعلق کیا خیال کرتے ہوں گے کہ میرے جیتے جی بیٹی نے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کر دیا ہے۔

جب قریش کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان اپنی بیٹی رملہ اور داماد پر ماریں ہے تو انہوں نے ان دونوں کا عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں، یہاں تک کہ ان دونوں کا مکہ مکرمہ میں زندگی گزارنا مشکل ہو گیا۔

جب حضور انور رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا تو حضرت رملہ بنت ابی سفیان اور ان کا خاوند عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہما ان مہاجرین میں سرفہرست تھے جو دین و ایمان کی حفاظت کے لئے نجاشی کی پناہ گاہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔

لیکن ابوسفیان بن حرب اور دیگر زعمائے قریش کو یہ بات بڑی شاق گزری کہ مسلمان ان کے ہاتھوں سے نکل کر سرزمین حبشہ میں چین و آرام کی زندگی بسر کرنے لگیں۔ قریش نے نجاشی کے پاس اپنے قاصد بھیجے تاکہ وہ اسے مسلمانوں کے خلاف برا بیچتے کریں اور اس سے پرزور یہ مطالبہ کریں کہ پہلی فرصت میں انہیں ہمارے

حوالے کر دیا جائے۔ اور ساتھ ہی اسے یہ بھی بتائیں کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم کے متعلق ایسے عقائد و نظریات رکھتے ہیں کہ کوئی غیرت مند انسان سن نہیں سکتا۔

نجاشی نے ان قاصدوں کی باتیں سننے کے بعد مہاجرین کے زعماء کی طرف پیغام بھیجا اور ان سے دین کی حقیقت اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہ السلام کے متعلق نظریات معلوم کیے اور اس سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ قرآن حکیم میں سے چند آیات سنائیں جب مسلمانوں نے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآنی آیات کی تلاوت سنائی تو نجاشی بے بسی کے عالم میں زار و قطار رونے لگا۔ اتنا رویا کہ آنسوؤں سے اس کی داڑھی بھیگ گئی۔

اور ان سے کہنے لگا:

یہ آیات جو آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل کی گئیں اور وہ پیغام الہی جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر نازل کیا گیا بالکل اس نور کی طرح یکساں ہے جو ایک منبع سے پھوٹ رہا ہو پھر اس نے اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی صداقت کا برملا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی اس نے ہر اس شخص کی حمایت و حفاظت کا اعلان کر دیا جو پناہ لینے کی خاطر ہجرت کر کے اس کے ملک میں آ جائے لیکن ایوان حکومت کے دیگر زعماء بدستور عیسائیت کے پیروکار رہے۔

جسٹہ پہنچ جانے کے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے دل میں آیا کہ اب دکھوں کے دن بیت چکے دشوار گزار اور تکلیف دہ راستوں سے گزر کر امن و سکون کی وادی میں پہنچ چکی ہوں، لیکن تقدیر میں جو فیصلے ہو چکے تھے ان کا انہیں کوئی علم نہ تھا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ایسا سخت امتحان لیا جائے جس سے عقلمندوں کی عقل و دانش اور ہوشمندوں کی فہم و فراست دنگ رہ جائے اور پھر اس کٹھن ابتلاء سے کامیاب و کامران نکل کر عز و شرف کی چوٹی پر جلوہ افروز ہو سکے۔

ایک رات حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے بستر پر لیٹی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کا خاوند ایک گہرے سمندر کی تلاطم خیز موجوں میں بہت بری طرح غوطے کھا رہا ہے اور رات بھی تاریک اور ڈراؤنی ہے۔ وہ یکدم اپنی نیند سے گھبرا کر اٹھی اس خواب سے بہت مضطرب اور بے چین ہوئی لیکن اس نے اپنا یہ خواب نہ خاوند کو بتانا پسند کیا اور نہ ہی کسی اور کو۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ خواب حقیقت کا روپ اختیار کر گیا۔ اور اس کا خاوند عبداللہ بن جحش مرتد ہو کر نصرانی بن گیا۔ پھر اس نے شراب نوشی کے لئے میخانوں کے چکر لگانے شروع کر دیے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ طبیعت سے نوشی سے سیراب ہی نہ ہوئی اس نے شراب کے نشے میں ہر وقت دھت رہنا شروع کر دیا اس نے اپنی بیوی کو اختیار دے دیا کہ

چاہے وہ طلاق حاصل کرے یا چاہے وہ عیسائیت قبول کرے۔

اب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا تذبذب میں مبتلا ہو گئیں اور تین صورتیں فوری طور پر ان کے سامنے آئیں۔
یا تو وہ اپنے خاوند کی بات مان کر عیسائیت قبول کرے اور اس طرح اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور بایں صورت (اور اس طرح) دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب کو اپنا مقدر بنا لے (العیاذ باللہ) یہ راستہ وہ کسی صورت بھی اختیار نہیں کر سکتیں خواہ اس کے جسم کا گوشت لوہے کی کنکیوں سے نوج ڈالا جائے۔
دوسری صورت یہ تھی کہ وہ اپنے باپ ابوسفیان کے گھر مکہ معظمہ واپس لوٹ جائے جو ابھی تک کفر و شرک کا قلعہ اور مرکز بنا ہوا ہے اور اس گھر میں مقہور و مغلوب ہو کر قیدی بن کر زندگی کے دن پورے کرے۔
اور تیسری صورت یہ تھی کہ سرزمین حبشہ میں تنہا زندگی بسر کرے نہ ان کا وہاں کوئی خاندان تھا نہ وطن اور نہ ہی مددگار.....

انہوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا میں ہوئے سرزمین حبشہ میں اس وقت تک قیام کو ترجیح دی جب تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کشائش پیدا نہ کر دے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ ان کا خاوند عبداللہ بن جحش عیسائیت قبول کرنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد فوت ہو گیا۔ ابھی عدت پوری نہ ہوئی تھی کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے دن پھر گئے۔ تنگی فراوانی میں تبدیل ہو گئی اور خوشحالی اپنے سنہری پر پھلائے ہوئے ان کے گھر پر سایہ فگن ہو گئی۔ ایک روز چاشت کے وقت کسی نے دروازے پہ دستک دی۔ دروازہ کھولا تو سامنے شاہ حبشہ کی خادمہ ابرہہ کو کھڑا پایا۔ اس نے بڑے ادب و احترام سے جھک کر سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت طلب کی! گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے کہا: بادشاہ سلامت آپ کو سلام کہتے ہیں۔

اور انہوں نے آپ کے نام یہ پیغام بھی بھیجا ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اپنی زوجیت میں لینے کا فیصلہ کر لیا ہے اور حضور پر نور ﷺ نے بادشاہ سلامت کو ایک خط بھی لکھا ہے جس میں ان کو عقد نکاح کے لیے اپنا وکیل مقرر کیا ہے۔ آپ بھی جسے چاہیں اپنا وکیل بنالیں۔

یہ خبر سن کر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور بے پناہ مسرت و شادمانی سے جھومتے ہوئے اس خادمہ کی بلائیں لینے لگی اور دار فکلی کے عالم میں اسے دعا دینے لگی کہ خدا تجھے خوش رکھے، خدا تجھے خیر و برکت سے نوازے اور اسی خوشی میں سونے کے کنگن چاندی کی پازیب سونے کی بالیاں اور انگوٹھیاں اتار کر خادمہ کو بطور تحفہ دے دیں۔

آج حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مسرت و شادمانی کے اس موقع پر اگر دنیا کے خزانوں کی مالک ہوتی تو وہ بھی اس خادمہ کو بطور تحفہ عنایت کر دیتی۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

میں اپنی جانب سے حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو وکیل مقرر کرتی ہوں، کیونکہ وہی رشتہ میں میرے قریبی ہیں۔

شاہ حبشہ نجاشی کے سبزہ زار اور سایہ دار درختوں کے جھرمٹ میں واقع عالیشان محل کے ایک خوبصورت اور آراستہ و پیراستہ وسیع حال میں شادی کی تقریب منعقد ہوئی۔ حبشہ میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پروقار تقریب میں شریک ہوئے۔ ان میں سے جعفر بن ابی طالب، خالد بن سعید بن عاص اور عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ قابل ذکر ہیں۔

جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے، محفل جم گئی تو نجاشی نے خطاب کرتے ہوئے کہا:

میں امن دینے والے، کمی کو پورا کرنے والے اللہ پاک کی تعریف کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور محمد رضی اللہ عنہ کے بندے اور رسول ہیں اور خداوند قدوس وہ بابرکت ذات ہے جس نے رسول اقدس رضی اللہ عنہ کی حضرت عیسیٰ بن مریم کو بشارت دی۔

حمد و ثنا کے بعد

حاضرین محترم! رسول رضی اللہ عنہ کا مجھے پیغام ملا ہے کہ میں حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی ان سے شادی کر دوں اور میں نے یہ مطالبہ مانتے ہوئے اور حضور پر نور حضرت محمد رسول اللہ رضی اللہ عنہ کی نیابت کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول رضی اللہ عنہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو دینار مقرر کرتا ہوں۔

پھر یہ دینار حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وکیل حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیئے پھر حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں، اسی سے مدد طلب کرتا ہوں اسی سے بخشش کا طلبگار ہوں اور اسی کے حضور اپنے گناہوں کی معافی کا خواہاں ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد رضی اللہ عنہ اس (اللہ تبارک تعالیٰ) کے بندے اور رسول رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں حق و صداقت پر مبنی ضابطہ حیات دے کر بھیجا گیا تاکہ اسے تمام نظامہائے زندگی پر غالب کر دے اگرچہ کافر اس کو ناپسند ہی کریں۔

حمد و ثنا کے بعد

حاضرین محترم! میں رسول اقدس رضی اللہ عنہ کے مطالبے کو قبول کرتے ہوئے اپنی موقوفہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت محمد رسول اللہ رضی اللہ عنہ سے کرتا ہوں۔

اللہ اس کار خیر میں برکت عطا فرمائے، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی اس خوش بختی پر مبارکباد ہو۔

پھر مہر میں دیئے گئے دینار اٹھائے اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کرنے کے لئے روانہ ہونے لگے۔
باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے گھروں کو واپس جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

نجاشی نے ان سے کہا: تشریف رکھئے انبیاء کرام علیہ السلام کی سنت ہے جب وہ شادی کرتے ہیں تو وہ کھانا کھلایا کرتے ہیں۔ میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے آپ تمام کو کھانے کی دعوت دیتا ہوں۔
تمام حاضرین نے کھانا کھایا اور پھر اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔
ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

جب مہر کی خطیر رقم میرے پاس پہنچی تو میں نے اس میں سے پچاس دینار شاہ حبشہ کی اس خادمہ کو بھیج دیئے۔ جس نے مجھے نکاح کی خوشخبری سنائی تھی اور ساتھ ہی یہ پیغام بھیجا کہ میں اسی دن یہ مال تجھے دینا چاہتی تھی جب تم نے مجھے نکاح کی خوشخبری دی تھی لیکن اس وقت میرے پاس مال نہیں تھا فرماتی ہیں:

کہ تھوڑی ہی دیر بعد ابرہہ میرے پاس آئی سونے کے یہ دینار اور وہ تمام زیورات مجھے واپس لوٹا دیئے جو میں نے اسے بطور تحفہ دیئے تھے اور کہنے لگی: شاہ حبشہ نے مجھے منع کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں ان میں سے کوئی چیز بھی اپنے پاس نہ رکھوں میں یہ تمام زیورات بھد شکر یہ واپس کرتی ہوں۔ اور ہاں انہوں نے اپنی تمام بیویوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے پاس موجود قیمتی عطریات آپ کی خدمت میں پیش کریں۔
دوسرے روز وہ میرے پاس زعفران، عود اور عنبر کے دلربا عطریات لے کر آئی اور کہنے لگی۔
مجھے آپ سے ایک کام ہے۔

میں نے پوچھا وہ کیا؟

بڑی رازداری کے ساتھ کہا: میں نے اسلام قبول کر لیا ہے دین محمد ﷺ کی تابع ہو چکی ہوں۔ میرا حضور پر نور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو سلام کہنا اور آپ کو یہ بھی بتا دینا کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکی ہوں۔

خدا را میری بات بھولنا نہیں۔

پھر اس نے میرا سامان ترتیب دیا اور سفر کی تیاری میں میرا ہاتھ بٹایا۔

میں جب دور دراز کا سفر طے کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچی۔ تقریب نکاح کا واقعہ آپ کو سنایا۔ ابرہہ کا ایمان افروز کردار بیان کرتے ہوئے اس کا سلام عرض کیا۔ حضور انور رسول اللہ ﷺ ابرہہ کے ایمان لانے کی باتیں سن کر بہت خوش ہوئے اور سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین جلد ۱۶۷ - جلد دوم

الاصابتہ جلد ۴/ صفحہ ۲۴۱ - الاستیعاب جلد ۴/ صفحہ ۳۰۳ - اسد الغابۃ جلد ۵/ ۲۵۷ - صفحہ الصفوۃ جلد ۲/ ۲۲ - المعارف لابن قتیہ صفحہ ۱۳۶-۳۳۴۰ - سیر اعلام النبلاء - مراۃ الجنان - السیرۃ النبویہ لابن ہشام - تاریخ الطبری - طبقات ابن سعد - تہذیب المعذیب - حیاۃ الصحابۃ - اعلام النساء جلد ۱/ صفحہ ۳۶۳

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا مزاج بچپن سے ہی سپاہیانہ تھا اس لئے انہوں نے اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق ہی پیشہ اختیار کیا تھا۔ اسلحہ سازی کا ایک کارخانہ بنایا تھا۔ جس میں مروجہ اسلحہ ڈھالا جاتا تھا۔ آپ کے کارخانہ کے ساختہ تیرتلواریں اور تبر بڑے مشہور تھے جس میں معیار کو بطور خاص ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا ساتواں نمبر ہے۔

اس وقت تک چھ افراد اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

جب میں نے اسلام قبول کیا اس وقت میری عمر انیس سال تھی۔

نام کی مناسبت سے بڑے ہی سعید فطرت اور پاک نہاد تھے۔ غالباً صفائے باطن اور طبعی پاکیزگی اور شرافت و سعادت ہی کے باعث انہوں نے ایک خواب دیکھا جس نے زندگی میں انقلاب برپا کر دیا، فکر و خیال اور سوچ کے دھارے بدل کر رکھ دیئے اور انہیں ایک نئی انوکھی اور پہلے سے بالکل مختلف زندگی اختیار کرنے کی طرف مائل کر دیا۔ خواب کا ابتدائی حصہ بڑا بھیانک اور ڈراؤنا تھا مگر دوسرا حصہ معنی تیز تھا جس نے انہیں بہت متاثر کیا۔

آپ نے دیکھا اندھیروں کی گھنگھور گھٹا ہر طرف چھا گئی ہے اور اس نے ہر چیز کو نگل لیا ہے۔ ساری کائنات اسی گہرے اندھیرے میں ڈوب گئی اچانک دور افق پر روشنی دکھائی دی جیسے چاند ابھر رہا ہو۔ انہوں نے تاریکی سے جان چھڑانے کے لئے چاند کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ یہ بالکل روشنی کے قریب پہنچ گئے وہاں جا کر پتہ چلا کچھ لوگ ان سے بھی پہلے وہاں پہنچ چکے ہیں جب غور سے دیکھا تو پہچان لیا تمام چہرے شناسا تھے ان میں حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ نمایاں تھے۔ آپ لوگ یہاں کب پہنچے؟ انہوں نے حیرت سے پوچھا بس ابھی پہنچے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ جب بیدار ہوئے تو بے قرار تھے بیٹھنا مشکل ہو گیا وہ اس کی تعبیر اور تہ تک پہنچنے کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے۔

انہوں نے کہا اے سعد! تعبیر واضح ہے ہم لوگ (قوم انسانیت) اوہام و اباطیل کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ قدرت نے ازراہ لطف و کرم ہمیں اسلام کا چشمہ نور عطا کیا ہے۔ نور الانوار شاہد و مبشر اور سراج منیر نبی ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔ اب بھی اگر ہم اندھیروں میں پھنسے رہیں تو یہ ہماری بد قسمتی ہوگی۔ آگے بڑھو اور ایمان لے آؤ اجالوں میں آ جاؤ گے اور دنیا و عقبیٰ کی فلاح حاصل کر لو گے۔

مسلمان اس وقت پہاڑوں اور گھاٹیوں میں جا کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا۔ اس وقت حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم علیہ السلام ”شعب اجیاد“ میں موجود ہیں۔ یہ ایک گھاٹی کا نام تھا وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو وہاں لے گئے جو نبی رخ پر نور پر نظر پڑی حضرت سعد کی دنیا ہی بدل گئی ادب سے جھک گئے اور کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۲۲ محمد رسول اللہ محمد رضا صفحہ ۹۷)

آپ نے انیس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور اس چھ رکنی کمیٹی کے ممبر بھی تھے جو تقرر خلیفہ کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقرر کی تھی۔ آپ اسلام کے پہلے تیر انداز ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں تیر چلائے اور دشمن کا خون بہایا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ کا لقب ”فارس الاسلام“ ہے یعنی اسلام کا شہسوار۔ تمام معرکوں میں شرکت کی۔ احد کی جنگ میں مردانگی اور شجاعت کے جوہر دکھائے آپ مستجاب الدعوات تھے۔ آپ اس لشکر اسلام کے سپہ سالار تھے جس نے شہنشاہ ایران کو شکست دی اور مدائن جو کسریٰ کا پایہ تخت تھا اس پر اسلام کا پرچم لہرا۔

۵۵ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے آپ کا رنگ گندمی، قد درمیانہ، سر بڑا تھا۔ آپ کے ایمان لانے کا واقعہ (پہلے اوپر بیان کردہ) بڑا حیرت انگیز ہے۔ آپ کی ماں کو جب پتہ چلا کہ آپ اسلام لے آئے ہیں تو وہ آگ بگولہ ہو گئی۔ اس کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ اس کے جگر کا ٹکڑا اس کی آنکھوں کا نور اس کے معبودوں لات و ہبل کے خلاف علم بغاوت بلند کرے۔ چنانچہ اس نے تہیہ کر لیا کہ جب تک سعد اس نئے دین کو چھوڑ کر اپنے آبائی مذہب کی طرف نہیں لوٹے گا نہ وہ کھائے گی نہ پیئے گی اور نہ سایہ میں بیٹھے گی۔ اور اسی طرح بھوکی پیاسی عرب کی چلچلاتی دھوپ میں تڑپ تڑپ کر جان دے دی گی۔ اسے یہ یقین تھا کہ اس کا بیٹا سعد اس کی اس تکلیف کو ہرگز برداشت نہیں کر سکے گا اور فوراً اس کی مرضی کے مطابق اس نئے مذہب کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

”چنانچہ ایک دن اس نے نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا۔ جب صبح اٹھی تو ضعف و نقاہت کے آثار اس کے چہرہ سے عیاں تھے۔ دوسرے روز پھر اس نے نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا۔ کمزوری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ حضرت سعد فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنی ماں کی یہ ضد دیکھی تو میں نے کہا اے ماں! بخدا تم جانتی ہو کہ اگر تیری سو جائیں بھی ہوں اور وہ ایک ایک کر کے نکلتی جائیں تو پھر بھی میں دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں چھوڑوں گا۔ اب تمہاری مرضی کھانا کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ پانی پیو یا نہ پیو۔ جب اس نے میرا یہ پختہ عزم دیکھا تو اس نے خود بخود کھانا شروع کر دیا۔“ (السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)

اس اعزاز کو حاصل کرنے والے آپ پہلے صحابی ہیں جس کے بارے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تیر چلا! میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ اے زور آور نو جوان تیر چلا۔“

شوال ۳، ہجری

غزوہٴ احد کا کڑا اور سخت دن ہے۔ کفر و اسلام کا دوسرا معرکہ شدید گرم ہے۔ اللہ کے سات سو صاحبِ عزم و ایمان بندے لڑائی کے پہلے دور میں اپنے سے چار گنا سے بھی زیادہ تین ہزار مشرکین مکہ کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں لیکن دشمنوں میں بھکڑ مچتے دیکھ کر عتبی درے پر تعینات تیر اندازوں کی اکثریت رسول اللہ ﷺ کے تاکیدِ فرمان کو فراموش کر کے اپنی ڈیوٹی کے مقام کو چھوڑ کر مالی غنیمت پانے کے لئے میدانِ جنگ میں چلے جاتے ہیں۔ درہ کو خالی پا کر شکست خوردہ دشمن کا گھوڑا سوار دستہ یک لخت پلٹ کر ادھر سے مسلمانوں کے عقب پر حملہ کر دیتا ہے۔

مسلمانوں پر سراسیمگی کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اس ناگہانی حملے سے ان کی قوت بکھر جاتی ہے اور متعدد شہید و زخمی ہو جاتے ہیں۔ پھر دشمنوں کی طرف سے جھوٹا نعرہ بلند ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ محمد ﷺ شہید ہو گئے۔ اس سے مسلمانوں کی رہی سہی ہمتیں بھی ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کی اکثریت مایوسی کے عالم میں ادھر ادھر منتشر ہو جاتی ہے۔ کئی جری اور قوی صحابی ہتھیار چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ اب لڑنے کا کیا فائدہ جب رسول خدا ﷺ ہی نہ رہے۔ تاہم اس صورتحال میں بھی کوئی درجن بھر نفوسِ قدسیہ نے اپنے لہو کے چراغوں سے روشنی کر رکھی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ اور آٹھ دس دوسرے صحابہ جن میں ایک جانب از صحابیہ اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں شمعِ رسالت کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہیں اور کفار کے ایک بڑے ہجوم کے مقابلے میں انتہائی بے جگری، سرفروشی اور صبر و استقامت سے لڑ رہے ہیں۔

حضرت زید بن سکن رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہی انصاری نوجوان جناب رسالت مآب ﷺ کی حفاظت میں بے دریغ بے مثال لڑائی لڑ کر حق بیعت ادا کر چکے ہیں۔ پروانوں کے اس مختصر ہجوم میں ایک گٹھے ہوئے جسم اور قوی پنجہ والا قدرے چھوٹے قد کا اکتیس بتیس سال کا شعلہ جوالہ قسم کا جوان بھی ہے جو لگاتار انتھک انداز سے دشمنوں پر تیر پر تیر چلائے جا رہا ہے۔ وہ اپنی ذاتی حفاظت سے قطعاً بے نیاز معلوم ہوتا ہے۔ اسے خیال ہے تو اپنے ہادی اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حفاظت کا ہے۔

اس کا ہر تیر اپنے نشانے پر بیٹھتا ہے۔ کسی دشمن کو زخمی اور لہو لہان اور کسی کو جہنم رسید کرتا ہے۔ اسکی تیر اندازی اور جذبہ جاں نثاری نقطہ عروج پر ہیں۔ جناب رسالت مآب ﷺ فرماتے جاتے ہیں (ارم فداک ابی و امی) تیر چلائے جا میرے ماں باپ تجھ پر قربان!“ اور کبھی فرماتے ہیں (ارم ایہا الغلام الحرور) ”اے زور آور نوجوان تیر چلا!“ جناب سرور کونین ﷺ کے یہ جملے اس نوجوان کے لئے زندگی کا سب سے بڑا شرف اور اعزاز ہیں بلکہ اس کی آئندہ نسلوں کے لئے بھی۔

طلحہ بن طلحہ ایک دیو قامت کافر حضورِ پُر نور ختمی مرتبت ﷺ پر حملہ کی نیت سے آگے بڑھتا ہے لیکن حضورِ انور ﷺ کا فداکار تیر انداز تاک کر ایک تیر چلاتا ہے جو اس دشمنِ خدا و رسول ﷺ کے حلق میں جا کر پیوست ہو جاتا ہے۔ زبان کتے کی طرح باہر نکل آتی ہے اور وہ وہیں ڈھیر ہو جاتا ہے۔ اس طرح اللہ کے اس جانباز غازی کی وہ دعا پوری ہو جاتی ہے جو اس نے آغاز جنگ سے پہلے مانگی تھی کہ ”اے اللہ میرا مقابلہ بڑے بہادر اور تیز و تند دشمن سے ہو اور تو مجھے اتنی طاقت عطا فرما کہ میں اسے تیرے دین کی خاطر قتل کر دوں۔“

جب تیر انداز کا اپنا ترکش خالی ہو جاتا ہے تو پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ پُر نور رحمۃ اللعالمین ﷺ اپنے ترکش کے تیر اپنے ہاتھوں سے نکال نکال کر اسے دیتے جاتے ہیں اور وہ چلاتا جاتا ہے۔ اکثر تیر نشانے پر بیٹھتے ہیں۔ اس طرح اس انتھک نو جوان نے کوئی ہزاروں تیر چلائے اور دشمنوں کو آگے بڑھنے سے روک رکھا۔ بالآخر حضورِ انور نبی کریم ﷺ کا ترکش بھی خالی ہو جاتا ہے اور ایک دشمن آگے بڑھ کر بڑی شدت سے حملہ آور ہوتا ہے۔ صرف بغیر پھل کا ایک تیر (تکا) باقی ہے وہ جو انمرد اسی کو چلے پر چڑھا کر تاک کر دشمن کی پیشانی پر مارتا ہے۔ دشمن گر کر برہنہ ہو جاتا ہے۔ حضورِ انور نبی کریم ﷺ اپنے فدائی کی تیر اندازی اور دشمن کی بدحواسی پر مسکرانے لگتے ہیں اور آپ ﷺ کے دندان مبارک دکھائی دینے لگتے ہیں۔

یہ فداکار نو جوان دشمنوں کے ہاتھوں زخم بھی کھاتا ہے لیکن ترکش خالی ہو جانے کے بعد بھی اپنے ہادی ﷺ کی حفاظت کے لئے سینہ سپر رہتا ہے۔ حضورِ انور نبی کریم رحمۃ اللعالمین ﷺ اس کے حق میں دعا فرماتے ہیں۔ ”الہی! اس کے حیر کو نشانہ پر بٹھا اور اس کی دعا کو قبول فرما۔“ آخر رسول اللہ ﷺ دشمنوں کے زرعے کو توڑ کر احد کی گھاٹی پر پہنچ جاتے ہیں اور دشمن خدا و رسول مکہ کو لوٹ جاتے ہیں۔

ایک اور موقع پر رجل صالح

مدینہ میں دن رات افواہیں اڑتی ہیں کہ رومی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ حملہ کسی بھی وقت ہو سکتا ہے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن رات چاق و چوبند اور ہتھیار بند رہتے ہیں۔ سخت خطرہ ہے کہ کہیں بے خبری میں حضورِ انور نبی کریم ﷺ پر رات کو حملہ نہ کر دیا جائے۔ یہودی بھی رومیوں کی سازش میں شامل ہیں۔ لیکن ایسی ہی تاریک اور بھیاں تک رات میں حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کو روف و رحیم ﷺ بستر پر استراحت کے لئے لیٹے ہیں تو فرماتے ہیں ”کاش آج کوئی رجل صالح اور مضبوط طاقتور بندہ حفاظتی پہرے کے لئے ہوتا۔“ اتنے میں کسی کے پاؤں کی آہٹ اور اسلحہ کی جھنکار سنائی دیتی ہے۔ حضورِ پُر نور ﷺ پوچھتے ہیں کون ہے؟ جواب آتا ہے ”یا رسول اللہ ﷺ میں ہوں آپ ﷺ کا خادم سعد بن مالک (ابی وقاص)۔ میں نے سوچا اندھیری رات ہے مبادا کوئی خطرہ پیش آئے اس لئے پہرہ دینے کو حاضر ہوا ہوں۔“ سرور کائنات ﷺ یہ سن کر خوش ہوتے ہیں اور دعا دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد۔ اسد الغابہ)

یہ فدا ہونے والا نوجوان یہ صاحب عزم و استقامت یہ تیر انداز جس نے احد کے قیامت خیز ہنگامہ میں سرفروشی اور جانبازی کا حق ادا کر دیا اور جس رجل صالح نے راتوں کو بھی اسلحہ بند ہو کر حضور انور ﷺ کی حفاظت کے لئے رضا کارانہ پہرہ دیا وہ کون تھا؟

یہ رجل صالح وہ بزرگ ہیں جنہیں تاریخ ان کے باپ ابو وقاص (مالک) کی کنیت کی نسبت سے سعد بن ابی وقاص یا سعد رضی اللہ عنہ بن مالک کے نام سے یاد کرتی ہے اور جنہیں کئی شرف اور امتیاز حاصل ہیں۔ انہوں نے اسلام کی خاطر پہلی خونریزی کی راہ خدا میں پہلا تیر چلایا۔ راتوں کو حضور پر نور ﷺ کی حفاظت کے لئے ہتھیار بند ہو کر پہرہ دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں ”رجل صالح“ (نیک مرد) کہا۔ یہی وہ واحد صحابی ہیں جن کی نماز جنازہ میں حضور انور ﷺ کی ازواج مطہرات نے بھی شرکت کی اور حضور انور ﷺ اپنی زندگی میں ان سے خوش رہے اور جنت کی بشارت دی۔ حضور انور نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد بھی اسلام کے لئے ان کی جاں نثارانہ خدمات کا سلسلہ جاری رہا۔ انہوں نے عہد فاروقی میں دنیا کی قدیم ترین اور عظیم ترین سلطنت ایران کو ختم کر کے وہاں اسلام کا بول بالا کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے ”فداک ابی وامی“ کے الفاظ نہیں سنے۔ احد کے دن آپ ﷺ نے ان کے لئے فدا کرنے میں اپنے والدین جمع کر دیئے۔ یہ درست ہے کہ احد کے دن یہ خصوصی شرف صرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہوا اگرچہ دوسری روایات میں ہے کہ ایک ایسے ہی نازک موقع پر یہ الفاظ حضور انور ﷺ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے لئے بھی استعمال کئے لیکن اس میں اولیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے۔ بہر حال یہ دونوں بزرگ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ناموران اسلام میں شمار ہوتے ہیں۔

نام و نسب

اسلام کے اس پہلے تیر انداز کا نام سعد رضی اللہ عنہ اور کنیت ابو اسحاق تھی۔ باپ کا اصل نام مالک تھا اور کنیت ابو وقاص۔ وہ ظہور اسلام سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ تاریخ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو کبھی سعد رضی اللہ عنہ بن مالک اور کبھی سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو زہرہ سے تھا۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی اسی قبیلہ سے تھیں اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے والد کی چچا زاد بہن تھیں۔ اس رشتے سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور انور نبی کریم ﷺ کے ماموں زاد بھائی ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ حمنہ بنو امیہ سے تھیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہالہ بنت وہیب کا نکاح حضور انور نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب سے ہوا تھا۔ وہ حضور حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی والدہ تھیں۔ اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حقیقی پھپھی زاد بھائی تھے یوں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قریش کے تین معزز خاندانوں

بنی زہرہ بنی ہاشم اور بنی امیہ سے قرابت تھی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں کلاب بن مرہ پر حضور پر نور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

پیدائش

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سال پیدائش اور عمر کے متعلق روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ ہجرت نبوی سے تقریباً تیس سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے اور مکہ کے خوشحال گھرانوں کے بچوں کی طرح ان کی پرورش اور تربیت ہوئی۔ لکھنا پڑھنا سیکھا، مروجہ فنون جنگ بالخصوص تیز اندازی میں مہارت حاصل کی اور غالباً عام اہل مکہ کی طرح تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔

وفات

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے 55 ہجری میں وفات پائی۔ سترہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے۔ تیرہ سال بحالت اسلام مکہ میں اہل مکہ کے مظالم سہتے رہے۔ تیس سال کی عمر میں ہجرت کی۔ ہجرت کے بعد پچپن سال زندہ رہے اور اسلام کے لئے عظیم کارنامے سرانجام دئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً پچاس سال تھی۔ جب آپ کی وفات کی خبر عقیق سے مدینہ پہنچی تو کھرام مچ گیا۔ جو امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن بقید حیات تھیں۔ انہوں نے پیغام بھیجا کہ جنازہ مسجد نبوی میں پڑھا جائے تاکہ وہ بھی شریک ہو سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور بے شمار دوسرے افراد کے علاوہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے بھی عشرہ مبشرہ کے آخری بزرگ کی نماز جنازہ پڑھی۔ جنگ بدر میں جو جبہ پہن کر آپ نے جہاد کیا تھا وہ گزشتہ نصف صدی سے بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا تھا۔ وفات کے وقت وہ پرانا جبہ نکلوا یا اور فرمایا کہ مجھے اسی کا کفن دینا۔ میں نے یہ اسی دن کے لئے محفوظ رکھا تھا، جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ وفات کے وقت اڑھائی لاکھ درہم بطور ترکہ چھوڑے۔

حلیہ

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی عائشہ رضی اللہ عنہا کے مطابق وہ پست قامت، فربہ اندام اور قوی پنجہ تھے۔ سر بڑا اور انگلیاں موٹی تھیں۔ بال گھنے تھے۔ آخری عمر میں سیاہ خضاب لگاتے تھے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ نوفل بن عدویہ جو اسد قریش کے لقب سے مشہور تھا اسے جب اس بات کا علم ہوا تو وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے دونوں کو یعنی حضرت صدیق اور طلحہ کو ایک رسی میں جکڑا اور کس کر باندھ دیا۔ وہ دونوں کراہتے رہے لیکن ابن

عدویہ کی قوت اور دبدبہ کے ڈر سے ان کے قبیلہ بنو تیم کے کسی فرد کو ہمت نہ ہوئی کہ انہیں آ کر چھڑا دے۔ حضور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے۔ ”اے اللہ عدویہ کے بیٹے کے شر سے بچا“۔ حضرت طلحہ کے ایمان لانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ طلحہ بصری کی منڈی میں تجارت کے لئے گئے ہوئے تھے کہ بقول حضرت طلحہ بن عبید اللہ شان رب العالمین اور میری خوش نصیبی کہ راہب بصری نے اپنے شوق و خود داری میں مجھ سے ملاقات و بات چیت کی۔

جب انسان کو کسی چیز سے دلچسپی ہو تو وہ گھوم پھر کر اسی کی بات کرتا ہے اور اس کے ذہن پر ہر وقت اسی کی دھن سوار رہتی ہے معلوم ہوتا ہے راہب بصری کی بھی اس وقت یہی کیفیت تھی وہ سرزمین عرب سے آنے والے ہر شخص کو دلچسپی اور عقیدت سے دیکھتا تھا اور اس سے نبی آخر الزماں ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرتا تھا اور اگر اس کے پاس معلومات نہ ہوتیں تو خود مہیا کرتا تھا۔

تجارت کی غرض سے عرب باشندے ملک شام آتے جاتے رہتے تھے۔ راستے میں ان کا قیام ”بصری“ اسی جگہ ہوتا تھا جہاں راہب کا گر جا تھا۔ ان دنوں وہاں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ گئے ہوئے تھے مگر انہیں اپنے ملک سے نکلے کافی عرصہ ہو گیا تھا اس لئے انہیں علم نہیں تھا کہ ان کے پیچھے حضور انور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت فرما دیا ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر راہب نے اپنے پاس بلایا اور پوچھا:

کیا احمد رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں اعلان نبوت فرما دیا ہے؟

طلحہ نے حیرت سے پوچھا: کون احمد رضی اللہ عنہ؟

راہب نے بتایا:

عبدالمطلب کے پوتے وہ آخری نبی ہیں اور یہی ان کے ظہور و بعثت کا مہینہ ہے۔ وہ نبی آخر الزماں حرم مکہ میں ظہور فرمائیں گے اور ہجرت کر کے ایک ایسی سرزمین کی طرف جائیں گی جہاں نخلستان اور میدان ہیں جن میں کالے جلے ہوئے پتھر ہیں اور کلر اور شور ہے۔ (الوفاء بحوال المصطفیٰ صفحہ ۵۶ محمد رسول اللہ محمد رضا صفحہ ۷۹)

بات حیران کن تھی اس نے دل میں گھر کر لیا اب خواہش یہ تھی کہ پر لگا کر مکہ پہنچ جائیں۔

حیرت و اشتیاق اور اضطراب کی کیفیت لئے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ان کا پہلا سوال ہی یہ تھا۔

کیا میرے بعد کوئی نئی اور حیرت انگیز بات وقوع میں آئی ہے۔

ہاں امین و صادق محمد بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے دعوائے نبوت کر دیا ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی پیروی کر لی ہے۔ (الوفاء بحوال المصطفیٰ صفحہ ۵۶ محمد رسول اللہ محمد رضا صفحہ ۷۹)

نورِ ام النور، نورِ رحمتہ للعالمین ﴿ ۹۱۷ ﴾ جلد دوم

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قرار نہ آیا فوراً اپنے دیرینہ اور با وفا دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور سوالیہ نشان بن گئے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب کچھ سمجھ گئے کہ پردیسی مسافر ہے باہر سے آیا ہے اور میرے جذبات و احساسات جاننے کا خواہشمند ہے۔

فرمایا: اے طلحہ!

وہ سچے نبی ہیں۔ حق و صداقت اور خیر و فلاح کی طرف داعی ہیں۔ حق کی پہچان اور اتباع میں دیر نہ کرو اور ابھی میرے ساتھ چلو روشنی تمہاری منتظر ہے باطن کے دیوار و در روشن کر لو۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ایک فرمانبردار بچے کی طرح ان کے ساتھ ہو لئے اور بارگاہ رسالت ﷺ میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے اور راہب شام کا سارا قصہ بیان کر دیا۔

(الوقایا حوال المصطفیٰ صفحہ ۵۶۔ محمد رسول اللہ محمد رضا صفحہ ۷۹)

آپ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور اس مذکورہ چھ رکنی کمیٹی کے رکن تھے۔ نبی کریم رؤف و رحیم پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ نے آپ کو طلحہ الخیر اور طلحہ الجود کے لقب سے ملقب فرمایا مہاجرین اولین سے ہیں بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت فرمائی آپ کی عمر چونسٹھ سال تھی۔

”آپ کا مزار شریف بصرہ میں ہے لوگ تبرک حاصل کرنے کے لئے وہاں حاضری دیتے ہیں“ (محمد رسول

اللہ محمد رضا صفحہ ۷۹)

میں (اس کتاب کا مصنف) اس سے پہلے بھی لکھ چکا ہوں اور پھر لکھ رہا ہوں کہ نبی کریم ﷺ کے ہر صحابی صحابیہ کو کوئی نہ کوئی شرف اعزاز امتیاز حاصل ہے اور یہ ان پر نبی رحمت ﷺ کی معرفت کے سبب اللہ تبارک تعالیٰ کا کرم خاص ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شب و روز پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ہادی انس و جان رہبر کائنات رسول بحر و بر اصل الموجودات حاصل کائنات فخر اولاد آدم تاجدار دو جہاں سرور کائنات سید المرسلین رحمت للعالمین خاتم النبیین حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی رفاقت میں کے زیرِ نگاہ بہترین اطاعت فرمانبرداری اور پُر خلوص اتباع میں گزرے ہیں۔ یہ تمام شمعیں نورِ ام النور نورِ رحمت للعالمین سے روشن ہیں۔ ان کا ذکر ایک طرح سے دراصل حیات طیبہ کا ہی ذکر ہے۔ حیات طیبہ اسوۂ حسنہ ہی ان میں فروزاں ہے اور ان کا اتباع تمام امت کے لئے روزِ قیامت تک کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص زمین پر شہید کو چلتا پھرتا دیکھنا چاہے وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔“

احد کا میدان کارزار ہے۔ مسلمان ابتدائی کامیابی کے بعد درے پر تعینات تیر اندازوں کی غلطی سے قریش

مکہ کے زرنغے میں آچکے ہیں اور ان کی طاقت وقتی طور پر منتشر ہو گئی ہے۔ دشمن نے اپنی تمام کوششوں اور حملوں کا

ہدف نبی آخر الزماں ﷺ کی ذات اقدس کو بنا لیا ہے۔ تیروں، تلواروں، نیزوں، پتھروں کے حملوں کا رخ انہی کی طرف ہے۔ وہ اسلام کی جڑ بنیاد کو اکھاڑ پھینکنے پر تلے ہوئے ہیں۔ محمد ﷺ نہیں رہیں گے تو اسلام بھی نہیں رہے گا۔ نہ بانس ہو گا نہ بانسری بجے گی نہ چراغ جلے گا نہ روشنی ہوگی لیکن وہ نہیں جانتے کہ۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

تیر اندازوں کے درہ کو چھوڑ دینے کے بعد کفار کی اچانک اور بے پناہ یورش سے مسلمانوں کی اکثریت تتر بتر ہو چکی ہے۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے گرد صرف دس بارہ جاں نثار باقی رہ گئے ہیں جو سینکڑوں ہزاروں دشمنوں کے مقابلے میں چوکھی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ حضور انور نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے لئے آپ ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کرنے والے انصار کا دستہ حضرت زید بن سکن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جاں نثاری کا حق ادا کر کے شہید ہو چکا ہے۔ علمبردار اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا کو اونچا رکھنے کی کوشش میں جذب و جنون جہاد کا انتہائی مظاہرہ کرتے ہوئے دشمنوں کی تلواروں سے یکے بعد دیگرے اپنے دونوں ہاتھ کٹوا دیئے اور پھر کٹے ہوئے بازوؤں اور دانتوں کی مدد سے جھنڈے کو سنبھالتے ہوئے مرتبہ شہادت حاصل کر لیا ہے۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے شیر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی کئی دشمنوں کو جہنم رسید کرنے کے بعد خود جنت میں پہنچ چکے ہیں اور ان کی لاش کا بڑی بیدردی سے مثلہ کیا جا چکا ہے۔ اب حضور پر نور رحمت اللعالمین ﷺ کے گرد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کی ذوالفقار چمکتی دکھائی دیتی ہے یا حضرت ابود جانہ انصاری رضی اللہ عنہ کی وہ تلوار جو آغاز جنگ میں خود حضور انور نبی کریم ﷺ نے انہیں عنایت کی تھی۔ اور یہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زخم پر زخم کھا کر لیکن اپنے آقا و مولا ﷺ کو بہر صورت بچا کر اس کا حق ادا کر رہے ہیں کبھی تلوار چلاتے ہیں، کبھی اپنے جسم کو ڈھال بنا لیتے ہیں کہ ہادی برحق پر آنچ نہ آنے پائے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنی تیر اندازی کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ جب ان کا اپنا ترکش خالی ہو جاتا ہے تو نبی کائنات رسولؐ بخرو برہادی انس و جان ﷺ اپنا ترکش بھی انہیں دے دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ”اے سعد! تیر چلائے جا، میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی کمال شجاعت و فداکاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ لڑتے لڑتے ان کے ہاتھ میں دو کمانیں اور ایک تلوار ٹوٹ چکی ہے اور تو اور حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا بھی حضور انور نبی کریم ﷺ کے دفاع میں اپنی تلوار کے جوہر دکھا رہی ہیں اور دوہری زرہ پہنے ہوئے ابن قمیہ کے مقابلے میں آ جاتی ہیں اسے زخمی کرتی ہیں اور خود بھی زخمی ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور حضرت علیؓ وغیرہم

رضوان اللہ علیہم اجمعین سب شمع رسالت ﷺ کے گرد پروانہ وار جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر لڑ رہے ہیں۔ کفار کے حملے شدید سے شدید تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس دوران کفار خاتم النبیین، سید المرسلین ﷺ کے شہید ہو جانے کی جھوٹی افواہ اڑا دیتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کے رہے سہے حوصلے بھی ٹوٹنے لگتے ہیں اور کچھ لوگ ہتھیار چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ اب لڑنے سے کیا حاصل؟ حضرت انس بن نصر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرتے ہیں اور بیٹھ رہنے کی وجہ معلوم ہونے پر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اب جینے سے کیا حاصل؟ پھر کفار پر حملہ کر کے مردانہ وار لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کرتے ہیں۔

اس تمام افراتفری، مایوسی، ہنگامہ آرائی اور یورش اعدا کے دوران میں ایک میانہ قامت، گندم گوں رنگت، خوب رو، بسیار مو، پتلی ناک والا شخص حضور انور رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب تھا اور دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے لئے ڈھال بنا ہوا تھا۔ اسے اپنی جان کی قطعاً کوئی پروا نہ تھی۔ اگر فکر اور پروا تھی تو یہی کہ اس کے آقا و مولا ﷺ کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے۔ کبھی وہ آگے بڑھ کر دشمنوں پر حملہ کرتا، کبھی دشمنوں کے حملے کو روکنے کے لئے سرکار دو جہاں ﷺ کے سامنے ڈھال بن جاتا۔ تیروں، تلواروں، نیزوں کے وار اپنے جسم اور ہاتھوں پر لیتا۔

اس کی جارحانہ اور مدافعانہ رفتار میں بجلی کی سی تیزی تھی۔ زخموں سے اس کا جسم چھلنی ہو گیا۔ تلوار کے وار سے دو انگلیاں کٹ گئیں۔ حضور انور نبی کریم ﷺ کی طرف سے آنے والے ایک تیر کو اپنے ہاتھ پر لیا جو ہتھیلی کو چھیدتا ہوا گیا اور ہاتھ ہمیشہ کے لئے شل ہو گیا۔ ایک اور وار سے پاؤں کی رگ نسا کٹ گئی۔ کھاؤں کدھر کی چوٹ، بچاؤں کدھر کی چوٹ کا عالم تھا۔ سر میں یکے بعد دیگرے دو نیزے لگے۔ جسم کا کافی خون بہہ گیا۔ پیشانی میں ایک بڑا اور چوکور زخم لگا لیکن اللہ کا وہ جوانمرد لڑتا رہا اور حضور انور نبی کریم ﷺ کو دشمنوں کے حملوں سے حتی الوسع بچاتا رہا۔

پھر یوں ہوا کہ حضور انور ﷺ نے ایک چٹان پر چڑھنے کا ارادہ کیا مگر دوہری زرہ کے بوجھ کی وجہ سے نہ چڑھ سکے اور پاؤں رہنے سے گڑھے میں چلے گئے۔ وہی زخموں اور خون میں نہایا ہوا شخص پھرتی سے گڑھے میں اتر ا اور اپنی پیٹھ حضور انور نبی کریم ﷺ کے آگے جھکا دی۔ آپ ﷺ اس کی پیٹھ پر چڑھے اور اوپر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دست مبارک پکڑ کر باہر نکالا۔ حضور انور نبی کریم ﷺ کو اپنی پیٹھ پر لادے وہ شخص لے کر چلا اور آپ ﷺ کو لے کر محفوظ جگہ پر پہنچ گیا۔ وہ خود اس وقت ادھ موا اور نیم بے ہوش ہو رہا تھا۔ حضور پر نور ﷺ کی سلامتی کی خبر پا کر بکھرے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے ساتھی کی خبر لو۔ اس نے اپنے پر جنت واجب کر لی۔ یہ چلتا پھرتا شہید ہے۔

شمع رسالت ﷺ کا یہ پروانہ کون تھا؟

تاریخ اسلام میں یہ صحابی رسول ﷺ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے دنیا کی تاریخ میں عقیدت، عزیمت، فدایت اور شجاعت کی درخشاں مثال قائم کر دی۔ گننے والوں نے ستر سے زائد زخم ان کے جسم پر گئے۔ احد کا دن ان کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ”طلحہ الخیر“ کا لقب دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں ہمیشہ ”صاحب احد“ کہہ کر پکارتے تھے۔ تین ہزار کفار کے مقابلے میں سات سو اللہ والوں کی صفت بندی اور ان میں سے بھی کوئی درجن بھر جاں نثاروں کی اپنے ہادی برحق ﷺ کے گرد جانفروشانہ حصار بندی، حق و باطل کی ایسی جان کاہ آویزش (لڑائی، ٹکڑ) جذبہ جاں فروشی اور جاں نثاری کے ایسے مناظر چشم فلک نے پہلے کاہے کو دیکھے ہوں گے۔

ابتدائی حالات - نام و نسب

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے ایک چھوٹے قبیلہ بنی تیم سے تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اسی قبیلہ سے تھے۔ ان کا شجرہ نسب چھٹی پشت میں رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے۔ ان کے والد عبید اللہ اسلام قبول کرنے سے پہلے وفات پا گئے۔ والدہ صعبہ بنت عبد اللہ ایمان لائیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد تک زندہ رہیں۔ اگرچہ ابتدا میں وہ سخت مخالف رہیں۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مکہ کے ان چند لوگوں میں سے تھے جو ظہور اسلام سے قبل لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ (عقد الفرید)۔ دوسرے شرفائے مکہ کی طرح ان کا پیشہ بھی تجارت تھا اور اوائل جوانی سے شام، یمن، عراق کی طرف تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ فن تقریر و خطابت میں مہارت رکھتے تھے، عرب کے خطباء میں شمار ہوتے تھے۔

غزوات میں شرکت

غزوہ بدر کے سوا حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سب ہی غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔ غزوہ بدر میں اس لئے شریک نہ ہو سکے کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے انہیں اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو قریش کے قافلے کی خبر لانے کے لئے بھیج دیا تھا۔ قافلہ راستہ بدل کر اور پہلو بچا کر نکل گیا۔ جب وہ یہ خبر لے کر آئے تو لشکر قریش سے میدان بدر میں جنگ ختم ہو چکی تھی۔ تاہم رسول کریم ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا اور اس طرح انہیں عملاً اصحاب بدر میں شمار کیا۔ شامل کیا۔ بدر سے غیر حاضری کی تلافی انہوں نے غزوہ احد میں شجاعت و جاں نثاری کے عظیم مظاہرے سے کی۔ حضور پر نور رسالت مآب ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جسے یہ دیکھنا پسند ہو کہ ایک شخص مرکز بھی زمین پر چلتا پھرتا ہے وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھے۔ مطلب یہ کہ طلحہ رضی اللہ عنہ زندہ شہید ہیں۔ ہادی دو جہاں رہبر کائنات ﷺ نے آپ کو

طلحہ الخیر، طلحہ الجود اور طلحہ الفیاض کے لقب سے ملقب فرمایا۔

جنگ جمل اور شہادت

امت مسلمہ کے خیر خواہ اور مخلص حضرات کی کوششوں سے باہمی تصفیہ کی صورت پیدا ہو گئی جس سے سب خیر خواہان ملت کو خوشی ہوئی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل سازشی گروہ اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی فکر پڑ گئی۔ انہوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق بیک وقت دونوں لشکروں پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمجھے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ نے غداری کی۔ طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہی خیال کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صبح کو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر کمپ میں آئیں تو جنگ جاری تھی۔ انہوں نے چلا چلا کر اپنے ساتھیوں کو جنگ سے باز رکھنا چاہا مگر جنگ کے شور و ہنگامہ میں کسی نے ان کی بات نہ سنی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آواز دے کر باہر بلایا اور حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول یاد دلایا۔ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ میدان جنگ سے اپنا گھوڑا نکال کر لے گئے۔ انہیں دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی میدان چھوڑ جانے کا ارادہ کیا اور میدان جنگ سے باہر جانے لگے۔ اس دوران مروان بن حکم نے تاک کر زہر پلا تیر مارا جو ان کے گھٹنے میں لگا اور خون جاری ہو گیا اور ہزار کوشش کے باوجود خون بند نہ ہو سکا۔ مروان نے بھانپ لیا تھا اور وہ ڈر گیا کہ اگر طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی جنگ کو خیر باد کہہ دیا تو میدان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ رہے گا اور پھر مروان اور اس کے ساتھی بنو امیہ کا انجام برا ہوگا اور ان کا منصوبہ ناکام ہو جائے گا۔ جب خون بند نہ ہو سکا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ”زخم کو چھوڑ دو اور خون بہنے دو۔ یہ تیر خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ ہم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں سستی سے کام لیا۔ آج ہم اس کے تدارک میں اس سے بہتر کوئی شے نہیں پاتے کہ اپنا خون بہا دیں۔ (طبقات ابن سعد)

ایک روایت یہ ہے کہ زخمی حالت میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا غلام انہیں بصرہ شہر کے اندر لے گیا اور دار خرابہ میں اتارا۔ بے ہوشی طاری تھی۔ تھوڑی دیر بعد انتقال کر گئے اور وہیں دفن ہوئے۔ دوسری روایت جو زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ جنگ ختم ہو گئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ نے میدان جنگ کا چکر لگایا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر ان کا گزر ہوا۔ فرمایا ان کو بٹھاؤ۔ لوگوں نے بٹھا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے چہرے سے مٹی صاف کی انہیں اس حالت میں دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے اور متاسفانہ لہجے میں چشم تر ہو کر کہا کہ ”اے ابو محمد! مجھے یہ بات بہت شاق گزری ہے کہ میں تمہیں آسمان کے تاروں کے نیچے خاک و خون میں لتھڑا ہوا دیکھوں۔ خصوصاً جبکہ تم جہاد فی سبیل اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں نمایاں حصہ لے چکے تھے۔ کاش میں اس واقعہ سے بیس دن پہلے انتقال کر جاتا۔“ یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ روئے اور ان کے رفقاء بھی رو پڑے۔ (عشرہ مبشرہ از قاضی صیب الرحمن)

مدفن

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے طرفین کے تمام مقتولین کی نماز جنازہ پڑھائی اور پھر تمام لاشوں کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اکابر سائل پر دفن کئے گئے۔ بہت بعد میں ان کے کسی عزیز نے خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ ”تم لوگ مجھے اس پانی سے بچا کر چین کیوں نہیں دیتے؟ میں غرق ہو گیا ہوں“۔ تین دفعہ یہی بات کہی۔ جب قبر کھود کر نعش نکالی گئی تو وہ پانی کے اثر سے ساق و طرح سبز ہو چکی تھی اور ڈاڑھی اور چہرے کا جو حصہ زمین کے متصل تھا اسے زمین کھا گئی تھی۔ پھر ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے مکانات میں سے ایک مکان خرید کر اس میں انہیں دفن کر دیا گیا۔

گزشتہ صدی کے مشہور بزرگ حضرت سید غوث علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی تذکرہ غوثیہ میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے بصرہ کی سیاحت کے دوران میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مزارات کی زیارت کی تھی۔

حلیہ

درمیانہ قد، گندمی رنگ، شگفتہ صورت، بسیار مو، باریک اور خوبصورت ناک، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ پر بڑھاپے کا اثر ظاہر نہ ہوتا تھا۔ چونکہ بال سفید نہ ہوئے تھے اس لئے کسی قسم کا خضاب استعمال نہ کرتے تھے۔ بہت تیز چلتے تھے زرد رنگ کے کپڑے پہننا پسند کرتے تھے۔

ذریعہ معاش

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا ابتدا ہی سے اصل ذریعہ معاش تجارت تھا۔ مدینہ میں بھی غزوات کے دنوں کے سوا تجارت کرتے تھے اور اس میں اللہ نے بہت برکت دی۔ مدینہ میں یہود کی متروکہ اراضی میں سے آپ کو بھی حصہ ملا اور آپ نے زراعت بھی شروع کر دی۔ حجاز میں سب سے پہلے گیہوں کی کاشت آپ ہی نے کی۔ خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بھی آپ کو ایک قطعہ اراضی دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں عراق کی فتح کے بعد وہاں بھی آپ کو زمین ملی۔ غرضیکہ بعض دوسرے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح آپ تاجر بھی تھے اور زمیندار بھی۔ ظاہر ہے کہ مدینہ کے باہر کی زمینیں خود تو کاشت نہ کرتے ہوں گے۔ اپنے کارندوں سے کاشت کرواتے ہوں گے یا بٹائی پر دیتے ہوں گے۔ آپ کی روزانہ آمدنی ایک ہزار دینار تھی۔ اس کے باوجود غذا، لباس وغیرہ بہت سادہ تھے۔ کبھی کبھی قیمتی لباس پہن لیتے تھے۔ آمدنی کا بیشتر حصہ اپنے عزیز و اقارب اور دوسرے حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

سیرت و کردار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور خوف خدا کے بعد حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے کردار کی دوسری نمایاں

خصوصیت جو دو سخا اور انفاق فی سبیل اللہ تھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تھا۔ ان کے نزدیک اللہ اور رسول ﷺ کی راہ میں جان مال اولاد کی کوئی وقعت نہ تھی۔ وہ بہت مالدار صحابہ کرام میں سے تھے۔ بڑے کریم النفس، سخی اور فیاض تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے انہیں طلحہ الجواد اور طلحہ الفیاض کا لقب دیا۔

طبری نے لکھا ہے کہ قبصہ بن جابر اسدی نے لوگوں سے کہا کہ ”کیا میں تم کو بتاؤں کہ میں نے کن لوگوں کی صحبت اٹھائی ہے؟ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا ہوں۔ ان سے بڑھ کر فقہ اور وعظ و نصیحت میں میں نے کسی کو نہ پایا۔ پھر حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا ہوں۔ میں نے ان سے بڑھ کر بے مانگے مال کثیر دینے والا کسی کو نہ دیکھا۔“ (تاریخ طبری جلد چہارم باب ۷)

آپ کی یومیہ آمدنی ایک ہزار درہم تھی لیکن انہوں نے اس آمدنی کو گڑا خزانہ بنا کر اولاد و ازدواج کے لئے بچا بچا کر جوڑ جوڑ کر نہیں رکھا نہ اسے اپنے لئے فخر و غرور کا سرمایہ بنایا، مکمل حلال کی کمائی ہوتی تھی۔

جب تک آیا ہوا مال اللہ کی راہ میں خرچ نہ کر لیتے، چین سے نہ بیٹھتے۔ غریبوں، یتیموں، یتیموں، بیواؤں، ضرورت مند رشتہ داروں اور اہل قبیلہ کو بے دریغ دیتے اور ان کی حاجت روائی کرتے۔ بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے، غریب نو مسلموں کو بھی بہت دیتے تھے۔ بڑے مہمان نواز تھے۔ دسترخوان کھلاتا تھا۔

ایک دفعہ چار لاکھ درہم گھر میں آئے۔ جب تک انہیں حاجت مند رشتہ داروں اور غربا و مساکین میں تقسیم نہیں کر دیا بے چین، متفکر اور ملول رہے۔ خاندان کے خاندان اور قبیلے کے قبیلے ان کے انفاق (خرچ فی سبیل اللہ) اور فیاضی پر پل رہے تھے۔ کتنے سفید پوش گھرانوں کی آبروان کے جو دو سخا پر قائم تھی۔ ایک ہاتھ سے دیتے دوسرے کو خبر نہ ہوتی۔ قبیلہ بنی تیم کا کوئی نادار ایسا نہ تھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کی اور اس کے اہل و عیال کی حاجت روائی نہ کی ہو۔

آپ تنگ دستوں کو خادم دیتے، مقروضوں کا قرض ادا کرتے، بیواؤں کے نکاح کراتے اور غلاموں کی گردنیں چھڑاتے تھے۔ صبیحہ تیمی میں ہزار درہم کا مقروض تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سر سے یہ بوجھ اتارا۔ غیرت مند مفلسوں کے سفید پوشوں کے سوال کرنے سے پہلے ان کی ضرورت پوری کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک قطعہ اراضی فروخت کرنے سے سات لاکھ درہم وصول ہوئے۔ رقم لے کر گھر آئے تو کہا کہ رات کو مال اس کے گھر میں رہے جو یہ نہ جانتا ہو کہ اللہ کے امر عزیز میں سے رات کو کیا اس کے پاس آئے گا۔ (ہو سکتا ہے کہ اسی حالت میں کہ مال گھر میں موجود ہو اور موت آ جائے اور پھر اللہ کے سامنے اس کی جوابی دہی کرنی پڑے) چنانچہ رات اس طرح گزاری کہ ان کے قاصد اس مال کو لے کر حاجت مند حضرات کو دینے کے لئے مدینہ کی گلی کو چوں میں پھرتے رہے اور پچھلی رات ہونے تک ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔

اپنے گھر میں زر و مال رکھنا پسند نہ تھا۔ تحائف اور ہدایات بھی دیتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہما کو ہر سال دس ہزار درہم بھیجتے تھے۔ ذی القرد میں ایک چشمہ تھا جو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے بھاری قیمت پر خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

دھن اللہ کی راہ میں بانٹنے سے نہیں گھٹتا۔ اللہ کو دیا ہوا قرض حسنہ کئی گنا بڑھ کر واپس ملتا ہے۔ زبردست مصارف اور بے پناہ سخاوت کے باوجود حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی دولت بڑھتی ہی رہی۔ وفات پر بیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار چھوڑے۔ غیر منقولہ جائیداد کی قیمت تین کروڑ درہم سے کم نہ تھی۔ چاروں بیویوں میں سے ایک کو اسی ہزار درہم نقد ملے۔ بیٹوں، بیٹیوں کے حصے الگ تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”ابو محمد (طلحہ رضی اللہ عنہ) نے سخی، شریف، غریبوں کے خیر خواہ اور نیک بن کے زندگی بسر کی اور فقیر ہو کے شہید ہوئے۔“

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

وہ برگزیدہ صحابی رسول جس کے بارے میں پیغمبر اول و آخر و اعظم رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔
”ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے میری امت کے امین ابو عبیدہ ہیں۔“

اور جس کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔
”اگر میں عبیدہ کو پاتا تو انہیں خلیفہ بناتا“

کفر و اسلام کا پہلا معرکہ میدان بدر میں گرم ہے۔ کفار مکہ زبردست جنگی تیاری کر کے اسلام کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کے عزمِ جوش کفر اور غیرت و ہمتِ جاہلیت کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ اس لڑائی میں چشمِ فلک نے ایک عجیب بلکہ ناقابلِ یقین منظر پہلی دفعہ دیکھا ہے کہ اگر باپ (حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) مسلمانوں کی طرف سے شمشیر بدست ہے تو بیٹا (عبدالرحمن بن ابوبکر) مشرکین کی حمایت میں تیغ و سناں چلا رہا ہے۔ بھانجا (حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) اسلام کے لئے جان فشانی سے لڑ رہا ہے تو دوسری طرف ماموں (عاص بن ہشام جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا) لات و ہبل کی سر بلندی کا خواہاں اس کے مقابل ہے۔

ایک بھائی (حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ) دین حق کا علمبردار ہے حق کی سر بلندی کے لئے سرفروشی کر رہا ہے تو اس کے مخالف دوسرا بھائی (عبید بن عمیر) کفر و شرک کا حامی ہے اور باہم زندگی اور موت کی کشمکش میں الجھے ہوئے ہیں۔

اور اسی طرح سے مزید عجیب و غریب کہ بیٹا دین حق کے لئے جذبہ شہادت سے سرشار خوف جاں سے بے نیاز ہو کر میدان میں اترتا ہے اور اس کے مقابلے میں اس کا باپ باطل شرک و کفر کی حفاظت کے لئے خم ٹھونک کر آیا ہے۔ باپ کفر و شرک کی تمام تر غضبناکی کے ساتھ بیٹے پر پے در پے وار کئے جا رہا ہے تاکہ دین آبائی سے منحرف ہونے والے بیٹے کو خاک و خواندہ میں ملا دے۔ لیکن راہیں جدا ہو جانے کے باوجود بیٹے کے

دل میں باپ کا لحاظ باقی ہے۔ وہ طرح دیئے جا رہا ہے باپ کے وار بچار ہا ہے لیکن خود کوئی وار نہیں کرتا، کہ شاید اب بھی وقت ہے باپ کو سمجھ آ جائے اور وہ باز آ جائے۔ کافی دیر تک وار بچاتے رہنے کے بعد جب اسے یقین ہو جاتا ہے کہ باپ اس کی جان لینے پر تلا ہوا ہے اور دشمن کی فوج کے بڑے بڑے سردار اسے بڑھاوا دے رہے ہیں تو اسے اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے کہ کہیں اس کی یہ فرزندانہ لیت و لعل (باپ کے ساتھ نرمی) اور صلہ رحمی کی کوشش اسلام کے لئے باعث نقصان نہ بن جائے۔ چنانچہ اس کی تلوار بجلی کی طرح اچانک چمکتی ہے اس پر گرتی ہے اور ایک ہی وار میں باپ کا نامبارک و ناپاک سر کٹ کر دور جا گرتا اور خاک و خون میں لت پت ہو جاتا ہے۔ بیٹا ایک نگاہ غلط انداز سے دیکھ کر پھر جہاد میں مصروف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ کفار و مشرکین اپنی قوم کی ستر لاشیں میدان بدر میں اور اتنے ہی اسیران جنگ مسلمانوں کے قبضے میں چھوڑ کر بھاگ کھڑتے ہوتے ہیں۔

جب پیغمبر اسلام ﷺ بدر سے مدینہ واپس آتے ہیں تو وحی خداوندی نازل ہوتی ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ ان انوکھے مجاہدین کے بارے میں سورہ مجادلہ آیت 22 میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ
أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم
بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا طَرْضَى اللَّهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

ترجمہ: ”تم کبھی نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں کہ وہ ان لوگوں سے
محبت کرتے ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان
کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان
ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔ وہ ان کو ایسی جنتوں
میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے
راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کی پارٹی (اللہ کے گروہ) کے لوگ ہیں۔ خبردار ہو کہ
اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔“ (سورہ مجادلہ، آیت 22)

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا روئے اقدس خوشی سے چمک اٹھتا ہے۔
آپ ایک لمبے قد، چھریرے جسم اور چھدری ڈاڑھی والے اذھیڑ عمر کے سادہ مزاج سنجیدہ طبع شخص کی طرف زیر
لب تبسم کے ساتھ دیکھتے ہیں جیسے اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ اظہار خوشنودی کے سرٹیفکیٹ پر اپنی
مہر بھی ثبت فرمادی ہو۔ صحابہ کرام اس شخص کو مبارک باد دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے اظہار خوشنودی
سے خوش ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی قسم کا رد عمل ظاہر نہیں کرتا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے بدر کے معرکہ حق و باطل

میں اپنے ہاتھوں اپنے کافر باپ کو جہنم رسید کیا ہے۔

سورہ مجادلہ کی آیت مبارک 22 بہت ہی واضح ہے۔ جذبات و احترام کے لحاظ سے بالترتیب ان کا ذکر فرما دیا ہے۔ کتنے عظیم تھے وہ لوگ، وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے دین اسلام اور حضور انور نبی کریم ﷺ کی محبت میں اپنے باپ، بیٹے، بھائی اور اہل خاندان سے نبرد آزما ہوئے اور کئی کے سر اتار دیئے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کا یہ محکم سرٹیفکیٹ حاصل کرنے والے خوش نصیب جاں نثار رسول ﷺ، فدائے اسلام اور امین الامت، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تھے جو آئندہ چل کر عظیم سپہ سالار اور فاتح شام و فلسطین ہوئے اور تاریخ عالم اسلام کی عظیم ہستیوں میں شمار ہوئے۔

سن ۹ ہجری میں جب نجران کے عیسائیوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بات چیت کے بعد اس نے خراج کی ادائیگی پر رضامندی ظاہر کی اور درخواست کی کوئی امین شخص ان کے ساتھ بھیج دیا جائے۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنے ایک پروانے کی طرف محبت کی نظر مبارک سے دیکھا۔ کشیدہ قامت، نحیف الحسیہ، روشن چہرہ۔ حضور انور ﷺ نے اہل نجران سے فرمایا یہ ابو عبیدہ بن الجراح ہیں اور اس امت کے امین ہیں۔ یہ تمہارے ساتھ جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ یہ لقب ہمیشہ کے لئے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام کا حصہ بن کر رہ گیا اور وہ عوام و خواص میں امین الامت مشہور ہو گئے۔ اسی لئے اپنے آخری ایام میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو میں انہیں بلا کھٹکے خلیفہ نامزد کر دیتا۔ کیونکہ وہ امت محمدیہ ﷺ کے امین تھے اور ان سے کسی خیانت کا اندیشہ نہ ہو سکتا تھا۔

نام، نسب، پیدائش

عجیب بات ہے کہ دربار رسول ﷺ کا یہ اہم جواہر اعلیٰ اپنے اصل نام سے تاریخ میں مشہور ہوا اور نہ اپنے باپ کے نام سے۔ ان کا اصل نام عامر اور باپ کا نام عبد اللہ تھا لیکن ان کی شہرت ان کی کنیت ابو عبیدہ کے نام سے ہوئی اور باپ کے نام کی جگہ دادا جراح کا نام کنیت کے ساتھ لگا۔ اس طرح وہ عامر بن عبد اللہ کی بجائے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کہلائے۔

باپ کا نام شاید اس لئے ترک کر دیا کہ وہ حالت کفر میں ان کے اپنے ہاتھ غزوہ بدر میں مارا گیا۔ حضور انور ﷺ نے امین الامت کے لقب سے نوازا۔ ان کا تعلق قبیلہ فہر سے تھا جو قریش کی آخری شاخ تھی۔ فہر پر ان کا سلسلہ نسب حضور اقدس ﷺ سے مل جاتا ہے۔ والد تو اسلام سے محروم رہا اور مسلمان بیٹے کے ہاتھوں حق و باطل کی جنگ میں مارا گیا لیکن والدہ امیمہ بنت غنم ایمان کی دولت سے بہرہ یاب ہوئیں اور صحابیت کا شرف حاصل کیا۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی سے ۳۲ سال پہلے پیدا ہوئے۔ یعنی بعثت کے وقت آپ کی عمر ۱۹ سال تھی۔ مکہ کے عام متوسط گھرانوں کے بچوں کی طرح پرورش اور تربیت ہوئی۔ فنون سپہ گری میں مہارت حاصل کی اور تجارتی کاروبار شروع کیا۔ قبول اسلام سے پہلے ہی شراب نوشی، بت پرستی اور دوسرے اعمال شنیعہ (بد) سے ہمیشہ بچے رہے۔

قبول اسلام

سعید روحوں کو سعید روحوں سے قدرتی انس اور لگاؤ ہوتا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا اٹھنا بیٹھنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ انہی کی ترغیب سے تقریباً انتیس سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے جبکہ ابھی حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے دار ارقم کو مرکز دعوت نہیں بنایا تھا۔ ان کے اور حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قبول اسلام میں ایک آدھ دن کا فرق تھا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نویں مسلمان شمار ہوتے ہیں۔ اسلام لانے کے بعد دوسرے مسلمانوں کی طرح ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے لئے بھی آزمائش اور ابتلا کا دور شروع ہو گیا۔ انہوں نے بڑے صبر و استقامت سے ہر قسم کے مشکل حالات مصائب کو برداشت کیا۔

طاعون عمواس اور وفات

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو شام کی امارت سنبھالنے اور قحط کے سلسلے میں امدادی انتظامات کرتے ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ ۱۸ ہجری (۶۳۹ء) میں شام اور عراق میں طاعون کی شدید وبا پھیل گئی۔ ابتدا فلسطین کے شہر عمواس سے ہوئی جہاں اسلامی افواج جمع تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً پچیس ہزار مجاہدین اس کی بھیٹ چڑھ گئے۔ جن میں بہت سے بزرگ صحابہ بھی تھے۔ شام و فلسطین میں وبا کا بہت زور تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو وہ بسرعت تمام مدینہ سے روانہ ہوئے۔ سرخ کے مقام پر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا استقبال کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صورتحال کا جائزہ لیا اور سرکردہ صحابہ کرام اور جہاندیدہ بزرگوں سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی کہا کہ فی الحال وہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کر دیا کہ میں کل صبح روانہ ہوں گا۔ سب لوگ میرے ہمراہ چلیں۔

لیکن تقدیر الہی پر صابر و شاکر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نہ مانے اور جرات اظہار سے کام لیتے ہوئے بیباکانہ کہا کہ ”اے عمر رضی اللہ عنہ! تقدیر الہی سے بھاگتے ہو؟“ انہوں نے برامانے بغیر جواب دیا کہ ”ہاں! تقدیر الہی سے تقدیر الہی ہی کی طرف بھاگتا ہوں۔“ مگر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وہیں ٹھہرے رہے۔ خلیفہ انہیں بڑا عزیز اور محترم جانتے تھے اور انہیں طاعون سے بچانا چاہتے تھے۔ انہوں نے مدینہ واپس پہنچ کر لکھ بھیجا کہ ضروری صلاح مشورے کے

لے فوراً مدینہ چلے آؤ۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ طلی کا اصل مطلب سمجھ گئے اور جواب دیا کہ قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہے گا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔ اپنی ماتحت فوج کے ساتھ وابستگی نے انہیں خلیفہ کا حکم ماننے سے بھی باز رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کا جواب پڑھ کر رو دئے۔ پھر لکھا کہ اگر تم نہیں آتے تو کم سے کم اتنا تو کرو کہ افواج کو مرطوب نشیبی مقامات سے دوسرے بہتر مقامات پر منتقل کر دو جہاں وبا کا اثر نہ ہو یا کم ہو۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فوج لے کر جابیہ چلے گئے جو آب و ہوا کے لحاظ سے ایک پر فضا اور صحت افزا مقام تھا لیکن وبا سے ان کی صحت متاثر ہو چکی تھی۔

جابیہ پہنچنے کے بعد ان پر طاعون کا حملہ ہوا اور وہ پیک اجل (موت کے بلاوے) کو لبیک کہتے ہوئے اپنے خالق حقیقی کے پاس پہنچ گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وفات کے وقت آپ کی عمر اٹھاون (58) سال تھی۔ وفات سے پہلے حضرت معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور تجہیز و تکفین کی اور ایک خوبصورت اور دلدوز تقریر کی۔

مدفن

اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مطابق حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دمشق میں دفن کئے گئے۔ آپ کے مزار سے ملحق ایک مسجد ہے جو آپ کے نام سے موسوم ہے۔ قاضی حبیب الرحمن نے ”عشرۃ مبشرہ“ میں ”اسد الغابہ“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کا مدفن عمواس یا رملہ بیان کیا جاتا ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق دمشق اور بیت المقدس کے درمیان ”بیان“ کے مقام پر دفن کئے گئے۔

ایسی مشہور اور اہم شخصیت کے مقام دفن کے بارے میں روایات کا یہ اختلاف تعجب خیز ہے۔ جب یہ بات مسلم ہے کہ انہوں نے جابیہ میں انتقال فرمایا تو قرین قیاس یہی لگتا ہے کہ انہیں جابیہ میں دفن کیا گیا ہوگا۔ وہاں سے ان کی میت کو طاعون کے گڑھ عمواس میں واپس لے جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ نہ یہ کہ اہل لشکر کسی اپنی صوابدید کی بنا پر جابیہ سے دوسری جگہ لے گئے ہوں۔ اگر جابیہ میں دفن نہیں کیا تو بیسان یا نخل میں سے جو نزدیک ترین مقام ہوگا وہاں دفن کیا گیا ہوگا۔ بہر حال انسائیکلو پیڈیا کی روایت کہ ان کا مدفن دمشق میں ہے اور مزار سے ملحق ایک مسجد بھی ہے درست ہو سکتی ہے۔

سیرت و اخلاق

شام کے فاتح اور باز نطینیوں کی قوت پر ضرب کاری لگانے والے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی شخصیت تاریخ اسلام کے علاوہ تاریخ عالم میں بھی نمایاں نظر آتی ہے اس میں ایک عجیب شان درباری ہے۔ غیروں نے اور اپنوں نے بھی کہیں کہیں اسلام کی ابتدائی تاریخ کے بعض دوسرے بڑے جرنیلوں، فاتحوں اور

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہم عصروں پر نکتہ چینی کی ہے لیکن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور کردار پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکا۔ ان کا کردار ہر لحاظ سے ایک مثالی مومن کا قابل تعریف کردار ہے۔

محاسن اخلاق کے لحاظ سے اصحاب رسول ﷺ کی صفوں میں ان کا مرتبہ بہت بلند اور بہت آگے ہے۔ جسے خود حضور انور نبی کریم ﷺ ”امین الامت“ فرمائیں ان کا مقام ایسا ہونا ہی چاہئے۔ دوسری قوموں نے بھی بڑے بڑے جرنیل اور فاتح پیدا کئے۔ ہنی بال، اسکندر یونانی، اٹیلا، چنگیز خان، نیپولین وغیرہ کے ناموں اور خونی کارناموں سے دنیا واقف ہے لیکن ان میں کسی میں بھی اخلاقی بلند و دلکشی، عظمت کردار، تقویٰ، پاکبازی، سادگی، حق پرستی، انصاف پروری، رحم دلی، مساوات اور انکساری کا نام و نشان نہیں ملتا۔ ان کے صحیفہ حیات میں بے مقصد خونریزی سے پرہیز فتوحین سے حسن سلوک، ان کے جان و مال و عزت و آبرو کی حفاظت اور خدا خونی کا کوئی حرف و باب نہیں پایا جاتا۔

اس کے برعکس حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بلند کردار کا لوہا دشمنوں سے بھی بنوا لیا اور ان کے دل موہ لئے۔ جب جنگی مصلحت کے تحت انہیں حمص اور بعض دوسرے شہر اور علاقے خالی کرنے پڑے تو انہوں نے جو ٹیکس وصول کئے تھے وہاں کے باشندوں کو جوں کے توں واپس کر دیئے۔ اس پر وہ لوگ رورو کر ان کی فتح مندانہ واپسی کی دعائیں مانگتے تھے۔ دنیا میں کسی غیر مسلم جرنیل نے ایسا کردار پیش نہیں کیا بلکہ ایسے نازک مواقع پر مزید لوٹ کھسوٹ ہی کی اور مفتوحین کی عزت و آبرو بھی ان سے محفوظ نہ رہی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں سے سلوک مساویانہ اور برادرانہ تھا۔ محبت اور خلوص ان کا شعار تھا۔ ان کے زیرِ کمان مجاہدین ان سے آزادی سے بات کرتے تھے اور کبھی کسی نے حکم عدولی نہ کی۔ باز نطنی سفیروں نے انہیں معمولی لباس میں عام مجاہدین کے ساتھ اس طرح فرش خاک (زمین) پر بیٹھا دیکھا کہ انہیں پوچھنا پڑا کہ تمہارا سردار کون ہے؟

ولیم میو ر لکھتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ موٹے جھوٹے کھر درے اونی لباس میں عوام کے سامنے آئے تو ان کے رفقا اور ماتحتوں نے شرم محسوس کی اور ملامت کے انداز میں کہا کہ آپ شام میں اسلامی فوج کے سپہ سالار اعظم ہیں اور ہم یہاں دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ دشمنوں کو مرعوب اور متاثر کرنے کے لئے آپ یہ لباس بدل کر بہتر اور نفیس لباس زیب تن کیجئے۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی وہ حالت تبدیل نہ کروں گا جس میں میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا۔ انہوں نے سپہ سالاری کے منصب کو ایک فرض سمجھ کر قبول کیا تھا اور اپنے اندر کسی قسم کی فخر والی، شیخی والی تبدیلی نہیں آنے دی۔ نہ اس منصب سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھایا۔ جیسے شروع میں تھے ویسے ہی آخر تک رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض جرنیلوں کے اند وختوں (جمع جوڑی، جائیداد) کی حساب طلبی کی لیکن حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ محاسبہ کی زد میں نہیں آئے۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

آپ حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے فرزند تھے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ بارہ سال یا پندرہ سال کی عمر میں ایمان لائے۔ آپ کے چچا کو جب آپ کے ایمان لانے کا علم ہوا تو غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ اس نے عزم کیا کہ وہ انہیں مجبور کر دے گا کہ وہ نئے دین کو چھوڑ کر پھر اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آئیں۔ چنانچہ وہ آپ کو چٹائی میں لیٹتا اور سی سے باندھ دیتا پھر نیچے سے دھواں دیتا یہاں تک کہ ان کا دم گھٹنے لگتا، پھر کہتا اس عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو محمد (ﷺ) کا انکار کر دو۔ نو خیز، نو عمر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنی گرجدار آواز میں جواب دیتا لا واللہ لا اعود للکفر ابدًا ہرگز نہیں بخدا میں کسی قیمت پر کفر کی طرف نہیں لوٹوں گا۔ آپ کی شجاعت و سخاوت کے واقعات تاریخ اسلام کا روشن باب ہیں جن کا ایمان افروز تذکرہ انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا۔

آپ کا نسب قصی بن کلاب پر حضور انور نبی کریم ﷺ کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اس چھ رکنی شوریٰ کمیٹی کے آپ بھی ایک رکن تھے جسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ پہلے حبشہ پھر مدینہ طیبہ ہجرت کی۔ امت مسلمہ میں سب سے پہلے جہاد کے لئے تلوار کو بے نیام کرنے کا شرف انہیں نصیب ہوا۔ عہد رسالت کے تمام غزوات میں شرکت کی، عہد خلافت راشدہ میں فتح یرموک اور فتح مصر میں حصہ لیا۔ آپ کی عمر سرسٹھ (66) سال تھی۔ (محمد رسول اللہ، محمد رضا صفحہ ۷۸)

پیغمبر اول و آخر و اعظم، سید المرسلین ﷺ کے اس صحابی کی بھی شان نزالی ہے۔ آپ کے بارے میں حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے فرمایا۔

”ہر پیغمبر کے حواری ہوتے ہیں۔ میرے حواری زبیر بن عوام ہیں“

اور جس کے بارے میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا فرمانا ہے کہ

”زبیر ارکان دین میں سے ایک رکن ہیں“

سن ۵ ہجری

جنگ احزاب کا پر آشوب اور پر خطر زمانہ ہے۔ مشرکین مکہ نے اپنے حلیف قبائل کی مدد سے دس ہزار مسلح فوج اکٹھی کر کے مدینہ کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اس سے پہلے عرب کی تاریخ میں اتنی بڑی فوج کبھی کسی جنگ کے موقع پر اکٹھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ فوج اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔ دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے اسلحہ اور رسد کی بھی شدید قلت ہے۔ اندر سے بنی قریظہ کے یہودیوں نے حملہ آوروں سے ساز باز کر کے بد عہدی اور غداری پر کمر باندھی ہے اور ہر دم خطرہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی پیٹھ

بنی قریظہ بڑا طاقتور قبیلہ ہے۔ ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس اور قلعہ بند۔ ان کی گڑھی کی طرف جاتے ہوئے اکیلے دوکیلے مسلمان گھبراتے ہیں۔ موسم سخت سرد اور طوفانی ہے۔ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ بنی قریظہ کے عزائم، تیاریوں اور نقل و حرکت کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی بستی میں جانا شیر کے کچھار میں جانے کے مترادف ہے۔ صورتحال بڑی نازک، سنگین اور تشویشناک ہے اس لئے حضور پر نور سرکارِ دو عالم ﷺ رضا کار طلب کرتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

”کوئی ہے جو بنی قریظہ کی خبر لائے؟“

جواب میں صرف ایک آواز بلند ہوتی ہے۔

”یا رسول اللہ ﷺ! اس کام کے لئے میں حاضر ہوں“ ایک دراز قامت وجہ اور قوی نوجوان کھڑا ہو کر کہتا ہے۔

”کوئی ہے جو بنی قریظہ کی خبر لائے؟“ حضور انور نبی کریم ﷺ صحابہ کے مجمع سے دوبارہ پوچھتے ہیں ”یا رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں“ پھر وہی نوجوان جواب دیتا ہے۔ لیکن سرور کائنات نبی کریم ﷺ پھر تیسری دفعہ اپنا سوال دہراتے ہیں اور خاموش مجمع کے چہروں پر اپنی نظر دوڑاتے ہیں۔ مجمع سے پھر وہی آواز بلند ہوتی ہے کہ ”میرے آقا میں یہ خدمت انجام دوں گا۔“

حضور انور نبی کریم ﷺ صاحب آواز کے حق میں دعا فرماتے ہیں اور اسے اجازت دیتے ہیں وہ صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر جاتے ہیں۔ ان کی ٹانگیں تقریباً زمین کو چھو رہی ہوتی ہیں۔ صحابہ کا مجمع انہیں رشک و آفرین کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ آخر وہ بنی قریظہ کے ارادوں، تیاریوں اور تعداد کے متعلق مفصل معلومات حاصل کر کے واپس آتے ہیں اور حضور انور ﷺ کی خدمت میں مفصل رپورٹ پیش کرتے ہیں جو مسلمانوں کے لئے بڑی مفید ثابت ہوتی ہے۔ اس جان جوکھوں کے کام کی انجام دہی پر تاجدار کائنات رحمت للعالمین ﷺ بہت خوش ہوتے ہیں اور خبر لانے والے سے مخاطب ہو کر فداک ابی و امی (میرے ماں باپ تجھ پر قربان) فرماتے ہیں۔ پھر جاں نثاروں کے مجمع سے فرماتے ہیں کہ ”ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں۔ میرے حواری زبیر بن العوام ہیں۔“ (صحیح بخاری روایت جابر بن عبد اللہ رحمہ اللہ)

تو یہ تھے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حواری رسول ﷺ ان کے علاوہ کوئی دوسرا صحابی یہ امتیاز یہ شرف یہ خصوصیت حاصل نہ کر سکا۔ جہاں تک نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے فرمان فداک ابی و امی کا تعلق ہے اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ شریک ہیں اور وہ بھی عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ مدتوں بعد جب ایک شخص نے کہا کہ میں حواری رسول ﷺ کا بیٹا ہوں تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”اگر تو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے تو سچ کہتا ہے ورنہ جھوٹا ہے۔“ مطلب یہ کہ صرف زبیر رضی اللہ عنہ

ہی کو یہ لقب اور اعزاز مرحمت کیا گیا تھا۔ اور پھر تاریخ میں یہ لقب انہی سے مخصوص ہو کر رہ گیا۔

خاندان اور قبول اسلام

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی شاخ بنی اسد سے تھا۔ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے اور اوائل عمر ہی میں باپ کے سائے سے محروم ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب آپ کے ماموں تھے۔ ان کے پردادا وید اسلام کی خاتون اول ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے اس لئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھتیجے تھے۔

ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اسلام کے ابتدائی عہد میں مسلمان ہوئیں وہ بڑی بہادر اور باہمت خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے زبیر رضی اللہ عنہ کی پرورش اور تربیت میں بڑی کوشش کی۔ وہ اس خیال سے آپ پر بہت سخت کرتی تھیں کہ جوان ہو کر سخت جان، سخت کوش، نڈر اور بہادر بنیں اور لشکروں کی قیادت کریں۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بچپن ہی سے بڑے شہ زور، شجاع، حوصلہ مند اور پراعتماد تھے۔

ایک دفعہ بچپن میں اپنے سے کہیں زیادہ عمر کے آدمی سے لڑ پڑے اور اس کا ہاتھ توڑ ڈالا۔ اسے شکایتاً حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس لایا گیا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی بجائے مطمئن انداز میں شکایت کنندہ سے کہا ”اے شخص! تو نے زبیر کو کیا سمجھا تھا؟ کیا تو نے اسے پیسہ سمجھایا کھجور؟ یا پر پھیلانے والا شکر؟“ ابتدائی عمر ہی میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جنگی فنون میں مہارت حاصل کر لی تھی جس سے ان میں حد درجے کی دلیری، حوصلہ مندی اور خود اعتمادی پیدا ہو گئی تھی۔

محمد ابن سعد (مصنف طبقات) کی روایت کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے چار پانچ دن بعد سولہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اسلام کے سابقون الاولون میں آپ کا درجہ بہت بلند ہے۔ عشرہ مبشرہ میں سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما نیز بعض دوسرے نوجوان مسلمانوں کی عمریں بھی قبول اسلام کے وقت کم و بیش اتنی ہی تھیں۔

اس سے ایک حقیقت بڑی واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ یہ نوجوان جن کی عمریں بیس سال سے بھی کم تھیں اور انگریزی محاورے کے مطابق (Teenager) تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے قبل نبوت کے دور کو اپنی کم سنی کے ایام سے دیکھتے چلے آئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ اور حسن سیرت سے متاثر تھے۔ اعلان نبوت کے ساتھ ہی وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ایمان لے آئے۔

اگرچہ سرداران قریش طنزاً یہ کہتے رہے کہ یہ کیسا دین ہے جو ہماری قوم کے بے سمجھ چھوکروں نے یا پھر غلاموں نے قبول کیا ہے اور ہم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ دراصل یہ ان کی عصبیت، انا اور اپنے آپ کو بہت عقلمند

سمجھنے والی خوشی نہیں، دنیا پرستی اور بدنصیبی تھی کہ وہ اس نعمت سے محروم رہ گئے۔ قبول اسلام کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے دین حق کی خاطر ہر قسم کے مصائب اور مظالم بڑی ثابت قدمی اور خندہ پیشانی سے برداشت کئے۔ ان کا چچا انہیں کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر ناک اور آنکھوں میں دھواں دیا کرتا تھا مگر اسلام کا نشہ ایسی ترشیوں، تلخیوں سے اترنے والا نہ تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ چچا سے کہتے کہ کچھ بھی کرو اب میں کافر نہیں ہو سکتا۔ اس وقت مکہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت قلیل اور کمزور تھی۔ کفار دشمنی اور اذیت رسانی پر تل گئے تھے۔

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم سرکارِ دو عالم ﷺ نے مسلمانوں کے باہمی ربط و اتحاد اور تسلی و تقویت کے لئے مختلف صحابہ کی مزاجی، روہانی کیفیت اور سماجی و معاشی پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے باہمی مواخاۃ قائم کر دی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی مواخاۃ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے قائم کی جنہوں نے آخر تک آپ کا ساتھ نبھایا۔

اپنی طاقت، شہ زوری، شجاعت، جنگی مہارت، غیرت، خودداری اور خود اعتمادی کے باوجود حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی دوسرے صحابہ کرام کی طرح کفار مکہ کے مظالم اور سختیاں صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے کیونکہ مقابلے کے لئے ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ لیکن ایک دفعہ جب یہ افواہ پھیل گئی کہ کفار نے رسول اللہ کو ایذا پہنچائی ہے اور قید کر لیا ہے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ وہ تنگی تلوار لئے مرنے مارنے کا تہیہ کئے کفار کے مجمع میں گھس گئے اور اپنے ہادی و آقا ﷺ کے سامنے پہنچ گئے۔ افواہ غلط نکلی۔

نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے پوچھا کہ زبیر کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بتایا گیا کہ دشمنوں نے آپ ﷺ کو ایذا پہنچائی ہے۔ اس لئے میں آپ ﷺ پر قربان ہونے کا عزم لے کر نکلا۔ حضور انور نبی کریم ﷺ آپ کے جذبہ فدائیت پر بہت خوش ہوئے، تعریف کی اور دعا فرمائی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار پہلی تلوار تھی جو اسلام اور داعی اسلام کی حمایت اور حفاظت کے لئے اٹھی۔

جب مشرکین مکہ نے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی حمایت کرنے کی وجہ سے ابولہب کے سوا جملہ بنی ہاشم، کیا مسلم کیا کافر (یعنی کہ باقی سب) کا مقاطعہ کیا اور نبی رحمت ﷺ اور نبی ہاشم شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی رضا کارانہ طور پر ان کا ساتھ دیا اور مقاطعہ اور فقر و فاقہ کی تکالیف خندہ پیشانی سے برداشت کیں اور تکالیف اور مصائب سے گھبرا کر اسلام سے روگردانی کا خیال کبھی دل میں نہ لائے۔

عمر

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی عمر کے متعلق مختلف روایات ہیں جن میں ان کی عمر ساٹھ سے ستر سال بیان کی گئی ہے۔ محمد ابن سعد نے آپ کے بیٹوں عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور عروہ رضی اللہ عنہ کی روایات کے حوالے سے چونسٹھ برس لکھی ہے جو صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سولہ سال کی عمر میں سن انہوی میں ایمان لائے۔ مکہ اور مدینہ میں تیس سال حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی معیت میں گزارے۔ حضور پر نور ﷺ کی رحلت

کے وقت ان کی عمر اسی سال تھی۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخر تک مزید پچیس سال زندہ رہے اور جمادی الآخر 36 ہجری میں شہادت پائی اس لئے آپ کی عمر کم و بیش چونسٹھ سال ہی ہوتی ہے۔

حلیہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک وجیہہ اور شاندار شخصیت کے مالک تھے۔ دراز قد، متوازن جسم، گندمی رنگ، چھدری ڈاڑھی، سر کے بال لمبے۔ آخری دم تک صحت بہت اچھی تھی۔ اس میں تغیر نہیں ہوا تھا نہ بڑھاپے کے آثار پائے جاتے تھے۔ تاحیات چاق و چوبند رہے۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ (ایک عظیم باپ کا عظیم بیٹا)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے لحاظ سے بہت ہی زیادہ پر خلوص اللہ والے اور دین ابراہیم کے عمدہ پیروکار بتوں سے سخت بیزار اور موحد باپ کے سپوت تھے۔ ایسے سپوت جن کی استقامت، احترام و محبت دین اسلام نے عمر بن خطاب کو فاروق اعظم بننے کی راہ دکھائی۔

اب آپ دیکھئے کہ انہوں نے یہ راہ کس طرح دکھائی۔

قارئین کرام! درج ذیل کے کچھ حصہ کو آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق باب میں بھی پڑھیں گے لیکن ایسے ایمان افروز واقعات و حالات کو یہاں بھی پڑھنا یا بار بار پڑھنا خالی از محبت دین و دلچسپی نہیں ہے۔

نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، خطاب کے بیٹے عمر! آج یوں شمشیر بکف کہاں جا رہے ہو؟

عمر بن خطاب: (غضبناک آواز میں) آج محمد ابن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قصہ پاک کروں گا۔ کیونکہ وہ اپنی پھونکوں سے کعبہ کا چراغ گل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے دین سے قریش میں فتنہ و فساد اور تفرقہ و انتشار پھیلا دیا ہے۔ بھائی کو بھائی سے، باپ کو بیٹے سے، ماں کو بیٹی سے جدا کر دیا ہے اور ہمارے جتوں کو برا کہتا ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ تباہ ہونے کو ہے۔ وہ نہ رہے گا تو فتنے کی جڑ کٹ جائے گی۔

نعیم رضی اللہ عنہ: پہلے اپنے گھر والوں کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بھائی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین قبول کر چکے ہیں۔

عمر: ہائیں! کیا سچ کہتے ہو؟

نعیم رضی اللہ عنہ: بالکل سچ

عمر: اچھا! تو پہلے گھر والوں ہی کی خبر لیتا ہوں۔ پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نمبر آئے گا۔

عمر غصے میں بھرے دانت کچکچاتے، ہونٹ چباتے، تلوار ہلاتے بڑی تیزی سے چلتے ہوئے اپنا رخ بدل لیتے ہیں۔ حضرت نعیم بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا شکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنہ ملا لیکن متفکر بھی ہیں کہ اب یہ سیل بلا کہاں جائے گا اور کیا غضب ڈھائے گا۔

اندر سے ایک زنانہ آواز کون ہے؟

عمر: (غضبناک آواز میں) دروازہ کھولو۔ میں ہوں عمر

مکان کے اندر ایک کھلبلی سی چل جاتی ہے۔ پھر دروازہ ذرا سا کھلتا ہے۔ ایک نورانی صورت نو جوان خاتون نمودار ہوتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ اسے دھکا دیتے ہوئے بڑی بے صبری سے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ گھر کے اندر نو جوان خاتون کے علاوہ ایک پروقار بلند وبالا قوی الجشہ گندم گوں نو جوان بھی موجود ہے۔ اس کی عمر تقریباً بیس سال کی ہوگی۔ عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر اضطراب اور گھبراہٹ کے آثار پیدا ہوتے ہیں لیکن فوراً ہی پروقار اور سکون کی کیفیت بحال ہو جاتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ سیدھا اس کی طرف جاتے ہیں اور گریبان سے پکڑ کر دھاڑتے ہیں کہ ”تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟“

نو جوان: کچھ نہیں

عمر: سچ بتاؤ میں نے خود سنا۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ تو بھی بے دین ہو گیا ہے۔ تجھ پر بھی بنو ہاشم کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو چل گیا ہے۔ ٹھہر! میں تجھے اس بے دینی کا مزا چکھاتا ہوں۔

پھر اس کے لمبے لمبے بالوں سے پکڑ کر نیچے گرا دیتے ہیں اور گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دیتے ہیں۔ اس اندھی مار کٹائی سے نو جوان کا سر پھٹ جاتا ہے اور وہ اپنے ہی خون میں نہا جاتا ہے۔ وہ صحت مند اور توانا ہے۔ چاہتا تو عمر کی دراز دستی کا جواب دیتا یا کم سے کم اپنا دفاع ہی کرتا مگر وہ ایسا نہیں کرتا کیونکہ ستانے والوں کے خلاف ابھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔ وہ صرف زبان سے کہتا ہے کہ

اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں)۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جوش غضب اور بڑھ جاتا ہے اور ان کی مار پیٹ میں مزید شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر نو جوان خاتون جو پٹنے والے نو جوان کی بیوی ہے آگے بڑھتی ہے اور اپنے شوہر کو بچانے کے لئے سینہ سپر ہو جاتی ہے۔ وہ بھی عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بری طرح پٹ جاتی ہے اور اس کا چہرہ لہو لہان ہو جاتا ہے۔ تب وہ ایک زخمی شیرنی کی طرح سینہ تان کر کھڑی ہو جاتی ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کو چیلنج کرتی ہے۔

”عمر! یہ سچ ہے کہ ہم دونوں محمد ﷺ کا دین قبول کر چکے ہیں۔ اب موت بھی اسلام کو ہمارے دلوں سے نہیں نکال سکتی۔ اب ہم کبھی بت نہیں پوچھ سکتے، تجھ سے جو ہو سکتا ہے کر لے“

عمر رضی اللہ عنہ زخمی خاتون کا یہ چیلنج سن کر ششدر رہ جاتے ہیں۔ اس کے زخمی چہرے پر نظر ڈالتے ہی دل پھٹنے لگتا ہے۔ ایک مبہم سی پشیمانی لاحق ہو جاتی ہے کہ شاید چھوٹی بہن اور بہنوئی کو ناحق مارا۔ وہ خاصی نرم آواز میں اپنی بہن سے کہتے ہیں۔

”اچھا تم لوگ جو کچھ پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ“ میں بھی اسے پڑھ کر دیکھوں کہ یہ کیا چیز ہے جو لوگوں کو محمد (ﷺ) کا دیوانہ بنائے دیتی ہے۔“

”مجھے اندیشہ ہے کہ تو کہیں اسے ضائع نہ کر دے۔“ نو جوان خاتون جواب دیتی ہے۔

”نہیں میں صرف اسے پڑھ کر دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ کیسا کلام ہے۔“ عمر رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں۔

”اگر پڑھنا چاہتا ہے تو پہلے غسل کر کے پاک صاف ہو جا۔ یہ اللہ کا کلام ہے ناپاک ہاتھوں میں نہیں دیا جاسکتا۔“

”یہ کیوں؟ آج سے پہلے میں نے کبھی کوئی ایسا کلام نہیں پڑھا جس کے پڑھنے سے پہلے غسل کرنا پڑا ہو؟“

”یہ قرآن ہے اللہ کا مقدس کلام اسے ناپاک نہیں چھو سکتے۔“

عمر پر ذہنی مرعوبیت کے اثرات نمایاں ہیں۔

”تو میں گویا ناپاک ہوں۔ خیر! پانی لاؤ میں غسل کرتا ہوں۔“

بہن پانی لا کر دیتی ہے اور غسل کی ترکیب بتاتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے ذہن و قلب کی مرعوبیت کے تاثرات چہرے پر چھا گئے ہیں۔ غسل سے فراغت کے بعد نو جوان خاتون قرآن پاک کے اجزاء عمر رضی اللہ عنہ کے آگے لا کر رکھ دیتی ہے۔ یہ سورہ طہ ہے۔ عمر بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کر کے پڑھنے لگتے ہیں اور ایک ایک لفظ کے ساتھ متاثر ہوتے چلے جاتے ہیں اور دل و دماغ سے کفر کی تاریکی اور زنگ اترتا جاتا ہے۔ چہرے کی رنگت اور دل کی کیفیت بدلتی جاتی ہے۔ کلام اللہ کے الفاظ و بیان کی شوکت و ندرت اور فصاحت و بلاغت انہیں مسحور کر لیتی ہے۔ معانی و مضمون کی رفعت عجب بہ پن، عمدگی اور تاثیر کفر و شرک کی کثیف و تاریک دنیا سے اٹھا کر انہیں ایک دوسرے ہی عالم میں لے جاتی ہے جو بہت پاکیزہ و لطیف ہے جب وہ اس سورہ کی آیت پاک 14 پر پہنچے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي لَا وَاقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝

ترجمہ: ”میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو میری ہی عبادت کیا کر اور

میری یاد و ذکر کے لئے نماز پڑھا کر۔“ (سورہ طہ آیت 14)

تو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں سبحان اللہ! کیا عمدہ کلام ہے اور مزید کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اور یوں رسول اللہ کی ﷺ ایک دن پہلے کی مانگی ہوئی دعا اللہ نے ایک خوش نصیب کے حق میں قبول فرمائی۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں دعا کی تھی کہ اے رب العالمین! عمرو بن

ہشام اور عمر بن الخطاب میں سے جو تجھے پسند ہو، اسے اسلام میں داخل فرما!

اول الذکر تو ابو جہل بن کر رہا اور دوسرے کہ اللہ نے فاروق اعظم بنا دیا، اللہ کی راہ میں پٹنے اور لہو لہبان ہونے والے یہ نو جوان میاں بیوی کون تھے؟ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بہنوئی اور چچا زاد بھائی حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن زید تھے اور ان کی بیوی عمر رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا تھیں۔ اللہ نے ان سعید و روحوں کی استقامت و عزیمت ایمانی کے ذریعے عمر بن خطاب کو اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا کی جو بعد میں اسلام کے دوسرے خلیفہ راشد ہوئے اور دنیا کی کوئی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں سمجھی جاسکتی۔

تو یہ تھے ابوالاعور حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن زید بن عمرو بن نفیل۔ موحد ابراہیمی زید بن عمرو کے سابق الایمان موحد و مومن بیٹے جن کے باپ قیامت کے دن تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔ حدیث عشرہ مبشرہ کے راوی بھی یہی سعید بن زید رضی اللہ عنہ ہیں۔

خاندان

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی تھے اور قبیلہ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت عجم قبیلہ بنو خزاعہ میں سے تھیں۔ والدہ کا نام بھی فاطمہ زوجہ اول کا نام بھی فاطمہ۔ دونوں نے اپنے شوہروں کی زندگی میں عمدہ کردار ادا کیا۔ سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زوجہ محترمہ تھیں اور فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا ان کی والدہ۔ ان کے علاوہ بھی تاریخ اسلام میں کتنی ہی فاطمائیں ہیں جن کے نام عزت و احترام کی ساتھ زندہ رہیں گے۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالاعور تھی۔ ان کے والد زید بن عمرو بن نفیل اپنے زمانے کے دین ابراہیم کے واحد موحد تھے جو نہ بتوں کی پوجا کرتے تھے نہ ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے نہ بتوں کے نام کی قربانی اور کھانا وغیرہ کھاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی بعثت سے پہلے دیکھا تھا۔ انہوں نے دین حق کی تلاش میں شام، عراق اور جزیرہ کا سفر کیا۔ یہودی اور عیسائی عالموں، راہبوں سے ملاقاتیں بھی کیں لیکن گوہر مقصود کے حصول میں ناکامی ہوئی تو ہاتھ اٹھا کر کہا: ”اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں تیرے پیغمبر ابراہیم کے دین پر ہوں۔“

وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ”اے اللہ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تجھے اپنی عبادت کا کونسا طریقہ پسند ہے تو میں اسی طریقہ سے تیری عبادت کرتا۔“ ان کی توحید پرستی کی وجہ سے قریش ان کے دشمن اور درپے آزار ہو گئے اور وہ بھری دنیا میں اپنے آپ کو تنہا پاتے تھے۔ خود ان کے بھائی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے والد خطاب ان کو بہت تنگ کرتے تھے۔ اگر زید کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا زمانہ ملتا تو وہ یقیناً اسلام لاتے لیکن آپ ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پہلے کسی نے غلطی سے یا شبہ سے انہیں بلادِ نجد میں قتل کر ڈالا اور وہ غارِ حرا کے دامن میں دفن

کئے گئے جہاں سے اسلام کا سورج طلوع ہونا تھا۔

زید کہا کرتے تھے کہ ”میں اس نبی کا منتظر ہوں جو آل اسماعیل میں سے ہوگا۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق انہوں نے عامر بن ربیعہ سے کہا تھا کہ اگر میں نے آل اسماعیل کے ہونے والے نبی کو پالیا تو ان پر ایمان لاؤں گا لیکن اگر بد قسمتی سے مجھے یہ سعادت نصیب نہ ہوئی تو اے عامر! اگر تمہاری زندگی وفا کرے اور تم انہیں پاؤ تو میرا سلام عرض کرنا۔“ چنانچہ جب حضور انور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد عامر اسلام لائے تو آپ ﷺ کو زید کا سلام پہنچایا۔ آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان کے لئے رحمت کی دعا کی نیز فرمایا کہ میں نے زید کو جنت میں دامن کشاں دیکھا ہے۔

بعد میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور زید کے انجام کے متعلق سوال کیا۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم خاتم النبیین سید المرسلین ﷺ نے فرمایا کہ

اللہ زید کی مغفرت کرے اور ان پر رحمت کرے وہ دین ابراہیمی پر مرے اور قیامت کے دن وہ تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔ اس کے بعد مسلمانوں میں سے کوئی یاد کرنے والا ان کے لئے دعائے مغفرت کئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ زید کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ وہ زندہ درگور کی جانیوالی معصوم بچیوں کو بچا کر اپنے تحفظ میں لے لیا کرتے تھے اور ان کی کفالت کرتے تھے۔ اگر بعد میں ان کے والد اپنے پاس رکھنے اور پرورش کرنے پر آمادگی ظاہر کرتے تو انہیں واپس دے دیتے ورنہ خود ان کی پرورش کرتے اور جوان ہونے پر شادیاں کر دیتے۔ یہ اتنی بڑی سماجی اور اخلاقی خوبی تھی کہ جو قبل اسلام کے سارے عرب میں ناپید تھی۔

قبول اسلام

اس معاملہ میں تو حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ زید بن عمرو بن نفیل کے سپوت تھے۔ جو اپنے وقت کے واحد محمد تھے اور دین ابراہیم کے سچے پیروکار تھے۔ حضرت ابوالاعور سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے والد زید بنی آخر الزماں ﷺ سے ملنے اور ان پر ایمان لانے کی حسرت لے کر اس دنیا سے رخصت ہوئے مگر سعید الفطرت باپ کے سعید الفطرت بیٹے نے ایمان لانے میں کافی جلدی سے کام لیا اور ابتدائے جوانی ہی میں تقریباً پندرہ سولہ سال کی عمر میں حلقہ بگوش اسلام ہو کر سابقون الاولون میں شامل ہو گئے۔ موحد باپ کی تربیت اور عملی مثال نے انہیں اس کے لئے پہلے ہی سے ذہنی طور پر تیار کر دیا تھا۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب مسلمانوں کی تعداد بے حد قلیل تھی وہ کمزور اور بے یار و مددگار تھے اور علانیہ اپنے اسلام کا اظہار کرتے ہوئے بھی ہچکچاتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ابھی دار ارقم کو اپنا مرکز دعوت و تبلیغ نہ بنایا تھا۔ بالآخر انہی سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی فاطمہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا باعث بن گیا اور یہ وہ عظیم

الشان واقعہ ہے جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ پھر حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی مسلمان ہو گئیں۔ مکہ میں دوسرے مسلمانوں کی طرح انہوں نے بھی سختیاں جھیلیں۔

وفات

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے نزدیک وادی عقیق میں جمعہ کے دن دوپہر سے قبل وفات پائی جہاں انہوں نے مستقل رہائش اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ محمد ابن سعد نے ”طبقات“ میں سال وفات 50 ہجری یا 51 ہجری لکھا ہے۔ ابن خلدون، اسد الغابہ اور تذکرۃ الکرام کے مصنفین بھی اس پر متفق ہیں۔ اگرچہ بعض نے سال وفات 55 ہجری بھی لکھا ہے لیکن اجماع 51، 50 ہجری پر ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں بھی یہی سال وفات دیا ہے۔

مدینہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ انہیں حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر ملی۔ انہوں نے نماز جمعہ ترک کر دی اور عقیق تشریف لے گئے۔ عقیق سے ان کی میت لوگوں کے کندھوں پر مدینہ لائی گئی۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے غسل دیا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حنوط ملا اور نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ میں لوگوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں لحد میں اتارا۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کو دارالبقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔

وفات کے وقت سن شریف تقریباً اسی (80) برس تھا۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

کیا آپ جانتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا باپ قبیلہ مخزوم کا ایک قابل رشک سردار تھا اور وہ دنیائے عرب کا ایک بڑا معروف مخی تھا۔ لوگ اسے مسافروں کا زاوراہ سمجھا کرتے تھے کیونکہ قافلے جب اس کے گھر کی طرف روانہ ہوتے یا اس کی رفاقت میں سفر کرتے تو اپنے ساتھ زاوراہ لے کر نہ جاتے۔ اس لیے کہ سب کے اخراجات یہ خود برداشت کیا کرتے تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کا شمار ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا تھا جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے ان سے پہلے صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام ہند تھا لیکن کنیت ان کے اصلی نام پر غالب آ گئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ساتھ ہی مسلمان ہو گئی تھیں اور ان کا شمار ان صحابیات میں ہوتا ہے جنہیں اسلام قبول کرنے میں سبقت حاصل ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر کے اسلام قبول کرنے کی خبر جنگ کی آگ کی طرح چار سو پھیل گئی۔ قریش غصے میں آ کر ان دونوں کو ایسی دردناک سزائیں دینے لگے جس سے مضبوط چٹانیں بھی متزلزل ہو

جائیں لیکن ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش پیدا نہ ہوئی نہ ان کی طبیعت میں کوئی پچھتاوا پیدا ہوا اور نہ ہی یہ کسی تردد کا شکار ہوئے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مصائب کی چکی میں بری طرح پسے لگے تو حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی ان مہاجرین میں یہ دونوں میاں بیوی بھی تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے خاوند اپنا معزز گھرانہ اور عالیشان گھر چھوڑ کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک ان دیکھی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

باوجودیکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر کو حبشہ کے حکمران نجاشی کی مکمل حمایت حاصل تھی پھر بھی ان کی دلی تمنا تھی کہ وہ مبارک گھڑی کب آئے گی کہ جب وہ مرکز نزول وحی مکہ معظمہ پچشم خود دیکھیں گے اور منبع ہدایت حضرت محمد ﷺ کی زیارت کریں گے۔ یہ تمنا ان کے دل میں سمائی ہوئی تھی۔

سرزمین حبشہ میں مقیم مہاجرین کے پاس اس قسم کی خبریں مسلسل آنے لگیں کہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کی قوت میں بے حد اضافہ ہو چکا ہے۔ قریش کی جانب سے ایذا رسانی ختم ہو چکی ہے۔ یہ سن کر مہاجرین نے اطمینان کا سانس لیا اور ان میں سے چند ایک نے مکہ معظمہ واپس جانے کا عزم کر لیا اور کشاں کشاں مکہ معظمہ روانہ ہو گئے ان واپس آنے والوں میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کا شوہر بھی تھا۔

لیکن ان واپس آنے والے مسلمانوں کو جلد ہی اس بات کا احساس ہو گیا کہ انہوں نے واپس آنے میں عجلت سے کام لیا ہے جو خبریں ان کے پاس پہنچ رہی تھیں ان میں بہت زیادہ مبالغہ تھا۔ صحیح صورتحال یہ تھی کہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو قریش اور زیادہ بھڑک اٹھے اور انہوں نے تنہا تنہا مسلمانوں پر مزید ظلم ڈھانا شروع کر دیا جس سے مسلمانوں کی مشکلات میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔

مشرکین نے مکہ مکرمہ میں آباد مسلمانوں کو ایسی دردناک اذیتیں دیں جن کی مثال نہیں ملتی۔ اس اندوہناک صورتحال کو دیکھ کر حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا تو مہاجرین کے پہلے قافلے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر نے شمولیت کا ارادہ کیا لیکن اس دفعہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر کا مکہ سے ہجرت کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ اس دفعہ انہیں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

ہم یہاں یہ مشکلات کی کہانی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زبانی آپ کو سناتے ہیں اس لیے کہ جس طرح اپنی آپ بیتی وہ خود عمدہ پیرائے میں بیان کر سکتی ہیں کوئی دوسرا اتنے اچھے اسلوب میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ (حضرت عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ) نے مدینہ

ہجرت کر جانے کا عزم کر لیا تو انہوں نے مجھے ایک اونٹ پر سوار کیا۔ میرا ننھا بیٹا سلمہ میری گود میں تھا۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر سیدھا چلنا شروع کر دیا۔ ابھی ہم مکہ معظمہ کی حدود سے نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ میری قوم بنو مخزوم کے چند افراد نے ہمیں دیکھ لیا اور انہوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔

انہوں نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

اگر تم نے اپنی مرضی کو ہم پر ترجیح دے ہی لی ہے تو اس عورت کو اپنے ہمراہ کیوں لے جا رہے ہو؟ یہ ہماری بیٹی ہے ہم اسے تیرے ساتھ کسی دوسرے ملک جانے کی قطعاً اجازت نہیں دیں گے۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر مجھے ان کے ہاتھ سے چھین لیا۔ جب میرے سر تاج شوہر کی قوم بنو اسد نے یہ منظر دیکھا کہ مجھے اور میرے بیٹے کو چھین کر لیے جا رہے ہیں تو وہ غضبناک ہو گئے۔

انہوں نے کہا:

خدا کی قسم ہم تمہارے قبیلہ کی اس عورت کے پاس یہ بچہ نہیں رہنے دیں گے۔ تم اسے ہمارے قبیلہ کے مرد سے زبردستی چھین کر لیے جا رہے ہو۔

یہ ہمارا بیٹا ہے اس پر ہمارا ہی حق ہے پھر وہ میرے بیٹے کو مجھ سے چھین کر اپنے ساتھ لے گئے۔ یہ صورتحال میرے لیے ناقابل برداشت تھی۔ ہمارا شیرازہ بکھر گیا۔ شوہر مدینہ روانہ ہو گیا۔ بیٹے کو بنو عبد الاسد اپنے ساتھ لے گئے اور مجھے میری قوم بنو مخزوم نے زبردستی اپنے پاس رکھ لیا۔ ہمارے درمیان بل بھر میں جدائی ڈال دی گئی۔

میں ان روح فرسا صدمات کو برداشت کرنے کے لئے تنہا رہ گئی میں غم غلط کرنے کے لئے ہر صبح اس مقام پر جاتی جہاں جدائی کا یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ میں وہاں بیٹھ کر دن بھر روتی رہتی اور شام کے وقت گھر واپس آ جاتی۔ تقریباً ایک سال تک یہ سلسلہ جاری رہا میں ایک دن وہاں بیٹھی رو رہی تھی کہ میرا ایک چچا زاد بھائی میرے پاس سے گزرا میرا یہ حال دیکھ کر اسے مجھ پر رحم آ گیا اور اسی وقت جا کر میری قوم کے بڑوں سے کہا کہ تم اس مسکین عورت کو کیوں تڑپا رہے ہو؟ کیا تم اس کی حالت نہیں دیکھ رہے کہ یہ اپنے شوہر اور بیٹے کے غم میں کس قدر بے چین ہے۔

آخر اسے ستانے سے تمہیں کیا ملے گا اس بے چاری کو چھوڑ دو اس کی یہ باتیں سن کر ان کے دل نرم ہو گئے۔

انہوں نے مجھ سے کہا:

ہماری طرف سے اجازت ہے اگر تم چاہو تو اپنے خاوند کے پاس جا سکتی ہو۔
میں نے کہا:

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تو مدینہ چلی جاؤں اور میرا لخت جگر بنو اسد کے پاس ہی رہے؟ تم ہی بتاؤ میرے غم کی آگ کیسے بجھے گی، میری آنکھوں کے آنسو کیسے خشک ہوں گے۔ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتی کہ خود تو اپنے شوہر کے پاس مدینہ چلی جاؤں اور اپنے ننھے بیٹے کو مکہ ہی میں رہنے دوں اور اس کے متعلق مجھے کچھ معلوم ہی نہ ہو۔ مجھے اس غم میں مبتلا دیکھ کر کچھ لوگوں کے دل میں نرمی پیدا ہو گئی اور بنو اسد سے اس سلسلہ میں بات کی تو وہ بھی راضی ہو گئے اور انہوں نے میرا بیٹا مجھے واپس دے دیا۔

میں نے سوچا کہ اب مجھے فوراً یہاں سے نکل جانا چاہئے کہ کہیں کوئی اور رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے۔ میں نے جلدی جلدی تیاری کی، بیٹا گود میں لیا، اونٹ پر سوار ہوئی اور سوئے مدینہ اکیلی چل پڑی۔ مخلوق خدا میں بیٹے کے علاوہ کوئی بھی میرے ساتھ نہ تھا۔

جب میں مقام تنعیم (یہ مکہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر دور مدینہ کی راہ پر ایک مقام ہے) پر پہنچی تو وہاں عثمان بن طلحہ (رضی اللہ عنہ) ملے۔

(یہ عثمان بن طلحہ زمانہ جاہلیت میں بیت اللہ کے دربان تھے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسلمان ہوئے۔ فتح مکہ میں شامل ہوئے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کی چابی ان کے سپرد کر دی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اس سفر ہجرت کے وقت یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے)

انہوں نے کہا: اے زادِ مسافر کی بیٹی کہاں جا رہی ہو؟

میں نے کہا: مدینہ منورہ اپنے خاوند کے پاس جا رہی ہوں۔

انہوں نے کہا: کیا اس سفر میں تمہارے ساتھ کوئی نہیں؟

میں نے کہا: بخدا میرے ساتھ اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

انہوں نے کہا: خدا کی قسم اب میں تمہیں مدینہ پہنچا کر واپس آؤں گا۔ پھر اس نے اونٹ کی نکیل پکڑی اور آگے آگے چل دیئے۔

خدا کی قسم میں نے عرب میں اس سے زیادہ نیک دل اور شریف انسان نہیں دیکھا۔ جب یہ ایک منزل طے کر لیتے تو میرے اونٹ کو بٹھا دیتے۔ پھر دور ہٹ جاتے جب میں نیچے اتر جاتی تو وہ اونٹ پر سے ہودج اتار دیتے اور اسے کسی درخت کے ساتھ باندھ دیتے۔ پھر وہ خود کسی دوسرے درخت کے سائے میں جا کر لیٹ جاتے جب روانگی کا وقت ہوتا تو یہ میرے اونٹ کو تیار کر کے میرے پاس لے آتے۔ جب میں اونٹ پہ سوار ہو جاتی تو وہ اس کی نکیل پکڑ کر چل دیتے۔

وہ ہر روز اسی طرح میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ جب بنو عمرو بن عوف کی بستی قبائلی نظر آئی تو انہوں نے مجھے کہا: آپ کا خاوند اس بستی میں رہائش پذیر ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ

کی برکت سے اس میں چلے جائیے۔ یہ کہا اور ہمیں وہاں چھوڑ کر مکہ معظمہ واپس لوٹ گئے۔

یہ منتشر گھرانہ بڑی طویل جدائی کے بعد پھر اللہ تبارک تعالیٰ کے فضل و کرم سے اکٹھا ہو گیا۔ اپنے خاوند کو دیکھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی اور بیٹے کو صحیح سلامت دیکھ کر سکھ کا سانس لیا اور انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا۔

پھر بے شمار واقعات پلک جھپکنے میں گزرنے لگے۔

غزوہ بدر میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ شریک ہوئے اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ بڑی واضح کامیابی حاصل کر کے واپس لوٹے۔ غزوہ بدر کے بعد غزوہ احد میں شرکت کی اور اس میں پیش آنے والے مشکل حالات و مصائب کا سامنا کیا۔ اس آزمائش میں بھی توفیق الہی سے پورے اترے لیکن اس معرکہ میں انہیں ایک گہرا زخم لگا، علاج کرنے سے بظاہر تو وہ مندمل ہو گیا۔ لیکن اندر سے زخم کچا رہ گیا تھا۔ تھوڑے عرصہ بعد وہ زخم دوبارہ تازہ ہو گیا اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ شدید تکلیف میں مبتلا ہو کر صاحب فراش ہو گئے یعنی کہ انہوں نے بستر پکڑ لیا۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے علاج کے دوران اپنی بیوی سے کہا:

ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی شخص مصیبت کے وقت صبر کرے۔ اور ساتھ ساتھ یہ کلمات بھی کہے۔

الہی: میں اپنی اس مصیبت میں تیری ذات اقدس سے اجر و ثواب کی تمنا رکھتا ہوں۔ الہی: مجھے نعم البدل عطا کر:

تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ دعا کو قبول کرتے ہوئے اسے نعم البدل عطا کر دیتے ہیں۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کافی عرصہ تک اسی بیماری میں مبتلا رہے ایک دن رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت آپ کی تیمارداری کے لئے تشریف لائے۔ آپ تیمارداری کر کے ابھی واپس گھر کے دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو پیارے ہو گئے۔

حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے آپ کی آنکھیں بند کی۔

اور آپ نے یہ دعا کی:

الہی: ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو بخش دے اور اسے اپنے مقرب بندوں میں اعلیٰ مقام عطا کر اور اس کے لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق دے اور انہیں اس کا نعم البدل عطا کر۔

اے پروردگار عالم! اسے اور ہمیں بخش دے اور اس کی قبر کو فراخ اور منور فرما۔ اس موقع پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو وہ دعا یاد آئی جو حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بیان کی تھی تو اس نے فوراً اپنے رب تعالیٰ سے التجا کی۔

الہی: میں اپنی اس مصیبت میں تیری ذات اقدس سے اجر و ثواب کی نیت کرتی ہوں۔ لیکن اس کا دل یہ بات کہنے کے لئے آمادہ نہ ہو رہا تھا کہ وہ یہ کلمات کہے کہ الہی! مجھے ان کا نعم البدل عطا فرما وہ دل میں یہ سوچ رہی تھی کہ ان کا نعم البدل کون ہو سکتا ہے۔ بہر حال چار و ناچار انہوں نے دعائیہ کلمات مکمل کر لئے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو پیش آنے والے اس حادثہ فاجعہ پر مسلمانوں میں غم کی لہر دوڑ گئی اور ہمدردی کے طور پر آپ کو بیوہ عرب کے نام سے یاد کرنے لگے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد چھوٹی عمر کی کثیر اولاد کے علاوہ عزیز واقارب میں سے کوئی بھی بڑی عمر کا فرد موجود نہ تھا۔

اس صورتحال کے پیش نظر مہاجرین و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوچا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی نصرت ہمارا دینی فرض ہے اس لیے ایام عدت گزر جانے کے بعد سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا تا کہ انہیں مکمل تحفظ مل سکے لیکن انہوں نے انکار کر دیا پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پیش کش کی وہ بھی آپ نے قبول نہ کی۔

پھر چند دن گزر جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پیش کش کی تا کہ ناتواں اولاد کو مکمل تحفظ مل سکے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری تین گزارشات ہیں۔ ایک تو میں انتہائی غصیل عورت ہوں مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو میری کوئی بات ناگوار گزرے اور آپ مجھ پر ناراض ہو جائیں اور میں اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے کسی عذاب میں مبتلا ہو جاؤں اور دوسری بات یہ ہے کہ میں ایک عمر رسیدہ عورت ہوں اور تیسری بات یہ ہے کہ میں عیالدار ہوں اور چھوٹے چھوٹے میرے بچے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:-

جہاں تک تیرے غصیل ہونے کا تعلق ہے میں اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کروں گا انشاء اللہ تیری یہ عادت کافور ہو جائے گی۔

جہاں تک عمر رسیدہ ہونے کی بات ہے اب میں بھی تیری طرح عمر رسیدہ ہی ہوں اور جو آپ نے عیال داری کا تذکرہ کیا ہے تو اسی لیے تو میں پیش کش کر رہا ہوں تا کہ ان کی ذمہ داری لے کر آپ کو اس پریشانی سے نجات دوں۔ اس کے بعد آپ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کر انہیں ہر قسم کی پریشانی سے نجات دلانے کا باعث بن گئے ہیں۔ اس طرح اللہ رب العزت نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور انہیں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا نعم البدل عطا کر دیا۔

رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد بنو مخزوم قبیلہ کی یہ ہند نامی عورت صرف ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی نہ رہی بلکہ انہیں ام المومنین بننے کا عظیم شرف بھی حاصل ہو گیا۔

ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا مفصل حالات زندگی کے لئے درج حوالہ جات ہیں۔

(الاصابتہ صفحہ ۲۳۰ تا ۲۳۲۔ الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۸۰۔ اسد الغابۃ جلد ۵ صفحہ ۵۸۸، ۵۸۹۔ الاصابتہ صفحہ ۲۳۰ تا ۲۳۲۔ الاستیعاب طبع حیدر آباد جلد ۲ صفحہ ۷۸۰۔ اسد الغابۃ جلد ۵ صفحہ ۵۸۸، ۵۸۹۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۳۵۵، ۳۶۵۔ تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۶۲۔ صفۃ الصفوة جلد ۲ صفحہ ۲۰، ۲۱۔ شذرات الذهب جلد ۱ صفحہ ۶۹، ۷۰۔ تاریخ الاسلام جلد ۳ صفحہ ۹۷، ۹۸۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ صفحہ ۲۱۳، ۲۱۵۔ الاعلام والمراجع جلد ۹ صفحہ ۱۰۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

امام ابوداؤد طیالسی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کے ایمان لانے کا واقعہ ان کی زبانی یوں بیان کیا ہے:

آپ بتاتے ہیں۔ میں اپنی نو عمری کے زمانہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں مکہ کے گرد و نواح میں چرایا کرتا تھا۔ ایک روز میرے پاس حضور انور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور مجھے فرمایا! اے جوان! کیا ہمیں دودھ پلاؤ گے۔ میں نے جواب دیا کہ دودھ تو ہے لیکن میں امین ہوں۔ امانت میں خیانت نہیں کر سکتا اس لئے آپ کو دودھ پلانے سے معذور ہوں۔

حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کیا تمہارے پاس ایسی پٹھ ہے جس سے کسی نے نہ جفتی نہ کی ہو۔ میں نے عرض کی جی ہاں چنانچہ میں ایک پٹھ کو پکڑ کر لے آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے رسی سے جکڑا اور حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے اس کی کھیری کو پکڑ کر دعا کی وہ اسی وقت دودھ سے لبریز ہو گئی۔ حضور ﷺ نے اسے دوہا۔ پہلے وہ دودھ مجھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پلایا پھر خود نوش فرمایا۔ پھر اس کھیری کو حکم دیا ”اقلص“ سکڑ جا۔ وہ پہلے کی طرح سکڑ گئی۔

یہ معجزہ دیکھ کر میں نے اسلام قبول کیا اور عرض کی ”یا رسول اللہ علمنی“ مجھے کچھ سکھائیے! حضور ﷺ نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا ”اللہ تبارک تعالیٰ تمہیں اپنی برکتوں سے نوازے تم تعلیم یافتہ نو جوان ہو“۔ حضور انور ﷺ کے اس ارشاد کی برکت سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار طبقہ صحابہ کے جلیل القدر علماء میں ہوتا تھا۔ حضور پر نور ﷺ ان کا بہت احترام کرتے بارگاہ رسالت میں ہر وقت حاضری کی انہیں اجازت تھی۔ حضور ﷺ کی خدمت میں ہر وقت مشغول رہتے۔ حضور انور نبی کریم ﷺ غسل فرماتے تو یہ پردہ تان کر کھڑے ہو جاتے۔ نعلین مبارک پہناتے۔ حضور ﷺ جب اپنی نعلین اتارتے تو وہ انہیں اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیتے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں جنت کی خوشخبری سے نوازا تھا۔

(السیرۃ النبویۃ ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۴۴۔ السیرۃ الخلیفہ برہان الدین طبع جلد ۱ صفحہ ۲۶۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذوق اور جذبہ تبلیغ اسلام سے سرشار تھے۔ ظاہری ہیئت کے اعتبار سے کمزور اور ناتواں شخص تھے مگر ایمان قوی اور جذبہ جواں تھا۔ انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ ”ابھی تک قریش کے

کانوں تک قرآنی آیات نہیں پہنچیں وہ پہلے ہی کان بند کر لیتے ہیں اور سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ خود بھی بدظن ہیں اور دوسروں کو بھی بدظن کرتے ہیں۔ اگر صورتحال یوں ہی رہی اور قرآنی فصاحت و بلاغت ان کے کانوں تک نہ پہنچی تو انہیں کیسے پتہ چلے گا کہ یہ اتنا موثر اور بلغ کلام ہے۔ اس لئے اتمام حجت ضروری ہے۔ یہ کلام ان تک پہنچنا چاہئے مگر یہ کام خطرے سے خالی نہیں۔“

پھر ایک دن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا ”یہ خدمت میں انجام دوں گا“ دوستوں نے ان کے جذبے کو سراہا مگر اس پیشکش کو قبول نہ کیا کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہاں کوئی برادری نہیں تھی۔ اس قسم کے بے یار و مددگار شخص کو بالکل جان سے مار دینے کے قوی امکانات تھے کیونکہ مزاحمت کا کوئی خوف نہیں تھا۔

مگر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا اور بضد رہے کہ اس سعادت کے حصول کا انہیں ضرور موقع فراہم کیا جائے اور دین و مشن کی اس اعلیٰ خدمت سے محروم نہ رکھا جائے۔ ساتھی مجبور ہو گئے اور انہیں اجازت دے دی۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے عزم و حوصلہ کے ساتھ حرم شریف میں پہنچے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو گئے اور سورہ الرحمن کی تلاوت شروع کر دی۔ مضمون بڑا معنی خیز عبارت بڑی پر شکوہ متاثر کن اور آواز بڑی پرسوز تھی۔ وہ ہمہ تن متوجہ ہو گئے اور جملوں کی ساخت اور معانی کی بلندی پر غور کرنے لگے۔ فصاحت و بلاغت سے بے حد متاثر ہوئے۔ ایسا کلام انہوں نے کبھی نہیں سنا تھا وہ حیران رہ گئے اور بولے: غور سے سنو! یہ ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے؟

اچانک ان کی چھٹی حس بیدار ہوئی۔ انہیں خیال آیا یہ تو وہ کلام پڑھ رہا ہے جس کے بارے میں محمد ﷺ کا دعویٰ ہے کہ ان پر یہ نازل ہوتا ہے۔ ان کے گمان میں یہ ان کی شدید ترین توہین تھی وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف لپکے۔ ابو جہل نے تھپڑ مار کر ان کا کان لہو لہان کر دیا، چوٹیں کھا کر، جسم کو سہلاتے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ”دار ارقم“ میں آ گئے انہیں زخمی دیکھ کر حضور سید کونین ﷺ بھی مغموم ہو گئے، مگر جبریل امین مسکراتے ہوئے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ ”آج ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ابو جہل نے زخمی کیا ہے لیکن وہ دن آنے والے ہے جب حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کا کام تمام کر دیں گے۔“

(محمد رسول اللہ، محمد رضا، صفحہ 104)

پھر اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی رفاقت میں اس طرح رہے جس طرح کہ سایہ انسان کے ساتھ رہتا ہے۔ قیام و سفر میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا، ہر جگہ خدمت کی سعادت نصیب ہوتی۔ جب آپ ﷺ آرام فرماتے تو پاس ہی بیٹھ رہتے۔ جب آپ ﷺ نے غسل کرنا ہوتا تو فوراً آپ ﷺ کے لئے پردے کا اہتمام کرتے۔ جب آپ ﷺ گھر سے باہر جانے کا ارادہ کرتے تو فوراً

نعلین مبارک آپ ﷺ کے قدموں میں لا رکھتے۔

جب گھر تشریف لاتے تو آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں سے حضور انور ﷺ کے پاؤں مبارک سے جوتے اتارتے۔ آپ ﷺ کے لئے چھتری اور مسواک ہر دم تیار رکھتے، انہیں حجرہ مبارک میں بھی آنے کی اجازت تھی۔ یہاں تک کہ آپ (حضرت مسعود بن عبد اللہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں راز دان رسول ﷺ کے نام سے معروف ہو گئے۔

چونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تربیت حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے گھر ہوئی اس لیے آپ ﷺ کی سیرت و کردار کو اپنانے کا وافر موقع ملا۔ انہوں نے آپ ﷺ ہی کا طرز عمل اختیار کیا اور آپ ﷺ کی ہر عادت کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کی۔ یہاں تک کہ آپ کے متعلق یہ بات مشہور ہو گئی کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے قریب تر ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے درس گاہ نبوت سے تعلیم حاصل کی۔ قرآن مجید کی تلاوت، قرآن فہمی اور شریعت الہیہ کے علم میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ بطور دلیل ایک واقعہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

وقوف عرفہ کے دوران ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: امیر المومنین! اس وقت میں کوفہ سے آ رہا ہوں۔ وہاں ایک شخص اپنے حافظے کی بنیاد پر قرآن حکیم لکھوا رہا ہے۔ یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت غصے میں آ گئے۔ اتنے غصے میں آپ کو پہلے کبھی نہ دیکھا گیا۔

آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا: مجھے بتاؤ کہ وہ کون ہے؟

اس شخص نے عرض کی کہ وہ جناب حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کا نام سن کر آپ کا غصہ ماند پڑ گیا اور فرمایا: بخدا میرے علم کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس وقت قرآن فہمی میں سب سے اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قرآن فہمی میں خاص مقام درج ذیل سے واضح ہے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ایک رات حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے امت مسلمہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور میں بھی اس گفتگو میں شریک تھا۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اچانک اٹھے اور ایک طرف چل دیئے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ہو لیے۔ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں کھڑا اونچی آواز سے نماز پڑھ رہا ہے۔ اندھیرے کی وجہ سے ہم اسے پہچان نہ سکے۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے کھڑے ہو کر اس کی قرأت سننا شروع کر دی۔ پھر آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

”جسے یہ بات پسند آتی ہے کہ وہ قرآن حکیم کو اس لہجہ میں پڑھے جس میں وہ نازل ہوا ہے تو وہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کا انداز اپنائے۔“

نماز کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اونچی آواز سے دعا شروع کی تو حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مانگو تمہاری دعا قبول ہوگی۔

مانگو جو چاہتے ہو دیا جائے گا

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔ میں نے اپنے دل میں کہا:

خدا کی قسم میں صبح سویرے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دوں گا کہ رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیری دعا پر آمین کہتے رہے ہیں۔ میں صبح سویرے انہیں خوشخبری دینے کے لئے گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مجھ سے پہلے وہاں پہنچ کر خوشخبری سنا چکے ہیں۔

خدا کی قسم میں برملا اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہر نیکی کے کام میں مجھ سے سبقت لے گئے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قرآن فہمی میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ وہ اپنے متعلق بیان کرتے ہیں۔ ”اس خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں۔ اسی کے فضل و کرم سے مجھے قرآن حکیم کی ہر آیت کے متعلق علم ہے کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور اس کا شان نزول کیا ہے۔ جب بھی مجھے پتہ چلتا کہ فلاں شخص قرآن حکیم کے بارے میں مجھ سے زیادہ معلومات رکھتا ہے تو میں اس کی خدمت میں حاضر ہو کر معلومات حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔“

یہ تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنے متعلق بیان تھا، ہم اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ایک اور واقعہ بھی بیان کرتے ہیں جس سے ان کے علمی مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک صحرا میں سفر کر رہے تھے۔ رات بہت تاریک تھی۔ دوران سفر ایک قافلہ ملا۔ اس میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء سفر میں سے ایک شخص کو حکم دیا۔ پتہ کرو یہ قافلہ کہاں سے آ رہا ہے؟ جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ جواب ملا: نج عقیق سے (دور دراز جگہ سے)

دوسرا سوال ہوا۔ کہاں کا ارادہ ہے؟

جواب ملا: بیت عقیق کا (بیت اللہ شریف کا)

اس عمدہ جواب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اس قافلے میں کوئی جید عالم موجود ہے۔ لہذا ان سے کچھ مزید سوالات کیے جائیں۔

سوال کیا کہ قرآن حکیم کی کون سی آیت سب سے بڑی ہے؟

جواب ملا: آیت الکرسی۔

دوسرا سوال کیا: قرآن حکیم کی کون سی آیت سب سے زیادہ محکم ہے؟

جواب سورہ نحل کی آیت نمبر ۹۰

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُم لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

ترجمہ: ”بلاشبہ انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (مالی مدد) دینے کا حکم کرتا ہے“

تیسرا سوال کیا: قرآن حکیم کی کون سی آیت سب سے زیادہ جامع ہے؟

جواب ملا:

سورہ زلزال کی آیات ۷ اور ۸

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

ترجمہ ”جو ذرہ بھرنیکی کرتا ہے وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو ذرہ بھر برائی کرتا ہے وہ اسے دیکھ لے گا۔“

چوتھا سوال کیا: قرآن حکیم کی کون سی آیت سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے؟

جواب ملا:

سورہ نساء کی آیت ۱۲۳

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ ۚ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ ۖ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝

ترجمہ: ”(نجات) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو شخص برے عمل

کرے اسے اسی کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ خدا کے سوانہ کسی کو حمایتی پائے گا اور نہ مددگار۔“

پانچواں سوال کیا: قرآن حکیم کی کون سی آیت سب سے زیادہ امید دلانے والی ہے۔

جواب ملا: سورہ زمر کی آیت ۵۳

قُلْ يٰٓعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

”کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ

ہونا اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔“

یہ عمدہ اور جامع جوابات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ قافلہ والوں سے دریافت کرو کیا تمہارے

ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہیں

جواب ملا: یقیناً موجود ہیں۔

قریب الموت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہے۔ جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور دریافت کیا۔ آپ کو کس سے شکایت ہے؟ فرمایا: اپنے گناہوں سے۔

آپ نے دریافت فرمایا: آپ کا دل کیا چاہتا ہے۔

فرمایا: اپنے رب کی رحمت

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت نے فرمایا: کیا وہ سب مال آپ کے نام نہ لگا دوں جو کئی سال سے آپ نہیں لے رہے

فرمایا: مجھے اس مال کی ضرورت نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مال آپ کی بچیوں کے کام آئے گا۔

فرمایا: کیا آپ کو اندیشہ ہے کہ میری بچیاں فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جائیں گی۔ میں نے اپنی تمام بچیوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر رات سورہ واقعہ کی تلاوت کریں۔ میں نے حضور پر نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے ہر رات سورہ واقعہ پڑھی اسے فقر و فاقہ لاحق نہیں ہوگا۔

جس نے ہر رات سورہ واقعہ کی تلاوت کی اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا

جب رات ہوئی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو پیارے ہو گئے۔ نزع کے وقت آپ کی زبان ذکر الہی سے تر تھی۔ آپ کی زبان پر آیات پینات کا ورد جاری تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تفصیلی حالات زندگی کا مندرجہ بالا بیان کے لئے درج ذیل حوالہ جات ہیں۔

الاصابة جلد ۴ صفحہ ۱۳۹-۱۴۰ الاستیعاب - مطبوعہ حیدرآباد جلد ۱ صفحہ ۳۵۹-۳۶۲ - اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۵۶-۳۶۰ - تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۵۱۲ - البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۶۲-۱۶۳ - طبقات الشیخانی صفحہ ۲۹-۳۰ - تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ صفحہ ۱۰۰-۱۰۳ - سیر اعلام النبلاء جلد ۱ صفحہ ۳۳۱-۳۵۷ - صفۃ الصفوة جلد ۱ صفحہ ۱۵۴-۱۶۱ - شذرات الذہب جلد ۱ صفحہ ۳۸-۳۹۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

جس کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

”اللہ خباب پر رحم کرے اس نے دلی رغبت سے اسلام قبول کیا خوشی سے ہجرت کی اور بحشت مجاہد زندہ

بسرکی۔

ام انمار خزاہیہ مکہ معظمہ میں غلاموں کی منڈی میں گئی وہ چاہتی تھی کہ ایک ایسا غلام خرید لائے جس سے وہ گھریلو خدمت بھی لے اور اسے کوئی کاروبار بھی سکھلا دے جو اس کے لئے مالی طور پر مفید اور نفع بخش ثابت ہو۔ وہ ان غلاموں کو بغور دیکھنے لگی جنہیں بیچنے کے لئے منڈی میں لایا گیا تھا۔ اس کی نگاہ انتخاب ایک ایسے بچے پر پڑی جو صحت مند تھا اور ابھی وہ سن بلوغت کو نہیں پہنچا تھا۔ شرافت کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔ اسے یہ ہونہار بچہ پسند آ گیا، قیمت ادا کی کی اسے اپنے ساتھ لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی، راستے میں ام انمار نے بچے سے پوچھا:

اے لڑکے تیرا نام کیا ہے؟

بتایا: خباب

اس نے پوچھا: تیرے باپ کا نام؟

بتایا: ارت

پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟

بتایا: نجد سے

اس نے کہا: پھر تو تم عربی ہو؟

کہا: ہاں میں عربی ہوں اور قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتا ہوں۔

ام انمار نے پوچھا: تم غلاموں کے سودا گروں کے ہاتھ کیسے چڑھ گئے؟

بتایا: ہمارے محلہ میں ایک عرب قبیلے نے لوٹ مار کی۔ ہمارے مویشی ہانک کر لے گئے۔ عورتوں کو گرفتار کر

لیا۔ بچوں کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا۔ ان بچوں میں میں بھی تھا جو ہاتھوں ہاتھ بکتا ہوا یہاں پہنچا اور اب میں آپ کے قبضے میں ہوں۔

ام انمار نے اس لڑکے کو مکہ کے ایک مشہور کاریگر لوہار کے حوالے کیا تاکہ وہ اسے تلوار بنانا سکھلا دے۔

اس لڑکے نے بڑی ہی جلدی تلوار بنانے میں مہارت حاصل کر لی۔ جب خباب ایک اچھا کاریگر بن گیا تو ام انمار نے اس کے لئے ایک دکان کرایہ پر لے لی اور اسے اس میں کام کاج کے لئے بٹھا دیا تاکہ اس فن سے مالی فوائد حاصل کرے۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ تھوڑے ہی عرصے میں اپنے فن میں ماہر ہو گئے۔ لوگ اس کے ہاتھ کی بنی

ہوئی تلواریں بڑے شوق سے خریدنے لگے، اس لیے کہ یہ خوش اخلاق، نرم خو، شیریں گفتار ہونے کے ساتھ ساتھ تلوار بہت مضبوط، نفیس اعلیٰ قسم کی بناتے تھے۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ، نو عمری کے باوجود بڑے زیرک معاملہ فہم اور دانشور تھے جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوتے تو اکثر جاہلیت سے معمور عرب معاشرے کی حالت زار پر غور و خوض کیا کرتے جو پاؤں کے تلووں سے لے کر سر کی چوٹی تک شر و فساد و شرک میں غرق ہو چکا تھا۔ عرب معاشرے کی جہالت، گمراہی، بد نظمی، لاقانونیت اور بربریت دیکھ کر ان کا دہل جاتا اور وہ اس احساس سے کانپ اٹھتے کہ میں بھی تو اسی معاشرے کا ایک فرد ہوں.....

اور اکثر کہا کرتے تھے کہ اس شب تاریک کی بالآخر سحر بھی ہوگی اور ان کی یہ دلی تمنا تھی کہ مجھے عمر دراز ملے تاکہ میں اپنی آنکھوں سے اندھیرے کا انجام اور صبح نور کا دلاویز طلوع دیکھ سکوں۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا کہ ایک روز انہیں دربار اور من پسند خبر ملی کہ بنو ہاشم کے ایک نوجوان حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے اور وہ اپنے دین مبارک سے نورانی کلمات کے ذریعے انسانی دلوں کو مسخر کر رہے ہیں۔ حضرت خباب یہ خبر سنتے ہی ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ دلپذیر نصیحت آموز نورانی کلمات سنتے ہی یوں معلوم ہوا کہ آپ کے دہن مبارک سے موتیوں کی لڑیاں یا مصری کی ڈلیاں گر رہی ہیں آپ کی باتوں نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ فوراً اپنا ہاتھ بڑھایا۔ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور زبان سے پکار اٹھے کہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

اس طرح حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے چھٹے نمبر پر مسلمان ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کو کسی سے چھپایا نہیں۔ یہ خبر ان کی مالکہ ام انمار کو جب ملی تو وہ غصے سے بھڑک اٹھی اس نے اپنے بھائی سباع بن عبد العزیٰ کو ہمراہ لیا اور یہ دونوں بنو خزاعہ کے نوجوانوں سے ملے۔ انہیں صورتحال سے آگاہ کیا اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی خبر دی اور ان کے خلاف نوجوانوں کو بھڑکایا۔ پھر یہ سب مل کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے کام میں منہمک ہے..... ام انمار کا بھائی سباع بن عبد العزیٰ آگے بڑھا اور کہا:

اے خباب! ہمیں ایک ایسی خبر ملی ہے کہ ہمارے دل اسے صحیح نہیں مانتے۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کون سی خبر؟

سباع نے کہا: یہ خبر مشہور ہو چکی ہے کہ تم بے دین ہو گئے ہو اور تم نے بنو ہاشم کے لڑکے کی پیروی اختیار کر لی ہے۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر بڑے ہی نرم لہجے میں ارشاد فرمایا: میں بے دین نہیں ہوا میں تو اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لایا ہوں میں نے تمہارے بتوں کو پھینک دیا ہے اور میں نے یہ اقرار کر لیا ہے کہ حضرت

محمد ﷺ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ کلمات نکلے ہی تھے کہ سب آپ پر ٹوٹ پڑے اور گھونسوں، جوتوں، لوہے کی سلاخوں اور ہتھوڑوں سے آپ کو اتنا مارا کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور آپ کے جسم کے مختلف حصوں سے خون کے فوارے پھوٹ نکلے۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ اور ام انمار کے مابین پیش آنے والے اس واقعے کی خبر مکہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

لوگ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی جرات سے ورطہ حیرت میں پڑ گئے کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے یہ کسی سے سنا ہی نہ تھا کہ کسی غریب الوطن مزدور نے حضرت محمد ﷺ کی اتباع اختیار کی ہو اور پھر لوگوں کے سامنے دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوری وضاحت سے اپنے اسلام لانے کا اقرار کیا ہو، قریش کے بڑے بڑے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے اس جرات مندانہ اقدام پر انگشت بدندان رہ گئے۔ انہوں نے دل میں سوچا کیا ایک لوہار سے یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ اعلانیہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہے اور ہمارے آباؤ اجداد کے دین کو ہدف تنقید بنائے۔

انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ آج خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے جس دلیری و شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے آگے چل کر اس میں مزید اضافہ ہوگا۔ قریش کا یہ اندیشہ درست ثابت ہوا۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی اس جرأت مومنانہ نے بیشتر صحابہ رضی اللہ عنہ کو اس بات پر برا بھلا کیا (ابھارا) کہ وہ بھی اسی طرح اپنے اسلام لانے کا برملا اعلان کریں۔ لہذا وہ یکے بعد دیگرے کلمہ حق کا بیاگ دہل اعلان کرنے لگے۔

ایک روز قریشی سردار کعبہ کے نزدیک اکٹھے ہوئے ان میں ابوسفیان بن حرب ولید بن مغیرہ اور ابو جہل بن ہشام کے علاوہ اور بھی سرکردہ سردار موجود تھے۔ وہ اس موضوع پر تبادلہ خیال کرنے لگے کہ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کی دعوت دن بدن پھیلتی جا رہی ہے۔ اس صورتحال کے پیش نظر انہوں نے پختہ ارادہ کیا کہ اس بیماری کو شدت اختیار کرنے سے پہلے ہی ختم کر دیا جائے۔ انہوں نے یہ طے کیا کہ ہر قبیلہ اپنے اس فرد کو ایسی عبرتاک سزا دے جس نے محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کی اتباع اختیار کی ہے جس سے یا تو وہ اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آئے یا پھر وہ مر جائے۔

اس فیصلے کی رو سے سباع بن عبد العزیٰ اور اس کے قبیلے کے حصے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ آئے۔ جب دوپہر کے وقت گرمی نقطہ عروج پر ہوتی تو وہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو مکہ کے قریب چٹیل پتھر یلے میدان میں لے جاتے ان کے کپڑے اتار دیتے لوہے کی درع پہنا دیتے اور پینے کا پانی بند کر دیتے۔ جب پیاس اور تکلیف سے وہ نڈھال ہو جاتے تو یہ قریب آتے اور پوچھتے کہ اب حضرت محمد ﷺ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

آپ فرماتے:

وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ ہمارے پاس ہدایت و صداقت کا دین لے کر آئے تاکہ ہمیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکال لائیں۔ یہ سن کر وہ بپھر جاتے اور بے تحاشہ پٹائی شروع کر دیتے۔ مار مار کر جب تھک جاتے تو وہ پوچھتے لات اور عزئی کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

آپ فرماتے یہ دونوں گونگے بہرے بت ہیں نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی نقصان۔

یہ سن کر وہ آپ سے باہر ہو جاتے۔ گرم پتھر اٹھا کر لاتے اور آپ کی پیٹھ کے ساتھ لگائے رکھتے۔ پتھروں میں اس قدر تمازت ہوتی کہ ان کی گرمی سے حضرت خباب کے کندھوں سے چربی اور خون بہنے لگتا۔

انمار خزا عیہ سخت گیری اور پتھر دلی میں اپنے بھائی سے رتی برابر کم نہ تھی اس نے ایک روز حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنی دکان پر کھڑے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے باتیں کرتے دیکھ لیا تو غصے سے بپھر گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنا یہ معمول بنالیا کہ ہر دوسرے تیسرے روز آتی۔ لوہے کی بھٹی سے گرم سلاخ نکالتی اور اس سے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے سر کو داغ دیتی جس سے آپ بے ہوش ہو جاتے اور آپ کی زبان سے ام انمار اور اس کے بھائی کے بارے میں بددعا نکلتی۔

جب حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کے لئے تیار ہو گئے لیکن وہ اس وقت تک مکہ کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے جب تک کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ام انمار کے خلاف کی گئی دعا کو قبول نہ فرمالیں۔

چند روز کے بعد ام انمار خزا عیہ کے سر میں ایسا درد اٹھا کہ اس جیسا درد پہلے سننے میں نہ آیا۔ وہ شدت سے اس طرح کراہتی اور آواز نکالتی جس طرح کوئی کتا بھونکتا ہے۔ اس کے بیٹے کامل حکیم کی تلاش میں ہر جگہ پہنچے حکماء نے اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ اس کے سر کو لوہے کی گرم سلاخ سے داغا جائے اس کے علاوہ اس کا کوئی اور علاج نہیں ہے۔ اس طرح اس کے سر کو لوہے کی گرم سلاخ سے داغا جانے لگا۔ جب گرم سلاخ سر کو لگتی تو اس کی تکلیف و تمازت سے سر کے درد کو کچھ دیر کے لئے وہ بھلا دیتی اور گھروالے سمجھتے کہ اس عمل سے اُسے افاقہ ہو رہا ہے اس لئے اس کا یہی علاج جاری رکھا گیا اور اسی بھٹی کی وہی سلاخیں اس کو داغنے کے لئے استعمال ہونے لگیں جن سے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو داغا جاتا تھا۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ انصار مدینہ کی ضیافت میں ایسی راحت و آرام کی زندگی بسر کرنے لگے جس سے وہ ایک طویل مدت سے محروم تھے۔ اور حضور پر نور ﷺ کا قرب ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث بنا۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ بدر میں شریک ہوئے اور آپ کے جھنڈے تلے لڑائی کے جواہر دکھلائے اور اسی طرح غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ میدان احد میں جب انہوں نے ام انمار کے

بھائی سباع بن عبدالعزیٰ کی لاش دیکھی تو بہت خوش ہوئے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوئی، سباع کو شیر خدا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے موت نے گھاٹ اتارا تھا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو طویل عمر عطا کی یہاں تک کہ انہوں نے خلفائے اربعہ (چاروں خلیفوں) کا دور دیکھا اور ہر دور میں انہیں ایک جلیل القدر صحابی کی حیثیت حاصل رہی۔

ایک روز حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت مسند خلافت پر جلوۂ افروز تھے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا: تمام صحابہ کرام میں آپ یا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کے حقدار ہیں کہ اس مسند پر بٹھایا جائے۔ پھر آپ نے مشرکین کے ہاتھوں پہنچنے والی تکالیف کی روئداد سنانے کا مطالبہ کیا تو آپ جواب دینے میں ہچکچائے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا تو آپ نے پیٹھ سے چادر سرکادی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جسم پر زخموں کے نشانات دیکھ کر انگشت بدندان رہ گئے اور پوچھا: جسم میں یہ گہرے زخم کیسے آئے؟! حضرت خباب فرمانے لگے:

مشرکین لوہے کی چادر گرم کرتے، جب وہ انگارہ بن جاتی تو میرے کپڑے اتار کر مجھے پیٹھ کے بل اس پر گھسیٹتے جس سے میرے بدن کا گوشت پیٹھ کی ہڈیوں سے الگ ہو جاتا۔ آگ وہ خون اور پانی بجھاتا جو میرے بدن سے نکلتا۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کے آخری دور میں بہت مالدار ہو گئے اور اتنے سونے چاندی کے مالک بن گئے جس کا انہیں وہم و گمان ہی نہ تھا۔ لیکن انہوں نے اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرنے کا ایک ایسا انوکھا طریقہ اختیار کیا جو پہلے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا تھا۔ یہ درہم و دینار گھر میں ایک ایسی جگہ پر رکھ دیتے جس کا ضرورت مندوں، فقراء و مساکین کو بھی پتہ نہ تھا۔ نہ تو اس پر کسی کو نگران مقرر کیا اور نہ ہی تالا لگایا۔ ضرورت مند ان کے گھر آتے اور بغیر پوچھے اور اجازت طلب کیے اپنی ضرورت کے مطابق وہاں سے مال لے جاتے۔ اس کے باوجود انہیں یہ اندیشہ تھا کہ اس مال کے متعلق قیامت کے روز میرا حساب لیا جائے گا اور مبادا مجھے اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

آپ کے قریبی دوست صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ:

ہم حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت گئے جب آپ مرض الموت میں مبتلا تھے ہمیں دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا:

اس گھر میں میرے پاس اسی ہزار درہم ہیں، خدا کی قسم میں نے کبھی ان کو کہیں چھپایا نہیں اور نہ کسی سائل کو میں نے محروم واپس لوٹایا۔ یہ بات کہی اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔

ہم نے پوچھا:
آپ روتے کیوں ہیں؟
فرمایا:

میں اس لیے روتا ہوں کہ میرے بہت سے ساتھی اس دنیا سے اس حالت میں کوچ کر گئے کہ انہیں دنیاوی مال و متاع سے کچھ بھی نہ ملا مجھے یہ مال مل گیا مجھے اندیشہ ہے کہ یہ مال کہیں میرے اعمال صالحہ کا بدلہ نہ ہو اور آخرت میں محروم رہ جاؤں.....

جب حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اپنے اللہ کو پیارے ہو گئے تو امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر فرمانے لگے:
اللہ خباب رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔

اس نے دلی رغبت سے اسلام قبول کیا خوش دلی سے ہجرت کی اور مجاہد کے روپ میں زندگی بسر کی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نیکی کرنے والے کا اجر ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی کے اس مضمون کے حوالہ جات یہ ہیں۔

(الاصابہ ترجمہ صفحہ ۲۲۱۰ - اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۸۹، ۱۰۰ - الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۲۲۳ - تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۳۳)

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

جسے دیکھ کر پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور سرکارِ دو عالم سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے خوشی میں تین بار یہ فرمایا:

”اے ابویحییٰ سودا نفع بخش رہا سودا بہت ہی مفید رہا۔“

ہم میں سے کون ہے جو حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو نہ جانتا ہو اور ان کی سیرت کے اہم ترین واقعات جاننے میں دلچسپی نہ رکھتا ہو لیکن ہم میں سے اکثر و بیشتر یہ بات نہیں جانتے کہ آپ رومی نہیں تھے بلکہ خالص عربی النسل تھے۔ باپ کی جانب سے نمیری اور ماں کی جانب سے تمیمی تھے یعنی ان کے والد قبیلہ بنو نمیر اور والدہ قبیلہ بنو تمیم سے تھی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا روم کی طرف انتساب ایک عجیب و غریب واقعہ ہے جو کہ تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ محفوظ رہے گا اور تاریخ دان اسے نہایت دلچسپی سے بیان کرتے رہیں گے۔

بعثت نبوی سے دو سال پہلے کی بات ہے بصرہ سے ملحقہ قدیمی شہر ابلہ کا گورنر سان بن مالک نمیری تھا اس کی تقرری شاہ ایران کے ایماء پر کی گئی تھی اسے اپنی اولاد میں سب سے زیادہ پیار اپنے پانچ سالہ بچے صہیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ خوبصورت صحت مند اور سرخ سنہری بالوں والا جاذب نظر اور دلکش بچہ تھا۔ ان کی

آنکھوں سے فطانت، ذہانت اور شرافت ٹپکتی تھی۔ ہر وقت خوش و خرم رہتا۔ طبیعت میں خوش دلی و خوش مزاجی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی باپ کا دل خوشیوں سے لبریز ہو جاتا اور اس کی تمام پریشانی، تھکاوٹ آن واحد میں کافور ہو جاتی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی والدہ نے اپنے خدام اور حفاظتی دستے کے ہمراہ اپنے لخت جگر صہیب رضی اللہ عنہ کو لے کر سیر و سیاحت کی غرض سے عراق کے نہایت خوبصورت مقام ثنی نامی بستی کا رخ کیا۔ وہاں ابھی یہ پہنچی ہی تھیں کہ روم کے لشکر نے اس بستی پر حملہ کر دیا، ان کے تمام حفاظتی دستے کو قتل کر دیا، سب مال و متاع چھین لیا اور بچوں کو قیدی بنا لیا، ان قیدیوں میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو روم لے جا کر غلاموں کی منڈی میں بیچ ڈالا گیا۔ وہ بکتے ہوئے ایک آقا سے دوسرے آقا کی طرف منتقل ہونے لگے، ان کی حالت ان ہزاروں غلاموں کی سی تھی جن سے روم کے محلات بھرے پڑے تھے۔

اس طرح حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو رومی معاشرے کے داخلی حالات کو اچھی طرح گہری نظر سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کے محلات میں منکرات و فواحش گرم بازاری بچشم خود دیکھی۔ جب آپ نے کمزور و ناتواں لوگوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کا مشاہدہ کیا تو ان کے دل میں رومی معاشرے کے خلاف شدید نفرت کے جذبات بھڑک اٹھے، وہ اپنے دل میں کہا کرتے تھے کہ اس معاشرے کو ہولناک طوفان ہی پاک کر سکتا ہے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ غلام کی حیثیت سے روم میں پرورش پانے لگے اور اسی سرزمین میں پل کر جوان ہوئے۔ آپ عربی زبان قریباً بھول گئے تھے لیکن انہیں یہ احساس بدستور قائم رہا کہ میں عربی النسل ہوں اور صحرائی باشندوں کی اولاد ہوں۔ انہیں اپنی قوم سے جا ملنے کا شوق بدستور قائم رہا اور اس میں ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ سرزمین عرب کی زیارت کا شوق بڑھتا رہا۔

ایک دفعہ انہوں نے ایک نصرانی نجومی کو اپنے آقا سے باتیں کرتے ہوئے سنا، وہ اسے کہہ رہا تھا۔ عنقریب جزیرہ عرب کے شہر مکہ میں ایک نبی ﷺ کا ظہور ہونے والا ہے جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کرے گا اور لوگوں کو جہالت کی تاریکیوں سے علم کی روشنی کی طرف نکال لائے گا۔

ایک روز حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو غلامی کی زنجیر توڑ کر بھاگ نکلنے کا موقع میسر آ گیا۔ آپ نے یہ تو سن ہی لیا تھا کہ نبی آخر الزماں مکہ میں ظاہر ہونے والے ہیں اس لئے آپ نے ام القرئیٰ مکہ معظمہ، جلوہ گاہ نبی منتظر کا رخ کیا اور یہاں پہنچ کر مستقل رہائش اختیار کر لی۔

زبان کی لکنت اور سنہری بالوں کی وجہ سے باشندگان مکہ آپ کو صہیب رضی اللہ عنہ رومی کے نام سے پکارنے لگے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ کے ایک سردار عبداللہ بن جدعان سے مل کر تجارت شروع کر دی جس میں بہت نفع ہونے لگا اور تھوڑے ہی عرصے میں بہت سا مال جمع ہو گیا۔ تجارتی مصروفیات کے باوجود حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو نصرانی نجومی کی وہ بات نہ بھولی جو انہوں نے اپنے رومی آقا کی زبان سے سنی تھی کہ ”عنقریب مکہ معظمہ میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے“۔ یہ اکثر اپنے دل میں سوچا کرتے کہ یہ سنہری موقع مجھے کب نصیب ہوگا۔ مجھے کب اس نبی ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوگا؟ پھر تھوڑے ہی عرصے بعد آپ کو اس سوال کا جواب مل گیا۔

ایک روز حضرت صہیب رضی اللہ عنہ تجارتی سفر سے مکہ واپس تشریف لائے تو انہیں یہ اطلاع ملی کہ حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے اور آپ لوگوں کو تو حید باری تعالیٰ اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔ عدل و انصاف اور معروف (اچھے نیک کاموں) کا حکم دیتے ہیں، فواحش و منکرات سے اجتناب کی (رکنے کی) دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ وہی ہیں جسے لوگ امین و صادق کے نام سے پکارتے ہیں۔ انہیں بتایا گیا کہ ہاں! پوچھا: آپ کی رہائش کہاں ہے؟
بتایا گیا صفا کے پاس دار ارقم میں!

لیکن ذرا احتیاط سے جانا کہیں قریش تمہیں ادھر جاتے ہوئے دیکھ نہ لیں، دیکھنا اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ تم وہاں گئے ہو تو تمہارا جینا دو بھر کر دیں گے۔ تم یہاں غریب الوطن ہو، تمہارا یہاں کوئی خاندان نہیں، جو مصیبت کے وقت تمہارے کام آ سکے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ باشندگان مکہ سے نظریں چراتے ہوئے تاروں کی روشنی میں (رات کے وقت) دار ارقم کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پہلے سے دروازے پر کھڑے ہیں، پہلے تو گھبرائے لیکن چونکہ ان کے ساتھ پہلے سے شناسائی تھی پوچھا: عمار رضی اللہ عنہ کیا ارادے ہیں؟
عمار رضی اللہ عنہ بولے: ”آپ کے کیا ارادے ہیں؟“

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تو دار ارقم میں داخل ہو کر اس شخص سے ملنا چاہتا ہوں جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اپنے کانوں سے ان کا پیغام سننے کا مشتاق ہوں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ بولے میرا بھی یہی ارادہ ہے!

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا واہ! تو پھر آئیے دونوں اللہ کا نام لے کر اندر چلتے ہیں۔

حضرت صہیب بن سنان رومی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ کے ارشادات سننے تو نور ایمان سے دونوں کے سینے منور ہو گئے۔ دونوں نے آپ کے ہاتھ پہ

بیعت کی اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ دن بھر یہ دونوں سرچشمہ اسلام سے سیراب اور ہادی برحق سے فیضیاب ہوتے رہے۔ دن ختم ہوا، رات کا اندھیرا چھانے لگا۔ لوگوں کی چہل پہل ختم ہوئی۔ اہالیان مکہ نیند کی آغوش میں محو استراحت ہوئے تو دونوں رات کی تاریکی میں وہاں سے نکلے ان کے سینے نور ایمان سے منور ہو چکے تھے اور اس نور ایمان نے ان کے لئے تمام دنیا روشن کر دی تھی۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت سمیہ اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ قریش کی جانب سے ڈھائے جانے والے مظالم نہایت صبر و تحمل سے برداشت کئے۔ قریش کی طرف سے دیئے جانے والے مظالم بہت شدید تھے۔ آپ نے انہیں نہایت صبر و تحمل سے برداشت کیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ جنت کا راستہ مصائب و تکالیف سے اٹا ہوا ہے۔

جب ہادی انس و جاں رہبر کائنات رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا پختہ اراد کر لیا لیکن جب قریش کو ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے جاسوس مقرر کر دیئے تاکہ انہیں مکہ کی حدود سے باہر نہ جانے دیا جائے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر یہ گئے تو اپنے ساتھ مال تجارت اور سونا چاندی بھی لے جائیں گے۔

حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے بعد حضرت صہیب رضی اللہ عنہ مسلسل اس موقع کی تلاش میں رہے کہ کب انہیں ہجرت کی فرصت میسر آئے، کیونکہ نگہبانوں اور جاسوسوں کی آنکھیں ہمیشہ ان کے تعاقب میں رہتی تھیں۔ بالآخر انہیں ایک ترکیب سوچھی، ایک خنک رات میں قضائے حاجت کے بہانے آپ گھر سے نکلے پھر گھر میں داخل ہوئے۔ یہ عمل آپ نے بارہا دہرایا، جب آپ کی اس اضطراری حالت کو جاسوسوں نے دیکھا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے، مبارک ہولات و عزلیٰ نے آج اسے پیٹ کی شدید تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے۔ پھر وہ اطمینان سے اپنے بستر وں میں جا لیٹے اور گہری نیند سو گئے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اس صورتحال کو بھانپ کر وہاں سے چل نکلے اور مدینہ منورہ کا رخ کیا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ابھی تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ نگرانی پر متعین لوگ ہڑ بڑا کر اٹھے۔ آپ کو وہاں موجود نہ پا کر آپ کے تعاقب میں تیز رو گھوڑوں پر سوار ہو کر سرپٹ دوڑے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ابھی تھوڑی دور گئے تھے کہ پیچھے سے تعاقب کرنے والے بھی پہنچ گئے۔ جب آپ نے ان کی آہٹ سنی تو ایک ٹیلے پر کھڑے ہو گئے۔ ترکش سے تیر نکالا اور کمان پر چڑھا کر کہنے لگے۔

اے قریش تم جانتے ہو! کہ میں سب لوگوں سے بڑھ کر تیر انداز ہوں اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا، خدا کی قسم تم مجھ تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میں تمہارے اتنے آدمی قتل نہ کر دوں جتنے میرے ترکش میں تیر موجود ہیں۔ تیر ختم ہو گئے تو میں اپنی تلوار سے تمہاری گردنیں اڑانا شروع کر دوں گا اور یہ معرکہ آرائی اس

وقت تک جاری رہے گی جب تک میرے بازوؤں میں طاقت ہے۔ آپ کی جرات مندانہ بات سن کر قریش میں سے ایک شخص بولالات وعزئی کی قسم ہم تمہیں یہاں سے جانے نہیں دیں گے۔ جب تم یہاں آئے تو مفلس و تلاش تھے لیکن تھوڑے ہی عرصے میں دولت مند ہو گئے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہاں سے حاصل کردہ وہ مال تم اپنے ساتھ لے جاؤ اور ہم دیکھتے رہ جائیں۔

آپ نے اس کی بات سن کر ارشاد فرمایا: اگر میں اپنا سارا مال تمہارے سپرد کردوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟

انہوں نے کہا ہاں! اگر تم اپنا سارا مال ہمارے سپرد کردو تو پھر ہم تمہارا راستہ نہیں روکیں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: جاؤ میرے گھر کے فلاں کو نے میں خزانہ چھپایا ہوا ہے جا کر نکال لو یہ سن کر وہ سب واپس لوٹ گئے اور آپ کا سارا مال قبضے میں لے لیا اس طرح آپ اطمینان سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ و فور شوق سے مدینہ منورہ کی جانب تیز تیز قدم بڑھانے لگے۔ مال و دولت کے ضائع ہونے کا آپ کو کوئی غم نہ تھا۔ راستے میں جب تھکاوٹ محسوس ہوتی تو حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق دل میں موجزن ہو جاتا اور توانائیاں لوٹ آتیں اور چاک و چوبند ہو جاتے اور تازہ دم ہو کر سوئے منزل رواں دواں ہوتے۔ جب آپ وادی قبا میں پہنچے تو حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے۔ انہیں دیکھ کر عالم خفا و غیوب منجر صادق صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا: ابویحییٰ سودا نفع بخش رہا۔ سودا بہت ہی مفید رہا۔

آپ نے یہ جملہ تین مرتبہ دہرایا۔

آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے تمتھا اٹھا اور عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخدا! مجھ سے پہلے تو آپ کے پاس کوئی نہیں آیا۔

یقیناً یہ خبر آپ کو جبریل علیہ السلام نے دی ہوگی۔

بلاشبہ یہ سودا نفع بخش رہا۔ وحی الہی نے اس کی تصدیق کر دی۔ جبریل علیہ السلام اس پر شاہد ٹھہرے کیونکہ وہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیات لے کر نازل ہوئے تھے۔

ترجمہ: انسانوں ہی میں کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے۔ اور ایسے

بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔ (سورہ بقرہ آیت 207)

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کے متعلق اس مضمون کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

(الاصابة مترجم صفحہ ۴۱۰۴ - طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۲۲۶ - اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۰ - الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۱۷۴ - صفۃ الصفوة جلد ۱ صفحہ

۱۶۹ - البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۱۸، ۳۱۹ - حیاة الصحابة - الاعلام ومراجعہ)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

وہ منفرد وہ معزز صحابیہ جسے حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے ”ذات النطاقین“ کا لقب عطا فرمایا۔ جس کے بارے میں مورخین کا کہنا ہے کہ

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے سو سال کی عمر پائی نہ کوئی دانت گرا اور نہ داڑھ اور نہ ہی عقل و خرد میں کوئی خلل پیدا ہوا۔ (مورخین)

اس صحابیہ رضی اللہ عنہ نے تمام اطراف سے بزرگی، عظمت اور شرف در شرف جمع کر لیا: وہ اس طرح کہ:

اس کا باپ صحابی اس کا دادا صحابی اس کی بہن صحابیہ اس کا خاوند صحابی اور اس کا بیٹا صحابی۔

بلاشبہ یہ شرف در شرف ان کے لئے باعث فخر ہے اس کا باپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھا جنہیں زندگی میں حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کا خلیل اور وصال کے بعد ان کا خلیفہ بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔

اس کا دادا ابو قحافہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا گرامی قدر والد تھا۔

اس کی بہن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

اس کا خاوند حواری رسول ﷺ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔

اور اس کا بیٹا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

یہ سب اللہ تبارک تعالیٰ کی پسندیدہ ہستیاں تھیں اور یہ ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کا مختصر تعارف۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ان خوش نصیب خواتین میں سے ہیں جنہیں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان سے پہلے صرف سترہ مرد اور عورتیں مشرف باسلام ہوئے۔

انہیں ذات النطاقین کا لقب دیا گیا۔ وہ اس لیے کہ جس رات حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ اور ان کے ابا جان ہجرت کے لیے تیار ہوئے تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ان کے لئے زاد راہ تیار کیا۔ پانی کے لئے ایک مشکیزہ مہیا کیا۔ جب انہیں زاد راہ اور مشکیزہ کو باندھنے کے لئے کوئی رسی نہ ملی تو انہوں نے ازار بند (کمر کے گرد باندھا جانے والا پٹکا) کے دو حصے کیے ایک کے ساتھ زاد راہ کا تھیلا باندھ دیا اور دوسرے کے ساتھ مشکیزے کا مونہہ کس دیا۔ حضور انور نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے برکت کی دعا کی اور فرمایا تجھے اللہ تبارک تعالیٰ اس کے بدلے جنت میں دو نطاق عطا فرمائے۔ اس سے ان کا لقب ذات النطاقین پڑ گیا۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے جب اس سے شادی کی اس وقت ان کی حالت بہت کمزور تھی۔ نہ تو ان کے پاس کوئی خادم تھا اور نہ ہی ایک گھوڑے کے علاوہ کوئی مال تھا۔ یہ ان کے لئے بڑی نیک اور خدمت گزار بیوی ثابت ہوئیں۔ ان کا بھی خیال رکھتیں اور ان کے گھوڑے کے لئے چارے کا بھی بندوبست کرتیں یہاں تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کے لئے رزق کے دروازے کھول دیئے اور یہ صحابہ کرام میں بہت زیادہ مالدار بن گئے۔

جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی فرصت ملی۔ اس وقت یہ حاملہ تھیں اور وضع حمل کے دن بالکل قریب تھے لیکن یہ کیفیت دشوار گزار اور طویل سفر اختیار کرنے میں رکاوٹ ثابت نہ ہوئی۔ جب یہ وادی قباء میں پہنچیں تو انہوں نے اپنے بچے عبداللہ بن زبیر کو جنم دیا۔

مسلمانوں نے عبداللہ بن زبیر کی ولادت پر بہت خوشی کا اظہار کیا اس لیے کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کے ہاں یہ پہلا بچہ ہے جس نے جنم لیا۔ والدہ اس نومولود کو گود میں اٹھا کر رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اسے اپنی گود میں لیا، اپنے مبارک لعاب دہن کی بچے کو گھنٹی دی اور اس کے لیے خیر و برکت کی دعا کی۔ اس طرح سب سے پہلے جو اس کے پیٹ میں چیز گئی وہ رسول اقدس ﷺ لعاب دہن تھا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا میں جو بے شمار خوبیاں بیک وقت جمع ہو گئی تھیں وہ شاذ و نادر ہی کسی میں جمع ہوئی ہیں۔

نچی اتنی تھیں کہ ان کی سخاوت کی مثال دی جاتی تھی۔ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ میں نے اپنی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور اپنی امی اسماء رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی عورت کو سخاوت کرتے نہیں دیکھا لیکن ان دونوں کی سخاوت کا انداز مختلف تھا۔ خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا تو اشیاء جمع کرتی رہتیں اور جب بہت سی اشیاء ہو جاتیں تو پھر انہیں غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیتیں۔

لیکن میری امی کے ہاتھ جب بھی کوئی چیز آتی وہ کسی نہ کسی کو فوراً دے دیتیں۔ کل کے لیے کسی چیز کو اپنے پاس باقی نہ رکھتیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بڑی زیرک اور دانشمند خاتون تھیں۔ تنگ و ترش حالات میں نہایت عقلمندی سے تصرف کیا کرتی تھیں۔

جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ہمراہ ہجرت کے لئے نکلے تو اپنے ساتھ اپنا سارا مال لے لیا وہ تقریباً چھ ہزار درہم تھے۔ اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ نہ چھوڑا۔ جب ان کے بوڑھے باپ ابو قحافہ کو کوچ کر جانے کا علم ہوا (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) وہ ان کے گھر آئے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے کہا۔ بخدا میرے بیٹے نے تمہارا مالی نقصان بھی اسی طرح کیا ہے جس طرح اس نے اپنا جانی نقصان کیا ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فوراً بولیں۔

نہیں ابا جان وہ تو ہمارے لیے بہت سامان چھوڑ کر گئے ہیں۔ پھر کنکریاں اس طاقے میں رکھیں جس میں صدیق اکبر مال رکھا کرتے تھے۔ اس پر ایک کپڑا ڈال دیا پھر اپنے نابینا دادا کا ہاتھ پکڑا اور وہاں لے گئیں اور کہا دادا جان یہ ہاتھ لگائیے (دیکھئے کہ طافہ بھرا ہوا اور کتنا وزنی ہے) ابا جان ہمارے لیے کتنا مال چھوڑ کر گئے ہیں۔

انہوں نے اپنا ہاتھ لگایا اور فرمایا:

خوب اگر اتنا مال چھوڑ گئے تو پھر کوئی پرواہ نہیں۔ اس نے بہت اچھا کیا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے چاہا کہ دادا جان کو تسلی ہو جائے اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ کہیں دادا جان ترس کھا کر اپنے پاس سے مال مجھے عطا نہ کر دیں میں ان کا مال لینا نہیں چاہتی تھی کیونکہ وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور میں کسی بھی غیر مسلم کا مال استعمال کرنا نہیں چاہتی تھی چاہے وہ رشتہ میں دادا ہی کیوں نہ ہوں۔

اگرچہ تاریخ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے بیشتر واقعات کو بھلا دیا لیکن تاریخ ان کی دانشمندی محتاط طبیعت اور ایمانی قوت کو وہ مظاہرہ کبھی نہیں بھلا سکتی جبکہ انہوں نے اپنے بیٹے سے آخری ملاقات کی تھی۔

ہوایہ کہ یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیعت خلافت کی گئی۔ حجاز، مصر، عراق، خراسان اور ملک شام کے اکثر و بیشتر علاقے ان کی زیر قیادت آ گئے۔

لیکن بنو امیہ تھوڑے ہی عرصے بعد حجاج بن یوسف کی قیادت میں ایک لشکر جرار لے کر مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔ دونوں گروہوں میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی اور بیشتر مواقع پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایک بہادر شہسوار کی مانند حملہ آور ہوئے اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے لیکن ان کے ساتھی ایک ایک کر کے ان کے لشکر سے الگ ہونے لگے بالآخر آپ مجبور ہو کر بیت میں پناہ گزیں ہوئے اور چند ایک ساتھی بھی امن کی تلاش میں کعبہ اللہ میں داخل ہوئے۔ شہادت سے چند ساعتیں پہلے اپنی بوڑھی والدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ انتہائی بڑھاپے کی وجہ سے ان کی بینائی بھی ختم ہو چکی تھی۔

والدہ محترمہ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کیا۔

ماں نے اپنے لخت جگر کے سلام کا محبت بھرے انداز میں جواب دیا اور پوچھا: بیٹا میری جان صدقے اس نازک گھڑی میں میرے پاس کیسے آنا ہوا۔ حجاج تیرے لشکر پر توپ کے گولے جس انداز سے پھینک رہا ہے اس سے مکے کے درود یوار لرز رہے ہیں۔

بیٹے نے عرض کیا: اماں جان میں آپ سے مشورہ کرنے آیا ہوں۔

پوچھا: بیٹا کس سلسلے میں مشورہ مطلوب ہے۔

عرض کیا:

لوگوں نے مجھے رسوا کیا۔ کچھ لوگ حجاج سے خوفزدہ ہو کر اور کچھ مراعات کے لالچ میں آ کر مجھے چھوڑ گئے یہاں تک کہ میرے بیٹے بھی مجھ سے الگ ہو گئے۔ اب میرے ساتھ صرف چند ایک ساتھی رہ گئے ہیں اور وہ بھی ایک دو گھنٹے سے زیادہ میدان میں ٹھہر نہیں سکیں گے۔ اس نازک گھڑی میں بنو امیہ کی جانب سے قاصد میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ پیش کش کی کہ جو کچھ بھی مال و دولت لینا چاہتے ہو لے لو لیکن ہتھیار پھینک دو اور

عبدالملک بن مروان کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ اماں جان آپ کی کیا رائے ہے؟
والدہ نے گرجدار آواز میں کہا:

بیٹے عبداللہ تم اپنے بارے میں خوب اچھی طرح جانتے ہو جو جی میں آئے کرو لیکن میری بات غور سے
سنو۔ اگر تم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہو اور لوگوں کو حق کی طرف دعوت دیتے ہو تو اسی طرح صبر سے کام لو جس
طرح تیرے جھنڈے کے نیچے تیرے ساتھیوں نے صبر و تحمل کا پیکر بن کر جام شہادت نوش کیا ہے۔
اگر تم نے دنیا کو اپنا مقصد بنا لیا تو تم بہت برے انسان ثابت ہو گے اور تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔
بیٹے نے عرض کیا، اماں جان مجھے آج لازماً قتل کر دیا جائے گا۔
والدہ نے ارشاد فرمایا:

حجاج بن یوسف کے آگے سر تسلیم خم کرنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ تو جام شہادت نوش کر لے ورنہ بنو امیہ
کے لونڈے تجھے کھلونا سمجھ کر اپنا دل بہلائیں گے۔
عرض کیا:

اماں جان میں مرنے سے تو نہیں ڈرتا البتہ اگر مجھے خوف ہے تو صرف یہ کہ وہ میری لاش کا حلیہ بگاڑ دیں
گے۔

والدہ نے ارشاد فرمایا:

قتل ہو جانے کے بعد بھلا کس چیز کا ڈر باقی رہ جاتا ہے۔ بکری جب ذبح ہو جاتی ہے تو اس کے گوشت کو
سلاخوں میں لگا کر آگ پہ رکھا جائے تو اس عمل سے اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

ماں کی یہ جرات مندانہ گفتگو سن کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور فرمایا:

اماں جان تم بہت عظیم ہو، تیری عظمتوں کو میں سلام کرتا ہوں۔ میں اس نازک گھڑی میں یہی جرات مندانہ
اور حوصلہ افزا باتیں سننے آیا تھا۔ میں نے جو کچھ سنا مجھے بالکل یہی توقع تھی۔ خدا جانتا ہے میں بزدل نہیں اور نہ ہی
میرے قوی مضحکل ہوئے ہیں۔ خدا گواہ ہے مجھے دنیا اور اس کی زیب و زینت سے کوئی سروکار نہیں، اماں جان
اب میں اسی راہ پہ جا رہا ہوں جو تیری پسندیدہ راہ ہے۔

اماں جان جب میں قتل ہو جاؤں تو غم نہ کرنا اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا۔
والدہ نے کہا:

مجھے غم تو اس صورت میں لاحق ہوتا اگر تم راہ باطل میں قتل کئے جاتے۔
عرض کیا:

اماں جان آپ یقین جانیں تیرے بیٹے نے کبھی برائی کا ارادہ نہیں کیا، کبھی بے حیائی کا ارتکاب نہیں کیا،

کبھی عہد و پیمان میں بے وفائی نہیں کی، کبھی کسی مسلمان پر ظلم و زیادتی کا قصد نہیں کیا اور تیرے بیٹے کو اللہ کی رضا سے بڑھ کر کوئی چیز مطلوب نہیں۔ خدا جانتا ہے میں یہ باتیں خود ستائی کے لئے نہیں کر رہا۔ میں یہ باتیں محض اس لیے کر رہا ہوں تاکہ آپ کو میرے متعلق تسلی ہو جائے۔

ماں نے اپنے بیٹے کی باتیں سن کر خوشی سے کہا، سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے تجھے اپنی اور میری پسند کے مطابق بنایا۔

بیٹا میرے ذرا قریب آؤ تاکہ میں تیری خوشبو سونگھ سکوں اور تیرے جسم پر پیار بھرے ہاتھ پھیر سکوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کے ہاتھوں اور پاؤں کو چوما، ماں نے اپنے بیٹے کے سر گردن اور چہرے کو چوما۔ جسم پر پیار بھرے ہاتھ پھیرے تو انہیں جسم پر پہنی ہوئی کوئی سخت چیز محسوس ہوئی۔ پوچھا بیٹے یہ کیا پہن رکھا ہے۔ بتایا: اماں جان یہ ذرع پہن رکھی ہے۔

فرمایا: بیٹا جسے شہادت مطلوب ہوتی ہے وہ یہ ذرع نہیں پہنا کرتے۔ عرض کیا: اماں جان میں نے تو یہ تیری خوشی کی خاطر پہنی ہے۔

فرمایا: بیٹے اسے اتار دو۔ اس کی جگہ لمبا کرتازیب تن کر لو تاکہ جب تم شہید ہو کر گرو تو برہنہ ہو سکو۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فوراً ذرع اتار دی، ایک لمبا کرتازیب تن کیا اور لڑائی کے لئے حرم کی طرف چل دیئے اور عرض کی اماں جان میرے لیے دعا کرنا۔

والدہ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی، الہی رات کی تنہائیوں میں کی جانے والی میرے بیٹے کی عبادت کو قبول فرما۔

الہی مدینہ اور مکہ کی تلملائی دھوپ میں رکھے جانے والے روزوں کو قبول فرما۔ الہی: میرے بیٹے نے اپنے ماں باپ سے جو حسن سلوک کیا۔ اسے شرف قبولیت سے نواز۔ الہی میں اپنے لخت جگر کو تیرے سپرد کرتی ہوں اور جو تو نے اس کے متعلق فیصلہ کیا ہے اس پر دل و جان سے راضی ہوں۔

الہی مجھے صبر کرنے والوں کا ساتھ عطا فرما۔ اس دن غروب آفتاب سے پہلے ہی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جام شہادت نوش فرما کر اپنے خدا کو پیارے ہو گئے۔

شہادت سے تقریباً دس روز بعد ان کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ انہوں نے سو سال کی عمر پائی، نہ تو کوئی دانت گرا اور نہ داڑھ اور نہ ہی عقل و خرد میں کوئی خلل پیدا ہوا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے مفصل حالات زندگی پر مندرجہ بالا لکھے گئے مضمون کے لئے حوالہ جات

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ۲۲۳ جلد دوم

درج ذیل ہیں۔

(اصابہ مترجم صفحہ ۴۶- اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۳۹۲- الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۰۴- تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۳۹۷- صفحہ الصفوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۲۳- شذرات الذہب جلد ۱ صفحہ ۸۰- تاریخ الاسلام علامہ ذہبی جلد ۳ صفحہ ۱۳۳- البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۳۴۶- اعلام النساء جلد ۱ صفحہ ۳۶- سیر اعلام النبلاء جلد ۲ صفحہ ۲۰۸- قلائد الجمان صفحہ ۱۴۹- النجوم الزاہرۃ جلد ۱ صفحہ ۱۸۹- المحرر ۲۲/۵۴/۱۰۰)

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ

ایمان قبول کرنے والوں میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا چھیسواں یا بتیسواں نمبر ہے۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۷)

آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی اور ان سے دس سال بڑے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بہت زیادہ صفات کے حامل بھائی کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔ حضرت عبداللہ بن جعفر کو جب بھی کوئی ضرورت پیش آتی اور ان کے چچا حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی اجازت نہ دیتے، تو وہ فوراً انہیں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا واسطہ دے دیتے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دل موم ہو جاتا اور بڑے بھائی کے احترام میں وہ اجازت عطا فرما دیتے اور عبداللہ کی جو خواہش ہوتی وہ پوری کر دیتے۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۸)

ابتدا میں مسلمان گھاٹیوں پر جا کر نمازیں ادا کرتے تھے تا کہ اہل مکہ کو پتہ نہ چل جائے جیسا کہ پہلے یہ ذکر ہوا ہے کہ ایک دفعہ حضور انور نبی کریم ﷺ حضرت علی کے ساتھ پہاڑی پر نماز ادا فرما رہے تھے کہ اتنے میں اتفاقاً حضرت جعفر کے ساتھ ابوطالب بھی وہاں پہنچ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور انور نبی کریم ﷺ کے ساتھ دائیں جانب نماز پڑھتے دیکھا تو خفا ہونے کی بجائے حضرت جعفر سے کہا۔

علی دائیں طرف ہے تم اپنے بھائی کی بائیں جانب کھڑے ہو جاؤ اور ان کے دست و بازو بن جاؤ ان کی رہنمائی تمہیں فلاح و کامرانی کی طرف لے کر جائے گی۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ وہ ممتاز صحابی رسول اللہ ﷺ ہیں جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

”میں نے جعفر کو جنت میں یوں دیکھا کہ اس کے دونوں بازو اور پاؤں خون میں لت پت تھے۔“

بنو عبد مناف میں پانچ اشخاص ایسے تھے جن کی شکل و صورت حضور پر نور نبی کریم ﷺ سے ملتی جلتی تھی۔ ایسی مشابہت تھی کہ کمزور نظر والا اکثر و بیشتر مغالطہ کھا جاتا بلاشبہ آپ ان پانچ اشخاص کے نام جاننا چاہیں گے جو حضور انور نبی کریم ﷺ و رحیم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حد درجہ مشابہت رکھتے تھے۔

لیجئے ہم آپ کو ان کا تعارف کرائے دیتے ہیں۔

۱- حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب یہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔

۲- حضرت قثم بن العباس رضی اللہ عنہ

۳- حضرت سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم یہ امام شافعی کے جد امجد ہیں۔

۴- حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے نواسے ان کی حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت تھی۔

۵- حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یہ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کے بھائی تھے۔

قارئین کرام! میں (اس کتاب کے مصنف) نے کہیں پڑھا ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی حضور پر نور ﷺ سے کافی مشابہت رکھتے تھے اور مشرکین و کفار نے غزوہ احد میں ان کی شہادت کی آڑ میں ہی یہ افواہ پھیلانی تھی کہ نعوذ باللہ ہادی دو جہاں رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔

اب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی زندگی کی چند اہم واقعات اور نمایاں پہلو پیش خدمت ہیں۔ ان کے باپ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اپنی قوم قریش میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود مالی اعتبار سے بہت کمزور اور زیادہ بال بچوں والے تھے۔ قریش ایک مرتبہ قحط سالی کا شکار ہو گئے، کھیتی باڑی تباہ ہو گئی، مویشی ہلاک ہو گئے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگ ہڈیاں پیس کر کھانے لگے۔ ان دنوں بنو ہاشم میں حضور انور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ خوشحال تھے۔

حضور انور ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا چچا جان آپ کا بھائی ابوطالب کثیر العیال ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ لوگ قحط سالی کی بنا پر فاقہ کشی پر مجبور ہیں۔ فقر و افلاس حد سے بڑھ چکا ہے۔ اس نازک صورتحال میں ہمیں ان کی بھرپور مدد کرنی چاہئے۔ آئیے ان کے پاس چلیں۔ ان کی ڈھارس بندھائیں۔ ایک بیٹے کی کفالت میں اپنے ذمے لیتا ہوں اور ایک کی کفالت کا ذمہ آپ اٹھائیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔

آپ نے بہت اچھی تجویز دی ہے۔ ایک نیک اور اہم کام کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس کے بعد دونوں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ دونوں نے بیک زبان کہا۔ ہم آپ کا کچھ بوجھ اپنے کندھوں پہ اٹھانا جاتے ہیں تاکہ اس خشک سالی و بد حالی کے مشکل دور میں آپ کے لیے کچھ آسانی پیدا ہو سکے۔ تاکہ آپ اس آفت سے بچ سکیں جس نے عام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ بیٹے عقیل کے علاوہ میری اولاد میں سے جسے بھی آپ اپنی کفالت میں لینا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ملا لیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سرور کونین حضرت محمد ﷺ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو دین حق اور رشد و ہدایت کا پیامبر بنا کر بھیجا تو حضرت

علی رضی اللہ عنہ بچپن ہی میں آپ پر ایمان لے آئے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پرورش پاتے ہوئے جوان ہوئے اور جب اسلام قبول کیا تو ان سے علیحدہ ہو گئے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا پہلے مرحلے میں ہی مسلمانوں کے نورانی قافلے میں شامل ہو گئے تھے۔ دونوں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذریعے اس وقت مشرف باسلام ہوئے جبکہ ابھی حضور انور رسول اللہ ﷺ تعلیم و تربیت کے لئے دارِ ارقم میں تشریف فرما نہیں ہوئے تھے۔ یہ ہاشمی جوان اور ان کی جواں سال بیوی اسلام قبول کرنے کی پاداش میں قریش کی اذیتوں کا نشانہ بنے لیکن دونوں نے کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا کیونکہ دونوں یہ بات جانتے تھے کہ جنت کا راستہ خاردار اور نہایت ہی دشوار گزار ہے۔

جو چیز ان کے دل پہ سب سے زیادہ گراں گزرتی وہ یہ تھی کہ قریش اسلامی تعلیمات پہ عمل پیرا ہونے لذت عبادت سے شاد کام ہونے میں بہت بڑی رکاوٹ تھے۔ قریش نے ان کا عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اس تکلیف دہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سرزمین حبشہ کی جانب ہجرت کر جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے انہیں بادلِ نخواستہ اجازت دے دی۔ ان کے ہمراہ بیوی اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تھے۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم رسول اللہ ﷺ پر یہ بات بہت گراں گزر رہی تھی کہ ان پاکیزہ نفوس ہستیوں کو آج اپنے وہ گھر چھوڑ جانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ انہوں نے برسرِ عام یہ اعلان کر دیا تھا کہ ہمارا رب فقط اللہ ہے۔ آپ ﷺ کو اس وقت یہ قوت حاصل نہ تھی کہ اپنے ان مظلوم صحابہ رضی اللہ عنہ کا بزورِ یاز و دفاع کر سکیں اور قریش کی اذیت سے انہیں بچا سکیں۔

مہاجرین مکہ کا یہ پہلا قافلہ حضرت جعفر بن ابن طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حبشہ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں جا کر حبشہ کے عادل اور نیک دل بادشاہ نجاشی کی پناہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ جب سے انہوں نے اسلام قبول کیا تھا یہاں پہنچ کر پہلی مرتبہ امن و سکون کا سانس لیا اور عبادت الہی کی لذت و حلاوت سے شاد کام ہوئے۔ یہاں ان کی عبادت گزاری۔ اتباعِ نبی کریم ﷺ اور سعادت مندی کے پر امن ماحول کو مکدر (خراب کرنے والا) مخل ہونے والا کرنے والا کوئی نہ تھا۔

جب قریش کو یہ علم ہوا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت سرزمین حبشہ میں آباد ہو چکی ہے اور انہیں وہاں اپنے دین پر عمل کرنے اور اپنے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی مکمل آزادی ہے تو قریش نے آپس میں مشورہ کیا کہ کسی بہانے ان مسلمانوں کو واپس بلایا جائے اور یہاں پہنچتے ہی یا تو انہیں قتل کر دیا جائے یا پھر دردناک سزائیں دی جائیں۔ یہ عجیب داستان ہم آپ کو اُمّ المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زبانی سناتے ہیں

کیونکہ آپ اس واقعہ کی عینی شاہد ہیں۔

قارئین کرام! مہاجرین حبشہ کو وہاں سے نکلوانے کی کفار و مشرکین مکہ کی کوشش اور اس کا انجام کارِ ایک ایسی دل آویز حقیقت ہے جو داستان لگتی ہے۔ اس میں نمایاں کردار حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا ہی ہے کیونکہ مہاجرین نے انہیں اپنا نمائندہ بنایا تھا، منتخب کیا تھا۔ اور مہاجرین وہاں گئے بھی آپ کی سربراہی میں تھے۔

کیونکہ اس خوبصورت دل آویز ایمان افروز واقعہ کو آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زبانی کچھ دیر بعد ہجرت حبشہ کے باب میں اور بھی زیادہ تفصیل سے پڑھ سکیں گے اس لئے یہاں صرف چند ایک چیدہ چیدہ متعلقہ اقتباس پیش خدمت ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ نجاشی نے ہمیں دربار میں طلب کیا۔ ہم نے اس کے پاس جانے سے پہلے باہمی مشورہ کیا، بعض نے اس رائے کا اظہار کیا کہ بادشاہ ملاقات کے دوران ہمارے دین کے متعلق ضرور پوچھے گا اگر وہ یہ پوچھے تو ہمیں اپنے ایمان کے مطابق صحیح جواب دینا چاہئے اور دوسرا فیصلہ ہم نے یہ کیا کہ ہماری طرف سے صرف حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بادشاہ سے بات کریں گے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔

جب ہم کامیاب و کامران ہو کر نجاشی کے دربار سے نکلے تو عمرو بن عاص ہمیں مرعوب کرنے کے لئے دھمکی کے انداز میں کہنے لگے۔ کل میں نجاشی کے پاس جاؤں گا اور ان مسلمانوں کے متعلق سے ایک ایسی بات بتاؤں گا جس سے اس کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ رہے گی اور دیکھنا کہ وہ انہیں یہاں سے کس طرح بھگاتا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔

دوسرے روز جب ہمیں بلایا گیا تو ہم گھبرا گئے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر نجاشی نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہم سے سوال کیا تو کیا جواب دیں گے۔ ہم سب نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اس سلسلہ میں وہی کچھ کہیں گے جو اس کے متعلق اللہ تبارک تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور اس موقف سے ایک انج بھی ادھر ادھر نہیں ہوں گے جو ہمارے پیارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا ہے۔

اس حق گوئی کی بنا پر ہم پہ جو افتاد بھی پڑتی ہے پڑے کوئی پرواہ نہیں۔ اس بار بھی ہم نے یہی فیصلہ کیا کہ نجاشی کے سوالوں کا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ہی جواب دیں گے اور ہم خاموشی سے سنیں گے۔

قصہ مختصر

کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی تلاوت اور سچ صاف سحرے جوابات کا یہ اثر ہوا کہ نجاشی نے جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی مکمل بات سنی تو جوش سے زمین پر ہاتھ مار کر کہنے لگا۔

خدا کی قسم! بالکل عیسیٰ علیہ السلام وہی کچھ ہیں جو آپ کے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔
درباری علماء نے جب یہ صورتحال دیکھی تو حیران و ششدر رہ گئے اور پشیمانی کے عالم میں اپنی ناک
کھجلائے لگے، نجاشی نے ان کی خفت و پشیمانی کو بھانپ کر کہا۔ سن لو یہ میرا فیصلہ ہے۔ یہ مسلمان بالکل سچے
ہیں۔ آج سے میرے یہ قابلِ قدر مہمان ہے۔
پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر کہا:

آج سے تم ہمارے سرکاری مہمان ہو، جو تمہیں گالی دے گا نقصان اٹھائے گا جو تمہیں کوئی گزند پہنچائے گا
اسے سخت ترین سزا دی جائے گی۔

خدا کی قسم مجھے تم سونے چاندی کے خزانوں سے بھی زیادہ عزیز ہو، پھر نجاشی قریش کے دونوں نمائندوں کی
طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا:
جاؤ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔

درباریوں سے کہا ان کے تحائف واپس کر دو، ہمیں ان تحائف کی کوئی ضرورت نہیں۔
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بڑے ذلیل و خوار اور بے آبرو
ہو کر نجاشی کے دربار سے نکلے۔

اور ہمیں ہر طرح کی سہولت میسر آئی۔ نہایت وقار اور عزت سے زندگی بسر ہونے لگی۔
حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کے ہمراہ سرزمین حبشہ میں بڑی عزت و وقار اطمینان اور سکون
سے دس سال گزارے۔

۷ ہجری کو دونوں نے حبشہ کو خیر باد کہا اور اپنے دیگر مسلمان ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ جب
یہ بوگزیدہ افراد پر مشتمل قافلہ وہاں پہنچا تو پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے۔
آپ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

فرمانے لگے: ”آج معلوم نہیں دونوں میں سے زیادہ مجھے کس چیز کی خوشی ہے، فتح خیبر کی یا جعفر رضی اللہ عنہ کے
آنے کی؟“

عام مسلمانوں کی خوشی بھی حضور انور رسول اللہ ﷺ سے کچھ کم نہ تھی۔ مساکین تو خاص طور پر بہت خوش
تھے کیونکہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ان کا بہت خیال رکھا کرتے تھے اور ان سے ہمیشہ خندہ پیشانی اور حسن سلوک سے
پیش آتے، یہاں تک کہ ان کا لقب ہی ابوالمساکین پڑ گیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”ہم ایسے مساکین کے حق میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے زیادہ فیاض تھے۔ یہ ہمیں

اپنے گھر لے جاتے، کھانا کھلاتے۔ اگر سالن ختم ہو جاتا تو گھی کا برتن ہمارے سامنے رکھ دیتے اور ہم اپنی منشاء کے مطابق گھی استعمال کرتے۔

ابھی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں قیام پذیر ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ۷ ہجری کے اوائل میں حضور پر نور رسول کریم ﷺ نے سرزمین شام میں رومیوں کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر تیار کیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر مقرر کیا اور ارشاد فرمایا۔

اگر اس جنگ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہو جائے تو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر دینا اور اگر وہ شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا لینا اور اگر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو جائے تو جسے چاہیں اپنا امیر بنالیں۔

جب مسلمان ”موتہ“ نامی بستی میں پہنچے یہ بستی شام کے بالائی علاقے اردن میں واقع تھی، تو مسلمان کیا دیکھتے ہیں کہ رومی ایک لاکھ فوج لے کر مقابلے کے لئے وہاں پڑاؤ کیے ہوئے ہیں اور تقریباً ایک لاکھ سرزمین عرب کے لخم، جذام اور قضاعہ قبائل کے عیسائی ان کی مدد کے لئے میدان کارزار میں موجود ہیں۔

ادھر لشکر اسلام صرف تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ جنگ شروع ہوئی، زور کارن پڑا تو لشکر اسلام کے سپہ سالار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پہلے ہی مرحلے میں شہید ہو کر گر پڑے۔ یہ صورتحال دیکھ کر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تیزی سے آگے بڑھے اور اپنی برق رفتار گھوڑی کے پاؤں اپنی تلوار سے کاٹ دیئے تاکہ دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے، جھنڈا ہاتھ میں لیا اور شمشیر زنی کرے ہوئے رومی فوج کی صفوں میں جا گھے۔ انہیں تہہ تیغ کرتے ہوئے یہ شعر گنگنا رہے تھے۔

واہ واہ جنت اور اس کا قرب

صاف ستھرا اور ٹھنڈا مشروب

رومیوں کے لئے عذاب آچکا ہے

یہ کافر حسب و نسب کے اعتبار سے دور از شرافت ہیں

مجھ پہ فرض ہے کہ جب ان سے ملوں تو ان کی گردنیں اڑاتا چلا جاؤں۔

آپ دشمنوں کی صفوں کو اپنی تیز دھار تلوار سے چیرتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک شقی القلب دشمن کے وار سے آپ کا ایک دایاں ہاتھ کٹ گیا تو آپ نے لشکر اسلام کا جھنڈا فوراً بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد آپ کا بائیں ہاتھ بھی کٹ گیا تو آپ نے جھنڈا دونوں بازوؤں میں لے کر اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد دشمن ایک کاری ضرب سے آپ کو گرانے میں کامیاب ہو گیا تو حضرت عبداللہ

بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا تھام لیا۔ انہوں نے بھی دشمن کے مقابلے میں اپنی طاقت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ بالآخر وہ بھی جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، عالمِ خفا و غیوب، مخبرِ صادق رسول کریم ﷺ کو جب لشکرِ اسلام کے تینوں جفاکش سپہ سالاروں کے یکے بعد دیگرے شہید ہو جانے کی خبر ملی تو بڑے افسردہ ہوئے۔ آپ فوراً تعزیت کے لئے اپنے چچا زاد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ وہاں آپ نے عجیب منظر دیکھا کہ ان کی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کے استقبال کی تیاریاں کر رہی ہے۔ کھانا تیار کیا ہوا ہے، بچوں کو نہلا دھلا کر انہیں اگلے کپڑے پہنا رکھے ہیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب حضورِ نور نبی کریم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ حزن و ملال کے آثار چہرے پر نمایاں تھے۔ آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر میرے دل پہ خوف طاری ہو گیا۔ میں نے اپنے خاوند کے متعلق آپ ﷺ سے پوچھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو میرے پاس لاؤ، میں نے انہیں آواز دی تو وہ دوڑے ہوئے شاداں و فرحاں حضورِ نور ﷺ کی گود میں آ کر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ پیار سے انہیں چومنے لگے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ رو کیوں رہے ہیں؟ کیا آپ کو جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں سپہ سالار ساتھیوں کے متعلق کوئی خبر ملی ہے؟

فرمایا ہاں: وہ آج شہید کر دیئے گئے ہیں۔ جب ان معصوم بچوں نے دیکھا کہ ان کی ماں زار و قطار رو رہی ہے تو ان کے چہروں سے مسکراہٹ جاتی رہی اور وہ بے حس و حرکت کھڑے ہو گئے۔ حضورِ نور نبی کریم رسول اللہ ﷺ آنسو پونچھتے ہوئے تشریف لے گئے اور ہمارے لیے یہ دعا کی:

اللہ! جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد کی مدد فرما۔

اللہ! جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر کی نگہبانی فرما۔

پھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ”میں نے جعفر رضی اللہ عنہ کو جنت میں اس حالت میں دیکھا کہ اس کے دونوں بازو خون آلود ہیں اور پاؤں بھی خون سے رنگین ہو چکے ہیں۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی پر مشتمل اس مضمون کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

(الاصابة جلد ۱، صفحہ ۲۳۷- صفحہ الصفوة جلد ۱، صفحہ ۲۰۵- حلیۃ الاولیاء جلد ۱، صفحہ ۱۱۴- طبقات ابن سعد جلد ۲، صفحہ ۲۲- تہذیب التہذیب جلد ۲،

صفحہ ۹۸- البدایۃ والنہایۃ جلد ۲، صفحہ ۲۴۱- السیرۃ النبویۃ ابن ہشام جلد ۱، صفحہ ۳۵۷- الکامل لابن اثیر جلد ۲، صفحہ ۳۰- ۹۶)

انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

قارئین کرام! اب کچھ دیر کے لئے ان ہی جیسے ولولہ انگیز ایمان افروز روح پرور دین اور بانی دین ﷺ کی محبت سے لبریز، پر شوق، پر خلوص، اتباع رسول کریم ﷺ کے ایسے واقعات حالات اور کارنامے جو پہلے بیان کردہ کی طرح آپ کو اپنے اندر جذب کر لیں گے۔ آنکھوں سے محبت، عقیدت و حیرت کے آنسو رواں ہوں گے۔ دنیائے اسلام کے ایسے مقدس و متبرک کردار جو آپ کے دل و دماغ و روح پر انمٹ نقوش چھوڑ جائیں گے۔

امت مسلمہ کو سب صحابہ و صحابیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بے پناہ محبت و عقیدت ہے۔ ان کی تعریف و توصیف میں جتنا لکھا جائے، کہا جائے کم ہے۔ یہ تو سب آسمان نبوت کے پیارے پیارے دلکش و دلکش روشن روشن درخشاں ستارے ہیں جو اپنے مقام میں بہت ہی اہم، دلکش، دل کی دنیا کو منور کر دینے والے اور قابل اتباع ہیں۔

ان سب نے پیغمبر اول و آخر و اعظم سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی صحبت، رہنمائی، ہدایت و اتباع میں دین متین کے پودے کو اپنے خون و پسینے سے سیرھا ہے۔ دین اسلام کی مضبوط عمارت کی بنیادوں میں ان سب کا خون پسینہ ہے۔

ہادی دو جہاں پیغمبر بحر و بر رسول کائنات ﷺ اور دین اسلام سے ان کی پر خلوص محبت، لگن چاہت، احترام و اتباع، ان کی حیات ان کی طرز زندگی سب کچھ ہی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

یہ سب اس قابل ہیں کہ ان کی صفات، خوبیوں بھری حیات، مکمل حسین و خوبصورت اتباع رسول کریم ﷺ پر کتابیں لکھی جائیں۔ وہ کتنے خوش نصیب ہوں گے جو ان پر ثبت کتابیں لکھیں گے اور لوگوں کو ان کی زندگی کی ایسی دلکش اور خوبصورت جھلک دکھائیں گے کہ وہ ان کا اتباع کرنے کے لئے بے قرار ہو جائیں۔

میں نے اس سے پہلے (جیسا کہ آپ پڑھ آئے ہیں) چند چیدہ چیدہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان لانے، ایمان لانے کی پاداش (نتیجہ بدلہ) میں انہیں جن مشکلات، تکالیف، پریشانیوں اور دیگر مصائب کا سامنا کرنا پڑا، ان کے بارے میں بھی تھوڑا تھوڑا لکھا ہے۔ پھر میں نے مناسب جانا کہ میں تو چند چیدہ چیدہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے

بارے میں لکھ رہا ہوں۔ جہاں ان کے بارے میں اتنا لکھا ہے وہاں اگر میں ان کے مکمل خوبصورت اتباع رسول کریم ﷺ کے مطابق ان کی حیات سیرت و کردار پر بھی کچھ لکھ دوں تو شاید قارئین کرام کے لئے یہ اور بھی دلچسپی و علم کا باعث بن جائے جن سے بالآخر ان کی امت مسلمہ کی دنیا و آخرت سدھر جائے بن جائے۔

میں نے یہ سوچا تھا کہ اس کتاب میں میں حتی الامکان واقعات کو بیان کرتے وقت ان کے زمانہ وقوع کے لحاظ سے لکھوں گا۔ میری اب بھی یہی کوشش ہے لیکن جیسے جیسے میں لکھنے میں آگے بڑھ رہا ہوں مجھے یہ احساس ہوتا جا رہا ہے کہ ہر پہلو میں تو زمانہ وقوع کے مطابق لکھنا بہت مشکل ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ مختلف راویوں نے کئی واقعات کے زمانہ وقوع میں اختلاف کیا ہے اور اس کی چھان بین کرنا بہت صبر آزما اور طویل کام ہے۔

لیکن یہاں ایسا نہ کرنے کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ میں شدت سے یہ محسوس کرتا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ چیدہ چیدہ چند ایک صحابیات رضی اللہ عنہم کا ذکر خیر بھی بہت ضروری ہے کیونکہ انہوں نے بھی کوئی صعوبتیں کم نہیں اٹھائی ہیں اور انہوں نے بھی دین اسلام اور بانی دین پیغمبر اول و آخر و اعظم سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کا پرشوق، پر خلوص، خوبصورت اور مثالی اتباع کیا ہے بے پناہ محبت کی ہے۔

یہی حال انصار صحابہ کرام اور صحابیات کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ وہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اور دین اسلام کی محبت میں دین کو اختیار کرنے میں دین اور بانی دین ﷺ کے دفاع میں حفاظت کرنے میں پرشوق، پر خلوص، خوبصورت دلکش اور مثالی محبت و اتباع کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ یہ ہر قدم پر محبت فرمانبرداری و اطاعت رسول کریم ﷺ میں اپنے سب بھائیوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلے ہیں۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ بے شمار صحابہ کرام اور صحابیات کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے ہیں جن کے حالات و اتباع رسول کریم ﷺ کو پڑھ کر بے اختیار آنسو بہہ نکلتے ہیں اور ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور اتباع رسول کریم و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے ولولہ پیدا ہوتا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا انہیں اپنانے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔

یہی تو وہ پاکباز لوگ ہیں جو مدینہ سے مکہ حاضر ہوئے اور اپنی قوت ایمانی اور قوت دنیاوی کے بل بوتے پر حضور پر نور ﷺ کو مدینہ لائے۔

یہی تو وہ پاکباز لوگ ہیں جن سے دوسری بیعت عقبہ کے دوران ہادی دو جہان، مخبر صادق، پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا۔

”اور جب میں تمہارے پاس آؤں گا تو میری مدد کرو گے اور جس چیز سے جس طرح سے اپنی جان

اور بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری بھی حفاظت کرو گے اور تمہارے لئے جنت ہے۔“

(ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۴۲۔ مسند احمد بن حنبل)

یہی تو وہ پاکباز لوگ جنہوں نے اپنے اس قول و وعدے کو خوب سے خوب تر نبھایا۔

یہی تو وہ پاکباز لوگ ہیں جنہیں دوسری بیعت عقبہ کے آخری لمحات میں ابوالثیم بن تیہان رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کے جواب میں حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا۔

”یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ بلکہ آپ لوگوں کا خون میرا خون اور آپ لوگوں کی بربادی میری بربادی ہے۔ میں آپ سے ہوں اور آپ مجھ سے ہیں۔ جس سے آپ جنگ کریں گے اس سے میں جنگ کروں گا اور جس سے آپ صلح کریں گے اس سے میں صلح کروں گا۔ (ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۴۲)

یہی تو وہ پاکباز لوگ ہیں جن کے نمائندے علمدار کمانڈر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے معرکہ بدر سے پہلے آپ ﷺ کے پوچھنے پر یوں عرض کی۔

”ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے ہیں کہ آپ ﷺ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ آپ ﷺ جو کچھ لائے ہیں حق ہے اور اسی بناء پر ہم نے آپ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کے عہد و پیمان باندھے ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ ﷺ چلے جن سے تعلقات آپ ﷺ قائم رکھنا چاہتے ہیں قائم رکھیں اور جن سے تعلقات آپ ﷺ منقطع فرمانا چاہتے ہیں قطع کر دیں۔ جس سے چاہیں آپ ﷺ صلح فرمائیں اور جسے چاہیں آپ ﷺ دشمن قرار دیں۔ ہمارے جتنے امول لینا چاہیں لے لیں اور جو ہمیں دینا چاہیں دے دیں۔ آپ ﷺ ہم سے جو لے لیں گے وہ ہمیں اس مال سے زیادہ محبوب ہوگا جو آپ ﷺ رہنے دیں گے آپ ﷺ جو حکم فرمائیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔“

اس ذات اقدس کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ﷺ ہمیں سمندر میں داخل ہونے کا حکم دیں تو ہم سب آپ ﷺ کے پیچھے سمندر میں داخل ہو جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم دشمن کا مقابلہ کرنے سے گھبراتے نہیں ہیں۔ ہم جنگ کے وقت صابر اور مقابلے کی سچے ہیں۔ امید ہے دعا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ آپ ﷺ کو ہماری ایسی جاٹاری دکھائے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

آپ اللہ تبارک تعالیٰ کی برکت کے ساتھ چلے ہم آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں ہوں گے۔ ہم ان لوگوں کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ آپ جانیں اور آپ کا رب آپ جنگ کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جائیں اور آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ جنگ کریں ہم آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہیں اور ہر حال میں موت تک آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ ہیں اطاعت

گزار اور تابعدار ہیں۔

درحقیقت تمام صحابہ کرام مہاجرین و انصار انہی صفات سے موصوف تھے۔

یہی تو وہ پاکباز لوگ ہیں جنہیں حضور پر نور پیغمبر اول و آخر اعظم سید المرسلین، خاتم النبیین عالمِ خفا و غیوب مخر صادق ﷺ کی معرفت اللہ تبارک تعالیٰ نے مواخات اور بھائی چارے کے عمل کو اس طرح اپنانے آگے بڑھانے کی توفیق دی کہ جس کی مثال نہیں ملتی اور ملے گی بھی نہیں کیونکہ مثال قائم کرنے والے خود بے مثال نبی آخر الزماں ﷺ کے بے مثال صحابہ کرام تھے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ مہاجرین جب مدینہ تشریف لائے تو

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ربیعہ انصاری کے درمیان بھائی چارہ کرادیا۔ حضرت سعد بن ربیعہ انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا۔

انصار میں میں سب سے زیادہ مال دار ہوں۔ آپ میرا مال دو حصوں میں بانٹ کر آدھا لے لیں اور میری دو بیویاں ہیں۔ آپ دیکھ لیں جو زیادہ پسند آئے مجھے بتادیں۔ میں اسے طلاق دے دوں اور عدت گزرنے کے بعد آپ اس سے شادی کر لیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اسے خوب دعائیں دیں اور فرمایا کہ آپ ان میں خوش رہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ آپ کے اہل و مال میں برکت دے۔

(صحیح بخاری باب اخا النبی بین مہاجرین و انصار جلد ۱ صفحہ ۵۵۳)

میں نے مندرجہ بالا صرف یہ بتانے سمجھانے کے لئے لکھا ہے کہ یہ لوگ تو بہت پاکباز اور پر شوق پر خلوص اطاعت و اتباع کرنے والے تھے۔

یہی تو وہ پاکباز لوگ ہیں جن کے اچھے نیک خیالات اور ان پر صدق دلی سے عمل پیرا ہونے کی تصدیق قرآن حکیم نے بھی کی ہے۔

سورہ حشر آیت ۹ میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحْشَوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شَعْنَهُ فَإِنَّكَ لَهُ الْمُنْفِلِحُونَ ۝

ترجمہ: ”اور جنہوں (انصار مدینہ) نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنا لیا وہ دوست رکھتے ہیں۔ انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے (مہاجرین) اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ کہ انہیں شدید محتاجی ہو“ (سورہ حشر آیت ۹)

ہو“ (سورہ حشر آیت ۹)

سورہ انفال آیت ۷۴ میں ارشادِ حاکم الحاکمین یوں ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

ترجمہ: ”اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی خوش نصیب لوگ سچے ایماندار ہیں۔ انہیں کے لئے بخشش ہے اور باعزت روزی“۔ (سورہ انفال آیت ۷۴)

یہی وہ پاکباز لوگ ہیں جنہیں جہرانہ میں غزوہ حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت جب محرومی کی غلط فہمی ہو گئی تھی تو حضور نبی کریم ﷺ رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا۔

”اے انصار کے لوگو! تم اپنے جی میں دنیا کی اس عارضی دولت کے لئے ناراض ہو گئے جس کے ذریعہ میں نے لوگوں کا دل جوڑا تھا تا کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تم کو تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا۔

اے انصار! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے گھروں کو پلٹو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک راہ چلیں اور انصار دوسری راہ چلیں تو میں بھی انصار ہی کی راہ چلوں گا۔

اے اللہ رحم فرما انصار پر اور ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر“۔

(صحیح بخاری جلد ۲، صفحہ ۶۲۰-۶۲۱۔ السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲، صفحہ ۲۹۹-۳۰۰)

یہی وہ پاکباز لوگ ہیں جن کے بارے میں اس حدیث مبارک میں فرمایا گیا ہے۔
حدیث:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضور پر نور ﷺ نے فرمایا۔

”اللہ تبارک تعالیٰ نے ان لوگوں سے میری مدد فرمائی جو فصاحت و بلاغت میں اور قوت بازو میں سب

لوگوں سے زیادہ طاقتور تھے۔ یعنی قبیلہ کے دونوں بیٹوں اوس اور خزرج کے خاندان سے (طبرانی المعجم)

قارئین کرام! انصار کے بارے میں مندرجہ بالا میں نے اپنی اس گزارش کی تمہید کے طور پر لکھا ہے کہ اس

موقع پر اب چند ایک انصاری صحابیات و صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کا ذکر خیر کرنا بہت اہم ہے۔ آخر تو وہ حضور نبی کریم

ﷺ کے سب صحابیات و صحابہ کرام آسمان نبوت کے درخشاں ستارے بلکہ چاند ستارے ہیں۔ میں

سمجھتا ہوں کہ ان چند ایک کا ذکر مبارک زمانہ وقوع کے لحاظ سے کرنا قارئین کرام کیلئے زیادہ سودمند نہ ہوگا کیونکہ

اس طرح سے تو یہ بہت اہم، بہت ایمان افروز روح پرور واقعات کتاب میں جا بجا بکھر جائیں گے اور یوں قاری

کے لئے ان میں دلچسپی کم ہو جائے گی۔ قاری کا تسلسل ٹوٹ جائے گا اور اسے اپنی تشنگی دور کرنے کے لئے انہیں مختلف ابواب میں ڈھونڈنا پڑے گا اور اس سبب وہ پورے طور پر ان سے سرور و فائدہ حاصل نہ کر سکیں گے۔

اس خیالِ خیر و نیک کے تحت انصاری صحابیات و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات و واقعات ان کے لازوال کارناموں اور مختصر حالات زندگی کو میں حیات طیبہ کے مدنی دور میں بیان کرنے کے بجائے اسی دور میں بیان کر رہا ہوں تاکہ قارئین کرام ان سے اچھی طرح سرور حاصل کر سکیں اور ان سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں اور اپنے دارین کو نورِ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے روشن کر لیں، سجالیں، جگمگالیں۔

ان چند چیدہ چیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکرِ خیر کے بعد (حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے ذکرِ مبارک کے بعد) میں دوبارہ اپنی یہ کوشش جاری رکھوں گا کہ جہاں تک ممکن ہو سکے واقعات و حالات کو ان کے زمانہ وقوع کے مطابق لکھ سکوں، گو کہ یہ بہت ہی مشکل کام ہے۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ (ایک اور عظیم صحابی)

جس کو رحمت للعالمین، سید المرسلین، پیغمبر کائنات، رسولِ بحر و بر، پیغمبر اول و آخر و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اسید! وہ تو فرشتے تھے جو تیری تلاوت سن رہے تھے۔“

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب پہلے پہل، پہلی دفعہ تبلیغی مشن پر یثرب پہنچے تو آپ نے قبیلہ خزرج کے ایک سردار حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام کیا۔ اس نے اپنے گھر میں سے ایک کمرہ ان کے قیام کے لئے مخصوص کر دیا جسے وہ تبلیغی مقاصد کے لئے استعمال کرتے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شیریں کلامی، صاف گوئی، خوش اخلاقی اور نورِ ایمانی کی بدولت باشندگان یثرب تیزی سے ان کے گرویدہ ہونے لگے۔

سب سے بڑھ کر جس خوبی نے لوگوں کو متاثر کیا وہ ان کا نہایت سریلی آواز میں قرآن حکیم کی تلاوت کا دلکش انداز تھا جس سے پتھر ایسے دل نرم ہو جاتے، سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، آپ کی ہر مجلس میں کچھ افراد وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے۔

ایک دن حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اپنے معزز مہمان حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گھرے باہر نکلے تاکہ قبیلہ بنو عبد الاشہل کے چند افراد سے ملاقات کریں اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کریں۔ دونوں ایک باغ میں داخل ہوئے اور بیٹھے پانی کے ایک چشمے کے پاس بیٹھ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو گئے جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور چند غیر مسلم بھی آپ کی باتیں سننے کے لئے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے نہایت پیار سے انداز میں ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنی شروع کی، سب ہی خاموش اور توجہ سے سننے اور آپ کی جادو بیانی سے متاثر ہونے لگے۔

ایک روز اہل یثرب میں ایک شخص نے اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ کو اطلاع دی۔ یہ دونوں قبیلہ اوس کے

سردار تھے کہ ایک مکی نو جوان ان کے گھروں کے قریب سکونت پذیر ہے۔ لوگوں کو اپنے دین کی طرف دعوت دینے میں دن رات مصروف ہے اور اسعد بن زرارہ نے اسے اپنے گھر ٹھہرایا ہوا ہے۔ یہ خبر سن کر سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا، تیرا کچھ نہ رہے فوراً جاؤ اس مکی نو جوان کی خبر لو جس نے ہمارے گھروں کا رخ کر رکھا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہمارے کمزور دل لوگوں کو ورغلائے اور ہمارے خداؤں کی توہین کرے۔ اسے روکو اور تنبیہ کر دو کہ آج کے بعد ہمارے علاقے میں قدم نہ رکھے۔ پھر افسردہ ہو کر کہنے لگا۔ اگر یہ میری خالہ کے بیٹے اسعد بن زرارہ کے ہاں مہمان نہ ہوتا تو میں خود اس کی خبر لیتا اور اسے فوراً یہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیتا۔

سعد بن معاذ کی باتیں سن کر اسید بن حضیر نے نیزا پکڑا اور سیدہ ہاند کورہ باغ کی طرف چل دیا۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے جب دور سے اسے باغ کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے کان میں کہا کہ وہ دیکھو قبیلے کا سردار اسید بن حضیر آ رہا ہے۔ بہت سے کمالات کی بنا پر اسے قبیلے میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر یہ مسلمان ہو جائے تو اس کی وجہ سے بہت سے لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔ ازراہ کرم اس کے سامنے اللہ تبارک تعالیٰ کا پیغام عمدہ اور دلنشین انداز میں پیش کرنا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اسید بن حضیر بڑے طمطراق اور رعب و دبدبہ کے ساتھ مجھے کے سامنے آ کھڑا ہوا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں ہمارے گھروں کی طرف رخ کرنے کی جرات کیسے ہوئی؟ ہمارے کمزور دل لوگوں کو پھسلانے اور ورغلانے کے لئے تمہیں کس نے اجازت دی۔ کان کھول کر میری بات سنو اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو اسی وقت ہماری بستی سے نکل جاؤ۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے نور ایمان سے چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ اسید بن حضیر کی طرف دیکھا اور نہایت نرم لہجے اور میٹھے انداز میں ارشاد فرمایا:

میرے بھائی! کیا تمہیں خیر اور بھلائی مطلوب ہے؟
اس نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا ”خیر اور بھلائی کیا ہوتی ہے؟“
آپ نے فرمایا:

آپ ہمارے پاس چند لمحے بیٹھیں، میری باتیں سنیں۔ اگر آپ کو یہ پسند آئیں تو قبول کر لینا اور اگر پسند نہ آئیں تو ہمارا آپ سے وعدہ رہا کہ ہم یہاں سے چلے جائیں گے اور دوبارہ کبھی اس طرف کا رخ نہیں کریں گے۔ یہ سن کر اسید بن حضیر نے کہا، بات تو آپ نے دل لگتی کہی ہے۔ ساتھ ہی اپنا نیزہ زمین میں گاڑا اور آرام سے بیٹھ گیا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ دلنشین انداز میں اس کے سامنے اسلام کی خوبیاں اور فضائل بیان کرنے اور دلپذیر لہجے میں آیات قرآنی کی تلاوت کرنے لگے۔ جس سے اس کے چہرے سے دھیرے دھیرے سختی دور

ہونے لگی۔ بالآخر وہ جذب و کیف کے عالم میں پکارا اٹھا، آپ کی باتیں کیا خوب ہیں؟ کس قدر دلنشین اور دلگداز ہیں۔ جس کلام کی آپ تلاوت کرتے ہیں وہ بہت عظیم کلام ہے، پھر اس نے جھکی ہوئی نظروں سے، باادب انداز میں پوچھا: اسلام میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔ پہلے غسل کرو، پاکیزہ لباس پہنو اور پھر یہ کلمہ پڑھو۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

ترجمہ: ”اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔“

اس کے بعد دو رکعت نماز ادا کر دیہ سن کر وہ مجلس سے اٹھا۔ قریبی کنوئیں پر گیا۔ غسل کیا، کپڑے دھوئے۔ کلمہ طیبہ پڑھا۔ دو رکعت نماز ادا کی اور سرزمین عرب کا ایک عظیم سپوت، ماہر شہسوار، دانشور اور قبیلہ اوس کا ہر دلعزیز سردار دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

ذاتی کمالات کی بنا پر قبیلے کے افراد اسے کامل کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔ یہ بیک وقت سیف و قلم، شہسواری و تیراندازی، نجابت و شرافت، عقل و دانش اور فن کتابت میں خاص مقام رکھتے تھے۔ بعد میں یہی حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا باعث ہے۔ پھر ان دونوں کے ذریعے قبیلہ اوس کے اکثر افراد دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ کو پیغمبرِ اول و آخر رسول اللہ ﷺ کے لئے مقام ہجرت، جائے پناہ اور دار الحکومت بننے کا شرف حاصل ہوا۔

جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم کی تلاوت سنی تھی تو ان کے دل میں قرآن حکیم سے والہانہ محبت پیدا ہو گئی تھی۔ آپ قرآن حکیم کی طرف اس طرح متوجہ ہوئے جیسے کوئی بھاسا گرم ترین دن میں میٹھے اور ٹھنڈے چشمے کی طرف لپکتا ہے۔ بالآخر یہ قرآن حکیم ہی کے ہو کر رہ گئے۔ اس کے بعد انہیں یا تو غازی مجاہد کے روپ میں اور یا پھر قرآن حکیم کی تلاوت میں منہمک دیکھا گیا۔

آپ کو قدرت کی جانب سے شیریں کلامی، خوش ذوقی اور سریلی آواز کا وافر حصہ ملا تھا۔ جب رات کا سناٹا چھا جاتا۔ لوگ نیند کی آغوش میں لوریاں لینے لگتے تو آپ خوش الحانی سے قرآن حکیم پڑھنا شروع کر دیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی تلاوت سننے کے منظر رہتے۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جسے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے تلاوت قرآن سننے کا اتفاق ہوا۔ آپ ہو بہو اسی طرح قرآن حکیم پڑھتے جیسا کہ حضور پُر نور رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا۔

انسان تو کجا فرشتے بھی آپ کی تلاوت سن کر لطف اندوز ہوتے تھے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے صحن میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کا بیٹا یحییٰ صحن کی ایک جانب سویا ہوا تھا اور پاس ہی وہ گھوڑا بندھا ہوا تھا جسے آپ نے جہاد کے لیے تیار کیا تھا۔ رات پر سکون تھی، آسمان صاف شفاف تھا۔ چشم

فلک پیار بھرے انداز میں پرسکون زمین کو دیکھ رہی تھی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے دل میں آیا کہ پر نعم فضا کو قرآنی مہک سے معطر کیا جائے۔ انہوں نے دلگداز آواز میں سورہ بقرہ کی ابتدا سے تلاوت شروع کر دی۔ (سورہ بقرہ آیات ۴ تا ۲۱)

اَلَمْ ۙ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۙ فِيْهِ ۙ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ ۝

جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

”الف‘ لام‘ میم یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے ان پر ہیزگار لوگوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے۔ اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔“ (سورہ بقرہ آیات ۲ تا ۴)

جب گھوڑے نے آپ کی دل سوز آواز تلاوت سنی تو تیزی سے ایک چکر لگایا، خطرہ تھا کہ رسی ٹوٹ جائے، یہ منظر دیکھ کر آپ نے تلاوت روک دی۔ گھوڑا بھی سکون سے کھڑا ہو گیا، آپ نے پھر پڑھنا شروع کیا۔ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ رَبِّهِمْ ق وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ آیت ۵)

ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

گھوڑے نے پھر اچھلنا شروع کر دیا۔ آپ خاموش ہوئے تو گھوڑا بھی سکون سے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے وقفے وقفے سے تلاوت کی۔ جونہی آپ تلاوت شروع کرتے گھوڑا بدکنے اور اچھلنے لگتا، جب آپ خاموش ہو جاتے وہ بھی آرام سے کھڑا ہو جاتا۔ آپ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ گھوڑا مستی میں آ کر میرے بیٹے بچے کو روند نہ ڈالے۔

آپ بیٹے کو جگانے کے لئے اس کی طرف گئے کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان پر ایک پستری نما بادل کا ٹکڑا ہے اور اس کے ساتھ چراغ نما روشن قدیلیں لٹک رہی ہیں۔ جن کی ضیا پاشیوں نے چاروں طرف روشنی اور چمک دمک پھیلا رکھی ہے۔ آپ کے دیکھتے ہی یہ بادل کا ٹکڑا اوپر چڑھنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ صبح ہوئی تو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور رات کا یہ عجیب و غریب واقعہ بیان کیا۔

آپ ﷺ نے ماجرا سن کر ارشاد فرمایا۔

اسید: یہ تو فرشتے تھے جو تیری تلاوت سن رہے تھے۔ اگر تم اپنی تلاوت کو مسلسل جاری رکھتے تو یہ بالکل

قریب آ جاتے اور لوگ انہیں پچشم خود دیکھ سکتے۔

جس طرح حضرت اسید بن حفیر رضی اللہ عنہ کو قرآن حکیم کے ساتھ محبت تھی۔ اسی طرح حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ساتھ انہیں والہانہ الفت تھی۔

حضرت اسید بن حفیر رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ جب میں قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہوں تو میرا دل و ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ دل پر نورانی تجلیات کا دور دورہ ہونے لگتا ہے اور بعینہ میرے دل کی یہ کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب میں رسول اقدس ﷺ کے چہرہ انور کو اپنی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔

فرماتے ہیں کہ میری دلی تمنا تھی کہ مجھے موقع ملے تو آپ کے جسم اطہر و اقدس کو چوم لوں، ایک دن میری یہ دلی تمنا اللہ تبارک تعالیٰ کے محبوب نبی کریم رؤف و رحیم نے پوری کر دی۔ اس طرح کہ ایک روز میں مجلس میں بیٹھا لوگوں کو نصیحت آموز کہانیاں سنارہا تھا۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے بنظیر پسندیدگی، میری بغل میں چٹکی لی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس سے مجھے تکلیف ہوئی۔

رحمت للعالمین حضور پر نور رؤف و رحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اسید اگر تمہیں تکلیف ہوئی ہے تو مجھ سے بدلہ لے لو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے بدن پر تو قمیض ہے لیکن میرے بدن پر قمیض نہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے بدلہ دینے کے لئے قمیض اتار دی تو میں آپ ﷺ سے لپٹ گیا اور جسم اطہر و اقدس کو چومنے لگا اور ساتھ ہی میں نے اپنی اس تمنا کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں جب سے میں آپ پر ایمان لایا ہوں، اسی دن سے میری یہ دلی تمنا تھی کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر کو چوموں، اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج میری یہ تمنا پوری ہوئی۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ بھی حضرت اسید رضی اللہ عنہ سے بہت پیار کرتے تھے۔ اسلام قبول کرنے میں ان کی سبقت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے، غزوہ احد میں جس انداز سے انہوں نے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا جو انمردی اور بہادری سے دفاع کیا۔ وہ بلاشبہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ جدھر سے آپ کی طرف کوئی تیر آتا، فوراً آگے بڑھتے اور تیر سیدھا ان کے جسم میں پیوست ہو جاتا۔ اس طرح غزوہ احد میں سات مہلک تیر انہوں نے اپنے بدن پر جھیل کر حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی والہانہ عقیدت و محبت کا حق ادا کر دیا۔ کوئی تیر بھی آپ تک نہ پہنچنے دیا۔ اپنے قبیلے میں جو ان کی قدر و منزلت تھی نبی کریم رسول اللہ ﷺ اس سے بخوبی واقف تھے۔ اگر یہ اپنے قبیلے کے کسی فرد کی سفارش کرتے تو رسول اللہ ﷺ اسے بخوشی قبول کر لیتے۔

حضرت اسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ایک انصاری گھرانے کی مفلوک الحالی کا تذکرہ کیا۔ حقیقتاً یہ گھرانہ تنگ دستی اور بے سروسامان کی حالت میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ مالی تعاون کے مستحق ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اسید تم اس وقت آئے جب ہم سب کچھ راہ خدا میں خرچ کر چکے ہیں۔ آئندہ جب بھی ہمارے پاس کہیں سے مال آئے تو مجھے یاد دلانا انشاء اللہ ان کی پوری مدد کی جائے گی۔ کچھ ہی عرصہ بعد خیبر سے وافر مقدار میں مال آ گیا۔ آپ نے مستحق مسلمانوں میں اسے تقسیم کیا اور خاص کر اس گھرانے کی دل کھول کر مدد کی جس کی نشاندہی حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

حضرت اسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس گھرانے کی آسودہ حالی دیکھی تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تبارک تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا: ”اے خاندان انصار تمہیں بھی اللہ جزائے خیر عطا فرمائے۔ جب سے میرا آپ لوگوں سے تعارف ہوا ہے میں نے تمہیں پاکدامن اور بہت زیادہ صبر و تحمل کرنے والا پایا ہے لیکن تم میرے بعد دیکھو گے کہ انصار کی نسبت دیگر لوگوں سے اچھا سلوک برتا جائے گا لیکن تم میری ملاقات تک صبر کرنا یہ ملاقات انشاء اللہ حوض کوثر پر ہوگی۔“

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے مسلمانوں میں مال و متاع تقسیم کیا۔ میرے حصے میں ایک چوغہ آیا جو میری نگاہ میں ایک معمولی سا تھا۔ میں ابھی مسجد میں ہی بیٹھا تھا کہ میرے پاس سے ایک قریشی نوجوان گزرا جس نے بہت قیمتی اور عمدہ لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ یہ لباس امیر المومنین نے اسے بیت المال سے عنایت کیا تھا اور یہ اتنا لمبا تھا کہ زمین پر گھسٹتا ہوا جا رہا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر مجھے وہ فرمان رسول اللہ ﷺ یاد آ گیا جب آپ ﷺ نے انصار کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ میرے بعد انصار سے زیادہ دوسرے لوگوں کو ترجیح دی جائے گی اور یہ فرمان نبوی ﷺ میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک ساتھی کو بھی سنایا۔ وہ شخص میری بات سنتے ہی اٹھا اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور آپ کو وہ سب کچھ بتا دیا جو میں نے اس کے سامنے کہا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بات سنتے ہی میرے پاس پہنچے۔ میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے گرجدار آواز میں کہا اسید جلدی نماز پڑھو۔ جب میں نے نماز پوری کر لی تو آپ میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔

بھلا میرے متعلق تم نے کیا کہا ہے؟

میں نے حرف بحرف سب کچھ بتا دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

اسید! اللہ آپ کو معاف فرمائے یہ لباس میں نے اس شخص کو دیا تھا جسے انصاری ہونے کے ساتھ ساتھ بیعت عقبہ غزوہ بدر اور غزوہ احد میں شریک ہونے کا شرف بھی حاصل ہے واقعہ دراصل یہ ہے کہ لباس اس قریشی نوجوان نے ان سے خرید لیا اب بتائیے اس میں میرا کیا قصور ہے؟
تمہارا کیا خیال ہے کہ جس صورتحال کی خبر حضور پر نور رسول اللہ ﷺ نے تمہیں دی تھی وہ میرے دور حکومت میں ظہور پذیر ہوگی۔

یہ سن کر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ فوراً بولے۔ امیر المومنین خدا جانتا ہے میرا بھی یہی خیال ہے کہ آپ کے دور حکومت میں ایسا نہیں ہو سکتا۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اس کے بعد زیادہ دیر تک زندہ نہ رہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ہی میں ان کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا۔ جب آپ اللہ کو پیارے ہو گئے تو پتہ چلا کہ چار ہزار درہم کے مقروض ہیں۔ آپ کے وارثوں نے سوچا قرض ادا کرنے کے لئے ان کی زرعی زمین کو بیچ دیا جائے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے فوراً قرض خواہوں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں سالانہ ایک ہزار درہم کا اناج لینے پر راضی کر لیا۔ اس طرح چار سال کے عرصے میں قرض بھی ادا ہو گیا اور زمین بھی حضرت اسید رضی اللہ عنہ کی اولاد کی ملکیت رہی۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا تفصیلی حالات زندگی کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

(بخاری۔ مسلم باب فضائل صحابہ۔ جامع الاصول جلد ۹ صفحہ ۳۷۸۔ طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۶۰۳۔ تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۴۷۔ اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۹۲۔ حیاة الصحابة جلد چہارم۔ الاعلام ومراجعہ)

حضرت اُمّ عمارۃ نسیمیۃ بنت کعب رضی اللہ عنہ

وہ عظیم المرتبت صد عزت و افتخار کی حامل، محترم، خوش نصیب، عالی ہمت اور قابل رشک فرمانبرداری و اتباع کرنے والی مجاہدہ صحابیہ اور اس کا خاندان مبارک جس کے لئے پیغمبر اول و آخر و اعظم، اصل الموجودات، انسان کامل، رسول کائنات، پیغمبر بحر و بر، سید المرسلین خاتم النبیین، تاجدار کائنات، حبیب اللہ حضور پر نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان کی خواہش کے احترام میں فرمایا:

”اے رب للعالمین! اس خاندان کو جنت میں میرا رفیق بنادے۔“

عبادت گزار، شب زندہ دار، صبر و تحمل اور جرات و شجاعت کی پیکر، جذبہ جہاد سے سرشار میدان کارزار میں حیرت انگیز کارنامے سرانجام دینے والی مجاہدہ، خاوند کی خدمت گزار، وفادار، رفیقہ حیات، اولاد کی شفیق و ہمدرد ماں، قرآن و حدیث کے نورانی علم سے بہرہ ور ایک عالمہ فاضلہ جس کا بھائی عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ بدری صحابہ میں سے

ہے۔ جس کے دونوں بیٹے شہید ہوئے۔ انصار کے قبیلہ خزرج کی مشہور و معروف شاخ بنو نجار کی معزز خاتون۔ ام عمارہ نسیم بنت کعب رضی اللہ عنہا کا ایمان افرز و تذکرہ پیش خدمت ہے۔ پڑھئے اور اپنے دلوں کو ایمان کی لذت سے سرشار کیجئے اور ایمان سے بھر لیجئے۔

مدینہ منورہ سے انصار کے وہ افراد جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی دل پذیر دعوت سے متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر دوسری مرتبہ بیعت کرنے کے لئے ایک مخصوص گھاٹی پر گئے۔ جہاں حضور پر نور رسول اللہ ﷺ بیعت لینے کے لئے تشریف لائے۔ اس خوش نصیب قافلے میں ستر (70) مرد اور دو (2) عورتیں تھیں۔ ایک ام عمارہ نسیم بنت کعب رضی اللہ عنہا اور دوسری ام منیع اسماء بنت عمرو بن عدی رضی اللہ عنہا تھیں۔

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب مردوں سے بیعت لے لی گئی تو میرے خاوند غزیہ بن عمرو نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ دو خواتین بھی بیعت کے لئے حاضر ہیں۔ ان پر بھی نظر کرم کیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ٹھیک ہے ان کی بیعت بھی انہیں شرائط پر قبول ہے جو آپ تمام احباب سے کی گئی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ میرے ہاتھ میں دیئے۔ عورتوں سے میں مصافحہ نہیں کرتا۔ یہ معاہدہ یہ بیعت تاریخ میں بیعت عقبہ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا بیعت حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ واپس لوٹیں تو خواتین کی تعلیم و تربیت میں ہمہ تن مصروف ہو گئیں۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی پہلی شادی زید بن عاصم مازنی سے ہوئی جس سے دو لڑکے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حبیب رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ دونوں کو صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ دوسری شادی غزیہ بن عمرو مازنی سے ہوئی جس سے ایک لڑکا تمیم ایک لڑکی خولہ پیدا ہوئے۔ یہ پورا گھرانہ اسلام کی برکات سے بہرہ مند ہوا۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب سیرۃ "اعلام النبلاء" میں رقم طراز ہیں کہ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا بیعت عقبہ ثانیہ غزوہ احد صلح حدیبیہ غزوہ حنین جنگ یمامہ میں شریک ہوئیں۔ غزوہ احد میں زخموں کو پانی پلانے اور مرہم پٹی کرنے کے علاوہ تلوار کے وہ جوہر دکھلائے کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ حضور انور رسول پر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا "کہ میں اپنے دائیں بائیں جس طرف بھی نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں ام عمارہ نسیم بنت کعب رضی اللہ عنہا کو میرا دفاع کرتے ہوئے مسلسل لڑتا ہوا پاتا۔"

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ غزوہ احد میں ایک ایسا نازک ترین وقت آیا کہ مجاہدین پسپا ہو کر بکھر گئے۔ میں اپنے خاوند دونوں بیٹوں عبداللہ اور حبیب کے ہمراہ حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کے دفاع کے لئے آپ کے پاس آکھڑی ہوئی۔ ہم ہر طرف سے حملے کا جواب دینے لگے۔ میرے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے

میں ڈھال تھی۔ اگر دشمن گھوڑوں پر سوار نہ ہوتے تو ہم ان میں سے کسی کو بھی زندہ بچ کر جانے نہ دیتے۔ ایک گھوڑے پر سوار دشمن نے مجھ پر تلوار کا وار کیا لیکن میں نے اپنی ڈھال پر اس وار کو روک لیا۔ وہ کچھ نہ کر سکا تو اس نے یکدم گھوڑے کی لگام کھینچی اور پیچھے مڑا تو میں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے اس کے گھوڑے کی پیٹھ پر تلوار کا ایک زوردار وار کیا جس سے اس کے گھوڑے کی پیٹھ کٹ گئی اور وہ اپنے سوار سمیت زمین پر گر پڑا۔ یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے باواز بلند حضرت عبداللہ بن اُم عمارہ رضی اللہ عنہما سے کہا وہ دیکھو اپنی والدہ کا ہاتھ بٹاؤ۔ وہ جلدی سے میرے پاس آیا اس نے میری مدد کی اور ہم دونوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہما کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ احد میں شریک ہوا۔ جب دشمن کی طرف سے زوردار حملہ ہوا مجاہدین بکھر گئے میں اپنی والدہ کے ہمراہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے قریب ہوا۔ آپ ﷺ پر جس طرف سے بھی کوئی وار ہوتا ہم اسے روکتے۔ حضور پر نور رسول اللہ ﷺ نے مجھے آواز دی میں نے لبیک کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا دشمن پر وار کرو۔ میں نے سامنے گھوڑے پر سوار ایک مشرک پر پتھر پھینکا جو سیدھا اس کے گھوڑے کی آنکھ پر لگا۔ جس سے گھوڑا اپنے سوار سمیت قلابا زیاں کھاتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ میں نے اوپر سے ایک اور بھاری پتھر اسے دے مارا جس سے وہ دیکھتے ہی دیکھتے واصل جہنم ہو گیا۔

یہ منظر دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر خوشگوار تاثرات نمایاں ہوئے اور ساتھ ہی آپ ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ میری والدہ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہما کے کندھے سے خون بہہ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنی والدہ کے کندھے پر مرہم پٹی کرو اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا: ”تمہارا پورا خاندان بڑا عظیم ہے۔ اللہ تم پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے۔“ اور ساتھ ہی حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اس خاندان کے لئے یہ دعا کی: ”الہی اس خاندان کو جنت میں میرا رفیق بنا دینا۔“

یہ دعا سن کر حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہما اور اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور ساتھ ہی ان کے جوش و جذبے میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا اور زیادہ زوردار انداز میں دشمن پر جھپٹنے لگے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک مشرک سے ٹدھ بھڑ ہو گئی۔ اس ناہنجار نے ایک زوردار وار کر کے ان کے بائیں ہاتھ پر ایک گہرا زخم لگا دیا جس سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا جلدی زخم پر پٹی باندھو۔ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ بیٹے کا ہاتھ بری طرح زخمی ہو چکا ہے خون تیزی سے بہہ رہا ہے۔ اس نے فوراً اپنے بیٹے کے زخم پر پٹی باندھی اور کہا میرے لاڈلے بیٹے گھبراؤ نہیں اٹھو ہمت کرو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ حضور پر نور رسول اللہ ﷺ ماں بیٹے کی جرات و شجاعت کو دیکھ کر مسکرائے اور ارشاد فرمایا:

”اے اُم عمارہ! آپ جیسی جرات بھلا کوئی کہاں سے لائے۔“

حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہما ہاتھ میں برہنہ شمشیر لئے رسول کریم رؤف ورحیم کے پاس کھڑی تھی کہ وہی مشرک

دوبارہ سامنے آیا جس نے اس کے بیٹے کو زخمی کیا تھا۔ حضور انور رسول پر نور ﷺ نے دیکھتے ہی فرمایا: یہی تیرے بیٹے کو زخمی کرنے والا ہے۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے سنتے ہی اس پر ایک ایسا خطرناک وار کیا جس سے اس کی ٹانگ کٹ گئی اور وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ چند مجاہدین نے اسے دبوج لیا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر ارشاد فرمایا: ”اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا آپ نے تو کمال کر دیا۔“

فرماتی ہیں کہ حضور انور ﷺ اس وقت مسکرا رہے تھے اور ساتھ ہی آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔
”شکر اس اللہ کا جس نے تجھے کامیابی دی۔ دشمن کی جانب سے تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کیا اور تیرا بدلہ تجھے تیری آنکھوں سے دکھلا دیا۔“

(سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم)

اللہ پاک کی تمام تعریفیں اور ارپاک ہی بزرگ و برتر ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

”میں نے غزوہ احد کے دن جب بھی اپنے دائیں بائیں دیکھا تو اسے (حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا) میرے دفاع میں لڑتے ہوئے پایا۔“

غزوہ احد میں حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے جسم پر تقریباً بارہ زخم لگے جن میں کندھے کا زخم بہت گہرا تھا۔ جس کا علاج تقریباً ایک سال تک ہوتا رہا۔ ابن قتیہ نامی ایک کافر نے حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے کندھے پر تلوار کا وار کیا جو بڑا خطرناک ثابت ہوا۔ آپ بے ہوش ہو گئیں جب ہوش آیا تو سب سے پہلے پوچھا کہ حضور انور نبی کریم ﷺ کا کیا حال ہے؟ اس نے نہ ہی اپنے بیٹوں کے بارے میں پوچھا اور نہ ہی خاوند کے بارے میں۔ جب اسے یہ بتایا گیا کہ آپ ﷺ بالکل محفوظ ہیں تو اس نے بے ساختہ اللہ کا شکر ادا کیا۔

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا غزوہ حنین اور فتح مکہ کے علاوہ مسلمانوں کے خلاف لڑی گئی جنگ یمامہ میں بھی شریک ہوئیں۔ اس جنگ میں لڑائی کے دوران ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔ اس کے علاوہ جسم پر گیارہ زخم لگے۔ اس کا بیٹا حبیب بن زید انصاری اسی جنگ میں شہید ہوا۔ اس پر مسلمانوں نے خود وار کیا تھا جس سے وہ جام شہادت نوش کر گئے۔

دوسرا بیٹا حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ معرکہ حرہ میں شہید ہوا۔ یہ جنگ ۶۳ ہجری کو مدینہ منورہ کے مشرقی جانب واقع سیاہ پہاڑوں میں لڑی گئی تھی۔ حرہ دراصل سیاہ پہاڑی کو کہتے ہیں۔ اس قسم کے پہاڑ زیادہ مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں واقع ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ وہ عظیم المرتبت مجاہد ہے جس نے مسلمانوں کو اپنی تلوار سے قتل کیا۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو اپنے نیزے سے شہید کرنے والا وحشی بن حرب بھی مسلمان

کذاب کے قتل کرنے میں برابر کا شریک ہے۔

غزوہ احد سے فارغ ہو کر جب مجاہدین حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ پہنچے تو آپ نے اعلان کر دیا کہ غزوہ احد میں شریک ہونے والے مجاہدین تیار ہو جائیں۔ کل صبح مشرکین کے تعاقب کے لئے مقام حمراء الاسد کی طرف روانہ ہوں گے۔ مجاہدین نے صرف ایک رات مدینہ منورہ میں گزاری، پھر جہاد پر روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا بھی جذبہ جہاد سے سرشار روانگی کے لئے اٹھیں لیکن گہرے زخموں کی وجہ سے بدن میں اتنی نقاہت ہو چکی تھی کہ کوشش کے باوجود چل نہ سکیں۔ حضور پر نور رسول اللہ ﷺ نے واپس مدینہ منورہ پہنچتے ہی عبداللہ بن کعب مازنی رضی اللہ عنہ سے ان کی ہمشیرہ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا کی صحت کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ کو یہ بتایا گیا کہ زخم دھیرے دھیرے بھر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے اطمینان کا سانس لیا اور اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا غزوہ بنو قریظہ میں شریک ہوئیں۔ اس معرکے میں چند دیگر خواتین بھی شریک تھیں۔ ان سب کو حضور پر نور رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا۔ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا نے صلح حدیبیہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ فرماتی ہیں کہ ہم عمرہ ادا کرنے کے لئے حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ کے قریب حدیبیہ مقام پر ہمیں روک لیا گیا۔ قریش نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان مکہ معظمہ میں داخل ہوں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر مکہ معظمہ بھیجا گیا۔ ان کی واپسی میں تاخیر ہو گئی۔ خبر یہ اڑادی گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ رسول کریم رؤف و رحیم ﷺ نے درخت کے سائے میں بیٹھ کر بیعت لینا شروع کر دی۔

آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: کہ

”اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے کا حکم دیا ہے۔“

جس کے پاس کوئی ہتھیار تھا اس نے تھام لیا۔ چونکہ یہ سفر عمرہ ادا کرنے کی نیت سے اختیار کیا گیا تھا اس لئے بیشتر افراد کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک لاٹھی پکڑ لی اور ایک چھری اپنے کمر بند میں اڑس لی تاکہ اگر کوئی دشمن میرے قریب آیا تو اس کا کام تمام کر سکوں لیکن لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اڑائی گئی خبر غلط نکلی۔ دشمن سے معاہدہ امن طے پا گیا جو تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

غزوہ خیبر میں بیس خواتین شریک ہوئیں جن میں حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ خیبر فتح ہوا، مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا تو اس میں سے خواتین کو بھی حصہ دیا گیا۔ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا کے حصے میں زیور، عمدہ لباس اور دو دینار آئے۔ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا نے غزوہ حنین میں بھی جرات و شجاعت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ فرماتی ہیں کہ بنو

ہوازن کا ایک شخص اونٹ پر سوار میدان میں جھنڈا لہرتا ہوا داخل ہوا۔ میں نے موقع پاتے ہی اونٹ کی پچھلی جانب زوردار وار کیا جس سے اونٹ لڑکھڑاتا ہوا اپنے سوار سمیت گر پڑا۔ اس کے گرتے ہوئے سوار پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ اٹھ نہ سکا۔

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کذاب کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تا کہ اسے راہ راست پر لایا جاسکے۔ اس بد بخت نے سفارتی آداب کو پامال کرتے ہوئے حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا اور ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور اس سے پوچھا:

”کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔“

پھر اس نے پوچھا:

”کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔“

اس نے کہا میں بہرہ ہوں میں سنتا نہیں۔

مسیلمہ کذاب نے یہ سوال بار بار کیا۔ ہر بار حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ نے یہی جواب دیا تو اس بد بخت نے ایک ایک عضو کاٹ کاٹ کر حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو جب بیٹے کی شہادت کی خبر ملی تو کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ حضور پر نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دلا سے دیتے ہوئے اس خاندان کے لئے خیر و برکت کی دعا کی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جب مسیلمہ کذاب سے نبرد آزما ہونے کے لئے لشکر روانہ کیا تو اس میں حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی اور ان کا بیٹا حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی ہمراہ تھا۔ اس معرکے میں حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا ایک بازو کٹ گیا۔ اس کے علاوہ تقریباً گیارہ زخم جسم پر لگے۔ مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے والوں میں حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی تھا۔ سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کے کٹے ہوئے ہاتھ کا علاج کرنے کے لئے تیل گرم کیا اور جلتے ہوئے تیل میں زخمی بازو کو داغ جس سے خون رک گیا۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کو اپنے بازو کے کٹ جانے کا اتنا غم نہیں تھا جتنی خوشی مسیلمہ کذاب کے واصل جہنم ہونے کی تھی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک روز بہت عمدہ چادریں ان کے پاس لائی گئیں۔ ایک چادر بہت ہی عمدہ اور بڑے سائز کی تھی۔ ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ یہ چادر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت صفیہ بنت ابی عبیدہ رضی اللہ عنہا کو دے دی جائے تو آپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا۔ یہ چادر اس خاتون

ہورام النور، نور رحمۃ للعالمین ۲۲۷ جلد دوم

کو دی جائے گی جو صفیہ رضی اللہ عنہا سے کہیں بہتر ہے۔ میں نے اس خاتون کی تعریف حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنی ہے۔ اس کے بعد یہ چادر حضرت ام عمارہ نسیم بنت کعب رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کر دی گئی۔

ایک روز حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کی یا حضور پر نور رسول اللہ ﷺ قرآن حکیم میں اکثر و بیشتر مردوں کو ہی تذکرہ ہوتا ہے۔ عورتیں بیچاری محروم ہی رہتی ہیں تو سورہ احزاب کی آیت مبارک 35 نازل ہوئی جس میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد باری یوں ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكِرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا وَالذَّكِرَاتِ لَا أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

ترجمہ: ”بلاشبہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، اطاعت گزار مرد اور اطاعت گزار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، اللہ کے آگے جھکنے والے مرد اور اللہ کے آگے جھکنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقات دینے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتیں، اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔“ (سورہ احزاب آیت ۳۵)

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا صحابیات میں اعلیٰ درجے پر فائز تھیں۔ غزوہ احد میں جب گھسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ حضور پر نور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا ان کے خاوند اور دونوں بیٹوں کی جاں نثاری کا انداز دیکھتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

”اللہ تم پر رحم کرے اے خاندان“

ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں جنت میں آپ کا ساتھ نصیب فرمادے تو آپ ﷺ نے یہ دعا کی۔

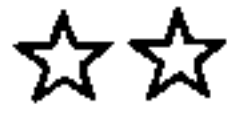
اللهم اجعلهم رفقائی فی الجنة

ترجمہ: ”اے الہی ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا دینا“

حضرت ام عمارہ نسیم بنت کعب رضی اللہ عنہا کے مفصل حالات زندگی پر مندرجہ بالا مضمون کے لئے درج ذیل حوالہ جات ہیں۔

نورِ اُم النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۲۳۸) جلد دوم

(مسند امام احمد جلد ۶، صفحہ ۴۳۹ - طبقات ابن سعد جلد ۸، صفحہ ۴۱۰ - الاستبصار صفحہ ۸۲ - تہذیب الکمال صفحہ ۱۷۰۳ - تہذیب التہذیب جلد ۱۲، صفحہ ۴۷۴ - کنز العمال جلد ۱۳، صفحہ ۶۲۵ - البدایہ والنہایہ جلد ۳، صفحہ ۱۶۶ - السیرۃ الحلبیہ جلد ۲، صفحہ ۱۷۵ - انساب الاشراف جلد ۱، صفحہ ۲۵۰ - الاصابۃ جلد ۲، صفحہ ۳۵۷ - صفۃ الصفوة جلد ۲، صفحہ ۶۳ - سیرۃ اعلام النبلاء جلد ۲، صفحہ ۲۷۹ - اعلام النساء جلد ۵، صفحہ ۱۷۳ - الاستیعاب جلد ۲، صفحہ ۴۵۶)



حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ

دنیاۓ اسلام کی عظیم ترین مجاہدہ، عظیم والدہ والدین اور اسلام کے ایک عظیم گھرانے کا عظیم سپوت۔ جن کے بارے میں جن سے حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے فرمایا:

”اے اہل بیت تمہیں برکت نصیب ہو اے اہل بیت تم پر رحمت کی برکھابر سے“

حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے خوش نصیب گھر میں نشوونما پائی جس کے ہر پہلو ہر زاویے میں ایمان کی دلاویز مہک پھیلی ہوئی تھی اور جس گھرانے کے ہر فرد کے دل میں اللہ و رسول کے ہر حکم پر قربان ہو جانے کا جذبہ موجزن تھا۔

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کے والد محترم حضرت زید بن عاصم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے مسلمانوں میں ممتاز مقام رکھتے تھے اور یہ ان بہتر (72) ستر مرد اور دو (2) خوش نصیب خواتین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو بیعت عقبہ کے وقت خدمت اقدس رسول کریم ﷺ میں موجود تھے۔ انہوں نے حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ان کے ہمراہ بیوی بچے بھی تھے۔

حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا بنو مازن قبیلے سے تھیں۔ یہ وہ پہلی خوش نصیب اور بہادر خاتون ہیں جس نے دین الہی اور حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں سب سے پہلے تلوار اٹھائی۔

ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں رسول اقدس ﷺ کے دفاع کی خاطر اپنا سینہ آگے بڑھایا تاکہ دشمن کی طرف سے جو تیر بھی آئے وہ ان کے سینے میں لگے اور حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کو کوئی خراش بھی نہ آئے۔ یہ ایمان پرور منظر دیکھ کر آپ ﷺ نے بے ساختہ ارشاد فرمایا۔

اہل بیت تم پر اللہ تبارک تعالیٰ کی برکتیں نازل ہوں
اہل بیت تم پر اللہ تبارک تعالیٰ کی رحمت کی برکھابر سے

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کے دل میں نور ایمان جلوہ نما ہوا اور یہ حلاوت ایمانی سے لذت آشنا ہوئے۔ یہ اپنے ماں باپ خالہ اور بھائی کے ہمراہ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے تاکہ ان بہتر (72) ستر مرد اور دو (2) خواتین تاریخ ساز قدسی نفوس ہستیوں میں شامل ہو سکیں جنہیں بیعت عقبہ کی سعادت عظمیٰ

نصیب ہوئی تھی۔ انہوں نے بھی اپنا ننھا سا ہاتھ آگے بڑھایا اور تاروں کی روشنی میں حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت عقبہ کی سعادت حاصل کی۔ اس دن سے رسول خدا ﷺ انہیں اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ محبوب بن گئے اور اسلام اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گیا۔

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے اس لیے کہ یہ اس وقت بہت چھوٹی عمر کے تھے اور نہ ہی انہیں غزوہ احد میں حصہ لینے کا شرف عظیم حاصل ہو سکا اس لیے کہ اس وقت بھی تلوار اٹھانے کے قابل نہ ہوئے تھے لیکن اس کے علاوہ تمام غزوات میں پیغمبر اول و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا اور ہر غزوے میں شجاعت، تجربہ، اعلیٰ شرف اور قربانی کی ناقابل فراموش داستانیں رقم کیں۔

تاجدار کائنات، سرورِ دو عالم، ہادیِ دو جہاں، رسولِ برحق، پیغمبرِ اول و آخر و اعظم سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ اور دینِ اسلام کی محبت میں جن لوگوں نے کبھی نہ بھولنے والی رسولِ برحق اور دینِ برحق سے محبت کے معنی سمجھا دینے والی نہایت ایمان افروز اور ایمان کی آخری حدوں کو دکھانے دینے والی داستانیں رقم کی ہیں، انمٹ نقوش ثبت کئے ہیں۔ حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ نے جو نقوش ثبت کئے ہیں ان میں ایک اسی سے ملتی جلتی اسی طرح کی داستان حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے رقم کی تھی۔ دونوں میں زمانہ وقوع کے فرق کے علاوہ یہ فرق بھی ہے کہ حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کو اسی طرح کے سوال و جواب کے بعد کفار و مشرکین مکہ نے علاقہ مکہ میں شہید کیا تھا اور حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کو مسلمہ کذاب نے علاقہ یمامہ میں شہید کیا۔

لیجئے وہ ایمان افروز خون کے آنسو رلا دینے والی عشقِ اللہ و رسول سے لبریز داستان درج ذیل ہے۔

سن ۹ ہجری میں دینِ اسلام کا پھیلنا اپنے جو بن پہ تھا، اسلامی شان و شوکت اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ جزیرہ نمائے عرب کی ہر طرف سے بے شمار قافلے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی زیارت، آپ ﷺ کی بیعت کرنے اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا برسر عام اعلان کرنے کے لئے جوق در جوق مدینہ منورہ پہنچنے لگے۔ ان قافلوں میں ایک وفد بنو حنیفہ کا بھی تھا جو وادی نجد سے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

وفد نے اپنے اونٹ مدینہ طیبہ سے باہر ہی بٹھا دیئے اور سامان کے پاس مسلمہ بن حبیب حنفی (بنو حنیفہ کا فرد) کو چھوڑ دیا۔ یہ وفد حضور پر نور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے روبرو اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وفد کی آمد سے بہت خوش ہوئے ان کی عزت افزائی کی اور وفد کے ہر رکن کو قیمتی تحائف سے نوازا اور ان کے اس ساتھی کو بھی تحائف دیئے جسے یہ اپنے سامان کے پاس چھوڑ کر آئے تھے۔

یہ وفد نجد واپس پہنچا ہی تھا کہ مسلمہ بن حبیب حنفی مرتد ہو گیا اور برسر عام اس نے یہ اعلان کر دیا۔ میں رسول ہوں مجھے اللہ نے بنی حنیفہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ جیسا کہ محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کو قریش کی طرف

رسول بنا کر بھیجا۔

یہ اعلان سننے کے بعد قوم اس کے گرد جمع ہونے لگی اور قومی عصبيت کی بنا پر اس کا بھرپور ساتھ دینے لگی۔ قومی عصبيت کا یہ عالم تھا کہ بنو حنیفہ کی ایک شخصیت نے برملا کہا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ سچے ہیں اور اللہ کے رسول ہیں اور مسيلمہ جھوٹا ہے لیکن ربیعہ قبیلے کا جھوٹا شخص مجھے مضر قبیلے کے سچے شخص سے زیادہ عزیز ہے۔

جب مسيلمہ کی حیثیت مضبوط ہو گئی اور ماننے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو اس نے حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کی طرف ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا۔

مسيلمہ رسول خدا سے محمد رسول خدا کی طرف

السلام علیک

مجھے نبوت و رسالت میں آپ کا شریک کار بنا دیا گیا ہے۔ نصف زمین ہمارے لیے ہے اور نصف قریش کے لئے لیکن قریش ظالم قوم ہے۔

یہ خط دو قاصدوں کے ذریعے نبی اکرم ﷺ تک پہنچایا۔ جب یہ قاصد خط لے کر حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ نے دو قاصدوں سے پوچھا تم دونوں کی کیا رائے ہے؟

دونوں نے بیک زباں کہا: اس سلسلے میں ہمارا موقف وہی ہے جو مسيلمہ کا ہے۔

آپ نے ان کی بات سن کر ارشاد فرمایا:

خدا کی قسم اگر قاصدوں کے تحفظ کا بین الاقوامی قانون نہ ہوتا تو آج میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔

پھر آپ نے مسيلمہ کی طرف ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے مسيلمہ کذاب کی طرف

سلامتی ہو اس کے لئے جس نے ہدایت کی پیروی کی یہ زمین اللہ کی ہے اور اللہ اپنے بندو نہیں سے جسے

چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام اہل تقویٰ کے لئے ہے۔

اور انہیں دو قاصدوں کے ہاتھوں یہ خط روانہ کر دیا۔

مسيلمہ کذاب کا شر و فساد جب حد سے بڑھ گیا تو حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے اسے ایک ایسا

خط ارسال کرنے کا ارادہ کیا جس کے ذریعے اسے گمراہی سے روکیں اور یہ خط لے جانے کے لئے ہماری اس

داستاں کے ہیرو حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ یہ ان دنوں بھرپور جوانی میں تھے اور حب

رسول اللہ ﷺ اور دین ان کے رگ وریشے میں رچ بس چکی تھی۔

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کا حکم پا کر راستے کے نشیب و فراز سے شاداں و فرحاں گزرتے ہوئے نجد کے بالائی علاقے میں دیار بنو حنیفہ میں پہنچے اور یہ خط مسیلمہ کذاب کے سپرد کیا۔

جونہی مسیلمہ نے یہ خط سنا تو وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا اور غرور و نخوت سے اس کا سینہ تن گیا۔

کینہ و بغض، ظلم و تعدی اور جور و جفا کے آثار اس کے منحوس و مکروہ چہرے سے نمایاں دکھائی دینے لگے اور اس نے غیض و غضب سے بے قابو ہو کر حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو پابند سلاسل کرنے کا حکم جاری کر دیا اور دھاڑتے ہوئے یہ کہا کہ کل دن چڑھے اسے میری عدالت میں پیش کیا جائے۔ دوسرے روز مسیلمہ کذاب نے اپنی محفل جمائی۔ دائیں بائیں سرکش مریدوں کو بٹھایا۔ عوام الناس کو بھی دربار میں داخلے کی اجازت دے دی گئی۔ دربار جب لوگوں سے بھر گیا اور تل دھرنے کی جگہ باقی نہ رہی تو اس نے حکم دیا کہ اب حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو پیش کیا جائے۔ آپ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آہستہ آہستہ چل کر وہاں پہنچے۔

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ لوگوں کے جم غفیر کے درمیان بڑی شان و شوکت کے ساتھ سینہ تان کر اس طرح سیدھے کھڑے ہو گئے جیسے کوئی عمدہ قسم کا سیدھا نیزہ زمین میں گڑا ہوا ہوتا ہے۔

مسیلمہ نے ان کی طرف دیکھا اور کہا

کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟

فرمایا: ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

یہ سن کر غیظ و غضب سے مسیلمہ کی رگیں پھول گئیں اور کہا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ نے مذاق کے انداز میں کہا۔ میرے کان تیری بات سننے سے قاصر ہیں۔

یہ سن کر مسیلمہ کذاب کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ غصے سے ہونٹ کاٹنے لگے اور جلاد سے کہا۔ اس کے جسم

کا ایک حصہ کاٹ دو۔

جلاد نے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ پر تلوار سے زوردار وار کیا اور جسم کا ایک حصہ چشم زون میں کٹ کر زمین پر پھڑ

پھڑانے لگا۔

اس کے بعد مسیلمہ کذاب نے دوبارہ پوچھا۔

کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟

فرمایا: ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اس نے پوچھا: کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

آپ نے غصے سے کہا: میں نے تجھے پہلے نہیں بتایا تھا کہ تیری یہ بات سننے سے میرے کان قاصر ہیں۔

اس نے جلاو کو حکم دیا کہ اس کے جسم کا ایک اور حصہ کاٹ دیا جائے۔
تو اس کا حکم سن کر جلاو نے ایک اور وار کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جسم کا ایک اور حصہ کاٹ ڈالا۔ اب یہ دونوں
حصے ایک دوسرے کے برابر زمین پر پڑے پھڑ پھڑا رہے ہیں۔
مجمع دم بخود ٹکٹکی لگا کر یہ المناک منظر دیکھ رہا ہے۔ مسیلمہ سوال کر رہا ہے! جلاو تلواریں چلا رہا ہے اور حضرت
حبیب رضی اللہ عنہ دیوانہ وار کہے جا رہے ہیں۔
”میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔“

جسم کا نصف حصہ گوشت کے ٹکڑوں کی صورت میں زمین پر بکھرا ہوا ہے اور دوسرا نصف جو ابھی زندہ ہے
زبان حال سے پروردگار عالم کی واحدانیت کی گواہی دے رہا ہے۔ بالآخر ان کی پاکیزہ روح پرواز کر جاتی ہے
اور ان کے پاکیزہ لبوں پہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا نام ہے جن کے دست مبارک پر بیعت عقبہ کی
سعادت حاصل کی تھی۔
پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی دو جہاں ﷺ کا پاکیزہ نام مسلسل ان کی زبان پہ جاری رہا جب تک جسم میں
جان رہی۔

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ان کی والدہ ماجدہ کو ملی تو ارشاد فرمایا:
اسی لیے تو میں نے اپنے بیٹے کو تیار کیا تھا۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاں میں ثواب کی طالب ہوں۔ بچپن میں
میرے بیٹے نے رسول اقدس ﷺ کے دست مبارک پر بیعت عقبہ کی اور آج اس کا حق ادا کر دیا اور اگر اللہ
تبارک تعالیٰ نے مجھے قدرت دی تو میں مسیلمہ کو عبرتناک انداز میں موت کے گھاٹ اتار دوں گی کہ اس کی بیٹیاں
سینہ کو بی پر مجبور ہو جائیں گی۔

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے اس ولا ویز تمنا
کے اظہار کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ خلیفہ ثانی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے خلاف
جنگ کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ مسلمان و فوج شوق سے دوڑتے ہوئے مسیلمہ کذاب سے نہروا زما ہونے کے لئے
روانہ ہوئے۔ لشکر اسلام میں بنو مازن قبیلہ کی معزز و غیور خاتون حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ
حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شامل ہوئی۔

یمامہ کے مقام پر یہ خطرناک لڑائی لڑی گئی۔ میدان کارزار میں یہ غیور خاتون جرات و شجاعت کا پیکر بنے
ہوئے لڑ رہی تھی۔

اللہ کا دشمن کہاں ہے؟
مجھے اللہ کے دشمن کا پتہ بتاؤ۔

جب حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا اس تک پہنچی تو وہ اوندھے مونہہ زمین پر گرا ہوا تھا اور مسلمانوں کی تلواریں اس کا خون پی رہی تھیں۔ دشمن خدا میلہ کذاب کا یہ انجام دیکھ کر اس کا دل بہت خوش ہوا۔

آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی۔ بھلا دل سرور کیوں نہ ہوتا آنکھیں ٹھنڈی کیوں نہ ہوتیں کہ خالق و مالک کائنات اللہ ذوالجلال والا کرام کی قدرت و رحمت سے جو مسلمان شہید ہوئے وہ جنت میں گئے اور میلہ کذاب جہنم رسید ہوا۔

حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی جو مندرجہ بالا مضمون میں بیان کئے گئے ہیں ان کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

(اسد الغابہ جلد ۱، صفحہ ۴۴۳ - انساب الاشراف جلد ۴، صفحہ ۳۱۶ - الطبقات الکبریٰ جلد ۴، صفحہ ۳۱۶ - السیرۃ النبویہ لابن ہشام - الاصابۃ جلد ۱، صفحہ ۳۰۶ - ہداء الاسلام فی عہد النبوة)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم عالم خفا و غیوب مخبر صادق تاجدار کائنات سرور دو جہاں ﷺ نے فرمایا:

”جو کوئی کسی جنتی کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ عبداللہ بن سلام کو دیکھ لے۔“

حصین بن سلام یثرب (مدینہ طیبہ کا پرانا نام) میں ایک معروف یہودی عالم تھے۔ مدینہ کے تمام باشندے دینی اور قومی اختلافات کے باوجود ان کی دلی قدر کیا کرتے تھے۔ (حصین بن سلام) تقویٰ، نیکی، استقامت اور صداقت جیسی اعلیٰ و ارفع خوبیوں سے متصف تھے۔

حصین بڑی خوشگوار پر امن زندگی بسر کر رہے تھے اور ان کی زندگی دوسروں کے لئے مفید بھی تھی۔ انہوں نے اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔

ایک حصہ عبادت گاہ میں وعظ و نصیحت اور عبادت کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔

دوسرا حصہ اپنے باغ کی دیکھ بھال اور کھجوروں کی پیوند کاری کے لئے مخصوص تھا اور تیسرا حصہ دین میں بہتری، بھلائی کے لئے اور تورات پر غور و تدبر کے لئے مخصوص تھا۔

جب بھی حصین بن سلام تورات کی تلاوت کرتے تو ان آیات پر آ کر رک جاتے جن میں نبی آخر الزمان کی خوشخبری دی گئی تھی۔ یہ نبی منتظر کے اوصاف کو غور سے پڑھتے اور یہ دیکھ کر خوشی سے جھوم جاتے کہ وہ ان کے شہر یثرب میں ہجرت کر کے آئیں گے اور پھر یہیں مستقل رہائش اختیار کریں گے۔ جب بھی یہ آیات پڑھتے تو یہ دعا کرتے۔ الہی! میری عمر دراز فرما تا کہ میں نبی منتظر کو بچشم خود دیکھ سکوں، آپ کی ملاقات کا شرف حاصل کر سکوں اور سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والوں میں سے ہو سکوں۔

خالق و مالک کائنات اللہ جل شانہ نے حصین بن سلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، آپ کی زندگی میں نبی رحمت ﷺ کا ظہور ہوا اور آپ ﷺ سے ملاقات مصاحبت اور آپ پر اتاری گئی شریعت پر ایمان لانا ان کے مقدر میں لکھ دیا گیا۔

جناب حصین بن سلام کے اسلام قبول کرنے کی داستان انہی کی زبانی سماعت فرمائیں کیونکہ وہی اپنی آپ بیتی زیادہ عمدہ انداز میں بیان کر سکتے ہیں۔
حصین بن سلام فرماتے ہیں۔

میں نے حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے متعلق سنا تو میں نے آپ ﷺ کے نام حسب و نسب، صفات، ظہور پذیر ہونے کی جگہ اور وقت کا بغور جائزہ لیا تو میں نے آپ ﷺ کو بالکل اس کے مطابق پایا جو تورات میں لکھا ہوا تھا میں فوراً آپ ﷺ کی نبوت پر یقین لے آیا اور آپ کی ﷺ دعوت کی صداقت پر دل و جان سے ایمان لے آیا لیکن میں نے اپنی اس کیفیت کو یہودیوں سے چھپائے رکھا اور اس موضوع پر بات کرنے سے اپنی زبان کو اس وقت تک روکے رکھا جب تک کہ حضور پر نور رسول اللہ ﷺ مکہ سے سوئے مدینہ ہجرت کے ارادہ سے روانہ ہو گئے اور یثرب میں پہنچ گئے۔

جب آپ ﷺ یثرب پہنچے وادی قباء میں جلوہ افروز ہوئے تو ایک شخص آپ ﷺ کی تشریف آوری کی اطلاع دیتے ہوئے لوگوں میں منادی کرتا ہوا ہمارے پاس آیا۔ میں اس وقت کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں اتارنے میں مصروف تھا۔ میری پھوپھی خالدہ بنت حارث درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھی جب میں نے یہ منادی سنی تو درخت پر بیٹھے ہی میں نے با آواز بلند نعرہ مارا۔

اللہ اکبر..... اللہ اکبر

میری پھوپھی نے جب نعرہ سنا تو بولی خدا تجھے غارت کرے۔

بخدا اگر تو موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی آمد کے متعلق سنتا تو اس سے زیادہ خوشی کا اظہار نہ کرتا۔ میں نے کہا: پھوپھی جان خدا کی قسم یہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے بھائی ہیں اور انہی کے دین پر گامزن ہیں اور وہی شریعت دے کر بھیجے گئے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ وہ یہ باتیں سن کر خاموش ہو گئی اور پھر بولی کیا یہ وہی نبی ہے جس کے بارے تم ہمیں بتایا کرتے تھے کہ وہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور اپنے رب کے پیغامات کو مکمل طور پر پہنچانے والا ہوگا۔

میں نے کہا: ہاں

وہ کہنے لگی پھر تو ٹھیک ہے

میں اسی وقت حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچا۔ آپ کے دروازے پر لوگوں کا

اثر دھام تھا۔ میں لوگوں کو ہٹاتا ہوا آگے بڑھا حتیٰ کہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا سب سے پہلے میں نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ باتیں سنی۔
لوگوں سلام پھیلاد

رات کے وقت جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو تم نماز پڑھا کرو
اس طرح تم جنت میں سلامتی و امن کے ساتھ داخل ہو سکو گے۔
میں آپ کے چہرہ انور کو بڑے غور سے ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگا۔
مجھے یقین ہو گیا کہ پرانوار چہرہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ پھر میں اور قریب ہوا اور میں پکارا اٹھا
کہ

اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔
کلمہ سن کر آپ ﷺ نے میری طرف توجہ کی اور مجھ سے دریافت فرمایا:
آپ کا نام کیا ہے؟

میں نے عرض کی حصین بن سلام
آپ نے ارشاد فرمایا:

آج سے آپ کا نام عبداللہ بن سلام ہے۔
میں نے ادب سے نگاہیں جھکا لیں۔

اور عرض کی خدا کی قسم آج کے بعد میں اس کے علاوہ اپنا کوئی دوسرا نام رکھنا پسند نہیں کروں گا۔
پھر میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کی محفل سے اٹھا اور سیدھا اپنے گھر پہنچا۔ میں نے اپنی بیوی، اولاد اور
دیگر اہل خانہ کو اسلام کی دعوت دی۔ الحمد للہ سب مسلمان ہو گئے اور میری پھوپھی خالدہ بھی مسلمان ہو گئی اور وہ
خاصی عمر رسیدہ تھی۔

پھر میں نے اپنے اہل خانہ سے کہا:

میرے اور اپنے اسلام لانے کو یہودیوں سے اس وقت تک چھپائے رکھو جب تک میں تمہیں ظاہر کرنے
کی اجازت نہ دے دوں۔

انہوں نے کہا: بالکل ٹھیک

پھر میں حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچا اور عرض کی:
یا حضور پر نور رسول اللہ ﷺ

یہودی بہت بڑا افترا پرداز اور جھوٹی قوم ہے۔

میری رائے ہے کہ پہلے آپ ان کے سرداروں کے سامنے دعوت پیش کریں۔

مجھے اپنے کسی حجرے میں چھپالیں اور ان سے میرے متعلق دریافت فرمائیں کہ میرا ان کے دلوں میں کیا مرتبہ ہے؟ میرے اسلام قبول کرنے کا ابھی انہیں نہ بتائیں اگر پہلے انہیں بتا دیا گیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو یہ مجھ پر بہتان تراشی کی انتہا کر دیں گے۔

حضور انور رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک حجرے میں چھپا دیا۔

پھر یہودی سرداروں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں اسلام قبول کرنے کی ترغیب دینے لگے اور ایمان کی محبت ان کے دلوں میں ڈالنے لگے اور اپنے بارے میں تورات کے حوالے سے یاد دہانی کرانے لگے۔ وہ آپ سے جھگڑنے لگے بحث و مباحثہ کرنے لگے اور اسلام کو باطل مذہب ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگانے لگے۔

میں حجرے میں بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ جب آپ ﷺ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: حصین بن سلام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ سب نے بیک زبان کہا وہ ہمارے آقا ہیں۔ اس کا باپ بھی ہمارا آقا تھا۔ یہ بہت بڑے عالم ہیں۔ ان کا باپ بھی بہت بڑا عالم تھا۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو کیا تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے؟

انہوں نے کہا: یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اسلام قبول کرے۔ اللہ اسے اپنی پناہ میں رکھے بھلا وہ کیوں اسلام قبول کرے گا۔ یہ کلمات سنتے ہی میں حجرے سے باہر ان کے سامنے آ گیا اور میں نے کہا: یہودیو! اللہ سے ڈرو اور جو دعوت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تمہارے پاس لے کر آئے ہیں اسے قبول کر لو خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ کیا تم نے تورات میں ان کا نام اور صفات دیکھی نہیں۔ سن لو میں گواہی دیتا ہوں یہ اللہ کے رسول ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں ان کی تصدیق کرتا ہوں اور انہیں خوب اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ میری یہ باتیں سن کر سب نے بیک زبان کہا:

تو جھوٹ بولتا ہے خدا کی قسم تو شریر ہے تیرا باپ بھی بہت بڑا شریر اور فرسی تھا۔ تو خود بھی جاہل ہے اور تیرا باپ بھی پر لے درجے کا جاہل تھا غرضیکہ کوئی عیب نہ چھوڑا جو انہوں نے مجھ میں نہ نکال دیا ہو۔

میں نے رسول خدا ﷺ سے عرض کی۔ یا رسول اللہ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ قوم بڑی افتراء پرداز اور بہتان تراش ہے۔ یہ بڑے بے وفا اور بے حیا لوگ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام دین اسلام کی طرف یوں لپکے جیسے پیاسا پانی کے گھاٹ کی طرف لپکتا ہے۔

قرآن حکیم کی محبت ان کے دل میں گھر کر گئی۔ ان کی زبان پر ہمیشہ آیات قرآنی کا ورد جاری رہتا۔ وہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ساتھ سائے کی طرح رہنے لگے۔ انہوں نے اپنے آپ کو دین کے حصول کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں تک حضور پر نور رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے بشارت دی جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بہت مشہور ہوئی۔

اس بشارت کی داستان حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ میں ایک روز مسجد نبوی ﷺ میں حلقہ علم و حکمت میں بیٹھا ہوا تھا اس حلقے میں ایک شیخ تشریف فرما تھے جن کی طرف دل کھنچا جا رہا تھا اور طبیعت ان سے مانوس ہو رہی تھی۔ وہ لوگوں سے بہت پیارے اور میٹھے انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ جب وہ کھڑے ہوئے تو لوگوں نے کہا:

جو کوئی چاہتا ہے کہ کسی جنتی کو دیکھے تو اس شخص کو دیکھ لے۔

میں نے پوچھا یہ کون ہے؟

انہوں نے بتایا یہ عبداللہ بن سلام ہے۔

میں نے اپنے دل سے کہا:

خدا کی قسم میں ضرور اس کے پیچھے جاؤں گا اور پھر میں آپ کے پیچھے لگ گیا۔ وہ چلتے رہے قریب تھا کہ مدینہ سے باہر نکل جائیں۔ پھر وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ میں نے ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے مجھے اجازت دے دی۔

انہوں نے دریافت فرمایا:

فرمائیے سنائیے کیسے آنا ہوا۔

میں نے عرص کی جب آپ مسجد سے نکل رہے تھے تو میں نے قوم کو آپ کے متعلق یہ بات کہتے ہوئے سنا کہ ”جسے جنتی دیکھنا ہو تو وہ اس شخص کو دیکھ لے“ یہ سن کر میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا آیا تا کہ یہ بات معلوم کر سکوں کہ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ جنتی ہیں۔

آپ نے فرمایا: بیٹے اہل جنت کے بارے میں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ میں نے کہا یہ تو درست ہے لیکن لوگوں نے آپ کے متعلق جو رائے قائم کی ہے اس کی ضرورت کوئی وجہ ہے۔ وہ کہنے لگے میں تمہیں اس کا سبب بتاتا ہوں۔

میں نے عرض کی ضرورت بتائیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے!

وہ فرمانے لگے:

حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں میں ایک رات سویا ہوا تھا۔ میرے پاس ایک شخص آیا اس

نے مجھے کہا کھڑے ہو جاؤ میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میری بائیں جانب ایک راستہ تھا۔ جب میں نے اس پر چلنے کا ارادہ کیا تو اس نے مجھے کہا:

اس راستے کو چھوڑیے یہ آپ کے لئے نہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ میری دائیں طرف ایک واضح راستہ ہے۔ اس نے مجھ سے کہا۔ اس راستہ پر چلو۔ میں نے اس پر چلنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ میں ایک بہت وسیع سرسبز و شاداب باغ میں پہنچ گیا۔ اس باغ کے وسط میں لوہے کا ایک ستون تھا جس کی جڑیں زمین میں پیوست تھیں اور آخری سر آسمان سے باتیں کر رہا تھا اس کے اوپر ایک سونے کا حلقہ بنا ہوا تھا۔

اس شخص نے مجھے کہا کہ اس پر چڑھئے۔ میں نے کہا میں اس پر نہیں چڑھ سکتا۔ ایک خادم میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے اٹھا کر بلند کیا۔ میں نے چڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ستون کی بلندی تک پہنچ گیا۔ میں نے سونے کے حلقے کو اپنے ہاتھوں سے تھام لیا۔ میں اسی کے ساتھ چمٹا رہا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

جب صبح کو بیدار ہوا تو سیدھا حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچا اور آپ ﷺ کو خواب سنائی۔

آپ ﷺ نے خواب سن کر ارشاد فرمایا: جو تم نے اپنی بائیں طرف راستہ دیکھا تھا وہ اہل نار کا راستہ تھا اور جو تم نے اپنی دائیں طرف راستہ دیکھا وہ اہل جنت کا راستہ تھا اور جو تم نے سرسبز و شاداب باغ دیکھا وہ اسلام ہے اور جو اس کے وسط میں ستون دیکھا وہ دین ہے اور ستون کے اوپر جو سنہری حلقہ ہے وہ ”عروۃ وثقی“ (مضبوط گانٹھ جو کھل نہ سکے) ہے۔ تم مرتے دم تک اسی مضبوط کڑی کے ساتھ منسلک رہو گے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی جو مندرجہ بالا میں لکھے گئے ہیں ان کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

(الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۸۱۸۰ - اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۶، ۱۷۷ - الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۳۸۳، ۳۸۴ - المرح والترحیل جلد ۲ صفحہ ۶۳، ۶۴ - تجرید اسماء الصحابہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۸، ۳۳۹ - صفحہ المصنوعہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۳، ۳۰۴ - تاریخ خلیفہ بن خیاط صفحہ ۸ - البحر جلد ۱ صفحہ ۵۱ - شذرات الذهب جلد ۱ صفحہ ۵۳ - تاریخ الاسلام علامہ ذہبی جلد ۲ صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱ - تاریخ دمشق ابن عساکر جلد ۲ صفحہ ۳۳۲، ۳۳۳ - تذکرۃ الفقہاء جلد ۱ صفحہ ۴۳، ۴۴ - السیرۃ النبویۃ ابن ہشام - البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۱، ۲۱۲ - حیاۃ الصحابہ چوٹی جلد ۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

قارئین کرام! حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا اسی طرح کا ذکر اس سے پہلے بھی پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم عالم خفا و غیوب مخبر صادق سید المرسلین خاتم النبیین اصل الموجودات تاجدار کائنات ہادی انس و جان رسول بحر و بر ﷺ کے بارے میں خوشخبریوں، پیش گوئیوں کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ اب ان ہی کے بارے میں ایک دوسرے انداز سے پیش خدمت ہے۔ آپ کی تلاش حق کے لئے بہت ہی طویل محنت، لگن، جدوجہد اور بالآخر پچاس ساٹھ سال کی انتھک جستجو کے بعد حق کو لے کر آئے ہیں۔

نورام النور، نور رحمۃ للعالمین ۲۵۹ جلد دوم

پراز صبر و تحمل، پراز حکمت اور ولولہ انگیز ہے کہ بانیانِ دین اور دینِ متین سے محبت کرنے والے اسے مختلف رنگ و انداز میں بار بار پڑھنا چاہیں گے اور ہر بار انہیں خوشی و سرور ملے گا۔ ان کے حب اللہ، حب رسول اور حب دین اور ایمان میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا اور اسی لئے میں اسے دوسری بار بیان کرتے ہوئے بھی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔

وہ عظیم صحابی جسے بہت ساری قابلِ قدر خوبیوں کے سبب حضور پر نور، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے اسے ایک بہت ہی نرالے اعزاز و شرف سے نوازا۔ حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔
”سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہے“

قارئین کرام! مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وہ واحد صحابی رسول ہیں جنہوں نے حق کی تلاش میں عمر عزیز کا ایک طویل حصہ گزارا ہے۔ بلا مبالغہ آپ نے ایک عام آدمی کے جتنی اوسط عمر یعنی کہ کوئی چالیس پچاس سال تو حق کی تلاش میں گزارے ہیں اور اس دوران سفر بھی بہت لمبے لمبے کئے ہیں۔ وسط ایران سے عراق، عراق سے شام، شام کے شمالی علاقوں سے پھر شرقی عراق اور نہ جانے اسی طرح کے کتنے اور چکر لگانے پڑے ہیں۔ اس دوران پانچ چھ مذہبی شخصیتوں، بندگانِ خدا، پوپ، پادریوں کے ہاں بھی مختلف دور دراز کے علاقوں میں حق کی تلاش میں رہے اور ان کی دل و جان سے اطاعت و خدمت کی ہے۔

جب آخری پادری، نیک بندہ خدا نے یثرب کی طرف رہنمائی فرمادی تو اپنا سارا مال و متاع زندگی دے دیا کہ اسے اس جگہ میں کوئی پہنچا دے۔ لوگوں نے آپ کے ساتھ دھوکا کیا اور آپ کو بیچ ڈالا۔ پھر آپ کو مالکوں کی نوکری کرنی پڑی اور نہ جانے کتنی جان جوکھوں کے بعد آپ کا یثرب پہنچنا ہوا اور یہاں بھی بطور ایک غلام یا خادم کے پہنچے۔

آپ کے ماضی کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ یثرب پہنچ کر بھی آپ کو پانچ، سات سال تو حق، دین حق کے پالنے سے پہلے خوب غلامی، نوکری خدمت کرنا پڑی ہے۔

لیجئے اب اس نازوں پلے حق کے متلاشی کی ناقابلِ یقین، لیکن حقیقت پر مبنی ایمان افروز داستان سنئے۔
یہ ایک ایسے عظیم شخص کی داستان ہے جو حقیقی منزل کو حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا اور اللہ تبارک تعالیٰ (یعنی کہ حق) کی تلاش میں مسلسل سرگرداں رہا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی کہانی ہم آپ کو انہی کی زبانی سناتے ہیں۔ یقیناً جس عمدگی اور خوبصورتی سے وہ اپنی آپ بیتی بیان کر سکتے ہیں کوئی دوسرا تو وہ انداز نہیں اپنا سکتا۔ بلاشبہ اس سلسلہ میں جس طرح ان کے اپنے احساسات، حالت و حالات و انداز بیان صداقت و حقیقت پہ مبنی ہو سکتا ہے کوئی بھی دوسرا یہ حق ادا نہیں کر سکتا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اصفہان کے علاقہ کا ایک فارسی النسل نو جوان تھا۔ جس بستی

میں ہم رہائش پذیر تھے۔ وہ جستی کے نام سے مشہور تھی۔ میرا باپ اس بستی کا سردار تھا اور وہ تمام بستی والوں میں زیادہ مالدار اور رعب و دبدبہ کا مالک تھا۔ پیدائش کے دن سے میرے ساتھ اسے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیار تھا۔ جوں جوں میری عمر بڑھتی گئی اس کی مہر و محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔ مجھے گھر کی چار دیواری میں اس طرح پابند کر دیا گیا جس طرح دو شیراؤں کو گھروں میں پابند کر دیا جاتا ہے۔

میں نے ”محبت کے اس قید خانہ میں“ آتش پرستی، مجوسیت کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ اس میں بہت زیادہ محنت کی اور اس میدان میں خاص مقام پیدا کر لیا۔ بالآخر مجھے اس آگ کا نگران بنا دیا گیا جس کی ہم پوجا کیا کرتے تھے۔ اسے لگا تار جلانے رکھنے کی ذمہ داری کلی طور پر مجھ پر تھی۔ میں اسے دن رات ایک لحظہ کے لئے بھی بجھنے نہ دیتا۔

میرا والد بہت بڑا جاگیردار تھا۔ سالانہ وافر مقدار میں غلہ ہمارے گھر آتا۔ روزانہ اس جاگیر کی دیکھ بھال میرے والد کا معمول تھا۔ ایک دن وہ کسی ضروری کام میں مشغول ہو گئے اور مجھے حکم دیا! بیٹا میں آج کھیتوں میں نہیں جاسکوں گا۔ میری جگہ آپ جائیں اور کھیتوں کی نگرانی کریں۔ میں گھر سے تو اپنی جاگیر کی نگرانی کرنے کے لئے نکلا لیکن راستہ میں ایک گر جا کے پاس سے گزرا جس میں عیسائی اپنی عبادت پوجا پاٹ میں مصروف تھے۔ مجھے ان کا طرز عبادت بہت پسند آیا۔

مجھے ان دنوں عیسائیت یا دیگر ادیان کے متعلق کچھ علم نہ تھا۔ اس لیے کہ میرا والد مجھے گھر سے کسی وقت باہر نکلنے ہی نہ دیتا تھا۔ اس روز جب میں نے گر جا کے اندر سے عیسائیوں کی اجتماعی آوازیں سنیں تو میں بے اختیار اس کے اندر چلا گیا۔ جب میں نے غور سے انہیں دیکھا کہ وہ سب عبادت میں مصروف ہیں تو مجھے ان کی عبادت کا انداز بہت پسند آیا اور میں ان کے دین کی طرف راغب ہو گیا۔

میں نے اپنے دل میں کہا:

خدا کی قسم! یہ دین تو اس سے کہیں بہتر ہے جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔ بخدا میں غروب آفتاب تک وہیں رہا اور اس دن کھیتی باڑی کی نگرانی کے لئے نہ گیا۔

میں نے عبادت گاہ یا گر جا والوں سے دریافت کیا! اس دین کا مرکز کہاں ہے؟ انہوں نے مجھے بتایا شام میں جب رات ہوئی تو میں اپنے گھر واپس لوٹ آیا۔ باپ نے مجھ سے پوچھا! آج دن بھر آپ نے کون کون سا کام سرانجام دیا؟

میں نے عرض کی! ”ابا جان آج کھیتوں کی طرف جاتے ہوئے میرا ایک کہنہ (گر جا گھر) کے پاس سے گزر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ اندر عبادت میں مصروف ہیں۔ مجھے ان کی عبادت کا انداز بہت پسند آیا۔ شام تک میں انہیں کے پاس بیٹھا رہا۔ میرا باپ یہ باتیں سن کر گھبرا گیا اور اس نے اپنا دل پکڑ کر کہا بیٹا اس دین میں

کوئی خیر و بھلائی نہیں تیرے آباؤ اجداد کا دین اس سے کہیں بہتر ہے۔

میں نے کہا ”ابا جان ہر گز نہیں“

”خدا کی قسم! ان لوگوں کا دین ہمارے دین سے بہت بہتر ہے!“ میرا باپ میری جانب سے یہ جواب سن کر بہت پریشان ہوا۔ اسے اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں میں اپنے آبائی دین سے منحرف نہ ہو جاؤں۔ اس نے مجھے گھر میں قید کر دیا اور میرے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔

ایک دن مجھے موقع ملا تو میں نے گرجے میں یہ پیغام بھیجا۔ ”جب کوئی ملک شام کو جانے والا قافلہ آپ کے ہاں سے گزرے تو مجھے ضرور اطلاع دینا“۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ایک قافلہ وہاں پہنچا جو شام جا رہا تھا۔ اہل کینسہ (عبادت گھر گرجا) نے مجھے اطلاع کر دی۔ میں نے زنجیر توڑنے کے لئے پورے زور سے جھٹکا دیا، زنجیر ٹوٹ کر دور جا گری اور میں چپکے سے باہر نکل آیا اور قافلے کے ساتھ ہولیا۔ کچھ عرصہ بعد ہم شام پہنچ گئے۔ وہاں میں نے دریافت کیا:

اس ملک میں سب سے اعلیٰ مذہبی شخصیت کون ہے؟

لوگوں نے مجھے بتایا:

چرچ کا نگران اعلیٰ ”پوپ“!

میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے عیسائیت میں دلچسپی ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ میں آپ کے پاس رہوں، عیسائی مذہب کی تعلیم حاصل کروں اور آپ کی رہنمائی میں عبادت کروں۔

میری گزارش و عرض سن کر اس نے مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دی۔ میں نے جی بھر کر اس کی خدمت کی لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ آدمی اچھا نہیں ہے۔ یہ اپنے پیروکاروں کو صدقہ و خیرات کرنے کا حکم دیتا اور جب وہ اپنے مال و متاع لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوتے تاکہ اس کی معرفت صدقہ خیرات کیا جائے تو یہ سب مال خود ہڑپ کر جاتا۔ فقراء و مساکین کو اس میں سے کچھ نہ دیتا۔ اس طرح اس نے سات مہینے سونے اور چاندی سے بھر لئے۔

جب میں نے اس کی یہ حرکات دیکھیں تو مجھے وہ شخص بہت برا لگا لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد موت نے اسے آلیا۔ عیسائی پیروکار جب اسے دفن کرنے لگے تو میں نے ان سے کہا:

تمہارا مذہب ہی سردار کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔ یہ تمہیں تو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا اور جب اس کے ترغیب دلانے پر تم اپنا مال اس کے پاس جمع کراتے تاکہ یہ اپنے ہاتھ سے غرباء و مساکین میں تقسیم کر دے تو یہ سب مال خود ہڑپ کر جاتا اس میں سے ایک پائی بھی کسی مسکین کو نہ دیتا۔

انہوں نے مجھ سے کہا۔

آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟

میں نے کہا! تمہیں اس کا خفیہ خزانہ بتا دیتا ہوں۔

انہوں نے کہا ہاں بتائیے!

میں نے انہیں وہ خفیہ جگہ بتائی جہاں اس نے مال دبا رکھا تھا۔ جب انہوں نے سونے اور چاندی کے بھرے ہوئے سات مٹکے دیکھے تو انگشت بدنداں رہ گئے۔ انہوں نے وہ مٹکے وہاں سے نکال لیے اور سب نے فیصلہ کیا کہ اسے دفن نہ کیا جائے بلکہ سولی پہ لٹکا کر اس پر پتھر برسائے جائیں اور اس کے ساتھ بالآخر یہی سلوک کیا گیا۔

چند دن گزرنے کے بعد لوگوں نے ایک دوسرے شخص کو اپنا مذہبی رہنما منتخب کر لیا۔ میں نے اس کی خدمت شروع کر دی اور اس سے تعلیم حاصل کرنے لگا۔ میں نے دیکھا یہ شخص تو بہت بڑا زاہد آخرت کا متمنی اور دن رات عبادت میں مصروف رہنے والا ہے۔ اس کے یہ اوصاف دیکھ کر مجھے اس سے بے انتہا عقیدت و محبت ہو گئی۔ میں اس کی خدمت میں بہت عرصہ تک رہا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں بہت افسردہ ہوا۔ روتے ہوئے اس کی خدمت میں عرض کی۔ حضرت میں اب کہاں جاؤں؟ میرے لئے کیا حکم ہے؟ میں کس سے تعلیم حاصل کروں؟

اس نیک و متقی پادری پوپ یا بشپ نے کہا کہ یہاں تو کوئی نیک عیسائی خدا کا بندہ مجھے نظر نہیں آتا۔ خدا کے نیک بندے سب بیت گئے ہیں اور باقی طالب دنیا ہی رہ گئے ہیں جنہوں نے مذہب میں رد و بدل کر ڈالا ہے اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ البتہ موصل میں ایک دین کا سچا عامل ضرور ہے۔ تم اس کے پاس چلے جاؤ۔

جب یہ میرا یہ مذہبی رہنما فوت ہو گیا تو میں عجیب و غریب فیمن سے فارغ ہو کر سیدھا موصل روانہ ہو گیا اور اس شخص سے ملاقات کی جس کے متعلق مجھے بتایا گیا تھا۔ میں نے اپنا تعارف کرانے کے بعد عرض کی! مجھے فلاں پادری نے مرنے سے پہلے وصیت کی تھی کہ میں آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر مذہبی تعلیم حاصل کروں۔ انہوں نے آپ کے متعلق مجھے یہ بھی بتایا کہ آپ ان کے مشن (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم پر) قائم ہیں۔ وہ میری باتوں سے متاثر ہوا اور اپنے پاس رہنے کی اس نے مجھے بخوشی اجازت دے دی۔

میں نے اس پادری کو بھی بہت بہتر پایا۔ یہ بھی پہلے مذہبی رہنما کی طرح زاہد عابد متقی اور خدا ترس انسان تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کا آخری وقت بھی آ پہنچا۔ میں نے افسردہ ہو کر کپکپاتے ہونٹوں سے عرض کی۔ حضرت آپ جانتے ہیں کہ میں کس تلاش میں گھر سے نکلا ہوں؟ کیوں میں نے ناز و نعم کی زندگی کو خیر باد کہا ہے؟ کیوں میں نے پھولوں کی بیج چھوڑ کر خاردار وادی میں قدم رکھا ہے؟ حضور اب میرے لئے کیا حکم ہے۔

میں کدھر جاؤں، کہاں کا رخ کروں، کسے اپنا رہنما بناؤں، کس سے یہ مذہبی تعلیم حاصل کروں؟ اس نے میری معصومانہ حالت کو دیکھ کر کپکپاتے ہونٹوں اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے ارشاد فرمایا: بیٹا نصیب نامی بستی میں فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ، وہ ہمارے مشن (تعلیم عیسیٰ علیہ السلام) پر قائم ہے۔ اسے میرا سلام کہنا اور بتانا کہ میں نے تمہیں اس کے پاس بھیجا ہے۔

جب اسے بھی لحد میں اتار دیا گیا تو میں سیدھا اس مذہبی رہنما کے پاس پہنچ گیا جو بستی نصیب میں رہتا تھا۔ میں نے اپنا تعارف کرانے کے بعد اپنے سابقہ مذہبی رہنما کا سلام پیش کیا اور یہ پیغام بھی دیا کہ انہوں نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ میں مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا متمنی ہوں اور کامل استاد کی تلاش میں آپ کے پاس پہنچا ہوں۔

اس نے میری باتیں سن کر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور حصول علم کے لئے اپنے پاس رہنے کی اجازت بھی دے دی۔ یہ بھی پہلے دونوں کی طرح بڑا زاہد، عابد، متقی اور خدا ترس انسان تھا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اسے بھی اجل نے زیادہ مہلت نہ دی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے افسردگی کے عالم میں ان کے سرہانے بیٹھ کر عرض کی۔ حضرت آپ میری تمنا کو جانتے ہیں۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟

اپنے درد کا حال کے سناؤں، کسے اپنا رہنما بناؤں۔ اب کون میرے زخموں پہ مرہم لگائے گا؟ اس نے میری کیفیت دیکھ کر بڑے ہی مشفقانہ انداز میں کہا۔ بیٹا عموریہ بستی میں فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ۔ وہ ہمارے مشن پر قائم ہے۔ تجھیز و تدفین سے فارغ ہو کر میں اس سے جا ملا۔ اپنا تعارف کرانے کے بعد سابقہ مذہبی رہنما کا اسے پیغام دیا تو اس نے مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ یہاں مجھے کاروبار کے مواقع بھی میسر آئے۔ کاروبار میں بہت برکت ہوئی جس سے بہت سی گائیں اور بکریاں میرے پاس جمع ہو گئیں۔

لیکن قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ انہیں بھی زیادہ مہلت نہ ملی۔ جب موت کا وقت قریب آیا تو میں نے حسب معمول عرض کی۔ حضرت اب میرے لیے کیا حکم ہے؟ اس نے مجھے یہ بات بتائی۔ کہنے لگا خدا کی قسم روئے زمین پہ اب کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہا جو ہمارے مشن پر قائم ہو۔ لیکن سرزمین عرب میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے جو دین ابراہیمی لے کر آئے گا۔ پھر وہ اپنے وطن سے ایک ایسے علاقے کی طرف ہجرت کرے گا جہاں سیاہ خشک پتھروں کے درمیان کھجوروں کے باغات ہوں گے۔ اس کی چند ایک واضح نشانیاں بھی ہوں گی۔ وہ ہدیہ تو کھالے گا لیکن صدقہ کی چیز نہیں کھائے گا اور اس کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ اگر آپ وہاں جانے کی شوق و ہمت رکھتے ہو تو میری نصیحت ہے ضرور جائیں اور ان سے ضرور ملیں۔

(دلائل النبوة جلد ۱، صفحہ ۳۵۸، ۳۶۳۔ السیرۃ الخلیہ صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰)

اس مذہبی رہنما کی وفات کے بعد میں بہت عرصہ تک عموریہ بستی میں رہا۔ ایک مرتبہ قبیلہ بنو کلب کے عرب تاجر یہاں سے گزرے۔ میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہم فلاں جگہ کے رہنے والے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ تو میں اس کے عوض یہ سب گائیں اور بکریاں تمہیں دے دوں گا۔

انہوں نے کہا، ہمیں یہ سودا منظور ہے۔

میں نے سارا مال ان کے حوالے کر دیا اور انہوں نے مجھے اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ جب ہم وادی القرئی میں پہنچے تو انہوں نے میرے ساتھ دھوکا کیا اور مجھے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ مجھے مجبوراً اس کی غلامی میں رہنا پڑا۔

کچھ عرصہ بعد اس یہودی کے پاس بنو قریظہ میں سے اس کا چچا زاد بھائی اس سے ملنے آیا۔ میرے یہودی مالک نے مجھے یثرب کے اس یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ وہ مجھے لے کر یثرب آیا جو نبی میں نے اس شہر کو دیکھا میں نے اس کو پہچان لیا اور میں اپنے مالک کا غلام بن کر وہاں حضور انور نبی کریم ﷺ کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے معلوم ہوا کہ مکہ میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے۔ میں غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اپنی مرضی سے وہاں جا نہیں سکتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ کا پیارا رسول ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے قبا میں تشریف فرما ہوا۔ ایک روز میں اپنے مالک کے نخلستان میں کھجور کے درختوں کی خدمت میں مصروف تھا کہ میرے مالک کا چچا زاد بھائی آیا اور کہنے لگا اوس اور خزرج کا ستیاناس ہو یہ لوگ اس مسافر کے ارد گرد جمع ہیں جو مکہ سے ترک وطن کر کے قبا میں پہنچا ہے اور اس کے بارے میں وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ نبی ہے۔

میں نے جب یہ بات سنی تو مجھ پر کچھ طاری ہو گئی۔ میں کچھ کے ایک درخت پر چڑھا ہوا تھا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں میں اپنے مالک کے اوپر نہ جا گروں اس لئے میں اتر آیا اور میں نے پوچھا کہ تم کیا بات کر رہے تھے۔ میرے مالک نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور مجھے ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور غصہ سے کہا تجھے اس بات سے کیا واسطہ تم اپنا کام کرو۔ میں نے کہا میرا اس خبر سے تو کوئی واسطہ نہیں لیکن میں نے ایک بات سنا میں نے چاہا کہ اس بارے میں تصدیق کر لوں۔

پھر ایک شام اپنے فارغ وقت میں جب میرے پاس کھانے کی کوئی چیز (کھجور) تھی میں قبا میں حضور نے نور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ ﷺ نیک شخص ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے ساتھی بھی ہیں اور آپ ﷺ مسافر ہیں۔ میرے پاس صدقہ کا کچھ طعام ہے میں سمجھتا ہوں آپ لوگ سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں لیجئے اسے تناول فرمائیے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور پر نور رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک تو اس صدقہ کے طعام سے روک لیا اور اپنے ساتھیوں کو فرمایا

کھاؤ اور خود نہ کھایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ ﷺ کے بارے میں جو نشانیاں مجھے بتائی گئی تھیں ان میں سے ایک نشانی پوری ہوگئی کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے۔

پھر کچھ روز بعد حضورِ انور نبی کریم ﷺ قبا سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ چند روز بعد میں کوئی چیز لے کر مدینہ منورہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے اب میں یہ چیز بطور ہدیہ میں لے آیا ہوں یہ صدقہ نہیں ہے۔ اسے قبول فرمائیے اور تناول کیجئے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور پر نور رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے اسے تناول فرمایا۔ میں نے دل میں کہا دو نشانیاں پوری ہو گئیں۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ کو مدینہ تشریف لائے ہوئے کچھ ماہ ہو گئے دن گزرتے گئے۔ سلمان ایک غلام کی زندگی بسر کرتے رہے اور اس تجسس میں رہے کہ اس کے راہب نے اس نبی کے بارے میں جو نشانیاں انہیں بتائی تھیں کیا حضور ﷺ کی ذات باصفات میں وہ نشانیاں مکمل طور پر پائی جاتی ہیں۔

ایک دن میں حضور پر نور عالم خفا و غیوب نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ اپنے ایک نیازمند کے جنازہ کے سلسلہ میں بقیع شریف میں تشریف فرما تھے۔ میں پیچھے مڑا کہ میں پشت مبارک پر ختم نبوت کا مشاہدہ کروں۔ جب حضور انور سرکارِ دو عالم عالم خفا و غیوب ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے سے گھوم کر آیا ہوں تو پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور تاجدارِ کائنات عالم خفا و غیوب ﷺ نے اپنی پشت مبارک پر پڑی ہوئی چادر اٹھالی۔ حضور انور ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان ختم نبوت کو میں نے دیکھ لیا، موجود پایا جس طرح میرے راہب نے مجھے بتایا تھا تو میں جذبات سے بے قابو ہو کر گر پڑا۔ میں وارنگی میں حضور انور ﷺ کو بوسے دے رہا تھا اور رو رہا تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ آگے آؤ میں اٹھ کر حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنی ساری داستان پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ہادی انس و جان حضور پر نور ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اس واقعہ کو اس دن سنا دینے کے بعد نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اے سلمان! جس طرح تم نے ہمیں یہ اپنی ساری داستان سنائی ہے اسی طرح اور صحابہ کرام کو بھی سناؤ۔ حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق میں نے حضور ﷺ کے صحابہ کرام کو بھی مفصل اپنی کہانی سنائی تھی۔

میں غلام تھا اور اپنے آقا کی خدمت گزاری میں دن رات مشغول رہتا تھا۔ اس لئے بدر اور احد کے غزوات میں میں شرکت کی سعادت سے محروم رہا۔ ایک روز نبی کریم سرکارِ دو عالم رؤف و رحیم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ اے سلمان! اپنے مالک کے ساتھ مکاتبہ کرو۔ پس میں نے اپنے مالک کے ساتھ اس شرط پر مکاتبہ کی کہ میں اسے کھجور کے تین سو پودے لگا کر اور ہرے کر کے دوں گا۔ ان کے علاوہ چالیس اوقیہ چاندی پیش

کروں گا۔

جب میں نے اس کی اطلاع سرکارِ دو عالم کو دی تو حضور انور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دیا ”اعینوا احاکم“ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ انہوں نے میری مدد کی۔ کسی نے کھجور کے تیس پودے کسی نے بیس کسی نے پندرہ کسی نے دس دیئے یہاں تک کہ تین سو پورے ہو گئے۔ حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے سلمان جاؤ ان پودوں کے لئے گڑھے کھودو اور جب اس کام سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آؤ۔ میں خود ان پودوں کو اپنے ہاتھ سے لگاؤں گا۔

میں نے جا کر تین سو گڑھے کھودے جس میں میرے دینی بھائیوں نے بھی میرا ہاتھ بٹایا۔ پھر میں نے حاضر ہو کر عرض کی۔ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور رسول اللہ ﷺ مجھے ہمراہ لے کر اس جگہ کی طرف گئے۔ ہم وہ پودے اٹھا کر حضور پر نور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور حضور انور نبی کریم ﷺ و رحیم ﷺ اپنے دست مبارک سے ان گڑھوں میں لگاتے جاتے تھے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ”مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں سلمان کی جان ہے کہ ان میں سے ایک پودا بھی نہیں مرا سب کے سب ہرے ہو گئے۔“

لیکن ابھی چالیس اوقیہ چاندی کی ادائیگی میرے ذمہ باقی تھی۔ ایک روز مرغی کے انڈے کے برابر سونا کسی کان سے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا گیا۔ حضور انور ﷺ نے دریافت کیا اس فارسی مکاتب کا کیا بنا؟ میں حاضر ہوا حضور انور نبی کریم ﷺ نے وہ سونے کا انڈا مجھے دیا اور فرمایا کہ جو بقیہ زر مکاتب تیرے ذمہ ہے وہ اس سے ادا کر دو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ کثیر زر مکاتب ایک بیضہ زر (انڈے کے برابر سونے) سے کیونکر ادا ہوگا۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور قاسم خزائن الہی (اللہ کے خزانے بانٹنے والے) ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اے لے لو یہ قلیل نہیں بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ اسی سے سارا زر مکاتب ادا کر دے گا۔“ میں نے لے لیا اپنے مالک کے پاس گیا اور اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں سلمان کی جان ہے اسی مرغی کے انڈے کے برابر سونے سے چالیس اوقیہ وزن کر کے میں نے انہیں ادا کر دیئے اور یوں میں نے اس یہودی کی غلامی سے نجات پائی۔ اب میں آزاد تھا۔ ہر وقت حضور انور نبی کریم ﷺ و رحیم ﷺ کی خدمت اقدس میں رہتا۔ پہلی جنگ غزوہ خندق تھی جس میں ایک آزاد مومن کی حیثیت سے میں نے شرکت کی اور اس کے بعد کوئی جہاد ایسا نہیں ہوا جس میں میں نے شمولیت نہ کی ہو۔

(السيرة النبوية ابن هشام جلد ۱ صفحہ ۲۵۲۳۲ - الارواح الناف - دیگر کتب سیرت)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے تفصیلی حالات زندگی کے اس مضمون میں دیئے گئے حوالہ جات کے علاوہ

درج ذیل بھی اس کے حوالہ جات ہیں۔

(الاصابہ جلد ۳ صفحہ ۱۱۲-۱۱۳- الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۵۶-۵۵۸- الجرح والتعديل ۲ صفحہ ۲۹۶-۲۹۷- اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۸-۳۲۹- تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۱۵- تقریب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۳۷-۱۳۸- الجمع بین رجال المحققین جلد ۱ صفحہ ۱۹۳- طبقات الشرائع صفحہ ۳۱۳- صفحہ الصفوة جلد ۱ صفحہ ۲۱۰-۲۲۵- شذرات الذهب جلد ۱ صفحہ ۴۴- تاریخ الاسلام للذہبی جلد ۲ صفحہ ۱۰۸-۱۰۹- سیر اعلام النبلاء جلد ۱ صفحہ ۳۶۲-۳۰۰)

حضرت نعمان بن مقرن المزنی رضی اللہ عنہ

بعض گھرانے ایمان کا گہوارہ ہوتے ہیں اور بعض خاندان نفاق کی آماجگاہ بلاشبہ بنو مقرن کا گھرانہ ایمان کا گہوارہ ہے (ارشاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ)

قبیلہ مزینہ نے اپنی قیام گاہیں مدینہ طیبہ کے قریب ہی اس سڑک پر بنا رکھی تھیں جو مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کی طرف جاتی تھی۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے۔ قبیلہ مزینہ کے پاس آنے جانے والوں کی وساطت سے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی طرف متعلق خوش آئند خوشگوار خوش کن خبریں پہنچنے لگیں۔

ایک شام قوم کے سردار حضرت نعمان بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں اور قبیلے کے بزرگوں کے پاس بیٹھے اور سب کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

میری قوم بخدا ہمیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق عمدہ اور بہتر خبریں ہی معلوم ہوئیں۔ آپ ﷺ کی دعوت رحمت، احسان اور عدل و انصاف پر مشتمل ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ہم پیچھے رہتے جا رہے ہیں اور لوگ آپ ﷺ کی دعوت قبول کرنے کے لیے آپ ﷺ کی طرف سرپٹ دوڑے جا رہے ہیں۔

اور ساتھ ہی فرمانے لگے:

میں تو پختہ ارادہ کر چکا ہوں کہ صبح حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ آپ میں سے جو شخص میرے ساتھ جانا چاہے وہ تیار ہو جائے، نعمان کی باتیں اہل مجلس کے دلوں میں اتر گئیں۔

صبح ہوئی تو آپ کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کے دس بھائی اور قبیلہ مزینہ کے چار سو (400) شہسوار آپ کے ہمراہ مدینہ طیبہ جانے کے لیے تیار ہیں تاکہ حضور انور نبی کریم ﷺ کی زیارت اور دین الہی کو قبول کرنے کی سعادت حاصل کر سکیں۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ خالی ہاتھ جانا مناسب نہیں، حضور انور نبی کریم ﷺ اور مسلمان بھائیوں کے لیے کچھ تحائف ضرور ساتھ لے جانے چاہئیں۔ لیکر قحط سالانہ کی غار گھر اور میر

فراوانی نہ رہی تھی۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اور تمام بھائیوں کے گھر چکر لگایا اور جو کچھ بھی ہاتھ لگا اپنے ساتھ لے لیا اور خاندان کے جملہ احباب کو اپنے ساتھ لے کر سوئے مدینہ روانہ ہو گئے۔

حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ کر تمام تحائف آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیئے، آپ اور آپ کے تمام رفقاء رسول اللہ ﷺ کے روبرو حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

ان کے ایمان لانے سے مدینہ طیبہ کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک مسلمانوں کے گھروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ اس سے پہلے کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ ایک گھرانے سے دس حقیقی بھائیوں اور چار سو (400) شہسواروں نے بیک وقت اسلام قبول کیا ہو۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے پیغمبر اول و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ کو بھی بے انتہا (سرت) ہوئی۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے اس وفد کے تحائف کو بھی شرف قبولیت بخشا اور قرآنی آیات (سورہ توبہ آیت ۹۹) نازل فرمائیں۔

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبَتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۖ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۖ سَيَدْخِلُھُمْ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ: ”اور بدویوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں تقرب کا اور رسول ﷺ کی طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں ہاں! وہ ضرور ان کے لیے تقرب کا ذریعہ ہے اور اللہ ضرور ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“ (سورہ توبہ آیت ۹۹)

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے آ کر تمام غزوات میں پوری بہادری و جوانمردی سے حصہ لیا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت نعمان رضی اللہ عنہ اور ان کی پوری قوم بنو مزینہ نے فتنہ ارتداد کو دبانے کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تو حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ تاریخ اسلام میں جنہیں ہمیشہ قابل ستائش حیثیت حاصل رہے گی۔

جنگ قادسیہ سے پہلے سپہ سالار لشکر اسلام حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں کسریٰ کی طرف ایک وفد بھیجا تا کہ وہ اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرے۔ جب یہ وفد

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ————— ۹۲۶۹۵ ————— جلد دوم

ایران کے دارالحکومت پہنچا اور شاہ ایران سے ملنے کی اجازت طلب کی تو اسے اجازت دے دی گئی۔
اور ایک ترجمان کو بھی بلا لیا گیا۔

کسریٰ نے ترجمان کو حکم دیا: ان سے پوچھو کہ یہاں کیوں آئے ہو؟ ہم سے کیوں جنگ کرنا چاہتے ہو؟
تمہیں کسی لالچ نے گھیر رکھا ہے! یا ہماری بے پروائی کی بنا پر تمہیں یہ جرأت ہوئی۔

یہ بات سن کر حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: شاہ ایران کی بات کا
جواب میں دوں یا تم میں سے کوئی جواب دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔

سب نے کہا آپ ہی اس سے بات کیجئے۔ پھر سب نے بیک زباں ہو کر کسریٰ سے کہا: یہی ہماری
ترجمانی کریں گے ان کی باتیں ذرا غور سے سنو!

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے حمد و صلاۃ کے بعد ارشاد فرمایا: اللہ تبارک تعالیٰ نے ہم پر بہت بڑا کرم کیا کہ ہماری
طرف اپنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا جو ہمیں نیکی کا حکم دیتا ہے اور ہر قسم کے شر سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور انہوں
نے ہم سے یہ وعدہ کیا ہے کہ اگر ہم ان کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں تو اللہ تبارک تعالیٰ دنیا و آخرت کی بھلائی
سے سرفراز فرمائے گا۔

تھوڑے ہی عرصے میں اللہ تبارک تعالیٰ نے ہماری تنگی کو فراخی میں، ہماری ذلت کو عزت میں اور ہماری
عداوت کو اخوت میں بدل دیا۔ انہوں نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کو اس خیر و برکت کی طرف دعوت دیں
اور اپنے ہمسایوں سے اس کا آغاز کریں۔

ہم تمہیں دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا نظریہ حیات ہے جس نے ہر نیکی
کے کام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اس کی ترغیب دلائی اور ہر قسم کی برائی کو برا گردانا اور اس سے بچنے کی
تلقین کی۔ اور یہ اپنے ماننے والوں کو کفر کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر نور ایمان کی بلندیوں تک پہنچا دیتا ہے۔

اگر تم اسلام قبول کر لو گے تو ہم تمہارے پاس اللہ کی کتاب چھوڑ جائیں گے۔ تم اس کے احکام کے مطابق
نظام حکومت کو استوار کرنا! ہم تمہارے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کریں گے۔

اگر تم نے دین الہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو پھر ہم تم سے جزیہ وصول کریں گے اور تمہاری حفاظت
کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔ لیکن اگر تم نے جزیہ دینے سے انکار کر دیا تو ہماری تم سے جنگ ہوگی۔

کسریٰ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں سن کر مشتعل ہو گیا۔ اور کہنے لگا: میری نظر میں روئے زمین پر تم
سے زیادہ بد بخت پر اگندہ حال و گری ہوئی اور کمزور کوئی اور قوم نہ ہوگی۔

ہم تمہارا معاملہ سرحدی حکمرانوں کے سپرد کر دیں گے وہ تمہیں ہمارا مطیع بنائیں گے۔ پھر غصہ ذرا نرم ہوا تو
کہنے لگا:

اگر کسی ضرورت نے تمہیں ہمارے پاس آنے پر مجبور کیا ہے تو ہم تمہیں اتنا غلہ دیں گے جس سے تمہارے گھروں میں خوشحالی آجائے گی۔ اس کے علاوہ تمہیں اور تمہارے سرداروں کو عمدہ لباس بھی مہیا کریں گے۔ اور اپنی طرف سے تم پر ایک ایسا حکمران بھی مقرر کریں گے جو تمہارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے گا۔

یہ باتیں سن کر وفد کے ایک رکن نے کسریٰ شاہ ایران کو خوب خوب سنائیں جس سے اس کے غصے کی آگ پھر بھڑک اٹھی اور غضبناک انداز میں کہنے لگا: اگر قاصدوں کے تحفظ کا بین الاقوامی معاہدہ نہ ہوتا تو آج میں تمہیں قتل کر دیتا۔

میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ، میرے پاس تمہارے لیے کچھ نہیں! اپنے سالار کو جا کر بتا دینا کہ میں تمہاری طرف رستم کو بھیجوں گا۔ وہ تمہارے سردار اور تمہیں ایک ساتھ قادیسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا۔ پھر اس نے مٹی کا ایک تھیلا منگوایا، اور اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ یہ تھیلا ان میں سے اس شخص کے سر پر رکھنا جو زیادہ معزز سمجھا جاتا ہے، اور تمام لوگوں کے سامنے اسے ہانک کر دارالحکومت سے نکال دو۔

درباریوں نے وفد سے پوچھا: تم میں سب سے زیادہ معزز کون ہے؟

حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا: میں۔

تو انہوں نے اس پر مٹی کا تھیلا لا دیا۔ اور وہ اسی حالت میں دارالحکومت مدائن سے نکلے۔ شہر سے باہر آ کر وہ مٹی کا تھیلا انہوں نے اپنی اونٹنی پر لا دیا اور اسے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے اور یہ خوشخبری دی کہ اللہ تبارک تعالیٰ مسلمانوں کے لیے ایران کو فتح کر دے گا اور انہیں سرزمین فارس کا مالک بنا دے گا۔ کچھ عرصے بعد جنگ قادیسیہ کا واقعہ پیش آیا اور قادیسیہ کی خندق ہزاروں لاشوں سے بھر گئی۔ لیکن یہ لاشیں مسلمانوں کی نہیں تھیں، بلکہ یہ ایرانی لشکر کی تھیں۔

ایرانیوں نے قادیسیہ کی شکست سے حوصلہ نہ ہارا بلکہ از سر نو فوج کو جمع کیا اور لشکر کو ترتیب دیا یہاں تک کہ ایک لاکھ پچاس ہزار تجربہ کار جنگجو اکٹھے ہو گئے۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس جم غفیر کے متعلق علم ہوا تو اس بڑے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے خود تیار ہوئے، لیکن لشکر اسلام کی بعض اہم شخصیتوں نے آپ کو اس سے روک دیا، اور یہ تجویز پیش کی کہ ایک ایسے سپہ سالار کو یہ مہم سر کرنے کے لیے روانہ کریں جو قابل اعتماد ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مجھے ایسے شخص کی نشاندہی کرو جسے قائد بنا کر اس مہم کو سر کرنے کے لیے روانہ کروں۔

سب نے عرض کی:

امیر المومنین آپ اپنے لشکر کے متعلق خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ————— ۱۲۱۸ جلد دوم

اللہ کی قسم میں مسلمانوں کے لشکر کا سالار ایک ایسے شخص کو بناؤں گا کہ جس میں یہ خوبی ہو کہ جب دونوں فوجوں میں گھسان کی جنگ چھڑتی ہے تو وہ تیر سے بھی زیادہ تیز ثابت ہوتا ہے اور وہ ہے حضرت نعمان بن مقرن مرنی رضی اللہ عنہ۔

سب نے کہا:

واقعی وہ اس منصب کے لائق ہے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف یہ خط لکھا۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی جانب سے نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی طرف۔

بعد از تسلیمات!

مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ ایرانیوں نے نہاوند شہر میں کثیر تعداد میں فوج جمع کر لی ہے، جب آپ کو میرا یہ خط ملے، اللہ کا نام لے کر اور اس کی مدد کو شامل حال سمجھتے ہوئے، دشمن کے مقابلے کے لیے روانہ ہو جائیں۔ یاد رکھنا ایک مسلمان میرے نزدیک ایک لاکھ دینار سے زیادہ قیمتی اور محبوب ہے۔

والسلام

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے دشمن سے مقابلے کے لیے اپنے لشکر کو تیار کیا اور تجربہ کار شہسوار صورت حال معلوم کرنے کے لیے روانہ کئے۔ جب یہ شہسوار نہاوند شہر کے قریب پہنچے تو ان کے گھوڑے اچانک رک گئے۔ شہسواروں نے انہیں دوڑانے کی کوشش کی لیکن وہ اسی جگہ جمے رہے، ایک قدم بھی آگے نہ بڑھے۔ شہسوار گھوڑوں کی پیٹھ سے نیچے اتر آئے، تاکہ صحیح صورت حال معلوم کر سکیں، وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ گھوڑوں کے پاؤں میں کیل پوست ہو چکے ہیں۔ انہوں نے جب ارد گرد کا بغور جائزہ لیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایرانیوں نے نہاوند کی طرف جانے والے تمام راستوں میں لوہے کے نوکدار کیل بکھیر دیئے ہیں تاکہ شہسواروں اور پیادہ فوج کا راستہ روکا جاسکے اور وہ نہاوند شہر تک پہنچ نہ سکیں۔

شہسواروں نے اس صورت حال سے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا اور ان سے رائے طلب کی۔ انہوں نے حکم دیا کہ سب اپنی جگہ کھڑے رہیں۔ جب رات کی تاریکی چھا جائے تو بے تحاشا آگ جلائیں تاکہ دشمن اس روشنی میں تمہیں دیکھ لے۔ جب روشنی چہار سو پھیلی ہوئی ہو تو خوف و ہراس اور ہزیمت و پسپائی کا مظاہرہ کریں۔ اس سے دشمن فوج کے دل میں تمہارے پاس پہنچنے کی شدید دلی خواہش پیدا ہوگی، جس کی تکمیل کے لیے وہ از خود راستوں میں بکھرے ہوئے کانٹے اور کیل چننے پر مجبور ہوں گے۔ اس طرح تمہارے تمام راستے صاف ہو جائیں گے۔ ایرانیوں کے خلاف یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی جب انہوں نے آگ کے الاؤ کی روشنی میں دیکھا کہ مسلمان لشکر پسپا ہو کر بھاگنا چاہتا ہے تو انہوں نے جلدی سے اسے کارندے بھیج کر تمام راستے صاف کر دیے۔

دیئے۔ جب راستے صاف ہو گئے تو مسلمانوں نے یکدم پیچھے مڑ کر اچانک دشمن پر زوردار حملہ کر دیا۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ساتھ نہادند شہر کے بالائی جانب پڑاؤ ڈال دیا۔ اور دشمن پر حملہ کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی، آپ نے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

میں تین مرتبہ نعرہ تکبیر بلند کروں گا، جب پہلی مرتبہ نعرہ تکبیر بلند کروں تو سب لوگ چوکس ہو جائیں، جب دوسری مرتبہ نعرہ تکبیر کہوں تو اپنے ہتھیار سنبھال لیں اور جب تیسری مرتبہ نعرہ تکبیر کہوں تو میرے ساتھ مل کر دشمن پر زوردار حملہ کر دیں۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے تین دفعہ اللہ اکبر کہا اور شیر کی سی دلیری کے ساتھ دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور آپ کے پیچھے لشکر اسلام سیل رواں کی طرح دشمن کو خس و خاشاک کی طرح بہاتا ہوا مسلسل آگے بڑھنے لگا۔ اور دونوں فوجوں کے درمیان ایسا گھمسان کارن پڑا کہ جنگی تاریخ میں کم ہی کسی ایسی لڑائی کی مثال ملتی ہوگی۔ ایرانی فوج گاجر مولیٰ کی طرح کٹنے لگی، لاشوں کے انبار لگ گئے۔ میدان اور پہاڑ جس طرف نگاہ اٹھتی لاشوں کے کشتوں کے پستے لگے ہوئے تھے۔ گزر گا ہوں اور راستوں میں خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا، اسی عالم میں سپہ سالار حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کا گھوڑا پھسلا اور گرتے ہی دم توڑ گیا۔ اور حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ بھی گرتے ہی شہید ہو گئے۔ فوراً آپ کے بھائی نے آگے بڑھ کر جھنڈا اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور آپ کے جسد خاکی پر اپنی چادر ڈال دی تاکہ آپ کی شہادت کی خبر مسلمان فوج کو نہ ہونے پائے۔

جب لشکر اسلام کو ایسی مکمل فتح نصیب ہوئی، جسے فتح مبین کا نام دیا گیا تو فتح یاب لشکر نے اپنے قائد کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں؟

ان کے بھائی نے ان کے جسد خاکی سے چادر اٹھائی اور فرمایا: یہ ہیں آپ کے امیر۔
بلاشبہ فتح سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو چکی ہیں، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں شہادت کا عظیم مرتبہ بھی نصیب فرمایا۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی پر اس مضمون کے لیے درج ذیل حوالہ جات ہیں۔
الاصابہ مترجم صفحہ 8745۔ این الاثیر جلد 2 صفحہ 211 اور جلد 3 صفحہ 7۔ تہذیب التہذیب جلد 10 صفحہ 456۔ نوح البلدان صفحہ 311۔ شرح الفیہ العراقی جلد 3 صفحہ 76۔ الاعلام جلد 9 صفحہ 9۔ القادیسیہ صفحہ 66، 73۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

میری جانب بھی ہو اک نگاہ کرم
اے حبیب خدا، خاتم الانبیاء
اور حضور پرنور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم نے نہ جانے کتنوں کو کیا سے کیا بنا دیا۔ کہیں مٹی کو
سونا بنا دیا اور کہیں ذرے کو آفتاب بنا دیا۔

لیجئے اب حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے بارے میں۔

وہ دیکھو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بڑی انتظار کے بعد یثرب کے ٹیلوں پر سے نمودار ہو رہے ہیں۔ ذرا ادھر دیکھو! باشندگان مدینہ راستوں، سڑکوں، گھروں کی چھتوں پر حضور انور نبی رحمت سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپ کے ہم سفر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دیدار کا شوق دل میں بسائے ہوئے لا الہ الا اللہ کا ورد کر رہے ہیں، اور نعرہ تکبیر سے فضائے مدینہ گونج رہی ہے۔

مدینہ طیبہ کی چھوٹی چھوٹی بچیاں اپنے ہاتھوں میں دف پکڑے وفور شوق سے یہ ترانہ گارہی ہیں،

ان پہاڑوں سے جو ہیں سوئے جنوب

چودھویں کا چاند ہے ہم پر چڑھا

کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے

شکر واجب ہے ہمیں اللہ کا

اللہ اللہ کیا عجیب منظر ہے۔ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ کی سواری لوگوں کے درمیان سے کس باوقار انداز سے گزر رہی ہے۔ مشتاق نگاہیں خوشی کے آنسو بہا رہی ہیں، دلوں میں شوقِ دیدار انگڑائیاں لے رہا ہے، لبوں پہ دل آویز مسکراہٹیں پھیلی ہوئی ہیں۔

لیکن حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے استقبال کی سعادت حاصل نہ کر سکے۔ کیونکہ یہ آپ ﷺ کی آمد سے پہلے بکریاں چرانے جنگل کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ مدینہ سے باہر اور دور بکریوں کو اس لیے لے گئے کہ مدینہ منورہ میں بکریوں کے چارے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ تھا۔ اور خطرہ تھا کہ بکریاں بھوک کی وجہ سے ہلاک نہ ہو جائیں۔ اس دنیائے فانی میں یہی بکریاں ان کی کل کائنات تھی۔ لیکن پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا چرچا صرف مدینہ طیبہ میں ہی محدود نہ رہا، تھوڑے ہی عرصے میں مدینے کے قرب و جوار کی وادیوں میں آپ کے تشریف لانے کی خبر پھیل گئی۔ یہ خوش کن خبر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بکریاں چراتے ہوئے جنگل میں ملی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ رسول اقدس ﷺ کے ساتھ اپنی ملاقات کا منظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جب پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، میں اس وقت دور دراز جنگل میں اپنی بکریاں چرا رہا تھا، جب مجھے آپ ﷺ کے تشریف لانے کی خبر ملی تو میں اسی وقت مدینہ منورہ کی جانب چل پڑا۔

جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا: تو عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ مجھ سے

بیعت لیں گے؟

آپ نے پوچھا تم کون ہو؟

میں نے عرض کی: عقبہ بن عامر جہنی (رضی اللہ عنہ)۔

آپ نے فرمایا: کون سی بیعت کرو گے؟ بیعت اعرابی یا بیعت ہجرت؟

میں نے کہا۔ بیعت ہجرت کروں گا۔

حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے مجھ سے اسی طرح بیعت لی جس طرح دیگر مہاجرین سے۔

بیعت کے بعد ایک رات میں نے وہاں قیام کیا اور پھر بکریوں کی دیکھ بھال کے لیے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہم بارہ ایسے اشخاص تھے جو نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ہم مدینہ طیبہ سے دور جنگلات میں اپنی بکریاں چرایا کرتے تھے، ایک دن بیٹھ کر ہم نے مشورہ کیا کہ ہمیں پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دینی چاہئے اگر ہم نے ایسے نہ کیا تو یہ ہمارے حق میں بہتر نہ ہوگا۔ ہم دینی تعلیمات سے محروم رہ جائیں گے۔ اور نہ ہی اس وحی الہی سے فیضاب ہو سکیں گے جو آپ ﷺ پر نازل ہو رہی ہے۔

ہم نے سوچ بچار کے بعد طے کیا کہ ایسا کریں کہ ہم میں سے ہر روز ایک ساتھی مدینہ طیبہ جائے اس کی بکریوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ہم پر ہوگی، اور جو کچھ وہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ سے دینی مسائل سے وہ ہمیں آکر بتائے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم یکے بعد دیگرے مدینے جاؤ اور جانے والا اپنی بکریاں میرے سپرد کرتا جائے۔ میں انہیں چرانے اور دیکھ بھال کی ذمہ داری بخوشی قبول کرتا ہوں۔ میری اس وقت دلی کیفیت یہ تھی کہ مجھے اپنی بکریوں سے بہت پیار تھا، میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ اپنی بکریاں کسی کے سپرد کروں۔

میرے ساتھی یکے بعد دیگرے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے جانے لگے۔ اور مدینے جانے والا اپنی بکریاں میرے سپرد کر جاتا۔ جب وہ واپس آتا تو جو کچھ بھی اس نے سنا ہوتا وہ مجھے آکر سنا دیتا۔ میں وہ دینی احکامات پورے غور سے سنتا اور انہیں اپنے دل میں بٹھالیتا۔

کچھ عرصے کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ بڑے افسوس کی بات ہے، کیا میں ان بکریوں کی وجہ سے رکا ہوا ہوں۔ کیا میں اس دنیاوی مال و متاع کو نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی محبت پر ترجیح دے رہا ہوں۔ بھلا کب تک یہ بکریاں راہِ راست، حصول علم کی راہ میں رکاوٹ بنی رہیں گی؟ یہ سوچ کر میں نے اپنی بکریاں وہیں چھوڑیں اور مدینہ طیبہ کی طرف چل دیا، تاکہ مسجد نبوی میں قیام کروں اور براہِ راست حضور پر نور نبی کریم ﷺ

سے دینی علم حاصل کروں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بکریوں کو خیر باد کہہ کر جوار رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی بقیہ زندگی گزارنے کا عزم کیا تھا، تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آگے چل کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ بہت بڑے عالم، فاضل، قاری، فاتح اور ایک کامیاب گورنر کی حیثیت سے معروف ہوں گے۔

ان کے دل میں یہ خیال تک نہ گزرا تھا، کہ وہ اس اسلامی لشکر کے سپہ سالار ہوں گے، جسے امام الدنیا عروس البلاد یعنی دمشق کو فتح کرنے کا عظیم شرف حاصل ہوگا۔ اور وہ دمشق کے مشہور دروازے (باب توما) کے نزدیک سرسبز و شاداب باغات میں بنے ہوئے ایک عالی شان گھر میں سکونت پذیر ہوں گے۔ یہ بات ان کے تصور میں ہی نہ تھی، کہ آگے چل کر ان کا شمار ان قائدین میں ہوگا جنہیں سرسبز و شاداب مصر کو فتح کرنے کی سعادت نصیب ہوگی۔ اور بالآخر بحیثیت شاہ مصر جبل مقطم کی چوٹی پر ایک خوبصورت بنگلے میں رہائش پذیر ہوں گے۔ ان سب راز ہائے دروں (نہاں) کا حکم اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ تھا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سائے کی طرح وابستہ رہے، حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سفر پر روانہ ہوتے تو یہ آپ کے گھوڑے کی لگام تھام لیتے۔

کئی دفعہ حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ورحیم پیغمبرِ بحر و بر رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گھوڑے پر اپنے پیچھے بھی بٹھایا۔ یہاں تک کہ یہ حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باڈی گارڈ (محافظ) کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ دورانِ سفر بسا اوقات پیغمبرِ اول و آخر و اعظم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اچانک سواری سے نیچے اترے اور انہیں سوار ہونے کا حکم دیا، اور خود پیدل چلنے لگے۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔

ایک روز میں حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کی لگام تھامے ایک ایسے راستے سے گزر رہا تھا، جس کی دونوں جانب گھنے درخت تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عقبہ رضی اللہ عنہ کیا تم سوار نہیں ہو گے؟

میرے دل میں آیا کہ نفی میں جواب دوں لیکن فوراً یہ احساس ہوا کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ ہو جائے تو میں نے اثبات میں کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ سن کر حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے نیچے اتر آئے، اور مجھے سوار ہونے کا حکم دیا۔ میں تعمیل ارشاد کرتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چلنے لگے، میں یہ منظر برداشت نہ کر سکا۔ تو فوراً گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی سوار ہوں میں یہ برداشت نہیں کر سکتا، کہ میں سوار ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل رہے ہیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ سوار ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ عقبہ بنی النضر کیا میں تجھے دو ایسی سورتیں نہ سکھلاؤں جن کی کوئی مثال نہیں ملتی، میں نے عرض کی ضرور یا رسول اللہ ﷺ۔ تو آپ ﷺ نے مجھے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر سنائیں، پھر نماز پڑھی تو اس میں بھی آپ نے ان ہی دو سورتوں کی تلاوت کی، اور فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کو سونے اور بیدار ہوتے پڑھ لیا کرو۔ حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان دو سورتوں کی تلاوت کو معمول بنائے رکھا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام تر مساعی کا محور علم اور جہاد کو بنالیا۔

جہاں تک میدان علم کا تعلق ہے اس سلسلہ میں یہ حضور پر نور رسول کریم ﷺ کے تروتازہ میٹھے اور صاف شفاف علمی چشمے سے سیراب ہوئے جس کی وجہ سے انہیں قاری، محدث، فقیہ، ماہر علم میراث، ادیب، فصیح البیان مقرر اور شاعر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

قرآن مجید نہایت دسوز آواز میں پڑھا کرتے تھے۔ جب رات پر سکون ہو جاتی، دنیا کی چہل پہل تھم جاتی، تو یہ پرسوز آواز میں قرآنی آیات کی تلاوت شروع کر دیتے جسے سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے اور خشیت الہی سے ان کے دل میں لرزہ طاری ہو جاتا۔

ایک روز حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا، اور فرمایا: عقبہ رضی اللہ عنہ آج قرآن سناؤ۔ عرض کی: امیر المومنین چشم مارو شن دل ماشاد، پھر قرآن حکیم کی تلاوت شروع کر دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اتنا اثر ہوا کہ زار و قطار رونا شروع کر دیا جس سے آپ کی داڑھی تر بتر ہو گئی۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے پورا قرآن مجید اپنے ہاتھ سے لکھا۔ اور یہ قلمی نسخہ ان کے بعد بہت مدت تک مسجد عقبہ بن عامر میں محفوظ رہا۔ لیکن افسوس کہ یہ بھی حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گیا، اور ہم اس قیمتی ورثہ سے محروم ہو گئے۔

جہاں تک جہاد کا تعلق ہے، آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ غزوہ بدر، احد اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوئے، آپ ان گنے گنے بہادروں میں سے ایک تھے، جنہوں نے دمشق فتح کرتے وقت، جرأت، شجاعت اور جنگی حکمت عملی کے جوہر دکھلائے۔ اسلامی لشکر کے قائد حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ان کے جنگی کارناموں سے متاثر ہو کر اپنا خصوصی نمائندہ بنا کر امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف دمشق کی نوید فتح سنانے کے لیے مدینہ منورہ بھیجا۔ انہوں نے دن رات مسلسل سفر کرتے ہوئے آٹھ روز میں مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دمشق فتح کرنے کی خوشخبری سنائی۔

انہیں اس عظیم اسلامی لشکر کے سپہ سالار ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا، جس نے مصر کو فتح کیا تھا۔ اس کارنامے کے صلہ میں امیر المومنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے انہیں تین سال کے لیے مصر کا گورنر بنا

دیا تھا۔ پھر انہیں بحرِ ابیض کے جزیرہ اودس کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جہاد کے ساتھ والہانہ لگاؤ کی بنا پر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے وہ تمام احادیث زبانی یاد کر لی تھیں، جن میں جہاد کا تذکرہ تھا۔ اور جہاد کی روایات بیان کرنے میں آپ کو خصوصی مقام حاصل ہو گیا تھا۔ یہ تیر اندازی میں بڑے ماہر تھے، جب کبھی کھیل کا شوق دل میں پیدا ہوتا تو تیر اندازی کر کے اپنا دل بہلا لیتے۔

جب حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، اپنے بیٹوں کو پاس بلایا اور انہیں یہ وصیت کی۔

میرے بیٹوں میں تمہیں تین چیزوں سے منع کرتا ہوں، ان سے اجتناب کرنا۔

۱- غیر ثقہ راوی کی بیان کردہ حدیث کو قبول نہ کرنا۔

۲- پھٹے پرانے کپڑے پہن لینا لیکن کسی سے قرض نہ لینا۔

۳- شعر گوئی میں دلچسپی نہ لینا کیونکہ اس سے تمہارے دل قرآن مجید کی تلاوت سے غافل ہو جائیں گے۔ جب آپ فوت ہو گئے تو انہیں جبلِ مقطم کی بالائی سطح پر دفن کیا گیا، ان کا چھوڑا ہوا مال دیکھا گیا۔ تو اس میں تقریباً ستر تیر کمان تھے اور ساتھ ہی یہ وصیت نامہ لکھا ہوا ملا، کہ یہ تیر کمان اللہ کی راہ میں وقف کر دیئے جائیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ اس بلند پایہ عالم فاضل، قاری، محدث، مرد مجاہد، اور غازی حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے جنت میں درجات بلند کرے اور اتباع حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی پر مشتمل اس مضمون کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

(الاستیعاب جلد 3 صفحہ 106 - اسد الغابہ جلد 3 صفحہ 417 - الاصابہ جلد 2 صفحہ 482 - سیر اعلام النبلاء جلد 2 صفحہ 334 - جمہرۃ الانساب صفحہ 416 - المعارف صفحہ 121 - قلائد الجمان صفحہ 41 - انجوم الزہرۃ جلد 1 صفحہ 19، 21، 62، 81 - طبقات علمائے افریقیہ و تونس صفحہ 58، 70 - فتوح مصر و اخبار با صفحہ 287 - تہذیب التہذیب جلد 7 صفحہ 242 - تذکرۃ الحفاظ جلد 1 صفحہ 42)

حضرت ام سلمہ اسماء بنت یزید بن سکین الانصاریہ رضی اللہ عنہا

”جنہوں نے بیعت رضوان میں حصہ لیا، وہ سب جنتی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔“ (فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم)

”حضرت اسماء بنت یزید بن سکین رضی اللہ عنہا نے بیعت رضوان کی سعادت حاصل کی۔“

صبر و تحمل، ایمان و توکل، تقویٰ و خدا خونی اور عقل و دانش کی پیکر، ہمت و شجاعت اور فصاحت و بلاغت میں ممتاز مقام پر فائز، انصاری خواتین میں حضرت اسماء بنت یزید بن سکین رضی اللہ عنہا خطیبۃ النساء کے نام سے مشہور و

معروف تھیں۔ جس نے جنگ یرموک میں لاشی کے ساتھ نوروی فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان کی گفتگو بڑی چچی تلی ہوتی، سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ کلام میں جادو کا سا اثر ہوتا۔ جملے ایسے جیسے موتیوں کی لڑی، گفتگو کی مٹھاس ایسی جیسے مصری کی ڈلی۔

ایک دفعہ رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آج میں عورتوں کی نمائندہ بن کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو مرد و زن کی طرف نبی بنا کر بھیجا ہے۔ ہم عورتوں کو بھی آپ پر ایمان لانے اور آپ کی پیروی اختیار کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ ہم اپنے گھروں میں پابند اپنے خاندان کی خدمت گزاری میں محو رہتی ہیں۔ ان کے دل کو بہلانا، اولاد کی پرورش کرنا اور گھر کی دیکھ بھال ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ مرد حضرات جمعہ و جماعت، جنازہ اور جہاد میں شریک ہو کر ہم سے زیادہ فضائل حاصل کر لیتے ہیں۔ جب وہ جہاد کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں ہم ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا اجر و ثواب میں ہم ان کے برابر شریک نہیں؟

اس انداز گفتگو سے متاثر ہو کر حضور پر نور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”کیا تم نے آج سے پہلے دین کے بارے میں اس خاتون سے بہتر سوال کرتے ہوئے کسی کو سنا ہے؟“

سب نے بیک زبان ہو کر کہا یا رسول اللہ ﷺ بخدا اس خاتون نے تو کمال کر دیا۔ نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے حضرت اسماء بنت یزید بن سکین رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا:

”ان خواتین کو جا کر میرا یہ پیغام سنا دو جن کی نمائندہ بن کر تم یہاں آئی ہو۔ تمہارا اپنے خاوندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، ان کی خوشی کو پیش نظر رکھنا، اور ان کے نقش قدم پر چلنا اللہ تبارک تعالیٰ کو اس قدر پسند ہے کہ وہ ایسی بلند مرتبہ خواتین کو وہی اجر و ثواب دیتا ہے جس کا ذکر اس نے مردوں کے لیے کیا ہے۔“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یہ فرمان رسول اللہ ﷺ سن کر خوشی سے جھوم اٹھیں اور فوراً مسرت سے لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتی ہوئیں خواتین کو یہ خوشیوں بھرا پیغام سنانے کے لیے چلی گئیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک روز میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ حضور انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے ہمیں مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: ”محسنین کی ناشکری سے بچے رہنا۔“

میں اپنی سہیلیوں میں قدرے جرأت مند اور بے باک تھی۔ میں نے جھٹ یہ سوال کر دیا ”یا رسول اللہ ﷺ محسنین کی ناشکری کی ذرا تفصیل بتا دیجئے؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ایک خاتون اپنے ماں باپ کے پاس ہوتی ہے۔ پھر اس کی شادی ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تبارک تعالیٰ اسے اولاد کی نعمت سے سرفراز کر دیتا ہے۔ کبھی کبھار وہ خاتون ناراض ہو کر اپنے خاوند کو یہ کہتی ہے میں نے تو تیرے گھر میں کبھی سکھ دیکھا ہی نہیں۔ یہ بات کہنا خاوند کی صریحاً ناشکری ہے۔ اس سے ہر مسلم خاتون کو بچ کر رہنا چاہئے۔“

خاوند کا درجہ بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔“

حضرت عمرو بن قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصاری خواتین میں سب سے پہلے حضرت ام سعد بن معاذ، حضرت کبشہ بنت رافع، حضرت ام سلمہ اسماء بنت یزید بن سکن اور حضرت حواء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہن نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اکثر و بیشتر اس اعزاز پر فخر کا اظہار کیا کرتی تھیں کیونکہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنا کوئی معمولی نوعیت کا مقام نہیں۔ یہ ایسا بلند مرتبہ ہے جو بڑے نصیب والے کو ملتا ہے۔ جسے یہ مقام میسر آ جائے وہ بھلا اس پر ناز کیوں نہ کرے۔ وہ جتنا بھی اس پر فخر کرے اسے اس کا حق پہنچتا ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شادی کے موقع پر میں نے بناؤ سنگھار کیا۔ جب حضور انور رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے ان کی خدمت میں دودھ کا گلاس پیش کیا۔ آپ ﷺ نے تھوڑا سا دودھ پینے کے بعد گلاس عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے شرمیلے انداز میں سر کو جھکا لیا۔ میں نے تک کر کہا:

”نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے دست مبارک سے دودھ کا گلاس پکڑ لو یہ سنہری موقع روزِ روز نہیں آتے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے شرماتے ہوئے لرزتے ہاتھوں سے گلاس پکڑا اور دودھ پینا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا اپنی سہیلی کو بھی کچھ دودھ دے دو۔ یہ دیگر خواتین بھی موجود ہیں انہیں بھی دودھ پیش کرو۔ خواتین نے ہنستے ہوئے بیک زبان ہو کر کہا نہ ہمیں دودھ پینے کی آرزو نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”دیکھنا بھوک اور جھوٹ کو اکٹھا نہ کرنا۔“

حضرت ام سلمہ اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک روز نبی کریم رؤف ورحیم، حضور پر نور ﷺ بمع صحابہ کرام کے مغرب کے وقت ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہمارے گھر کے صحن میں بنی ہوئی مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں شور با اور کچھ چپاتیاں رکھ دیں اور عرض کی یا رسول اللہ

ﷺ تناول فرمائیں۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئی کہ کھانے والے تقریباً چالیس افراد تھے اور کھانا تھوڑا سا شوربا، چمڑے کے صرف ایک پیالے میں تھا۔ سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا لیکن ختم نہیں ہوا۔ گھر والوں نے بھی خوب سیر ہو کر کھانا تناول کیا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں چمڑے کا وہ پیالہ میں نے صاف کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ جب کوئی بیمار ہوتا، اس میں پانی ڈال کر اسے پلایا جاتا، مریض شفا یاب ہو جاتا اور کبھی ہم برکت کے حصول کے لیے بھی اس پیالے میں پانی پیتے۔

حضرت اسماء بنت یزید بن سکین رضی اللہ عنہا نے غزوہ خندق کے دوران ایک پرات میں کھجور اور گھی کا بنا ہوا مرغوب کھانا حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس وقت آپ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لیا۔ اس کے بعد آپ نے غزوہ خندق میں شریک مجاہدین کو کھانے کی عام دعوت دی سب کھا چکے لیکن کھانا جوں کا توں باقی رہا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے جب کھانے کی دعوت دی وہاں بھی یہی منظر سامنے آیا۔ ایک دفعہ حضرت ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا تو وہاں بھی برکت و رحمت کا ظہور اسی طرح ہوا۔

حضرت اسماء بنت یزید بن سکین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور انور رسول کریم رؤف ورحیم ﷺ کی زندگی میں مجھے طلاق دے دی گئی۔ مجھ سے پہلے مطلقہ عورت کے لیے کوئی عدت مقرر نہ تھی۔ جب مجھے طلاق دی گئی تو اللہ تبارک تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت 228 نازل کر دی۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۖ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

ترجمہ: ”اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔“ (سورہ بقرہ آیت 228)

حضرت ام سلمہ اسماء رضی اللہ عنہا علم و فضل کے اعتبار سے بڑے ممتاز مقام پر فائز تھیں۔ خواتین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بعد روایت حدیث میں ان ہی کا نام آتا ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے اکیاسی (81) احادیث مروی ہیں۔ یہ حدیث حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بلاشبہ اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اسے کوئی پرواہ نہیں۔“

حضرت اسماء بنتیٰ حبیبہؓ بڑی صابر و شاکر خاتون تھیں۔ غزوہٴ احد میں اس کا باپ یزید بن سکن انصاریؓ، اس کا بھائی عامر بن یزید بن سکنؓ اس کا شہ سوار چچا یزید بن سکنؓ جام شہادت نوش کر گئے۔ جب اسے ان کی شہادت کے بارے میں بتایا گیا تو اس نے پوچھا حضور انور سرور دو عالم ﷺ کس حال میں ہیں۔ جب اس نے بذات خود دیکھا کہ آپ ﷺ تشریف لارہے ہیں تو اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: کہ ”آپ سلامت ہیں تو باقی تمام مشکلات آسان اور معمولی ہیں۔“

حضرت اسماء بنتیٰ حبیبہؓ نے غزوہٴ خندق میں پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا، جس میں اس قدر برکت ڈال دی گئی کہ وہ نبی اول و آخر و اعظم ﷺ کا معجزہ بن گیا۔ صلح حدیبیہ میں شرکت کا اعزاز حاصل کیا۔ بیعت رضوان میں شمولیت کا افتخار حاصل کیا۔ غزوہٴ خیبر میں شریک ہوئیں۔ جنگ یرموک میں اپنی لاٹھی سے نورومی فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حضرت اسماء بنتیٰ حبیبہؓ نے بڑی لمبی عمر پائی۔ دمشق میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ وہیں داعی اجل کو لبیک کہا۔ دمشق باب صغیر کے پاس دفن کیا گیا۔ غزوہٴ احد میں بنو عبد الاشہل کے لیے لسان رسالت سے جنت کی بشارت ملی۔ ان میں حضرت اسماء کا والد بھی تھا، ان شہداء کے بارے میں رسول کائنات ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ”انہیں جنت میں اکٹھا کر دیا گیا اور ان کی اپنے خاندان کے جملہ افراد کے بارے میں سفارش کو قبول کر لیا گیا۔“ اس اعتبار سے حضرت اسماء بنت یزید بن سکنؓ بھی جنت کی بشارت پانے والوں میں شمار ہوتی ہیں۔ لمبی عمر پا کر یزید بن معاویہؓ کے دور حکومت میں وفات پائی اور دمشق میں دفن کیا گیا۔ اللہ ان سے راضی اور یہ اپنے اللہ سے راضی۔

حضرت اسماء بنت یزید بن سکنؓ کے مفصل حالات زندگی پر مشتمل اس مضمون کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

(الاصابہ جلد 4 صفحہ 229۔ مجمع الزوائد جلد 9 صفحہ 260۔ سیر اعلام النبلاء جلد 2 صفحہ 297۔ البدایہ والنہایہ جلد 2 صفحہ 13۔ تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 13۔ الاستیعاب جلد 3 صفحہ 612۔ الاستبصار صفحہ 217۔ تاریخ الاسلام ذہبی جلد 2 صفحہ 327۔ العقد الفرید جلد 3 صفحہ 223۔ سنن ابی داؤد جلد 1 صفحہ 358۔ تفسیر قرطبی جلد 18 صفحہ 150۔ تہذیب التہذیب جلد 12 صفحہ 399۔ اعلام النساء جلد 1 صفحہ 68۔ السیرۃ الخلیۃ جلد 3 صفحہ 364۔ طبقات ابن سعد جلد 8 صفحہ 319۔ حجة اللہ علی العالمین للنہانی جلد 2 صفحہ 211۔ اشعۃ جلد 2 صفحہ 619۔ الفتح الربانی جلد 21 صفحہ 16۔ حلیۃ الاولیاء جلد 2 صفحہ 76۔ مسند امام احمد جلد 4 صفحہ 357)

حضرت براء بن مالک انصاریؓ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب ہی بہت بہادر، بہت ہمت حوصلہ اور اللہ توکل والے تھے۔ لیکن تنہا بڑے بڑے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے، بڑی پرخطر مہمات کو سر کرنے کے لیے جس طرح حضرت براء بن مالک انصاریؓ اپنے آپ کو پیش کرتے اور تنہا انہیں اللہ تبارک تعالیٰ کی مدد سے اور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے

عطا کردہ حوصلہ، ہمت و تربیت سے انہیں سر بھی کر جاتے یہ انہی کا خاصہ ہے۔

آپ الحمد للہ اتنے جری، اتنے نڈر، اتنے بہادر، جفاکش اور فن لڑائی کے اتنے ماہر اور پھرتیلے تھے کہ بڑے بڑے خطروں میں تنہا کود جاتے اور ان سے کامیاب و کامران نکل آتے۔

ایسی پرخطر، بڑی اور مشکل مہم جس کا ہم تصور بھی نہیں کر پاتے وہ انہیں اللہ توکل اپنے ذمہ لیتے اور انہیں سر کر لیتے۔

اسلام کا ایسا مجاہد جو ہزاروں دشمنوں میں تنہا کود گیا۔ بلا مبالغہ سینکڑوں سے زائد مشرکین کو اکیلے نے موت کے گھاٹ اتارا۔ دشمن بھی اس پر کاری ضرب لگاتے رہے لیکن وہ اسلام کا مجاہد سب کو سہتا رہا۔ اسی (80) کے قریب زخم لگ چکے ہیں۔ سینکڑوں ہزاروں دشمنوں کے زخم میں جم کر لڑ رہے ہیں۔ ہزاروں میں اکیلا اور اکیلے نے ہی دروازے کے محافظوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور بالآخر اپنی فوج کے لیے دشمنوں کا دروازہ کھول دیا۔ اور اس کے بعد بیٹھ نہیں گئے بلکہ ساتھی مجاہدوں کے ساتھ مل کر دشمن کے سروں کو تن سے جدا کرتے رہے۔ کوئی انہیں دیکھے تو بکھرے ہوئے بال، غبار آلود چہرہ، نحیف و لاغرا یا جسم کہ دیکھنے والا انہیں کوئی حیثیت ہی نہ دے۔ لیکن اس قدر بہادر کہ ایک موقع پر انہوں نے تنہا مقابلہ کرتے ہوئے پورے ایک صد مشرکین کو موت کے گھاٹ اتار دیا وہ مقتولین اس کے علاوہ ہیں جنہیں مجاہدین اسلام کے ساتھ مل کر مختلف معرکوں میں انہوں نے تہ تیغ کیا۔

آپ بڑے نڈر، جفاکش، فن سپہ گری کے ماہر، بے جگری سے لڑنے والے، مجاہد اور ایک بہادر انسان تھے۔ آپ ہمیشہ بے خوف و خطر میدان کارزار میں کود پڑتے۔ اس لیے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام گورنروں کو یہ لکھ بھیجا تھا۔

کہ براء بن مالک رضی اللہ عنہ کو کسی لشکر اسلام کا سپہ سالار نہ بنانا مبادا کہ کہیں جذبات میں آ کر کوئی ایسا جارحانہ اقدام کر بیٹھیں جس سے لشکر اسلام کو کوئی نقصان اٹھانا پڑے۔

حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ ﷺ حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔

اگر میں حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کی بہادری کی داستانیں سنانے لگوں تو بات اتنی طویل ہو جائے گی کہ ان صفحات میں سمانہ سکے۔ اس لیے میں آپ کے سامنے ان کی بہادری کا صرف ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جو آپ کو ان کے دوسرے حیرت انگیز واقعات کی خود بخود نشاندہی کر دے گا۔

اس داستان کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ ورحیم ﷺ اس دنیائے فانی سے پردہ فرما گئے تو کمزور ایمان والے لوگ دین سے منحرف ہونے شروع ہو گئے۔ جس تیز رفتاری سے انہوں نے دین اسلام قبول

کیا تھا اسی رفتار سے وہ دین اسلام کو چھوڑنے لگے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مدینہ، طائف اور چند دیگر علاقوں کے وہی لوگ دائرہ اسلام میں رہے جنہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے پختہ ایمان نصیب فرما دیا تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس ہولناک فتنے کو دبانے کے لیے انتہائی عظمت اور بہادری کا ثبوت دیا۔ فتنہ انگیزی کرنے والوں کے سامنے پہاڑ بن کر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے مہاجرین و انصار کے گیارہ لشکر تیار کئے اور ہر لشکر کے لیے ایک پرچم تیار کیا گیا اور تمام لشکروں کو جزیرہ عرب میں چاروں طرف اسلامی پرچم دے کر روانہ کر دیا۔ تاکہ وہ مرتدین کو راہ راست پر لائیں اور انہیں حق بات سمجھانے کے لیے ہر حربہ استعمال کریں۔ اگر نرمی کا رگڑ ثابت نہ ہو تو بزور شمشیر اسلام کی حقانیت ان کے دلوں میں بٹھائیں۔

صورت حال یہ تھی کہ جملہ مرتدین میں سے مسلمان کذاب کا قبیلہ بنو حنیفہ جنگ و جدل کے اعتبار سے انتہائی طاقتور اور تعداد کے اعتبار سے بہت زیادہ تھا۔ مسلمان کذاب کی قوم اور اس کے حلیفوں میں سے چالیس ہزار تجربہ کار جنگجو ایک جگہ جمع ہو گئے ان میں سے اکثریت نے مسلمان کذاب کی پیروی محض قومی عصبیت کی بنا پر کی۔ ان کی قبائلی عصبیت کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ایک شخص تو یہ بات کہتا ہوا بھی سنا گیا۔

”میں صمیم دل سے اقرار کرتا ہوں کہ مسلمان جھوٹا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں لیکن ربیعہ قبیلے کا جھوٹا شخص ہمیں مضر قبیلے کے سچے شخص سے زیادہ عزیز ہے۔“

ہوا یہ کہ مسلمان کذاب نے مسلمانوں کے اس پہلے لشکر کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا جس نے حضرت عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اس پر چڑھائی کی تھی، اس لشکر کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دوسرا لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ کیا۔ یہ لشکر اسلام انصار و مہاجرین کے تجربہ کار مجاہدین پر مشتمل تھا اور ان روشن چہروں میں حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

علاقہ نجد کے ایک مرکزی مقام یمامہ میں ان دونوں لشکروں کا آمناسا منا ہوا۔ مسلمان کذاب کی فوج کی تعداد مقابلہ بہت زیادہ تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں مسلمان کذاب اور اس کی فوج کا پلہ بھاری ہو گیا، مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ اپنے مورچوں سے پیچھے ہٹنے لگے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مسلمان کذاب کے ساتھی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خیمے میں داخل ہو گئے۔ خیمے کی رسیاں کاٹ دیں قریب تھا کہ وہ آپ کی زوجہ محترمہ کو قتل کر دیتے لیکن ان میں سے ایک شخص نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

اس موقع پر مسلمانوں نے شدید خطرہ محسوس کیا اور انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ اگر مسلمان کذاب سے مقابلہ میں وہ شکست کھا گئے تو پھر آج کے بعد اسلام کی سربلندی کے لیے کوئی بھی سر نہ اٹھا سکے گا اور جزیرہ عرب میں دین اسلام کے لیے حالات مخدوش اور بہت مشکل ہو جائیں گے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر اپنے لشکر کو از سر نو منظم کیا مہاجرین و انصار کی الگ الگ گروپ

بندی کی اور پھر ہر خاندان کا الگ الگ ایک گروپ بنا کر اس کی قیادت انہیں میں سے ایک فرد کے سپرد کر دی۔ تاکہ معرکہ آرائی میں ہر فریق کی کارکردگی معلوم کی جاسکے اور اس کا اندازہ لگایا جاسکے کہ لشکر میں کمزوری کہاں پائی جاتی ہے۔

اس کے بعد دونوں فوجوں کے درمیان ایسی تباہ کن اور ہولناک لڑائی شروع ہوئی جس کی مثال پہلی جنگوں میں نہیں ملتی۔ مسلمانوں کی فوج میدان جنگ میں جم کر لڑی اور اسے اس کی بھی پرواہ نہ تھی کہ اس کے فوجیوں کی کثیر تعداد ماری جا رہی ہے۔

مسلمان فوج نے اس مقام پر بہادری کے ایسے ایسے جوہر دکھائے کہ اگر انہیں یکجا اکٹھا کر دیا جائے تو ایک دلچسپ داستان جہاد مرتب ہو جائے۔

انصار کے علم بردار حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اس طرح کیا کہ اپنے بدن کو خوشبو لگا کر کفن پہن لیا اور نصف پنڈلیوں تک ایک گڑھا کھود کر اس میں جم کر کھڑے ہو گئے۔ تاکہ پرچم اسلام کو تادم آخر لہراتے رہیں یہاں تک کہ انہوں نے جام شہادت نوش کر لیا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ بلند آواز سے کہتے ہیں۔

لوگو! جم کر دشمن کا مقابلہ کرو۔ غازیو! آگے بڑھو۔ مقابلے میں آنے والے کو پسا کر دو۔ لوگو! خدا کی قسم میں آج اس بات کے علاوہ کوئی اور بات تم سے نہیں کروں گا یہاں تک کہ مسلمانوں کی شکست کھا جائے، یا میں بذات خود اللہ تبارک تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو کر اپنی شہادت کو خدا تعالیٰ کے حضور بطور حجت پیش کر دوں۔ یہ کہہ کر وہ دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے اور میدان جنگ میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ایک جانب حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ مجاہدین کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے۔ قوم کو اندیشہ تھا کہ کہیں میدان جنگ میں ان کے قدم ڈگمگانے جائیں۔ بعض مجاہدین نے تو اس بات کا اظہار بھی کر دیا کہ اے سالم رضی اللہ عنہ ہمیں اندیشہ ہے کہ میدان میں اگر دشمن کی جانب سے کوئی ہم پہ مصیبت نازل ہوگی تو وہ آپ کی طرف سے ہوگی۔

انہوں نے فرمایا: آپ فکر نہ کریں میں انشاء اللہ قطعاً کمزوری نہیں دکھاؤں گا۔ میں اپنی طرف سے انتہائی ذمہ داری کا ثبوت دوں گا۔ پھر انہوں نے بڑی بہادری سے دشمنوں پر حملہ کیا اور میدان کارزار میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ لیکن شجاعت کے یہ تمام واقعات حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ تبارک تعالیٰ کی شجاعت کے سامنے معمولی معلوم ہوتے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لڑائی بڑی خطرناک صورت حال اختیار کر چکی ہے تو حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا: اے نوجوان انصار! قوم کی مدد کے لیے آگے بڑھو۔ تو

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿ ۲۸۵ ﴾ جلد دوم

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے قوم کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی بھی اب مدینہ واپس جانے کی نہ سوچے یوں سمجھو کہ آج سے تمہارے لیے مدینہ ختم۔

بس اب تمہارے لیے ایک اللہ اور جنت ہے۔ یہ کہہ کر نعرہٴ تکبیر کہتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے تلوار سے گردنیں اڑاتے ہوئے آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔ ایسے زوردار انداز میں حملہ کیا کہ مسلمانوں اور اس کی فوج کے قدم ڈگمگائے اور مجبور ہو کر دشمن کی فوج نے ایک چار دیواری والے باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ بعد میں تاریخ کے اوراق میں ”باغیچہ موت“ کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ اس باغ میں بے پناہ مشرکین کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

چونکہ دشمن نے ایک چار دیواری والے بڑے باغ میں داخل ہو کر باغ کا دروازہ بند کر لیا تھا اور بظاہر ان سے مقابلے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ اس موقع پر حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ بڑی تیزی اور احتیاط سے ایک ڈھال پہ بیٹھ گئے اور ساتھیوں نے دس نیزوں کے زور سے بڑے ہی ماہرانہ انداز میں اس ڈھال کو اچھال کر باغ کے اندر پھینک دیا۔ اب آپ ہزاروں دشمنوں میں اکیلے ہیں۔ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ ان دشمنوں پر بجلی بن کر گرے جو ہزاروں کی تعداد میں اس باغ میں پناہ لے چکے تھے۔ انہیں بے دریغ قتل کرتے ہوئے مرکزی دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ دروازے پر دس جنگجو بہادر متعین تھے۔ آپ ان سب کو قتل کر کے دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس معرکہ آرائی میں آپ کے جسم پر اسی 80 سے زائد تیروں اور تلواروں کے زخم لگ چکے تھے۔ مسلمانوں نے دروازے سے داخل ہو کر مسلمانوں کی فوج پر زوردار حملہ کر دیا۔ دیواروں کی اوٹ میں جو دشمن کے جنگجو پناہ لیے بیٹھے تھے ان سب کو قتل کر دیا۔ تقریباً بیس ہزار افراد کو قتل کر کے مسلمان مجاہدین مسلمانوں کی فوج میں کامیاب ہو گئے اور بالآخر اسے بھی جہنم واصل کر دیا۔

حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر خیمے میں لایا گیا تاکہ وہاں پر ان کا علاج کیا جائے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی ان کے علاج معالجہ کی خاطر وہیں ٹھہرے رہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے انہیں شفاء عطا فرمادی اور لشکر اسلام کو ان کے ہاتھوں بفضلہ تعالیٰ فتح نصیب ہوئی۔

حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ ہمیشہ شہادت کا شوق اپنے دل میں بسائے رکھتے۔ ”باغیچہ موت“ میں بھی شہادت نصیب نہ ہوئی وہ یکے بعد دیگرے جنگوں میں شریک ہوتے رہے تاکہ شہادت کا شرف حاصل کر سکیں جو ان کی سب سے بڑی دلی تمنا تھی۔ یہاں تک کہ بلاد فارس میں جنگ نستر لڑی گئی۔ فارسی فوج ایک مضبوط ترین قلعہ میں محفوظ ہو گئی۔ مسلمان فوج نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ ان کے گرد ایسا گھیراؤ لگا جیسے کہ کنگن کلائی کے گرد گھیراؤ لے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ محاصرہ طویل عرصہ تک جاری رہا۔

فارسی فوج محاصرہ سے تنگ آ گئی تو انہوں نے محاصرہ توڑنے کے لیے ایک ترکس سوچا اور اسے لے کر

زنجیروں کو بڑی احتیاط سے قلعے کی دیوار کے اوپر سے نیچے اتار دیا۔ ان زنجیروں کے ساتھ لوہے کی کنڈیاں گرم کر کے لگائی گئی تھیں جو انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ تاکہ وہ قلعے کی دیوار کے ساتھ بیٹھے ہوئے مسلمان مجاہدین کے جسموں میں پیوست ہو جائیں اور انہیں زندہ یا مردہ حالت میں اوپر اٹھالیا جائے۔

ان میں سے ایک کنڈی حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے جسم میں پیوست ہو گئی۔ دشمن تیزی سے انہیں اوپر اٹھانے لگے۔ جب حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس صورت حال کو دیکھا تو بڑی تیزی سے قلعے کی دیوار پر چھلانگ لگائی اور اس زنجیر کو قابو کر لیا جو ان کے بھائی کو اٹھائے لے جا رہی تھی۔ کنڈی کو ان کے جسم سے نکالنے کی کوشش میں ان کا ایک ہاتھ بھی جھلس گیا لیکن انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ بالآخر ان کی محنت کا رگڑ ثابت ہوئی، بڑی جفاکشی سے اپنے بھائی کو اس مصیبت سے چھڑانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کشمکش میں ان کا ہاتھ بری طرح متاثر ہو چکا تھا۔

اس معرکہ آرائی میں حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے شہادت کی التجا کی۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کر لیا اور آپ دیدار الہی کا شوق دل میں لیے جام شہادت نوش کر گئے۔ حضرت براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی پر مشتمل اس مضمون کے لیے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

(الاصابة فی تمییز الصحابة رضی اللہ عنہ صفحہ 620۔ الاستیعاب جلد 2 صفحہ 137۔ الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 441۔ تاریخ طبری۔ الکامل فی التاريخ۔ سیرت ابن ہشام۔ حیاة الصحابة۔ کادۃ فتح قاریں۔)

حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ

”ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا

جس کی وصیت کو اس کی موت کے بعد من و عن پورا کیا گیا ہو۔“

ثابت بن قیس انصاری خزرج کے ہر و عزیز سردار تھے۔ اور یثرب کی گنی چنی شخصیتوں میں سے ایک تھے، اس کے ساتھ ساتھ یہ زندہ دل، حاضر جواب، فصیح البیان اور بلند آواز والے تھے، جب بولتے تو سامعین پر سناٹا طاری ہو جاتا، اور دیگر مقررین ان کی موجودگی میں مرعوب ہو جاتے، یہ ان خوش نصیب اشخاص میں سے تھے جنہیں یثرب میں پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

جب انہوں نے مبلغ اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی مترنم اور دلدوز آواز سے قرآن مجید کی تلاوت سنی تو دل پہ اثر کر گئی۔ جب قرآنی آیات کی تشریحات سنیں تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایمان کے لیے ان کے سینے میں انشراح (سینہ کھول دیا) پیدا فرما دیا، نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے تلے آ کر ان کی قدر و منزلت اور شان و شوکت کو چار چاند لگ گئے۔

جب پیغمبر اوّل و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے شہسواروں کو ساتھ لے کر آپ کا عظیم الشان استقبال کیا، آپ ﷺ کو اور آپ کے رفیق سفر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خوش آمدید کہا: اور آپ ﷺ کے سامنے نہایت ہی فصیح و بلیغ انداز میں خطاب کیا خطبے کا آغاز حمد و ثناء اور درود و سلام سے کیا اور اختتام ان کلمات پر کیا۔

یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ سے معاہدہ کرتے ہیں، کہ ہم دل و جان سے آپ کا ساتھ دیں گے، ہم آپ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جیسے ہم اپنی جانوں اپنی اولاد، اور اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں، یا رسول اللہ ﷺ یہ انداز اختیار کرنے پر ہمیں کیا ملے گا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اس حسن سلوک پر تمہیں جنت ملے گی..... جنت کا نام سنتے ہی قوم کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے اور بیک زبان کہنے لگے۔ اس بدلے پر ہم راضی ہیں یا رسول اللہ ﷺ۔ اس دن سے حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو خطیب کا لقب عطا کر دیا جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنا شاعر ہونے کے اعزاز سے نوازا تھا۔

جب عرب و فود آپ کے سامنے اپنی قوم کے خطباء و شعراء کی فصاحت کا تذکرہ کرتے تو آپ خطیبوں کے مقابلے میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اور شعراء کے مقابلے میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو پیش فرماتے۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بکے مومن، سچے متقی اپنے رب سے بہت زیادہ ڈرنے والے اور اللہ تبارک تعالیٰ کو ناراض کرنے والے کاموں سے اجتناب کرنے والے تھے۔ ایک روز حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے انہیں انتہائی غم و اندوہ میں مبتلا دیکھا، خوف خدا سے ان کے کندھے کانپ رہے تھے۔

آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ثابت تجھے کیا ہوا؟!

عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ مجھے اندیشہ ہے کہ میں تباہ ہو گیا ہوں۔

آپ نے پوچھا وہ کیسے؟

عرض کیا: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں منع کیا ہے کہ ہماری ایسے کارناموں پہ تعریف کی جائے جو ہم نے سرانجام ہی نہیں دیئے، اور میرا دل اس قسم کی تعریف کو پسند کرتا ہے، اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں تکبر سے منع کیا، اور میں خود پسندی کا خوگر ہوں، حضور پر نور، مخبر صادق عالم خفا و غیوب ﷺ تسلی دینے کے لیے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر مسلسل تھکی دینے لگے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے ثابت، کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ زندگی میں تمہاری تعریف ہو، شہادت کی موت نصیب ہو اور تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ خوشخبری سن کر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور کہنے لگے۔

کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ
پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم، حضورِ پُر نور، مخبرِ صادق، عالمِ خفا و غیوب، سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین
ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تیرے ساتھ اسی طرح پیش آئے گا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی۔ (سورہ حجرات آیت 2)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ
بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

ترجمہ: ”اے ایمان والو، اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز
سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا
سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔“

تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کی محفل سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگے۔
حالانکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انہیں انتہا درجے کی محبت تھی۔ غمزدہ ہو کر اپنے گھر میں ہی بیٹھے
رہتے۔ صرف فرض نمازوں کے لیے گھر سے نکلتے۔

جب نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان کی غیر حاضری کو محسوس کیا تو ارشاد فرمایا: ثابت بن قیس کی خبر کون
لائے گا۔

انصار میں سے ایک شخص نے کہا: میں یا رسول اللہ ﷺ۔ وہ شخص حالات معلوم کرنے کے لیے جب ان
کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سر نیچے کئے ہوئے افسردہ و غمگین بیٹھے ہیں۔

اس نے پوچھا اے ثابت کیا حال ہے؟

فرمایا: بہت برا حال ہے۔

اس نے پوچھا کیا ہوا؟

فرمانے لگے: تم جانتے ہو کہ میری آواز بہت اونچی ہے۔ اور اکثر اوقات میری آواز پیغمبرِ اوّل و آخر و
اعظم، حضور انور رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند ہو جاتی ہے اور قرآن مجید میں جو آیت نازل ہوئی ہے وہ بھی
تمہیں معلوم ہے میں یہاں اپنے آپ کو اس لیے روکے ہوئے ہوں کہ کہیں میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں
اور اہل جہنم میں سے ہو جاؤں۔

یہ سن کر وہ شخص حضور انور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو صورت حال بتائی
حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے خدشات آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کئے، یہ باتیں سن کر آپ ﷺ نے

ارشاد فرمایا:

اس کے پاس ابھی جاؤ اور اسے کہو کہ تم اہل جہنم میں سے نہیں ہو بلکہ تم جنتی ہو، بلاشبہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بہت بڑی بشارت تھی، اور زندگی میں ملنے والا ایک بڑا اعزاز تھا۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے، اور لڑائی کے دوران انتہائی خطرناک محاذ پر شوق شہادت میں بے دریغ لڑے ہر مرتبہ شہادت بہت قریب سے پلٹ گئی۔ یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب مسلمانوں اور مسیلمہ کذاب کی فوج کے درمیان لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ لشکر انصار کے سالار تھے اور ابو حذیفہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ عنہ لشکر مجاہدین کے سالار تھے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پورے لشکر اسلام کے سپہ سالار تھے۔

شروع کے معرکوں میں مسیلمہ کذاب کی فوجیں مسلمانوں پر غالب رہیں۔ یہاں تک کہ دشمن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خیمے میں داخل ہو گئے۔ خیمے کی طنابیں کاٹ ڈالیں اور اسے بری طرح چیر پھاڑ کے رکھ دیا اور انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بیوی کو قتل کرنے کا ارادہ بھی کر لیا۔ اس روز مسلمانوں کی حالت زار دیکھ کر حضرت ثابت بن قیس کا دل کبیدہ خاطر ہوا۔ جب مسلمان شکست خوردہ سے ہو کر ایک دوسرے کو عار دلانے لگے تو ان کا دل غم و اندوہ سے لبریز ہو گیا۔ شہری دیہاتیوں کو بزدلی کا طعنہ دینے لگے۔ اور دیہاتی شہریوں کے متعلق کہنے لگے کہ یہ لڑائی کافن جانتے ہی نہیں۔

اس نازک موقع پر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے جسم پر زعفران ملا، کفن سر پر باندھا اور سب کے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگے، مسلمانو! ہم رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ دشمن تم پر حاوی ہو چکا ہے۔

یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ تم دشمن کے مقابلے میں پسپا ہو چکے ہو۔

پھر اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور یہ دعا کی:

الہی میں مسیلمہ کذاب اور اس کی قوم کے شرک والحاد سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ الہی میں مسلمانوں کی پسپائی سے بھی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

پھر حضرت براء بن مالک انصاری، حضرت زید بن خطاب اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہم اور دیگر مسلمانوں نے کندھے سے کندھا ملا کر بیرشیر کی مانند ایک زوردار حملہ کیا جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے، اور مشرکوں کے قدم ڈمگانے لگے، میدان کارزار میں مسلسل ہر طرف سے دشمن پر کاری ضربیں لگاتے رہے اور دشمن کی طرف سے تیروں کی بوچھاڑ میں بھی بہادری کے جوہر دکھلاتے ہوئے آگے بڑھتے گئے یہاں

جلد دوم

تک کہ تیروں سے ان کا جسم چھلنی ہو گیا۔ اور اسی میدان میں اس شہادت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے جس کی بشارت حضور پر نور عالم خفا و غیوب، مخبر صادق، سرورِ دو عالم رسولِ معظم ﷺ نے انہیں دی تھی۔ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور حاصل ہوا۔ اس لیے کہ ان کی جرأت و شجاعت کی بنا پر لڑائی کا پانسہ پلٹا اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا اور انہیں فتح نصیب ہوئی۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے جسم پر ایک بہت عمدہ ذرہ تھی، آپ شہید ہو گئے تو آپ کی شہادت کے بعد ایک مسلمان فوجی وہاں سے گزرا اس نے آپ کی ذرہ اتار کر اپنے پاس رکھ لی۔

دوسری رات ایک مسلمان فوجی نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا، انہوں نے کہا میں ثابت بن قیس (رضی اللہ عنہ) ہوں کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں، فرمایا: میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں تم اسے خواب سمجھ کر بھلا نہ دینا۔

کل مجھے جب شہید کر دیا گیا تو میرے پاس سے ایک مسلمان گزرا جس کا حلیہ یہ ہے۔ وہ میری ذرع اتار کر اپنے خیمے میں لے گیا۔ وہ خیمہ چھاؤنی کے فلاں کو نے پر واقع ہے وہاں اس نے میری ذرع کو دیکھے کے نیچے رکھ دیا۔ اور دیکھے کے اوپر کجاوا رکھ دیا۔ تم خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ وہ کسی شخص کو بھیجے اور وہ میری ذرع اٹھالائے۔ وہ ابھی تک اسی جگہ پڑی ہوئی ہے۔

میں تمہیں ایک دوسری وصیت کرتا ہوں تم اسے خواب سمجھ کر ضائع نہ کرویتا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ جب تم مدینہ منورہ خلیفۃ الرسول، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچو تو انہیں یہ کہنا کہ ثابت بن قیس (رضی اللہ عنہ) پر اتنا قرض ہے، اور اس کے فلاں اور فلاں دو غلام ہیں، میرا قرض ادا کر دیں اور میرے غلاموں کو آزاد کر دیں۔

اس کے بعد اس شخص کی آنکھ کھل گئی، تو اٹھ کر وہ سیدھا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور خواب میں جو کچھ دیکھا انہیں کہہ سنایا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ذرع لانے کے لیے ایک شخص کو بھیجا اور اس جگہ اسی حالت میں موجود تھی۔ وہ اٹھا کر لے آیا۔ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بتائی، تو انہوں نے اس وصیت کو پورا کر دیا۔ ان سے پہلے اور نہ ہی ان کے بعد کوئی ایسا شخص دکھائی دیتا ہے جس نے فوت ہونے کے بعد اس اعزاز سے وصیت کی ہو اور پھر وہ من و عن پوری کر دی گئی ہو۔

اللہ تبارک تعالیٰ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے راضی اور وہ اپنے اللہ سے راضی۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ نے انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے اور ہمیں ان کا اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی پر مشتمل اس مضمون کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔
(الاصابہ مترجم جلد صفحہ 904۔ الاستیعاب جلد 1 صفحہ 192۔ تہذیب التہذیب جلد 2 صفحہ 12۔ فتح الباری جلد 6 صفحہ 405۔ تاریخ اسلام علامہ ذہبی جلد 1 صفحہ 371۔ حیاۃ الصحابہ چوتھی جلد۔ البیان والتبیین جلد 1 صفحہ 201، 359۔ سیرت ابن ہشام جلد 2 صفحہ 152۔ جلد 3 صفحہ 318۔ جلد 4 صفحہ 207۔ الصدیق حسین بیگل صفحہ 160۔ سیر اعلام النبلاء۔ اسد الغابہ جلد 1 صفحہ 275۔)

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ

تاریخ دعوت محمدیہ میں حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کا نام ایک سنہری باب کی حیثیت رکھتا ہے۔
اگر آپ اسے عبادت گزاروں میں تلاش کریں تو وہ متقی، پرہیزگار، شب زندہ دار اور رات بھر قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں میں ملیں گے۔ اگر آپ اسے جوانمردوں میں تلاش کریں گے تو اسے بہادر، نڈر، جرأت مند اور اللہ کا نام بلند کرنے کے لیے معرکوں میں بے خطر کود جانے والا دیکھیں گے۔
آپ اسے حکمرانوں میں تلاش کریں گے۔ تو اسے طاقت ور، امانت دار اور مسلمانوں کے مال کا محافظ پائیں گے۔

بے شمار خوبیوں کی بناء پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کے اور اس کی قوم کے دیگر دو اشخاص کے متعلق ارشاد فرمایا۔

انصار میں تین اشخاص ایسے ہیں کہ فضل و شرف میں کوئی ان سے بڑھ کر نہیں وہ تمام ایک ہی قبیلے بنو عبد الاشہل کے فرد ہیں۔

سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم۔

وادی یشرب کے افق پر جب ہدایت محمدیہ کی پہلی کرن چمکی اس وقت حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ آ بھرتے ہوئے کڑیل جوان فرشتہ سیرت، پاکیزہ نگاہ اور پاکدامن کڑیل جوان تھے۔ جس کے چہرے پر پاکیزگی و پاکدامنی کی رونق اور تروتازگی دکھائی دیتی تھی۔ اور اس کے کارناموں سے پختہ کار لوگوں کی سنجیدگی کے آثار نمایاں دکھائی دیتے حالانکہ ابھی اس نے عمر کی پچیس بہاریں ہی تو دیکھی تھیں۔

جب مکہ معظمہ سے آنے والے نوجوان مبلغ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو ایمان کی مقناطیسی قوت نے دونوں کے دل جوڑ دیئے۔ اچھی عادات اور عمدہ خصائل نے دونوں کے درمیان محبت اور وحدت پیدا کر دی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو جب خوش الحانی اور ترتیل کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا تو کلام الہی کی محبت دل میں گھر کر گئی اور دل اسے اندر جذب کرنے کے لیے کشادہ ہو گیا۔ پھر یہ ہمہ وقت قرآن مجید ہی کے ہو کر رہ گئے۔ دن ہو یا رات سفر ہو یا حضر کھڑے ہوں یا بیٹھے ہر دم قرآنی آیات ہی ان کی زبان پر

ہوتیں۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں امام و پیشوا قرآن کے رفیق و دوست کے نام سے مشہور ہو گئے۔
ایک رات کا واقعہ ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم رسول کریم ﷺ مسجد نبوی سے ملحق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بجرے میں نماز تہجد ادا کر رہے تھے، تو آپ نے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو دل آویز و دل سوز آواز میں ایسے ہی قرآن مجید پڑھتے سنا جیسا جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آپ کے قلب اطہر پر نازل ہوا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

عائشہ رضی اللہ عنہا مجھے عباد بن بشر (رضی اللہ عنہ) کی آواز سنائی دے رہی ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ یہ اسی کی آواز ہے۔
آپ نے دعا کی: الہی اسے بخش دے۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور غزوہ میں کوئی نہ کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دیا جو ایک حامل قرآن کے لیے لائق و مناسب ہو سکتا ہے۔
بطور مثال ایک کارنامہ پیش خدمت ہے۔

جب پیغمبر اول و آخر و اعظم نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ مجاہدین اسلام کے ہمراہ ذات الرقاع سے واپس تشریف لارہے تھے تو رات گزارنے کے لیے ایک پہاڑی کی اوٹ میں پڑاؤ کیا۔ ہوا یہ کہ اس غزوہ میں دشمن کے قیدیوں میں ایک عورت بھی قید ہو کر آئی جس کا خاوند وہاں موجود نہ تھا۔ جب اسے صورت حال کا علم ہوا تو اس نے لات و عزی کی قسم کھا کر کہا کہ میں مسلمانوں کے لشکر کا پیچھا کروں گا۔ اور اسے نقصان پہنچائے اور خون بہائے بغیر واپس نہیں لوٹوں گا۔

جب مسلمانوں نے پہاڑ کی اوٹ میں پڑاؤ کیا تو پیغمبر اول و آخر و اعظم رسول کریم ﷺ نے مجاہدین سے پوچھا۔

آج رات پہرہ کون دے گا؟

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ایک دم اٹھے اور بولے ہم یا رسول اللہ ﷺ پہرہ دیں گے۔
یہ جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تھے تو حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کو بھائی قرار دیا تھا۔
جب پہرہ دینے کے لیے پہاڑ کے درے میں کھڑے ہوئے تو حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

آپ رات کے پہلے حصے میں سونا پسند کریں گے یا آخری حصے میں۔ انہوں نے کہا۔ میں پہلے حصے میں آرام کروں گا اور آخری حصے میں پہرہ دوں گا۔ یہ کہہ کر اس کے نزدیک ہی لیٹ گئے۔
رات تاریک، خنک، پرسکون اور اطمینان بخش تھی۔ رات کی تاریکی میں جھلملاتے ہوئے تارے، لہلہاتے

نورِ اَمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿ ۲۹۳ ﴾ جلد دوم

ہوئے درخت اور اپنی جگہ ہمہ تن ادب و احترام کی تصویر بنے ہوئے پتھر اپنے رب کی تعریف، پاکیزگی اور عظمت کے زبان حال سے نغمے الاپ رہے تھے۔

اس والا ویز، دلفریب اور دلکش ماحول میں حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ کیوں نہ عبادت اور تلاوت سے اپنے دل کو شاد باغ و شاد کام کیا جائے۔ اسے قرآن مجید کی تلاوت سے بڑھ کر کوئی اور چیز لطف نہ دیتی اور جب یہ نماز میں تلاوت کرتے تو مزاد و چند ہو جاتا۔ پھر یہ قبلہ رخ کھڑے ہوئے، نماز شروع کر دی، اپنی دل سوز، دل آویز اور شیریں آواز میں سورہ کہف کی تلاوت شروع کر دی۔

جب یہ لشکارے مارتے ہوئے نور الہی کے دریا میں تیر رہے تھے اور اس کی نوری کرنوں کی ضیاء پاشیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ ایک بد بخت دشمن جس کی بیوی اس قافلے میں قیدی کی حیثیت سے شامل تھی دبے پاؤں بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ جب دور سے اس نے دیکھا کہ پہاڑی کے درے میں ایک شخص کھڑا پہرہ دے رہا ہے۔ وہ سمجھا یقیناً نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی اس پہاڑی کی اوٹ میں آرام کر رہے ہوں گے۔ اس نے جلدی سے کمان پکڑی ترکش سے ایک تیر نکالا اور نشانہ باندھ کر چلا دیا۔ وہ سیدھا حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ انہوں نے ہاتھ سے تیر پکڑا اور اپنے جسم سے کھینچ کر پرے پھینک دیا۔ دشمن نے دوسرا تیر مارا وہ بھی ان کے جسم میں پیوست ہو گیا انہوں نے وہ بھی نکال کر پھینک دیا۔ اس نے تیسرا تیر مارا وہ بھی سیدھا آپ کے جسم میں پیوست ہو گیا اور یہ تیر پہلے دو کی نسبت زیادہ گہرا لگا۔ لیکن انہوں نے اسے بھی کھینچ کر پرے پھینک دیا۔ اب کیا تھا کہ جسم سے خون کے فوارے پھوٹ نکلے۔ آپ نے نماز و عبادت ختم کی، سلام پھیرا اور پھر دھیرے دھیرے کھسک کر اپنے سوئے ہوئے ساتھی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قریب ہوئے اور اسے جگا دیا۔

کہنے لگے بھائی اٹھو زخموں کے گھاؤ نے تو میرے بدن کا خون نچوڑ لیا ہے۔ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا ہے۔ کمزوری و نقاہت سے میرا دل ڈوب رہا ہے۔ جب تیر مارنے والے دشمن نے دیکھا کہ درے میں ایک کی بجائے دو آدمی ہیں تو وہ خوف کے مارے بھاگ نکلا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے ساتھی حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کے جسم میں تین جگہ سے خون تیزی سے بہہ رہا ہے۔ تو وہ گھبرا گئے۔

فرمانے لگے بڑے تعجب کی بات ہے۔ پہلا تیر لگنے پر مجھے جگا دیا ہوتا!

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں اپنے من میں ڈوب کر دنیا و مافیہا سے بے نیاز نماز کی حالت میں سورہ کہف پڑھ رہا تھا۔ اور مجھے اس قدر لطف آ رہا تھا کہ دل نہ چاہا کہ سورہ مکمل پڑھے بغیر سلام پھیر دوں۔

اللہ کی قسم اگر مجھے اس ذمے داری کے زیاں و نقصان کا اندیشہ نہ ہوتا جو پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رسول کریم ﷺ نے مجھ پر عائد کیا ہے تو میری جان چلی جاتی اور میں یہ نماز اور تلاوت کا سلسلہ منقطع نہ ہونے دیتا۔

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مرتدین کے خلاف معرکہ آرائی ہولناک صورت اختیار کر چکی تھی تو انہوں نے مسلمانہ کذاب کے فتنے کو ختم کرنے اور بھرے ہوئے مرتدین کو پسپا کرنے کے لیے ایک لشکرِ جرار تیار کیا۔ جس میں حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ بڑے نمایاں صفِ اول کے بہادروں میں دکھائی دیتے تھے۔ لشکرِ اسلام اور مسلمانہ کذاب کی فوج جب آپس میں ٹکرائی، گھمسان کا رن پڑا۔ دشمن فوج کی پسپائی کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔ لشکرِ اسلام کو کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہو رہی تھی۔

اس نازک و تریک صورتِ حال میں حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ انصارِ مہاجرین پر اور مہاجرین انصار پر تکیہ لگائے ہوئے ایک دوسرے کو ناکامی کا سبب قرار دے رہے ہیں۔ تو یہ غیظ و غضب سے تملتا اٹھے۔ لیکن اپنے آپ پر ضبط کرتے ہوئے انہوں نے اس ہولناک معرکہ میں لشکرِ اسلام کی کامیابی کے اسباب و ذرائع پر سوچا۔ بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اب کامیابی کی ایک ہی صورت ہے کہ مہاجرین اور انصار الگ الگ منصوبہ بندی کریں۔ پھر ایک ساتھ دشمن کی فوج پر دونوں طرف سے حملہ آور ہوں۔ تاکہ پتہ چل سکے کہ کمزوری کس طرف سے واقع ہو رہی اور جم کر مقابلہ کون کر رہا ہے۔

ایک رات جب لڑائی پورے شباب پر تھی۔ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو نیند آئی اور اس میں خواب دکھائی دی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان کا دروازہ کھلا میں اندر داخل ہوا تو دروازے کو بند کر دیا گیا۔ صبح ہوئی تو میں نے یہ خواب حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کو بیان کیا اور ساتھ ہی خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا۔

اے ابوسعید! اللہ کی قسم اس خواب میں مجھے شہادت کا اشارہ دیا گیا ہے۔

جب دن چڑھا لڑائی شروع ہوئی تو حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر باواز بلند پکار پکار کر کہنے لگے۔ اے انصار لوگوں سے الگ ہو جاؤ۔ اپنی تلواروں کی نیا میں توڑ ڈالو۔ دیکھو تمہاری طرف سے اسلام پہ کوئی آنچ نہ آنے پائے۔ پورے جوش و جذبہ سے بار بار یہ بات دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس چار سو افراد جمع ہو گئے۔ جن میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضور انور رسول اللہ ﷺ کا شمشیر بردار حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ان مجاہدین کی قیادت کرتا ہوا اپنی شمشیر براں سے دشمن کی صفیں چیرتا ہوا ہلاکت و موت سے بزورِ سینہ اٹھکیلیاں کرتا ہوا آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ مسلمانہ کذاب کی فوج کو ”گلستانِ موت“ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ دیوانہ وار لڑتے ہوئے باغ کی دیوار کے پاس زخم کھا کر گرے اور شہید ہو گئے۔

دشمن کی تلواروں، تیروں اور نیزوں کے زخموں سے ان کا بدن چھلنی ہو چکا تھا۔ چہرے پر اس قدر زخم تھے

کہ پچھانا نہ جاتا تھا۔ پرانے زخم کے ایک نشان کی بنا پر ان کی شناخت ہو سکی۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی پر مشتمل اس مضمون کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

(تاریخ اسلام ذہبی جلد 1 صفحہ 370۔ تہذیب التہذیب جلد 5 صفحہ 90۔ الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 440۔ المعجم فی التاریخ صفحہ

282۔ سیر اعلام النبلاء جلد 1 صفحہ 243۔ حیاة الصحابة جلد 1 صفحہ 716۔)

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ

ایسا عظیم صحابی جس نے جنت میں
لنگڑاتے ہوئے چل کر داخل ہونے کا عزم کیا

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو زمانہ جاہلیت میں یثرب کا ایک عظیم رہنما مانا جاتا تھا۔ آپ قبیلہ بنو سلمہ کے سردار تھے اور آپ کا شمار اس وقت کے نخی اور بہادر لوگوں میں ہوتا تھا۔

زمانہ جاہلیت میں سرداران عرب میں یہ رواج تھا کہ ہر سردار کے لیے ایک خصوصی بت ہوتا تھا۔ جسے وہ بڑے اہتمام سے اپنے گھر میں رکھتا تا کہ صبح و شام اس سے برکت حاصل کرے۔ خوشی کے وقت اس کے نام پر جانور قربان کرے اور مصیبت کے وقت اس سے مدد و پناہ طلب کرے۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے بت کا نام مناة تھا اور اسے بڑی عمدہ لکڑی سے تیار کروایا گیا تھا۔ گھر میں اس کی بڑی نگہداشت کی جاتی اور انتہائی عقیدت کے ساتھ اسے اعلیٰ قسم کے عطریات لگائے جاتے۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی جب ایمان کی کرنیں یکے بعد دیگرے یثرب کے ہر گھر میں ضیا پاشیاں کرنے لگیں۔ سب سے پہلے مبلغ اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی انتھک کوشش اور تبلیغ سے حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت معوذ، حضرت معاذ، حضرت خلد رضی اللہ عنہم اور ان کے مخلص دوست حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

اپنے بیٹوں سے متاثر ہو کر ان کی والدہ ماجدہ ہند بھی مسلمان ہو گئیں لیکن حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم نہ ہوسکا کہ اس کے تمام افراد خانہ مسلمان ہو گئے ہیں۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہند نے سوچا کہ اس وقت اہل یثرب کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ سرداران قوم میں سے ان کے خاوند اور دیگر چند افراد کے علاوہ کبھی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ بیوی کے دل میں بڑی شدت کے ساتھ یہ احساس پایا جاتا تھا کہ کہیں ان کا خاوند حالت کفر ہی میں نہ مر جائے۔ ادھر حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ کہیں ان کے بیٹے اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ کر مبلغ اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی پیروی نہ اختیار کر لیں جنہوں نے تھوڑی ہی مدت میں بہت سے افراد کو اپنے آبائی دین سے منحرف کر کے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدائی بنا دیا تھا۔

انہوں نے اپنی بیوی سے کہا۔

ہند خبردار! خیال رکھنا کہ کہیں تیرے بیٹے مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) کے چنگل میں نہ پھنس جائیں پھر یوں کہا! کہ ہمیں اس شخص کے متعلق کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔

بیوی نے عرض کیا۔

آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن کیا آپ اپنے بیٹے معاذ (رضی اللہ عنہ) سے وہ بات سننا پسند کریں گے جو وہ مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بیان کرتا ہے۔

انہوں نے کہا بڑے افسوس کی بات ہے کیا معاذ (رضی اللہ عنہ) اپنے دین سے منحرف ہو چکا ہے اور مجھے اس کا علم بھی نہ ہو سکا۔ اس نیک خاتون نے جب اپنے خاوند کے تیور دیکھے تو فوراً بولی نہیں بیٹا تو صرف مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) کی کسی ایک مجلس میں شریک ہوا تھا۔ جو اس مجلس میں باتیں ہوئیں وہ اس نے زبانی یاد کر لیں۔ تو اس نے کہا:

اچھا بیٹے کو میرے پاس لاؤ بیٹا جب سامنے آیا تو اسے کہنے لگے مجھے بھی وہ کچھ سناؤ جو تم اس مجلس میں سن کر آئے ہو تو بیٹے نے سورہ فاتحہ کی تلاوت شروع کر دی۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ
نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ
عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔ تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔
رحمان و رحیم ہے۔ روز جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے
ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ جو معتبوب نہیں ہوئے۔
جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔ (قرآن حکیم سورہ فاتحہ) آمین۔

سن کر کہنے لگے یہ تو بہت عمدہ کلام ہے۔

کیا اس کی ہر بات اسی طرح کی ہوتی ہے۔

حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) نے کہا:

ابا جان اس سے بھی عمدہ، ان کی باتوں سے متاثر ہو کر تو آپ کی پوری قوم ان کے ہاتھ پر بیعت کر چکی
ہے۔ کیا آپ بیعت نہیں کریں گے؟

بیٹے کی یہ بات سن کر تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر کہنے لگے میں تو اتنا بڑا فیصلہ و اقدام اپنے معبودِ منانہ
سے مشورہ لیے بغیر نہیں کر سکتا۔ دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے اس سلسلہ میں کیا حکم دیتا ہے۔

بیٹے نے کہا:

ابا جان یہ ممکن ہی نہیں کہ مناة آپ سے کوئی بات کرے۔ یہ تو ایک لکڑی کا بنا ہوا بت ہے جس میں نہ سننے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی جواب دینے کی۔

باپ غصے سے بولا:

میں نے تجھے ایک دفعہ کہہ دیا ہے کہ میں ہرگز اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کروں گا جب تک کہ مناة سے مشورہ نہ کر لوں۔

پھر حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اٹھ کر مناة کی طرف گئے۔ ان کا یہ معمول تھا کہ جب کبھی اپنے معبود مناة سے کوئی بات کرنا ہوتی تو اس کے پیچھے اوٹ میں ایک بڑھیا عورت کو کھڑا کر دیتے۔ اس سلسلہ میں ان کا یہ خیال تھا کہ بڑھیا میرے ہر سوال کا وہی جواب دیتی ہے جو مناة کی طرف سے ان کے ذہن میں القاء کیا جاتا ہے۔ پھر وہ مناة کے سامنے اپنی ایک ٹانگ کے بل سیدھے کھڑے ہو گئے کیونکہ ان کی دوسری ٹانگ لنگڑی تھی۔ پہلے تو انہوں نے مناة کی بہت تعریف کی پھر یہ عرض پیش کی۔

اے مناة! بلاشبہ تجھے اس بات کا علم ہے کہ یہ مبلغ مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) جو مکہ سے ہماری اس وادی میں وارد ہوا ہے یہ آپ کے علاوہ اور کسی کو کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ یہ یہاں صرف اس لیے آیا ہے کہ ہمیں تیری عبادت سے روک دے۔

مجھے یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی کہ یونہی اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں۔ حالانکہ میں نے اس کی بہت عمدہ باتیں بھی سنی ہیں۔ آج میں اسی لیے آپ سے مشورہ لینے آیا ہوں ازراہ کرم میری راہنمائی فرمائیں میں بہت پریشان ہوں۔

لیکن مناة کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر بڑے افسردہ ہوئے اور کہا:

میرے پیارے مناة شاید آپ ناراض ہو گئے ہیں۔

میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو آپ کو ناگوار گزرے۔ آپ ناراض نہ

ہوں میں چند دن تک آپ کے پاس آؤں گا تا کہ آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے تینوں بیٹے یہ جانتے تھے کہ ان کے والد کا اپنے معبود مناة کے ساتھ بہت گہرا قلبی تعلق ہے۔ یہ تعلق خاطر بھلا کیوں نہ ہو۔ ایک طویل عرصہ سے مناة کی پوجا پاٹ اس کے رگ وریشے میں رچ بس چکی تھی۔ لیکن انہیں اس حقیقت کا بھی احساس ہوا کہ باپ کے دل میں مناة کی قدر و منزلت میں چنداں کمی واقع ہو چکی ہے۔ لیکن ان کی یہ کوشش تھی کہ مناة کی محبت ان کے دل سے بالکل نکال دیں تب ہی وہ

ایمان قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوں گے۔

ایک دفعہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے تینوں بیٹے اپنے ساتھی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ رات کی تاریکی میں مناة کے پاس آئے۔ انہوں نے اسے اٹھایا اور لے جا کر اس کو ایک گڑھے میں پھینک دیا۔ جس میں بنو سلمہ گندگی پھینکا کرتے تھے۔ یہ کارروائی کرنے کے بعد چپکے سے وہ گھر لوٹ آئے۔

کسی کو بھی اس واقعہ کا کوئی علم نہ ہوسکا۔ جب صبح کے وقت حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اپنے معبود کو سلام کرنے کے لیے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بت تو وہاں سے غائب ہے کہنے لگے۔
صد افسوس رات ہمارے معبود کو کسی نے غائب کر دیا۔

اہل خانہ میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔ تو انہوں نے اپنے گھر کے اندر اور باہر ہر جگہ دیکھا غصے سے بیچ و تاب کھاتے ہوئے تلاش کرتے کرتے اس گڑھے تک جا پہنچے جس میں لوگ گندگی پھینکتے ہیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ مناة سر کے بل اس گڑھے میں پڑا ہوا ہے۔ اسے باہر نکالا دھویا صاف کیا، اسے خوشبو لگائی اور وہاں سے اٹھا کر دوبارہ اپنے گھر لے جا کر اس کی جگہ پر کھڑا کر دیا اور اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔
خدا کی قسم! اگر مجھے اس شخص کا علم ہو جاتا جس نے تیرے ساتھ یہ سلوک کیا تو اسے آج بہت ذلیل و رسوا کرتا۔

جب دوسری رات ہوئی تو بیٹے بت کو چپکے سے اٹھا کر اسی گڑھے میں پھر پھینک آئے جس میں اسے پہلی رات پھینکا تھا۔

باپ نے صبح کے وقت دیکھا کہ اس کا معبود مناة پھر غائب ہے تلاش بسیار کے بعد انہیں پھر اسی گڑھے میں منہ کے بل پڑا ہوا ملا وہاں سے اسے باہر نکالا، دھویا، صاف کیا اور اسے اٹھا کر گھر لے آئے اور دوبارہ اس کی جگہ پر لا کر کھڑا کر دیا۔

تینوں بیٹے روزانہ مناة کے ساتھ یہی سلوک کرتے رہے۔

باپ اس صورت حال سے بے حد پریشان ہوا۔ ایک دن اس نے ایسے کیا کہ اپنی تلوار مناة کے گلے میں لٹکا دی اور کہنے لگا۔

اے میرے مناة! مجھے تو علم نہیں کہ تیرے ساتھ یہ سلوک کون کر رہا ہے اگر تم میں ہمت ہے تو خود اپنا دفاع کرو یہ تلوار تیرے پاس موجود ہے یہ کہا! اور خود اپنے بستر پر آ کر لیٹ گئے۔

جب بیٹوں کو یقین ہو گیا کہ ان کا باپ گہری نیند سو گیا ہے تو وہ دبے پاؤں مناة کے پاس آئے اس کی گردن سے تلوار اتاری اور اسے چپکے سے اٹھا کر گھر سے باہر نکل گئے۔ انہوں نے اس کے ساتھ ایک مرا ہوا کتا بھی باندھ دیا اور بنو سلمہ کے اس کنوئیں میں پھینک آئے جس میں گنداپانی جمع ہوتا تھا۔

باپ جب نیند سے بیدار ہوا دیکھا کہ مناة پھر غائب ہے۔ تلاش کرتے ہوئے وہ کنوئیں تک پہنچا۔ اس میں دیکھا کہ مناة مونہہ کے بل اس میں پڑا ہوا ہے اور ایک مردہ کتا اس کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور تلو اس سے چھین لی گئی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے دل میں نفرت پیدا ہو گئی اور اس دفعہ اسے وہیں رہنے دیا اور کہنے لگے۔ خدا کی قسم اگر تو حاجت روا ہوتا کچھ کرنے کے قابل ہوتا تو تُو اور کتا ایک ساتھ کنوئیں میں نہ پڑے ہوتے اور پھر

تھوڑی ہی دیر بعد اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ لذت ایمانی سے شاد کام ہوئے۔ لیکن انہوں نے شرک کی حالت میں جو دن گزارے تھے۔ اس پر انہیں انتہائی افسوس تھا۔ اب وہ دین اسلام کی طرف پورے اخلاص سے متوجہ ہوئے۔ اپنی جان، مال اور اولاد کو اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور رسول مقبول ﷺ کے لیے وقف کر دیا۔

تھوڑے ہی عرصہ بعد غزوہ احد وقوع پذیر ہوا۔ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے اپنے تینوں نوجوان بیٹوں کو دیکھا کہ وہ دشمن سے مقابلہ کرنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اور صبح و شام بہادر شیروں کی مانند آ جا رہے ہیں اور وہ جام شہادت نوش کرنے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہر دم بے چین ہیں۔ آپ نے اپنے بیٹوں کے جذبہ جہاد سے متاثر ہو کر خود بھی میدان کارزار میں رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کا عزم کر لیا۔ لیکن بیٹوں نے اپنے باپ کو اس ارادہ سے روکا۔ کیونکہ ایک تو وہ عمر رسیدہ تھے مزید برآں وہ ایک ٹانگ سے معذور بھی تھے۔ بیٹوں نے عرض کی:

ابا جان، اللہ تبارک تعالیٰ کی جانب سے آپ معذور ہیں آپ یہ تکلیف نہ اٹھائیں اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا ہے۔

باپ اپنے بیٹوں کی باتیں سن کر رنجیدہ خاطر ہوئے اور پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شکوہ کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میرے بیٹے مجھے جہاد میں شریک ہونے سے روک رہے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ میں لنگڑا ہوں۔

خدا کی قسم میں تو لنگڑا تا ہوا جنت میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔

حضور پر نور رسول اللہ ﷺ نے ان کا یہ شوق دیکھ کر ان کے بیٹوں سے ارشاد فرمایا: انہیں جہاد میں شریک ہونے دو۔ شاید اللہ تبارک تعالیٰ انہیں شہادت نصیب فرمادیں۔ رسول اللہ ﷺ کا حکم سن کر بیٹوں نے خاموشی اختیار کر لی۔

جب جہاد کے لیے میدان کی طرف نکلنے کا وقت آیا تو حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو اس انداز سے الوداع کہا، جیسا کہ اب کبھی واپس گھر نہیں لوٹیں گے۔ پھر قبلہ رخ ہو کر آسمان کی طرف اپنے ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا کی۔

الہی! مجھے شہادت نصیب کرنا اور مجھے ناکام بنا کر اپنے اہل خانہ کی طرف نہ لوٹانا۔ پھر وہ اپنے بیٹوں کے جلو میں میدان جنگ کی طرف چل پڑے۔ ان کی قوم بنو سلمہ کے بہت سے افراد اس جنگ میں شریک ہوئے۔ جب میدان کا رزار گرم ہوا تو مجاہدین اسلام رسول اللہ ﷺ کے گرد مختلف دستوں میں بٹ گئے۔ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ سب سے اگلے دستہ میں چلے جا رہے ہیں۔ اور اپنی ایک ٹانگ کے سہارے چوکڑیاں بھرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں اور اپنی زبان مبارک سے یہ کہہ رہے ہیں۔ میں جنت کا مشتاق ہوں۔ میں جنت کا متلاشی ہوں۔ اور ان کے پیچھے ان کا بیٹا خلاد رضی اللہ عنہ چلا آ رہا تھا۔ یہ بوڑھے مجاہد اور ان کا جوان بیٹا رسول اللہ ﷺ کی جانب سے مسلسل دفاع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ دونوں یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں جام شہادت نوش فرما گئے۔

جب جنگ ختم ہوئی تو حضور انور نبی کریم ﷺ ورحیم رسول اللہ ﷺ شہداء کی طرف تشریف لے گئے۔ تاکہ ان کی تدفین کا بندوبست کیا جائے۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

شہداء اسلام کو خون اور زخموں کی حالت میں ہی رہنے دو۔

روز قیامت تبارک تبارک تعالیٰ کے حضور میں ان کی شہادت کی گواہی دوں گا۔

پھر ارشاد فرمایا:

جب کوئی شخص اللہ تبارک تعالیٰ کی راہ میں زخمی کر دیا جاتا ہے تو اسے قیامت کے دن اس حالت میں اٹھایا جائے گا کہ اس کے زخموں سے زعفرانی رنگ کا خون بہہ رہا ہوگا اور اس سے کستوری کی خوشبو آ رہی ہوگی۔ پھر ارشاد فرمایا:

عمرو بن جموح (رضی اللہ عنہ) اور عبد اللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہ) ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دو یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محض اللہ تبارک تعالیٰ کی رضا کے لیے محبت کیا کرتے تھے۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی احد کے شہداء سے اللہ تبارک تعالیٰ راضی ہو گیا اور ان کی قبروں کو اپنی رحمت سے منور کر دیا۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی پر مشتمل اس مضمون کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے دنیا کے بدلے آخرت کا سودا کیا
اللہ تبارک تعالیٰ اور حضور انور رسول اللہ ﷺ کو ہر چیز پر مقدم جانا۔۔۔۔۔ مورخین

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ ان ہزاروں میں ایک جوان رعنا تھے جو سرداران قریش کی دعوت پر مکہ معظمہ کی بالائی جانب مقام تنعیم کی طرف محض اس لیے چل کھڑے ہوئے تاکہ نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے ایک صحابی حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں، جنہیں قریش نے دھوکے سے پکڑ لیا تھا۔

اس کے شباب فراواں اور ابھرتی ہوئی جوانی نے اسے اس قابل بنادیا تھا کہ وہ لوگوں کے کندھے پھلانگتا ہوا ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ ایسے سرداران قریش کے برابر کھڑا ہو سکے۔ وہاں ان دونوں کے سوا اور بھی شہسواران عرب موجود تھے جو اگلی صفوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اسے اس طرح یہ موقع ملا کہ قریش کے اس اسیر کو پچشم خود پابجولاں دیکھ سکے۔ اس نے اس منظر کا مشاہدہ کیا کہ عورتیں، بچے اور جوان سب اسے موت کی وادی کی طرف بے دریغ دھکیل رہے ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس صحابی رسول اللہ ﷺ کو شہید کر کے حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے انتقام لیں اور یوں بدر کے مقتولین کی رسوائی کا بدلہ چکائیں۔

جب یہ ہجوم اپنے اس قیدی کو لے کر اس مقام پر پہنچا جو پہلے سے اس کی شہادت کے لیے متعین تھا۔ تو اس مرحلہ پر طویل القامت نو جوان سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی طرف نظر دوڑائی سرداران قریش اسے کشاں کشاں تختہ دار کی طرف لے جا رہے تھے۔ اس نے عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار اور شور میں ایک پروقار اور پرسکون آواز سنی۔ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے۔

اگر تمہارے لیے ممکن ہو تو مجھے مرنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لینے کی مہلت دو!

پھر سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کعبہ رخ کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ دو رکعتیں کیسی تھیں، اتنی حسین، اتنی مکمل کہ کیا کہنے! اس کے بعد اس نے یہ دیکھا کہ قوم کے سرداروں کی طرف منہ کر کے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ یہ کہہ رہے ہیں۔

بخدا! اگر مجھے اس بدگمانی کا اندیشہ نہ ہوتا کہ تم کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ میں نے نماز کو موت کے ڈر سے طوالت دی ہے تو میں نماز میں اور زیادہ وقت صرف کرتا۔ پھر اس نے سرداران قریش کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا زندہ حالت میں مثلہ کر رہے ہیں یعنی یہ لوگ ان کے جسم کا ایک ایک عضو یکے بعد

دیگرے کاٹ رہے ہیں۔ اور کہہ رہے ہیں کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تمہاری جگہ حضرت محمد ﷺ ہوں اور تم اس تکلیف سے بچ جاؤ؟

ان کا اس حالت میں کہ خون کے دھارے جسم سے پھوٹ رہے تھے جواب یہ تھا۔

خدا کی قسم مجھے یہ قطعاً پسند نہیں کہ میں اپنے اہل و عیال میں امن اور چین سے رہوں اور حضرت محمد ﷺ کو ایک کاٹا بھی چھبے۔ پھر جناب سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ فضا میں ہاتھ ہلا کر اور آواز بلند کہہ رہے ہیں۔

اسے مار ڈالو، اسے مار ڈالو، اس کے بعد انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ تختہ دار پر اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے اللہ تبارک تعالیٰ سے یہ التجا کر رہے ہیں۔

الہی! ان سب ظالموں کو شمار کر لے اور انہیں گمراہی و کفر کے بدلے تباہی کا مزا چکھا اور ان میں سے کسی کو معاف نہ کر۔ یہ کہہ کر انہوں نے زندگی کی آخری سانس لی یہ وہ لمحہ تھا جب ان کا جسم تلوار اور نیزوں کی ضربات سے چور تھا اور اتنے زخم کھا چکا تھا کہ جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

قریش بالآخر مکہ واپس لوٹ آئے اور اس کے بعد پیش آنے والے بڑے بڑے سنگین معرکوں کی بہتات میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے واقعہ شہادت کو یکسر بھلا بیٹھے۔ لیکن اس نوجوان سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے پردہ دل سے ایک لحظہ کے لیے بھی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر محو نہ ہوا۔ چنانچہ یہ جب بھی سوتے خواب میں یہ منظر برابر دکھائی دیتا اور بیدار ہوتے تو چشم خیال میں یوں محسوس ہوتا جیسے کہ تختہ دار کے آگے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پورے اطمینان کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کی پرورد آواز جیسے ان کے کانوں میں گونج رہی ہے اور وہ قریش کے خلاف دعا میں مصروف ہیں اور اس خیال سے ان کا کلیجہ دہل جاتا ہے کہ کہیں آسمان کا کڑکا ان کو آنے لے یا آسمان سے پتھر گر کر ان کو تباہ نہ کر دیں۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش کر کے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو وہ کچھ سکھا دیا جس کا انہیں پہلے قطعی علم نہ تھا۔

انہیں سکھایا کہ حقیقی زندگی عقیدہ اور عقیدے کی راہ میں تادم آخر مسلسل جہاد کرنے کا نام ہے۔ دوسری بات جو اس واقعہ سے انہوں نے سیکھی وہ یہ تھی کہ پختہ و محکم ایمان ایسے عجیب و غریب کردار کو جنم دے سکتا ہے جو عام حالات میں ظہور پذیر نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں انہیں اس حقیقت کا بھی احساس ہوا کہ وہ شخص جس سے اس کی رفقاء اس درجہ محبت رکھتے ہیں کہ اس پر جان نچھاور کر دیں بلاشبہ اللہ کا سچا رسول ﷺ ہے۔ جن کی تائید کے سامان آسمان کی طرف سے مہیا ہوتے ہیں۔ اس کا یہ سوچنا تھا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ چنانچہ اس نے برسرِ مجمع یہ اعلان کر دیا کہ میں بت پرستی کی آلائشوں سے پاک ہو کر اور

بے اختیاروں سے منہ موڑ کر ایک اللہ کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں میں آج سے مسلمان ہوں۔
حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے مکہ کی سکونت ترک کر کے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی اور رسول اللہ ﷺ کی اور صحبت میں رہنے لگے۔ خیبر اور اس کے بعد ہونے والے غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔

جب پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنے رب کے جوار رحمت کی طرف کوچ کیا اس وقت آپ ﷺ حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ سے ان کی خدمات کی وجہ سے خوش تھے۔ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں میں حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ برہنہ شمشیر بن کر رہے۔ اور ایسی زندگی بسر کی جو مسلمانوں کے لیے کردار کا نادر نمونہ ثابت ہوئی، جنہوں نے دنیا کو بیچ کر آخرت کا سودا کیا اور اللہ تبارک تعالیٰ کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات کے مقابلہ میں رائج اور مقدم جانا۔

رسول اللہ ﷺ کے یہ دونوں خلیفے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی صداقت اور تقویٰ کو خوب جانتے تھے لہذا ان کی نصیحتوں کو غور سے سنتے اور ان کی ہر بات پر کان دھرتے۔

پھر ایک روز حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ خلیفۃ الرسول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس خاص طور پر اس وقت تشریف لائے جبکہ وہ منہ خلافت پر فروکش ہوئے ہی تھے۔ آپ نے فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ میں تمہیں اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ لوگوں کے معاملہ میں اللہ تبارک تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور اللہ تبارک تعالیٰ کے بارے میں لوگوں سے کبھی نہ ڈرنا اور یہ کہ تمہارے قول و فعل میں تضاد کبھی نہ ہونا چاہئے اس لیے کہ انسان کی بہترین گفتار وہی ہوتی ہے جس کی تصدیق اس کا کردار کرے۔ اس نے کلام جاری رکھتے ہوئے مزید کہا:

اے عمر رضی اللہ عنہ!

اللہ تبارک تعالیٰ نے جن مسلمانوں کا تمہیں نگران بنایا ہے ان کے معاملات کی طرف خصوصی دھیان دیتے رہنا، ان کے لیے وہی پسند کرنا جو خود تمہیں اپنے اور اپنی اولاد کے لیے پسند ہو اور ان کے لیے ہر اس چیز کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنا جو خود تمہیں اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے لیے ناپسند ہو۔ مشکلات کا سامنا کرنے سے نہ گھبرانا اور راہ حق پر مضبوطی سے جمے رہنا اور حق کی راہ میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہ لانا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حضرت سعید رضی اللہ عنہ بھلا کس میں یہ ہمت ہے کہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو سکے۔

سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

آپ اس کے اہل ہیں آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تبارک تعالیٰ نے امت محمد ﷺ کی نگرانی

فریضہ سوچا ہے۔ آپ ایک ایسے شخص ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاں آپ سے زیادہ اور کوئی اس کا مستحق نہیں۔ اس مرحلہ پر خلیفۃ الرسول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو اپنی نصرت و تائید کے لیے دعوت دی اور فرمایا:

اے سعید رضی اللہ عنہ ہم تمہیں علاقہ حمص کا گورنر مقرر کرتے ہیں۔

انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا:

”اے عمر رضی اللہ عنہ اللہ کا واسطہ ہے مجھے اس آزمائش میں نہ ڈالیے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر خفا ہو کر فرمایا:

”بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے خلافت کا بار تنہا میری گردن پر ڈال دیا اور خود اس سے الگ تھلگ

ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔“

خدا کی قسم میں تمہیں ذمہ داری دیئے بغیر چھوڑنے والا نہیں اس کے بعد آپ نے ان کو صوبہ حمص کا گورنر

مقرر کر دیا اور ارشاد فرمایا:

کیا تمہارے لیے ہم کچھ معاوضہ مقرر نہ کریں؟

اس پر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا۔

امیر المؤمنین! میں معاوضہ لے کر کیا کروں گا بیت المال سے جو کچھ مجھے ملتا ہے وہ بھی میری ضرورت

سے زیادہ ہے۔ یہ کہا اور حمص کی طرف چل دیئے۔

کچھ عرصہ بعد اہالیان حمص میں سے قابل اعتماد افراد پر مشتمل ایک وفد امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی

خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ نے وفد کو حکم دیا۔

تم لوگ مجھے ان افراد کے نام لکھ کر دو جو تم میں مفلس و نادار ہیں تاکہ میں ان کی مالی مدد کر سکوں۔ وفد نے

آپ کی خدمت میں ایک دستاویز پیش کی۔ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ اس فہرست میں حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کا

نام بھی درج ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا:

کون سعید بن عامر رضی اللہ عنہ؟

انہوں نے بتایا: ہمارا گورنر۔

فرمایا آپ کا گورنر مفلس ہے؟

انہوں نے کہا: جی ہاں، خدا کی قسم کئی کئی دن ان کے چولہے میں آگ نہیں جلتی۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ بے اختیار رو پڑے اور اتنے روئے کہ آپ کی داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی آپ اٹھے اور ہزار دینار

لیے اور ان کو ایک تھیلی میں بھر کر فرمایا:

نورام النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿۳۰۵﴾ جلد دوم

اس سے میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ امیر المؤمنین نے یہ تھیلی تمہارے لیے بھیجی ہے تاکہ اس سے تم اپنی ضروریات کو پورا کر سکو۔

یہ وفد حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے ہاں تھیلی لے کر آیا۔ آپ نے دیکھا کہ اس میں تو دینار ہیں۔ تھیلی کو اپنے سے دور ہٹا کر عاجزی و انکساری و خوف خدا سے کہنے لگے!

انا لله وانا اليه راجعون ۔

(سب کچھ اللہ کا مال ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔) انہوں نے یہ بار بار اس انداز سے کہا کہ گویا کوئی پتہ نازل ہوگئی ہے یا کوئی ناگوار واقعہ پیش آ گیا ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر آپ کی بیوی گھبرائی ہوئی اٹھی اور کہنے لگی:

میرے سر کے تاج کیا سانحہ رونما ہو گیا!

کیا امیر المؤمنین وفات پا گئے؟

آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ بات کہیں زیادہ اہم ہے۔

اس نے پوچھا: کیا کسی معرکہ جہاد میں مسلمانوں کو کوئی صدمہ پہنچا؟

آپ نے فرمایا: اس سے بھی بڑی بات۔

اس نے عرض کی: بھلا اس سے بڑی بات کیا ہو سکتی ہے؟

فرمایا:

میرے ہاں دنیا در آئی تاکہ میری آخرت بگاڑ دے۔ میرے گھر فتنہ ابھر آیا۔

اس نے عرض کی:

کیوں نہ آپ اس فتنہ سے گلو خلاصی کر لیں اسے دیناروں کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔

انہوں نے فرمایا:

کیا تو اس سلسلہ میں تم میری مدد کرو گی؟

عرض کی: جی ہاں کیوں نہیں۔

آپ نے اپنی بیوی کو دیناروں کی آمد کے بارے میں بتا کر فوری آپ نے دینار متعدد تھیلیوں میں بند کئے اور غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔

اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دیار شام میں تشریف لائے مقصد یہ تھا کہ اس علاقہ کے حالات معلوم کر سکیں۔

ان دنوں حمص کا نام کویفہ پڑ گیا تھا جو لفظ کوفہ کی تصغیر ہے۔ یہ اس نام سے اس لیے مشہور ہوا کہ یہاں

کے لوگ عمال حکومت کے خلاف شکوہ شکایت کرنے میں اہل کوفہ سے بہت حد تک مشابہت رکھتے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری حمص میں ہوئی تو یہاں کے لوگ آپ کو سلام عرض کرنے کی خاطر حاضر ہوئے۔

آپ نے دریافت فرمایا:

تم نے اپنے امیر کو کیسا پایا۔ انہوں نے اس کی شکایت میں زبان کھولی اور ان کے طرز عمل کے بارہ میں چار باتیں کیں جو ایک دوسری سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے گورنر اور شکایت کرنے والوں کو ایک ساتھ طلب کیا اور اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کی کہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ میرے اندازے یقین و گمان کو جھوٹا نہ ہونے دے۔ مجھے اس پر بہت اعتماد تھا، جب یہ لوگ اور ان کا گورنر بوقت صبح میرے پاس آئے تو میں نے دریافت کیا تمہیں اپنے گورنر سے کیا گلہ ہے؟

انہوں نے بتایا:

کہ یہ دن چڑھے تک گھر سے باہر نہیں نکلتے۔

اس پر میں نے پوچھا سعید رضی اللہ عنہ تم اس سلسلہ میں کیا کہنا چاہتے ہو۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ چند لمحے خاموش رہے پھر کہا:

بخدا میں اس سلسلہ میں کچھ کہنا ناپسند کرتا تھا لیکن اب اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ میں حقیقت حال

صاف صاف بیان کر دوں۔

صورت حال یہ ہے کہ گھر میں میرے پاس کوئی خادم نہیں۔ میں صبح سویرے اٹھتا ہوں اور اہل خانہ کے لیے آٹا گوندھتا ہوں۔ پھر تھوڑی دیر تک انتظار کرتا ہوں تاکہ آٹے میں خمیر پیدا ہو جائے بعد ازاں ان کے لیے روٹی پکاتا ہوں۔ پھر وضو کر کے لوگوں کی خدمت کے لیے گھر سے نکل کھڑا ہوتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کہ میں نے ان لوگوں سے پوچھا: کہ تمہیں ان کے خلاف اور کیا شکایت ہے؟

انہوں نے کہا کہ یہ رات کے وقت کسی کی نہیں سنتے۔

میں نے کہا: سعید رضی اللہ عنہ اس اعتراض کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟

فرمایا: بخدا میں اس امر کا اظہار بھی ناپسند کرتا ہوں۔ مختصر یہ عرض ہے کہ میں نے دن ان کے لیے وقف کر رکھا ہے اور رات اللہ عز و جل کی عبادت کے لیے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں سے مزید پوچھا کہ

آپ کو ان کے خلاف اور کیا شکایت ہے۔

وہ بولے: مہینہ میں ایک دن غفلت سے کام لیتے ہیں؟

میں نے دریافت کیا: سعید رضی اللہ عنہ یہ کیوں؟

سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المؤمنین میرے پاس نہ تو کوئی خادم ہے۔ نہ ان کپڑوں کے سوا میرے پاس کپڑوں کا کوئی اور جوڑا ہے جو اس وقت کپڑے میں نے پہن رکھے ہیں۔ مہینے میں ایک مرتبہ دھوتا ہوں پھر منتظر رہتا ہوں کہ یہ خشک ہو جائیں جب یہ خشک ہو جاتے ہیں تو میں انہیں کو پہن کر دن کے آخری حصے میں ان کا سامنا کرتا ہوں۔

خليفة الرسول حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

پھر میں نے دریافت کیا:

کوئی اور شکایت؟

انہوں نے کہا:

مجلس میں بیٹھے بیٹھے کبھی کبھی ان پر غشی طاری ہو جاتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہل مجلس سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

میں نے پوچھا: سعید رضی اللہ عنہ یہ کیا بات ہے؟

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر بچشم خود دیکھا ہے۔ میں اس وقت مشرک تھا۔ میں نے دیکھا کہ قریش اس کی بوٹیاں کاٹ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔

کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تمہاری جگہ حضرت محمد ﷺ ہوں؟

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ جواب میں کہتے ہیں:

خدا کی قسم میں یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میں تو اپنے اہل و عیال میں اطمینان سے رہوں اور حضرت محمد ﷺ کے جسم میں ایک کاٹا بھی چھبنے پائے۔ جب بھی وہ دن مجھے یاد آتا ہے سوچ میں پڑ جاتا ہوں کہ میں نے اس دن ان کی کیوں مدد نہ کی۔ ڈرتا ہوں کہ شاید اللہ تبارک تعالیٰ میرا یہ جرم معاف نہ کرے۔ اس کے بعد مجھ پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔

یہ سنا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

اللہ کا شکر ہے کہ جس نے سعید رضی اللہ عنہ کے بارے میں میرے حسن ظن کو غلط ثابت نہیں کیا۔

اس کے بعد آپ نے ایک ہزار دینار بھیجے تاکہ ان سے اپنی ضروریات پوری کر لیں۔

جب یہ دینار حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے دیکھے تو کہہ اٹھی کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں

آپ کی خدمات سے بے نیازی بخشی۔

ہمارے لیے ضرورت کی اشیاء خرید لیجئے اور گھر کے کام کاج کے لیے ایک خادم رکھ لیجئے اس پر آپ نے بیوی سے فرمایا:

میں تجھے وہ چیز نہ دوں جو اس سے بھی بہتر ہو۔

بیوی نے کہا: بھلا وہ کیا۔

فرمایا:

یہ دینار ہم اسی کو لوٹا دیں جو ہمارے پاس لایا ہے، ہم ان دیناروں سے کہیں زیادہ اُس کے محتاج ہیں۔ بیوی نے کہا وہ کون؟

فرمایا: کیوں نہ ہم اللہ تبارک تعالیٰ کو قرضِ حسد دے دیں۔

بیوی نے عرض کی:

آپ نے بجا ارشاد فرمایا: اللہ تبارک تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ نے اسی مجلس میں دیناروں کو مختلف تھیلیوں میں رکھا اور اپنے اہل خانہ میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ جاؤ، فلاں کی بیوی فلاں کے یتیم بچوں اور فلاں خاندان کے مساکین اور فلاں قبیلہ کے محروموں میں تقسیم کر آؤ۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو سند رضا سے نوازا آپ ان لوگوں میں سے تھے جو دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں چاہے خود گھائے میں رہیں۔

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے مفصل حالات زندگی جو اس مضمون میں لکھ دیئے گئے ہیں ان کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد 4 صفحہ 51۔ ابن عساکر جلد 6 صفحہ 145، 147۔ صفحہ الصفوة جلد 1 صفحہ 273۔ حلیۃ الاولیاء جلد 1 صفحہ

244۔ تاریخ الاسلام جلد 2 صفحہ 35۔ الاصابۃ جلد 3 صفحہ 326۔ نسب قریش صفحہ 399۔)

قارئین کرام!

میں اس سے پہلے بھی یہ گزارش کر چکا ہوں کہ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ حیاتِ طیبہ کے بیان میں زمانہ وقوع کے لحاظ سے ہر ممکن تسلسل رکھوں گا لیکن میں نے گزشتہ باب ”سابقون الاولون“ میں چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ تک) کا بیان اپنے زمانہ وقوع سے پہلے کر دیا ہے۔ ایسا کرنے کی وجوہات اور مجبوریات میں نے ان کے بیان کرنے سے پہلے گوش گزار کر دی ہیں کہ میں ایسا کیوں کر رہا ہوں۔ امید ہے آپ سب کو میرا چند چیدہ چیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں زمانہ وقوع سے پہلے بیان کر دینا بہت پسند آیا ہوگا اور بہت سودمند رہا ہوگا اور اسے دنیا اور آخرت سنوارنے میں مدد ملی

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿۳۰۹﴾ جلد دوم ہوگی۔

یہ سب ہماری کائنات کے بلند و بالا روشن مینار ہیں جن سے شمع نورِ حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے ہر سوا نور پھوٹ رہے ہیں۔ ان سے دل کی تاریک دنیا کو منور کر لیں اور نورِ علی نور ہو جائیں۔ لیجئے حیاتِ طیبہ کا بیان پھر زمانہ وقوع کے لحاظ سے جاری ہے۔

حضرت عفیف کندی رضی اللہ عنہ

ان ہی دنوں کی بات ہے جب ان (مشرکین) کی نظر میں یہ دین ایک بے ضرر سا انفرادی کیس تھا اور وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ منیٰ میں لوگ جمع تھے ہر طرف خیمے نصب تھے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے پاس ان کا پرانا تاجر دوست عفیف کندی بیٹھا ہوا تھا اس کا اصلی نام کچھ اور تھا مگر جاہلی خرافات سے متنفر ہونے، دور رہنے کی وجہ سے لوگ اسے عفیف یعنی پاکباز کہتے تھے اور وہ اسی لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ اس نے وہاں بیٹھے بیٹھے ایک ایسا منظر دیکھا جو اس کی نظروں میں کھب گیا اور پاک دل میں گھر کر گیا اور اس کی زندگی بدل کر رکھ دی۔

اس نے دیکھا منیٰ کے میدان میں ایک خیمہ سے حسن و جمال کا پیکر آفتابِ طلوع ہوا جس نے گرد و پیش پر کرنیں بکھیر دیں ان کے رخ پر نور کی ضیاء سے فضا معطر اور منور ہو گئی۔ اس نے حسن و نور کا ایسا پیکر زندگی بھر نہیں دیکھا تھا وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس حسن مجسم نے باہر نکل کر سورج کے ڈھلنے کا جائزہ لیا (یعنی کہ نماز کے لیے وقت کا اندازہ کیا) جب پتہ چل گیا وہ ڈھل گیا ہے تو کعبہ کی جانب منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد پھر خیمے کا پردہ ہٹا اور ایک باوقار خاتون نمودار ہوئی جس نے ان کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھ لی۔ پھر ایک نو عمر لڑکا باہر آیا اس نے بھی ان کی پیروی کی۔ عفیف کندی یہ عجیب و غریب مگر پر نور منظر دیکھ کر ششدر رہ گیا لیکن کچھ نہ سمجھ سکا کہ یہ کیا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

یہ میرے بھائی عبداللہ کے صاحبزادے اور میرے بھتیجے ”محمد بن عبداللہ“ ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ نے ان کو یہ دین دے کر بھیجا ہے جس کے اصولوں پر یہ عمل پیرا ہیں یہ نماز انہی اصولوں میں سے ہے۔ خاتون ان کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کو رسول تسلیم کر لیا ہے اور ان پر ایمان لے آئی ہیں۔ نو عمر لڑکا ان کا چچا زاد بھائی علی ہے یہ بھی مسلمان ہو گیا ہے۔

عفیف کندی حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ دین کی تفصیلات معلوم کیں جو اسے پسند آئیں۔ پہلے ہی پاک دل کا مالک تھا اس لیے پاک تعلیمات قبول کرنے میں دیر نہ لگی اور مسلمان ہو گیا۔ مگر عرصہ دراز تک اپنے گھر والوں سے اس راز کو چھائے رکھا۔

ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اس وقت دین کا اثر قبول کر لیا تھا اور دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ مناسب موقعہ پر وہ اس دین پر ایمان لے آئیں گے اور بعد میں وہ ایمان لے بھی آئے مگر ہمیشہ پچھتاتے رہے کہ اگر اسی وقت ایمان قبول کر کے اس کا اظہار کر دیتے تو اول ترین گروہ میں سے ہونے کا اعزاز حاصل کر لیتے تاہم بڑے بچے اور سچے مسلمان ثابت ہوئے اور حسن عمل سے ایک عالم کو گرویدہ کر لیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 25۔ الوفا باحوال المصطفیٰ صفحہ 167)

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

آپ ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں جن کو بالکل ابتداء میں قبول اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔ انہوں نے انتہائی ناسازگار حالات میں جرأت و ہمت کا ثبوت دیا۔ اور عزم و استقلال کی ایک نہ بھولنے والی مثال قائم کر دی جس نے ان کے اعزہ و اقارب خصوصاً باپ کو شیخ پا کر دیا۔ چونکہ طبع نفیس اور ذوق سلیم رکھتے تھے اس لیے نور و نکبت ہی کے خواب دیکھتے تھے۔ ابھی حضور پر نورؐ نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے دعوائے نبوت نہیں فرمایا تھا ان دنوں کی بات ہے انہوں نے بڑا پر نور اور معنی خیز خواب دیکھا جس نے بعد میں ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔

دیکھتے ہیں کہ زمین اندھیرے میں ڈوب گئی ہے۔ دشت و جبل میدان و کھیت سب نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔ دریا سمندر شہر، وادیاں عمارتیں اور کائنات کی تمام چیزیں نظر آنا بند ہو گئیں۔ جیسے تاریکی کے کالے دیونے ان کو یکدم نکل لیا ہو اور اب ان کا کوئی وجود نہ ہو۔ پھر چاہ زمزم سے نور کا ایک ہالہ نمودار ہوا جس نے ابھرنا اور پھیلنا شروع کر دیا۔ اس کی روشنی آفتاب سے بھی زیادہ تیز اور ٹھنڈی میٹھی تھی۔ سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتی اور لہراتی ہوئی اس دلکش و سکون بخش اور حیات آفرین روشنی نے ساری کائنات کو اپنی منور آغوش میں لے لیا ہر شے نور میں نہا گئی۔ دشت اور درخت کھیت اور کھلیان پہاڑ اور میدان دریا اور سمندر زمین اور آسمان جو اندھیرے میں روپوش ہو گئے تھے سب جگمگا اٹھے اتنی روشنی پھیلی کہ درختوں پر لگی ہوئی کھجوریں بھی نظر آنے لگیں۔

حضرت خالد بن سعید نے یہ خواب اپنے بھائی کو بتایا اس نے کہا:

تو نے بڑا حیرت انگیز اور عجیب و غریب خواب دیکھا ہے میرا خیال ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہے اس کا تعلق عبدالمطلب کی اولاد کے ساتھ ضرور ہے کیونکہ تو نے زمزم سے نور اوپر چڑھتے دیکھا ہے اور زمزم کا ان کے ساتھ خصوصی تعلق ہے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 122)

کچھ عرصہ (چند دنوں) کے بعد جب حضور پر نورؐ سرکارِ دو عالم ﷺ منصب رسالت پر جلوہ گر ہو گئے تو اس نے پھر ایک حقیقت افروز خواب دیکھا جس نے انہیں خواب گراں سے جگا دیا۔ دیکھا آگ کا ایک وسیع و

عریض سمندر ہے جس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ اس ہولناک منظر سے ان کے پسینے چھوٹ گئے مگر اگلا منظر اس سے بھی زیادہ خوفناک اور حیرت انگیز تھا اپنے باپ کو دیکھا وہ اسے دھکے دے کر اس دل ہلا دینے والی آگ میں داخل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دوسری طرف حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو دیکھا وہ انہیں کمر سے پکڑ کر پیچھے ہٹانے اور آگ سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کشمکش میں ان کی آنکھ کھل گئی۔

خواب بالکل واضح تھا ان کے دل نے کہا یہ ایک سچا خواب ہے قدرت نے انہیں نشان حق دکھایا ہے اور مرکز ہدایت سے آگاہ فرمایا ہے۔ یہ اپنے دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اس خواب کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے بتایا: اے خالد، نشان حق اور برہان صادق کا ظہور ہو چکا ہے۔ نبی برحق اور آخری رسول ﷺ تشریف لا چکے ہیں۔ میرے ساتھ چلو اور دست اقدس پر بیعت کر لو اور بتوں کی غلامی سے نجات پاؤ۔

ان کی پرستش نری جہالت اور انسانیت کی اہانت ہے یہ اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بے بصرد جامد پتھر جو سننے دیکھنے اور ہلنے چلنے سے قاصر ہیں۔ یہ منصب خداوندی پر کیسے فائز ہو سکتے ہیں؟ وقت آ گیا ہے کہ ہوش میں آؤ اور انہیں پائے حقارت سے ٹھکرا کر پاش پاش کر دو۔ تمہارے سچے خواب کی یہی سچی تعبیر ہے۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے دل نے کہا: یہ مشورہ بالکل صائب اور سو فیصد درست ہے اور یہی تعبیر سچی ہے۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اسی وقت بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے۔

اس وقت حضور پر نور ﷺ محلہ اجیاد میں رونق افروز تھے۔

عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

حضور نے فرمایا۔ میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ تبارک تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانو۔ مجھے اس کا بندہ اور رسول یقین کرو۔ اور جن پتھروں کی تم عبادت کیا کرتے تھے۔ جو نہ سن سکتے نہ دیکھ سکتے نہ ضرر پہنچا سکتے اور نہ نفع پہنچا سکتے ہیں ان سب کی عبادت کا طوق اپنے گلے سے اتار کر پھینک دو۔

حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے اس وعظ سے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے دل کی دنیا بدل گئی۔ اور میساختہ کہہ اٹھے۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول برحق ہیں۔“

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو ان کے ایمان لانے سے از حد مسرت ہوئی۔

ایمان لانے کے بعد حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اپنے باپ کے ڈر سے روپوش ہو گئے باپ کو جب ان کے مسلمان ہونے کی خبر ملی تو ان کی تلاش میں کسی کو بھیجا چنانچہ انہیں پکڑ کر باپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ باپ نے پہلے زبانی سرزنش کی اور جب اس کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا تو ایک ڈنڈے سے ان کے سر پر ضربیں لگانا شروع

کیس یہاں تک کہ وہ ڈنڈا ٹوٹ گیا۔ پھر دھمکی دی کہ اگر تم باز نہیں آؤ گے تو میں رزق کے دروازے تمہارے لیے بند کر دوں گا یہاں تک کہ تم بھوک سے ایڑیاں رگڑتے رگڑتے دم توڑ دو گے۔

باپ نے اسے خوب مارا پیٹا۔ جب اس سے بھی ان کا مقصد حل نہ ہوا تو دانہ پانی بند کر دیا۔ جب اس کا بھی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو انہوں نے عذاب و عتاب کے بعد گھر سے نکال دیا۔ آپ نے سب کچھ بڑی ہمت اور صبر و استقلال سے برداشت کیا۔ گھر سے نکلنا گوارا کر لیا مگر مصطفویٰؐ تحریک میں شمولیت کے لیے آپ نے جو قدم آگے بڑھایا تھا اسے پیچھے ہٹانا گوارا نہ کیا۔

نوجوان تھے جوانی کے کچھ تقاضے اور مطالبے ہوتے ہیں جو ماں باپ کے بغیر پورے نہیں ہوتے۔ کچھ ضروریات ہوتی ہیں جن کے لیے معاشرتی سہارا بہت ضروری ہوتا ہے۔ کچھ امنگیں اور آرزوئیں ہوتی ہیں جن کے بے رنگ خاکوں میں ماں باپ ہی رنگ بھر سکتے ہیں اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو زندگی کی تصویر مسخ ہو جاتی ہے۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنی مادی خواہشوں کی تکمیل کی کوئی پرواہ نہ کی۔ جائیداد سکھ چین ماں باپ کا پیار دوستوں کا یارا نہ سب کچھ قربان کر دیا اور سرکارِ دو عالمؐ تاجدارِ کائناتؐ کے ابرکرم کے خنک سائے اور محبت کے آسمان تلے سب کوفتیں اور چاہتیں بھول گئے۔ یوں محسوس کرنے لگے جیسے سب کچھ کھو کر سب کچھ پالیا ہے۔

روزی اور گھر کے دروازے مستقل بند کر دیئے گئے مگر حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے کوئی پرواہ نہ کی انہوں نے ایمان کے لیے جو دل کا دروازہ کھولا تھا وہ دنیا کی خاطر اسے بند کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، حجر عسقلانی جلد 1 صفحہ 406)

چند دن آپ بڑے صبر و تحمل سے مار پیٹ سہتے رہے باپ کی کڑوی کسلی باتیں اور دھمکیاں سنتے رہے۔ اور آخر میں ایک جملہ سے اپنا مدعا بیان کر دیا۔ کہا

”اے ابا! اگر آپ میرا آب و دانہ بند کر دیں گے تو میرا اللہ میرے رزق کا سامان فرما دے گا جس پر میں زندگی گزاروں گا۔“

یہ کہہ کر حضور انورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیمؐ کی خدمت عالی میں حاضر ہو گئے۔ حضور انورؐ ان کی بڑی عزت فرماتے اور آپ ہمیشہ حضورؐ کے قدموں میں حاضر رہتے۔

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 445۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ، حجر عسقلانی جلد 1 صفحہ 406)

حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ اور بیت ارقم

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا خاندان بڑی عزت کا مالک تھا۔ ان کے دادا اسد بن عبد اللہ اپنے خاندان کے سردار اور بزرگ مانے جاتے تھے۔ آپ کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا تھا جو فطرتاً ہی اچھے، بے ضرر، حق پرست اور خوف

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿ ۳۱۳ ﴾ جلد دوم

خدا کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ آپ بھی معاشرے کی جہالت، ظلمت اور دیگر ناہمواریوں سے نالاں تھے۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کو مشیت نے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رحمت و عالم ﷺ کی محبت، خدمت اور اسلام کی اشاعت و مدد کے لیے چن لیا تھا۔ ابھی کوئی ایک درجن آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا کہ یہ بھی خم تو حید کا جام نوش جان کر کے شمع رسالت کے پروانوں میں داخل ہو گئے۔

قارئین کرام! ابتدائی ایک دو سالوں میں تو حکمت خداوندی کے تحت حضور انورؐ نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے تحریک دین اسلام کو مشرکین مکہ کی نگاہ سے حتمی الامکان چھپا کر رکھا۔

درج ذیل روایت، حدیث مبارک تو بالکل شروع کے دنوں کی ہے اور بالکل ایک طرح سے گھر ہی کی بات ہے پھر بھی حکمت خداوندی کے تحت ”ابھی یہ راز فاش نہ ہونے“ کی واضح ہدایت اس میں ملاحظہ فرمائیں۔ ابتداء میں جو چند فرخندہ بخت خوش نصیب قدسی نفوس مسلمان ہوئے تھے وہ دعوتی حکمت و مصلحت کے پیش نظر چھپ کر نماز ادا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب نو عمر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور پر نورؐ نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نماز پڑھتے دیکھا تو یہ انداز عبادت دیکھ کر دنگ رہ گئے اور پوچھا یہ کیا ہے؟ حضور انور ﷺ نے فرمایا: یہ دین حنیف دین اسلام ہے۔ یہ عبادت اس کا ایک رکن ہے، آؤ تم بھی اس دین میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: چونکہ یہ دین بدلنے کا معاملہ ہے اس لیے اپنے باپ سے پوچھے بغیر میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ حضور پر نورؐ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر یہ بات ہے تو سر دست رہنے دو۔ پوچھنے سے یہ راز فاش ہو جائے گا اور ہم ابھی ایسا نہیں چاہتے۔

ابتداء میں اہل مکہ نے بھی کوئی نوٹس نہ لیا، اعتراض نہ کیا انہوں نے سمجھا یہ ایک انفرادی معاملہ ہے اور ایک شخص کا اپنا تصور اور خیال ہے۔ ان کے سامنے ورقہ بن نوفل زید بن عمرو اور قیس بن ساعدہ ایادی کی مثالیں موجود تھیں۔ یہ لوگ قوم سے ہٹ کر اپنے مخصوص نظریات اور انفرادی عقائد کے مالک تھے اور ان پر شدت سے کار بند بھی تھے۔ پوری قوم کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے اور سمجھاتے تھے کہ یہ گمراہی ہے جس پر تم عمل پیرا ہو۔ اس روش کو ترک کر دو اور بتوں کی پرستش سے باز آؤ۔ یہ تمہیں کچھ نہیں دے سکتے اس تنقید و انکار کے باوجود لوگ انہیں کچھ نہیں کہتے تھے کیونکہ جانتے تھے یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ وہ اس نئے دین (دین اسلام) کو بھی اسی قسم کا ایک ذاتی معاملہ تصور کر رہے تھے۔

لیکن اہل مکہ کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ ایک عالمگیر تحریک اور مکمل نظریہ حیات ہے۔ اس دین رب للعالمین اور مصطفویٰ مشن کے اپنے اصول و ضوابط اور قوانین و آداب ہیں جو بہت واضح روشن مضبوط اور بے لچک ہیں۔ وہ اسے ایک محدود اور سطحی سا نظریہ اور ایک شخص کی اپنی ایجاد اور ذہنی اختراع تصور کئے ہوئے تھے جو تعمیری سوچ و بچار کا کرشمہ اور بلند عزم و ہمت کا نتیجہ تھی۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک تہذیب و تمدن کا

دین ہے جو سماوات و ارض اور جہات ستہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور پوری کائنات کو اپنی آفاقی تعلیمات کے نور سے منور کر دے گا۔

اللہ تبارک تعالیٰ کی شان، حکمت اور کرشمہ سازیاں کہ ان میں (اسلام قبول کرنے والوں میں) ہر طبقہ زندگی کے لوگ شامل تھے، یتامی و مساکین بھی اور امراء و صنعتکار بھی، معاشرے کے دھتکارے ہوئے پس ماندہ و نادار غرباء بھی، جو سرمایہ داروں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جنہیں اپنی مرضی سے سانس لینے کی بھی اجازت نہ تھی۔ ستم رسیدہ غلام بھی ان میں محنت کش اور مزدور پیشہ مرد بھی تھے اور باہمت و استقلال والی گھریلو خواتین بھی۔

مثال کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کپڑے کے پھیلے ہوئے کاروبار کے مالک اور مالدار تاجر تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک اسلحہ ساز تلواریں نیزہ برچھی بنانے کی فیکٹری چلا رہے تھے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ گوشت کا کاروبار کرتے تھے۔ حضرت بلال، صہیب، عمار، یاسر، ابن مسعود اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہما مظلوم طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور ارقم، ابو عبیدہ، حضرت جعفر، سعید بن زید، حاطب اور خالد بن سعید رضی اللہ عنہما درمیانے طبقے کے نمائندے تھے۔ حضرت عائشہ، حضرت اسماء، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بہن ام جمیل فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور اسی طرح حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت امینہ رضی اللہ عنہا طبقہ نسواں سے تعلق رکھتی تھیں۔

غرض معاشرے کے ہر گروہ کے ایسے افراد یہاں جمع ہو گئے تھے۔ جو کسی ایک طبقے کے لوگ نہیں تھے۔ یہ حقیقت اس امر کی کھلا ثبوت تھی کہ تحریک سچی اور سب کے مفادات کی محافظ ہے۔ یہ ایک ایسا انقلاب ہے جس کے ساتھ سب کے، پوری انسانیت کے مفادات وابستہ ہیں۔ اس کی کامیابی سب کی کامیابی ہے اس انقلاب کی بدولت ایک غریب اور نادار کو بھی اس کے حقوق مل سکتے ہیں۔ اس انقلاب کی بدولت ہر انسان امن و امان، سکھ چین اور عزت و آبرو کی زندگی گزار سکتا ہے۔

ایک صالح انقلاب لانے کے لیے مختلف درجات و طبقات پر مشتمل مسلمانوں کا یہ گروہ اپنی عددی قلت کے باعث قریبی گھاٹیوں میں جا کر اپنے مالک حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوتا تھا، اپنی عبودیت و بندگی کا مظاہرہ کرتا تھا۔ فرعونوں کے اقتدار، بتوں کی پرستش اور معاشرے کی بے راہ روی سے بیزار اور بے ہنگم روایات و آداب سے نالاں یہ لوگ رور و کر یہ دعا کرتے تھے کہ انہیں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کرنے کی توفیق دی جائے اور وہ عزم و حوصلہ بخشا جائے کہ وہ ہر باطل طاغوتی طاقت سے نہ صرف ٹکرا جائیں بلکہ باطل کی شخصیت کے آہنی بت کو بھی پاش پاش کر دیں۔

وہ یہ تمنا کرتے تھے کہ تحریک دین اسلام زور پکڑے، نیک بخت لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوں اور

وہ اس کے پرچم تلے جمع ہو کر کفر و شرک، جھوٹ فریب، ضلالت و منافقت اور ہر برائی کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائیں۔ وہ دن جلد آئے جب یہاں مصطفوی انقلاب کا سوریا طلوع ہو اور بندگان خدا سکھ کا سانس لیں ہر کسی کو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنے اور پرسکون، خوشگوار، خوشحال، مطمئن کن مسرور، کن زندگی گزارنے کا موقع ملے۔

وہ نماز پڑھ کر دست بدعا تھے کہ کسی طرف سے چند مشرکین مکہ کا ایک گروہ وہاں اچانک پہنچ گیا۔ یہ محض ایک اتفاق تھا، یہ نیک لوگ نماز و دعا میں مشغول تھے کسی کا نقصان نہیں کر رہے تھے مگر باطل پرستوں کے ماتھے پر پھر بھی بل پڑ گئے۔ ان کے شرک پسند مزاج اور باطل نواز طبیعت کو یہ حسین منظر پسند نہ آیا، چپکے سے گزرنے کی بجائے وہ اکڑ کر کھڑے ہو گئے اور اسی پر بس نہ کی بلکہ اس مہذب و خدا ترس اور نیک نہاد گروہ کو گالیاں دینے لگے کہ تم لوگ گمراہ اور مفسد ہو قوم کے متفقہ اور متعین راستے سے ہٹ کر ایک الگ راہ بنا رہے ہو اس طرح کا ایک نیا فتنہ کھڑا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور تمہیں ملیا میٹ کر دیں گے۔

انیس سالہ نوجوان حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہ بے ہنگم اور جاہلانہ باتیں سن کر پھر گئے اور غضبناک لہجے میں بولے: ضلالت و گمراہی کے پرستارو: شر و فساد بد معاشی اور بے راہ روی کے علم بردار تم ہو۔ نفس و ہوس کے بہکاوے میں آ کر تم جن راہوں پر چل رہے ہو وہ فلاح دارین سے ہٹی ہوئیں، مکمل تباہی کی راہیں ہیں۔ تم اپنی خبر لو ہمیں سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

بات آگے بڑھی تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ہڈی اٹھا کر ایک مشرک کے سر پر دے ماری اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ پس پا ہو کر بھاگ گئے انہیں احساس ہو گیا جو لوگ مصطفوی انقلاب کی راہوں پر نکلے ہیں وہ جوانیاں لٹانے والے ہیں بزدل و بے ہمت نہیں جنہیں ڈرا دھمکا کر ان کی اختیار کردہ راہ راست سے ہٹایا جاسکے۔

دانا قائد کی نظر مستقبل بعید پر ہوتی ہے۔ وہ اپنی عسکری قوت کی حفاظت کو ہر چیز پر اولیت دیتا ہے۔ قبل از وقت تصادم سے جمع شدہ پر جوش مستعد و منظم قوت کے زائل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے وہ ایسی منصوبہ بندی کرتا ہے جس سے اس قوت کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ سالار کاروان اہل حق پیغمبر انقلاب پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ جواں سال سعد کے جوش نے دشمن کے ایک آدمی کو زخمی کر دیا ہے اور مسلمانوں کے لیے فوری تصادم کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ اور مشرکین مکہ بھی کسی حد تک تحریک اسلام سے باخبر اور چوکنا ہو چکے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ایک انقلابی مرکز کے قیام کی فوری ضرورت محسوس کی جہاں مسلمان نمازوں کے لیے جمع ہوں۔ انہیں گھائی پر جانے کی ضرورت نہ رہے اور فوری تصادم کا خطرہ ٹل

جائے۔

تحریک دین اسلام، بانی تحریک دین اسلام اور دین اسلام کے گنتی کے ان چند جانثاروں کی جانوں کے لیے مشرکین مکہ کی طرف سے پہلے ہی روز بہ روز خطرات بڑھ رہے تھے۔ اس تصادم کے بعد جانثاروں کی زندگی بڑے خطرے میں تھی، مشرکین نے تہیہ کر لیا کہ اسلام کو یہاں ہی ختم کر دیا جائے۔ لیکن اسلام تو باطل کو ختم کرنے کے لیے آیا تھا، خود ختم ہونے کے لیے نہیں۔ اس نے آفتاب بن کر دنیا کے گوشہ گوشہ کو رہتی دنیا تک روشن کرنا تھا۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا مکان کوہ صفا کے پاس تھا۔ صفا مروہ کی سعی کرنے والے اس مکان کے سامنے سے گزرتے تھے۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ مکان اللہ کے نام پر وقف کر کے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ہادی دو جہاں رحمۃ للعالمین ﷺ کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے اپنا تبلیغی مرکز بنالیں۔ یہ کام ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی عین مرضی اور ضرورت کے مطابق کیا کہ حضور انور نبی کریم ﷺ بھی خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے کوئی محفوظ جگہ چاہتے تھے اور یہ مکان بڑا محفوظ اور تبلیغ کے لیے بڑا موزوں تھا۔ حضور پر نور ﷺ اور آپ کے جانثار اس مکان میں محفوظ ہو گئے۔

حضرت ارقم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ایک جانب از صحابی تھے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا دسواں نمبر تھا یعنی سابقین و اولین میں سے تھے اور ان کا گھر کوہ صفا کے دامن میں تھا۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابہ جلد ۱ صفحہ 28)

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اس مقصد کے لیے ان کا گھر پسند کیا کہ اہل حق وہیں جمع ہوں اور آپ وہاں ان کی ذہنی و فکری اور روحانی تربیت کریں انہیں راہ انقلاب کے نشیب و فراز سمجھائیں۔ اس طرح ”دار ارقم“ اپنی ماہیت، ماحول اور محل وقوع کے اعتبار سے ”مصطفوی انقلاب تحریک دین اسلام کا پہلا تربیتی مرکز“ بن گیا۔ متلاشیان حق اور وابستگان تحریک ہدایات و معلومات اور مستقبل کا لائحہ عمل حاصل کرنے کے لیے وہیں آنے لگے۔

اور یہ وہی گھر ہے جس میں ہادی دو جہاں سرکارِ دو عالم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لیے تشریف فرما ہوتے تھے۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابہ جلد ۱ صفحہ 28 بحوالہ مستدرک الحاکم)

حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اشاعت و تبلیغ دین اسلام

اس سے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مساعی جمیلہ و سعی کامیاب سے پہلے ایک گروپ یا گروہ کی شکل میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت

نورام النور، نور رحمۃ للعالمین (۳۱۷) جلد دوم

سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما مشرف بہ اسلام ہوئے اور اس کے دوسرے روز خوش نصیبوں کا ایک گروہ لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے ان حضرات نے بھی ہادی کونین تاجدار کائنات حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست ہدایت بخش پر ہاتھ رکھ کر بیعت اسلام کی۔ اس دوسرے گروپ میں یہ مقدس ہستیاں شامل تھیں۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد، حضرت ارقم بن ابی الارقم، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 439)

تبلیغ اسلام کا یہ سلسلہ خفیہ طور پر جاری رہا خوش نصیب رو حیں جب پیغام حق کو سنتیں تو جس طرح پیاسے، ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے کی طرف کھچے چلے آتے ہیں وہ بھی بے تابانہ وار اس دعوت کو قبول کرنے کے لیے لپکتیں۔ وہ ازلی نیک بخت جن کو ”السابقون الاولون“ کے زمرہ میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ان میں سے چند کے نام بطور تبرک تحریر کئے جاتے ہیں۔

حضرات عبیدہ بن حارث۔ سعید بن زید۔ ان کی اہلیہ فاطمہ (حضرت عمر کی ہمشیرہ) اسماء اور عائشہ دختران صدیق اکبر۔ خباب بن الارت۔ عمیر بن ابی وقاص۔ حضرت سعد کے بھائی۔ عبداللہ بن مسعود۔ مسعود بن القاری۔ سلیط بن عمر۔ اور ان کے بھائی حاطب۔ عیاش بن ربیعہ۔ ان کی اہلیہ اسماء۔ خنیس بن حذافہ۔ عامر بن ربیعہ۔ عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابواحمد۔ جعفر بن ابی طالب۔ اور آپ کی اہلیہ۔ اسماء بنت عمیس۔ حاطب بن الحارث۔ عثمان بن مظعون کے دو بھائی قدامہ اور عبداللہ وغیرہم رضی اللہ تبارک تعالیٰ عنہم اجمعین

(محمد رسول اللہ، محمد رضا جلد 1 صفحہ 79)

پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے من موہنے انداز تبلیغ اور حضور کے یار وفا شعار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے آہستہ آہستہ اسلام، سعید روحوں کو اپنی طرف ملتفت کرتا، کھینچتا گیا اور ان کے دلوں میں نور توحید سے اجالا کرتا گیا یہاں تک کہ داعی حق کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی تعداد میں ہو گئی اور یہ ساری کوشش خفیہ طور پر جاری تھیں اور ان کو صیغہ راز میں رکھا جاتا تھا۔

تحریک میں شامل ہونے والے بعض کارکن بڑے ہی پر جوش، فعال سرگرم عمل اور انقلابی دلوں و دماغ کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں تحریک میں تیزی آئے، مشن گھر گھر پہنچے اور جو کان اس آوازہ حق سے نا آشنا ہیں وہ بھی اس سے آشنا ہو جائیں اور کوئی فرد ایسا نہ رہے جو مشن کے انقلابی پیغام سے بے خبر ہو۔ اس کے لیے وہ دن رات جدوجہد کرتے ہیں اپنوں اور بیگانوں تک رسائی حاصل کر کے انہیں ہم نوا بنا کر تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں بعض اوقات سرپھروں سے بھی پالا پڑتا ہے جو ڈھب سے جواب دینے کی بجائے بدتمیزی پر بھی اتر آتے ہیں مگر مخلص کارکن اس کی پرواہ نہیں کرتے اور اپنا مشن جاری رکھتے ہیں۔ لہذا اگر

علم ہو کہ رد عمل شدید ہوگا اور مخالف مرنے مارنے پر اتر آئے گا تو بھی وہ آوازہ حق ان کے کانوں تک پہنچانے سے گریز نہیں کرتے اور انجام سے بے نیاز ہو کر حق تبلیغ ادا کر کے قرب ربانی حاصل کرتے ہیں۔

اس طرح سے حق تبلیغ ادا کرنے میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے آگے آگے ہیں اور پھر آپ کے نقش قدم پر بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چلے جن میں سے چند ایک اسم مبارک یہ ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اکیلے نے مدینہ کی کایا پلٹ دی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے ہی نذر مبلغ اور تحریک دین اسلام کے پر جوش ہوش مند انقلابی لوگ تھے جنہوں نے وہ مجاہدانہ اور پر جلال کردار ادا کیا جسے سن کر آج بھی رگوں میں گرم خون دوڑنے لگ جاتا ہے۔

اسلام کا پہلا مبلغ، خطیب

اسلام کی ابتدائی شاندار کامیابیوں نے کفر و باطل کے ایوانوں میں ایک کھرام مچا دیا اور انہوں نے حق و صداقت کے اس ابھرتے ہوئے آفتاب کی کرنوں کا راستہ روکنے کے لیے پردے تاننے کی مہم کا آغاز کر دیا وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح وہ باطل کے اندھیروں کو حق کی ان روپہلی اور تابندہ کرنوں کی یلغار سے بچا سکیں گے، جو بالکل ناممکن تھا۔ ان کے جو رستم کی مہم کا آغاز ایک چھوٹے سے واقعہ سے ہوا۔ جس کو علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ علامہ بن کثیر رقم طراز ہیں۔

جب مسلمان مردوں کی تعداد اڑتیس ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب ہمیں کھل کر میدان میں نکل آنا چاہئے اور تبلیغ اسلام کا فریضہ پوری قوت سے انجام دینا چاہئے۔

حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر! ابھی ہماری تعداد بہت کم ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اصرار جاری رہا یہاں تک کہ حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم کے حجرہ سے نکل کر حرم شریف کے صحن میں اپنے غلاموں کی معیت میں تشریف لے آئے اور تمام مسلمان مسجد کے کونوں میں بکھر گئے اور اپنے اپنے قبیلہ میں جا کر نشستیں سنبھال لیں۔

جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما ہو گئے تو دنیاے اسلام کا سب سے پہلا خطیب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دینے کے لیے کھڑا ہوا۔ کافر، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کو سن کر آگ بگولہ ہو گئے اور مشتعل ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور باقی مسلمانوں پر ہلہ بول دیا اور ان کو خوب مارا اور پیٹا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تو ان کا غصہ بڑا شدید تھا چنانچہ آپ کو دھکا دے کر زمین پر گرایا اور پرچہ گئے پاؤں سے لتاڑتے اور ڈنڈوں سے زد و کوب

کرتے رہے اتنے میں بد بخت عتبہ بن ربیعہ آ گیا اس نے اپنے بھاری بھر کم جوتے اتارے اور ان سے آپ کے چہرے پر پے در پے ضربیں لگانے لگا اور آپ کے پیٹ پر چڑھ کر کودنے لگا۔ بے رحموں نے آپ کے چہرے اور سر پر اتنی ضربیں لگائیں کہ آپ کا چہرہ سوج کر اتنا زیادہ پھول گیا کہ ناک اس سوجن میں نظر ہی نہیں آتی تھی۔

آپ کے قبیلہ بنی یتیم کو معلوم ہوا تو انہوں نے مشرکین کو دھکے دے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دور ہٹایا اور آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے گھر لے آئے۔ آپ کی موت میں کسی کو شک نہ تھا۔ پھر بنو یتیم مسجد حرام میں واپس آئے اور اعلان کر دیا کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مر گئے تو ہم عتبہ کو ضرور تہ تیغ کر دیں گے۔ یہ اعلان کرنے کے بعد پھر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جہاں وہ مد ہوش پڑے تھے۔ آپ کے والد ابوقحافہ اور آپ کے قبیلہ والے آپ کو بلاتے تھے لیکن آپ کوئی جواب نہیں دیتے تھے سارا دن غشی طاری رہی جب سورج غروب ہونے لگا تو آپ کو کچھ ہوش آیا۔ اور پہلا جملہ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ مجھے بتاؤ میرے آقا۔ میرے ہادی حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔“؟

یہ سن کر ان لوگوں نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور ملامت کرنے لگے۔ پھر وہ لوگ وہاں سے واپس جانے کے لیے اٹھے اور آپ کی والدہ ام الخیر کو کہا کہ خیال رکھنا انہیں ضرور کچھ کھلانا پلانا۔ جب والدہ اکیلی آپ کے پاس رہ گئیں اور اصرار کرنا شروع کیا کہ آپ کچھ بولیں۔ آپ نے پھر وہی جملہ دہرایا ”ما فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کہ اللہ کے پیارے رسول کا کیا حال ہے۔“ والدہ نے کہا بخدا! مجھے تیرے صاحب کے بارے میں کوئی خبر نہیں کہ ان کا کیا حال ہے۔ آپ نے کہا کہ اماں! ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس سے دریافت کرو۔

آپ کی والدہ وہاں سے نکل کر ام جمیل کے پاس آئیں اسے کہا کہ ابوبکر تجھ سے محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں پوچھتا ہے۔ اس نے جواب دیا نہ میں ابوبکر کو جانتی ہوں اور نہ محمد بن عبد اللہ کو اگر تو پسند کرے تو میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلی جاتی ہوں۔ ام الخیر نے کہا بہت بہتر، چنانچہ ام جمیل ان کے ساتھ ان کے گھر آئی۔ دیکھا کہ ابوبکر بے ہوش پڑے ہیں اور نزاع کی حالت ہے۔ ام جمیل آپ کے قریب گئی اور رونا چیخنا شروع کر دیا اور کہا بخدا جس قوم نے تیرے ساتھ یہ بہیمانہ سلوک کیا ہے بیشک وہ فاسق و فاجر اور کافر ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ ضرور ان سے انتقام لے گا لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی وہی سوال کیا ”ما فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“ کہ میرے آقا کا کیا حال ہے؟

ام جمیل نے کہا کہ یہ آپ کی ماں سن رہی ہے آپ نے جواب دیا اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں مطمئن ہونے کے بعد ام جمیل نے کہا سالم صحیح یعنی کہ حضور صحیح و سلامت ہیں۔ آپ نے پوچھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں

ہیں؟ اس خاتون نے بتایا کہ حضور انور ﷺ دار ابن ارقم میں ہیں۔ اپنے آقا کی خیریت کی خبر سن کر آپ کے ہوش ٹھکانے لگ گئے اور آپ نے کہا: بخدا! میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا جب تک پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پر نور اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی بارگاہ ناز میں حاضری کا شرف نہ کروں گویا آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حضور پر نور ﷺ کی خیریت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان دونوں خواتین نے کچھ دیر انتظار کیا یہاں تک کہ لوگوں کی آمد روفت ختم ہو گئی۔ جب سناٹا چھا گیا تو وہ دونوں آپ کو لے کر گھر سے نکلیں حضرت صدیق ان پر ٹیک لگائے ہوئے حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے۔

”حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر جھک گئے اور ان کو بوسے دینے لگے اور مسلمان بھی ان پر جھک گئے اور پیار کرنے لگے۔ آپ ﷺ کی حالت زار کو دیکھ کر حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کے دل رحیم پر بڑی رقت اور گداز طاری ہوا۔“

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ حضور پر قربان جائیں مجھے کوئی تکلیف نہیں سوائے ان جوتیوں کی ضربوں کے جو عتبہ نے میرے چہرے پر ماری ہیں۔

”یہ میری ماں برہ اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہے، حضور پر نور ﷺ سراپا برکت ہیں، اسے اللہ کی طرف بلائیے اور اس کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ مجھے امید ہے حضور انور ﷺ کی برکت سے اللہ اسے آگ سے نجات دے گا۔“

حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے اللہ تبارک تعالیٰ کی جناب میں اس کی ہدایت کے لیے التجا کی پھر اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی چنانچہ وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔ اس واقعہ کے بعد بھی مسلمان حضور انور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مہینہ تک دار بنی ارقم میں قیام فرما رہے۔ اور خفیہ طریقہ سے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 439 تا 441۔ السیرۃ النبویہ، احمد زینی بن دطلان جلد 1 صفحہ 210، 211 البدایہ والنہایہ، ابن کثیر جلد 3 صفحہ 30)

حضرت صہیب اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا باپ کسریٰ کی حکومت میں اعلیٰ افسر تھا۔ رومی لشکر نے ایران پر حملہ کیا۔ صہیب جو ابھی چھوٹے بچے تھے رومی اسے قیدی بنا کر لے گئے۔ انہوں نے روم میں ہی نشوونما پائی۔ یہاں تک کہ جوان ہو گئے پھر عرب کا ایک گروہ روم گیا ان میں سے کسی نے صہیب کو خرید لیا۔ وہ انہیں سوق عکاظ میں لے آیا اور یہاں انہیں فروخت کر دیا۔ پھر عبد اللہ بن جدعان نے انہیں خرید لیا

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور ہادی دو جہاں سرکار دو عالم ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو ایک روز

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کے کاشانہ اقدس کے ارد گرد منتظر رہے تھے۔ وہاں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت عمار نے پوچھا صہیب، کدھر کا قصد ہے؟ انہوں نے کہا میں حضور پر نور ﷺ کی گفتگو سننے کے لیے حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا میرا بھی یہی ارادہ ہے دونوں اکٹھے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

حضور انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ فرمایا بیٹھ جاؤ، دونوں بیٹھ گئے۔ ہادی انس و جاں سرکارِ دو عالم ﷺ نے دونوں کے سامنے اسلام کی تعلیمات پیش کیں اور قرآن کریم کی چند آیات تلاوت کر کے انہیں سنائیں۔ دونوں کے دل نور ایمان سے منور ہو گئے۔ انہوں نے فوراً کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ شام تک وہیں حاضر رہے۔ شام کے وقت چھپ چھپا کر اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جب گھر پہنچے والدہ نے پوچھا دن بھر کہاں غائب رہے۔ انہوں نے صاف صاف بات بتادی اور یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اس دین حق کو قبول کر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے ماں باپ کے سامنے اسلام کی موثر تعلیمات پیش کیں۔ قرآن کریم کی چند آیتیں جو آج ہی انہوں نے ازبر کی تھیں پڑھ کر سنائیں والدین اتنے متاثر ہوئے کہ اسی وقت ایمان لانے کا اعلان کر دیا گویا اس ایک دن میں حضرت صہیب، حضرت عمار، ان کے والدین یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہم چاروں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

وہ نفوس قدسیہ جنہوں نے دعوتِ دین اسلام کو ابتداء میں قبول کیا اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا مردانگی سے مقابلہ کیا ان میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست ہے۔ آپ کا نام جندب بن جنادہ تھا۔ یہ بنی غفار قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ طبعی طور پر کفر و شرک سے دل برداشتہ تھے۔ بعثت نبوت سے تین سال قبل آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔ جدھر اللہ تبارک تعالیٰ نے چاہا منہ کر کے کھڑے ہو جاتے اور اپنی عقل و فہم کے مطابق اپنے معبودِ برحق کی تسبیح و تحمید کر کے اپنے دل بے قرار کی تسلی کا اہتمام کر لیا کرتے۔

انہیں اطلاع ملی کہ مکہ میں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ انہوں نے اپنے بھائی انیس کو کہا کہ مکہ جا کر اس شخص سے ملاقات کرو۔ اور اس کی دعوت کے بارے میں معلومات حاصل کرو اور واپس آ کر مجھے بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟ انیس مکہ گئے۔ چند روز وہاں قیام کیا جب واپس آئے تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا سناؤ کیا دیکھ کر آئے ہو؟

انیس نے جواب دیا کہ میں نے ایک شخص کی زیارت کی ہے جو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مخلوق کی راہنمائی کے لیے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے وہ مکارم اخلاق کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔

ابو ذر نے پوچھا! لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

انیس نے بتایا! لوگ تو اسے شاعر۔ کاہن اور ساحر کہتے ہیں بخدا! وہ سچا ہے۔ لوگ جھوٹے ہیں۔

ابو ذر نے اپنے بھائی کو کہا! کہ میرے اہل و عیال اور کاروبار کا خیال رکھنا میں بذات خود اس ہستی کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔

انیس نے ہامی بھر لی۔ اور ساتھ ہی اپنے بھائی کو نصیحت کی کہ اہل مکہ سے محتاط رہنا۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

میں نے ایک توشہ دان میں کھانے کا سامان رکھا ہاتھ میں عصا تھاما اور مکہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ساری مسافت پیدل طے کر کے مکہ پہنچا۔ وہاں نہ میری جان نہ پہچان میں نے سیدھا حرم شریف کا رخ کیا۔ میں اس شخص کو نہیں جانتا تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور جس کی زیارت کا شوق کشاں کشاں مجھے یہاں لے آیا تھا۔ اور کسی سے حضور انورؐ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھنا بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا، مبادا کسی مشکل میں پھنس جاؤں۔ میں انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ میں وہیں لیٹ گیا۔ مجھے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔ آپ سمجھ گئے کہ میں مسافر ہوں۔ میرا یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں اس لیے حرم شریف میں فروکش ہو گیا ہوں۔

آپ نے مجھے اپنے پیچھے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ میں آپ کے پیچھے چل پڑا۔ راستہ میں نہ آپ نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے خود کچھ بتایا۔ رات آپ کے ہاں بسر کی۔ صبح ہوئی تو اپنا توشہ دان اٹھایا اور حرم میں آ کر ڈیرا ڈال دیا دوسرا دن بھی گزر گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔ شام ہوئی تو چادر بچھا کر لیٹ گیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پھر گزر ہوا۔ مجھے کل کی طرح بے خانماں دیکھ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ راستہ میں سکوت طاری رہا نہ انہوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے اپنے بارے میں از خود کچھ بتایا۔ دوسری رات بھی گزر گئی۔ صبح کا اجالا ہوا تو میں اپنا سامان اٹھا کر حرم میں آ گیا۔ جب تیسرے دن کا سورج بھی غروب ہو گیا اور شام کے دھند لکے نے اپنی چادر پھیلانی شروع کر دی اور میں فرش حرم پر آرام کرنے کی غرض سے لیٹنے کی تیاری کرنے لگا تو پھر شاہ مردان حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آتے ہوئے دکھائی دیے۔ میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو آپ نے مہر سکوت توڑتے ہوئے دریافت کیا کہ تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا ہے؟

میں نے عرض کی! اگر آپ میرے ساتھ پختہ وعدہ کریں کہ آپ میرا راز فاش نہیں کریں گے اور میری راہبری کریں گے تو میں اپنی آمد کا مقصد بیان کرتا ہوں۔ آپ نے مجھے رازداری کا یقین دلایا تو میں نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ میری بات سن کر آپ نے فرمایا۔ بیشک وہ اللہ تبارک تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ صبح میں تمہیں اپنے ساتھ ان کی خدمت میں لے جاؤں گا۔

صبح ہوئی تو حسب وعدہ آپ مجھے ساتھ لے کر جانے کے لیے تشریف لائے۔ مجھے فرمایا تم چپکے چپکے میرے پیچھے چلتے آنا۔ اگر مجھے کوئی خطرہ محسوس ہوا تو میں اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا جس طرح میں لوٹے سے پانی بہا رہا ہوں یا اپنی جوتی کا تسمہ درست کر رہا ہوں۔ اور اگر کوئی خطرہ نہ ہوا تو میرے پیچھے اطمینان سے چلے آنا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے آگے چلتے رہے۔ میں آہستہ آہستہ احتیاط سے ان کے پیچھے پیچھے۔ چنانچہ آپ کی معیت میں میں حضور پر نور سرور کائنات ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے سامنے اسلام پیش فرمائیں۔ پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ہونے و نشین پیرایہ میں اسلام کی حقیقت سے مجھے آگاہ کیا۔ حضور ﷺ کی ہر بات میرے دل میں اترتی چلی گئی۔ جب حضور پر نور ﷺ کا ارشاد اختتام پذیر ہوا تو میرا بخت خفتہ بیدار ہو چکا تھا۔ میرے تاریک دل میں ایمان کی نورانی شمع جگمگانے لگی تھی۔ شکوک و شبہات کا سارا غبار چھٹ گیا تھا۔ اسی وقت اور اسی جگہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے دست ہدایت بخش پر میں نے اسلام کی بیعت کی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ انہوں نے درخواست کی کہ حضور انور ﷺ اپنے جان نثار غلاموں سمیت آج رات میرے کلبہ غریب خانہ میں رونق افروز ہوں اور ماحضر (جو حاضر ہو) تناول فرمائیں۔ حضور پر نور ﷺ نے اپنے عاشق صادق کی اس درخواست کو قبول فرمایا۔ رات کا کھانا پیغمبر اوّل و آخر و اعظم سرور کائنات ﷺ حضرت ابوذر اور دیگر احباب رضی اللہ عنہم نے کا شانہ صدیقی میں تناول فرمایا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں زندگی میں پہلی مرتبہ طائف کے زبیب (خشک میوہ) کھانے سے لطف اندوز ہوا۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اپنے نئے اور مہمان صحابی کو دو خصوصی نصیحتیں فرمائیں۔

”رسول اللہ ﷺ نے ان باتوں پر ان سے بیعت لی کہ وہ اللہ تبارک تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے، نیز وہ حق بات کہیں گے خواہ وہ کتنی کڑوی ہو۔“

(السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دھلان جلد 1 صفحہ 191، 192)

ایک روایت میں ہے کہ حضور انور نبی کریم ﷺ نے انہیں ہدایت کی کہ وہ یہاں (مکہ میں) ابھی اپنے ایمان کو ظاہر نہ کریں اور اپنے قبیلہ کے پاس واپس چلے جائیں اور انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ جب ہمارے فتح یاب ہونے کی تمہیں اطلاع ملے تو پھر میرے پاس آ جانا۔ آپ نے عرض کی یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں تو مشرکین کے مجمع میں جا کر اپنے ایمان لانے کا اعلان کروں گا۔

چنانچہ ایک روز جب قریش کے قبائل حرم شریف میں اپنی اپنی مجلسیں جما کر بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ آئے اور پورے زور کے ساتھ اعلان کر دیا۔ ”میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول برحق ہیں۔“

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قریش یہ سن کر بھڑک اٹھے اور مجھ پر ہلہ بول دیا۔ جو چیز کسی کے ہاتھ میں آئی، لکڑی، ڈھیلا، ہڈی، پتھر وہ اس سے مجھے زد و کوب کرنے لگے یہاں تک کہ میں غش کھا کر گر پڑا۔ اتنے میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ آگئے انہوں نے مجھے جھک کر دیکھا تو پہچان لیا۔ اور انہیں جھڑکتے ہوئے کہا۔ کم بختو! یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے جسے مار مار کر تم نے ادھ مٹوا کر دیا ہے۔ تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے تجارتی قافلوں کا راستہ ان کے علاقہ سے گزرتا ہے۔ تب ان لوگوں نے مجھے چھوڑا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں اٹھ کر زمزم کے کنوئیں کے پاس گیا۔ اس کے پانی سے اپنے جسم پر لگا ہوا خون دھویا۔ جوں توں کر کے رات گزری۔ صبح ہوئی تو جنون عشق نے پھر مجبور کیا کہ کفار کے بھرے مجمع میں اپنے محبوب پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، حضورِ انور، نبی کریم ﷺ کی رسالت کا پھر اعلان کروں۔ اس کے جرم عشق میں پیٹا جاؤں اور میرے انگ انگ سے خون کی ندیاں رواں ہوں چنانچہ دوسرے روز قریش حسب دستور جب اپنی محفلیں جما کر بیٹھ گئے تو میں نے اپنے پیچھے دوں کی پوری قوت سے نعرہ لگایا ”اشہد ان محمدا رسول اللہ“ میں نے یہ اعلان کر کے گویا بھڑوں کے چھتہ میں پتھر مار دیا۔ یہ سنتے ہی سب بھر گئے اور غضبناک ہو کر مجھ پر ٹوٹ پڑے مکوں، گھونسوں، سوٹیوں، ڈنڈوں اور پتھروں سے میری خوب مرمت کی۔ جگہ جگہ سے خون بہنے لگا، میں غش کھا کر پھر گر پڑا اور حسن اتفاق سے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پھر میرے لیے نجات کا فرشتہ بن کر آ پہنچے۔ ان کو خوب ڈانٹا اور انہیں بتایا کہ جس شخص پر تم یہ زیادتی کر رہے ہو یہ اس قبیلہ کا فرد ہے جس کے علاقہ سے تمہارے تجارتی کارواں گزرتے ہیں اس طرح مجھے ان سے چھٹکارا ملا۔

میں اپنے وطن واپس آ گیا۔ اپنے بھائی کو حضورِ پُر نور، نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں شرف باریابی حاصل کرنے اور ایمان لانے کا واقعہ بتایا۔ اس نے کہا میں تو پہلے ہی اس دین کو قبول کر چکا ہوں۔ پھر دونوں بھائی اپنی والدہ کے پاس گئے اسے حالات سے مطلع کیا وہ نیک بخت خاتون بھی اپنے ایمان لانے پر آمادہ ہو چکی تھی۔ ان کی دعوت کی دیر تھی کہ انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ غفار کے پاس گئے انہیں اس دین حنیف کو قبول کرنے کی تلقین کی۔ نصف قبیلہ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور دوسرے نصف نے اس وقت اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا جب پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ رونق افروز ہو چکے تھے۔

(السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 193۔ البدایہ والنہایہ، ابن کثیر جلد 3 صفحہ 34۔)

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین جلد دوم ۳۲۵

پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے اپنے اس صداقت شعار نیاز مند کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا۔

”جن پر نیلگوں آسمان سایہ فگن ہے اور جنہیں گرد آلود زمین نے اٹھایا ہوا ہے ان میں سے سب سے زیادہ سچا ابوذر ہے۔“

حضرت حصین والد عمران رضی اللہ عنہ

عمران، حصین کے فرزند پہلے ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ اور آج حصین کی سوئی ہوئی قسمت کے بیدار ہونے کی ساعت سعید آ پہنچی تھی۔ ہوا یوں کہ قریش کا ایک وفدان کے پاس آیا سارے قریش دل سے ان کا ادب و احترام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک روز حصین کو آ کر کہا کہ اس شخص نے (حضور انور ﷺ) ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے۔ ہمارے بتوں کی عیب جوئی کرتا رہتا ہے ہر لحظہ انہیں برا بھلا کہتا ہے۔ تم عقلمند اور زیرک آدمی ہو۔ ذرا جا کر ان کو سمجھاؤ کہ وہ اس سے باز آ جائیں ورنہ اس کا نتیجہ بڑا اندوہناک ہوگا۔

چنانچہ حصین، نے قوم کے اس وفد کو ہمراہ لے کر حضور پر نور ﷺ سے گفتگو کرنے کی غرض سے حضور انور ﷺ کے کاشانہ اقدس کا رخ کیا۔ وہ سب حضور انور نبی کریم ﷺ کے در اقدس کے نزدیک آ کر بیٹھ گئے۔ دوسرے لوگ باہر ٹھہرے رہے اور حصین خود اندر چلا گیا۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے جب اسے دیکھا تو اہل مجلس کو فرمایا کہ اپنے سردار کے لیے بیٹھنے کی جگہ کشادہ کرو۔ عمران، اس کا بیٹا پہلے ہی وہاں موجود تھا جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو حصین نے سلسلہ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

مجھے آپ (ﷺ) کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ آپ (ﷺ) ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں اور ان کی ہجو کرتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے حصین! تم کتنے خداؤں کی عبادت کرتے ہو؟

اس نے کہا! ہم سات خداؤں کی جو زمین میں ہیں اور ایک خدا کی جو آسمان میں ہے کی عبادت کرتے ہیں۔

حضور انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے پوچھا! کہ اگر تمہیں کوئی ضرر اور تکلیف پہنچے تو کس خدا کو پکارتے ہو؟ کہا اس ایک خدا کو جو آسمان میں ہے۔ پھر پوچھا اگر مال ہلاک ہو جائے تو پھر کس کو پکارتے ہو؟ تو کہا آسمان والے ایک خدا کو۔

حضور انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے فرمایا! بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمہاری دعائیں تو ایک آسمانی خدا کو کرتے ہو مگر تمہارا تمہارا مال ہلاک ہوتا ہے اور تمہاری ضرر اور تکلیف پہنچتی ہے۔

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿۳۲۶﴾ جلد دوم

فیض خداؤں کی پوجا بھی کرنے لگتے ہو، کیا تم اس شرک کو پسند کرتے ہو؟ اے حصین! اسلام کو قبول کر لو عذاب الہی سے بچ جاؤ گے۔

حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی نگاہ کرم سے دلوں پر پڑے ہوئے پردے اٹھ گئے۔ اسی وقت اس نے اسلام قبول کر لیا اس کا بیٹا عمران خوشی سے پھولا نہیں سارا ہاتھ وہ اٹھا اپنے باپ کے سر کو چوما۔ اس کے ہاتھوں کو اور اس کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی مبارک آنکھوں سے فرط مسرت سے اشکوں کے موتی ٹپکنے لگے۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا میں تو عمران کے طرز عمل سے متاثر ہو کر اشک بار ہوا ہوں کہ حصین جب یہاں آیا تو عمران بیٹھا رہا جب وہ مسلمان ہو گیا تو عمران وارفتگی کے عالم میں باپ کے پاس دوڑ کر پہنچا اس کے سر کو چوما اس کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسے دینے لگا۔ اس کے اس طرز عمل سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔

جب حضرت حصین رضی اللہ عنہ واپس جانے لگے تو پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ حضرت حصین رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر تک پہنچا آئیں۔

حضرت حصین رضی اللہ عنہ کے قومی بھائی ان کے ساتھ آنے والے باہران کا انتظار کر رہے تھے انہوں نے دہلیز سے جب قدم باہر رکھا تو وہ اس کے چہرے پر انوار الہی کا ہجوم دیکھ کر سہم گئے اور سمجھ گئے کہ یہ کفر سے رشتہ توڑ چکا ہے۔ معبودان باطل کی بندگی کی قید سے آزاد ہو چکا ہے اب یہ ہمارے کسی مصرف کا نہیں۔

(السیرۃ الخلیفہ، برہان الدین طلی جلد 1 صفحہ 269..... دیگر کتب سیرت)

حضرت عمرو بن عتبہ السلمی رضی اللہ عنہ

بعض کتابوں میں آپ کا نام عمرو بن عبسہ لکھا ہوا اس لیے اس سے مغالطہ نہ ہو ویسے صحیح عتبہ ہی لگتا ہے۔ عمرو بن عتبہ ایک سعید فطرت اور سلیم الطبع انسان تھے دور جاہلیت کے پروردہ مگر اس کے اطوار سے نفرت کرتے تھے۔ جہلاء بتوں کے سامنے جو کچھ کرتے وہ انہیں برا لگتا تھا وہ سوچتے یہ لوگ انہیں اپنے ہاتھوں سے تراش کر خود ہی انہیں پوجنے لگ جاتے ہیں کتنے نادان ہیں!

یہ دین، زندگی کا یہ چلن اور عرب کا مروج نظام اس کے طبع و مزاج کے خلاف تھا۔ لیکن حقیقت کہاں تلاش کریں؟ اس کی انہیں سمجھ نہیں تھی۔ جستوائے حق نے بے قرار کر دیا ہر وقت اسی فکر میں غلطاں رہنے لگے آخر دل نے فیصلہ کیا کہ کسی صاحب کتاب سے اس الجھن کا حل دریافت کرنا چاہئے ممکن ہے وہ کوئی سبیل بتا دے۔ فرماتے ہیں۔

میں ایک آدمی سے ملا جس کا تعلق اہل کتاب سے تھا اور اس نے پوچھا

”افضل دین کون سا ہے؟ اس نے جواب دیا: مکہ مکرمہ میں ایک نبی مبعوث ہوں گے جو اپنی قوم

کے خداؤں کے قریب بھی نہیں جائیں گے اور ایک خدا کی طرف دعوت دیں گے، وہ افضل دین لے کر آئیں گے جب تو ان کے ظہور و بعثت کی خبر سنے تو فوراً ان پر ایمان لے آ اور ان کی پیروی کر۔“ (دلائل البیۃ ابی نعیم صفحہ 211)

یہ اپنے ایمان لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں ہی میں اپنی قوم کے معبودوں سے بیزار اور متنفر ہو چکا تھا۔ ایسے بتوں کی پرستش کرنا جو نہ نفع پہنچا سکتے ہوں اور نہ نقصان میرے نزدیک بڑا احتمقانہ فعل تھا۔ میں نے اہل کتاب کے ایک عالم سے پوچھا کہ افضل ترین دین کون سا ہے؟ اس نے بتایا کہ عنقریب مکہ میں ایک آدمی ظاہر ہوگا جو اپنی قوم کے معبودوں سے بیزاری کا اعلان کرے گا اور ایک حقیقی خدا کی عبادت کی دعوت دے گا جو دین لے کر وہ آئے گا۔ وہ افضل الادیان ہوگا تم جب اس شخص کے ظہور کے بارے میں سنو تو فوراً اس کی اطاعت اختیار کرلو۔

مکہ میں مجھے اور کوئی کام نہ تھا لیکن اس بشارت کے بعد میں بار بار وہاں جاتا تا کہ اس نبی منتظر کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔ میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد باقاعدہ مکہ جایا کرتا اور جا کر دریافت کرتا کہ کیا کوئی نیا واقعہ رو پذیر ہوا ہے۔ جب نفی میں جواب ملتا تو واپس چلا آتا۔ مکہ جانے والی شاہراہ جو ہمارے علاقہ سے گزرتی تھی وہاں سے گزرنے والے قافلوں سے بھی میں یہی استفسار کرتا رہتا آخر ایک روز جب میں مکہ کی شاہراہ پر محو انتظار تھا تو ایک قافلہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ میں نے کسی سے پوچھا کہ مجھے مکہ کی کوئی نئی بات بتاؤ۔

اس نے کہا نئی بات یہ ہے کہ مکہ میں ایک نبی کا ظہور ہوا ہے۔ ان کی دعوت و تبلیغ نے عرب کی مذہبی فضا میں ہلچل مچادی ہے۔ وہ اپنی قوم کے بنائے ہوئے خداؤں کو نہیں مانتا اور انہیں بے دست و پا اور مجبور قرار دیتا ہے۔ اس انقلابی نعرہ نے تمام اہل مکہ کو حیران و مبہوت کر دیا ہے اور اب وہ اس کے خلاف متحدہ محاذ بنا رہے ہیں تاکہ اس آوازہ حق کو دبا سکیں۔ مخالفت کی تند و تیز یورش کے باعث سردست وہ نبی (ﷺ) اس وقت خفیہ تبلیغ کر رہے ہیں۔ یہ سن کر میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی گویا مجھے گوہر مقصود مل گیا۔ سفر کے لیے سامان باندھا اور میں فوراً مکہ روانہ ہو گیا۔

وہاں پہنچ کر اپنی سابقہ قیام گاہ پر اپنا سامان رکھا اور اس شخص کی تلاش شروع کر دی۔ آخر اسے ڈھونڈ نکالا وہ وہاں ایک مکان میں خفیہ طور پر لوگوں کو اپنی دعوت پہنچا رہے تھے۔ قریش اس کی مخالفت میں دیوانے ہو رہے تھے۔ بڑی مشکل سے میں ان کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوا وہاں جا کر سلام عرض کیا اور پوچھا آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں اللہ کا نبی ہوں۔ میں نے پوچھا نبی اللہ کیا ہوتا ہے؟ فرمایا وہ اللہ کا فرستادہ ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا آپ (ﷺ) کو کس نے رسول بنا کر بھیجا۔ فرمایا اللہ تبارک تعالیٰ نے۔ اس نے کیا پیغام پہنچانے کے

لیے آپ (ﷺ) کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟

”آپ حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیمؐ نے فرمایا: اس نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں تمہیں یہ چیزیں بتاؤں کہ صلہ رحمی کیا کرو۔ خوزیزی سے اجتناب کیا کرو۔ راستوں کو پر امن رکھا کرو۔ بتوں کو توڑ دو اور اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ۔“

یہ سن کر میں نے عرض کیا۔ یہ بہترین دعوت ہے۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں آپ ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں۔

پھر میں نے کہا۔ کیا میں آپ ﷺ کے پاس ٹھہروں یا واپس وطن چلا جاؤں؟ آپ ﷺ کی کیا مرضی ہے؟ حضور پر نورؐ نبی کریمؐ نے فرمایا لوگ ہم سے جس طرح نفرت کرتے ہیں وہ تم دیکھ رہے ہو۔ سردست تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ جب تمہیں پتہ چلے کہ میں مکہ سے ہجرت کر کے کہیں باہر چلا گیا ہوں تو پھر میرے پاس آ جانا۔

کچھ عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ حضور انورؐ نبی کریمؐ مدینہ منورہ ہجرت کر کے چلے گئے ہیں تو میں بھی حضور پر نورؐ نبی کریمؐ کی خدمت میں وہاں جا پہنچا۔ میں نے عرض کی یا نبی اللہ! کیا آپ نے مجھے پہچان لیا ہے؟ فرمایا: ہاں تم سلمیٰ ہو تم مکہ میں میرے پاس آئے تھے اور میں نے تمہیں یہ یہ باتیں کہی تھیں۔ پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! دعا کی قبولیت کی بہترین ساعتیں کون سی ہیں؟ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیمؐ نے فرمایا: ”نصف رات کا پچھلا حصہ اور نماز کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ بھی قبولیت دعا کا بہترین وقت ہوتا ہے۔“

حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے والدین نے انہیں بڑی ناز و نعمت سے پالا تھا۔ سارے مکہ میں یہ سب سے بڑھ کر حسین نوجوان تھے۔ نہایت اعلیٰ لباس پہنتے تھے اور لطیف سے لطیف خوشبو استعمال کرتے۔ ماں کو بیٹے کے ساتھ در درجہ محبت تھی۔ ان کی جدائی ماں کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ ماں کو ان کے ایمان لانے کا علم ہوا تو ان کا دانہ پانی بند کر دیا اور انہیں گھر سے نکال دیا۔ یہ بڑے ناز و نعمت میں پلے تھے۔ قبول اسلام کے بعد ان پر مصائب کے پہاڑ گر پڑے۔ حالات کی شدت سے دو چار ہوئے تو جسم کی کھال اس طرح ادھڑ گئی جیسے سانپ کچلی اتارتا ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود اس کے قدم اتباع پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رسول کریمؐ ﷺ اور دین اسلام کی سرفرازی و محبت میں آگے ہی بڑھتے رہے۔

(رحمۃ للعالمین جلد 1 صفحہ 58۔ تلخیص فہوم اہل الاثر صفحہ 60)

حبشہ میں گئے پھر واپس آئے۔ اب حضور انورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیمؐ نے ان کو مدینے میں اسلام کا

مبلغ بنا کر بھیج دیا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے بڑے درد دل سے اسلام کی تبلیغ کی۔ اسلام کی شجر کاری میں دن رات ایک کر دیا یہاں تک کہ سینکڑوں آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر یہ بہتر (72) موحّدین کا ایک کارواں لے کر حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی خدمت میں مکہ آئے۔ آپ ﷺ بے حد خوش ہوئے اور آنے والوں سے بیعت لی۔ حضرت مُصعب رضی اللہ عنہ پھر بیعت کرنے والوں کے ہمراہ واپس مدینہ چلے گئے اور اسلام کو خوب پھیلایا۔ گویا رحمت عالم ﷺ کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ساری فضا کو موافق اور سازگار بنا دیا۔

جب حضور انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو مدینہ والوں نے اپنی آنکھیں فرش راہ کر دیں اور اپنی جانیں اور مال حضور ﷺ پر قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ یہاں ایک ہی سال گزرا تو بدر کا معرکہ پیش آ گیا۔ حضرت مُصعب رضی اللہ عنہ یہاں بڑی تندہی اور بہادری سے لڑے، اسلام کی محبت میں روز بدر اپنے بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا۔ خدا نے فتح دی۔ مہاجرین کے علمبردار آپ ہی تھے۔

غزوہ بدر کے دوسرے سال یعنی کہ ہجری 3 میں پھر غزوہ احد میں نبرد آزما ہوئے۔ اس وقت بھی توحید کا علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ کفار کے شہسوار ابن قمرہ نے بڑھ کر تلوار کا دار کیا اور حضرت مُصعب رضی اللہ عنہ کا داہنا ہاتھ شہید ہو گیا۔ لیکن معاً انہوں نے علم کو بائیں ہاتھ سے پکڑ لیا۔ ابن قمرہ نے پھر دوسرا وار کیا تو یہ ہاتھ بھی کٹ گیا۔ لیکن توحید کے پروانہ نے علم کو باقی ماندہ کٹے ہوئے بازوؤں سے تھام کر سینے سے لگا لیا۔ تاکہ گرنے نہ پائے۔ پھر دشمن نے غصہ سے نیزہ اتنے زور سے مارا کہ انی ٹوٹ کر سینہ میں رہ گئی اور پروانہ اسلام زمین پر گر پڑا اور ابدی راحت کی نیند سو گیا۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ نے حضرت مُصعب رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کے پاس کھڑے ہو کر سورہ احزاب کی آیت 23 پڑھی۔

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَجْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝

ترجمہ: مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ خدا کے ساتھ جو انہوں نے (جان نثاری) کا عہد کیا تھا

اس میں سچے اترے۔ (سورہ احزاب آیت 23)

اس کے بعد (لاش کے پاس کھڑے کھڑے ہی) فرمایا:

”مُصعب (رضی اللہ عنہ)“! میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا کہ تمہارے جیسا حسین اور خوش پوشاک کوئی نہ تھا۔ لیکن آج دیکھتا ہوں کہ تمہارے بال بکھرے ہوئے ہیں اور جسم پر صرف ایک چادر ہے۔ (ہاں) اللہ کا رسول گواہی دیتا ہے کہ قیامت کے روز تم لوگ بارگاہ الہی میں (بڑی عزت کے ساتھ) حاضر ہو گے۔

(طبقات ابن سعد)

وہی مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔ ناز پروردہ مُصعب رضی اللہ عنہ۔ حضری جوتا (جو بڑے بڑے رئیسوں کو نصیب ہوتا تھا) پہننے والا، مکے کا خوش پوش حسین شہزادہ۔ اب اللہ کی راہ میں ہر چیز قربان کر کے زمین پر پڑا ہے۔ اوپر صرف ایک ہی چادر ہے۔ اس چادر سے دفن کے وقت سر چھپاتے ہیں تو پاؤں ننگے ہو جاتے ہیں اور اگر پاؤں چھپاتے ہیں تو سر ننگا ہو جاتا ہے۔ آخر چہرہ پاک چادر سے ڈھانپ دیا جاتا ہے اور پاؤں پر اذخر کی گھاس ڈال کر دفن کر دیئے جاتے ہیں۔ لاکھوں رحمتیں ہوں مُصعب رضی اللہ عنہ کی روح پر!

راہِ خدا میں مصائب

غور کریں کہ حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام کے بعد تادم واپس دنیا کا کیا سکھ اور چین پایا؟ وہ تو کلمہ حق پڑھنے کے بعد ابتلاؤں اور آزمائشوں کے ماحول میں ایسے گھرے کہ تکلیفیں ان پر ختم ہو گئیں۔ ہاں انہوں نے کلمہ حق سوچ سمجھ کر پڑھا تھا۔ توحید و رسالت کی ذمہ داریوں کو اپنے سر لے کر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پکارتا تھا اور پھر ان ذمہ داریوں کو بھوک، پیاس، غربت اور افلاس کی حالت میں تپتے صحراؤں اور ریگزاروں کے سفروں میں دشمنوں کے زخموں، تلواروں کی جھنکاروں اور تیروں کی بارشوں میں پورا کیا۔ اللہ کی خالص عبادت اور رسول رحمت ﷺ کی سچی اطاعت کے نشہ میں وہ سب چیز برداشت کر گئے۔ بیشک دنیا کی فانی زندگی کو رضائے الہی پر قربان کر گئے اور یہ حال حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم شافع روز جزا ﷺ سے لے کر تقریباً تمام صحابہ کرام پر گزرا ہے۔ سب ہی اسلام کو اپنانے پر مصائب سے دو چار ہوئے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہمیں ان کا اتباع اپنانے کی توفیق دے۔ آمین۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ

حضرت عامر بن ربیعہ اپنے ایمان لانے کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ زید بن عمرو نے مجھے بتایا۔ میں اولاد اسماعیل علیہ السلام سے ایک نبی کا منتظر ہوں لیکن محسوس ہوتا ہے میں اس وقت تک زعمہ نہیں رہوں گا اور مزید کہا کہ

وانا اؤمن به، واصله واشهد انه نبی، فان طالت بك مدة فرايته فاقراه مني السلام۔

”میں ان (اس نبی) پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچے نبی ہیں اگر تیری زندگی وفا کرے اور تو ان کی زیارت سے مشرف ہونے میں کامیاب ہو جائے تو ان کی عظیم بارگاہ میں میرا سلام پیش کرنا۔“

قارئین کرام! زید بن عمرو بن نفیل آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے وفات پا گئے تھے۔ وہ سچے موحد، متقی اور پرہیزگار آدمی تھے جو آپ ﷺ پر پہلے ہی ایمان لے آئے تھے۔ اس کے حق میں نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے بہت اچھے الفاظ فرمائے ہیں۔ اس لیے زیر بحث موضوع کی مناسبت سے ان (زید بن عمرو بن نفیل) کا

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿۳۳۱﴾ جلد دوم

یہاں بھی ذکرِ خیر کرنا میں قارئین کے علم و فلاح کے لیے مناسب سمجھتا ہوں۔ دو تین صفحات کے بعد پھر آپ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بارے میں قدرے تفصیل سے پڑھیں گے۔

زید بن عمرو بن نفیل

”زید بن عمرو“ خطاب کے بھائی ”عمرو“ کے بیٹے تھے اس رشتے سے وہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی لگتے تھے مگر اپنی قوم کی ذہنی و جسمانی اور روحانی پراگندگی کے برعکس وہ ایک وضعدار با اصول دور اندیش اور پرہیزگار انسان تھے۔ انہیں اپنی قوم کے بے معنی افعال و اعمال اور لایعنی حرکات سے اتفاق نہ تھا وہ انہیں پتھروں کے آگے جھکتے قربانیاں دیتے اور گڑ گڑاتے دیکھ کر دل سے کڑھتے اور سمجھاتے

کہ نادانو! کس کو خدا مان رہے ہو اور کس سے التجا کر رہے ہو۔ جو خود بے دست و پا اور ہلنے جلنے سے معذور ہے۔ اپنے اوپر بیٹھی ایک مکھی تک نہیں اڑا سکتا۔ ہوش میں آؤ! شرفِ آدمیت کے خلاف حرکتیں چھوڑ دو۔ اپنے مقام و مرتبہ کے لائق باوقار کردار اپناؤ جس سے مردانہ وقار اور انسانیت کا شرف ٹپکتا ہو۔ یہ کیا کہ اپنے ہی گھرے ہوئے پتھروں کے آگے ذلیل و خوار ہو کر ماتھے رگڑ رہے ہو اور اس میں اپنا افتخار سمجھتے ہو۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اس دور کا اپنا ایک مشاہدہ بیان فرماتی ہیں کہ۔

”میں نے عظیم بزرگ زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کہ حسرت و یاس کی تصویر بنے کعبہ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں اور غم انگیز لہجے میں اپنی نادان قوم سے مخاطب ہیں۔ اے گروہِ قریش! اس ذاتِ پاک کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں زید کی جان ہے آج میرے سوا کوئی بھی ”دینِ ابراہیمی“ کا متبع نہیں ہے۔ پھر بصداد و نیاز اپنے خالق و مالک کے حضور گڑ گڑاتے۔ اے اللہ! اگر مجھے اس اندازِ عبادت کا پتہ ہوتا جو تجھے پسند ہے تو میں اسی انداز سے تیری عبادت کرتا لیکن صد افسوس کہ میں اس حسین انداز سے واقف نہیں پھر اپنی ہی ہتھیلی پر سجدہ ریز ہو گئے۔“

(السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 225)

آپ کا چچا خطاب ضلالت کے اندھیروں میں گھرا ہوا تھا اور اپنی گمراہ قوم کی طرح فرسودہ آبائی عقائد کے معاملہ میں بڑا سخت تھا اسے اپنے بھتیجے کے یہ باغیانہ اطوار اور موحدانہ انداز بالکل پسند نہیں تھے اس لیے زید کو ڈانٹتا رہتا تھا کہ ان مخالفانہ حرکتوں سے باز آ جائے اور ”قومی نظریات“ کے خلاف نفرت نہ پھیلانے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ قوم اور اس کے نوجوان مروجہ نظام کے خلاف کسی اور نظام سے واقف ہوں اس لیے اس نے زید کو اپنے نظریات و خیالات کی تبلیغ اور موحدانہ افکار کے پرچار سے روکنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا لیکن جب زید نے کوئی اثر نہ لیا تو چچا خطاب تشدد پر اتر آیا۔ جب اس سے بھی کام نہ چلا تو اس نے قوم کے نوجوان گمراہ غنڈہ داروں کے حکم سے

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ————— ۳۳۲ ————— جلد دوم

چنانچہ زید ”کوہِ حرا“ پر تشریف لے گئے جب بھی شہر میں آتے تو اوہاں سر پھرے نو جوان پیچھے لگ جاتے اور مکہ مکرمہ سے باہر جانے پر مجبور کر دیتے جب آپ نے یہ صورت حال دیکھی تو تلاشِ حق میں مستقل سفر کر کے کسی دوسرے مقام پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ موصل شام اور جزیرہ عرب کے دیگر بڑے بڑے شہروں میں پہنچ کر آپ نے چوٹی کے علماء و اہباء اور مشہور ترین راہبوں اور پادریوں سے ملاقات کی۔ اپنے پر صعوبت اور طویل ترین سفر کا مدعا بیان کیا مگر کہیں بھی دردِ دل کا درماں نہ پایا۔ تجارتی دوکانیں تھیں جنہیں وہ دین و مذہب کے نام پر سجا کر بیٹھے ہوئے تھے اور مخلوق خدا کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے تھے۔

آخر طلبِ صادق اور جستجوئے حق نے آپ کو ایک آشنائے منزل تک پہنچا ہی دیا ”میفہ“ نامی مقام پر ایک دانائے راز راہب سے ملاقات ہو گئی۔ جس نے ”شہریار“ (نبی آخر الزمان کا شہر مکہ) کا پتہ دیا۔

اس سے ”دین حنیف یا دینِ ابراہیم“ کے بارے میں پوچھا راہب نے جواب دیا، معلوم ہوتا ہے تم دینِ حق کی طلب میں ہو آج ایک شخص بھی ایسا نہیں جو تمہیں اس کی نشاندہی کر سکے لیکن ایک بات غور سے سنو! اس عظیم نبی کا زمانہ قریب آ گیا ہے جو دینِ ابراہیمی کے ساتھ مبعوث ہوں گے اور اسی شہر میں ظہور فرمائیں گے جہاں سے تم آئے ہو اس لیے وہیں چلے جاؤ اور نبی آخر الزماں مبعوث ہونے ہی والے ہیں اور یہی ان کا زمانہ ہے۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 231)

حضرت عبدالرحمان بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہما راوی ہیں: ایک دفعہ زید بن عمرو بن نفیل نے بتایا: ”میں نے یہودیت اور نصرانیت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا مگر مجھے دونوں پسند نہیں آئے۔ ایک دفعہ میں ملک شام کے قرب و جوار میں تھا کہ وہاں ایک گرجے میں ایک راہب سے ملا اور اسے بتایا کہ اپنی قوم سے کٹ کر رہ گیا ہوں اور بت پرستی اور یہودیت اور نصرانیت کو ناپسند کرتا ہوں۔ راہب نے کہا: ایسا لگتا ہے کہ تو دینِ ابراہیمی کا ”جو یا“ (ولدادہ) ہے بے شک وہ حنیف تھے یہودی اور نصرانی نہیں تھے وہ اسی کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے تھے جو کعبہ تیرے شہر مکہ میں ہے۔ وہیں چلا جا تیرے اسی شہر میں تیری ہی قوم سے ایک عظیم الشان نبی ”دینِ ابراہیمی کے ساتھ“ تشریف لانے والے ہیں جو اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاں تمام مخلوق سے افضل اور پیارے ہیں۔“ (الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 162)

دیکھو! میں تمہیں ان کی کچھ نشانیاں بتائے دیتا ہوں تاکہ اخفاء نہ رہے۔ ”وہ میانہ قامت انسان ہوں گے۔ ان کے بال نہ بہت زیادہ اور نہ بہت کم ہوں گے۔ ان کی آنکھوں میں سرخی ہمیشہ موجود رہے گی۔ ان کے کندھوں کے درمیان ”مہرِ نبوت“ ہوگی اور ان کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ یہی شہر مکہ ان کی جائے پیدائش ہے۔

اسی جگہ مبعوث ہوں گے پھر ان کی قوم انہیں یہاں سے ہجرت پر مجبور کر دے گی اور ان کی لائی ہوئی ربانی تعلیمات کو ناپسند کرے گی یہاں تک کہ وہ ہجرت کر کے یثرب مدینہ طیبہ میں آجائیں گے یہاں ان کی تحریک کو غلبہ نصیب ہوگا۔“ (الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 163)

”خبردار! کسی دھوکے میں نہ رہنا میں نے دین ابراہیمی کی تلاش میں کئی ممالک کا سفر کیا ہے میں نے جہاں بھی یہود و نصاریٰ اور مجوس سے اس بارے میں سوال کیا سب نے یہی جواب دیا: یہ دین تیرے پیچھے ہے جہاں سے تو آیا ہے۔ اور وہ سب وہی اوصاف بیان کرتے رہے جو میں نے تیرے سامنے بیان کئے ہیں وہ سب یہی بتاتے تھے کہ اب ان کے سوا کوئی نبی باقی نہیں رہا۔

چنانچہ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے دل پر یہ پرزور اور مخلصانہ نصیحت نقش ہو گئی اور یہ اطلاع ملتے ہی اسلام لے آئے اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

”جب میں مسلمان ہو گیا تو پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو زید کی تمام باتیں بتائیں اور سلام بھی پہنچایا۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور ﷺ نے اس روح سعید پر کرم فرماتے ہوئے سلام کا جواب مرحمت فرمایا اور دعائے رحمت کی اور بتایا ہم نے اسے جنت میں دامن گھیٹ کر چلتے ہوئے دیکھا ہے۔“ (الطبقات الکبریٰ جلد صفحہ 161، 162)

زید بن عمرو بن نفیل کے صاحبزادے سعید بن زید رضی اللہ عنہ بھی باپ کی طرح بڑے سعید فطرت اور حق پسند تھے جلد ہی ایمان لے آئے۔ چونکہ اپنے باپ کی حق پسندی عبادت و ریاضت اور موحدانہ طور طریقوں سے آگاہ تھے اور ان کی بخشش کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے اس لیے ایک دفعہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

کیا ہم زید کے لیے بارگاہ خداوندی میں دعائے مغفرت کریں؟

ان کی توقع کے عین مطابق حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے جواب دیا:

ہاں تم اس کے لیے دعائے مغفرت کر سکتے ہو وہ (تلاش حق میں اتنے مخلص تھے کہ) قیامت کے دن تنہا

ایک امت کے برابر اٹھائے جائیں گے۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام صفحہ 226)

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

اسلام کا نور تاباں آہستہ آہستہ سلیم الفطرت لوگوں کے اذہان و قلوب کو منور کرتا جا رہا تھا اسلام نے اپنے فطری حسن و جمال سے بڑی بڑی جلیل القدر اور نادرہ روزگاہ ہستیوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی عظیم شخصیت اسلام قبول کر کے اس کی قوت میں اضافہ کا باعث بن رہی تھی۔ اسلام کے خلاف اگرچہ مشرکین مکہ کا اجتماعی رد عمل ابھی شروع نہیں ہوا تھا لیکن اکادکا ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے جس سے ان کے

اس بغض و عداوت کا اظہار ہوتا رہتا جو اسلام کے بارے میں ان کے دلوں میں سلگ رہا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جس بے رحمی سے کفار نے مارا پیٹا اس کے بارے میں آپ پہلے پڑھ چکے ہیں اسی طرح بے سہارا اور بے آسرا لوگ جو دین حق کو قبول کرتے ان پر ظلم و ستم توڑنے میں وہ قطعاً تامل نہ کرتے یہاں تک ان میں سے جو زیادہ شقی القلب تھے انہوں نے محبوب رب العالمین ﷺ پر بھی دست تعدی دراز کرنا شروع کر دیا تھا۔

کفار مکہ نے جب دیکھا کہ تحریک دین اسلام اور دین اسلام تیزی سے پھیلنے لگا ہے اور لوگ اس میں سنجیدگی سے دلچسپی لینے لگے ہیں تو ان کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ جسے فرد واحد کا ذاتی معاملہ قرار دے کر نظر انداز کر رہے تھے اب انہیں وہ ایک خوفناک طوفان دکھائی دینے لگا۔ انہوں نے آنے والے خطرے کو بھانپ لیا اور غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر اس سیل رواں کو اب سختی سے نہ روکا گیا تو یہ اپنی طوفانی رو کی زد میں ان کی تمام ”روایات“ اور تہذیبی اقدار“ کو بہا کر لے جائے گا۔ ان کی بنی بنائی ساکھ بھی خراب ہوگی اور ”عزت“ بھی خاک میں مل جائے گی۔

مشرکین مکہ نے اجتماعی فیصلہ کر لیا کہ اب وہ اس دین میں داخل ہونے والوں کو معاف نہیں کریں گے اور جو اس میں داخل ہو چکے ہیں انہیں بھی ڈرا ڈھمکا اور معاشرتی دباؤ ڈال کر واپس لانے کی کوشش کریں گے تاکہ تحریک اسلام اسی مرحلہ پر رک جائے، ختم ہو جائے۔

ابو جہل نے تو یہ بھی سوچ لیا کہ اب وہ نئے دین کے بانی اور تحریک کے قائد کو بھی معاف نہیں کرے گا۔ اس نے اپنے طور پر حضور انور نبی کریم ﷺ کی کردار کشی کے لیے ہر ممکن کینہ پن اپنانے کا تہیہ کر لیا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ بدظن ہو کر حضور انور ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں تو نئی ابھرنے والی تحریک اسلامی اپنی موت آپ مر جائے گی۔

اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا پکا ارادہ کر کے وہ کارروائی کے لیے مسجد حرام میں آ گیا۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو وہ صفا کے پاس تشریف فرما تھے۔ اس نے تہذیب و شائستگی کا جامہ اتار کر بکنا شروع کر دیا اور جو منہ میں آیا کہا، سرکارِ دو عالم نبی کریم ﷺ خاموشی سے اس کی تمام باتیں سنتے رہے اسے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی ہی میں وہاں سے تشریف لے گئے۔

پیکرِ تسلیم و رضا نے صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا اور اٹ تک نہ کی۔ دل کا غبار نکال کر ابو جہل اتر آتا ہوا اپنے مداحوں کی اس محفل میں جا بیٹھا جو حرم میں، اس کے قبیلہ والوں نے منعقد کی ہوئی تھی۔ اس کے چلے جانے کے بعد پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رحمۃ دو عالم ﷺ بھی خاموشی سے اپنے گھر تشریف لے گئے۔

عبداللہ بن جدعان کا گھر کوہ صفا کے قریب تھا۔ اس کی ایک لونڈی نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ حضرت حمزہ اس روز جنگل میں شکار کے لیے گئے ہوئے تھے۔ چاشت کے وقت ایک کامیاب شکاری

کی طرح شاداں و فرحاں واپس آرہے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ شکار سے واپسی پر پہلے حرم شریف میں حاضری دیتے بیت اللہ شریف کا طواف کرتے پھر صحن حرم میں جہاں رؤسا قریش نے اپنی اپنی محفلیں جمارکھی ہوتی تھیں وہاں جاتے۔ سب سے علیک سلیک کرتے۔ مزاج پرسی کرتے تب گھر واپس جاتے۔ اس روز بھی اسی ارادہ سے وہ حرم شریف کی طرف جارہے تھے کہ کوہ صفا کے پاس سے جب ان کا گزر ہوا۔ عبداللہ بن جدعان کی جس کنیز نے ابو جہل کی تعدی کا دلخراش منظر دیکھا تھا وہ ان کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور کہا

آج ابو جہل نے تمہارے پیارے چہیتے بھتیجے کے ساتھ بہت بدکلامی کی ہے۔ کھل کر بیہودہ گالیاں دی ہیں۔ اس نے اس طرح سے کھلی زیادتی و ظلم کیا ہے کہ جیسے اسے کوئی لگام دینے والا نہ ہو۔ اگر آج اسے اس کی زبان میں نہ سمجھایا گیا تو وہ کل کلاں کوئی اور بدتمیزی بھی کر سکتا ہے۔ اسے اس کی حد میں رکھنا ضروری ہے اور وہ آپ ہی کر سکتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی غصہ سے آگ بگولہ ہو کر ابو جہل کی تلاش میں آگے بڑھے۔ آج ان کی کیفیت ہی زالی ہے نہ کسی سے پرسش احوال کر رہے ہیں نہ کسی محفل میں کھڑے ہو کر سلام کہہ رہے ہیں ابو جہل کی تلاش میں سیدھے آگے بڑھے چلے جاتے ہیں آخر کار آپ کی نظر ابو جہل پر پڑ گئی جو اپنے اہل قبیلہ کی محفل میں بڑی تمکنت سے بیٹھا ہے۔ لوگ سراپا ادب بن کر اس کے گرد حلقہ باندھے بیٹھے ہیں آپ اس مجمع میں گھس گئے اپنی کمان سے اس مردود کے سر پر پے در پے ضربیں لگائیں کہ خون کا فوارہ پھوٹ نکلا اور غصہ سے گرجتے ہوئے کہا۔ اتشتمہ وانا علی دینہ“ اے ابو جہل تیری یہ مجال کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں نکالے جب کہ میں نے اس کا دین قبول کر لیا ہے۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو آ اور مجھے روک کر دیکھ۔

بنو مخزوم قبیلہ کے لوگ اپنے سردار کی اس رسوائی پر سیخ پا ہو گئے اٹھے کہ حمزہ سے اس کا بدلہ لیں۔ ابو جہل بڑا کائیں اور موقع شناس آدمی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حمزہ جیسے شیر دل کا مقابلہ ان لومڑیوں سے نہیں ہو سکے گا خواہ مخواہ کئی جانیں ضائع ہوں گی اس لیے اس نے اپنے قبیلہ والوں کو کہا کہ۔

”ابوعمارہ (حمزہ) کو کچھ نہ کہو بخدا میری غلطی ہے کہ میں نے اس کے بھتیجے سے بدکلامی کی ہے۔“

اور با ایں وجہ انہیں حق پہنچتا ہے کہ غضبناک ہوں۔ حاضرین نے کہا

اے حمزہ! ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے تم نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے؟

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بے دھڑک جواب دیا:

مجھے قبول حق سے کون روک سکتا ہے؟ مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے وہ سچ ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ خدا کی قسم! میں اب اس دین کو ترک نہیں کروں گا۔ اگر تم سچے ہو تو ذرا مجھے دین سے روک کر دکھاؤ!

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے غصے میں آ کر یہ بات تو منہ سے نکال دی اور رشتہ داری کے جوش میں یہ سب کچھ ہو گیا۔ ابو جہل سے اپنے پیارے بھتیجے کا انتقام بھی لے لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر دیا لیکن جب گھر واپس آئے تو نفس (اپنے آپ کو) ملامت کرنا شروع کر دی اے حمزہ! تو نے یہ کیا کیا۔ فرط غضب میں تو اتنا دور چلا گیا کہ اپنے آباؤ اجداد کے عقیدے کو بغیر سوچے سمجھے ترک کر دیا اور ایک نئے دین کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ تو نے جلد بازی میں بڑا غلط فیصلہ کیا ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ گو لگو کے عالم میں ہیں۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کریں انہیں یہ بات اپنی شان کے سراسر خلاف معلوم ہوئی کہ انہوں نے ایک ایسے دین کو قبول کر لیا ہے جس کے بارے میں انہوں نے پوری طرح سے غور و خوض ہی نہیں کیا جس کے بارے پہلے دل لگا کر سوچا ہی نہیں۔ ساری رات بڑے قلق و اضطراب میں کٹی۔ ایسی پریشان رات انہوں نے آج تک نہیں گزاری تھی۔ اور ایسے ذہنی کرب سے انہیں کبھی پالا نہیں پڑا تھا۔ جب صبح ہوئی تو بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

”اے میرے بھتیجے! میں ایک ایسی مشکل میں گرفتار ہو گیا ہوں جس سے نکلنے کا راستہ میں نہیں جانتا۔ اور ایسی بات پر میرا قائم رہنا بڑا مشکل ہے جس کے بارے میں مجھے یہ علم نہیں کہ یہ ہدایت ہے یا گمراہی۔ اس لیے مجھے اس بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے۔ میرے بھتیجے! میری خواہش ہے کہ آپ اس سلسلہ میں گفتگو کریں۔“

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور عالم خفا و غیوب رحمۃ للعالمین ﷺ بھی ان کی دلی کیفیت اور کشمکش سے آگاہ تھے۔ نگاہ نبوت، حکیمانہ نصائح اور پر خلوص دعاؤں سے انہیں فوری قرار بخشا اور جو راہ اختیار کی تھی اس کے فیوض و برکات اور فوائد سے آگاہ کیا۔ اس روش پر تنقید کی جس پر وہ پہلے گامزن تھے۔

عقل و دل و نگاہ کے مرشدِ کامل ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بے تاب دل کی طلب پر توجہ فرمائی اور بڑے دلنشین انداز میں اسلام کی صداقت و حقانیت کے بارے میں چند ارشادات فرمائے ”و یزکیہم“ کی نشان دہی کی نبی کی نگاہ التفات کی دیر تھی کہ سارے حجابات اٹھ گئے ساری ظلمتیں کا فور ہو گئیں۔ شک و شبہ کا غبار چھٹ گیا اور دل کی دنیا نور ایمان سے جگمگ جگمگ کرنے لگی۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عرض کی ”اشہد انک لصادق“ میں دل کی گہرائیوں سے گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔

”اے میرے بھائی کے فرزند! آپ اپنے دین کا اظہار فرماتے رہئے بخدا! میں اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ مجھے ہر وہ نعمت دے دی جائے جس پر آسمان سایہ لگن ہے تاکہ میں اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جاؤں۔“

بھتیجے! ڈٹ کر اپنے دین کی تبلیغ کرو کسی کی مجال نہیں کہ وہ کچھ کرے انشاء اللہ سب کا مقابلہ کریں

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ۳۳۷ جلد دوم

گے۔ (دلائل النبوة للبيهقي جلد 2 صفحہ 214، البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 33، الروض الانف صفحہ 185، السیرہ النبویہ لابن ہشام جلد 1 صفحہ 292، سبل الہدی وارشاد، امام یوسف صالحی جلد 2 صفحہ 444)

اہل مکہ نے محسوس کیا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو خاصی تقویت پہنچی ہے اور وہ مضبوط ہو گئے ہیں اس لیے وہ مسلمانوں کے معاملے میں محتاط ہو گئے اور جو رویہ انہوں نے اختیار کر لیا تھا اس پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے۔

آپ کے ایمان لانے سے عالم کفر پر ایک رعب طاری ہو گیا۔ بے آسرا مسلمانوں پر ان کی ستم رانیوں میں بڑی حد تک کمی آ گئی۔ آپ کے اشعار جو آپ نے اپنے ایمان لانے کی خوشی میں بطور شکر و حمد کہے ہیں آپ بھی انہیں پڑھئے اور لطف اٹھائیے۔

1- ”میں اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی اسلام قبول کرنے کے لیے جو دین حنیف ہے۔“

2- ”وہ دین جو رب کریم کی طرف سے آیا ہے جو عزت والا ہے جو اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان کے ساتھ لطف و احسان فرمانے والا ہے۔“

3- ”جب اس کے پیغاموں کی ہم پر تلاوت کی جاتی ہے تو ہر عقل مند اور زیرک انسان کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔“

4- ”یہ ایسے پیغامات ہیں جو احمد مجتبیٰ لے کر آئے ہیں ایسی آیات کے ساتھ جن کے حروف روشن ہیں۔“

5- ”احمد مصطفیٰ وہ ہیں جن کی ہم میں اطاعت کی جاتی ہے کوئی کمزور قول اور عقل و فہم سے گری ہوئی بات ان کا گھراؤ نہیں کرتی۔“

6- احمد مصطفیٰ ﷺ ہمارے امام و قائد ہیں۔ تم ان کے سامنے آ کر بے تکی اور بے معنی باتیں مت کرو۔

مشہور سیرت نگاہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنی سیرت کی کتاب ”رحمۃ للعالمین“ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی ایک اور وجہ تحریر فرمائی جو بڑی ایمان افروز ہے۔

قرابت کے جوش میں حمزہ ابو جہل کے پاس پہنچے اور اس کے سر پر اس زور سے کمان کھینچ ماری کہ وہ زخمی ہو گیا حمزہ پھر نبی ﷺ کے پاس گئے اور کہا بھتیجے! تم یہ سن کر خوش ہو گے کہ میں نے ابو جہل سے تمہارا بدلہ لے لیا۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے فرمایا چچا! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا۔ ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ حمزہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ (رحمۃ للعالمین قاضی محمد سلیمان جلد 1 صفحہ 63)

قاضی صاحب نے اس کا حوالہ نہیں دیا۔ میرے پاس جتنے مراجع ہیں مجھے ان میں سے کہیں اس کا سراغ نہیں ملا۔ لیکن قاضی صاحب کی علم دوستی کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یقیناً ان کے پاس اس کا مستند حوالہ ہوگا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کب ایمان لے آئے؟

اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اعلان نبوت کے پانچویں سال اور بعض نے اعلان نبوت کے چھٹے سال۔ لیکن علماء محققین کی تحقیق یہ ہے کہ آپ اعلان نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے۔ چنانچہ۔

علامہ ابن حجر، جو فن رجال کے امام ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں۔

”آپ بعثت کے دوسرے سال ایمان لائے۔ دم واپس تک رسول اللہ ﷺ کی نصرت میں کمر بستہ رہے اور مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔“

انہوں نے پھر تحریر فرمایا کہ

”آپ نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے۔“

انہوں نے سن چھ کا قول بھی لکھا ہے لیکن ”قیل“ کے ساتھ جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ ابن اثیر (مصنف الکامل فی التاريخ) لکھتے ہیں۔

”آپ بعثت کے دوسرے سال ایمان لے آئے۔ (اسد الغابہ، جلد 2 صفحہ 46)

علامہ احمد بن زینی دحلان السیرۃ النبویہ میں لکھتے ہیں۔

”صحیح قول یہ ہے کہ حضرت حمزہ نبوت کے دوسرے سال ایمان لائے اور بعض نے چھٹا سال لکھا ہے۔“

(السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 213)

فضیلت الشیخ محمد الصادق العرجون اپنی سیرت کی کتاب میں رقمطراز ہیں۔

”دعوت اسلامی نے وحی رسالت کے آغاز میں دوسرے سال اپنے آغوش میں قریش کے معزز ترین

جوان، بڑے طاقتور، اللہ اور اس کے رسول کے شیر، سارے شہیدوں کے سردار، میدان بدر میں شرک اور بت

پرستی کے لشکروں کو تہس نہس کر دینے والے، اسلام اور توحید کے پرچم بلند کرنے والے، مشہور شہسوار ابوعمارہ،

حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو کھینچ لیا۔ علامہ ابن حجر کی یہی قطعی رائے ہے علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں اور

علامہ قسطلانی نے مواہب میں اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے چچا بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی تھے اور نسب کے اعتبار

سے خالہ کے بیٹے بھی تھے۔ کیونکہ آپ کی والدہ حالہ، وہیب کی بیٹی تھیں جو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا جو حضور انور، حضور

پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی والدہ ماجدہ تھیں، کے والد وہب کے بھائی تھے۔“

بلاشبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے مزد میدان، بہادر اور شہید، اور قریش کے معزز نو جوان کا بغیر کسی جبر اور بغیر کسی

لاج کے اسلام کو اپنی پسند و خوشی سے قبول کر لینا اسلام کی صداقت کی ناقابل تردید دلیل ہے اور حضور پر نور نبی

رحمت پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کا عظیم الشان معجزہ ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ حضرت حمزہ غزوہ احد میں شہید ہوئے اور غزوہ احد سن 3ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ یہ امر بھی اسی قول کی تائید کرتا ہے کہ آپ بعثت کے اعلان نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

چالیس کے قریب جانباز تحریک دین اسلام کی دعوت کو قبول کر چکے تھے اور وہ سب اب اس تحریک کے دست و بازو بن کر دن رات کام کر رہے تھے۔ مزید ہمنوا بنانے کے لیے کوششیں جاری تھیں تاکہ افرادی قوت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو اور اسے مجتمع کر کے نظم و تربیت کے بعد نوری انقلاب کو قریب سے قریب تر لایا جاسکے۔

انقلاب کے لیے ہر قسم کی صلاحیتوں کے افراد درکار ہوتے ہیں۔ وہ بھی بلا کے شمشیر زن ہوں اور وہ بھی جو اپنی تحریر و تقریر سے ان کے رگ و پے میں حرارت و روح پھونک دیں۔ وہ بھی جو سر ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آجائیں اور وہ بھی جو مالی اعانت سے تحریک کو تقویت دیں اور مشن کو آگے بڑھائیں۔ چالیس کے اس گروہ میں بڑے مخلص و فادار جانباز اور عظیم و جلیل حضرات آگئے تھے۔ انہوں نے تحریک میں عزم و ہمت اور صبر و ثبات کی روح پھونک دی تھی اور بڑے استقلال کا مظاہرہ کیا تھا۔

مگر ابھی تحریک کو ایک ایسے مرد آہن کی ضرورت تھی جو باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھے تو اس پر لرزہ طاری کر دے۔ ایک ایسے مرد آہن کی ضرورت تھی جو طاغوتی قوتوں کے ساتھ پنچہ آزما ہو تو انہیں مروڑ کر رکھ دے۔ نگاہ نبوت نے ایک ایسی نادر روزگار اور عبقری (جنیسین) شخصیت کو تلاش کر ہی لیا۔ پھر دست دعا اٹھائے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی:

اے اللہ! عمر کے ساتھ دین اسلام کو غلبہ اور شوکت عطا فرما۔ (سنن ابن ماجہ مقدمہ۔ حدیث 105)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے شیر دل اور بہادر سردار کے اسلام لانے سے مکہ کی طاغوتی قوتوں پر سکتہ طاری ہو گیا لیکن اسلام کی قلوب و ادھان کو مسخر کرنے والی قوتیں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز معجزوں کو بروئے کار لانے والی تھیں۔ چند روز میں عالم کفر کی ایک عدیم المثال شخصیت پیغمبر اول و آخر و اعظم نبی رحمت حضور پر نور ﷺ کے حضور دست بستہ حاضر ہو کر سر تسلیم خم کرنے والی تھی۔ چنانچہ تین چار روز بعد خطاب کا جو شیلا بیٹا، عمر جو ایک قوی ہیکل، بلند قامت، نڈر، بے باک مزاج 30 سالہ کڑیل جوان تھا گوشہ تنہائی میں بیٹھا ہوا اپنے ارد گرد وقوع پذیر ہونے والے واقعات پر غور و فکر کر رہا تھا۔ اسے اس بات پر سخت حیرت تھی کہ تنہا ایک آدمی کی دعوت نے سارے ماحول کو پراگندہ کر کے رکھ دیا ہے مکہ کی پر امن فضا میں عداوت کی چنگاریاں سلگنے لگی ہیں۔ قبائل کی باہمی ہم آہنگی تہ و بالا ہو رہی ہے۔ خاندانوں کی ایک دوسرے سے محبت، نفرت کا رنگ اختیار کرتی جا رہی ہے

بلکہ باپ بیٹوں سے، بھائی بھائی سے اور پڑوسی پڑوسی سے بدگمان ہوتا چلا جا رہا ہے۔
جن بتوں کی صدیوں سے پوجا کی جا رہی تھی۔ اب ان کی بے بسی اور بے کسی کے افسانے ہر کس و نا کس کی زبان پر ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد کی دانش مندی کی قسمیں کھائی جاتی تھیں۔ اب انہیں گمراہ اور احمق کہا جا رہا ہے۔ عمر اور رتبہ میں چھوٹے لوگ بڑوں پر پھبتیاں کسنے لگے ہیں۔ اگر حالات پر قابو نہ پایا گیا تو ہمارا یہ موروثی عظیم اور مقدس معاشرتی نظام دھڑام سے زمین بوس ہو جائے گا۔ جو لوگ اس سلسلہ میں کوئی موثر کردار انجام دے سکتے ہیں انہیں جلد کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہئے۔ ورنہ پانی سر سے گزر جائے گا۔

وہ نوجوان اس بات پر بھی حیران و ششدر تھا کہ جو لوگ اس شخص کی دعوت کو قبول کر لیتے ہیں ان پر جتنی بھی سختیاں کی جائیں انہیں جتنے سنگین نوعیت کے عذاب کے شکنجوں میں کس دیا جائے وہ کسی قیمت پر اس دین سے اپنا رابطہ منقطع کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ وہ سسک سسک کر جان تو دے سکتے ہیں لیکن اس نبی مکرم و معظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامن چھوڑنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔

طویل غور و خوض کے بعد وہ نوجوان اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس فتنہ پر قابو پانے کی ایک ہی صورت ہے کہ اس شخص کی زندگی کے چراغ کو گل کر دیا جائے جس نے یہ سارا فساد برپا کر رکھا ہے۔ لیکن اس کام کو کون انجام دے؟ وہ ابھی اپنی ان ہی سوچوں میں گم تھا۔ وہ ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ مکہ میں اس کے ہم خیال و ہم نوا لوگوں نے بلکہ ان کے بڑے لیڈر، رہنما نے ایک مجلس جمائی۔

مجلس شر و فساد لائحہ عمل بنانے کے لیے جاری تھی۔ وہ تحریک کو پھلتا پھوتا دیکھ کر کڑھ رہے تھے۔ موضوع زیر بحث یہ تھا کہ اس مشن کی راہ میں روڑے کیسے اٹکائے جائیں۔ تحریک دین اسلام کے سیلاب کے آگے بند کیسے باندھا جائے؟ یہ تو روز بروز تند و تیز ہوتا جا رہا ہے۔ یہ سوچ کر وہ سر کردہ لیڈر تڑپا اور خوب تلملایا۔ آخر اس نے اپنے فسادِ ذہن کے پٹارے سے ایک زہریلا سانپ نکالا اور سب کے آگے رکھ دیا اور کہنے لگا۔

”اے گروہ قریش! بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے اور تمہیں بیوقوف کہتا

ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد جو مر گئے ہیں وہ سب آگ میں جل رہے ہیں۔ میں

آج بانگ دہل یہ اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص ان کو قتل کرے گا میں اسے سرخ و سیاہ نہایت قیمتی سو

اونٹنیاں اور ایک ہزار ”اوقیہ“ چاندی دوں گا۔“ (الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۳۳)

جب اسے (سوچوں میں گم عمر بن خطاب کو) یہ پتہ چلا کہ ابو جہل اور دیگر سردارانِ مشرکین مکہ، سب دل و جان سے وہی چاہتے ہیں جو وہ خود سوچ رہا ہے تو اسے بڑی تقویت حاصل ہوئی، حوصلہ بلند ہوا اور اس نے اور بھی تیزی سے اسی انداز میں پھر سوچنا شروع کر دیا۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنی قوم کی آرزو پوری کر سکتا ہے وہ ان پر بہت بڑا قابلِ فخر احسان کر سکتا ہے اور یوں جلد ہی اس نے اکیلے یہ مہم سر کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ دل میں یہ

نورام النور، نور رحمۃ للعالمین (۳۳۱) جلد دوم

بات ٹھان لی کہ آج وہ سب کچھ ہو جائے گا جو کسی سے نہیں ہو سکا۔ نہ مشن رہے گا نہ کوئی تحریک اور نہ کوئی انقلاب کی بات کرنے والا۔ یہ ہمارے خداؤں کی سرزمین ہے جو صدیوں سے اس پر خدائی کرتے آرہے ہیں۔ آج کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان سے خدائی کا یہ حق چھیننے کی بات کرے۔ ان موروثی خداؤں کا یہ قدیمی حق ہے کہ وہ لوگوں کے اسی طرح سے خدا و معبود بنے رہیں۔ جس نے ان کی خدائی آقا کی اور حکومت کے خلاف نعرہ انقلاب لگایا ہے آج اس کا کام تمام کر دوں گا۔

اسے اپنی سخت جانی، شجاعت اور مستقل مزاجی پر کامل بھروسہ تھا۔ اپنے عقائد اور نظریات کے ساتھ اسے جو وابستگی تھی اپنے بتوں سے اسے جو قلبی عقیدت تھی اپنے معاشرتی نظام کو بچانے کا جو جذبہ اس کے رگ و پے میں بجلی بن کر دوڑ رہا تھا اس نے اسے اس راہ میں ہر قربانی دینے کے لیے آمادہ کر دیا تھا۔ وہ اب اپنے میں وہ دم خم محسوس کرنے لگا تھا جو سارے بنو ہاشم کے غم و غصہ کے طوفانوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو سکتا تھا۔

آخر کار طویل سوچ بچار کے بعد وہ اس از حد خطرناک مہم کو سرانجام دینے کے لیے اٹھا، اپنی شمشیر برآں اپنے گلے میں حائل کی، اور اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا عزم کر کے وہ اپنے گھر سے نکلا۔ گرمی کا موسم تھا، دوپہر کا وقت تھا، دھوپ بڑی سخت تھی اور گرم لو، جسم کو جھلسا رہی تھی۔ لیکن عمر، ان تمام چیزوں سے بے نیاز اپنی دھن میں گم آگے بڑھ رہا تھا۔

راستہ میں ایک قریشی نوجوان نعیم بن عبد اللہ النحام سے ٹک بھٹ کر ہو گئی۔ نعیم مسلمان ہو چکے تھے لیکن اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ عمر کے تیور دیکھ کر ان سے صبر نہ ہو سکا، پوچھ لیا۔ عمر، کدھر کا قصد ہے؟ عمر نے بڑی رعونت سے جواب دیا کہ اس شخص کا سر قلم کرنے کے لیے جا رہا ہوں جس نے میرے شہر کا سکون چھین لیا ہے۔ اور گھر گھر نفرت کے انگارے دہکا دیئے ہیں۔ نعیم نے کہا! ادھر بعد میں جانا پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تیری بہن فاطمہ اور تیرے بہنوئی سعید بن زید اس نبی کا کلمہ پڑھ چکے ہیں۔

یہ خبر سن کر عمر کے اوسان خطا ہو گئے۔ آگے بڑھنے کے بجائے فوری اپنے بہنوئی کے گھر کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر کواڑ کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کی تو کسی کلام کے پڑھے جانے کی آواز سنائی دی۔ عمر نے زور سے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے آواز آئی۔ کون؟ عمر نے کڑک کر جواب دیا۔ عمر بن خطاب اور حکم دیا کہ دروازہ کھولو۔ جب اہل خانہ نے عمر کی آواز سنی تو سہم گئے اور ان اوراق کو احتیاط سے سنبھال کر رکھ دیا جن پر قرآن کریم کی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ ہمشیرہ نے جا کر دروازہ کھولا۔ اپنی بہن کو دیکھتے ہی عمر بہت غضبناک ہو کر گرے۔ اے اپنی جان کی دشمن! مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم مرتد ہو گئی ہو۔ اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے۔ اور نیا مذہب قبول کر لیا ہے۔ اتنا کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنے ڈنڈے سے بہن کو پیٹنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ان کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ پھر اپنے بہنوئی سعید بن زید کو مار مار کر لہو لہان کر دیا۔

جب عمر کی دست درازی (مار پیٹ) حد سے تجاوز کر گئی تو بہن نے زخمی شیرنی کی طرح گرج کر کہا۔
اے بھائی! جتنا تیرا جی چاہتا ہے مجھے مار۔ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے لیکن کان کھول کر سن لے
میں اپنا دین کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ (سارا جسم خون سے لت پت ہے سر کے زخموں سے خون
رس رہا ہے اس حالت میں یہ جرأت مندانہ جواب الحمد للہ!) ”اے بھائی! دین محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف جو
قدم اٹھ گئے ہیں اب وہ واپس نہیں آ سکتے۔ ہم مرنا گوارا کر لیں گے مگر اپنا دین نہیں چھوڑیں گے۔“

نہ جانے ان الفاظ میں کیا تاثیر تھی کہ ان کے پس پردہ چھپی ہوئی صداقت کو عمر بن خطاب نے شدت سے
محسوس کیا۔ ان کے ہاتھ اسی لمحہ وہیں رک گئے۔ جرأت مندانہ جواب اور اس کی صداقت سے عمر کا دل پسج گیا۔
کہنے لگا بہن! مجھے وہ صحیفہ دکھاؤ جو تم پڑھ رہی تھیں۔ بہن نے بے دھڑک جواب دیا کہ تم مشرک ہو، نجس اور
ناپاک ہو، تم اس صحیفہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ اگر تمہیں شوق ہے تم چاہتے ہو تو غسل کر کے پہلے اپنے آپ کو پاک
کر و تب میں تمہیں وہ صحیفہ پڑھنے کے لیے دے سکتی ہوں۔

عمر اٹھے، غسل کیا، بہن فاطمہ نے وہ صحیفہ بھائی کو دیا۔ کھولا تو سامنے سورہ طہ تھی۔ پڑھنا شروع کیا۔ ابھی
چند آیتیں ہی تلاوت کی تھیں کہ اس کی تاثیر سے پتھر سے بھی سخت تر دل پانی پانی ہو گیا۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ
آنسو گرنے لگے بے چین ہو کر پوچھا حضور پر نورؐ نبی کریم رؤف و رحیم رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں؟ میں ان کی
خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بگڑی سنوارنا چاہتا ہوں۔

یہ سارا انقلاب خود بخود رونما نہیں ہو رہا تھا بلکہ اس کے پس پردہ پیغمبر اول و آخر و اعظم محبوب رب
العالمینؐ عالم خفا و غیوب ﷺ کی دعا کی تاثیر کار فرما تھی۔ صرف ایک روز پہلے حضور پر نورؐ سرور دو عالم ﷺ نے
اپنے مولا کریم کی بارگاہ میں دست مبارک اٹھا کر التجا کی تھی۔

”اے اللہ! ان دو آدمیوں (عمروں) عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابو جہل) میں سے جو تمہیں
زیادہ پسند ہے اس سے دین کو عزت عطا فرما۔“

اور جو روایت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”اے اللہ! عمر کو مشرف باسلام کر کے اسلام کی مدد فرما۔“

اس روایت میں صرف حضرت عمر کے لیے دعا فرمائی گئی ہے۔

درحقیقت اس مقبول دعا کی کمند عمر بن خطاب جیسے سخت دل دشمن اسلام کو کشاں کشاں پیغمبر اول و آخر و
اعظم حضور پر نورؐ نبی کریم رؤف و رحیم رحمت للعالمین ﷺ کے دربار میں لا رہی تھی۔

ان لمحات میں قدرت نہ صرف عمر کو فاروق اعظم بنا رہی تھی بلکہ تاریخ اسلام کا انتہائی تابناک باب لکھا
جا رہا تھا اور مراد رسول ﷺ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہونے کے

لیے بہنوئی کے گھر سے چل نکلے۔

حضور انورؐ نبی کریم ﷺ اس وقت دارِ ارقم میں اپنے جاں نثاروں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ دروازہ بند تھا۔ اس پر دستک ہوئی۔ کسی نے کواڑ کے سوارخ سے دیکھا کہ باہر عمر بن خطاب کھڑا ہے۔ اور نگلی تلوار گلے میں لٹک رہی ہے۔ صحابہ جھجکے کہ دروازہ کھولیں یا نہ کھولیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ان میں موجود تھے۔ فرمایا: مت ڈرو دروازہ کھول دو! اگر عمر بن خطاب اندر داخل ہو کر بارگاہ رسالت مآب کے آداب ملحوظ رکھے گا تو ہم ادب و احترام سے اس کو خوش آمدید کہیں گے اور اگر اس کی نیت میں ذرا سیاب بھی فتور محسوس ہوا تو اسی کی تلوار اس سے چھین کر اس کا سراڑا دیا جائے گا۔

”پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رسول کریم ﷺ نے فرمایا دروازہ کھول دو۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے اگر اس کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے تو اس کو ہدایت دے دے گا۔“

چنانچہ دروازہ کھولا گیا۔ اٹھ کر دو آدمیوں نے عمر بن خطاب کو دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا۔ یہاں تک کہ وہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رسول کریم ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے چھوڑ دیا پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، حضور پر نورؐ نبی کریم ﷺ اٹھے اور عمر کی چادر کو پکڑ کر اسے زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا۔

”اے عمر اسلام قبول کر لے۔ اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت کے نور سے روشن کر دے۔ اے اللہ!

عمر بن خطاب کو ہدایت عطا فرما۔ اے اللہ! عمر بن خطاب کے ذریعہ دین کو عزت بخش۔ اے اللہ!

عمر کے سینہ میں اسلام کی جو عداوت ہے اس کو نکال دے اور اس کو ایمان سے تبدیل کر دے۔“

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد عرض کی۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے بغیر اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ تبارک تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔“

حضور پر نورؐ نبی کریم ﷺ روئے ورجم ﷺ نے جب یہ سنا تو فرط مسرت سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ حضور انور ﷺ کے نعرہ کے بعد تمام مسلمانوں نے اس زور سے نعرہ تکبیر لگایا کہ سارے مکہ کی گلیاں اور فضائیں اس نعرہ سے اس وقت گونج اٹھیں۔

سب کی زبان سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا اور وہ سب جانتے تھے عمر آیا نہیں لایا گیا ہے۔ یہ وہ دعا ہے جو کل بروز بدھ مانگی گئی تھی اور آج بروز جمعرات اس کی حسین تعبیر ہمارے سامنے آ گئی ہے۔ مکہ کے شیر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہماری تحریک میں شامل ہو گئے ہیں۔ اہل فساد اب کوئی شرارت کرنے سے پہلے سو بار سوچیں گے اور کسی پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے اجتماعی منصوبے بنائیں گے۔ اب یونہی بیٹھے بیٹھے کسی کو ستانے کی جرأت نہیں

کریں گے۔ مشن کی تقویت کے خیال سے ان کی خوشی عروج پر پہنچ گئی۔ عرش والے بھی اس منظر سے لاتعلق نہیں تھے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور بتایا:

زمین والے ہی نہیں آسمان والے بھی عمر کے اسلام لانے سے بہت خوش ہوئے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، مقدمہ حدیث 103)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے حالات سے آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے یہاں کے ماحول میں گھٹن پائی جاتی ہے اور تحریک کے ساتھی کھل کر اپنے عزائم و مقاصد کا اظہار نہیں کر سکتے، تمام فرائض و وظائف چھپ کر انجام دیتے ہیں۔ اس تناظر میں انہوں نے اپنے آقا پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی۔ اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب مشرف باسلام ہوا تو میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی۔

”اے اللہ کے پیارے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ ہم مریں خواہ ہم زندہ رہیں۔“

حضور پر نور ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم حق پر ہو خواہ تم

مرویا زندہ رہو۔

پھر میں نے عرض کی۔

”اے اللہ کے رسول! پھر ہم کیوں چھپتے ہیں۔ ہم اپنے دین کو کیوں چھپاتے ہیں حالانکہ ہم حق پر

ہیں اور وہ باطل پر ہیں۔“

یہ ایک جلالت مآب شخصیت کا ان کے ذوق و مزاج اور نفسیات کے مطابق پہلا پر جلال تجزیہ تھا مسلمان جوش سے بھر گئے انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کے عزائم اور جرأت و بہادری کی توقع تھی۔ مگر قائد کا معاملہ ارکان و وابستگان سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ جوش سے نہیں حکمت عملی سے کام لیتا ہے اس لیے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

اے عمر! ہماری تعداد کم ہے اور ہمارے ساتھ جو سلوک روار کھا جا رہا ہے وہ تمہارے سامنے ہے۔

اس لیے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی اسی پالیسی پر عمل کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی

”لیکن میرے آقا: اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں کافروں کو زنج

کروں گا کفر کی حالت میں جن مجلسوں میں بیٹھتا تھا اب ایمان کی حالت میں وہاں اپنے ایمان کا بھی اظہار و اعلان کروں گا۔ (جاہلوں کے ظلم و ستم سے ڈروں گا نہیں۔“)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک جذبے اور منصوبے کے تحت اٹھے مسجد حرام میں گئے بیت اللہ شریف کا

طواف کیا۔ عتبہ ابو جہل اور دوسرے سرداران قریش ایک مجلس میں بیٹھے انہی کا انتظار کر رہے تھے۔ کیونکہ انہیں اندازہ گیا تھا پتہ چل گیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے ہیں جس کا انہیں بے حد قلق تھا اور وہ دیکھنا چاہتے تھے آیا یہ خبر سچی ہے یا یونہی کسی نے افواہ اڑائی ہے۔ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بار بار دیکھ رہے تھے تاکہ وہ طواف سے فارغ ہو کر ان کے پاس آئیں اور صورت حال سے آگاہ کریں۔ طواف سے فارغ ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضرین مجلس کی طرف گئے ابو جہل نے چھوٹے ہی سوال کیا: میں نے سنا ہے تم بے دین ہو گئے؟ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بے دین نہیں ہوا بلکہ حقیقی دین قبول کیا ہے۔ اور پھر ان سب کے سامنے بلند آواز سے کہا:

”میں گواہی دیتا ہوں کہ عبادت کے لائق اللہ ہے اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول برحق ہیں۔“

یہ سنتے ہی ان کے چہرے شدت غم سے فق ہو گئے وہ ایک لمحہ کے لیے سناٹے میں آ گئے یہ خبر کوہ الم بن کر ان پر گری اور انہوں نے آنکھیں بند کر لیں جیسے حقائق سے آنکھیں چرانا چاہتے ہوں۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ بھر گئے۔ ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا وہ سب کچھ بھول کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پل پڑے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنا فانا ان کے سردار عتبہ کو نیچے گرا لیا اور اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ انگلیاں اس کی آنکھوں میں پیوست کر دیں وہ درد سے بلبلا اٹھا اور چلایا کہ عمر کو چھوڑ دو! وگرنہ وہ مجھے مار دے گا۔

جس شخص نے بھی آگے بڑھ کر بدتمیزی کرنے کی جرأت کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے تو کچھ نہ کہا لیکن اس کے سردار کو پکڑ کر خوب رگیدا۔ جب سرداروں اور وڈیروں کی خاصی درگت بنی تو عاجز آ گئے اور بولے: اسے کچھ نہ کہو! یہ اکیلا ہم سب پر بھاری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میدان فتح کر کے بارگاہ نبوت مآب میں حاضر ہوئے اور اپنے کارنامے سے آگاہ کیا اور عرض کی میں نے راستہ صاف کر دیا ہے اب کسی کی مجال نہیں کہ ہمیں کعبہ کے قریب نماز پڑھنے سے روکے آپ ساتھیوں سمیت چلیں آج ہم نماز وہیں ادا کریں گے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر ہم دار ارقم سے دو قطاریں بنا کر نکلے۔ ایک قطار کے آگے آگے میں تھا اور دوسری قطار کے آگے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ جب قریش نے ہمیں اس حالت میں دیکھا تو ان پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ میں نے اپنے ایمان کی خبر کو مشتہر کرنے کے لیے جمیل بن مغیر کو اطلاع دی۔ اس نے فوراً ہی شور مچا دیا کہ خطاب کا بیٹا صابی ہو گیا۔ یعنی مرتد ہو گیا۔ اور یہ خبر آنا فانا سارے مکہ میں پھیل گئی۔ (الخصائص الکبریٰ جلد 1 صفحہ 219..... البدایہ والنہایہ جلد 3 صفحہ 131)

حضرت صہیب جو سابقین اولین میں سے ہیں۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد کے واقعات یوں روایت کرتے ہیں۔ یہ روایت ابن ماجہ سے منقول ہے۔

”حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے تو آپ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اب یہ مناسب نہیں کہ اس دین کو چھپایا جائے۔ حضور انور ﷺ اپنے دین کو ظاہر فرمائیے۔ حضور پر نور ﷺ مسلمانوں کی معیت میں دار ارقم سے باہر تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اپنی تلوار لیے آگے آگے چل رہے تھے اور بلند آواز میں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کر رہے تھے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ قریش نے دیکھ کر کہا آج عمر بڑا خوش خوش آ رہا ہے انہوں نے پوچھا عمر، کیا خبر ہے۔ آپ نے جواب میں کلمہ طیبہ پڑھا اور کہا کہ خبر یہ ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول مقبول پر ایمان لے آیا ہوں۔ خبردار اگر تم میں سے کسی نے ہلنے کی کوشش کی ورنہ میں اپنی تلوار سے تمہیں قتل کر دوں گا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور انور ﷺ کے آگے آگے چلتے رہے حضور انور ﷺ نے طواف فرمایا آپ حضور ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے یہاں تک کہ حضور پر نور ﷺ طواف سے فارغ ہو گئے۔“ (شرح مواہب الدنیہ جلد 1 صفحہ 177)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایمان کا واقعہ تاریخ اسلام کا ایک عظیم ترین واقعہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

”جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو جبرائیل امین بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ عمر کے مسلمان ہونے سے آسمان کے سارے رہنے والوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا ہے۔“

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے پر بڑا جامع تبصرہ فرمایا ہے۔

اسے ابن ابی شیبہ اور طبرانی کی روایات سے نقل کیا ہے۔

”حضرت عمر کا اسلام، مسلمانوں کے لیے باعث عزت اور آپ کی ہجرت باعث نصرت اور آپ کی خلافت سراپا رحمت تھی۔ بخدا! ہماری طاقت نہ تھی کہ ہم ظاہری طور پر کعبہ کے صحن میں نماز ادا کر سکیں یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔“ (شرح مواہب الدنیہ جلد 1 صفحہ 277)

آپ کے ایمان لانے کی تاریخ

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے صرف تین دن بعد اسلام کو قبول کیا اور علماء محققین کی یہ رائے بھی بیان کی ہے کہ صحیح قول کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، نبوت کے دوسرے سال مشرف باسلام ہوئے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبوت کے دوسرے سال حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے تین دن بعد پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی۔

اس قول کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ آپ سے پہلے انتالیس

نورام النور، نور رحمۃ للعالمین ۳۲۷ جلد دوم

مرد مسلمان ہو چکے تھے۔ آپ کے مسلمان ہونے سے چالیس کا عدد پورا ہوا۔ اس سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔ کہ آپ نبوت کے دوسرے سال حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ لیکن بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ آپ نے بعثت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا جب کہ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت مکمل ہو چکی تھی۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ہمارے نزدیک وہی قول رائج ہے جس کو علامہ ابن حجر جیسے محققین کی تائید حاصل ہے۔

علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں ”مناقب عمر“ کے باب میں تحریر کیا ہے۔

”ابن ابی خنیثمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف انتالیس آدمی اسلام لا چکے تھے۔ اور میں نے ایمان لا کر چالیس کا عدد مکمل کیا۔“ (فتح الباری باب مناقب عمر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی تو جبرائیل سورہ انفال کی آیت 64 لے کر نازل ہوئے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

”اے نبی! کافی ہے آپ کو اللہ تبارک تعالیٰ اور وہ مومن جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔“

(سورہ انفال آیت 64)

قارئین کرام!

درج ذیل یہ ایک صفحہ جو یہاں نقل کیا جا رہا ہے میں نے اپنے اس خلجاں یاد ماغی الجھن ”کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سن 5 نبوی میں ایمان لائے اور آپ کا نمبر ایمان لانے والوں میں چالیسواں تھا“ سے نجات حاصل کرنے کے لئے۔ میں نے اپنی کتاب ”حق حقیقت اور حقائق سید الشہداء سانحہ کربلا“ کے صفحہ 484 پر آج سے کوئی پانچ سال پہلے لکھا تھا۔ اس وقت میں نے اپنی اس نئی تصنیف کتاب سیرت طیبہ بنام ”نورام النور، نور رحمۃ العالمین“ کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا۔

تاریخی و دیگر شکوک و شبہات کو دور کرنا کسی بھی مشکل نکتہ کی اپنی بہترین سمجھ کے مطابق حسن ظن کے ساتھ، تاویل کرنا مجھے پسند ہے جو میں اپنے خلجان سے سکون حاصل کرنے کے لیے کرتا ہوں۔ میری سوچ کے مطابق اس کی ایک سادہ سی وجہ یہ بھی ہے کہ حسن ظن کے ساتھ، مجموعی بھلائی کا خیال رکھ کر، تعمیری سوچ کے ساتھ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو آپ دین اسلام کی خدمت کر رہے ہیں جس کا صلہ آپ کو اللہ تبارک تعالیٰ ضرور دیں گے۔

مثال کے طور پر اسی معاملہ کو لیجئے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایمان لایا

لانے والوں میں سے چالیسواں تھا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جو کہ آپ سے صرف تین دن پہلے ایمان لائے تھے ان کا نمبر انتالیسواں تھا۔ کچھ روایات کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کے بعد سن 5 نبوی کے آخری مہینوں میں ایمان لائے تھے اور اس وقت تک بلا شک و شبہ بچے بچیاں مرد و زن سمیت ایمان لانے والوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد تھی۔ کیونکہ دوسری ہجرت حبشہ میں تراسی (83) مرد اور بیس (20) خواتین اللہ کی راہ میں بے خانماں ہو کر حبشہ روانہ ہو گئے تھے اور ان کے نام تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ یقیناً کچھ تعداد مجبوراً اور کچھ آپ ﷺ کی ہدایات کے سبب مکہ میں ہی رہ گئی ہو گئی اور چند ایک مسلمان مکہ کی بستی سے باہر بھی رہتے ہوں گے۔

میں نے اس کوشدت سے محسوس کیا اور رب العالمین سے اس کی تاویل کے لیے بہتر سمجھ کے لیے دعائیں کرتا رہا۔ پھر میرے دماغ میں اس نکتہ کی وضاحت یہ آئی کہ اسلام کے ابتدائی دور میں حالات و ضرورت کے پیش نظر اس معاملہ میں شاید صرف ان مرد حضرات کو گنا جانا تھا، شمار کیا جاتا تھا جو لٹھ باز ہوں، لٹھیت ہوں یا بالفاظ دیگر جو اپنی عمر کے لحاظ سے لڑائی کے قابل گنے، سمجھے جاتے ہوں اور جو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کے قابل ہوں۔ یعنی کہ اس میں 17 سال سے زائد عمر کے مرد حضرات شامل ہیں اور یوں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا انتالیسواں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چالیسواں نمبر بنتا ہے۔

میں نے یہ تاویل، یہ وضاحت حسن ظن کے ساتھ اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لیے کی ہے۔ ضروری نہیں کہ آپ نے بھی اس طرح سے اس بارے میں سوچا ہو یا یہ تاویل آپ کو بھی پسند آئے۔ بہر حال اس سے میرا خلجان، ذہنی خلش دور ہو گئی ہے۔

اب جو یہ کتاب لکھ رہا ہوں اس کے لیے مجھے بہت پڑھنا پڑا ہے اور میرے علم میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ اسی باب میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے والے واقعہ میں میں نے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ علامہ احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ محمد صادق العرجون رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبوت کے دوسرے سال یا سن 2 نبوی میں مشرف باسلام ہوئے۔

علامہ ابن حجر، علامہ احمد بن زینی دحلان اور شیخ علامہ محمد صادق العرجون رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا یہ فرمانا کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق اعظم ابن خطاب رضی اللہ عنہ سن 2 نبوی میں ایمان لائے اس حقیقت کو کہ ”حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا پہلے ایمان لانے والوں میں انتالیسواں (39) نمبر تھا اور حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے تین دن بعد ایمان لائے پہلے ایمان لانے والوں میں چالیسواں (40) نمبر تھا“۔ بالکل واضح کر دیتا ہے اور اس سے متعلق تمام ذہنی الجھنوں کو دور کر دیتا ہے۔ اور اس حد تک مذکورہ بالا معجز علماء محقق و سیرت نگاروں کی اس بات کو میں اس کتاب کا مصنف بھی تسلیم کرتا

نورام النور، نور محمد، للعالمین (۱۳۹) جلد دوم

ہوں اور اس تحقیق کو میں نے پورے یقین غلوں و اعتماد کے ساتھ اپنالیا ہے اور اپنی تصنیف میں لکھ بھی دیا ہے۔ لیکن سیرت طیبہ یا تاریخ اسلام کی کتابیں پڑھنے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اس دور کے حالات و واقعات اور ان کا تجزیہ سب اسی طرف کا اشارہ دیتے ہیں کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اعلان نبوت کے 4 سال 10 ماہ بعد یعنی کہ سن 5 نبوی کے آخری دو یا تین ماہ میں ایمان لائے۔

اب یہ بھی ایک امر مصدقہ ہے کہ ایمان لانے والوں میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نمبر 39 واں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نمبر 40 واں ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا تو تاریخ اسلام اور دین اسلام میں ایک بہت اہم واقعہ ہے۔ اتنا اہم اور مبارک کہ جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے اسی دن دین اسلام بھی پس پردہ سے نکل کر منظر عام پر آ گیا۔ یعنی مسلمان اسی دن سے کھلے عام مشرکین و کفار مکہ کی موجودگی میں مسجد حرام میں اپنے رب کی عبادت کرنے لگے اور تبلیغ دعوت دین اسلام بھی کھلے عام شروع کر دی۔

اگر ہم یہ مان لیں کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سن 2 نبوی میں ایمان لائے تو پہلے ایمان لانے والوں میں ان کا بالترتیب نمبر 39 واں اور 40 واں صحیح مطابقت کھاتے ہیں لیکن پھر یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ ان دونوں کا اور خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا جو دین اسلام کے لیے ایک بہت بڑی قابل فخر، قابل ذکر، قوت و استحکام بخشنے والی، دین اسلام کو تحریک دین اسلام کو پس پردہ سے نکال کر منظر عام پر لانے والی یہ تہذیبی، لوگوں کی نظر سے حریم تین سال کیسے او جھل رہی؟

کیا اسلام کو اسے پھیلا؟

قارئین کرام! اسلام دشمن عناصر اور اسلام دشمن قوتیں موقع بے موقع دین اسلام کے بارے میں یہ غرور کرتے رہتے ہیں اپنے ان غیر حقیقی خیالات کا پرچا کرتے رہتے ہیں کہ دین اسلام کو تو تلواریں کے زور پر پھیلا دیا گیا تھا۔ لوگ اپنے طور پر اسے قبول کرنے کے لیے آگے نہیں بڑھے۔

اسلام دشمن قوتوں نے تو ایسا سوچنا ہی ہے ایسا کہنا ہی ہے کیونکہ وہ تو فطری طور پر اس سے خائف ہیں اور اس سے بے رحم ہیں۔ لیکن جب ہمارے سامنے عیالے حقائق کو اپنا لیے ہیں اور ان کا اظہار کرنے سے بھی گریز کرتے تو بہت دکھ دیتا ہے اور دل خون کے آنسو بہاتا ہے۔

یہ موضوع تو ”باب مشرقین“ کے ساتھ بیان کرنا ہے مگر تقاضا لیکن وہاں بیان کر دینے سے قارئین کرام پر وہ اتنے موثر انداز سے اثر انداز نہ ہوتا جتنا کہ اب بیان کر دینے سے ہوگا کیونکہ اب تک اس مرحلہ تک قارئین کرام چند چیدہ چیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان لانے کے واقعات و انداز کو پڑھ چکے ہیں اور ابھی وہ یادداشت میں تازہ تازہ محفوظ ہیں جس کی وجہ سے آپ اس نکتہ یا موضوع کو بآسانی بہت اچھی طرح سمجھ سکیں گے اور دوسروں کو سمجھانے کے قابل بھی ہو جائیں گے۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم رحمت للعالمین ﷺ نے بعثت کے بعد پہلے تین سال اعلانیہ تبلیغ کے بجائے خاص خاص لوگوں تک اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو محدود رکھا۔ اس میں ایسی ایسی ہستیاں مشرف باسلام ہوئیں جن کے زیر کارناموں سے ملت اسلامیہ کی تاریخ اور تاریخ دنیا کے صفحات جگمگا رہے ہیں۔ بے مثال خوبیوں اور عظیم صلاحیتوں سے مالا مال شخصیتوں نے ایسے نازک وقت اور مشکل حالات میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کر کے اسلام کو دل کی گہرائیوں سے قبول کیا جب کہ اسلام کے بیت المال میں ان کو دینے کے لیے ایک درہم بھی نہ تھا۔

مسلمانوں کی بے بسی اور بیکسی کا یہ عالم تھا کہ مشرکین ان پر ظلم کے پہاڑ توڑتے اور یہ اف تک نہ کر سکتے تھے۔ ان حالات میں اسلام قبول کرنے والے وہ لوگ تھے جو طبعی طور پر بڑے خوددار، غیور اور مستغنی تھے۔ جہاں بھر کے سارے خزانے اگر ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے جاتے تو وہ کسی ایسے نظریہ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے جسے ان کا ذہن اور ضمیر مسترد کر چکا ہو۔ وہ فطری طور پر اتنے نڈر اور بیباک تھے کہ وہ کسی جابر حکمران کے خوف سے کسی باطل کے سامنے سر جھکا نہیں سکتے تھے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو جو نہ لالچی تھے، نہ مفاد پرست نہ بزدل تھے اور نہ ڈرپوک، کس چیز نے انہیں اسلام کا اس قدر گرویدہ بنا دیا؟ اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر ایمان کا عہد کیا تو عمر بھر اس کو نبھایا۔ اور ان میں سے اکثر و بیشتر نے بھد مسرت اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کر دیا۔

بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اسلام کی حقانیت کا حسن و جمال تھا جس نے ان شیردل انسانوں کے دلوں کو موہ لیا تھا۔ یہ پیغمبر اول و آخر و اعظم، خاتم النبیین سید المرسلین، حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی رعنائیاں اور زیبائیاں تھیں جنہوں نے ان عظیم انسانوں کو اپنا شیدائی بنا لیا تھا۔ یہ اتنے باضمیر اور باکردار لوگ تھے جنہیں کوئی قارون خریدنے کے بارے میں سوچ نہیں سکتا تھا۔ یہ وہ جری اور بہادر لوگ تھے جن کی ہیبت سے کوہساروں کے دل لرزتے تھے اور جن کے رعب سے سمندروں کے طوفان سہم جایا کرتے تھے۔

ایسی نادرہ روزگار ہستیوں کا اسلام لانا، اسلام کی حقانیت اور نبی اسلام، محسن کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

جس اسلام نے اپنی انتہائی بے بسی اور بے کسی کے دور میں محض اپنے فطری حسن اور کمال و نوازی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے زیرک و دانا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بہادر و مدبر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے غنی اور فیاض، حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے شیردل تلوار باز اور علم و حکمت کے نیر اعظم، حضرت سعد اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جیسے سپہ سالاروں اور فاتحین کو اپنا جان نثار بنا لیا تھا اسے کسی اور تلوار کی کیا ضرورت تھی۔

یقیناً اسلام پاکیزہ اور سچا دین ہے اس کے ان عظیم فرزندوں (پیروکاروں) کی دلکش صورت اتباع اور جہاں افروز سیرت سے بڑھ کر، اس روز روشن کی طرح حقیقت کہ ”دین اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اسوہ حسنہ کی پاکیزگی، رعنائیوں، خوشبوؤں، دلکشی و زیبائیوں سے پھیلا ہے“ کو ثابت کرنے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔



تبلیغ کا حکم

دلکش انداز مخاطب

قرآن حکیم سورہ مدثر آیات 1 تا 7 میں خالق و مالک کائنات کا حکم، ارشاد، فرمان یوں ہے:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ
تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

ترجمہ: ”اے چادر اوڑھنے والے، کھڑے ہو جاؤ اور ڈر سناؤ، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو،
اپنے کپڑے پاک رکھو اور پلیدی سے دور رہو۔ اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو اور
اپنے رب کے لیے صبر کئے رہو۔“

مندرجہ بالا آیات مبارک میں خالق و مالک کائنات اللہ تبارک تعالیٰ جل شانہ نے کتنے محبت، چاہت و
رفت بھرے الفاظ میں اپنے محبوب، رسول اللہ ﷺ کو کتنے واضح، جامع، بنیادی، ٹھوس، بامقصد اور پر خار، پر
خطرہ طویل اور انتہا کی شدید جدوجہد طلب احکامات و ہدایت فرمادی ہیں۔ اور ہزار جان اس رسول مقبول ﷺ
پر شار و قربان جس نے یہ احکام ملتے ہی ایک لمحہ کا توقف نہ کیا اور اللہ توکل اس کار عظیم میں جٹ گئے، عمل پیرا
ہو گئے۔ آپ ﷺ کے عزم، حوصلہ، عبدیت اور دیگر خصوصیات و خوبیوں کو کروڑوں سلام اور آپ ﷺ پر ہمہ
وقت کروڑوں درود و سلام۔

عربوں میں اظہار محبت کا ایک منفرد انداز اور حسین طریقہ ہے، وہ یہ کہ جس سے گہری محبت اور اپنائیت کا
اظہار مقصود ہوا اس کے اصل نام سے نہیں پکارتے بلکہ اس وقت وہ جس حالت میں ہوا اس کے مطابق
وصفی لقب سے پکارتے ہیں۔ اس سے مخاطب یوں محسوس کرتا ہے جیسے چاہنے والے نے اسے دل کی گہرائیوں
میں چھپا لیا ہے اور اس پر پیار کے گلستان نچھاور کر دیئے ہیں۔

اس کی ایک بہت مشہور اور معیاری مثال مندرجہ ذیل واقعہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ بتول فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے کسی بات پر خفاء ہو کر مسجد
میں جا کر لیٹ گئے۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ گھر تشریف لائے اور سیدہ زہراء سے پوچھا: ”علی
کہاں ہیں؟“ انہوں نے بتا دیا کہ ناراض ہو کر کہیں چلے گئے ہیں۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ باہر

جلد دوم

تشریف لائے۔ دیکھا کہ مسجد میں تنگی زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور بدن مبارک کے ساتھ مٹی لگ رہی ہے۔ عربی زبان میں مٹی کو ”تراب“ کہتے ہیں اور ”ابو“ کا مطلب ”باپ“ ہوتا ہے۔ ابو تراب کا مطلب ہوا مٹی کا باپ یا مٹی میں لتھڑا ہوا۔ حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیم ﷺ پاس آ کر بیٹھ گئے۔ شفقت سے مٹی جھاڑتے رہے اور یہ بھی فرماتے رہے۔

اے ابو تراب اٹھو! اے ابو تراب اٹھو! (صحیح بخاری، کتاب النقب۔ حدیث 3500)

اللہ تبارک تعالیٰ نے بھی دو فترت کے بعد اس پہلی وحی میں اپنے محبوب پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نورؐ نبی کریمؐ کو اسم گرامی کے ساتھ پکارنے کی بجائے اس محبوب لقب سے پکارا جو اس وقت آپ ﷺ کی حالت کی تصویر کشی کرنے والا تھا۔ یہ معنی خیز اور حسین لقب اس لیے اختیار کیا گیا تاکہ قرب و محبت کی رفعتوں سے پہلے روز ہی پردہ اٹھا دیا جائے۔ عشق کے اسرار و رموز جاننے والوں کو بتا دیا جائے کہ یہ وہ شاہکار ربوبیت ہیں جن پر قدرت کو بھی ناز ہے۔ جب یہ وحی نازل ہوئی تو حضور پر نورؐ نبی کریمؐ کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ محبوب حقیقی نے جلد ہی رابطہ قائم کر لیا۔ اب کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی، دین تین کی دعوت و تبلیغ کے لیے اشتیاق اور بھی بڑھ گیا۔

تبلیغ کا حکم اور اس کے مضمرات

اللہ تبارک تعالیٰ جل شانہ نے سورہ مدثر کی ان پہلی سات آیات میں حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیم ﷺ کو کئی حکم دیئے گئے ہیں جو بظاہر تو بہت مختصر اور سادہ ہیں لیکن حقیقتاً بڑے دور رس مقاصد پر مشتمل ہیں اور حقائق پر ان کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں چنانچہ:

1- انداز کی آخری منزل یہ ہے کہ عالم وجود میں اللہ کی مرضی کے خلاف جو بھی چل رہا ہو اسے اس کے پرخطر انجام سے آگاہ کر دیا جائے اور وہ بھی اس طرح کہ عذاب الہی کے خوف سے اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی جائے۔

2- رب کی بڑائی و کبریائی بجالانے کی آخری منزل یہ ہے کہ روئے زمین پر کسی اور کی کبریائی برقرار نہ رہنے دی جائے۔ بلکہ اس کی شوکت توڑ دی جائے، اور اسے الٹ کر رکھ دیا جائے یہاں تک کہ روئے زمین پر صرف اللہ کی بڑائی باقی رہے۔

3- کپڑے کی پاکی اور گندگی سے دوری کی آخری منزل یہ ہے کہ ظاہر و باطن کی پاکی اور تمام شوائب والوath سے نفس کی صفائی کے سلسلے میں اس حد کمال کو پہنچ جائیں جو اللہ کی رحمت کے گھنے سائے میں اس کی حفاظت و نگہداشت اور ہدایت و نور کے تحت ممکن ہے۔ یہاں تک کہ انسانی معاشرے کا ایسا اعلیٰ ترین نمونہ بن جائیں کہ آپ ﷺ کی طرف تمام قلب سلیم کھینچے چلے جائیں اور آپ ﷺ کی ہیبت و عظمت کا

احساس تمام کج دلوں کو ہو جائے اور اس طرح ساری دنیا موافقت یا مخالفت میں آپ ﷺ کے گرد جمع ہو جائے۔

4- احسان کر کے اس پر کثرت نہ چاہنے کی آخری منزل یہ ہے کہ اپنی جدوجہد اور کارناموں کو بڑائی اور اہمیت نہ دیں بلکہ ایک کے بعد دوسرے عمل کے لیے جدوجہد کرتے جائیں۔ اور بڑے پیمانے پر قربانی اور جہد و مشقت کر کے اسے اس معنی میں فراموش کرتے جائیں کہ یہ ہمارا کوئی کارنامہ ہے۔ یعنی اللہ کی یاد اور اس کے سامنے جوابدہی کا احساس اپنی جہد و مشقت کے احساس پر غالب رہے۔

5- آخری آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت کا کام شروع کرنے کے بعد معاندین کی جانب سے مخالفت، استہزاء، ہنسی اور ٹھٹھے کی شکلوں میں ایذا رسانی سے لے کر آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو قتل کرنے اور آپ ﷺ کے گرد جمع ہونے والے اہل ایمان کو نیست و نابود کرنے تک کی بھرپور کوششیں ہوں گی اور آپ ﷺ کو ان سب سے سابقہ پیش آئے گا۔ اس صورت میں آپ ﷺ کو بڑی پامردی اور پختگی سے صبر کرنا ہوگا۔ وہ بھی اس لیے نہیں کہ اس صبر کے بدلے کسی دنیاوی راحت آرام خوشی کے حصول کی توقع ہو بلکہ محض اپنے رب کی مرضی اس کی رضا، اس کی خوشنودی اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے۔

اللہ اکبر! یہ احکامات اپنی ظاہری شکل میں کتنے سادہ اور مختصر ہیں اور ان کے الفاظ کی بندش کتنی پرسکون اور پرکشش نغمگی لیے ہوئے ہے۔ لیکن عمل اور مقصد کے لحاظ سے یہ احکامات کتنے بھاری کتنے با عظمت اور کتنے سخت ہیں کہ ان کے نتیجے میں کتنی سخت چوکھی آندھی پھا ہوگی جو ساری دنیا کے گوشے گوشے کو ہلا کر اور ایک کو دوسرے سے الجھا کر رکھ دے گی۔

ان ہی مذکورہ آیات میں دعوت و تبلیغ کا مواد بھی موجود ہے۔ انذار کا مطلب ہی یہ ہے کہ بنی آدم کے کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا انجام برا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس دنیا میں لوگوں کو نہ تو ان کے سارے اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے اور نہ دیا جاسکتا ہے، اس لیے انذار کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ دنیا کے دنوں کے علاوہ ایک دن ایسا بھی ہونا چاہئے جس میں ہر عمل کا پورا پورا اور ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جاسکے۔ یہی قیامت کا دن، جزاء کا دن اور بدلے کا دن ہے۔ اور اس پر ایمان واثق ہو کہ پھر اس دن بدلہ دیئے جانے کا لازمی تقاضا ہے کہ ہم دنیا میں جو زندگی گزار رہے ہیں اس کے علاوہ بھی ایک زندگی ہو۔

بقیہ آیات میں بندوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ توحید خالص اختیار کریں۔ اپنے سارے معاملات اللہ کو سونپ دیں اور اللہ کی مرضی پر نفس کی خواہش اور لوگوں کی مرضی کو ترجیح دیں۔ اس طرح دعوت و تبلیغ کے مواد کا خلاصہ یہ ہوا:

(الف) توحید

(ب) یوم آخرت پر ایمان

(ج) تزکیہ نفس کا اہتمام یعنی انجام بد تک لے جانے والے گندے اور فحش کاموں سے پرہیز، اور فضائل و کمالات اور اعمال خیر پر کار بند ہونے کی کوشش۔

(د) اپنے سارے معاملات کی اللہ کو حوالگی و سپردگی۔

(ه) پھر اس سلسلے کی آخری کڑی یہ ہے کہ یہ سب کچھ حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کی رسالت پر ایمان لا کر، آپ ﷺ کی با عظمت قیادت اور رشد و ہدایت سے لبریز فرمودات کی روشنی میں انجام دیا جائے۔

پھر ان آیات کا مطلع اللہ بزرگ و برتر کی آواز میں ایک آسمانی نداء پر مشتمل ہے۔ جس میں حضور انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کو اس عظیم و جلیل کام کے لیے اٹھنے اور نیند کی چادر پوشی اور بستر کی گرمی سے نکل کر جہاد اور سعی و مشقت کے میدان میں آنے کے لیے کہا گیا ہے۔ یہ بڑا عظیم اور پر ہیبت کلمہ ہے۔ اے چادر پوش اٹھ اور ڈرا۔ گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ جسے اپنے لیے جینا ہے وہ تو راحت کی زندگی گزار سکتا ہے لیکن آپ ﷺ، جو اس زبردست بوجھ کو اٹھا رہے ہیں، تو آپ ﷺ کو نیند سے کیا تعلق؟ آپ ﷺ کو راحت سے کیا سروکار؟ آپ ﷺ کو گرم بستر سے کیا مطلب؟ پرسکون زندگی سے کیا نسبت؟ راحت بخش ساز و سامان سے کیا واسطہ؟ آپ ﷺ اٹھ جائیے اس کار عظیم کے لیے جو آپ ﷺ کا منتظر ہے۔ اس بارگراں کے لیے جو آپ ﷺ کی خاطر تیار ہے۔ اٹھ جائیے جہد و مشقت کے لیے، مشقت اور محنت کے لیے اٹھ جائیے! کہ اب نیند اور راحت کا وقت گزر چکا، اب آج سے پیہم بیداری ہے اور طویل و پر مشقت جہاد ہے اٹھ جائیے! اور اس کام کے لیے مستعد اور تیار ہو جائیے۔

یہ بڑا عظیم اور پر ہیبت کلمہ ہے۔ اس نے حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کو پرسکون گھر، گرم آغوش اور نرم بستر سے کھینچ کر تند و تیز طوفانوں اور تیز جھکڑوں کے درمیان اتھاہ سمندر میں پھینک دیا اور لوگوں کے ضمیر اور زندگی کے حقائق کی کشاکش کے درمیان لا کھڑا کیا۔

پھر رسول کریم رُوف و رحیم ﷺ اٹھ گئے اور بیس سال سے زیادہ عرصے تک اٹھے رہے۔ راحت و سکون تھج دیا۔ زندگی اپنے لیے اور اہل و عیال کے لیے نہ رہی۔ آپ ﷺ اٹھے تو اٹھے ہی رہے۔ کام اللہ کی طرف دعوت دینا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ کمر توڑ بارگراں اپنے شانے پر کسی دباؤ کے بغیر اٹھا لیا۔ یہ بوجھ تھا اس روئے زمین پر امانت کبریٰ کا بوجھ۔ ساری انسانیت کا بوجھ، سارے عقیدے کا بوجھ اور مختلف میدانوں میں جہاد و دفاع کا بوجھ۔ آپ ﷺ نے بیس سال سے زیادہ عرصے تک پیہم اور ہمہ گیر معرکہ آرائی میں زندگی بسر کی اور

اس پورے عرصے میں یعنی جب سے آپ ﷺ نے وہ آسمانی ندائے جلیل سنی اور یہ گراں بار ذمہ داری پائی آپ ﷺ کو کوئی ایک حالت کسی دوسری حالت سے غافل نہ کر سکی۔ اللہ آپ ﷺ کو ہماری طرف سے اور ساری انسانیت کی طرف سے بہترین جزا دے اور آپ ﷺ پر ہمہ وقت کھربوں درود و سلام۔

(فی ظلال القرآن سورہ مدثر و منزل)

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سورہ مدثر کے نازل ہونے کے بعد تین سال تک لوگوں کو خفیہ طور پر دعوت و تبلیغ فرماتے رہے۔ اس دوران نماز وغیرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ کی وادیوں میں سے کسی کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اس وقت مشرکین کے سامنے کھلم کھلا عبادات کی ادائیگی ممکن نہیں تھی۔ اسی دوران ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ نماز کی ادائیگی میں مشغول تھے کہ چند مشرکین ادھر آ نکلے اور مسلمانوں کو نماز میں مشغول دیکھ کر انہیں سخت ست کہنے لگے، یہاں تک کہ نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ لڑائی کے دوران حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کو اونٹ کے جڑے کی ہڈی دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ اس واقعے کے بعد آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خفیہ طور پر عبادت کے لیے دار ارقم میں جمع ہونے لگے جو صفا کی پہاڑی کے قریب واقع تھا، اس وقت تک مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو چکی تھی۔

(السیرۃ الجلیہ، برہان الدین طبری جلد ۱ صفحہ 456)



علانیہ تبلیغ

دعوت اسلامیہ کا دوسرا دور

قریبی رشتہ داروں کو دعوت حق دینے کے لیے حکم الہی

خفیہ تبلیغ کا سلسلہ تین برس تک جاری رہا۔ جو شخص مسلمان ہونے کے لیے آتا، آپ اس کو مسلمان کرتے، اللہ کا کلام یاد کراتے اور اس وقت تک نازل ہونے والی قرآنی آیات اور احکام کی تعلیم دیتے۔

اس عرصہ میں اسلام نے جن اولوالعزم ہستیوں کو اپنے پرچم کے نیچے جمع کر لیا اس کے بارے میں تفصیلات کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں۔ ان عظیم لوگوں کا اس دین کو قبول کر لینا حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے پر امن جہاد کی شاندار اور کامیابیاں و فتوحات تھیں۔ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ دعوت توحید کے دائرہ کو مزید وسعت دی جائے۔ چنانچہ جبرائیل امین اللہ تبارک تعالیٰ کی جانب سے یہ حکم (سورہ شعراء آیت 214) لے کر تشریف لائے۔

وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝

ترجمہ ”اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو“ (سورہ شعراء آیت 214)

قرابت داروں کو تبلیغ دین کی حکمت

غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیت میں تبلیغ رسالت کے لیے خاندان کے لوگوں کی تخصیص کیوں کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کنبہ اور خاندان کے لوگ اپنے تعلق اور رشتہ کی بناء پر اس بات کے مستحق ہیں کہ ہر اچھے کام میں ان کو دوسروں پر ترجیح دی جائے۔ اس کے علاوہ باہمی تعلقات اور ذاتی واقفیت کی بناء پر ان کے سامنے کسی قسم کا جھوٹا دعویٰ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر قریبی رشتہ دار کسی اچھی تحریک کے حامی بن جائیں تو ان کی حمایت و امداد بہت پائیدار ہوتی ہے۔ اس طرح حق و صداقت کی بنیاد پر جب قریبی رشتہ داروں کا ایک ماحول اور فضا تیار ہو جاتی ہے تو اس سے دین کے احکام پر عمل کرنے میں سہولت پیدا ہوتی ہے اور پھر یہ مختصر سی طاقت جماعتی شکل اختیار کر کے دوسروں تک دعوت و تبلیغ پہنچانے میں مدد دیتی ہے۔

اسی لیے اس آیت کریمہ میں قریبی رشتہ داروں کی تخصیص کی گئی ہے۔ چنانچہ حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے خاندان کے تمام لوگوں کو جمع فرما کر پیغام حق سنایا۔

اگرچہ اس وقت لوگوں نے حق قبول کرنے سے انکار کیا مگر رفتہ رفتہ آپ ﷺ کے خاندان کے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے اور آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے اسلام کو بڑی قوت ملی۔

(معارف القرآن جلد 6 صفحہ 553)

آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ اس حکم پر عمل بڑا دشوار ہے، قوم قدم قدم پر مشکلات کے پہاڑ کھڑے کرے گی۔ دشواریوں کے بیچ بوئے گی۔ مشن کو پھیلانے اور پیغام ربانی پہنچانے کی راہ میں بڑے شد و مد کے ساتھ حائل ہوگی۔

اس حکم خداوندی کی تعمیل ضروری تھی لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ کفر و شرک کے خوگر معاشرہ میں ایسے لوگوں کو توحید کی دعوت دینا جو صد ہا سال سے پتھر کے بنے ہوئے اندھے، بہرے، بے جان بتوں کی پوجا کے متوالے تھے اور ان کی آن پر اپنی جان تک قربان کرنا اپنے لیے سعادت تصور کرتے تھے۔ اور وہ بھی ہدایات و حکم اللہ تبارک تعالیٰ کو اس طرح انجام دینا کہ یہ دعوت ان کے دلوں میں اتر جائے ان کے ذہنوں میں اجالا کر دے اور ان کی روح بن کر ان کے رگ و پے میں سرایت کر جائے یہ بڑا کٹھن کام تھا۔

پہلا اجتماع

اس پیغام سعید، وحی مبارک ”کہ اب آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو انجام کار سے ڈرائیں“ کے فوراً بعد آپ ﷺ اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے سارے حالات کا تفصیلی جائزہ لیا اور اس کے مطابق ایک لائحہ عمل بنایا۔ اسی خوشی و اشتیاق و تبلیغ دین میں، اسی غور و فکر میں، لائحہ عمل بنانے میں اور عبادات رب للعالمین میں مگن، آپ ﷺ ایک دو دن اپنے ہی گھر میں اس قدر مصروف رہے کہ اپنی بہت پیار کرنے والی پھوپھیوں کے پاس بھی نہ جاسکے۔ جب کہ ان پیار کرنے والے بزرگوں کے پاس سلام، دعا، خیر و خیریت کے لیے تشریف لے جانا، آپ ﷺ کا معمول تھا۔ آپ ﷺ کی اس خاموشی اور گوشہ نشینی کے باعث حضور پر نور ﷺ کی پھوپھیوں کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ حضور ﷺ کہیں بیمار تو نہیں۔ عیادت کے لیے جب آئیں تو حضور پر نور ﷺ نے بتایا کہ میری صحت بالکل ٹھیک ہے لیکن میں ایک دو دنوں سے سوچ رہا تھا کہ اپنے رب کے اس حکم کی تعمیل کیسے کروں؟ سوچ رہا تھا کہ بنو عبدالمطلب کو کب اور کیسے بلاؤں؟ کیا صرف بنو عبدالمطلب ہی کو بلاؤں؟ اس دعوت اسلام کے رد عمل کے بارے میں میں خوش فہمی میں بھی نہیں ہوں اور نہ میں اپنے رب کی رحمتوں سے ناامید ہوں۔

یہ سننے کے بعد انہوں نے عرض کی آپ ﷺ بیشک عبدالمطلب کی ساری اولاد کو بلا کر یہ پیغام پہنچائیں لیکن عبدالعزیٰ (ابولہب) کو نہ بلائیں۔ وہ آپ کی بات نہیں مانے گا۔ حضور پر نور ﷺ نے بنو عبدالمطلب کی دعوت کا ارادہ فرمایا۔

دوسرے روز رسول اللہ ﷺ نے بنو عبدالمطلب کو بلا بھیجا وہ بھی آئے اور عبدمناف کی اولاد میں سے بھی چند لوگ پہنچ گئے۔ سب کی تعداد پینتالیس کے قریب تھی۔

دعوت کا اہتمام

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ

وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝

ترجمہ ”اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو“ (سورہ شعرا آیت 214)

نازل ہونے کے بعد ایک روز پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ایک صاع غلہ، ایک بکری کی دست (بازو یا ران) اور ایک پیالہ دودھ مہیا کرو اور اس کے بعد عبدالمطلب کے تمام خاندان کو جمع کرو۔ میں نے ان چیزوں کا انتظام کر کے سب کو اطلاع دے دی۔ کم و بیش 40 آدمی جمع ہو گئے، جن میں ابوطالب، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، اور ابولہب بھی شامل تھے۔

حبیب رب العالمین، پیغمبر اول و آخر و اعظم سید المرسلین حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے برکت کے لیے تھوڑی سی روٹی چبا کر سالن میں ڈال دی اور بوقت ان کے سامنے رکھ کر فرمایا کہ اپنی اپنی طرف سے کھانا شروع کریں۔ کھانے کی مقدار اتنی تھی کہ عام حالات میں اس سے بمشکل چار پانچ آدمی پیٹ بھر سکتے تھے مگر سب نے سیر ہو کر کھایا۔ وہ گوشت بھی کھاتے رہے اور شور با بھی پیتے رہے مگر نہ روٹیاں کم ہوئیں اور نہ گوشت ختم ہوا اور شور با ہی کم نہ ہوا۔

جب دودھ کی باری آئی تو ایک پیالہ سب کو باری باری پیش کیا گیا اور وہ بھی آخر تک لبریز رہا۔ یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر حق و صداقت پر ایمان لانے اور متاثر ہونے کی بجائے ابولہب نے کھانے سے فارغ ہوتے ہی شور مچا دیا۔ ”اے عرب کے باشندو! بنو عبدالمطلب! اپنی زندگی میں اس سے بڑا جادو ہم نے نہیں دیکھا۔ اس لیے یہاں سے اٹھو اور اپنے اپنے گھروں کو سدھارو۔ ایسا نہ ہو ہم بھی اس خوفناک جادو کے اثر میں آ جائیں۔ ابولہب کی یہ بات سنتے ہی سب لوگ منتشر ہو گئے۔

امام یوسف الصالحی شامی رحمۃ اللہ علیہ اور برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی دعوت کے انجام کے بارے میں درج ذیل مزید لکھا ہے۔

”پیشتر اس کے کہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ اپنا مدعا بیان فرماتے ابولہب نے گفتگو کا آغاز کر دیا۔ اس نے کہا۔

یہ آپ کے چچے ہیں۔ اور چچا زاد بھائی ہیں اب آپ جو کہنا چاہتے ہیں کہتے، لیکن یہ بات نہ بھولیے کہ آپ کی قوم میں اتنی قوت نہیں کہ وہ سارے کائنات کے حاکم بن جائیں۔

شروع کیا ہے آپ کے قبیلے والے اور آپ کے قریبی رشتہ دار آپ کو اس سے روک دیں۔ یہ ان کے لیے آسان ہے بجائے اس کے کہ قریش کے سارے خاندان آپ کے خلاف متحد ہو کر مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جائیں اور عرب کے سارے لوگ ان کی تائید کر رہے ہوں۔ اے میرے بھتیجے! کوئی آدمی ایسا فتنہ و فساد کا پیغام لے کر اپنی قوم کے پاس نہیں آیا جس فتنہ و فساد کا پیغام لے کر آپ آئے ہیں۔“

ابولہب کہتا رہا۔ حضور پر نورؐ نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ خاموش رہے اور اس مجلس میں کوئی گفتگو نہ کی۔

(سبل الہدیٰ وارشاد، امام یوسف الصالحی جلد 2 صفحہ 432..... السیرۃ الحلبیہ، برہان الدین حلبی جلد 1 صفحہ 271)

دوسرا اجتماع

چند روز خاموشی سے گزر گئے پھر جبرائیل امین آئے اور انہوں نے اللہ تبارک تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ آپ دین حق کی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھیں اللہ تبارک تعالیٰ آپ کا معاون و مددگار ہوگا۔ دوسری بار پھر پیغمبرِ اول و آخر و اعظمؐ حضور انور ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اپنے پاس بلانے کا ارادہ فرمایا۔ اور حضور پر نور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا، اس شخص (ابولہب) نے ہماری بات نہیں ہونے دی پھر ایک دعوت کا اہتمام کرو اور انہیں دوبارہ بلاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اتنے ہی کھانے کا انتظام کر کے انہیں پھر ”مدعو“ کیا وہ سب آگئے پھر تھوڑا سا کھانا سب نے سیر ہو کر کھایا اور وہ بچا رہا۔

ابولہب نے پھر ٹانگ اڑائی۔ جارحانہ انداز تکلم اختیار کیا اور بڑے کھردرے انداز میں بولا۔ ہمیں تمہارے دین، مشن، تعلیم اور تحریک سے کوئی دلچسپی نہیں ہے یہ ساری کاروائی بند کرو۔ اگر تمہارے نزدیک یہ بہت ہی ضروری ہے تو اسے اپنے خاندان تک محدود رکھو پوری قوم کو دعوت دینے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے قبیلے کا یہ فرض ہے کہ وہ خود تمہیں ایسی باتوں سے روکیں و گرنہ پوری قوم ناراض ہو جائے گی اور میں نہیں سمجھتا کہ تمہارا خاندان پوری عرب قوم کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ اسلام کی بات زباں پر لانا ترک کر دو۔ اس سے قوم دو متحارب گروہوں میں بٹ رہی ہے۔ گھروں میں انتشار پیدا ہو گیا ہے کیونکہ تم ایک ایسی ”شر“ لا رہے ہو جس کی مثال ہماری پوری قومی تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضور پر نورؐ نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا:

”سب تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ہیں میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا

ہوں اور اس پر ایمان لایا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی عبادت

کے لائق نہیں سوائے اللہ تبارک تعالیٰ کے جو یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، میں تمام لوگوں کی طرف عموماً اور تم لوگوں کی طرف خصوصاً

رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بخدا! جس طرح تم سو جاتے ہو اس طرح ایک دن مر جاؤ گے اور جس طرح تم بیدار

نوراًم النور، نور رحمۃ للعالمین (۳۶۱) جلد دوم

ہوتے ہو اسی طرح ایک دن اٹھائے جاؤ گے۔ جو کچھ آپ کرتے ہو کل اس کا حساب کتاب ہوگا اس کے بعد نیک اعمال اور کامیابی کی صورت میں جنت حصے میں آئے گی اور برے اعمال اور ناکامی کی صورت میں دوزخ میں جانا ہوگا۔ (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر جلد 2 صفحہ 61)

اے عبدالمطلب کے بیٹو! یقین کرو تمہیں جلال و جبروت اور عزت و تکریم بخشے کے لیے جو انقلابی پیغام لے کر میں آیا ہوں عرب کا کوئی نوجوان آج تک اپنی قوم کے پاس ایسا (انقلابی فکر اور دور رس نتائج کا حامل) پیغام لے کر نہیں آیا۔ میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی خیر و برکت لایا ہوں اور یہ اللہ تبارک تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں صداقت و نور کے اس سرچشمے کی طرف بلاؤں۔ پس اس انقلابی تحریک میں جلدی سے شامل ہو جاؤ۔ بتاؤ! تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا؟ (الکامل فی التاریخ، ابن اثیر جلد 2 صفحہ 63)

السیرۃ النبویہ از احمد بن زینی دحلان اور السیرۃ الحلبیہ از برہان الدین حلبی میں اسی فرمان پیغمبر اول و آخر واعظم رسول کریم ﷺ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تبارک تعالیٰ کی مذکورہ بالا حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ

”قافلہ کا پیشرو اپنے قافلہ والوں سے جھوٹ نہیں بولتا بفرض محال اگر میں دوسرے لوگوں سے جھوٹ بولوں تو بخدا میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ بفرض محال۔ اگر میں ساری دنیا کے ساتھ دھوکہ کروں تو تم سے میں دھوکا نہیں کر سکتا۔ اس ذات کی قسم جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بالخصوص اور ساری انسانیت کی طرف بالعموم۔ بخدا تمہیں موت اس طرح آئے گی جس طرح تمہیں نیند آتی ہے اور قبروں سے زندہ یوں اٹھائے جاؤ گے جیسے تم خواب سے بیدار ہوتے ہو۔ اور جو عمل تم کرتے ہو ان کا تم سے محاسبہ ہوگا۔ تمہارے اچھے اعمال کی اچھی جزا اور برے کاموں کی بری جزا تمہیں دی جائے گی۔ ٹھکانہ یا ابدی جنت ہے یا ابدی جہنم۔ بخدا اے فرزند ان عبدالمطلب! میں کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا جو اس چیز سے بہتر اپنی قوم کے پاس لے کر آیا ہو جو میں لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی فلاح لے کر آیا ہوں۔“ (السیرۃ النبویہ، زینی بن دحلان جلد 1 صفحہ 198۔ السیرۃ الحلبیہ، برہان الدین حلبی جلد 1 صفحہ 272)

تمام لوگوں پر موت کا سکتہ طاری ہو گیا۔ ہونٹوں پر مہر سکوت لگ گئی۔ انہیں اس مشن کی اہمیت کا اندازہ ہی نہیں تھا۔ مادی ذہن دنیاوی عیش و عشرت کے دلدادہ تھے۔ وہ تو شان و شوکت کے عادی تھے۔ انہیں دین اور مشن سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ یہ دعوت ان کے ذوق ہی کے خلاف تھی۔ جو بات سمجھ گئے تھے اور صاحب ایمان تھے ان سے رہا نہ گیا۔ اگرچہ عمر چھوٹی اور جسم ناتواں تھا مگر جذبہ توانا اور حوصلہ جواں تھا بھاری بھر کم اور پھولے ہوئے تن و توش والے ان کی نگاہ میں چیونٹی سے بھی زیادہ حقیر ہو گئے اور وہ بڑی جرأت اور جسارت سے

بولے:

اے اللہ کے سچے رسول! میں اگرچہ سب سے چھوٹا اور کمزور ہوں صحت گری ہوئی ہے اور ظاہری توانائی کی صورت بھی کسی لحاظ سے حوصلہ افزا نہیں مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس انقلابی مشن میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا اور قدم سے قدم ملا کر چلوں گا۔

یہ انقلابی فکر قبول کرنے اور امید افزا جواب دینے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ خوش ہو گئے ان کی گردن کو بوسہ دیا۔ جو ڈیل ڈول والے تھے وہ ہنس پڑے۔ ان کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی مگر یہ ان کے باطل پرست اور مادیت کے خوگر ناقص ذہن کا تجزیہ تھا۔ انہوں نے صرف ظاہری اسباب اور موجودہ حالات ہی کو دیکھا تھا اور جو پس پردہ قاہر و قادر قوت کار فرما تھی اور ایمان کے ساتھ جواں عزم و حوصلہ تھا وہ اسے نہ دیکھ سکے۔ ظاہر ہے ایسی سوچ اور صورت میں وہ صرف مسکرا ہی سکتے تھے۔ مگر بات ان کی سچی ثابت ہوئی، کامیابی انہیں ملی جو ایمان والے تھے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ بالا دوسری دعوت کے بارے میں درج ذیل بھی لکھا ہے لیکن اس کے ساتھ حوالہ نہیں دیا ہے اس لیے میں اس کے نیچے انہی کی کتاب کا حوالہ درج کروں گا۔

دوسرے لوگوں نے تو ان ارشادات کا معقول جواب دیا لیکن ابولہب نے بڑی خست اور رذالت کا ثبوت دیا وہ بولا۔ اے فرزند ان عبدالمطلب! یہی چیز ہمارے لیے ذلت و رسوائی کا باعث بنے گی تم آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لو۔ اس سے پیشتر کہ دوسرے لوگ اس کے ہاتھوں کو پکڑیں۔ اس وقت اگر تم اس کو ان کے حوالے کر دو گے تو تم ذلیل و رسوا ہو گے اور اگر تم اس کا دفاع کرو گے تو وہ لوگ تمہیں تہ تیغ کر دیں گے۔

حضرت صفیہ جو رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں وہ ابولہب کی یہ بات سن کر مضطرب نہ کر سکیں۔ انہوں نے فرمایا اے بھائی! کیا تمہیں یہ بات زیب دیتی ہے کہ تو اپنے بھتیجے کو بے یار و مددگار چھوڑ دے بخدا آج تک ہمیں اہل علم یہ بتاتے رہے ہیں کہ عبدالمطلب کی نسل سے ایک نبی ظاہر ہوگا، بخدا یہ وہی نبی ہیں۔ ابولہب کہنے لگا کہ یہ ساری باتیں بے سرو پا اور خوش فہمیاں ہیں اور پردہ نشین عورتوں کی باتیں ہیں۔ جس وقت قریش کے سارے خاندان تمہارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے اور جزیرہ عرب کچے سارے قبیلے ان کی امداد کر رہے ہوں گے تو اس وقت ہمیں اپنی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

اس کے بعد ابوطالب اٹھے اور انہوں نے اعلان کر دیا۔

”بخدا جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ہم ان کی حفاظت اور دفاع کریں گے۔“

ان پہلے دو اجتماعات میں صرف عبدالمطلب کا خاندان مدعو تھا اور وہی لوگ شریک ہوئے تھے۔

(ضیاء النبی، پیر محمد کرم شاہ جلد 2 صفحہ 269، 270)

ازلی بد بخت، سخت کینہ پرور

مشرکین مکہ نے انتہائی بغض و عناد اور شدید مخالفت کے ساتھ اسلامی تحریک کا استقبال کیا حالانکہ حق پسندی اور انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ مخالفانہ جذبات سے بالاتر ہو کر بالکل غیر جانبداری سے اسلامی تحریک کے عناصر ترکیبی اس کی تعلیمات اور اغراض و مقاصد کا کھلے دل سے جائزہ لیتے۔ مگر انہوں نے اس مسئلہ کو بالکل غیر سنجیدہ انداز سے لیا اور دل میں یہ بٹھالیا کہ ہر حال میں اسے خراب کرنا ہے، روکنا ہے، ختم کرنا ہے۔ خاص طور پر ابولہب کی طرف سے تحریک کے خلاف مہم جوئی، اور زبردست محاذ آرائی کا ایک خاص پس منظر بھی ہے جس کا جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

وہ یہ کہ جب حضور پر نور سرکارِ دو عالم ﷺ بالکل نو عمر تھے اور حضرت ابوطالب کے پاس رہتے تھے اس دور کا واقعہ ہے کہ ایک دن ابولہب اور ابوطالب دونوں بھائیوں کی آپس میں کشتی ہوئی۔ دونوں نوجوان تھے مگر ابولہب نے ابوطالب کو نیچے گرا لیا اور ایک فاتح کی حیثیت سے ابوطالب کی چھاتی پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو یہ منظر اچھا نہ لگا۔ آپ ﷺ بڑی جرأت کے ساتھ پیچھے سے آئے اور ابولہب کو بالوں سے پکڑ کر کھینچا اور نیچے گرا دیا۔ ابولہب حیران رہ گیا اور پوچھا: میں بھی تمہارا چچا ہوں اور ابوطالب بھی چچا ہے پھر تم نے اس کا ساتھ کیوں دیا؟ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے بڑی بے خونی سے جواب دیا: وہ مجھے تمہاری نسبت زیادہ عزیز ہیں۔

کینہ پرور ابولہب نے یہ بات دل میں بٹھالی اور پھر ساری زندگی اس بات کو نہ بھولا۔ اسی دن سے حضورِ انور ﷺ کے خلاف دل میں عناد رکھنے لگ گیا اور اسی کو زندگی کا مشن بنا لیا جو اس کی مکروہ زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔ یہ شیطانیت اور شر و فساد کی جڑ تھی۔ ہر برائی، مخالفت اور خوفناک سازش اسی کی ذات سے جنم لیتی تھی اور پھر معاشرے میں پھیلتی تھی۔

حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے تحریک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے اہل مکہ کی تین دعوتیں کیں، جن میں محیر العقول معجزات کا ظہور بھی ہوا۔ آنکھیں کھولنے اور بصیرت حاصل کرنے کے لیے اتنی روشنی کافی تھی مگر ابولہب نے ہر موقع پر کور چشمی سے کام لیا۔ حسد و بغض کے ہاتھوں مجبور ہو کر پوری قوم کو گمراہ کیا اور کہا کہ جادو سے بچو! ان ناسازگار حالات میں بھی حضور پر نور ہادیِ انس و جاں رحمت للعالمین ﷺ نے ان تک اپنا پیغام پہنچا دیا۔

تیسرا اجتماع

مندرجہ بالا دو محدود خاندانی (بنو عبدالمطلب) اجتماعات کے بعد آپ ﷺ نے اپنا دائرہ دعوت و تبلیغ دین

تین وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔

چنانچہ جب تیسرے اجتماع کا حضور پُر نور ﷺ نے اہتمام فرمایا تو اس میں قریش کے سارے قبیلوں کو (یعنی کہ تقریباً سارے مکہ اور اس کے قرب و جوار کو) دعوت دی گئی اور صفا کی پہاڑی پر پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور ہادی انس و جان رہبر کائنات ﷺ نے کھڑے ہو کر سب حاضرین کو خطاب فرمایا۔ لیکن اس کا آغاز یوں فرمایا کہ حکم رب العالمین کی تعمیل کے لیے پہلے حضور پر نور، پیغمبر اول و آخر و اعظم، سید المرسلین، سرکار دو جہاں ﷺ کوہ صفا کی بلندیوں پر تشریف لے گئے اور وہ تاریخی ندادی جس کی گونج ہمیشہ فضاؤں میں سنائی دیتی رہے گی۔

آپ ﷺ نے نام لے لے کر قبائل کو پکارا۔ اے بنی کعب بن لوی!، اے بنی مرہ بن کعب! اے بنی عبد شمس!، اے بنی عبد مناف!، اے بنی ہاشم!، اے بنی عبد المطلب!، مکہ کے گلی کو چوں میں کہرام مچ گیا، لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے، یہ بلانے والا کون ہے؟ جاننے والوں نے بتایا: یہ محمد ﷺ پکار رہے ہیں۔ یہ کسی معمولی شخصیت کی پکار نہیں تھی، ہزار مخالفت کے باوجود سب دوڑے چلے آئے۔ جونہ آسکتا تھا اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تاکہ صورت حال سے آگاہ ہو سکے۔ کیونکہ ہر شخص جانتا تھا جب بلانے والے صادق و امین محمد ﷺ ہیں تو معاملہ نہایت اہم ہوگا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو حضور پُر نور ﷺ ارشاد فرمایا:

مجھے بتاؤ! اگر میں تمہیں خبر دوں کہ پہاڑ کے دامن میں دوسری طرف ایک لشکر موجود ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ (صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 114، کتاب الایمان فی بیان من مات علی الکفر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے۔

مجھے بتاؤ! اگر میں تمہیں خبر دوں کہ زبردست دشمن تم پر صبح یا شام کو اچانک حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات مان لو گے؟ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر حدیث 4688)

سب نے بیک زباں جواب دیا، ہم کسی تردد اور ہچکچاہٹ کے بغیر آپ (ﷺ) کی بات مان لیں گے کیونکہ آپ (ﷺ) نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تب آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: اگر تمہیں میری ذات اور زباں پر اتنا اعتماد ہے تو پھر غور سے سنو!

میری اور تمہاری مثال اس شخص جیسی ہے جس نے اس دشمن کو دور سے دیکھ لیا ہو جو اس کی قوم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ اس نے اپنی قوم کو آگاہ کرنے کے لیے تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا ہو اسے اچانک اندازہ ہوا کہ دشمن بہت ہی تیز رو ہے اس کے پہنچنے سے پہلے ہی یہ اس کی قوم تک پہنچ جائے گا اور اسے مار ڈالے گا۔ چنانچہ اسے بچانے کے لیے اس نے دور ہی سے صدا لگائی یا صبا حاہ! اے میری قوم! ہوشیار ہو جا۔ دشمن تیزی سے بڑھا آ رہا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث 353)

مطلب یہ تھا کہ تم عذابِ مبین سے آگاہ نہیں ہو۔ دوزخ کا شدید عذاب ایک حقیقت ہے جو اہل کفر و شرک کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ اس لیے شرک و کفر اور ضلالت کی زندگی سے کنارہ کش ہو جاؤ اور اسلام لے آؤ۔ اس خوفناک عذاب سے بچ جاؤ گے جسے تم سر دست دیکھنے سے قاصر ہو۔

بخاری اور مسلم سے مزید متعلقہ روایت

امام بخاری نے ابو ہریرہ سے، امام مسلم نے امام قبصہ بن المخارق سے اور بلاذری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وانذر عشیرتک الاقربین تو اللہ کے پیارے رسول ﷺ صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے اعلان کیا ”یا صبا حاہ!“ میری فریاد سنو۔ میری فریاد سنو۔ لوگ کہنے لگے یہ کون بلا رہا ہے؟ چنانچہ عرب کے رواج کے مطابق وہ لوگ اس صدا پر لبیک کہتے ہوئے اس سمت میں دوڑے اور جو شخص خود نہ جاسکا اس نے صورت حال معلوم کرنے کے لیے اپنا کوئی نمائندہ بھیج دیا ابولہب اور دیگر قریش بھی وہاں جمع ہو گئے۔

حضور ﷺ نے پوچھا اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ دشمن کے سواروں کا دستہ اس پہاڑ کے دامن سے نکل کر تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے کیا تم میری بات مانو گے۔ سب نے کہا بے شک ہم نے کبھی آپ کو غلط بیانی کرتے نہیں سنا۔ اس کے بعد حضور پر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

”اے کعب بن لوی کے بیٹو! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے مرہ بن کعب کے فرزندو! آتشِ جہنم سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی ہاشم! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی شمس! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی عبد مناف! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی زہرہ! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنی عبد المطلب! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے فاطمہ! آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے صفیہ (محمد رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی) آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ کہ میں اللہ تبارک تعالیٰ سے تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ مگر یہ کہ تم کہو لا الہ الا اللہ۔“ (السیرۃ الحلبیہ، برہان الدین حلبی جلد 1 صفحہ 271)

سز سے پاؤں تک شرک و گمراہی کی دلدل میں دھنسی ہوئی قوم اس درد مندانہ پکار کی اہمیت کا اندازہ نہ لگا سکی۔ کسی متوقع خطرے کے آثار دیکھے بغیر قوم کو اس انداز خاص کے ساتھ بلانا جو خطرات کے لیے مخصوص تھا اس کے نزدیک بہت بڑا جرم تھا۔ یہ گویا پوری قوم کے ساتھ ایک سنگین مذات تھا ابولہب تو اسے بالکل برداشت نہ کر سکا۔ وہ ایسے انداز سے گویا ہوا جس میں گستاخی کا پہلو بھی نمایاں تھا۔ ابولہب نے کہا:

تباہی ہو تیرے لیے، کیا اتنی سی بات کے لیے تو نے ہمیں اتنے اہتمام سے یہاں بلایا تھا۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان حدیث 355)

اللہ کے محبوب نے تو اس گستاخی کا کوئی جواب نہ دیا اور اس نے ماماں، حلیم اور عالماءِ فاضلہ سے دعا کی۔

سکوت اختیار فرمایا لیکن آپ ﷺ کے غیور رب نے اس بد بخت اور گستاخ کی مذمت میں ایک پوری سورت نازل فرمادی ثبت ید ابی لہب و تب کہ ”ابولہب کے وہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں جن سے اس نے میرے محبوب کی طرف اشارہ کیا اور وہ خود بھی تباہ و برباد ہو جائے۔“

حضور انور ﷺ کے اس خطاب کا آخری جملہ یہ تھا۔

”اے فرزند ان عبدالمطلب (اے قریش کی اولاد)! بخدا کوئی جوان اپنی قوم کے پاس اس سے بہتر اور افضل چیز لے کر نہیں آیا جیسی میں تمہارے لیے لے آیا ہوں میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی کامیابی اور بہتری (فوز و فلاح) لے کر آیا ہوں۔“

اس کے بعد سورہ حجر کی آیت مبارک 94 نازل ہوئی:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ (سورہ حجر آیت 94)

ترجمہ: ”اے میرے حبیب! حق کو کھول کر بیان کیجئے اور مشرکین کی طرف سے منہ پھیر لیجئے۔“ کسی سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں میری مدد اور نصرت آپ کے شامل حال ہے۔

اس آسمانی مذمت نے ابولہب اور اس کی بیوی کے تن بدن میں آگ لگا دی ان کی عداوت کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ وہ جگہ جگہ نبوی مشن کے خلاف اور بھی زیادہ زہرا گلنے لگا۔ اس کی بیوی نے ایک پتھر اٹھالیا اور حرم شریف میں آگئی، غصہ سے تلملارہی تھی۔ سانپ کی طرح پھنکارتی ہوئی بولی: ”آج میں محمد (ﷺ) کا سر پھوڑ کر رہوں گی۔“ وہ بک بک کرتی آگے بڑھی، پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، حضور انور نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حرم شریف میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اس بری عورت کو اس انداز سے آتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! بڑی بد زبان اور منہ پھٹ عورت ہے۔ نازیبا الفاظ بھی کہے گی۔

حضور پر نور سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: تم آرام سے بیٹھے رہو وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے گی۔ وہ بگوئے کی طرح سیدھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی اور پوچھا بتاؤ! وہ تمہارے صاحب کہاں ہیں؟ اس کے اس طرح کہنے سے حضرت ابوبکر کو اطمینان ہو گیا، بولے: کیا وہ یہاں تمہیں نظر نہیں آ رہے؟ وہ بولی وہ یہاں کہاں ہیں، کیا تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہو؟ اس کے جو منہ میں آیا بکتی چلی گئی اور وہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو بالکل نہ دیکھ سکی۔ اس معجزے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایمان تازہ ہوا اور تصدیقِ قلبی نے محبت کا نقش اور گہرا کر دیا۔ (الخصائص الکبریٰ، جلد 1 صفحہ 127)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

سابقہ صفحات پر مذکور حدیث پاک میں کچھ الفاظ آئے ہیں جن سے بعض سادہ ذہنوں میں کچھ اندیشے جنم

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿۳۶۷﴾ جلد دوم

لیتے ہیں۔ ان کا ازالہ نہایت ضروری ہے تاکہ ایمان کی سلامتی کو خطرہ لاحق نہ ہو اور پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ساتھ محبت و نیاز مندی کا تعلق باقاعدہ قائم رہے اور شیطان صراط مستقیم سے بھٹکانے میں کامیاب نہ ہو۔ وہ غلط فہمی ان الفاظ سے پیدا ہوتی ہے، جو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے۔

”اے فاطمہ اور اے صفیہ! میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔“

ان الفاظ سے بعض ذہن یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی کسی کو کسی قسم کا کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اور پھر حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے اختیار اور عدم اختیار کی بحثیں ہوتی ہیں۔

اگر ان الفاظ کو ان کے پس منظر اور خاص سیاق و سباق سے ہٹا لیا جائے تو یہی مفہوم اخذ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر حالات کے تناظر میں اس کا مطالعہ کیا جائے تو نہ یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے نہ کسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح کا استدلال

قارئین کرام!

اگر کوئی نیک بخت پوری حدیث مبارک پڑھنے کے بعد نتائج اخذ کرے تو اس کے بھٹکنے کی گنجائش قطعاً نہیں ہے لیکن بد قسمتی سے کچھ بھٹکے ہوئے، بھکے ہوئے لوگ اور دوسروں کو بھی بھٹکانے کے لیے اسی طرح کا استدلال یا منطقی نتیجہ سورہ جن کی آیت 21 سے لیتے ہیں۔

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۝

ترجمہ: ”تم فرماؤ میں تمہارے کسی برے بھلے کا مالک نہیں۔“ (سورہ جن آیت 21)

اب اگر اس آیت مبارک کو اس سے پہلے یا اس کے بعد والی آیات مبارک کے ساتھ ملا کر نہ پڑھا جائے یا پس منظر اور خاص سیاق و سباق (تعلیم، علم، اصول، حساب، مخصوص علم و تعلیم، حقیقی پس منظر) سے ہٹا لیا جائے تو یہی مفہوم اخذ ہوتا ہے اور برے بوگ، بد بخت لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔

حالانکہ اس سے بعد والی آیت مبارک 23 میں فرمایا گیا ہے کہ

إِلَّا بِلَاغًا مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا

ترجمہ: ”جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک اس کے لیے جہنم کی آگ ہے۔“

(سورہ جن آیت 23)

ان دونوں (20 اور 23) آیات مبارک میں ذی شعور مخلوق کے بھٹکنے کے راستے بند کر دئے ہیں اور

خوب وضاحت و صراحت کے ساتھ بتا دیا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کا اپنے محبوب رسول ﷺ کی معرفت مخلوق خدا کو یہ پیغام عام ہے کہ میرا رسول مکمل طور پر، ہر پہلو میں ہر طرح سے میرے راستہ پر ہے۔ جو بھی اس کا حکم مانے گا، اس کا اتباع کرے گا، اس کے اسوۂ حسنہ پر چلے گا تو وہ میری بخشش اور میرے رسول کی رحمت میں ہے کہ میرا رسول جس کسی کی بھی شفاعت فرمائیں گے میں اسے بخش دوں گا۔

اور اگر تم ایمان ہی نہیں لاتے، میرے رسول مقبول ﷺ کا حکم ہی نہیں مانتے تو روز حساب روز حشر میں تمہیں پکڑوں گا اور عذاب جہنم میں ڈالوں گا اور میرے محبوب نبی، رسول امت ایسے نافرمان کافرو جہنمی کے لیے کچھ نہیں کریں گے۔ اور نہ ان کے جہنم میں جانے پر ان کے لیے غم زدہ ہوں گے۔ کیونکہ میرے پیغمبر اول و آخر و اعظم خاتم النبیین، سید المرسلین (ﷺ) ہر حال میں میری رضا چاہتے ہیں اور میری رضا یہی ہے کہ میرا محبوب رسول اپنے حکم ماننے والوں کے لیے، اپنا اتباع کرنے والوں کے لیے شفاعت کریں اور منکرین کے بارے میں فکر مند نہ ہوں۔

زیر بحث حدیث مبارک کے آخر میں یہ فرما دیا گیا ہے ”مگر یہ کہ تم کہو لا الہ الا اللہ۔“

بات دراصل یہ ہے کہ مشرک اور کافر کے لیے اسلام میں مغفرت کا کوئی تصور نہیں۔ دائمی نجات صرف اہل ایمان کے لیے ہے پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے کوہ صفا پر جن خاندانوں کے نام لے لے کر پکارا وہ شرک میں سر سے پاؤں تک غرق تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں آگاہ کر دیا کہ اس شرک کی گندگی کے ساتھ اگر تم قیامت کے روز آئے تو میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکوں گا، اور نہ ہی شفاعت کروں گا، کیونکہ اہل شرک کے لیے نہ شفاعت ہے نہ مغفرت۔ اگر بخشش سے بہرہ مند ہونا چاہتے ہو تو ایمان لے آؤ اور خود کو عذاب آخرت سے بچالو!

پھر آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے خطاب کیا کہ میں تیرے لیے بھی کسی چیز کا مالک نہیں۔

اس سے مقصود بھی قوم کو متنبہ کرنا تھا کہ شرک و کفر پر قائم رہتے ہوئے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ یہاں بظاہر خطاب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہے لیکن دراصل قوم ہی کو سنانا مقصود ہے۔

اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک اس وقت صرف چھ سات سال تھی۔ وہ اس مجمع میں موجود نہ تھی۔ اتنے کم عمر بچے سے نہ اس قسم کا خطاب کیا جاتا ہے اور نہ وہ سمجھ سکتا ہے اور وہ اس عمر میں گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ لہذا اتنے کم عمر بچے کو یہ سنانا کہ وہ خود کو آگ سے بچائے، میں اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچاؤں گا قرین قیاس نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس جملہ میں بھی قوم ہی مخاطب ہے۔ اور مختلف طریقوں، ڈھب اور زاویوں سے اسے باور کرانا مقصود ہے کہ مکمل نجات اور آگ سے

نورِ ام النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿۳۶۹﴾ جلد دوم

چھٹکارا ایمان لانے میں ہے وگرنہ کفر و شرک کی حالت میں نسبی تعلق بھی بے کار ہے اور اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

رہی حضور پر نور تاجدارِ جانات، سرکارِ دو عالم رحمت للعالمین ﷺ کی شانِ مالکیت و شفاعت اور اہل ایمان کو فائدہ پہنچانے کی بات تو اس کی ایک ہلکی سی جھلک یہ ہے۔
آپ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔

(جامع الترمذی، کتاب المناقب باب فضل فاطمہ بنت محمد ﷺ حدیث: 3873)
حسین کریمین کے بارے میں فرمایا کہ یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

(جامع الترمذی، کتاب المناقب۔ باب مناقب الحسن والحسین حدیث: 3768)
عشرہ مبشرہ کو بتایا کہ وہ بہشتی ہیں۔ (جامع الترمذی، کتاب المناقب حدیث: 3747)
اور بے شمار افراد ایسے ہیں جنہیں دینی اور دنیاوی منافع سے بہرہ مند کیا اور گناہ گاروں کو مایوسی سے بچانے کے لیے فرمایا:

روز قیامت میری شفاعت امت کے بڑے بڑے گناہ گاروں کے لیے ہے۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد باب ذکر الشفاعۃ۔ حدیث: 4310)

بلکہ قرآن پاک نے بتایا:

سورہ ضحیٰ آیت 5 میں ارشادِ رب العالمین ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝

ترجمہ: اے حبیب! تیرا رب تجھے عنقریب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔“ (سورہ ضحیٰ آیت 5)
آپ نے جواب میں فرمایا:

”اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہوا تو میں راضی نہیں ہوں گا۔“

ایک عورت بیمار تھی اسے دورہ پڑتا تھا جس سے اسے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ وہ دربار رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی اس تکلیف سے نجات کے لیے دعا کیجئے۔

فرمایا: سودا کر لو! چاہو تو دعا کرالو! تکلیف رفع ہو جائے گی چاہو تو صبر کی راہ اختیار کرلو جنت مل جائے گی۔
اس عورت نے جنت کا سودا کر لیا لیکن ساتھ ہی عرض کی: دورہ پڑتا ہے تو ستر کھل جاتا ہے یہ دعا کر دیں کہ ستر نہ کھلا کرے چنانچہ اس کے لیے دعا کر دی اور وہ ستر کھلنے سے محفوظ ہو گئی۔

اس قسم کے واقعات احادیث کی کتابوں میں اتنی کثرت کے ساتھ ہیں کہ انہیں شمار بھی نہیں کیا جاسکتا یہ سب اس حقیقت کبریٰ کے عکاس ہیں کہ مقام نبوت ذمہ دارانہ حیثیت کا حامل ہے۔ قدرت نے یہ مقام بخشا

ہے تو اس کے شایان شان اختیارات بھی تفویض کئے ہیں۔ دنیا کے بے حیثیت ارباب اقتدار کے اختیارات لامحدود ہوتے ہیں جن میں بعض اوقات مطلق العنانی کی جھلک پیدا ہوتی ہے تو پیغمبرِ اول و آخر و اعظم خاتم النبیین سید المرسلین ﷺ کو منصب نبوت کو بدرجہا اعلیٰ و ارفع اختیارات کیوں نہیں دیئے ہوں گے؟ حقائق بتاتے ہیں کہ نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو یہ اختیارات باذن اللہ حاصل تھے آپ ﷺ نے ان ہی کو استعمال کر کے کسی کو سیدہ نساء العالمین، کسی کو جو انان جنت کے سردار اور کسی کو ”عشرہ مبشرہ“ بنا دیا اور کتنوں کو جنت کی بشارت دے دی اور جنت اس طرح عطا کی جیسے ایک مالک کسی کو اپنی مملوکہ چیز عطا کرتا ہے۔



دعوت اسلامیہ کا تیسرا دور

کھلی اور عام دعوت

یہ دعوت اسلامیہ کا تیسرا مرحلہ تھا اس کا دائرہ رشتہ داروں سے بڑھا کر سب انسانوں تک بڑھا دیا گیا تھا جب کفار مکہ نے دیکھا کہ اب حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے برملا اپنے دین کی تبلیغ کا کام شروع کر دیا ہے آہستہ آہستہ مختلف قبائل کی اہم شخصیتیں اس نئی دعوت سے متاثر ہو رہی ہیں اور اس کو قبول کر رہی ہیں۔

تحریک اسلام لوگوں میں مقبول ہو رہی ہے۔ اپنی فطری خوبیوں کے سبب لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور تحریک دین اسلام روز بہ روز زور پکڑ رہی ہے۔ اس دین کو قبول کرنے والے بانی تحریک دین اسلام حضرت محمد (رسول اللہ ﷺ) سے ایک دو ملاقاتوں میں ہی اتنے کچے مسلمان یا تحریک دین اسلام کے حامی ہو جاتے ہیں کہ پھر وہ کسی صورت کسی قیمت پر بھی اس کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔

مسلمان اپنے اخلاق و رویہ سے بھی لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رہے ہیں اور اب دینی نظریات و افرادی قوت کے سبب ان کے حوصلے اتنے بلند ہو گئے ہیں کہ وہ کھلے عام اپنے دین کی تبلیغ و پرچار کرتے ہیں اور ہمارے دین کو، اخلاق و عادات اور بتوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور بتوں کی پجاری قوم کو بہکی ہوئی اور احمق قوم گردانتے ہیں۔ ان حالات میں انہیں ایسا لگا کہ جیسے تحریک دین اسلام نے ان کے لیے خطرے کی گھنٹی بجا دی ہے۔ ان کا معاشرہ تو پہلے ہی قبائلی عصبیت (طرفداری، حمایت) کا شکار تھا۔ وہ لوگ اس مثل پر ”کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم یا مظلوم“ اس کے لفظی معنی کے مطابق عملی پیرا تھے۔

سرداران قوم مشرکین اپنے تعصب، بد نصیبی، بد فطرت، انا پرستی اور قبائلی عصبیت کے سبب ایک تھے۔ وہ اپنی چوہدراہٹ، سرداری، وقار، رعب و دبدبہ چھن جانے کے خطرہ کے پیش نظر متحد ہو گئے اور تحریک دین اسلام کی منظم بھرپور مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔

وہ اپنی بد نصیبی، بد فطرت و خصلت، قبائلی عصبیت و انا کے ہاتھوں مجبور تھے کہ حق کو جانتے، پہچانتے دیکھتے ہوئے بھی اس کا ساتھ نہ دیں بلکہ اس کی مشترکہ منظم بھرپور مخالفت کی جائے اور جلد سے جلد اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔

وہ سب جانتے تھے کہ آپ حضور پر نور ﷺ اللہ تبارک تعالیٰ کے رسول ہیں، فرستادہ ہیں، نبی برحق صادق و امین ہیں، ان کی ان سب بری صفات قبائلی عصبیت، انا پرستی، ہٹ دھرمی، تعصب وغیرہ کو درج ذیل مصدق حقائق و واقعات بڑی خوبصورت سے ظاہر کرتے ہیں۔

ابوسفیان اور عقبہ بن ابی معیط دونوں قبیلہ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے اسی لیے بنو ہاشم کی کسی عظمت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ وہ دوسروں کو اپنے سے کم تر جتانے کی کوشش میں ہی لگے رہتے تھے۔ جب قبیلہ بنو ہاشم میں حضور پر نور ﷺ نے نبوت کا اعلان و اظہار فرمایا تو بنو امیہ کے لیے بڑا مسئلہ بن گیا باقی معاملہ میں تو وہ اس خاندان کا مقابلہ کر سکتے تھے مگر نبوت میں کیسے کرتے؟ اگر مخالفت کے جوش میں جھٹی نبوت کا دعویٰ کر دیتے تو سرعام بدنام ہوتے۔ اور سچی نبوت کو تسلیم کر لینے سے فریق مخالف کی عظمت تسلیم کرنا پڑتی تھی جو انہیں گوارا نہ تھی۔

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ ولید بن مغیرہ اور اس کے جہالت سے پُر بھتیجے ابو جہل کی سفاکانہ عداوت کی واحد وجہ یہی تھی کہ ”صادق و امین نبی“ ہاشمی تھے۔ اور خود ان دونوں کا تعلق ”قبیلہ بنو مخزوم“ سے تھا۔ ان کے نزدیک حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ پر ایمان لانے کا صاف مطلب یہ تھا کہ ان کے اپنے قبیلے کی برتری ختم ہوگئی ہے اور بنو ہاشم کو عرب معاشرے میں بالادستی حاصل ہوگئی ہے وہ اس صورت کو کسی قیمت پر قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے عداوت اور دشمنی میں اس انتہاء تک پہنچ گئے جہاں تک پہنچنا ممکن تھا۔

ابو جہل، ابولہب اور اس کے ساتھیوں نے صداقت نبوت کے بہت سے نشانات دیکھ لیے تھے۔ کلام ربانی کی بلاغت و تاثیر بھی جانچ لی تھی۔ آپس میں بیٹھ کر اعتراف بھی کر لیا تھا کہ یہ سچے ہیں۔ جب پیغمبر اوّل و آخر و اعظم، حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے تمام امراء مکہ کو دعوت دی تھی اور وہ چالیس پینتالیس کے قریب کھانے کے لیے آگئے تھے تو انہوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ وہاں چار پانچ آدمیوں کا کھانا تھا جو تمام لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا اور پھر بھی کھانا بچا رہا۔ اس سے متاثر ہونے کی بجائے ابولہب بگڑ گیا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے۔

مختلف مواقع پر ابو جہل نے دیکھا کہ ایک خوفناک اونٹ یا آگ کی خنق اس کے اور حضور پر نور ﷺ کے درمیان حائل ہے۔ اسی طرح غیر مانوس مخلوق کا مشاہدہ کیا جو حضور انور نبی کریم ﷺ کی حفاظت کر رہی ہے۔ اسی قسم کے بہت سے خلاف معمول واقعات دیکھے، سنے تھے جو ایک بالغ نظر اور سلیم الفطرت و اہل انسانیت کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی تھے۔

قارئین کرام!

درج ذیل کو (امیہ بن ابی الصلت کے بارے میں) یہاں ذرا مقابلتہ تفصیل سے بیان کرنے کے میرے

دو مقاصد ہیں۔

1- خوب وضاحت سے یہ بتادوں کہ کیسے شریف النفس انسان بھی قبائلی عصبیت (اپنوں کی بے جا پسند، طرفداری) میں کس شدت سے مبتلا تھے۔

2- عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل، ولید بن مغیرہ، ابوسفیان اور دیگر سردارانِ مشرکین مکہ مختلف ذرائع سے وثوق کے ساتھ یہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ تبارک تعالیٰ کے نبی، رسولِ برحق ہیں لیکن وائے رے بد قسمتی یہ جانتے ہوئے بھی مختلف وجوہات و اسباب کے تحت انہوں نے ابدی بد نصیبی کا انتخاب کیا۔

امیہ بن ابی الصلت کا ابوسفیان کو جواب

امیہ بن ابی الصلت بھی ان لوگوں میں سے تھا جو مشن کی صداقت اور تحریک کی عظمت کو پہچانتے تھے۔ انہیں علم تھا کہ باطل کے خلاف یہ انقلابی تحریک سو فیصد درست اور صداقت پر مبنی ہے۔ اس کی حقانیت میں کوئی کلام نہیں مگر وہ پھر بھی اس کا ساتھ دینے اور اس قافلے میں شریک ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اس نوعیت کا اعزاز وہ اپنی ذات کے لیے چاہتے تھے، آس لگائے بیٹھے تھے کہ قدرت اس منصب کے لیے انہیں چن لے گی اور تاجِ نبوت ان کے سر پر سجا دے گی۔ مگر قدرت کے کام عجیب اور نرالے ہیں۔

اس کے فیصلے اپنے ہیں۔ کسی کو ان میں مداخلت کی جرأت و اجازت نہیں وہ ”فعال“ لما یرید“ ہے۔ جو چاہتا ہے کہ کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے کسی اعزاز و اکرام اور اونچے منصب کے لیے منتخب فرماتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے انتخاب پر زبانِ طعن دراز کرے یا اسے ناپسند کرتے ہوئے حرفِ گیری کرے واللہ یختص برحمۃ من یشاہ“ اور اللہ تبارک تعالیٰ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے۔“

جب ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی اور نبوت کے تختِ زریں پر قدرت نے اپنے حبیبِ کریم حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ کو بٹھا دیا تو یہ حسد کی آگ میں جل بھن گئے۔ عداوت پر کمر باندھ لی اور مخالفت کو پیشہ بنا لیا۔

امیہ بن ابی الصلت بھی اس قماش اور ذہن کے لوگوں میں سے ایک تھا۔ دورِ جاہلیت کی پیداوار یہ شخص اس بے لگام ماحول میں بھی الگ تھلگ ذہن مختلف نظریات اور عمدہ خصائل کا مالک انسان تھا۔ زاہدانہ اور پرہیز گار طبیعت پائی تھی۔ غرور و تمکنت، کروفر سے بچنے کے لیے ٹاٹ کا لباس پہنتا تھا۔ عام حالات میں سادہ سے کالے لباس میں ملبوس رہتا تھا۔ جب سے اسے یہ پتہ چلا تھا کہ ایک عظیم نبی مبعوث ہونے والے ہیں اور ان کی بعثت و تشریف آوری کا زمانہ بالکل قریب ہے، تو وہ خود کو بہت پرہیز گار سمجھنے کی وجہ سے نبوت کا امیدوار بن بیٹھا تھا۔ اپنی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے اسے سو فیصد یقین تھا کہ عرب کے پورے خطے میں اس سے زیادہ نیک سیرت، خوش خصال، ہمدرد و غمگسار اور انسانی تقاضوں کو پورا کرنے والا اور کوئی نہیں اس لیے نبوت کا سب سے زیادہ مستحق بھی وہی ہے۔

اسی وثوق اور یقین کی بنا پر اس نے بڑے فخر و اعتماد کے ساتھ اپنے قبیلہ ثقیف کی عورتوں کو بہت پہلے سے یہ بتانا شروع کیا ہوا تھا کہ اس دور کا نبی وہ ہے اور بہت جلد اسے اس منصب پر فائز کر دیا جائے گا۔ ابھی حضور انور ﷺ نے دعوائے نبوت نہیں فرمایا تھا، انہی دنوں کی بات ہے کہ ابوسفیان اور امیہ تجارتی سفر پر روانہ ہوئے اور ملک شام پہنچے شام کے راہب امیہ کو خوب پہچانتے تھے امیہ بن ابی الصلت نے راہب کے پاس جانے کے لیے اپنا کالا لباس پہنا، اور ابوسفیان سے کہا: یہاں ایک بہت بڑا عالم راہب رہتا ہے اگر کچھ پوچھنا ہو تو میرے ساتھ چلو وہ تمہارے ہر سوال کا جواب دے گا۔

لیکن ابوسفیان نے معذرت کی اور امیہ بن ابی صلت اکیلا چلا گیا۔ سارا دن غائب رہا رات گئے واپس آیا تو بالکل گرم اور چپ چاپ تھا جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ خاموشی سے بستر پر لیٹ گیا۔ ساری رات جاگتا رہا نیند اس کی آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی۔

صبح کوچ تھا، قافلہ پھر سفر پر روانہ ہو گیا۔ پڑاؤ بھی ہوتا رہا اور سفر بھی اسی طرح دو راتیں گزر گئیں مگر امیہ بدستور اپنی ذہنی کشمکش میں مبتلا اور تفکرات میں غلطاں رہا۔ اسے کچھ ہوش نہیں تھا کہ وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ اور کہاں جا رہا ہے؟ ایک بت کی طرح گرم صم ساتھ چلا جا رہا تھا آخر ابوسفیان سے نہ رہا گیا بولا:

آخر تمہیں کس چیز کی فکر ہے جو اتنے اداس فکر مند اور دنیا جہاں سے بیزار بیٹھے ہو؟ امیہ نے کہا: مجھے اپنے انجام کی فکر ہے ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے جو اعمال کرتے ہیں ان کا محاسبہ ہوگا مجھے اسی فکر نے پریشان کیا ہوا ہے۔

ابوسفیان یہ سن کر کر دنگ رہ گیا اس کے لیے یہ انوکھی اور ناقابل یقین بات تھی اس نے حیرت کے عالم میں پوچھا: کیا ہمارا حساب کتاب ہوگا؟ امیہ نے بڑے پراعتماد لہجے میں کہا: ہاں اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

ابوسفیان نے امیہ سے کہا: تمہیں تفکرات سے چھڑانے کے لیے ایک بات کہوں؟ امیہ نے جواب دیا: ضرور کہو! ابوسفیان نے عرب کے فخریہ لہجے میں کہا: تم میری امان قبول کر لو اور میری پناہ میں آ جاؤ اور بے فکر ہو جاؤ کسی کی مجال نہیں کہ تمہارا حساب لے سکے۔

یہ سن کر امیہ ہنسنے لگا جانتا تھا یہ دیوانے کی بڑی بات ہے اس بیچارے کو پتہ ہی نہیں ہے کہ ایک اور جہاں بھی ہے جہاں سب کو پہنچنا ہے اور حساب کتاب کے بعد جنت یا جہنم کو ٹھکانا بنانا ہے۔ سفر پھر شروع ہو گیا یہ لوگ دمشق پہنچ گئے اور وہاں دو مہینے قیام پذیر رہے اور اپنا سامان تجارت فروخت کرنے میں لگے رہے۔

وہاں کے راہبوں کو جب پتہ چلا کہ امیہ آیا ہے تو وہ بھی اس کے پاس پہنچ گئے اور اسے ساتھ لے گئے امیہ بن ابی صلت وہاں سے واپس آیا تو اپنا مخصوص کالا لباس پہن کر بڑے پادری کے پاس چلا گیا اور پھر سارا دن

غائب رہا۔

ابوسفیان کا بیان ہے کہ امیہ بن صلت رات گئے واپس آیا اور بے سدھ ہو کر دھڑام سے اپنے بستر پر جاگرا اور رات اسی بے چینی کے عالم میں گزار دی۔ صبح کے وقت ابوسفیان سے مخاطب ہوا۔ تم مکہ کے باشندوں سے بخوبی واقف ہو یہ تو بتاؤ کہ عتبہ بن ربیعہ کیسا ہے؟

ابوسفیان نے جواب دیا: بڑا ہی دیانت دار، خوش خلق، خیر خواہ اور غریب پرور قسم کا انسان ہے۔ اچھا یہ بتاؤ وہ مالی لحاظ سے کیسا ہے غریب ہے یا دولت مند؟ خاصا کھاتا پیتا مالدار انسان ہے ابوسفیان نے جواب دیا۔ آخری بات ایک اور ہے وہ بھی بتاؤ اس کی عمر کتنی ہے؟ ابوسفیان نے اسے بتایا۔ وہ تقریباً ستر سال کا ہے۔ اس پر امیہ کہنے لگا ان آخری دو باتوں نے اسے بد نصیب بنا دیا ہے۔ ”بلکہ دولت اور عمر نے تو اسے معزز بنا دیا ہے۔“ ابوسفیان نے تعجب سے کہا۔ امیہ بن صلت نے کہا تم یہ بات نہیں سمجھو گے میری مراد کچھ اور ہے۔ جب گفتگو چل نکلی تو امیہ نے اسے بتایا: میں راہب کے پاس گر جاؤں نبی منتظرؐ نبی آخر الزماں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے گیا تھا اس نے نبی آخر الزماں کی علامات بیان کرتے ہوئے کہا:

ایک تو وہ اس شہر میں پیدا ہوں گے جہاں لوگ حج کے لیے جاتے ہیں اور جواں عمر ہوں گے اور ان کا تعلق قبیلہ قریش سے ہوگا۔ جب میں نے یہ بات سنی تو میری کمر ٹوٹ گئی۔

مجھے اتنا صدمہ کبھی بھی نہیں پہنچا تھا کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ دنیا و آخرت کی کامیابی میرے ہاتھ سے نکل گئی ہے، میں امید رکھتا تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں۔ (الوفاء بحوال المصطفیٰ، امام ابن جوزی صفحہ 52، 53)

بعد میں مجھے خیال آیا کہ یہ صفات تو عتبہ بن ربیعہ میں پائی جاتی ہیں ممکن ہے اسے یہ نعمت مل جائے مگر تم نے بتایا کہ وہ خاصا مالدار آدمی ہے اور بوڑھا ہو چکا ہے جبکہ نبی آخر الزماں ﷺ کے بارے میں ہے وہ بظاہر مالدار نہیں ہوں گے اور ان کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ ہوگی۔

نبی آخر الزماں ﷺ ہی کے بارے میں باتیں کرتے یہ لوگ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ گئے۔ امیہ بن صلت اپنے شہر طائف میں چلا گیا اور ابوسفیان نے کاروبار کے سلسلے میں ملک حبشہ کی راہ لی جہاں اسے پانچ مہینے لگ گئے۔ پھر یہ ادھر سے فارغ ہو کر اپنے گھر پہنچا رشتہ دار احباب ملنے کے لیے آنے لگے، جن لوگوں نے مال تجارت میں حصہ ڈالا ہوا تھا ان کا تانتا لگ گیا وہ آتے اور اپنا حصہ وصول کر کے چلے جاتے۔

ایک روز حضور پُر نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیم ﷺ بھی تشریف لائے ابوسفیان کی خیریت دریافت کی کچھ دیر بیٹھے اور پھر کچھ کہے بغیر واپس تشریف لے گئے۔ ابوسفیان دنگ رہ گیا! اپنی بیوی ہندہ سے کہنے لگا: یہ نوجوان بھی عجیب ہے جس کی سیر چشمی اور بے نیازی کی کوئی مثال ہی نہیں سب لوگ اپنے اپنے حصے کی رقمیں وصول کرنے کے لیے آتے رہے ہیں مگر اس نے رقم کے بارے میں ایک لفظ تک منہ سے نہیں نکالا حالانکہ اس کا مال تجارت

بھی میرے ساتھ تھا۔

تمہیں محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے بارے میں ایک خاص بات معلوم نہیں؟ ہندہ نے کہا۔ ابوسفیان کے کان کھڑے ہو گئے اور کہا بتاؤ! کیا خاص بات ہے؟ تمہاری غیر حاضری میں محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے اپنے شہر میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ نے ان کو اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے۔ ابوسفیان سناٹے میں آ گیا۔ وہ وقت ضائع کئے بغیر سیدھا امیہ بن ابی صلت کے پاس طائف پہنچا، اور کہا! تمہیں یاد ہے ملک شام کے راہب نے ایک پیش گوئی کی تھی وہ پوری ہو گئی مکہ مکرمہ میں نبی مبعوث ہو گیا ہے۔ امیہ نے کہا جلدی سے بتاؤ وہ دعوائے نبوت کرنے والا کون ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا ہمارے شہر کا ایک معزز شخص ”محمد بن عبداللہ (ﷺ)“ یہ اسم گرامی سن کر امیہ کے پسینے چھوٹ گئے کیونکہ آپ ﷺ میں راہب کی بتائی ہوئی تمام نشانیاں موجود تھیں۔ کیا اب تم محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ گے؟ ابوسفیان نے پوچھا۔ امیہ نے جواب دینے میں توقف کیا تو ابوسفیان نے اسے پھر کہا! تم حقائق کی روشنی میں جانتے ہو کہ آنے والے نبی سچے ہیں ان پر ایمان لانے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ امیہ نے اپنی ساری پرہیزگاری حق پسندی اور شرافت نفس کو بالائے طاق رکھ کر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ خاندانی تعصب سے لبریز جواب دیا۔

خدا کی قسم! میں کسی ایسے رسول پر ایمان نہیں لاسکتا جو میرے قبیلہ ثقیف سے تعلق نہ رکھتا ہو۔

(الوفایا حوال المصطفیٰ، امام ابن جوزی صفحہ 54)

جھوٹی انا اور اندھی قبائلی عصبیت کے تحت بنو امیہ نے زبردست مخالفت کی روش کو اپنایا اور جانتے ہوئے کہ آپ ﷺ سچے نبی ہیں پھر بھی زبان سے اقرار کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ چنانچہ ایک دفعہ انھیں بن شریق ابو جہل کے پاس آیا اور کہا:

”یہ تو طے ہے کہ ہم نے تحریک دین اسلام اور دین محمد (ﷺ) کو قبول نہیں کرنا ہے اور اس کے راستے میں روڑے اٹکانے ہیں مگر میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ محمد سچے ہیں یا نہیں؟ یہاں کوئی موجود نہیں ہے دل کی بات بتا دو!“

ابو جہل نے تعصب بھرا جواب دیا۔

”ہم دونوں خاندانوں نے شرف و کمال میں ایک دوسرے کا مقابلہ کیا چنانچہ انہوں نے لوگوں کی خیافت کی تو ہم نے بھی کی۔ انہوں نے لوگوں کو سواریاں دیں تو ہم (دونوں فریق یا قبیلے) نے بھی دیں۔ انہوں نے سخاوت کی تو ہم نے بھی کی یہاں تک کہ جب ہم مقابلہ کرتے کرتے تھک گئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور ہماری حالت ان دو گھوڑوں جیسی ہو گئی جو شرط لگا کر دوڑائے گئے ہوں اور تھک کر چور ہو گئے ہوں تو اب بنو ہاشم نے اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ ہم میں ایک نبی ہے۔ جس پر آسمان سے وحی

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿۳۷۷﴾ جلد دوم

نازل ہوتی ہے۔ اب ہم یہ مقام کیسے پاسکتے ہیں؟ اس لیے خدا کی قسم! ہم ان پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ان کی تصدیق کریں گے۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 316)

اللہ کے دین کی خوشبو مکہ کی ہواؤں میں رچ بس گئی تھی۔ گلی کو چوں میں بھی وہ خوش قسمت لوگ نظر آنے لگے تھے جنہوں نے اس ملکوتی خوشبو کو دل و دماغ میں بسالیا تھا اور پھر اسی میں مست رہنے لگے تھے۔ انہیں خوشی تھی کہ وہ اس دین مبین کی آغوش شفقت و کرم میں آگئے اور جہنم کی آگ سے بچ گئے وگرنہ ان کا بھی وہی حشر ہوتا جو اہل شرک و ضلالت کا مقدر ہے۔

ایمان کے عطا کردہ کیف و سرور سے سرشار ان مطمئن پرسکون چہکتے چہروں کو دیکھ کر ابو جہل، ولید بن مغیرہ، ابولہب، عقبہ بن ابی معیط اور اسی قماش کے دوسرے کفار و مشرکین کے سینوں پر سانپ بوٹے تھے۔ وہ ایک مسلمان کو بھی دیکھ لیتے تو یوں محسوس کرتے جیسے سارا مکہ سارا عرب مسلمان ہو گیا ہے۔ ان کے نزدیک سب سے بڑی بری اور وحشت ناک خبر یہی تھی کہ ایک اور فلاں شخص مسلمان ہو گیا ہے۔

مشرکین مکہ، سرداران مکہ کو دین اسلام، تحریک دین اسلام، بانی تحریک اسلام اور کوئی بھی مسلمان ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ وہ اس تحریک کو ایسے دیکھتے تھے کہ گویا یہ ایک زبردست طوفان ہے جو ان سب کے مفادات کو حسن و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔

جب سرداران مکہ کو ان حالات میں اپنی چوہدراہٹ، سرداری، جاہ و حشمت، وقار، رعب، و دبدبہ اور مالی معاشی سیاسی اقتدار خطرے میں نظر آیا تو ان کی بدنصیبی، بدفطرت جھوٹی انا اور جھوٹی قبائلی عصبیت عود کر آئی۔ وہ سر جوڑ کر بیٹھے اور تحریک دین اسلام کو روکنے کا اور بالآخر ختم کر دینے کا سوچا۔

مشرکین کا پہلا وفد

حضرت ابوطالب کے پاس

انہوں نے مل کر یہ سوچا کہ اگر نئی تحریک کو روکنے کے لیے انہوں نے کوئی موثر اور بروقت قدم نہ اٹھایا تو سارا معاشرہ ایک ہمہ گیر انقلاب کی زد میں آ جائے گا۔ ان کے معبودوں کے تخت اونڈھے کر دیئے جائیں گے اور پھر ان کی پوجا پاٹ کے لیے ان کے استھانوں پر دور و نزدیک سے آنے والے پجاریوں کی نہ یہ ریل پیل رہے گی نہ نذرانوں کے انبار لگیں گے، اور یوں ان کی مذہبی چوہدراہٹ کا بھی جنازہ نکل جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اسلام اور نبی اسلام ﷺ کے خلاف سخت اقدام کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن کوئی قدم اٹھانے سے پہلے انہوں نے مناسب سمجھا کہ آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب سے بات کریں اور ان کے ذریعہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو اس نئی دعوت سے دست بردار ہونے کی ترغیب دلائیں چنانچہ ایک روز روضاء قریش کا ایک نمائندہ وفد حمزہؓ، ابوطالب، مشتمل تھا۔

عتبہ۔ شیبہ۔ پسران ربیعہ۔ ابوسفیان بن حرب بن امیہ۔ ابوالنختری۔ العاص بن ہشام۔ الاسود بن مطلب۔ ابو جہل۔ ولید بن مغیرہ۔ نبیہ اور منبہ پسران حجاج بن عامر۔ اور عاص بن وائل

(السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 276، 277)

انہوں نے بڑی احتیاط سے سلسلہ کلام کا آغاز کیا۔ کہنے لگے:

اے ابوطالب! آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ اور ہمارے مذہب کے عیب نکالتا ہے۔ ہمیں بے وقوف اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے یا تو آپ اسے روک لیں یا درمیان سے ہٹ جائیں ہم خود اسے روک لیں گے۔ حضرت ابوطالب نے ان کو بڑی نرمی سے جواب دیا اور بڑی خوبصورتی سے انہیں ٹال دیا۔ وہ لوگ مطمئن ہو کر واپس آ گئے۔ لیکن حضور انور سرکارِ دو عالم ﷺ حسب سابقہ تبلیغ دین میں مصروف رہے اور اپنے حسن بیان اور زور استدلال سے اللہ کے دین کو سر بلند کرنے کے لیے کوشش فرماتے رہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کی روز افزوں ترقی کے باعث کفار کے ساتھ تعلقات میں مزید کشیدگی پیدا ہوتی گئی۔ قریش کے سردار بغض و عناد میں حضور پر نور رحمت للعالمین ﷺ سے بہت دور چلے گئے ان کے دلوں میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی عداوت کے شعلے تیز تر ہونے لگے۔ اب ہر وقت اور ہر جگہ حضور ﷺ کے خلاف باتیں ہونے لگیں اور منصوبے بنائے جانے لگے وہ ایک دوسرے کو نبی رحمت سرکارِ دو عالم ﷺ کے خلاف ابھارنے اور اسلام کے خلاف سخت اقدامات کرنے کے لیے بھڑکانے لگے۔

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 473..... السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 276)

مشرکین کا دوسرا وفد

انہوں نے طے کیا کہ ایک بار پھر ہمیں ابوطالب کے ذریعہ کوشش کرنی چاہئے چنانچہ مکہ کے معزز شہریوں کا ایک وفد دوبارہ آپ کے پاس گیا اور پہلے سے زیادہ درشت اور فیصلہ کن لہجہ میں گفتگو کی۔ کہنے لگے۔ اے ابوطالب! عمر، عز و شرف اور قدر و منزلت کے اعتبار سے ساری قوم میں آپ کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ ہم پہلے حاضر ہوئے تھے اور ہم نے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے باز آنے کا حکم دیں لیکن آپ نے انہیں نہیں روکا۔ بخدا! اب ہمارا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا ہے، ہمیں مزید یارائے صبر نہیں رہا۔ وہ ہمارے آباؤ اجداد کو برا بھلا کہتا ہے ہمیں احمق اور بیوقوف بتاتا ہے ہمارے خداؤں کی عیب جوئی کرتا ہے۔ یا تو آپ انہیں ان باتوں سے روک لیں ورنہ ہم تم دونوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے اور یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ ہم میں سے ایک فریق فنا نہ ہو جائے۔

ان کے اندازِ تکلم سے پتہ چلتا تھا کہ وہ گفتگو کے ذریعہ معاملات سدھارنے نہیں آئے تھے بلکہ کھلا چیلنج دینے کے لیے آئے تھے۔ ان الفاظ میں انہوں نے دھمکی تھی اور وفد کے ارکان حضرت ابوطالب کا کوئی جواب

سے بغیر وہاں سے اٹھ کر چل دیئے۔

حضرت ابوطالب کو اس دھمکی سے بڑا دکھ ہوا اس پیرانہ سالی میں وہ ساری قوم سے دشمنی مول لینا نہیں چاہتے تھے لیکن وہ اس بات پر بھی تیار نہ تھے کہ حضور انور نبی کریم ﷺ کی نصرت و اعانت سے دست کش ہو جائیں اور حضور پر نور ﷺ کو کفار کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ حضرت ابوطالب نے آدمی (اپنے بیٹے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کو) بھیج کر حضور پر نور ﷺ کو اپنے پاس بلایا اور اس گفتگو سے آگاہ کیا جو ان کے درمیان اور اس وفد کے درمیان ہوئی تھی۔ واپس جانے سے پہلے انہوں نے جو دھمکی دی تھی اس کے بارے میں بھی بتایا۔ پھر کہا۔

اے جانِ عم! مجھ پر بھی رحم کرو اور اپنے آپ پر بھی۔ مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جس کو اٹھانے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 278)

اپنے چچا کی یہ باتیں سن کر حضور انور نبی کریم ﷺ کو یہ خیال گزرا کہ شاید ابوطالب آپ کی مدد اور تعاون سے دست کش ہونے والے ہیں۔ اب ان میں سکت نہیں رہی کہ مزید حضور ﷺ کے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو سکیں۔ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظمؐ تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ نے بڑے ادب و احترام، اطمینان و سکون سے جواب دیا۔

”اے میرے چچا! اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں اور یہ توقع نکھیں کہ میں دعوتِ حق کو ترک کر دوں گا تو یہ ناممکن ہے۔ یا تو اللہ تبارک تعالیٰ اس دین کو غلبہ دے دے گا یا میں اس کے لیے جان دے دوں گا۔ اس وقت تک میں اس کام کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 474)

حضور انور ﷺ نے زبان مبارک سے یہ جملہ فرمایا اور چشمان مبارک سے آنسو ٹپک پڑے۔ اور حضور پر نور ﷺ وہاں سے اٹھ کر واپس چل دیئے۔

یہ الفاظ کچھ ایسے اٹل تھے اور عزم و خلوص کے ساتھ موثر پیرائے میں دل کی گہرائیوں سے ادا ہوئے تھے کہ چچا کا دل موم ہو گیا۔ حقیقت ان کی نگاہوں کے سامنے آشکار ہو گئی۔ انہوں نے جان لیا کہ حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ جو مشن لے کر میدان میں آئے ہیں اس کی صداقت و حقانیت پر انہیں پکا یقین ہے اور وہ ان کی زندگی کا اولین مقصد ہے جسے وہ کسی قیمت پر بھی ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ انہوں نے حضور پر نور ﷺ کے پر عزم انداز اور استقلال و خلوص سے متاثر ہو کر آپ ﷺ کو آواز دی۔

چچا نے آواز دے کر بلایا اور کہا واپس تشریف لائیے۔ حضور انور ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ چچا نے کہا،

”اے میرے بھتیجے! آپ کا جو جی چاہے کہئے میں آپ کو کسی قیمت پر کفار کے حوالے نہیں کروں گا۔“

(السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 278)

اور چند شعر کہے جن میں سے ایک یہ ہے۔

”بخدا یہ سارے مل کر بھی آپ تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک مجھے مٹی میں دفن نہ کر دیا جائے۔“

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 274)

مشرکین کا تیسرا وفد

اہل مکہ کو جب یہ پتہ چلا کہ ہماری یہ کوشش بھی بے سود اور ہماری دھمکی بھی بے اثر ثابت ہوئی ہے ابوطالب نے اپنے بھتیجے کی امداد سے نہ ہاتھ اٹھایا ہے اور نہ اسے روکنے پر آمادہ ہوا ہے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ اس کی پشت پناہی کا اسے یقین دلایا ہے تو انہوں نے ایک اور چال چلی۔ یہ سارا وفد مطعم بن عدی کی سرکردگی میں تیسری بار پھر حضرت ابوطالب کے پاس حاضر ہوا اور اپنے ساتھ ولید بن مغیرہ کا جوان سال خوبرو، تندرست اور توانا بیٹا ”عمارہ“ بھی ساتھ لے گئے۔ اور جا کر بڑے ادب سے گزارش کی کہ اے ابوطالب! ہم آپ کے ساتھ ایک سودا کرنے کے لیے آئے ہیں۔ مکہ کے سردار ولید بن مغیرہ کا یہ خوبصورت اور جوان بیٹا ”عمارہ“ کو تم دیکھ رہے ہو۔ اس کا غفوان شباب، اس کا حسن و جمال اس کی قوت اور توانائی سارے مکہ میں مشہور ہے۔ یہ ہم آپ کو دیتے ہیں۔ اس کو فرزندگی میں لے لیجئے آج کے بعد یہ تمہارا بیٹا اور تم اس کے باپ۔ اگر اسے قتل کر دیا جائے تو اس کی ساری دیت آپ کو ملے گی۔ ہر میدان، ہر معرکہ میں یہ آپ کا دست و بازو ہوگا۔ ہمارا اس سے اب کوئی سروکار نہیں۔

اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کو ہمارے حوالے کر دو جو آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے دین کا دشمن ہے۔ جس نے آپ کی قوم کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے، ہمیں احمق اور بے وقوف کہتا ہے۔ ہم اس کا قصہ تمام کر دیں گے۔ اس طرح آپ کا بھی نقصان نہ ہوگا اور ہم سب ایک بہت بڑی مصیبت سے بچ جائیں گے۔

ان کی یہ سوداگری، یہ انداز فکر اور جملے حضرت ابوطالب کو بہت برے لگے۔ وہ تلخی و سختی سے مطعم سے کویا ہوئے۔ اے مطعم! جانتے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں تمہارا بیٹا اس لیے لوں کہ اسے پالوں اور اپنا بیٹا تمہیں اس لیے دوں کہ تم اسے قتل کر دو۔ کیا اسی کو انصاف کہتے ہیں؟

”بخدا! تم میرے ساتھ بہت برا سودا کر رہے ہو۔ مجھے تو اپنا بیٹا دے رہے ہو کہ میں اس کی خاطر و

مدارت کروں اور اس کی پرورش کروں اور اس کے بدلے میں میرا بیٹا لینا چاہتے ہو تا کہ تم اس کو قتل

کر دو بخدا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔“

مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی بولا۔ خدا کی قسم! اے ابوطالب تیری قوم نے تیرے ساتھ کمال انصاف کیا ہے اور حتی المقدور کوشش کی ہے کہ اس الجھن سے تمہیں نکالیں جو تم ناپسند کرتے ہو۔ تم نے یہ منصفانہ پیش کش ٹھکرا کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم ان سے کسی قیمت پر مفاہمت کرنے کے لیے تیار نہیں حضرت ابوطالب نے فرمایا۔ اے مطعم! میری قوم نے ہرگز میرے ساتھ انصاف نہیں کیا البتہ تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور میرے خلاف ساری قوم کی مدد کی ہے۔ یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔

دن بدن کشیدگی میں اضافہ ہوتا گیا۔ حالات سنگین سے سنگین تر ہونے لگے۔ عداوت کی آگ تیزی سے بھڑکنے لگی۔ ایک دوسرے کی کھل کر مخالفت ہونے لگی۔ حضور انور سرور دو عالم ﷺ کے کئی قریبی رشتہ دار بھی حضور کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ اس تکلیف دہ ماحول سے متاثر ہو کر حضرت ابوطالب نے ایک قصیدہ لکھا جس میں اس طوطا چشمی پر ان رشتہ داروں کو عار دلائی۔ اس قصیدہ کے چند اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

- 1- ”میں اپنے دو سنگے بھائیوں کو دیکھتا ہوں جب ان سے صورت حال کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہمارے بس میں کچھ نہیں سب کچھ دوسروں کے اختیار میں ہے۔“
- 2- ”ان کے بس میں تو سب کچھ تھا۔ لیکن وہ دونوں اپنے مقام سے گر پڑے جیسے ذی علق پہاڑ سے پتھر لڑھک جاتا ہے۔“

- 3- ”میں خاص طور پر عبد شمس اور نوفل کا ذکر کرتا ہوں جنہوں نے ہمیں اس طرح دور پھینک دیا ہے جس طرح دہکتے ہوئے انگارے کو دور پھینک دیا جاتا ہے۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 280)
- کفار مکہ کا وفد تیسری بار جب حضرت ابوطالب کے پاس گیا اور عمارہ کی پیش کش کی جسے آپ نے بھی حقارت سے ٹھکرا دیا تو حالات اور کشیدہ ہو گئے اور کفار نے متحد ہو کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت کے مزید پروگرام بنانے شروع کر دیے۔

حضرت ابوطالب کی دوراندیشی

حضرت ابوطالب نے محسوس کیا کہ میں تنہا کفر کی اجتماعی یلغار کو نہیں روک سکتا چنانچہ آپ نے ایک قصیدہ لکھا اور اس میں بنو ہاشم اور بنی مطلب کی غیرت و حمیت کو لکھارا کہ جس طرح دوسرے قبائل حضور انور ﷺ کی مخالفت اور عداوت میں متحد ہو گئے ہیں ہمیں بھی آپ کے دفاع کے لیے متحد محاذ بنانا چاہئے وہ قصیدہ کافی طویل ہے اس کے چند اشعار کا ترجمہ حاضر خدمت ہے۔

- 1- ”جب میں نے قوم کو دیکھا کہ ان میں محبت کا نام و نشان باقی نہیں رہا انہوں نے محبت و قرابت کے سارے رشتے توڑ دیئے ہیں۔“

- 2- اور انہوں نے کھلم کھلا ہم پر ہتھیار اٹھائے۔

شروع کر دیا۔“

3- ”انہوں نے ہمارے دشمنوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیا ہے اور ہمارے پس پشت غصے سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔“

4- ”میں نے اپنے نفس کو صبر کی تلقین کی اور میرے ہاتھ میں گندمی رنگ کا لچک دار نیزہ تھا اور سفید کاٹنے والی تلوار جو بزرگ سرداروں سے ہمیں ورثہ میں ملی تھی۔“

5- ”میں نے بیت اللہ شریف کے پاس اپنی قوم اور اپنے بھائیوں کو جمع کیا اور میں نے بیت اللہ کے سرح دھاریوں والے غلاف کو پکڑ لیا۔“

6- ”خانہ خدا کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم مکہ کو چھوڑ جائیں گے اور یہاں سے کوچ کر جائیں گے یہاں تک کہ تمہاری حالت مضطرب ہو جائے اور تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔“

7- ”خانہ خدا کی قسم تم نے جھوٹ بولا ہے کہ ہم محمد (ﷺ) کو چھوڑ دیں گے جب تک ان کا دفاع کرتے ہوئے نیزوں اور تیروں سے تم پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔“

8- ”اور ہم اسے تمہارے حوالے کر دیں گے اس سے پیشتر کہ ہمارے لاشے اس کے ارد گرد خاک آلود پڑے ہوں اور ہم اپنے بچوں اور اپنی بیویوں کو بھی فراموش کر چکے ہوں۔“

9- ”میرا بھتیجا گوری رنگت والا ہے جس کے چہرے کی برکت سے بارش طلب کی جاتی ہے وہ تیزیوں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کی ناموس کا محافظ ہے۔“

10- یہ وہ جواں مرد ہے کہ جس کی پناہ آل ہاشم کے مفلس لیتے ہیں پس وہ جب اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں تو وہ ان پر اپنے رحم و کرم کی بارش برسا دیتا ہے۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 290، 291)

اس قصیدہ میں حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے خصال حمیدہ اور اخلاق جمیلہ کا تذکرہ ہے ساتھ ہی اپنے اور بنو ہاشم، بنو مطلب کے نوجوانوں کے اس عزم مصمم کا پر جوش انداز میں اعلان ہے کہ جب تک ہم میں سے ایک مرد یا ایک عورت زندہ ہے کسی کی مجال نہیں کہ میرے بھتیجے کا بال بھی پکا کر سکے۔ اس قصیدہ کا ہر شعر عربی فصاحت و بلاغت کی جان ہے اور اس کا ہر مصرعہ اس محبت پیار، خلوص و شفقت کا آئینہ دار ہے جو محترم چچا کو اپنے بلند اقبال، فرخندہ فال و خصال بھتیجے سے تھی۔

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ اپنے محترم اباؤ اجداد کو کس قدر پیارے، محبوب و راج دلارے تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے بھی انہیں پیار محبت خلوص و عقیدت کی دولت سے مالا مال کیا ہوا تھا۔ ان کے جذبات و خیالات کس قدر حسین، پاکیزہ اور صادق تھے انہیں جان کر رشک آتا ہے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم ﷺ کے دفاع کے لیے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے

جملہ افراد کو متحد کرنے کی یہ کوشش بار آور ثابت ہوئی۔ ان دونوں خاندانوں نے وعدہ کیا کہ وہ حضورِ انور ﷺ کو اکیلا نہیں چھوڑیں گے بلکہ دشمنوں کے ہر وار کے سامنے وہ خود سینہ سپر ہوں گے۔ اور وہ اپنی جان کی پرواہ تک بھی نہیں کریں گے۔ البتہ ابولہب جو حضورِ پر نور ﷺ کا سگا چچا تھا اور خاندان بنی ہاشم کا ایک سرکردہ فرد تھا، اس نے اپنے خاندان کے موقف کے برعکس حضورِ انور ﷺ کی عداوت میں اپنی ہر چیز داؤ پر لگانے کی قسم کھالی۔ اس کی زندگی کا لمحہ لمحہ حضورِ پر نور ﷺ کو دکھ پہنچانے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں صرف ہونے لگا۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 281۔ السیرۃ الحلبیہ، برہان الدین حلبی جلد 1 صفحہ 274)

سردارانِ مشرکین مکہ کی سودا بازی کی کوشش

حضرت ابوطالب کا دونوک جواب سن کر ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ انہیں تو قہر نہیں تھی کہ حضرت ابوطالب ان کا مطالبہ اس طرح مسترد کر دیں گے۔ صورت حال کو گوارہ کر لینا اور خاموش تماشائی بن کر بیٹھے رہنا بھی ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ اس خاموشی کا مطلب تو تھا کہ تحریک کو بڑھنے پھولنے دیں اور تناور درخت بننے کے لیے چھوڑ دیں اور اس کے زور پکڑنے کا واضح مطلب ان کی سیاسی و مذہبی موت تھا جسے قبول کرنے کے لیے وہ کسی صورت بھی تیار نہیں تھے۔

سردارانِ مشرکین مکہ کے لیے آسان اور خوش نصیبی کی بات تو یہی تھی کہ اپنی نااہلی، گمراہی اور جہالت کا اعتراف کر لیتے۔ لیکن وہ تو اپنے تمام تر عیوب اور نااہلی کے باوجود اس بات کے امیدوار تھے کہ قوم انہی سے خوش ہے اور اسلام کے پیروکاروں کو آگے نہ آنے دے گی اور نہ ان کی صلاحیتوں سے آگاہ ہوگی۔ مگر دعوتِ حق جس انداز سے زور پکڑ رہی تھی اور مشن جس تیزی سے پھیل رہا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کا اقتدار کچھ عرصے کا مہمان ہے۔ وہ سوچ میں ڈوب گئے کہ اس سیلاب کے آگے کیسے بند باندھا جائے اور عوام کو ادھر کا رخ کرنے کو کیسے روکا جائے؟ آخر ان کی فکر فتنہ ساز نے اپنے مکرو فن کے تھیلے سے ایک ترکیب ڈھونڈ ہی نکالی جو ان کے خیال کے مطابق بڑی ہی موثر اور دیر پا اثرات کی حامل تھی۔ دل ہی دل میں انہیں اپنی ترکیب کی کامیابی کا یقین آ گیا اور وہ اس امید کے سہارے خوش ہو گئے اور اسے آزمانے کا عزم مصمم کر لیا۔

عتبہ بن ربیعہ کا براہِ راست رابطہ

کفار مکہ کے جتنے وفد حضرت ابوطالب کے پاس گئے وہ ناکام و نامراد لوٹے۔ لیکن کفار نے اب براہِ راست حضورِ پر نور ﷺ کو کریمِ رؤف و رحیم ﷺ سے سلسلہ گفتگو کا آغاز کیا۔

عتبہ بن ربیعہ، رؤساء قریش میں سے ایک سربراہ اور وہ رئیس تھا۔ ایک روز صحنِ حرم میں قریش کی ایک محفل جمی ہوئی تھی یہ بھی اس میں بیٹھا ہوا تھا اور پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، حضورِ پر نور ﷺ کو کچھ دور حرم کے ایک گوشہ میں لے لیا۔

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿۳۸۴﴾ جلد دوم

سے گفتگو کروں اور اس کے سامنے چند تجاویز پیش کروں شاید ان میں سے کوئی تجویز وہ مان لے اور ہماری اس پریشانی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب حضرت حمزہؓ نئے نئے مشرف باسلام ہوئے تھے اور آئے روز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سب نے اس بات کی تائید کی اور کہا اے ابوالولید! اٹھئے اور ان سے گفتگو کیجئے۔

عتبہ بن ربیعہ اٹھا اور حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رُوف و رحیمؐ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر سکوت طاری رہا پھر اس نے مہر سکوت توڑی اور یوں گویا ہوا۔

”اے میرے پیارے بھتیجے! حسب و نسب کے لحاظ سے جو تیرا مقام ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے لیکن تو نے اپنی قوم کو ایک بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے۔ تو نے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے تو انہیں بے وقوف کہتا ہے۔ ان کے خداؤں اور ان کے عقائد کی عیب چینی کرتا ہے ان کے باپ دادوں کو کافر کہتا ہے۔ اب میری بات سنو۔ میں چند تجاویز پیش کرتا ہوں ان پر غور کرو اور ان میں سے جو تجویز تمہیں پسند ہو وہ قبول کرلو۔ حضور پر نورؐ نے یہ سن کر فرمایا اے ابولولید! اپنی تجاویز پیش کرو میں سننے کے لیے تیار ہوں۔

عتبہ کہنے لگا۔ پہلی تجویز تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ جو تم کر رہے ہو۔ اگر اس سے تمہارا مقصد مال جمع کرنا ہے تو ہم تیرے سامنے تیرے لیے دولت کا انبار لگا دینے کے لیے تیار ہیں تاکہ تو سارے ملک عرب کا رئیس اعظم بن جائے۔

اور اگر اس کا مقصد عزت اور سرداری حاصل کرنا ہے تو ہم سب تم کو اپنا سردار ماننے کے لیے آمادہ ہیں تیرے حکم کے بغیر ہم کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔

اور اگر تم بادشاہی کے طلب گار ہو تو ہم سب تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔

اور اگر جنات کا کوئی اثر ہے جس سے مغلوب ہو کر تم نے ساری قوم کے خلاف محاذ قائم کر رکھا ہے تو ہم تیرا علاج کرانے کے لیے تیار ہیں۔ اس علاج میں جتنا بھی خرچ اٹھے گا وہ ہم برداشت کریں گے۔ تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

وہ کہتا رہا پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رُوف و رحیمؐ خاموشی سے سنتے رہے۔ جب وہ خود ہی چپ ہو گیا تو حضور انورؐ رحمت دو عالمؐ گویا ہوئے۔ ”اے ابولولید! تم نے اپنی بات پوری کر لی۔“

اس نے کہا ہاں! حضور انورؐ نے فرمایا اب میرا جواب سن۔

اس نے کہا فرمانیے میں سنتا ہوں۔

”اور حضور پر نورؐ نے فرمایا: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اور آپؐ نے سورہ حم سجدہ کی تلاوت پہلی آیت سے شروع کر دی۔“

حَمَّ ۝ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝
بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا
إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَأَعْمَلْ إِنَّا عَامِلُونَ ۝

حم۔ اتارا گیا ہے یہ قرآن رحمن و رحیم خدا کی طرف سے یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔ یہ قرآن عربی (زبان میں) ہے یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو علم و (فہم) رکھتے ہیں۔ یہ مژدہ سنانے والا اور بروقت خبردار کرنے والا ہے۔ بایں ہمہ منہ پھیر لیا۔ ان میں سے اکثر نے پس وہ ان سے قبول نہیں کرتے اور ان (ہٹ دھرموں) نے کہا ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے تم اپنا کام کرو ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

مندرجہ بالا ترجمہ سورہ حم سجدہ کی آیات 1 تا 5 کا ہے۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم، سید المرسلین خاتم النبیین حضور پر نور ﷺ کلام خالق و مالک کائنات، رب العالمین پڑھتے جا رہے تھے ابو ولید (عتبہ بن ربیعہ) دم بخود سنتا جا رہا تھا اس نے اپنے دونوں بازو پیٹھ کے پیچھے زمین پر جمالیے تھے اور وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت میں ڈوبا ہوا تھا۔

آپ ﷺ نے عتبہ بن ربیعہ کے سامنے سورہ حم سجدہ کے کوئی ساڑھے چار رکوع (آیت نمبر 1 سے آیت نمبر 37 تک) تلاوت فرمائے۔ اس سورہ مبارک کے کل 6 رکوع اور 54 آیات ہیں۔ 37 ویں آیت مبارک آیت سجدہ ہے۔ آیت 37 کا ترجمہ یہ ہے

”اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں رات اور دن اور سورج اور چاند۔ سجدہ نہ کرو سورج کو اور چاند کو اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا، اگر تم اس کے بندے ہو۔“

یہاں تک تلاوت فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے سجدہ کیا پھر حضور پر نور نبی کریم ﷺ رؤف و رحیم نے عتبہ بن ربیعہ (ابو ولید) کو مخاطب کر کے فرمایا۔

”جو تجھے سننا چاہئے تھا وہ تم نے سن لیا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔“

عتبہ بن ربیعہ اٹھ کر اپنے ساتھیوں کی طرف گیا۔ اسے آتا دیکھ کر وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے بعض نے کہا ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ عتبہ جو آ رہا ہے یہ وہ نہیں جو گیا تھا۔ اب اس کا چہرہ بالکل بدلا ہوا ہے اتنے میں عتبہ آ کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ بولے فرمائیے کیا کر آئے ہو؟ اس نے کہا میں نے وہاں ایک ایسا کلام سنا ہے بخدا میں نے اس سے پہلے اس جیسا کلام کبھی نہیں سنا۔ بخدا نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے۔ اے قوم

قریش! میری بات مانو اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ تم اس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ جو کلام میں سن کر آیا ہوں خدا کی قسم اس کا بہت بڑا نتیجہ نکلنے والا ہے۔

اگر عرب کے دوسرے قبائل اس کے ساتھ جنگ کر کے اس کا خاتمہ کر دیں تو تمہارا مطلب بغیر کسی تکلیف کے پورا ہو گیا۔ اور اگر سارے عرب پر اس نے غلبہ پالیا اور ان پر حکومت قائم کر لی تو وہ حکومت تمہاری ہی ہوگی۔ وہ عزت جو اس وقت اسے ملے گی وہ بھی تمہاری عزت ہوگی۔ اس طرح تم خوش نصیب ترین قوم ہو گے کہ بغیر کشت و خون کے تم عرب کے تاج و تخت کے مالک بن جاؤ گے۔

وہ یہ سن کر چیخ اٹھے اے ابوالولید! اس کی زبان کا جادو تم پر چل گیا ہے اور تم بھی اپنے مذہب سے مرتد ہو گئے ہو۔ عتبہ بولا۔ میں نے اپنی رائے تمہیں بتادی اب جو تمہاری مرضی ہو تم وہ کرو۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، امام یوسف صالحی شامی جلد 2 صفحہ 449)

اس واقعہ کے بارے میں ایک اور روایت بھی ہے کہ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ سے گفتگو کرنے کے بعد وہ قریش کے پاس لوٹ کر نہیں آیا بلکہ سیدھا گھر چلا گیا اور کئی روز تک اپنے قریشی بھائیوں سے ملاقات تک نہ کی۔ ابو جہل کہنے لگا اے گروہ قریش! میرا خیال ہے کہ عتبہ مرتد ہو گیا ہے اور محمد (ﷺ) کی طرف مائل ہو گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ عتبہ کو محمد (ﷺ) کے لذیذ کھانوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے یا اسے کوئی ایسی ضرورت لاحق ہو گئی ہے جو ان کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی اس لیے اس نے ہم سے منہ موڑ لیا ہے۔ اٹھو! اس کے پاس چلتے ہیں اور اس سے بات کرتے ہیں۔

ابو جہل ان سب کو لے کر عتبہ کے گھر پہنچا۔ اور کہنے لگا اے عتبہ! ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے اور محمد (ﷺ) کے فریفتہ ہو گئے ہو۔ اگر تجھے تنگ دستی کی شکایت ہے جس کی بنا پر تم گھر لذیذ کھانے نہیں پکوا سکتے تو ہمیں حکم دے ہم تیرے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تو غنی ہو جائے گا۔ اور اپنے گھر میں جیسے لذیذ کھانے چاہے گا پکوا لیا کرے گا اور وہاں کے دسترخوان پر جانے کی تمہیں محتاجی نہیں رہے گی۔

عتبہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ قریش کا رئیس تھا۔ دولت مند تھا مکہ کے دانش مندوں میں اس کا شمار ہوتا تھا لیکن کفر کی نحوست نے اس کی عقل سلیم کو مسخ کر دیا تھا۔ ابو جہل کے اس بیہودہ طعنہ نے اس کی اندھی عصبيت کو جگا دیا ابھار دیا۔ اور غضب ناک ہو کر اس نے قسم کھائی کہ آج کے بعد میں محمد (ﷺ) سے بات تک نہ کروں گا۔ تم سب کو علم ہے کہ میں قریش میں سب سے زیادہ دولت مند آدمی ہوں مجھے تمہاری خیرات کی کیا ضرورت ہے۔ پھر اس نے وہ سارا واقعہ بیان کیا جو ذکر ہو چکا ہے۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 313، 314)

جس کلام الہی کے اعجاز بلاغت سے عتبہ جیسے دشمن اسلام کو پانی پانی کر دیا اگر دنیاوی مفاد حائل نہ ہوتا تو وہ آج یقیناً حضور انور نبی کریم ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کر لیتا۔ اسی طرح باقی لوگ بھی اسلام

سے متاثر ہو رہے تھے۔ آج ایک کل دوسرا ساری رکاوٹوں کو عبور کر کے غلامی محمد رسول اللہ ﷺ کا ہار پہن رہا تھا۔ مکہ کے قریشی قبائل میں سے کوئی قبیلہ بھی ایسا نہ رہا تھا جس میں سے کوئی نہ کوئی ایمان نہ لایچکا ہو۔ اگر ان سے کوئی طاقتور شخص مسلمان ہوتا تو خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے۔ اگر اپنے جیسا کوئی ایسا کرتا تو اس کے ساتھ سارے تعلقات منقطع کر دیئے جاتے۔ لیکن اگر کوئی کمزور اور بے یار و مددگار یہ جسارت کر بیٹھتا تو اس کے لیے جینا حرام کر دیا جاتا۔ طرح طرح سے اسے ستایا جاتا۔ اسے تڑپتا دیکھ کر مسرت سے قہقہے لگائے جاتے۔ لیکن دست حبیب کبریاء ﷺ سے توحید کی شراب کا جام پینے والے اپنی جرأت و استقامت کے ایسے مظاہرے کرتے کہ پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیاں ادب سے ان کو خراج عقیدت و تحسین پیش کرنے کے لیے جھک جھک جایا کرتیں۔

براہ راست رابطہ و فدرسدارانِ مشرکین کا

مندرجہ بالا سے ملتا جلتا اور واقعہ بھی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں یہ پیشکش تنہا عتبہ نے کی تھی اور مندرجہ ذیل روایت میں یہی پیشکش پوری قوم کے سربر آوردہ لوگ اجتماعی طور پر بارگاہ حبیب کبریاء (ﷺ) میں پیش کرتے ہیں اس کے علاوہ یہاں حضور انور نبی کریم ﷺ کا جواب پہلے جواب سے مختلف ہے۔ نیز حضور ﷺ کے اس جواب کے بعد کفار نے شدید قسم کے رد عمل کا اظہار کیا ہے۔ یہ ساری چیزیں پہلی روایت میں نہیں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں ایک دوسرے واقعہ کو بیان کیا جا رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ

کفار کی دن بدن صورت حال بگڑتی جا رہی تھی۔ حالات قابو سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ بگڑتی ہوئی صورت حال پر قابو پانے کے لیے سارے قبائل کے سردار جمع ہوتے ہیں جن میں سے چند سربر آوردہ سرداروں کے نام یہ ہیں۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابوسفیان بن حرب۔ نضر بن حارث۔ ابوالختری بن ہشام۔ اسود بن مطلب۔ زمعہ بن اسود۔ ولید بن مغیرہ۔ ابو جہل بن ہشام۔ عبداللہ بن ابی امیہ۔ عاص بن وائل۔ نبیہ اور منبہ پسران حجاج۔ امیہ بن خلف وغیرہ۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 315)

یہ سارے سردار غروب آفتاب کے بعد کعبہ شریف کی پشت کی سمت میں جمع ہوئے۔ ان میں سے ایک بولا۔

محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو آدمی بھیج کر یہاں بلاؤ اور اس کے ساتھ دو ٹوک بات کرو چنانچہ ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر حضور انور ﷺ کی خدمت میں بھیجا گیا کہ آپ ﷺ کی قوم کے سارے سردار کعبہ کے پاس حرم میں اکٹھے ہیں۔ اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں وہ آج آپ ﷺ سے فیصلہ کن گفتگو کرنا چاہتے ہیں اس لیے آپ ﷺ آئیے اور ان سے بات کیجئے۔

پیغام سنتے ہی پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور سرکارِ دو عالم ﷺ تشریف لے آئے۔ اور ان کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے گفتگو کا اس طرح آغاز کیا۔

اے محمد (ﷺ)! ہم نے آج آپ کو بلا بھیجا ہے کیونکہ ہم آپ کے ساتھ فیصلہ کن بات کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم! جس مصیبت میں آپ نے اپنی قوم کو مبتلا کیا ہے ہم نہیں جانتے کہ کسی اور نے بھی اپنی قوم پر ایسی زیادتی کی ہو۔ آپ ہمارے باپوں کو گالیاں دیتے ہیں ہمارے دین میں سو سو عیب نکالتے ہیں ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ہمیں بے وقوف کہتے ہیں۔ آپ نے ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ کوئی بری بات ایسی نہیں رہی جس سے تم نے اپنی قوم کو پریشان نہ کیا ہو۔

اس ہنگامہ آرائی سے اگر آپ (ﷺ) کا مقصد دولت جمع کرنا ہے تو ہم آپ (ﷺ) کے لیے اتنا مال و زر جمع کر دیتے ہیں کہ آپ (ﷺ) ساری قوم میں امیر ترین آدمی بن جائیں گے اور اگر آپ (ﷺ) عزت و سیادت کے خواہش مند ہیں تو ہم سب آپ (ﷺ) کو بڑی خوشی سے اپنا سردار تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور اگر تخت و تاج کی آرزو میں آپ (ﷺ) یہ سارے پاؤں بیل رہے ہیں تو آپ (ﷺ) ہمیں بتائیے ہم متفقہ طور پر بصد مسرت آپ کے سر پر تاج شاہی سجانے کا اعزاز حاصل کریں گے۔ اور اگر آسیب اور جنات کا اثر ہے جس سے مجبور ہو کر آپ (ﷺ) نے اپنی قوم کا امن و سکون برباد کر دیا ہے تب بھی بتا دیجئے ہم آپ کا ماہر ترین طبیب سے علاج کرائیں گے خواہ اس علاج پر کتنا ہی روپیہ ہمیں خرچ کرنا پڑے ہمیں اس کی ذرا پروا نہیں۔

جب وہ اپنی تجاویز پیش کر چکے تو رہبر کائنات ہادی انس و جان ﷺ یوں گویا ہوئے

”ان چیزوں میں سے میں کسی چیز کا طلب گار نہیں۔ نہ مجھے مال و دولت کی خواہش ہے اور نہ ہی عزت و سیادت کی آرزو اور نہ میری نگاہوں میں تخت و تاج سلطانی کی کوئی قدر و قیمت ہے بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے مجھ پر کتاب نازل کی ہے۔ مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی رحمت کا مژدہ سناؤں اور اس کے عذاب سے بروقت خبردار کروں۔ میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے ہیں اور اپنی طرف سے تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ جو دعوت حق لے کر میں آیا ہوں اگر تم اس کو قبول کر لو گے تو دنیا و آخرت میں تم سعادت مند ہو گے اور اگر تم اس کو مسترد کر دو گے تو میں پھر بھی صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم ﷺ رُوف و رحیم ﷺ کے فیصلہ کن اندازِ تکلم نے انہیں بے بس کر دیا اور لگے حجت بازیاں کرنے۔ کہنے لگے اگر آپ (ﷺ) ہماری ان تجاویز کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے تو آپ کی مرضی۔ پھر ہماری اس درخواست پر غور فرمائیں آپ (ﷺ) جانتے ہیں کہ ہمارا شہر جس وادی میں آباد ہے

وہ بڑی تنگ وادی ہے پانی نایاب ہے اور اس کمی کے سبب ہم سے زیادہ مشکل گزران کسی کی نہیں۔ آپ ﷺ اپنے رب سے جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے یہ دعا کریں کہ وہ ان پہاڑوں کو یہاں سے دور ہٹا دے تاکہ میدان کشادہ ہو جائے۔ شام و عراق کی طرح یہاں بھی دریا جاری کر دے ہمارے آباؤ اجداد سے چند بزرگوں کو زندہ کر دے ان میں قصی بن کلاب کا زندہ ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ وہ راست گو شخص تھا۔ تاکہ ہم ان بزرگوں سے آپ کے بارے میں دریافت کریں کہ آپ سچے ہیں یا نہیں۔ اگر انہوں نے آپ (ﷺ) کی تصدیق کر دی اور آپ نے ہمارے دوسرے مطالبات بھی پورے کر دیئے تو ہم آپ (ﷺ) کی تصدیق کریں گے اس طرح ہمیں پتہ چل جائے گا کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ (ﷺ) کا بڑا رتبہ ہے اور آپ اسی کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان کی ہرزہ سرائی سنی اور فرمایا۔ اے قریشیو! اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے ان کاموں کے لیے مبعوث نہیں فرمایا۔ میں تو اس کا ایک پیغام لے کر تمہاری طرف آیا ہوں اور میں نے وہ پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے۔ اگر تم اسے قبول کر لو تو یہ تمہاری داریں کی خوش نصیبی ہے اور اگر تم اسے مسترد کر دو تو پھر بھی میں حکم الہی سے صبر کروں گا یہاں تک کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادے۔

وہ کہنے لگے کہ اگر آپ (ﷺ) ہمارے بھلے کے لیے کچھ نہیں کرتے تو نہ کریں ہمیں اصرار نہیں۔ لیکن اپنے لیے تو کچھ مانگیں زیادہ نہیں تو کم از کم تمہارا خدا ایک فرشتہ تمہارے ہمراہ کر دے جو آپ (ﷺ) کی ہر بات کی تصدیق کرے اور ہمیں آپ سے دور رکھے۔ نیز آپ (ﷺ) اپنے رب سے سوال کریں کہ اس ریگزار میں باغات اگادے محلات تعمیر کر دے زروسیم کے خزانوں کے ڈھیر لگا دے تاکہ موجودہ افلاس اور تنگ دستی سے آپ (ﷺ) کو نجات مل جائے۔ کسب معاش کی تکلیف سے آپ (ﷺ) بچ جائیں۔ آج کل تو آپ (ﷺ) بھی ہماری طرح بازار میں چکر لگاتے ہیں اور ہماری طرح اس سلسلہ میں پریشانیاں برداشت کرتے ہیں اگر آپ (ﷺ) کے بارے میں آپ کی یہ دعائیں قبولیت کا شرف حاصل کر لیں تب ہم مانیں گے کہ واقعی آپ (ﷺ) اس کے سچے رسول ہیں۔

ان کی بے معنی باتیں سننے کے بعد حضور انور ﷺ نے فرمایا میں تمہاری اس فرمائش پر عمل کرنے سے قاصر ہوں میں وہ نہیں جو اپنے رب سے ایسی حقیر چیزوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور نہ اس نے مجھے اس مقصد کے لیے مبعوث فرمایا ہے بلکہ اس نے مجھے بشیر و نذیر بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے۔

پھر وہ بولے۔ اگر ان کاموں میں سے کوئی کام آپ (ﷺ) نہیں کر سکتے تو چلے آسمان کا ایک ٹکڑا ہم پر گرا کر ہمارا قصہ پاک کر دیں۔ حضور (ﷺ) نے فرمایا یہ کام اللہ کی مرضی پر موقوف ہے جو وہ چاہے تمہارے ساتھ کرے۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 315 تا 317)

ان کے مطالبات کا قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے سورہ اسراء (سورہ بنی اسرائیل) کی مندرجہ ذیل آیات 90 سے 93 تک میں تقریباً ان کے سارے مطالبات یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ خالق و مالک کائنات ان آیات میں فرماتے ہیں۔

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۖ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ
وَعَنْبٍ فَتَفْجُرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ۖ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ
تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۖ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ
نُؤْمِنَ لِرُوقِكَ حَتَّى تُنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ ۚ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ۚ
ترجمہ: ”اور کفار نے کہا۔ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں
ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ یا ہو جائے آپ کے لیے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا پھر
آپ جاری کر دیں ندیاں جو اس باغ میں (ہر طرف) بہ رہی ہوں۔ یا آپ گرا دیں آسمان کو۔
جیسے آپ کا خیال ہے ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے۔ یا آپ اللہ تبارک تعالیٰ اور فرشتوں کو (بے نقاب
کر کے) ہمارے سامنے لے آئیں یا (تعمیر) ہو جائے آپ کے لیے ایک گھر سونے کا یا آپ
آسمان پر چڑھ جائیں بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ کہ آپ آسمان پر چڑھیں یہاں
تک کہ آپ اتار لائیں ہم پر ایک کتاب جسے ہم پڑھیں۔ آپ (ان سب خرافات کے جواب میں
اتنا) فرمادیں میرا رب ہر عیب سے پاک ہے اور میں کون ہوں مگر آدمی (اللہ کا) بھیجا ہوا۔“

(سورہ بنی اسرائیل آیات 90 تا 93)

آخر میں انہوں نے کہا کہ ہم نے تحقیق کی ہے ہمیں پتہ چلا ہے کہ یمامہ کا ایک شخص جس کا نام رحمٰن ہے وہ
آپ (ﷺ) کو یہ سب کچھ سکھاتا ہے اور آپ (ﷺ) اس سے سیکھ کر ہمیں سنا دیتے ہیں ہم بخدا رحمٰن پر ہرگز
ایمان نہیں لائیں گے یا محمد (ﷺ)! ہم نے آج اپنی طرف سے حجت پوری کر دی ہے۔ اب ہم آپ
(ﷺ) کا مقابلہ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ (ﷺ) ختم ہو جائیں یا ہم ہلاک ہو جائیں۔

(السيرة النبوية، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 317۔ السيرة النبوية، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 481)

ان کی یہ باتیں سن کر حضور انور رحمت دو عالم ﷺ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور گھر کی طرف چل
پڑے حضور ﷺ کے ساتھ ہی حضور انور ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا لڑکا عبد اللہ بن امیہ بن مغیرہ
بھی ساتھ اٹھا۔ اور حضور انور ﷺ کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ راستہ میں اس نے حضور پر نور ﷺ کو کہا یا محمد
(ﷺ) میری قوم نے بہت سی تجویزیں آپ (ﷺ) کے سامنے پیش کیں آپ (ﷺ) نے ان میں سے کوئی
تجویز نہیں مانی۔ پھر انہوں نے اپنے لیے چند مطالبات کئے وہ بھی آپ (ﷺ) نے مسترد کر دیئے۔ پھر یہاں

تک کہا اگر آپ (ﷺ) ہمارے لیے کچھ نہیں مانگتے تو آپ (ﷺ) کی مرضی۔ اپنے لیے تو اپنے رب سے باغات، محلات اور خزانے مانگئے اگر وہ آپ (ﷺ) کو بھی یہ چیزیں دے دے تو پھر بھی وہ آپ (ﷺ) پر ایمان لے آئیں گے وہ بھی آپ (ﷺ) نے ٹھکرا دی پھر انہوں نے وہ عذاب نازل کرنے کا مطالبہ کیا جس سے آپ (ﷺ) ہر وقت ان کو ڈراتے رہتے تھے۔ یہ بات بھی آپ (ﷺ) نے نہ مانی۔ بخدا میں تو اب کسی قیمت پر آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا۔

وہ یہ بیکار باتیں کرتا ہوا وہ اپنے گھر کی طرف چلا گیا اور پینمبر اوّل و آخر و اعظم، سرکارِ دو عالم ﷺ اپنے کاشانہ اقدس کی طرف مراجعت فرما ہوئے۔ اپنی قوم کی اس ہٹ دھرمی اور محرومی پر حضور ﷺ از حد کبیدہ خاطر اور غمزدہ تھے۔

حضور پر نورؐ نبی کریم ﷺ کے وہاں سے چلے آنے کے بعد قریش ابھی وہیں بیٹھے تھے کہ ابو جہل کہنے لگا اے گروہ قریش! اب تم نے دیکھ لیا ہماری اتنی مغز ماری کے باوجود وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ ہمارے دین کی عیب جوئی، ہمارے بتوں کی توہین، اور ہمیں احمق و بے وقوف کہنے سے نہیں رکے۔

میں نے بھی قسم کھائی ہے کہ کل میں بہت بھاری پتھر، جتنا میں اٹھا سکتا ہوں لے کر ان کی انتظار میں بیٹھوں گا جو نہی وہ سجدہ میں مجھے نظر آئیں گے (العیاذ باللہ) ان کے سر پر دے ماروں گا پھر تم مجھے ان کے حوالے کر دینا یا میرا دفاع کرنا یہ تمہاری مرضی۔ اس کے بعد بنو عبد مناف جو چاہیں میرے ساتھ کریں مجھے اس کی پروا نہیں۔ سامعین نے اس کا پروگرام سن کر پسندیدگی کا اظہار کیا اور اسے یقین دلایا۔

”خدا کی قسم! ہم تمہیں کسی قیمت پر ان کے حوالے نہیں کریں گے۔ اب جاؤ جو چاہتے ہو کرو۔“

(السيرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 318)

(اسیرہ النبویہ، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ 318)

دوسرے روز علی الصبح ابو جہل نے حسب وعدہ بھاری پتھر اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا اور حضور پر نور ﷺ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ حسب معمول صبح سویرے تشریف لائے حجر اسود اور رکن یمانی کی دیوار کو قبلہ بنا کر نماز کی نیت باندھ لی۔ ہجرت سے پہلے حضور انور ﷺ جب بھی نماز ادا کرنے لگتے اسی جگہ کھڑے ہوتے۔ کعبہ کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان رکھتے۔ قریش بھی ادھر ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے کہ ابو جہل کیا کرتا ہے۔ حضور انور ﷺ جب اپنے رب کی جناب میں سر بسجود ہوئے تو ابو جہل اٹھا۔ پتھر اٹھایا اور حضور پر نور ﷺ کی طرف چل پڑا جب قریب پہنچا تو وفعتہ پیچھے کی طرف بھاگا اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا اور کسی غیبی رعب سے اس پر رعب طاری تھا۔ جس ہاتھ میں اس نے پتھر اٹھایا ہوا تھا وہ سوکھ گیا یہاں تک کہ اس نے پتھر پھینک دیا۔ قریش دوڑ کر اس کے پاس آئے۔ پوچھا ابو الحکم! کیا بات ہے۔ کہنے لگا کہ جب پتھر اٹھا کر میں ان کے نزدیک پہنچا اور ارادہ کیا کہ اسے آپ (ﷺ) کے سر پر دے ماروں تو ایک نرا ونٹ

منہ کھولے مجھے کھانے کے لیے میری طرف لپکا اس کی کھوپڑی اتنی بڑی تھی اور اس کی گردن اتنی موٹی تھی کہ میں نے آج تک کسی اونٹ کی نہیں دیکھی۔

سردارانِ مشرکین کی ایک اور پیشکش

کفار نے پہلے حضرت ابوطالب کے ذریعہ حضورِ انور ﷺ کو اپنے مشن سے دست بردار کرنا چاہا اس میں ناکامی ہوئی پھر براہِ راست حضورِ انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر طرح طرح کی پیشکشیں شروع کر دیں۔ کبھی انفرادی طور پر کبھی اجتماعی طور پر ان سب کوششوں میں بری طرح ناکام ہوئے۔ لیکن ابھی تک وہ اس زعمِ باطل (خیام خیالی) میں مبتلا تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے اور افہام و تفہیم کے ذریعہ اسلام کی اس تحریک کو بال و پر نکالنے سے پہلے موت کی نیند سلا دیں گے۔ ان سابقہ کوششوں کے بعد ایک بار پھر وہ ایک وفد کی شکل میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آج ہم آپ ﷺ کی خدمت میں صرف ایک تجویز پیش کرنے کے لیے آئے ہیں اور اس کے مان لینے میں سو فیصدی آپ ﷺ کا ہی بھلا ہے۔ حضورِ انور ﷺ نے پوچھا وہ تجویز کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ

ایسا کریں ایک سال آپ ہمارے خداؤں لات و عزی وغیرہ کی ہمارے ساتھ مل کر پرستش کریں اور ایک سال ہم سب آپ کے ساتھ مل کر آپ کے خدائے واحد کی عبادت کریں گے۔ اس کی دلیل، منطق، فلسفہ انہوں نے یہ بتایا کہ ایک تو یہ کہ ہماری آپس کی بے اتفاقی اور جنگ و جدال ختم ہو جائے گا دوسرا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یا ہم حق پر ہیں اور جن معبودوں کی عبادت کرتے ہیں وہی سچے خدا ہیں تو ایک سال جب آپ (ﷺ) ہمارے ساتھ مل کر ان کی پوجا کریں گے تو ان کی برکتوں سے آپ (ﷺ) بھی مالا مال ہو جائیں گے۔ اور اگر ہمارے معبود باطل ہیں اور آپ (ﷺ) جس خداوند قدوس کی عبادت کرتے ہیں وہی سچا خدا ہے تو جب ہم ایک سال آپ (ﷺ) کے ساتھ مل کر اس کی عبادت کریں گے تو اس کی مہربانی اور نوازشات سے ہماری جھولیاں بھر جائیں گی۔ ہم بھی اس طرح محروم نہیں رہیں گے۔

ان کا یہ شیطانی فلسفہ سن کر پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہاری اس تجویز کا جواب اپنے رب سے پوچھ کر دوں گا۔ مجھے اس کی وحی کا انتظار ہے چنانچہ جبرائیل امین یہ سورت (سورہ کافرون) لے کر نازل ہوئے۔ جس میں رب کائنات نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔ درج ذیل میں مکمل سورہ کافرون کا ترجمہ پیش خدمت ہے اس میں کل چھ (6) آیات مبارک ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ۝ وَلَا اَنَا عٰبِدُ مَا عٰبَدْتُمْ ۝ وَلَا اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

ترجمہ: ”آپ فرما دیجئے اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا ان بتوں کی جن کی تم پرستش کرتے ہو

اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس خدا کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں اور نہ میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو۔ اور نہ کبھی تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔“

(سورہ کافرون، مکمل، آیات 6۲-۱)

حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے اللہ تبارک تعالیٰ کے فرمان کے مطابق انہیں مندرجہ ذیل آیات کے مطابق آگاہ کر دیا۔ وہ تو اہل زبان تھے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ نے سورہ کافرون تلاوت فرمائی اور وہ آپ ﷺ کی بات سمجھ گئے اور یوں انہیں مزید حیل و حجت کا موقع نہ ملا اور اس بار بھی وہ ناکام لوٹ گئے۔

قارئین کرام!

اب تک سرداران مشرکین مکہ کے کچھ عجیب و غریب مطالبات یا تجاویز و پیشکشیں ایسی گزر چکی ہیں کہ جن کو پڑھ کر جان کر کسی قاری کے دل میں یہ خیال آ سکتا ہے کہ مشرکین مکہ کے مطالبات اتنے مشکل تو نہ تھے اور پھر ایک نبی کے لیے جو اللہ تبارک تعالیٰ کا پیغمبر اول و آخر و اعظم، سید المرسلین خاتم النبیین (ﷺ) ہیں اور اللہ جل شانہ، کے محبوب خاص (ﷺ) ہیں ان (آپ ﷺ) کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا فرمانا اور اللہ تبارک تعالیٰ کا آپ ﷺ کی دعا قبول فرمانا اور دعا کے مطابق کر دینا کچھ مشکل تو نہ تھا اور اس کے تو بہت فائدے تھے۔ نہ آپ ﷺ اور نہ آپ کے پیروکاروں کو تکالیف، اذیتوں، دشواریوں سے گزرنا پڑتا نہ اتنی شد و مد سے تبلیغ دین کرنا پڑتی اور چند دنوں دین اسلام کو سب قبول کر لیتے تو ایک سال کے اندر اندر دین اسلام ساری دنیا میں پھیل جاتا۔

جہاں تک قاری کی اس سوچ کا تعلق ہے کہ حضور پر نور ﷺ دعا فرماتے تو خالق و مالک کائنات اللہ تبارک تعالیٰ دعا کے مطابق وحالات یا چیزیں ظہور پذیر فرما دیتے یہ بالکل بجا ہے، حق ہے، سچ ہے کیونکہ حضور انور ﷺ سے بڑھ کر اللہ جل شانہ، کو اس کائنات عظیم میں کوئی بھی اور کچھ بھی عزیز نہیں، پیارا نہیں، اللہ کے قریب نہیں ہے۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ تو ہر کچھ کرنے پر ہمہ وقت قادر ہیں۔ اسے تو صرف ارادہ فرمانا ہے، ”کن“ فرمانا ہے اور ہر کچھ نے خود بخود ظہور پذیر ہو جانا ہے وجود میں آ جانا ہے۔

لیکن نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا ایسا نہ کرنے کے لیے، دعا نہ فرمانے کے لیے، بے شمار خدائی حکمتیں پنہاں ہیں جنہیں عام قاری نہیں جانتا۔ اس لیے درج ذیل کو غور سے پڑھیں اور سمجھیں۔ اس سے ایسے خیالات و سو سے ختم ہو جائیں گے۔

حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ انہیں کفر و شرک کی ظلمتوں سے نکال کر توحید کی جگمگاتی ہوئی

شاہراہ پر گامزن کر دیا جائے۔ اس کے لیے جو تجاویز انہوں نے پیش کی تھیں ان کو عملی جامہ پہنانا اگرچہ کسی انسان کے بس کی بات تو نہیں لیکن اللہ تبارک تعالیٰ جس نے اپنے ایک کلمہ کن سے اس عالم رنگ و بو کو تخلیق فرمایا۔ اس کے سامنے کوئی مشکل نہ تھا کہ وہ ان پہاڑوں کو پرے دھکیل دیتا یا ان کا نام و نشان ہی مٹا دیتا اور مکہ کی وہ تنگ وادی وسیع اور فراخ ہو جاتی۔ جس نے ننھے اسماعیل کی ایڑی سے زمزم کا چشمہ جاری کر دیا اس کے لیے یہ امر ہرگز مشکل نہ تھا کہ وہ ایک دو دریا جاری کر دیتا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام نے اگر مردوں کو زندہ کیا تھا تو اللہ تبارک تعالیٰ اپنے محبوب کریم ﷺ کی نبوت کے بارے میں ان لوگوں کے جملہ شکوک دور کرنے کے لیے اگر قصی اور دیگر چند بزرگوں کو زندہ کر دینا قادر مطلق کے لیے قطعاً مشکل نہ تھا۔

اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کی ان تجاویز کو مسترد کر دیا۔

علماء کرام نے اس کی متعدد حکمتیں بیان کی ہیں۔ ایک حکمت تو یہ ہے کہ ان کے یہ سوالات اس لیے نہ تھے کہ وہ ہدایت قبول کریں گے۔ گمراہی کو چھوڑ کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں گے بلکہ انہوں نے ازراہ عناد ان امور کے بارے میں اصرار کیا تھا۔ اگر ان کی نیت ہدایت پذیری کی ہوتی تو اللہ تبارک تعالیٰ ضرور ان پر نظرِ رحمت فرماتا لیکن قدرتِ معاندین اور بدنہاد لوگوں کی ناز برداری نہیں کیا کرتی۔

دوسری حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کو علم تھا کہ اگر ان کے یہ سارے مطالبات پورے بھی کر دیئے گئے تو پھر بھی وہ اپنے کفر پر اڑے رہیں گے اور اس دعوت کو قبول نہیں کریں گے تو ایسے لوگوں کے بارے میں ان معجزات کے ظہور کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ چنانچہ اللہ تبارک تعالیٰ سورہ انعام آیت 112 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۖ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝

”اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو۔ تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تبارک تعالیٰ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں۔“ (سورہ انعام آیت 112)

علامہ سہلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ حکمت بیان کی ہے فرماتے ہیں کہ

کفار اللہ تبارک تعالیٰ کی حکمتوں سے بے خبر تھے اس لیے وہ اس قسم کی بے سرو پا فرمائشیں کیا کرتے تھے اگر انہیں ان حکمتوں کا علم ہوتا تو کبھی وہ اس قسم کی باتیں کرنے کی جسارت نہ کرتے۔ نبی پر ایمان وہ معتبر ہے جو اس کی بات کو سچا مان کر قبول کیا جائے۔ اور یہی انسان کی آزمائش ہے جو شخص نبی کے اقوال کو تسلیم نہیں کرتا لیکن اس کی فرمائش کے مطابق اگر کوئی معجزہ دکھایا جائے اور اسے وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لے تو پھر وہ

تسلیم کرے تو ایسا ایمان بارگاہِ الہی میں مقبول نہیں ہوتا۔ انہیں چاہئے تھا کہ وہ نبی جس کی زندگی کا بہت بڑا حصہ ان کے درمیان گزرا ہے اور اس کے دامن عصمت پر کوئی معمولی ساداغ بھی کہیں نظر نہیں آتا اس کی زبان سے نکلی ہوئی دعوت کو وہ بے چون و چرا تسلیم کر لیتے۔ نبی کے ارشاد پر تو ایمان لانے کے لیے وہ تیار نہیں لیکن اپنے ذاتی مشاہدات کو وہ حق کے پہچاننے کا معیار قرار دیتے ہیں ایسا ایمان اللہ تبارک تعالیٰ کی جناب میں منظور نہیں۔

نیز پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، حضور پر نور، نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اس سے پہلے بھی تو بے شمار معجزات دکھائے تھے اگر ان میں ایمان لانے کی صلاحیت ہوتی تو ان معجزات کے مشاہدے کے بعد ذرا تاثر نہ کرتے اور فوراً اس دعوت کو قبول کر لیتے پہلے معجزات سے انہوں نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ تو ان عقل کے اندھوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ اگر ان کی یہ فرمائش پوری کر دی جائیں تو وہ ایمان لے آئیں گے اور کوئی اور عذر لنگ پیش کر کے باطل سے چمٹے نہیں رہیں گے۔ (بل الہدیٰ والارشاد، امام یوسف صالحی، جلد 2 صفحہ 451)

اور اس کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ جب بھی کسی قوم نے اس قسم کا معجزہ طلب کیا اور ان کے مطالبہ پر وہ معجزہ دکھایا گیا اور پھر بھی وہ ایمان نہ لائے اور کفر پر اڑے رہے تو اسی وقت ان پر عذابِ الہی نازل ہوا اور ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا۔

قارئین کرام!

ایسے عذاب کی تو کئی مثالیں اب تک صفحہ ہستی پر موجود ہیں اور بستی یا شہر یا آبادی مدائن صالح ان میں سے ایک ایسی مثال ہے جسے کافی زیادہ لوگوں کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے کیونکہ یہ شہر یا بستی سعودی عرب میں ہے۔ اس زمانے میں بھی وہاں سے بڑی تجارتی راہ گزرتی تھی اور اب بھی وہ ایک گزرگاہ کے ساتھ ہے۔ اس شہر میں اس علاقہ میں قوم ثمود آباد تھی۔ اور یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ مدائن صالح اس وقت نافرمانوں اور برائیوں کا گڑھ تھا۔

قوم ثمود بہت بگڑی ہوئی قوم تھی۔ اس قوم نے اس رضا مندی اور خواہش کے ساتھ کہ معجزہ دیکھنے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے گی اور صدق دل سے پر خلوص فرمانبرداری، تابعداری یا اتباع کرے گی ان سے ایک معجزہ طلب کیا۔ آپ نے قوم کو فرمایا کہ میں اپنے رب سے دعا کروں گا اور وہ سامنے والے پہاڑ یا چٹان سے اللہ تبارک تعالیٰ تمہارے دیکھتے دیکھتے ایک اونٹنی پیدا فرمائے گا۔ اس کے بارے میں میں مزید قوم کو ہدایات دوں گا ان پر عمل کرنا ہوگا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کی تو قوم کے دیکھتے دیکھتے ہی سامنے نظر آنے والی چٹان، پتھر یا پہاڑ سے بحکم خالق و مالک کائنات، بحکم الہی ناقہ (اونٹنی) پیدا ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو ناقہ کے متعلق احکام فرمائے کہ اسے زمین میں جہاں چاہے کھلا چرنے دیں، اسکی باری والے دن اسے

پانی پینے دیں اور اسے کوئی کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے ورنہ دنیا میں ہی گرفتار عذاب ہو گئے اور مہلت نہ پاؤ گے۔ نافرمانی کی صورت میں بہت شدید عذاب نازل ہوگا۔

قومِ شمود بہت جلد ہی اپنے وعدے سے منحرف ہو گئی اور ان لوگوں نے چہار شنبہ (منگل) کو ناقہ کی کونچیں کاٹ دیں۔ اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو فرمایا کہ تم اس کے بعد تین دن اور زندہ رہو گے۔ پہلے روز (بدھ کو) تمہارے سب کے چہرے زرد ہو جائیں گے۔ دوسرے روز (جمعرات کو) سرخ اور تیسرے روز (جمعہ کو) سیاہ ہو جائیں گے اور چوتھے روز (ہفتہ کو) عذاب آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہفتہ کو دوپہر کے قریب آسمان سے ایک ہولناک آواز آئی جس کی ہیبت سے سب کے سب مر گئے اور ساتھ ہی آواز کے زلزلہ آیا یا اس آواز سے زلزلہ پیدا ہوا کہ سب کچھ تہس نہس ہو گیا۔

مندرجہ بالا کو سورہ اعراف آیات 76 سے 79 اور سورہ ہود آیات 64 تا 67 سے لیا گیا ہے۔

یہاں یہ سب کچھ کا بیان کرنے کا مقصد صرف اس حکمت سے آگاہ کرنا ہے کہ جب بھی کسی قوم نے اپنے نبی سے اس پر ایمان لانے اور اس کا اتباع کرنے کے عوض کے بدلہ میں کوئی معجزہ طلب کیا ہے اور اس نبی نے قوم کو وہ معجزہ دکھا دیا ہے وہ پھر بھی اگر ایمان نہ لائے اور کفر پر اڑے رہیں تو وہ قوم اپنے آپ کو فوری اور شدید عذاب الہی کی مستحق بنا لیتی ہے اور پھر وہ پوری قوم سے نہیں ملتا۔ ایسی صورتحال میں عذاب بتا کر آتا ہے اور سب کچھ کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔

اب قومِ شمود کو ہی لیجئے۔ عذاب الہی ان پر بتا کر آیا۔ ہر دن کی علامت بتادی تاکہ اذیت لمحہ بہ لمحہ بڑھتی رہے تین دن عذاب الہی بھی بتدریج بڑھتا رہا اور چوتھے دن ایک ہولناک آواز نے سب کو ہلاک کر دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ ہولناک آواز سے زلزلہ پیدا ہوا یا اسی کے ساتھ آیا اور وہ آواز (کڑک) اور زلزلہ ایسے تھے کہ جن پہاڑوں، چٹانوں میں تراشے ہوئے مکانوں، گھروں کے بارے میں قومِ شمود و فخر سے سوچا کرتی تھی کہ ان کے گھر نہ گرنے کے ہیں نہ ٹوٹنے پھوٹنے کے اور وہ ان گھروں مکانوں میں بہت محفوظ ہیں، اس کڑک نے اس زلزلے نے ان تراشیدہ مکانوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اور الٹا کر زمین پر گرادیا۔ اور رہتی دنیا تک کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔ ”اور اب تک کہتے ہی مکان اپنی چھتوں کے بل زمین پر الٹے پڑے ہیں۔“ سورہ حج آیت 45 میں ایسی ہی بستیوں کا ذکر ہے۔

لیکن اب معاملہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور سرکارِ دو عالم ﷺ کی امت کا ہے۔ اور آپ ﷺ کی امت میں سب انس و جان فرمانبردار، نافرمان، مسلمان، کافر سب ہی شامل ہیں۔ سرکارِ دو عالم، پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ رحمۃ اللعالمین بھی ہیں۔ میں مختصراً صرف یہی کہوں گا کہ آپ ﷺ ماننے والوں کے لیے خصوصاً اور نہ ماننے والوں کے لیے عموماً سراسر رحمت رب العالمین ہیں اس لیے طلب کردہ

عذاب اور اجتماعی عذاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔ درج ذیل حدیث مبارک پڑھئے اور رحمت للعالمین پر درود و سلام بھیجئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

”امام احمد۔ نسائی۔ حاکم اور ضیاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا آپ نے کہا اہل مکہ نے اللہ کے پیارے رسول ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ صفا کی پہاڑی کو سونا بنا دیا جائے اور پہاڑوں کو دور ہٹا دیا جائے تاکہ کھلے میدانوں میں وہ زراعت کر سکیں۔ جبرائیل امین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ کا پروردگار آپ کو سلام فرماتا ہے اور آپ کو یہ پیغام دیتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو صفا کی پہاڑی سونا بن جائے۔ لیکن پھر اس کے بعد ان میں سے کسی نے کفر کیا تو ان کو میں ایسے المناک عذاب میں مبتلا کروں گا جس میں آج تک کسی کو مبتلا نہ کیا گیا ہو۔ اور اگر آپ کی مرضی ہو تو میں ان کے لیے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رکھوں۔ حضور انورؐ نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اپنے کریم ورحیم خدا کی بارگاہ میں عرض کی کہ اے میرے پروردگار! تیرے اس بندے کی مرضی یہ ہے کہ تو ان کے لیے رحمت کا دروازہ کھلا رکھے۔“

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 1 صفحہ 482۔ سبل الہدیٰ والرشاد، امام یوسف صالحی جلد 2 صفحہ 458)

اسلام کا پہلا شہید

حارث بن ابی حالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کے بیٹے اور ہند ابی ہالہ کے بھائی تھے، ابن الکلمی اور ابن حزم کے مطابق وہ اللہ کے راستے میں شہادت کا شرف حاصل کرنے والے پہلے شخص ہیں جو حرم کعبہ میں رکن یمانی کے پاس شہید ہوئے۔

عسکری نے ذکر کیا ہے کہ اسلام کی ابتداء میں جب اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور انورؐ نبی کریم ﷺ کو اسلام کی کھلم کھلا تبلیغ کا حکم دیا تو ایک روز آپ ﷺ مسجد الحرام میں کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے، یہ سن کر مشرکین مکہ آپ ﷺ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ دیکھ کر حارث ابن ابی ہالہ آپ کو بچانے کے لیے آگے بڑھے تو کفار نے انہیں گھیر لیا اور بالآخر وہ شہید ہو گئے، اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس کے قریب تھی۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، ابن حجر عسقلانی جلد 2 صفحہ 292)



آپ ﷺ کی کردار کشی اور ہولناک ظلم و تشدد

اعلانِ نبوت سے پہلے آپ ﷺ اپنے اہل و عیال، خاندان و شہر میں بہت ہی پرسکون، عزت و احترام کے دن گزار رہے تھے۔ اپنی عادات حمیدہ کے سبب آپ سارے معاشرہ میں محترم تھے اور ہر ایک فرد جس سے بھی آپ کا واسطہ پڑتا تھا آپ ﷺ کا بے انتہا قدردان تھا، سر آنکھوں پہ بٹھاتا تھا۔ آپ کو سب ہی صادق و امین جانتے تھے۔ لیکن جیسے ہی آپ ﷺ نے اعلانِ نبوت کیا، سوائے چند ایک اشخاص کے سارا شہر، سارا معاشرہ ایک دم جان کا دشمن ہو گیا۔ ایک اللہ کی عبادت کرنے یا کلمہ طیبہ پڑھنے کا کیا کہہ دیا کہ سارے ماحول میں زلزلہ آ گیا۔ طوفان بدتمیزی و طوفان مخالفت نے سارے ماحول کو ایک دم اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہی لوگ جو آپ ﷺ کو سب سے زیادہ اچھا، نیک صفات، خدا ترس، مددگار، صادق و امین مانتے تھے آپ ﷺ کو نعوذ باللہ جھوٹا اور سحر زدہ کہنے لگے، ہر وقت کا جان کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ پہلے ایمان لانے والے جنہیں تاریخی زبان میں سابقون الاولون کہا جاتا ہے نے عرصہ تین سال تک چھپ چھپ کر عبادت کی اور وہ وقت کے فرعونوں کے سامنے آنے سے کتراتے رہے۔

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور ہادی دو جہاں، رحمت اللعالمین ﷺ نے بعثت کے دن سے، اعلائے کلمتہ الحق یعنی کہ کلمہ توحید بلند کرنے، دنیا میں اسلام پھیلانے کی جدوجہد میں، احسن طریقے سے دین کی تکمیل کی خاطر، اپنی ظاہری حیات کے آخری لمحے تک کوئی لمحہ، کوئی ساعت، کوئی دن بے فکری، سکون و آرام کا نہیں گزارا۔

آپ ﷺ نے اس بھاری ذمہ داری کو بخوبی نبھانے کے لئے، ہر گھڑی ہر پل ہر روز ایک مسلسل جدوجہد میں گزارا، جس کا مقصد اللہ تبارک تعالیٰ کی رضا کے مطابق انس و جان کو فرمان الہی پہنچانا تھا۔ یہ تبلیغ اسلام ہی تھی، اسی نوزائیدہ، ننھے، نازک پودے کی نشوونما پر آپ ﷺ نے اپنی ساری راحیں، آرام و سکون کو قربان کر دیا۔ آپ ﷺ کو، رب کے حکم کے مطابق اسے شاداب و تناور بنانے کا خیال ہی رہا اور ساری توانائیاں اسی مقصد کے لئے صرف ہوئیں۔ ہر وقت نئی مشکلات و چیلنج آتے رہے لیکن کوئی ایک صورت حال حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو دوسری صورت حال سے غافل نہ کر سکی۔ زندگی کے ہر پہلو کو بقدر ضرورت توجہ دی لیکن فوقیت ہر حال میں توحید کا کلمہ بلند کرنے کو ہی حاصل رہی۔ ہمیشہ ہی اللہ تبارک تعالیٰ کے پیغام کو اس کی مخلوق تک بہ احسن

و خوبی پہنچانا آپ کا محور رہا۔

جو ظلم و بربریت، صعوبتیں، تکالیف و پریشانیاں، اس دین کو ہم تک پہنچانے کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اٹھانا پڑیں وہ بیان سے باہر ہیں۔ حضور انور ﷺ نے خود فرمایا ہے کہ ”دین کے بارے میں جتنا مجھے ستایا گیا ہے اتنا کسی اور نبی، رسول کو نہیں ستایا گیا۔“ راستہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ مٹی اور دھول اوپر پھینکی گئی۔ کئی بد بختوں نے مارنے کی خاطر ہاتھ پائی کی۔ گلا گھونٹا گیا۔ قتل کے لئے کئی بار پروگرام بنے اور کئی فرعون صفت مشرکوں نے عملی کوشش بھی کی، گھر میں بھی غلاظت وغیرہ گراتے رہتے ہیں اور گلیوں بازاروں میں آوازہ کتے اور آرام و عزت سے گزرنے بھی نہ دیتے تھے۔ بارہا پتھروں سے زخمی کیا، لہو لہان کیا، اور تین سال تک شعب ابوطالب میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و عزیز و اقارب کے ساتھ سخت مشکلات و آزمائش کے دن گزارے، یہاں تک کہ مہینوں مہینوں کوئی انسانی کھانا کھانے کی چیز مہیا نہ ہوئی اور درختوں کے پتے، کھال، چھلکا اور جڑ وغیرہ کھا کر گزارہ کیا۔ تبلیغ اسلام کی مشرکین مکہ نے ہر ممکن شدید ترین مخالفت کی اور ہر ممکن رکاوٹ ڈالی۔

یہ برا سلوک و اذیت تقریباً ہر ایک صحابی کے ساتھ ہوا اور کچھ کے ساتھ تو یہ ظلم و ستم ہر روز کیا جاتا تھا۔ حضرت بلال، حضرت عمار، حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہم وغیرہ پر تو ہر روز مشق ستم ہوتی تھی۔ یہ لوگ اتنے مارے پیٹے اور ستائے گئے ہیں کہ خدا کی پناہ۔

حضرت حارث بن ابی ہالہ کو بے سبب کعبہ اللہ کے پاس قتل کر دیا گیا۔ حضرت سمیہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اور ضعیف خاتون تھیں اور وہ بالکل شروع میں ہی مسلمان ہو گئی تھیں انہیں ابو جہل نے ران میں نیزہ مارا جو پیڑ و سے آ رہا پار ہو گیا جس کی وجہ سے آپ شہید ہو گئیں۔

ان سنگدلانہ ایذا رسانیوں کا سلسلہ سالہا سال جاری رہا۔ حضور انور نبی کریم ﷺ روف و رحیم ﷺ اپنے رب کریم کے نام کو بلند کرنے کے لئے اور اس کی وحدانیت کے عقیدہ کو عام کرنے کے لئے ان تمام سختیوں کو ہنستے مسکراتے برداشت فرماتے رہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

”مجھے اللہ کی راہ میں اتنی اذیت دی گئی کہ اور کسی کو نہیں دی گئی اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا خوفزدہ کیا گیا جتنا اور کسی کو نہیں کیا گیا۔ مجھ پر تیس دن اور راتیں ایسی بھی گزریں کہ میرے لئے اور بلال کے لئے کھانے کے لئے کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکتا ہے مگر قلیل مقدار۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۷۱)

اگرچہ سارے مشرکین مکہ حضور پر نور ﷺ کو اذیت پہنچانے اور حضور انور ﷺ پر زبان طعن دراز کرنے میں مقدور بھر کوشاں رہتے تھے لیکن پانچ سرداران مشرکین تاجدار کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ پر ظلم و تشدد کرنے اور طرح طرح کے الزامات عائد کرنے اور پھبتیاں کہنے میں دیگر سب کفار سے بازی لے گئے تھے۔

ان پانچوں کے نام یہ ہیں۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل۔ حرث بن قیس۔ اسود بن عبد یغوث۔ اور اسود بن مطلب۔

جب ان کی دل آزاریاں انتہا کو پہنچ گئیں اور پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حبیبِ کبریا ﷺ کے دل نازک کو ہر وقت دکھ پہنچانا اس کا شعار ہو گیا تو اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

(سورہ حجر آیات ۹۵-۹۶)

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

”ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے جو بناتے ہیں اللہ تبارک

تعالیٰ کے ساتھ اور خدا، سو یہ ابھی جان لیں گے۔“ (سورہ الحجر آیات ۹۵-۹۶)

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے جس ناسازگار حالات میں دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز فرمایا ان میں کام کرنا بڑی جرأت آمیزی تھی۔ راستے میں رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کرنے والے لوگ بڑے قد آور، بار سوخ اور دولت و طاقت کے نشے میں بدمست تھے۔ وہ سب کچھ چھوڑ سکتے تھے مگر اپنی سرداری اور دنیاوی شان و شوکت سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے۔ مان جانا، جھک جانا، ان کے آمرانہ مزاج ہی کے خلاف تھا۔ اس لئے وہ نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کے کھلے دشمن بن گئے کیونکہ انہیں نظر آتا تھا کہ دین اسلام کے پھیلاؤ میں ان کے دنیاوی جاہ و جلال کی موت ہے۔

اہل مکہ کی زبردست مخالفت کا ایک سبب ان کا عشقِ بتاں بھی تھا۔

صدیوں کی اس پوجا پاٹ نے ان کے ذہنوں پر بتوں کی الوہیت کا نقش اتنا زیادہ گہرا کر دیا تھا کہ جب حضورِ پر نور نبی کریم ﷺ ان کی الوہیت کی نفی کرتے اور ان کی جھوٹی خدائی پر ضرب لگاتے تو ان کی عقیدت کو ٹھیس پہنچتی۔ اور جوابی کارروائی کے طور پر شد و مد سے حضورِ انور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت شروع کر دیتے۔ انہوں نے کبھی بھی اپنے اعمال و افعال پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرنے یا اپنے گریبان میں جھانکنے کی کوشش نہ کی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ ہمارے طور طریقے اور مذہبی نظریات دانش و بصیرت کے خلاف ہیں اور اگر یہ سب کچھ ہمارے آباؤ اجداد کی فرسودہ روایات کی پیداوار ہیں تو انہیں ترک کر دیں اور اس دین کو اپنالیں جو عقل و بصیرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور پتھروں کی پرستش کی ذلت سے ہٹا کر ایک خدا کی عبادت کی عزت عطا کرتا ہے۔

مگر اعتقادی گمراہی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لیتی ہے۔ بتوں کی محبت ان کے قلوب و اذہان پر چھا چکی تھی۔ جس نے ان کی فکری صلاحیتیں چھین لی تھیں اور انہیں اندھا بہرا اور گونگا بنا دیا تھا۔ اپنی سیادت اور چودھراہٹ کو بچانے کے لئے انہوں نے دین دشمنی اور مخالفت کی ایسی خوفناک فضا پیدا کر دی جو تبلیغ اور دعوت کے پھیلاؤ کے لئے انتہائی ناسازگار تھی۔ قائد کی ذات ہی مرکزی کردار ہوتی ہے انہوں نے تاک کر اسے نشانہ بنایا اور ذہنی صدمات پہنچانے کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا تاکہ گھبرا کر اپنے مشن سے دستکش ہو جائیں۔ ان کی یہ منفی کارروائیاں کسی مختصر مدت تک محدود نہ تھیں بلکہ سالوں پر پھیل گئیں اور مخالفتوں کے اس طوفان

نوراًم النور، نور رحمۃ للعالمین ۴۰۱۹ جلد دوم

بدتمیزی میں ایسی نازیبا حرکتیں بھی شامل ہو گئیں جن کا ایک مہذب اور شائستہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر مشرکین مکہ دشمنی کے جوش میں تہذیب و شائستگی کی تمام حدود پھلانگ گئے اور انہوں نے انسانی آداب اور معاشرتی تقاضے بالائے طاق رکھ دیئے خونی رشتے کا خیال و احساس تو بہت دور کی بات ہے حق ہمسائیگی بھول گئے اور مکمل کمینہ پن پر اتر آئے۔

ایسے اذیت ناک اعصاب شکن اور ذہنی دباؤ کے ماحول میں عام انسان کا سکھ چین رخصت ہو جاتا ہے اور وہ دلجمعی اور توجہ سے کوئی کام کرنے کے قابل نہیں رہتا اگر یہ کشمکش سالوں پر پھیلی ہوئی ہو اور بالکل ایک طرف ہو پھر فریق مخالف خون کا پیاسا ہو اور الجھنے کے بہانے ڈھونڈتا رہتا ہو تو ایسے ماحول میں طبیعت کے اندر جو گھٹن پیدا ہوتی ہے اس کا آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مگر اللہ کے عظیم رسول پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایسے حوصلہ فرسا ماحول میں بھی اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کی رضا کے لئے اپنا تبلیغی کام جاری رکھا اور اس میں بال برابر کمی نہ آنے دی۔

ناموافق حالات میں اپنے موقف پر ڈٹے رہنا اور اصولوں کا پرچار جاری رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ ایک عام ذہنی سطح اور کمزور اعصاب کا انسان ہمت ہار کر بیٹھ جاتا ہے اور خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں اتنی جرأت ہی نہیں رہتی کہ ان کا سامنا کرے اور قوت ارادی سے ان کا رخ موڑ دے۔ مگر اہل عزم و ہمت کی بات ہی اور ہے وہ ناسازگار حالات کی تند و تیز آندھیوں ہی میں فکر و نظر کے چراغ جلاتے ہیں اور دشمنوں کی پھونکوں سے اسے بجھنے نہیں دیتے۔ ان کی اس ہمت، عزم، حوصلہ جفاکشی محنت مشقت اور اپنے مشن کے لئے اس طرح سرگرم عمل رہنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے مالک کی رضا اور خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں اور اسی پر نظریں جمائے رکھتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ مولیٰ کی رضا اذیتیں سہہ کر مشن جاری رکھنے میں ہے تو وہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ مخالفوں اور عداوتوں کے طوفانوں کی پرواہ نہیں کرتے۔

چونکہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی جدوجہد کا مقصد صرف رضائے الہی تھا اس لئے بدترین حالات میں بھی ہمت و استقلال کا کوہ گراں بنے رہے اور کسی سے مرعوب نہیں ہوئے تھے اور اس حقیقت کبریٰ کا ثبوت حیات طیبہ کا ایک ایک دن مہیا کرتا ہے۔ دراصل پیغمبر اول و آخر و اعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین، حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی ساری حیات طیبہ اسی حقیقت کبریٰ سے عبارت ہے۔

ظلم و جور

سن ۴ نبوت میں جب پہلی بار تحریک دین اسلام منظر عام پر آئی تو مشرکین نے اسے دباؤ کے لئے وہ کارروائیاں انجام دیں جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ یہ کارروائیاں تھوڑی تھوڑی اور درجہ بدرجہ عمل میں لائی گئیں اور ہفتوں، ملک مہینہ، مشرکین نے اسے تباہ کرنے کی کوششیں کیں۔

کی۔ لیکن جب دیکھا کہ یہ کارروائیاں اسلامی دعوت کی راہ روکنے میں موثر ثابت نہیں ہو رہی ہیں تو ایک بار پھر جمع ہوئے اور ۲۵ سردارانِ مشرکین قریش کی ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا سربراہ رسول اللہ ﷺ کا چچا ابولہب تھا۔ اس کمیٹی نے باہمی مشورے اور غور و خوض کے بعد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف ایک فیصلہ کن قرارداد منظور کی۔ یعنی یہ طے کیا کہ اسلام کی مخالفت، پیغمبر اسلام کی ایذا رسانی اور اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے جور و ستم اور ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی جائے۔

(رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلیمان جلد ۱ صفحہ ۵۹، ۶۰)

مشرکین نے یہ قرارداد طے کر کے اسے رو بہ عمل لانے کا عزم مصمم کر لیا۔ مسلمانوں اور خصوصاً کمزور مسلمانوں کے اعتبار سے تو یہ کام بہت آسان تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے لحاظ سے بڑی مشکلات تھیں۔ آپ ﷺ ذاتی طور پر پر شکوہ، باوقار اور منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ دوست دشمن بھی آپ ﷺ کو تعظیم کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ ﷺ جیسی شخصیت کا سامنا اکرام و احترام ہی سے کیا جاسکتا تھا اور آپ ﷺ کے خلاف کسی بیچ اور ذلیل حرکت کی جرأت کوئی رذیل اور احمق ہی کر سکتا تھا۔ اس ذاتی عظمت کے علاوہ آپ ﷺ کو حضرت ابوطالب کی حمایت و حفاظت بھی حاصل تھی اور حضرت ابوطالب مکہ کے ان گنے چنے لوگوں میں سے تھے جو اپنی ذاتی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے اتنے باعظمت تھے کہ کوئی شخص ان کا عہد توڑنے اور ان کے خانوادے پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا۔

اس صورت حال نے قریش کو سخت قلق، پریشانی اور کشمکش سے دوچار کر رکھا تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ جو دعوت ان کے مذہبی پیشوائی اور دنیاوی سربراہی کی جڑ کاٹ دینا چاہتی تھی آخر اس پر اتنا لمبا صبر کب تک؟ بالآخر مشرکین نے ابولہب کی سربراہی میں حضور انور نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں پر ظلم و جور کا آغاز کر دیا۔ درحقیقت حضور پر نور ﷺ کے متعلق ابولہب کا موقف روز اول ہی سے جبکہ ابھی قریش نے اس طرح کی بات سوچی بھی نہ تھی، یہی تھا۔ اس نے بنی ہاشم کی مجلس میں جو کچھ کیا، پھر کوہ صفا پر جو حرکت کی اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس نے کوہ صفا پر نبی ﷺ کو مارنے کے لئے ایک پتھر بھی اٹھایا تھا۔

(ترمذی شریف)

بعثت سے پہلے ابولہب نے اپنے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کی شادی حضور انور نبی کریم ﷺ کی دو صاحبزادیوں رقیہ و زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کی تھی لیکن بعثت کے بعد اس نے نہایت سختی اور درشتی سے ان دونوں کو طلاق دلوا دی۔ (فی ظلال القرآن پارہ ۳۰ صفحہ ۲۸۲۔ تفہیم القرآن جلد ۶ صفحہ ۵۲۲)

اسی طرح جب حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابولہب کو اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ دوڑتا ہوا اپنے رفقاء کے پاس پہنچا اور انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ محمد ﷺ ابتر نسل (نسل بریدہ) ہو گئے ہیں۔ (تفہیم القرآن جلد ۶ صفحہ ۵۲۲)

ایام حج میں ابولہب نبی کریم ﷺ و رحیم ﷺ کی تکذیب کے لئے بازاروں اور اجتماعات میں آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا تھا۔ طارق بن عبد اللہ محاربی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص صرف تکذیب ہی پر بس نہیں کرتا تھا بلکہ پتھر بھی مارتا رہتا تھا جس سے آپ ﷺ کی ایڑیاں خون آلود ہو جاتی تھیں۔

(ترمذی)

حج کے ایام قریب تھے۔ قریش مکہ کو علم تھا حج کرنے کے لئے قبائل دور دور سے آتے ہیں اور محمد بن عبد اللہ (رسول اللہ ﷺ) اور ان کی نبوت کا شہرہ ملک کے طول و عرض میں پھیل چکا ہے۔ جو فود اور تجارتی قافلے ادھر آتے ہیں انہوں نے آہستہ آہستہ نئے دین اور تحریک دین اسلام کی خبر ہر جگہ پہنچا دی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں نبی منتظر ﷺ سے ملنے اور ان کی باتیں سننے اور ان کی تعلیمات سے آگاہ ہونے کا اشتیاق پیدا ہو گیا ہے۔ انہوں نے سوچا اگر آنے والوں کو براہ راست اس نبی ﷺ سے ملنے اور ان کی پر حکمت باتیں سننے کا موقع مل گیا تو گھر گھر اسلام پھیل جائے گا اور لوگ دھڑا دھڑا مسلمان ہونے لگ جائیں گے اور وہ سماجی اور فکری انقلاب آ جائے گا جو محمد رسول اللہ ﷺ کا مشن اور اصلی مقصد ہے۔

ولید بن مغیرہ بہت چالاک، عمر میں سب سے بڑا اور حالات پر گہری نظر رکھنے والا گھاگ قسم کا انسان تھا۔ اس نے تمام چیلوں کو جمع کیا اور انہیں ایک بہت بڑے خطرے کا احساس دلایا۔ ابناء عرب، عرب کے سپوتو! تم جانتے ہو لوگ حج کے لئے آنے والے ہیں مکہ مکرمہ کے گلی کوچے زائرین سے کھچا کھچ بھر جائیں گے۔ معاشرتی اجتماعات ہوں گے، میلے لگیں گے، محفلیں جمیں گی۔ تم محمد (ﷺ) کے کلام کی تاثیر اور زبان کی فصاحت و بلاغت اور گفتگو کی شیرینی سے واقف ہو وہ دل موہ لیتی ہے دماغوں کو متاثر کرتی ہے۔ اگر آنے والوں تک اس کا کلام پہنچ گیا تو سمجھ لو کہ ہم گئے اور وہ آ گیا۔

اس کا خطاب ہی جادو ہے اگر اس کے جادو کے اثر سے زائرین کو دور رکھنا اور اپنے مادی مفادات اور دنیاوی جاہ و جلال کا تحفظ کرنا ہے تو ابھی سے منصوبہ بندی کر لو اجتماعی سوچ بچار اور انفرادی غور و خوض کے بعد ایک نقطے پر جمع ہو جاؤ اور محمد (مصطفیٰ ﷺ) کے بارے میں ایک متفقہ رائے قائم کر لو اور پھر سب زور شور سے اس کا پرچار شروع کر دو، منظم طریقے سے اس کی کردار کشی کی مہم چلاؤ۔ جب ہم سب کی طرف سے ایک ہی بات بار بار اعتماد کے ساتھ کہی جائے گی تو زائرین کو یقین آ جائے گا اور وہ اس کی بات توجہ اور دلجمعی سے نہیں سنیں گے اور نتیجتاً تم اپنا مقصود حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

مجلس میں حاضر تمام سرداروں کی باچھیں کھل گئیں ان کے نزدیک ولید بن مغیرہ کی ساری باتیں سو فیصد درست تھیں جس خطرے کی اس نے نشاندہی کی وہ واقعی سر پر منڈلا رہا تھا۔ وہ بیک زبان ملتجی ہوئے کہ آپ نے خطرہ محسوس کیا ہے اب آپ ہی اس سے بچنے کا راستہ بھی بتائیں۔ ولید بن مغیرہ نے کہا: سب اپنی اپنی رائے دو میں صائب رائے کی منظوری دے دوں گا۔ ایک سردار نے کہا: ہم ڈھنڈا رہا پشیم۔ اگر کہہ دوں گا: ”کاہوہ“۔

طرح لوگ اس کے قریب آنے سے گریز کریں گے۔

ولید نے تنقید کی: بالکل غلط رائے ہے کاہن لوگ بے معنی تک بندی کرتے ہیں۔ مگر محمد (ﷺ) جو بات کہتا ہے وہ تو حکمت و موعظت سے لبریز ہوتی ہے۔ دوسرے سردار نے کہا: ہم کہیں گے وہ ”مجنون“ ہے۔ ولید نے اس خیال کو بھی رد کر دیا بولا: ہم نے دیوانے اور مجنون لوگ دیکھے ہیں جنہیں اپنا بھی ہوش نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں تو دانش و بصیرت کے گلستان کھلے ہوئے ہیں ان کی ذات نظافت و طہارت اور پاکیزگی کا پیکر ہے۔ ایسے میں کون یقین کرے گا کہ یہ دیوانہ ہے۔

تیسرا بولا: ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔ ولید نے کہا: یہ دعویٰ بھی بے جا ہے اس کا حقیقت و اصلیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ ہم لوگ خود سخن شناس اور شاعری کی تمام اصناف سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس سے بھادر ہونے والا کلام کسی صنف شاعری سے نہیں ملتا۔ چوتھے نے مشورہ دیا: تم مشہور کر دو کہ وہ جادوگر ہے۔ ولید نے کہا: دوستو! یہ دعویٰ بھی بے حقیقت ہے جادوگروں کی گندگی اور بیہودہ زندگی سے ہم واقف ہیں۔ وہ معاشرے کے غلیظ ترین اور انتہائی گرے ہوئے لوگ ہوتے ہیں جبکہ محمد (ﷺ) ہمارے ہی قول کے مطابق صادق و امین اور حسن و جمال کا پیکر ہے۔

سب لوگ ٹپٹا گئے اے عرب کے دانا فرزند! جب ہماری آراء اور مشورے تیرے نزدیک قابل عمل نہیں تو پھر تو ہی کچھ کہہ! اور اس مشکل کا حل پیش کر! تاکہ ہم اس پر عمل پیرا ہوں اور اپنے خاندانی شرف کا دفاع کریں۔ ولید نے کہا:

”خدا کی قسم! اس کے کلام میں مٹھاس ہے اس کی جڑ مضبوط ہے اس کی شاخیں ریلے پھلوں سے لدی ہوئی ہیں تم جو تہمت بھی لگاؤ گے اس کا پتہ چل جائے گا کہ یہ باطل اور جھوٹ ہے البتہ قریب ترین بات یہ ہے کہ تم ”جادوگر“ کہنے پر اتفاق کر لو اور لوگوں کو ڈراؤ کہ وہ ایسا کلام لے کر آیا ہے جس کے ذریعہ وہ باپ بیٹے میاں بیوی بھائی بھائی اور خاندان اور اس کے افراد کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔“ (السيرة النبوية، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۷۰)

قارئین کرام!

درج ذیل میں مذکور روایت، واقعہ کا ایک اور باب میں بھی ذکر کر دیا گیا ہے لیکن اس کے وہاں ذکر کرنے سے مجھے سردارانِ مشرکین مکہ پر قرآن حکیم فرقانِ حمید کا اثر بتانا مقصود تھا اور یہاں تاریخِ دین اسلام میں مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی، خباثت بھری سوچ اور قبائلی عصبیت کو ظاہر کرنا ہے۔

ابو جہل اور دیگر امراء نے بھی اس رائے کو سراہا اور قریباً اسے ہی تھوڑا بہت قابل عمل سمجھا کیونکہ کاہن مجنون اور شاعر والی بات تو ان کے نزدیک بھی سرے سے بنتی ہی نہیں تھی۔ لوگ زیارت کر کے پہلی ہی نظر میں بھانپ لیتے کہ یہ ہستی وہ کچھ نہیں ہے جو اس کے بارے میں کہا گیا ہے البتہ جادوگر کی معاشرے پر ایک دہشت

ہوتی ہے جس کا نام لے کر ڈرایا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے کردار کشی کے لئے یہ منصوبہ تو بنالیا مگر سب چور تھے کسی کا دل اس تہمت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا سب اپنے طور پر سمجھ رہے تھے کہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ ان کی عزت و عظمت اور سیاسی اقتدار کی بقا کا سوال ہے۔ اگر کردار کشی کی زوردار مہم نہ چلائی گئی اور پیٹ بھر کر جھوٹ نہ بولا گیا تو بہت تھوڑے عرصہ میں انقلاب آ جائے گا۔ لوگ محمد (ﷺ) کے پرچم تلے جمع ہو جائیں گے اور ان کی جھوٹی معاشرتی قد ریں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گی۔

ان حالات میں وفد کے ممبران میں سے ابوسفیان ابو جہل اور اخنس بن شریق کورات بھر نیند نہ آئی۔ وہ اپنے اپنے گھروں سے ایک دوسرے سے بے خبر نکلے اور کاشانہ نبوت کے قریب کان لگا کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے کسی کو ایک دوسرے کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔

اللہ کے پیارے نبی حضور پر نور ﷺ کیف و سرور اور جذب و استغراق کے عالم میں بڑے پرسوز اور اثر آفرین لہجے میں کلام ربانی کی تلاوت فرما رہے تھے تینوں سنتے رہے۔ اعجاز بلاغت نے تینوں کو ششدر کر دیا۔ زبان شناس فصیح و بلیغ اور سخنور لوگ تھے، مبہوت و مسحور ہو گئے۔ دل ہی دل میں اس کی عظمت و انفرادیت کو سراہا اور تسلیم کیا کہ تلاوت کیا جانے والا واقعی بے مثل، طاقت بشر سے خارج اور اعجازی شان کا حامل کلام ہے جس کی رفعت و ندرت میں کوئی شک نہیں۔ ان کے اوسان خطا ہو گئے، حواس اڑ گئے جب اجالا پھیلنے لگا تو بھاگے۔ خدشہ لاحق ہوا کسی نے دیکھ لیا تو سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا مگر ہونی ہو کر رہتی ہے۔ ڈر خوف کے باوجود ان کا بھانڈا حقیقتاً چورا ہے میں پھوٹ گیا۔ تینوں چورا ہے میں جمع ہو گئے اور ایک دوسرے کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔

تینوں چور تھے آپس میں وعدہ کیا کہ وہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ مگر دوسری رات وہ پھر نہ رہ سکے اور اس رات بھی ان کا راز ایک دوسرے کے سامنے کھل گیا۔ اب انہوں نے پختہ عہد کیا کہ آئندہ کسی قیمت پر بھی وہ ایسی حرکت نہیں کریں گے کیونکہ اس میں صریحاً نبی اکرم ﷺ کی جیت ہے لوگ جان لیں گے کہ ان کا کلام وحی الہی ہے جس سے بلغاء و صفحاء بھی متاثر و مرعوب ہیں۔ لیکن وہ فی الحقیقت مرعوب ہو چکے تھے اس لئے تیسری رات بھی وہ کشاں کشاں کاشانہ عالیہ کے قریب پہنچ گئے اور کلام الہی سننے میں منہمک رہے۔

آخر دن کے وقت اخنس بن شریق ابو جہل کے پاس گیا اور کہا ایمان لانے والی بات دوسری ہے مجھے صرف اتنا بتا دو محمد (رسول اللہ ﷺ) کا کلام سچا ہے یا نہیں؟ ابو جہل نے جواب دیا: یہ سب معاشرتی اور خاندانی رقابت ہے محمد (ﷺ) سچا ہے لیکن ہم نے اگر اسے نبی تسلیم کر لیا تو بنی ہاشم کو فوقیت حاصل ہو جائے گی جو ہمیں کسی قیمت پر بھی گوارا نہیں۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۱۵)

مطلب یہ تھا کہ سوال نبی کی صداقت کا نہیں بلکہ اپنی خاندانی وجاہت کا ہے۔ جسے ہم ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں اس لئے ”سچے نبی“ کی کردار کشی کی مہم زوردار انداز سے چلائیں گے اور لوگوں میں مدگماناں

پھیلائیں گے اور مشہور کر دیں گے کہ جادوگر ہے اور اس کے علاوہ بھی جو کچھ بن پڑا وہ سب کچھ کہیں گے۔ چنانچہ ایام حج شروع ہونے کے ساتھ ہی حسب پروگرام کردار کشی کی مہم بھی شروع ہو گئی۔

ولید بن مغیرہ، اخص بن شریق، امیہ بن خلف اور نصر بن حارث نے کردار کشی کی اس نامساعد مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ باتیں بنا بنا کر بدنام کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا اور اپنی طرف سے لوگوں کی نظروں سے گرانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ امیہ بن خلف جب بھی حضور ﷺ کو دیکھتا تو آوازے کستا اور چوٹیں کرنے سے باز نہ آتا۔ مجلس میں سامنے اور پیٹھ پیچھے اس کا یہی کام تھا گویا اس نے خود کو اس مقصد شنیع کے لئے وقف کر دیا تھا۔

عربی زبان میں علانیہ کردار کشی اور نکتہ چینی کرنے والے کو ”ہمزہ“ اور آگے پیچھے لگائی بھائی کرنے والے چغل خور کو ”لمزہ“ کہتے ہیں امیہ بن خلف میں یہ دونوں عیب پائے جاتے تھے اس لئے اس کی مذمت میں۔ مکمل سورہ ہمزہ نازل ہوئی۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللَّهِ الْمَوْقَدَةُ ۝ الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْأَفْنِدَةِ ۝ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوَصَّدَةٌ ۝ فِي عَمَدٍ مُّمدَّدةٍ ۝

ترجمہ: ”کردار کشی اور چغل خوری کرنے والے ہر شخص کے لئے ہلاکت و بربادی ہے جس نے مال جمع کر لیا ہے اور اب اسے گن گن کر رکھ رہا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ مال اسے دائمی زندگی بخش دے گا ایسا ممکن ہی نہیں وہ آتش دوزخ میں پھینکا جائے گا اے انسان! تو کیا جانے وہ دوزخ کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو اپنے ہول کے ساتھ دلوں پر چھا جائے گی بے شک وہ لمبے لمبے ستونوں میں ان پر بند کر دی جائے گی۔“ (سورہ ہمزہ آیات ۱ تا ۹ مکمل)

ولید بن مغیرہ اس پروپیگنڈہ مہم میں امیہ بن خلف سے بھی دو چار قدم آگے تھا۔ اس کے بارے میں سورہ قلم میں مندرجہ ذیل آیات 10 سے 13 نازل ہوئیں جنہوں نے اس کے تمام پول کھول کر رکھ دیئے۔

وَلَا تُطِيعُ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَاءٍ ۝ بَنِيمٍ ۝ مِّنَ الْخَيْرِ مُعْتَدٍ ۝ أُتِيَ ۝ بَعْدَ ذَلِكَ رَنِيمٌ ۝

ترجمہ: ”آپ اس کی طرف دھیان نہ دیں جو بڑی قسمیں اٹھانے والا ہے ذلیل ہے کردار کشی کی مہم چلانے والا ہے۔ چغل خور ہے خیر و فلاح اور (دینی تحریک میں) شمولیت سے روکنے والا حد سے بڑھ جانے والا سرکش اور گناہگار ہے بڑا ہی تند خو ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ حرام زادہ ہے۔“

(سورہ قلم آیات ۱۰ سے ۱۳)

نصر بن حارث بڑا باتونی افسانہ طراز اور داستان گو شخص تھا اسے نمک مرچ لگا کر چٹخارے وار کہانیاں

سنانے کا فن خوب آتا تھا اسے سیاحت و تجارت کے دوران کہیں سے رستم و اسفندیار کے قصے مل گئے جو دیومالائی کہانیوں کی طرح بہت دلچسپ تھے۔ اس شخص نے عام لوگوں کو یہی چسکا ڈال دیا جب حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کسی مجلس میں تبلیغ فرما کر گھر تشریف لے جاتے تو یہ لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیتا اور انہیں رستم و اسفندیار کے تخیلاتی قصے سناتا۔ لوگ ان میں کھو جاتے اور سب کچھ بھول کر یہی سنتے رہتے۔ نصر بن حارث انہیں بتاتا جس طرح میں نے یہ کہانیاں جمع کی ہیں اسی طرح محمد (ﷺ) نے بھی کہیں سے حاصل کر لی ہیں۔ وہ تمہیں قوم عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تمہیں رستم و اسفندیار کی جنگوں کے واقعات سناتا ہوں بنیادی طور پر دونوں ایک ہیں اس لئے تم لوگ ان کی باتوں پر دھیان نہ دو۔ اور نہ اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑو چنانچہ اس کی مذمت اور رد میں بھی یہ آیات نازل ہوئیں۔ سورہ فرقان آیت ۵ میں اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالُوا اسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

ترجمہ: ”اور وہ بولے! یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو انہوں نے لکھ لی ہیں پس وہ صبح و شام ان پر پڑھی جاتی ہیں۔ (سورہ فرقان آیت ۵)

جھوٹی اور باطل باتوں پر قسمیں کھانا ولید بن مغیرہ، اسود بن یغوث اور اخنس بن شریق کا معمول تھا یہ بری صفت ان تینوں میں مشترک تھی۔ پرلے درجے کے جھوٹے اور مکار لوگ تھے۔ باقی آیات مبارک کا تعلق ولید بن مغیرہ کی بری عادات و صفات سے ہے۔

اخنس بن شریق ثقفی بھی رسول اللہ ﷺ کے ستانے والوں میں تھا۔ قرآن حکیم فرقان حمید میں ولید بن مغیرہ کے نو برے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جس سے اس کے کردار کا اندازہ ہوتا ہے۔ سورہ قلم کی آیات 10 سے 13 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُطِيعُ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَاءٍ ۝ بِنَمِيمٍ ۝ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ ۝ عَتَلٍ ۝ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ ۝

ترجمہ: ”تم بات نہ مانو کسی قسم کھانے والے ذلیل کی جو لعن طعن کرتا ہے، چغلیاں کھاتا ہے۔ بھلائی سے روکتا ہے، حد درجہ ظالم، بد عمل اور جفا کار ہے اور اس کے بعد بد اصل بھی ہے۔“

(سورہ قلم آیات ۱۰ تا ۱۳)

ابو جہل کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر قرآن سنتا تھا لیکن بس سنتا ہی تھا۔ ایمان و اطاعت اور ادب و خشیت اختیار نہیں کرتا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی بات سے اذیت پہنچاتا اور اللہ کی راہ سے روکتا تھا۔ پھر اپنی اس حرکت اور برائی پر ناز اور فخر کرتا ہوا جاتا تھا۔ گویا اس نے کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام دے دیا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ قیامہ کی آیات 31 تا 33 اسی شخص کے بارے میں نازل ہوئیں:

فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى ۝ وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۝ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَمَاطِي ۝

ترجمہ: ”نہ اس نے صدقہ دیا نہ نماز پڑھی، بلکہ جھٹلایا اور پیٹھ پھیری۔ پھر وہ اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کے پاس گیا۔“ (سورہ قیامہ آیات ۳۱ تا ۳۳)

اس شخص نے پہلے دن جب حضور پُر نورؐ نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسی دن سے آپ ﷺ کو نماز سے روکتا رہا۔ ایک بار حضور پُر نورؐ نبی کریم ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ اس کا گزر ہوا۔ دیکھتے ہی بولا، محمد (ﷺ)! کیا میں نے تجھے اس سے منع نہیں کیا تھا؟ ساتھ ہی دھمکی بھی دی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ڈانٹ کر سختی سے جواب دیا۔ اس پر وہ کہنے لگا۔ اے محمد (ﷺ)! مجھے کاہے کی دھمکی دے رہے ہو، دیکھو! خدا کی قسم! اس وادی (مکہ) میں میری محفل سب سے بڑی ہے۔ اس پر اللہ تبارک تعالیٰ نے سورہ علق کی آیات ۱۷، ۱۸ نازل فرمائی:

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝

ترجمہ: ”اچھا! تو وہ بلائے اپنی محفل کو ہم بھی سزا کے فرشتوں کو بلائے دیتے ہیں۔“

(فی ظلال القرآن پارہ ۳۰ صفحہ ۲۰۸)

امیہ کا بھائی اُبی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط کا گہرا دوست تھا۔ ایک بار عقبہ نے حضور پُر نورؐ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھ کر کچھ سنا۔ اُبی کو معلوم ہوا تو اس نے عقبہ کو سخت ست کہا، عتاب کیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ جا کر رسول اللہ ﷺ کے منہ پر تھوک آئے۔ آخر عقبہ نے ایسا ہی کیا۔ خود اُبی بن خلف نے ایک مرتبہ ایک بوسیدہ ہڈی لا کر توڑی اور ہوا میں پھونک کر رسول اللہ ﷺ کی طرف اڑادی۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۶۱، ۲۶۲)

کہانیاں سنا کر گمراہ اور غافل کرنے کا ذکر سورہ لقمان کی آیت ۶ آیت کریمہ میں بھی ہے آخر میں اس کی سزا بھی سنادی گئی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

ترجمہ: ”اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو بے کار باتیں (غافل کرنے والی باتیں) خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکائے اور نادانی کی وجہ سے اسے مذاق کا نشانہ بنائے ان کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔“ (سورہ لقمان آیت ۶)

کردار کشی کی اس مہم میں اور لوگ بھی شریک تھے جو انہوں نے پوری قوت اور زور شور کے ساتھ چلائی اور جو کچھ ان سے بن پڑا وہ کیا۔ جھوٹ بولا ہمتیں لگائیں، اذیتیں دیں، لوگوں کو متنفر کرنے کی کوششیں کی مگر حضور انورؐ نبی کریم ﷺ نے بالکل ہمت نہ ہاری۔ نہایت ثابت قدمی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ فرماتے رہے اور اپنا مشن جاری رکھا۔ دعوت و تبلیغ کے عمل میں کوئی کمی نہ آنے دی مکہ مکرمہ سے باہر کے لوگ اس تحریک میں شامل ہوتے رہے اور مشن کی تقویت کا باعث بنتے رہے۔

جب ان لوگوں نے دیکھا کہ ہماری کردار کشی اور بدنام کرنے والی جملہ کوششوں سے ان کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ لوگ زیادہ دلچسپی اور توجہ کے ساتھ آپ ﷺ کی بات سنتے ہیں اور حضور انور نبی کریم ﷺ بھی جرأت و بہادری کے ساتھ اپنے تبلیغی و انقلابی کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں تو بہت سیخ پا ہوئے۔ فیصلہ کر لیا کہ اب وہ بزور بازو اس تحریک کو دبانے اور بانی تحریک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے اور انجام کی پرواہ کئے بغیر ذات گرامی پر تشدد کریں گے اور ان کی صداقت و امانت اخلاص و شرافت صلاحیت و قابلیت اخلاقی عظمت اور کردار کی بلندی کی طرف کوئی دھیان نہیں دیں گے۔ بے شک یہ اوصاف قابل احترام ہیں اور انسانیت کے حوالے سے ان کے بالا قامت ہونے پر دلالت کرتے ہیں مگر اس احترام اور اعتراف سے ان کا اپنا سیاسی قد چھوٹا ہوتا ہے۔ دنیاوی مفادات کو نقصان پہنچتا ہے جو کسی صورت گوارا نہیں۔ لیکن یہ ان کی سوچ تھی جو کارگر ثابت نہ ہوئی۔ قدرت کو جو منظور تھا وہ ہو کر رہا اور کردار کشی کی مہم تحریک دین اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکی اور اسلام کا نور روز بروز ہر سو پھیلتا چلا گیا۔

ان فتنہ انگیز پر آشوب حالات میں بغض و عناد کی ان تند و تیز آندھیوں میں بھی اللہ تبارک تعالیٰ کا محبوب بندہ (ﷺ) اپنے رب کریم کی توحید کی دعوت کو عام کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے ہر گھر میں یہ پیغام پہنچا رہے ہیں۔ ہر مجمع میں اس کا اعلان فرما رہے ہیں۔ ہر خلوت میں اسی کا ذکر ہے۔ مکہ کے ہر کوچہ و بازار میں اللہ تبارک تعالیٰ کی وحدانیت کا چرچا کر رہے ہیں۔ یہ ساری کوششیں ایک نقطہ پر مرکوز ہیں کہ پہلے جزیرہ عرب اور پھر ساری دنیا کے گوشہ گوشہ میں خالق و مالک کائنات، قادر مطلق کی یکتائی کا ڈنکا بجنے لگے۔ انسانوں کی پیشانیاں معبودانِ باطل کے آستانوں کو چھوڑ کر صرف اور صرف اس حی و قیوم کی بارگاہ بے کس پناہ میں سجدہ ریز ہوں جو ساری کائنات کا سچا اور حقیقی خالق اور مالک ہے۔

ہر شخص جس سے ملاقات ہوتی ہے آزاد ہو یا غلام، کمزور ہو یا توانا، غریب ہو یا امیر، مرد ہو یا عورت سب کو یہی درس دیا جا رہا ہے۔ لا الہ الا اللہ۔ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے) لا الہ الا اللہ۔ اس کے علاوہ دنیا کی کسی چیز سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ کفار و مشرکین اذیت رسانی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رہے لیکن ہر جو رستم حضور انور نبی کریم ﷺ و رحیم ﷺ کے ذوق بندگی اور شوق محبت کو کم کرنے کے بجائے فزوں سے فزوں تر کرتا چلا جاتا ہے۔ اس اذیت رسانی میں حضور پر نور ﷺ کا چچا ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل، جس کا نام اروی بنت حرب بن امیہ ہے اور جو ابوسفیان کی بہن ہے سب سے پیش پیش ہے۔ امام احمد بن حنبل، ربیعہ بن عباد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا۔ میں نے ذوالحجاز کے میلہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا حضور انور ﷺ فرما رہے تھے۔

”اے لوگو! کہو کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ تبارک تعالیٰ کے یہ کہو گے تو دونوں جہانوں میں سرخرو ہو جاؤ گے۔“

حضور وعظ فرما رہے ہیں لوگوں کا جمگھٹا ہے۔ آپ کے پیچھے ایک شخص لگا ہوا ہے جس کی آنکھیں بھینگی اور چہرہ چمکدار ہے بالوں کی دوٹیس اس کے گلے میں لٹکی ہوئی ہیں وہ بلند آواز سے چیخ رہا ہے۔ ”یہ شخص بے دین ہے کاذب ہے۔“ حضور پر نور ﷺ جدھر جاتے ہیں وہ آپ کے پیچھے جاتا ہے۔

میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے انہوں نے بتایا کہ لا الہ الا اللہ کی تبلیغ کرنے والے محمد (ﷺ) ہیں اور یہ ان کا چچا ہے اور اس کا نام ابولہب ہے۔ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۶۲)

امام بیہقی، ربیعہ الدکلی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذی الجاز کی منڈی میں دیکھا حضور انور ﷺ لوگوں کے گھروں میں جا جا کر ان کو اللہ تبارک تعالیٰ کی توحید کی دعوت دیتے تھے۔ حضور پر نور ﷺ کے پیچھے پیچھے ایک شخص تھا جس کی آنکھیں بھینگی تھیں جس کے رخسار چمک رہے تھے وہ یہ اعلان کرتا پھرتا تھا۔

”اے لوگو! یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے اور تمہارے باپ دادا کے دین سے گمراہ نہ کر دے۔“

میں نے لوگوں سے پوچھا یہ اعلان کرنے والا کون ہے انہوں نے بتایا یہ ابولہب ہے۔

بنی کنانہ قبیلہ کا ایک آدمی روایت کرتا ہے کہ ذی الجاز کی منڈی میں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا حضور انور ﷺ فرما رہے تھے۔

”اے لوگو! کہو لا الہ الا اللہ، فلاح پاؤ گے۔“

میں نے دیکھا کہ ایک آدمی حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے ہے اور آپ پر مٹی ڈال رہا ہے پس میں نے غور کیا تو وہ ابولہب تھا اور وہ کہہ رہا تھا اے لوگو یہ شخص تمہیں تمہارے دین سے گمراہ نہ کر دے اس کی مرضی یہ ہے کہ تم لات وعزئی کی پرستش کو چھوڑ دو۔

ابولہب کی طرح اس کی بیوی ام جمیل اروی بنت حرب بھی حضور پر نور ﷺ کی عداوت میں اندھی ہو چکی تھی۔ جب یہ سورت (تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ) نازل ہوئی تو اس کا وہ جذبہ عناد کئی گنا بڑھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبوترہ سا پتھر تھا جسے وہ گھر سے لے کر حضور انور ﷺ کی تلاش میں حرم شریف آئی۔ اس وقت حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے انہوں نے جب اس ظالم عورت کو حضور پر نور ﷺ کی طرف آتے دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ! یہ بڑی بد زبان عورت ہے۔ فحش کلامی اس کی فطرت ہے، بہتر ہے حضور پر نور ﷺ یہاں سے تشریف لے جائیں ایسا نہ ہو کہ وہ حضور انور ﷺ کو اپنی بد کلامی اور ہرزہ سرائی سے اذیت پہنچائے۔

حضور پر نور ﷺ نے فرمایا ابوبکر فکر نہ کرو۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی جب وہ قریب پہنچی تو کہنے لگی۔ اے ابوبکر! تیرے دوست نے میری ہجو کی ہے، انہیں کیا ہو گیا ہے کہ میرے بارے میں شعر کہنے شروع کر دیئے ہیں۔ آپ نے فرمایا یا بخدا! آپ ﷺ تو شعر نہیں کہا کرتے دوسری روایت میں ہے آپ نے کہا اس گھر کے

رب کی قسم! انہوں نے تیری جگو نہیں کی ہے اور نہ وہ شاعر ہیں وہ کہنے لگی آپ میرے نزدیک سچے ہیں۔ اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے واپس چلی گئی کہ سارے قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار عبد مناف کی بیٹی ہوں۔ اور جس کا باپ عبد مناف ہے کسی کو زیب نہیں دیتا کہ اس کی مذمت کی جسارت کرے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں صرف میرے ساتھ ہی باتیں کرتی رہی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک وہ کھڑی رہی ایک فرشتہ اپنے دونوں پروں سے مجھ پر پردہ کئے رہا۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو کہا آپ اس سے پوچھیں کہ تمہیں میرے پاس کوئی اور شخص بھی نظر آ رہا ہے؟ آپ نے جب اس سے پوچھا تو کہنے لگی تم میرے ساتھ مذاق کرتے ہو بخدا مجھے تو تمہارے پاس اور کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا۔

دوسری روایت میں ہے کہ وہ اس وقت آئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے اور حضرت ابوبکر و عمر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اس کے ہاتھ میں ایک لمبوترہ پتھر تھا جب وہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑی ہوئی تو اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کی بینائی سلب کر لی وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ رہی تھی لیکن ان دو صاحبان کو دیکھ رہی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر اس نے پوچھا کہ تمہارے صاحب کہاں ہیں آپ نے پوچھا تم انہیں کیا کہنا چاہتی ہو؟ وہ کہنے لگی مجھے اطلاع ملی کہ اس نے میری جگو کی ہے اگر میں اس کو پالوں تو اس پتھر سے اس کے منہ پر ضرب لگاؤں گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیوقوف عورت! آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر تو نہیں پھر اس نے کہا اے خطاب کے بیٹے! میں تجھ سے بات نہیں کر رہی کیونکہ وہ آپ کی سخت مزاجی سے واقف تھی اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی کہ ان ستاروں کی قسم! تمہارا دوست شاعر ہے اور میں بھی شاعرہ ہوں جس طرح اس نے میری جگو کی میں بھی اس کی جگو میں شعر کہوں گی اور یہ کہہ کر واپس چلی گئی۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی یا رسول اللہ شاید اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتی میرے درمیان اور اس کے درمیان اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک حجاب تان دیا تھا۔

علامہ سیوطی نے در منثور میں یہ روایت نقل کی ہے ایک روز حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے وہ آئی اور کہنے لگی یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو نے کس بنا پر میری جگو کہی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا میں نے تیری مذمت نہیں کی بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے تیری جگو کی ہے۔ وہ کہنے لگی آپ نے مجھے کبھی ایندھن سر پر اٹھائے دیکھا کہ مجھے حَمَالَةَ الْحَطَبِ (اگائی سکھائی کرنے والی۔ ایندھن سر پر اٹھانے والی) کہا ہے اور کبھی میرے گلے میں کھجور کی چھال کی رسی دیکھی ہے کہ میرے بارے میں کہا فِی جَنْدِهَا حَبْلٌ "مِنْ مَسَدٍ" (کہ گلے میں مونج کی رسی ہوگی) اس کے اس قول سے ان مفسرین کے قول کی تائید ہوتی ہے جنہوں نے حَمَالَةَ الْحَبِّ کا معنی "چغٹل خوری کرنے والی" کیا ہے اور اس رسی سے وہ رسی مراد ہے جو آگ کا بنی ہوگا اور ست گز لمبا ہوگا۔

اور روزِ خ میں اس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔

اکثر علماء نے اس کا ترجمہ ایندھن اٹھانے والی کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دن بھر جنگل میں کانٹے اور خاردار ٹہنیاں چنتی رہتی تھی اور رات کو حضور پر نور ﷺ کے راستہ میں پھینک دیتی تھی بعض روایات میں ہے جب سورۃ تبت نازل ہوئی اور ام جمیل نے سنی غصے سے بے قابو ہو گئی اور اپنے بھائی سفیان کے گھر گئی اور اسے جا کر کہا اے میرے بہادر بھائی کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہوا کہ محمد (رسول اللہ ﷺ) نے میری ہجو کی ہے، کہنے لگا میں ابھی اس کا بدلہ لیتا ہوں۔ پھر تلوار لے کر بجلی کی سرعت کے ساتھ گھر سے نکل گیا تھوڑی دیر کے بعد تیزی سے بھاگتا ہوا لوٹ آیا۔ ام جمیل نے پوچھا کہ کیا اسے قتل کر آئے ہو؟ ابوسفیان نے بڑی حسرت سے پوچھا اے میری بہن! کیا یہ بات تمہیں خوش کرتی ہے کہ تیرے بھائی کا سر کسی اژدھا کے منہ میں ہو؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ اس نے کہا کہ جب میں تلوار لے کر ان کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک اژدھا منہ کھولے میری طرف بڑھ رہا ہے اور مجھے نگلنا چاہتا ہے۔ اس کے خوف سے میں پیچھے بھاگ آیا۔

ابتداء میں مشرکین سے مومن عورتوں کے نکاح کی ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا حضور انور ﷺ کی دو صاحب زادیاں حضرت رقیہ اور ام کلثوم ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے عقد میں تھیں۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر حکم دیا کہ تم فوراً ان کی لڑکیوں کو طلاق دے دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میرا تمہارا کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا۔ ابھی ان دو صاحب زادیوں کی رخصتی نہیں ہوئی تھی چنانچہ ظالم باپ کے بے رحم بیٹوں نے حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کے قلب نازک کو دکھ اور رنج پہنچانے کے لئے انہیں طلاق دے دی۔

اذیت پہنچانے کا کوئی ایسا طریقہ نہ تھا جس سے انہوں نے رحمت دو عالم ﷺ کو دکھ نہ پہنچایا ہو۔ مندرجہ بالا طریقوں کے علاوہ اپنے بغض باطنی کا اس طرح بھی اظہار کیا کرتے تھے کہ اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے حضور پر نور ﷺ کے کاشانہ اقدس میں ڈال دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابولہب، عقبہ بن ابی معیط۔ حکم بن ابی العاص جو حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کے پڑوسی تھے ان کا ہر روز کا یہی معمول تھا۔ حضور پر نور ﷺ صبر و تحمل کے ساتھ ان کی اس رذیل حرکت کو بھی برداشت فرماتے اور اس کوڑے کو اٹھا کر باہر پھینکتے اور صرف اتنا فرماتے۔

”اے عبد مناف کے بیٹو! تم ہمسائیگی کا حق خوب ادا کر رہے ہو۔“

(السیرة النبویہ، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۱۰۔ الروض الانف جلد ۱ صفحہ ۱۸۴)

عقبہ بن ابی معیط بے حیائی اور خبث باطنی میں سب سے آگے تھا۔ وہ حضور انور ﷺ کا پڑوسی تھا۔ وہ غلاظت اکٹھی کر کے حضور ﷺ کے دروازے پر پھینک دیا کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

”میں دو شریر پڑوسیوں میں گھرا ہوا تھا ایک طرف ابولہب اور دوسری طرف عقبہ بن ابی معیط تھا۔“

وہ دونوں لید اور گوبر اکٹھا کر کے لے آتے اور میرے دروازے پر آ کر پھینک دیا کرتے۔“

(السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد ۱ صفحہ ۲۲۶، دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۳۶)

اپنے خبث باطنی اور بغض کے باعث ان سے رذیل حرکتیں سرزد ہوا کرتیں۔

ابولہب اس کے باوجود یہ ساری حرکتیں کر رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا چچا اور پڑوسی تھا۔ اس کا گھر آپ کے گھر کے ساتھ متصل تھا۔ اسی طرح آپ کے دوسرے پڑوسی بھی آپ ﷺ کو گھر کے اندر ستاتے تھے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جو گروہ گھر کے اندر رسول اللہ ﷺ کو اذیت دیا کرتا تھا وہ یہ تھا۔ ابولہب، حکم بن ابی العاص بن امیہ، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمران ثقفی، ابن الاصداء ہذلی۔ یہ سب کے سب آپ ﷺ کے پڑوسی تھے اور ان میں سے حکم بن ابی العاص کے علاوہ کوئی بھی مسلمان نہ ہوا۔ ان کے ستانے کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھتے تو کوئی شخص بکری کی بچہ دانی اس طرح ٹکا کر پھینکتا کہ وہ ٹھیک آپ ﷺ کے اوپر گرتی۔ چو لھے پر ہانڈی چڑھائی جاتی تو بچہ دانی اس طرح پھینکتے کہ سیدھے ہانڈی میں جا گرتی۔ آپ ﷺ نے مجبور ہو کر ایک گھروند ا بنا لیا تا کہ نماز پڑھتے ہوئے ان سے بچ سکیں۔

بہر حال جب آپ ﷺ پر یہ گندگی پھینکی جاتی تو آپ ﷺ اسے لکڑی پر لے کر نکلتے اور دروازے پر کھڑے ہو کر فرماتے: ”اے بنی عبد مناف یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟ پھر اسے ایک طرف ڈال دیتے۔“

(الروض الانف جلد ۱ صفحہ ۱۸۴۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۱۶)

ایک روز عقبہ بن ابی معیط نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے رخ روشن پر تھوکنے کی گستاخی کی بجائے اس کے کہ تھوک آگے جائے وہ آگ کا انگارہ بن کر اس کے رخسار پر آگری اور اس کو جلا کر رکھ دیا جس کا برص کی طرح کا سفید داغ ساری عمر اس کے چہرے پر باقی رہا۔ (دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۳۶۔ الروض الانف جلد ۱ صفحہ ۱۸۴)

علامہ برہان الدین حلبی نے اپنی کتاب سیرت (السیرۃ الحلبیہ) میں ایک واقعہ لکھا ہے۔

کہ حضور پُر نور سرورِ دو عالم ﷺ عقبہ بن ابی معیط کے پاس بکثرت تشریف لے جاتے تھے ایک دفعہ عقبہ اپنے سفر سے واپس آیا تو قریش کے تمام روساء کی ضیافت کا اہتمام کیا اور حضور ﷺ کو بھی دعوت دی۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے اس کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ فرمایا جب تک تم لا الہ الا اللہ کی شہادت نہ دو میں تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا عقبہ نے کہا! اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد انک رسول اللہ چنانچہ حضور پُر نور ﷺ نے اس کی ضیافت میں شرکت کی اور کھانا تناول فرمایا۔ فارغ ہو کر لوگ چلے گئے عقبہ، ابی بن خلف کا دوست تھا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ عقبہ نے تو کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے۔

ابی بن خلف اس کے ہاں آیا اور اس سے پوچھا اے عقبہ! کیا تم مرتد ہو گئے ہو اس نے کہا بخدا نہیں۔ بات یہ ہوئی کہ ایک مرد شریف میرے گھر آیا اور اس نے میرا کھانا کھانے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ میں کلمہ شہادت پڑھوں۔ مجھے شرم محسوس ہوا کہ میں نے اسے گناہ کا شکار کر دیا۔

میں نے کلمہ شہادت پڑھا ہے۔ میرے دل نے اسے قبول نہیں کیا۔ ابی بن خلف نے کہا! جب تک تو محمد (ﷺ) سے ملاقات کر کے اس کی گردن پر اپنے پاؤں نہ رکھے اس کے چہرے پر نہ تھوکے اس کو طمانچہ نہ لگائے اس وقت تک میرا چہرہ دیکھنا تجھ پر حرام ہے۔

عقبہ بن ابی معیط نے ایسا کرنے کا وعدہ کیا پھر جب عقبہ حضور پر نور ﷺ کے روبرو ہوا تو اس نے رخ انور پر تھوکنے کی جسارت کی۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کو آگ کا انگارہ بنا دیا اور اسے واپس اس کے منہ پر دے مارا جہاں وہ لگا وہ جگہ جل گئی اور برص کی طرح وہاں سفید داغ پڑ گیا جو اس کی موت تک باقی رہا۔ اس بد بخت کے بارے میں ہی اللہ تبارک تعالیٰ نے سورہ فرقان کی آیات 27 تا 29 نازل فرمائی:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۚ يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ اتَّخَذْتُ فُلَانًا خَلِيلًا ۚ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ۝

ترجمہ: ”اور اس روز ظالم (فرط ندامت سے) کانٹے گا اپنے ہاتھوں کو۔ (اور) کہے گا کاش میں نے اختیار کیا ہوتا رسول مکرم کی معیت میں نجات کا راستہ۔ ہائے افسوس کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔ واقعی اس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آ جانے کے بعد۔ اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو (مشکل کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے۔“

(سورہ الفرقان آیات ۲۷ تا ۲۹)

ابولہب کے بارے میں یہی ہے کہ وہ حضور انور ﷺ کو اپنی زبان سے طعن و تشنیع کر کے غمزدہ کیا کرتا تھا۔ لیکن ابو جہل کی عداوت میں خست اور کمینگی بھی تھی وہ دست تعدی دراز کرنے سے بھی باز نہیں آتا تھا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب سے مروی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ میں ایک دن مسجد میں تھا۔ ابو جہل ملعون آگیا اور کہنے لگا کہ میں نے اللہ تبارک تعالیٰ کی نذر مانی ہے کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو سجدہ کی حالت میں دیکھوں گا تو اپنا قدم آپ کی گردن پر رکھوں گا۔ یہ سن کر میں حضور پر نور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے مذموم ارادہ سے آگاہ کیا۔ حضور انور پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ غضبناک ہو کر اٹھے اور مسجد حرام میں تشریف لے گئے میں نے کہا کہ آج بڑا شر و فساد کا دن ہے۔ حضور پر نور ﷺ نے وہاں جا کر سورہ علق کی تلاوت شروع کی جب اس آیت پر پہنچے۔

”ہاں بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو اعمال کے لئے جواب دہ نہ

ہونا (مستغنی) دیکھتا ہے۔“ (سورہ علق آیات ۶-۷)

کسی نے ابو جہل کو کہا یہ محمد (ﷺ) ہے۔ اس بد باطن کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس کو اس کی نذر یاد دلائے۔

ابو جہل کہنے لگا۔

”کہ تم وہ نہیں دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں۔ بخدا آسمان کا سارا افق مجھ پر مسدود کر دیا گیا ہے۔“
جب سرکارِ دو عالم ﷺ اس سورت کی انتہا تک پہنچے تو آپ نے سجدہ کیا۔

امام بخاری سے یہ روایت منقول ہے کہ ابو جہل نے ایک دن کہا اگر میں نے محمد (ﷺ) کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو میں اپنے پاؤں سے ان کی گردن کو پامال کروں گا۔ جب اس کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو حضور ﷺ نے فرمایا اگر اس نے ایسا کرنے کی جرأت کی تو فرشتے اس کو پکڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے اور سب لوگ اپنی آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کریں گے۔ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۶۶)

ایک روز پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ کعبہ شریف کے قریب نماز پڑھ رہے تھے تو یہ مغرور کہنے لگا کیا میں نے یہاں نماز پڑھنے سے تمہیں منع نہیں کیا تھا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ جتنے میرے دوست ہیں اتنے اور کسی کے نہیں، نبی کریم ﷺ نے اسے جھڑک دیا اسی وقت جبریل امین حاضر ہوئے اور سورہ علق کی آیات 17، 18 کا یہ پیغام ربانی سنایا۔

فَلْيَذْغُ نَادِيَهُ ۝ سَنَذْغُ الزَّبَانِيَةَ ۝

ترجمہ: ”اسے کہو کہ وہ اپنے دوستوں کو بلائے ہم اپنے فرشتوں کو ان کا دماغ درست کرنے کے لئے بھیج دیں گے۔“ (سورہ علق آیات ۱۷-۱۸)

جبریل نے کہا اللہ کی قسم اگر اس نے اپنے دوستوں کو بلایا تو اسی وقت عذاب کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔

ایک روز پھر اس بد بخت نے حضور انور ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تو کہنے لگا کہ کیا تمہارے سامنے محمد (ﷺ) اپنے چہرہ کو خاک آلود کرتا ہے یعنی سجدہ کرتا ہے لوگوں نے کہا ہاں۔ اس ملعون نے کہالات و عزلی کی قسم اگر میں نے اس کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا تو اس کی گردن کو اپنے پاؤں سے روند ڈالوں گا۔ اور اس کے چہرے کو آلود کر دوں گا۔

ایک روز حضور پر نور ﷺ نماز پڑھ رہے تھے تو وہ نزدیک آیا تا کہ اپنے خبیث ارادہ کی تکمیل کرے لیکن قریب آتے ہی اچانک اٹھ پاؤں پیچھے بھاگا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا (دونوں ہاتھ ہوا میں اس طرح مارنے لگا جیسے اپنا دفاع کر رہا ہو) اسے دوسرے موجود مشرکین نے کہا تمہیں کیا ہو گیا؟ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا میرے درمیان اور ان کے درمیان ایک خندق ہے جس میں آگ بھڑک رہی ہے ایک ہولناک منظر ہے اور فرشتے پر مارتے نظر آ رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ بد بخت میرے قریب آتا تو فرشتے اس پر جھپٹ پڑتے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور پیکرِ حلم و رحمت ﷺ کفار کی اذیت رسانیوں کو صبر اور حوصلہ سے برداشت کرتے تھے۔ وہ ناکارہ حضور نہ تھے بلکہ صبر و حلم کے دریا تھے۔

کرتے جاتے اس کے باوجود حضورِ انور ﷺ نے کبھی بھی اور کسی کو بھی بددعا نہ دی کیونکہ یہ لفظ ”بددعا“ ہی شانِ رحمۃ للعالمین کے خلاف ہے۔ کفار کا مجمع حرم میں لگا ہوا تھا۔ دو تین روز پہلے یہاں سے تھوڑے فاصلے پر لوگوں نے اونٹ ذبح کئے تھے ان کی اوجڑیاں وغیرہ وہاں پڑی تھیں ان میں سے ایک بد بخت کہنے لگا تم میں سے کون ایسا بہادر ہے جو ان بد بودار اوجڑیوں کو اٹھالائے اور جب یہ سجدہ میں گرے ہوں تو ان سرّی گندی اوجڑیوں کو ان کی گردن اور پشت پر ڈال دے تو مزہ ہی آجائے۔

بد بخت عقبہ بن ابی معیط بولا! یہ کارنامہ انجام دینے کے لئے میں تیار ہوں وہ گیا اور ان گندی اور بد بودار اوجڑیوں کو اٹھالایا۔ جب نظافت و لطافت کا یہ پیکر دلربا اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوا تو وہ بد بخت اٹھا اور ان غلیظ اوجڑیوں کو حضورِ پر نور ﷺ کی مبارک گردن پر ڈال دیا۔ کفار یہ منظر دیکھ کر خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے۔ ہستے تھہہ لگاتے تھے اور ایک دوسرے پر لوٹ پوٹ ہوئے جاتے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک اس وقت سات آٹھ سال کی تھی۔ آپ کو کسی طرح سے مشرکین مکہ کی اس خباثت کی اطلاع ہو گئی (اطلاع کرنے والے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے) آپ وہاں فوراً پہنچیں اور اپنے نازک نازک ننھے ننھے ہاتھوں سے ان اوجڑیوں کو ہٹایا۔ حضورِ انور ﷺ نے سر مبارک سجدہ سے اٹھایا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ بلند ہوئے۔ یہ دعا کیا تھی اس کے بارے میں نہ پوچھئے اس کے اثر نے کفر و باطل کی بنیادوں کو لرزا کر رکھ دیا، ان کی شوکت و جبروت کے محلوں کو مسمار کر کے رکھ دیا اور کفار مکہ کی ذلت و بربادی اور شکست کے دور کا آغاز ہو گیا۔ اس دعا کا انجام یہ ہوا کہ صرف مکہ ہی نہیں بلکہ سارا جزیرہ عرب جو بتوں کی پرستش کا مرکز بنا ہوا تھا ان کے ناپاک وجود سے پاک ہو گیا۔ اس ملک کے دشت و جبل، اس کے شہروں کے درو بام، نورِ توحید سے جگمگا اٹھے۔ اور جن بد بختوں نے اللہ کے حبیب ﷺ کی اذیت کے لئے یہ اہتمام کیا تھا ان کی رسوا کن موت کا فیصلہ کر دیا گیا۔

قارئین کرام!

اس سے پہلے میں اپنی اس کتاب میں ایک مکمل باب اس موضوع پر لکھ چکا ہوں کہ حضورِ پر نور ﷺ نے کبھی بھی اور کسی کو بھی بددعا نہیں دی۔ لفظ ”بددعا“ اور فعل بددعا دونوں ہی نبی کریم ﷺ کی تمام شانوں، عظمتوں اور اللہ تبارک تعالیٰ کی عطا کردہ رفعتوں کے خلاف ہیں۔ اور خاص طور پر آپ ﷺ کی شانِ رحمت للعالمین کی رو سے اس لفظ اور اس عمل کا آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں عمل دخل نہیں ہونا چاہئے۔ میں یہاں اس کی مزید تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس باب کو ایک دفعہ اور غور سے پڑھ لیں۔ وہ باب میری طرف سے مکمل اور واضح ہے۔ یہاں میں صرف یہی گزارش کروں گا کہ آپ ﷺ نے جو دعا فرمائی ہوگی یقیناً اس کا انداز و الفاظ عاجزانہ اور پیش گوئی والا ہوگا۔

نبی کریم رُوف الرحیم ﷺ کی دعائیں بہت لمبی اور اپنے رب کے حضور عاجزی سے پر ہوتی تھیں۔ آپ

کا خلق قرآن حکیم ہے بالفاظ دیگر آپ ﷺ کی حیات طیبہ، اسوۂ حسنہ قرآن حکیم کے مطابق ہے یا قرآن حکیم، فرقان حمید ہی آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ آپ ﷺ کی شان، عظمت، رفعت اور نبوت سب سے بلند و بالا اور عظیم، عظمت کی آخری حدوں تک عظیم ترین ہے۔ ہمیں ایسے لفظ، الفاظ جملے، عبارت و خیال و تحقیق جو آپ ﷺ کے شایان شان نہ ہوں آپ ﷺ سے ہرگز ہرگز منسوب نہیں کرنے چاہئیں۔

اس دعا کے الفاظ یہ تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے محبوب رسول پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور مہجر صادق عالم خفا و غیوب ﷺ نے یوں دعا فرمائی یوں التجا فرمائی:

”اے اللہ، اے حاکم الحاکمین، اے خالق و مالک کائنات تو ہمیں ان سرداران قریش، سرداران قوم مشرکین کے شر سے محفوظ فرما۔ اے اللہ، اے رب ذو الجلال تو ہمیں

عتبہ بن ربیعہ

شیبہ بن ربیعہ

ابو جہل بن ہشام

عقبہ بن ابی معیط

ابی بن خلف

امیہ بن خلف

اور ان کے ساتھیوں کے ہر طرح کے شر سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! تو انہیں پکڑ لے، اپنی سخت گرفت میں لے لے۔ اے اللہ یہ لوگ ظالم ہیں اور ہم مظلوم ہیں۔ اے جبار و قہار، اے عزیز الحکیم تو ہی ان سے نمٹ۔ اے قادر مطلق، اے سمیع البصیر تو ان ظالموں کو جلد ان کے اس انجام بد تک پہنچا دے جس کا انہوں نے اپنے آپ کو مستحق بنا لیا ہے اور ہمیں صبر و استقامت دے اور توفیق دے کہ ہم تیرا نام، کلمہ حق تیری رضا کے مطابق بلند کر سکیں۔ آمین۔“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اوجھڑی اوپر ڈال دینے کے بعد وہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے۔ سر نہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ کی پیٹھ سے اوجھ ہٹا کر پھینکی تب آپ ﷺ نے سر اٹھایا۔ پھر تین بار فرمایا اَللّٰهُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْشٍ ”اے اللہ تو قریش کو پکڑ لے۔“ جب آپ ﷺ نے ان الفاظ میں اللہ سے مدد طلب کی دعا کی تو ان سرداران مشرکین پر بہت گراں گزری کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے نام لے لے کر دعا کی۔ اے اللہ! ابو جہل کو پکڑ لے اور عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے۔

انہوں نے ساتویں کا بھی نام گنایا۔ لیکن راوی کو یاد نہ رہا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس

ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے دیکھا کہ جن لوگوں کے نام رسول اللہ ﷺ نے گن گن کر لئے تھے۔ سب کے سب بدر کے کنوئیں میں مقتول پڑے ہوئے تھے۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۷)

ابن کثیر نے اسے اپنی تصنیف السیرۃ النبویہ میں یوں بیان کیا ہے۔

”عبداللہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے نام لے کر پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی تھی وہ تمام بدر کے میدان میں موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ پھر ان کو ان کے مقتولوں سے گھسیٹ کر لایا گیا اور ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا، سوائے ابی بن خلف یا امیہ بن خلف کے کہ اس کا جسم بھاری تھا اور وہ باہر ہی پھول کر پھٹ گیا، بکھر گیا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔“

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۳۶۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں اور اس دور کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں۔ اپنی کوششوں میں پے در پے ناکامیوں کے بعد سردارانِ مشرکین مکہ نے حضور انور نبی اکرم ﷺ کے خلاف سازشوں کا جال بچھایا ہوا تھا اور آپ کو خوف و ہراس میں مبتلا کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہے تھے۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ یہ اپنی ذات میں الجھ جائیں اور ذہنی پریشانی کا شکار ہو کر فروغِ دعوت کا کام ترک کر دیں۔ خانہ کعبہ کے قریب ہی امراءِ قریش جمع تھے موضوعِ سخن حسبِ معمول حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کا تبلیغی مشن تھا۔ متوقع اندیشے عذابِ جان بنے ہوئے تھے کہ اگر یہ مشن اسی طرح پھیلتا رہا اور دین کی مقبولیت کی شرح یہی رہی اور اس سیلابِ تند جولاں کے آگے بند نہ باندھا گیا تو وہ دن دور نہیں جب ہر گھر میں اسلام کی روشنی پھیل جائے گی۔

ان میں سے ایک سردار نے کہا: محمد (ﷺ) نے نئے دین کا تصور دے کر ہمارا سکون و قرار چھین لیا ہے ہم ایک غیرت مند اور بہادر قوم کے بیٹے ہیں عزت و آبرو اور قومی افتخار کی خاطر جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ مگر یہ شخص ہمیں منہ پر گمراہ اور غلط کار کہتا ہے ہمارے آباؤ اجداد کے بارے میں بھی اس کا یہی موقف ہے کہ وہ گمراہ اور بے دین تھے اور اب آگ میں اپنی گمراہی اور ضلالت کی سزا بھگت رہے ہیں وہ کہتا ہے یہ بت پتھر کی بے جان مورتیاں ہیں ان سے کسی فائدے کی آس لگانا عبث ہے۔ لیکن ہماری مجبوری دیدنی ہے کہ ہم سب کچھ اپنے کانوں سے سنتے ہیں مگر کچھ نہیں کر سکتے یہ باتیں سن سن کر ہمارے کان پک گئے ہیں اب ہم سے مزید صبر نہیں ہوتا ہماری غیرت ملی کا تقاضا ہے کہ اجتماعی کارروائی کریں اور اپنے مفادات کے خلاف اٹھنے والی اس کو تحریکِ سختی سے دبا دیں۔

وہ ان ہی سوچوں میں گم اور اپنے افکار میں غلطاں تھے کہ اچانک انہوں نے دیکھا حسن و جمال کا پیکر، جاہ و جلال کا بادشاہ، انوار و تجلیات کا منبع، عظمت و حقانیت دین کا نشانِ اعظم اور تختِ ثبوت کا آخری تاجدار پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ بصدِ شانِ زیبائی خراماں خراماں کعبہ معظمہ کی طرف چلا آ رہا

ہے۔ ان کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں، غصے سے بھنویں تن گئیں۔ انہوں نے آنے والے پر خونخوار نظریں گاڑ دیں مگر آنے والے بے نیاز تھے وہ اسی شان بے نیازی سے آگے بڑھتے رہے حجرِ اسود کے پاس تشریف لائے اور اسے بوسہ دیا اور بیت اللہ کا طواف شروع کر دیا۔ قطعاً پرواہ نہ کی کہ معاندین و منکرین بھرے بیٹھے ہیں اور پھاڑ کھانے والی نظروں سے دیکھا رہے ہیں۔

جب طواف کرتے کرتے اس جگہ کے قریب پہنچے تو ان سردارانِ مشرکین کے خون میں ہيجان پیدا ہو گیا، رگ شرارت پھڑک اٹھی ابی بن خلف نہ رہ سکا، حسبِ عادت اس نے ایک نازیبا جملہ شعلے کی طرح داغ دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (یا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور پر اس کا ردِ عمل ظاہر ہوا مگر آپ نے صبر کیا اور طواف جاری رکھا۔ جب دوبارہ ان کے قریب سے گزرے تو پھر انہوں نے کوئی اور چھتا ہوا فقرہ کسا جس سے حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و روف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور پر غضب کے آثار پیدا ہوئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر صبر و ضبط سے کام لیا اور انہیں کچھ نہ کہا۔ جب تیسری بار گزرے تو پھر انہوں نے کوئی طنزیہ بات کہی اب آپ رک گئے اور پیغمبرِ اول و آخر و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ خفا و غیوب صلی اللہ علیہ وسلم نے جلال کے عالم میں فرمایا:

”اے قریش کے گروہ! کیا تم سن رہے ہو؟ خبردار! خدا کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری

جان ہے میں تمہیں تمہاری ہلاکت کی خبر دینے آیا ہوں۔ (تمہاری ہلاکت کی خبر لایا ہوں)“

یہ پر جلال فرمان سن کر سب کے اوسان خطا ہو گئے جسموں میں جان نہ رہی۔ پتھر کی بے جان مورتیاں بن گئے۔ اور آنکھوں میں موت کے سائے لہرانے لگے کیونکہ جانتے تھے یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سچے اور سیف زبان ہیں جو کہہ دیتے ہیں وہی ہو جاتا ہے۔ انہیں سارے طنز و مزاح بھول گئے شیخی اور شوخی کر کر دی ہو گئی ہر ایک منت سماجت پر اتر آیا کہ: اے ابوالقاسم! آپ بڑے بردبار اور متحمل مزاج ہیں درگزر فرمائیں اور گھر تشریف لے جائیں کسی کی مجال نہیں کہ آپ کو چھیڑے یا تکلیف پہنچائے ہم معذرت خواہ ہیں۔

عروہ بن زبیر نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے درخواست کی کہ مجھے کوئی واقعہ سنائیے جب کہ کفار نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے بتایا ایک روز سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اس نے اپنی چادر حضور کی گردن میں ڈال دی اور اسے بل دینے شروع کئے اور اس زور سے بھینچا کہ دم گھٹنے لگا۔ اچانک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے۔ آپ یہ منظر دیکھ کر بے چین ہو گئے آپ نے عقبہ کو اس کے کندھے سے جا پکڑا اور اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ دور جا گرا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔

”(بے شرمو) تم ایسی ہستی کو قتل کرتے ہو؟ جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تبارک تعالیٰ ہے اور وہ

تمہارے سامنے اس پر دلائل بھی پیش کرتا ہے۔“ (صحیح بخاری السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۷۰)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے اس سلسلہ میں ایک دوسری روایت بھی منقول ہے۔

عروہ بن زبیر نے ان سے پوچھا کہ قریش کی حضور ﷺ کو اذیت رسانی کا کوئی واقعہ سنائیے تو انہوں نے بتایا ایک روز قریش کے رؤساء حجر میں اکٹھے تھے۔ رسول کریم ﷺ کا ذکر چل نکلا کہنے لگے کہ ہم نے اس شخص کے طرز عمل پر جتنا صبر کیا ہے کبھی ایسا صبر ہم نے نہیں کیا۔ اس نے ہمیں احمق کہا ہمارے آباؤ اجداد کو برا بھلا کہا ہمارے دین کے عیب نکالے ہمارے خداؤں کو گالیاں دیں اور ہمارے قومی اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دیا اس نے ہمیں بہت بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے وہ اس قسم کی گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک حضور پر نور ﷺ دور سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

حضور انور ﷺ آہستہ آہستہ کعبہ شریف تک پہنچے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر طواف کرنے لگے جب قریش کے مجمع کے پاس سے گزرے۔ تو انہوں نے پھبتیاں کہیں اور نازیبا جملے کہے جن کو سن کر حضور پر نور ﷺ کے رخ انور پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ جب دوسری مرتبہ طواف کرتے ہوئے حضور انور ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر وہی حرکت کی۔ میں نے دیکھ لیا ناراضگی کے اثرات پھر چہرہ اقدس پر نمایاں تھے لیکن حضور انور ﷺ خاموشی سے طواف میں مصروف رہے۔ تیسری مرتبہ طواف کرتے ہوئے جب حضور پر نور ﷺ کا گزر ان کے پاس سے ہوا تو انہوں نے پھر وہی نازیبا حرکت کی۔ تو حضور انور ﷺ رک گئے بڑے جلال سے فرمایا۔

”اے گروہ قریش! میری بات سن رہے ہو۔ اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری

جان ہے میں تمہارے پاس تمہارے قتل و ہلاکت (کی خبر) کا پیغام لے کر آیا ہوں۔“

یہ سن کر قریش کے اوسان خطا ہو گئے سب یوں بہم گئے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں حتیٰ کہ ان میں سے جو بڑے تیز و طرار تھے وہ بھی بڑی نرمی سے محبت بھری باتیں کرنے لگے۔

”اے ابوالقاسم! تشریف لے جائیے ایسا تلخ جواب آپ کی عادت نہ تھی۔“

(المسیرۃ النبویہ، ابن کثیر، جلد ۱ صفحہ ۱۷۷)

چنانچہ حضور وہاں سے چلے گئے دوسرے روز کفار پھر حجر میں اکٹھے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عامرؓ کہتے ہیں میں بھی ان میں موجود تھا۔ ایک دوسرے کو کل کے واقعہ پر ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے۔ کل تم اس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا اور تم نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ پھر جب وہ آیا اور اس نے تمہارے منہ پر تمہیں جھڑکا تو تم جواب تک نہ دے سکے اور خاموشی اسے اٹھ کر چلے گئے۔ تمہارے لئے یہ بزدلی باعث ننگ و عار ہے وہ اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ حضور پر نور ﷺ پھر نمودار ہوئے۔ حضور پر نور ﷺ کو دیکھتے ہی سب نے مل کر حضور انور ﷺ پر بلہ بول دیا اور گھیرے میں لے لیا اور بڑبڑانے لگے۔ تم وہ ہو جو ایسا کہتے ہو۔

تاجدار کائنات سرورِ دو عالم ﷺ بڑی جرأت اور حوصلہ سے ان کو جواب دیتے رہے۔ ”ہاں بیشک میں ایسا کہتا ہوں۔“ اسی اثناء میں ایک شخص نے حضور کی چادر کے پلو پکڑ لئے۔ ان کے اس جھگڑے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ کفار کی اس زیادتی کو دیکھ کر ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔ آپ انہیں بلند آواز سے ڈانٹ رہے تھے۔

”خدا تمہیں ہلاک کرے۔ کیا تم ایک ایسی ہستی کو قتل کرنا چاہتے ہو۔ جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے آپ کے ڈانٹنے سے وہ کافر منتشر ہو گئے۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۷۱)

ابن ہشام نے دوسرے دن کی ایذا رسانی کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

دوسرے روز صحن کعبہ میں پھر سب جمع ہو گئے کل کے واقعہ پر تبصرہ ہونے لگا۔ ایک نے کہا: کل انتقام لینے کا بہترین موقعہ ہاتھ آ گیا تھا مگر تم نے ضائع کر دیا، ہمیں معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنے کی بجائے جارحانہ اقدام کرنا چاہئے تھا۔

اتنے میں پھر حضور انورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیمؐ طواف کعبہ کے لئے تشریف لے آئے جب ان کے قریب سے گزرے تو انہوں نے زبانی باتوں پر اکتفا کرنے کی بجائے بھاگ کر یک دم آپ کو زرعے میں لے لیا۔ ایک بد بخت نے چادر مبارک پر ہاتھ ڈال دیا، عقبہ بن ابی معیط نے گلے میں کپڑا ڈال کر بل دینے شروع کر دیئے وہ اپنی کارروائی میں بالکل سنجیدہ تھا اس کی کوشش یہی تھی کہ گلا گھونٹ دے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے انہوں نے جب یہ ہوش ربا منظر دیکھا تو عقبہ کو کندھوں سے پکڑ کر پیچھے دھکیلا جو باقی لوگ تھے انہیں بھی روکا سورہ مومن کی یہ آیت کریمہ (آیت ۲۸) بار بار پڑھتے رہے۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝

ترجمہ: ”کیا تم ایک شخص کو اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے واضح معجزات لے کر آیا ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو خود ہی اپنے جھوٹ کا خمیازہ بھگت لے گا اور اگر وہ سچا ہے تو پھر تم پر ضرور عذاب نازل ہو گا جس کا وہ تم سے ذکر کرتا ہے۔“ (سورہ مومن آیت ۲۸)

دشمنوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو تو چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا سر کے بال اس زور سے کھینچے کہ وہ ان کی مٹھی میں آ گئے ڈاڑھی کے بال بھی نوچ لئے۔ اس طرح انہوں نے حرم کعبہ کا لحاظ کئے بغیر اس روز وہ طوفانِ بدتمیزی برپا کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خوش تھے کہ ان کی توجہ حضور انورؐ نبی

کریم ﷺ کی طرف سے ہٹ کر ان کی طرف مبذول ہو گئی۔ (السيرة النبوية، لابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۹۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ سازشی گروہ حسب معمول شرارت اور سازش کا تانا بانا بن رہا تھا۔ حضور انورؐ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور نماز و دعا میں مصروف ہو گئے ان غلیظ عناصر کی طرف کوئی دھیان ہی نہ دیا ایک بد بخت بولا۔

”کیا تم اس ریا کار کو دیکھ رہے ہو؟ (نعوذ باللہ) تم میں سے کون جیالا ہے جو قصابوں کے محلے میں جائے اور وہاں سے آنول اور اونٹنی کی اوجھری گوبر اور خون سمیت اٹھالائے پھر انتظار کرے جب یہ صاحب سجدے میں چلے جائیں تو سب کچھ ان کے کاندھوں پر رکھ دے۔“

یہ شیطانی منصوبہ سب سیاہ مقدوروں کو بڑا بھلا لگا۔ بد بخت عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور تھوڑی دیر بعد تمام گند بلا اٹھالایا اور جب آپ ﷺ سجدہ میں گئے تو آپ کے کندھوں پر ڈال دیا۔ یہ لوگ اس بد تمیزی پر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے بہت بے تاب ہوئے مگر کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے کمزور و ناتواں ہونے کے علاوہ اس دیس میں اجنبی تھے اس لئے دوڑتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کے گھر پہنچے اور اہل خانہ کو اطلاع دی کہ بد بخت اوباشوں نے سجدے کی حالت میں آپ ﷺ کے مبارک کندھوں پر اوجھ کا بوجھ رکھ دیا ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ سنا تو بے قرار ہو گئیں۔ بھاگی بھاگی مسجد میں آئیں اور یہ خوفناک منظر دیکھ کر آبدیدہ ہو گئیں۔ ننھی بچی تھیں اتنا بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھیں مگر اس وقت ان میں باپ کی محبت نے بجلی بھردی جس طرح بن پڑا یہ گند پھینکا پھر ان لوگوں کو شرم دلائی جو اس نازیبا حرکت پر خوش ہو رہے تھے۔

اتنے میں حضور انور ﷺ بھی نماز سے فارغ ہو گئے اور بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور ان بد بخت قریشی امراء پر گرفت کے لئے التجا کی اور نام لے کر کہا۔

”اے اللہ! قریش کو پکڑ! اے اللہ! قریش کو پکڑ! اے اللہ! قریش کو پکڑ! اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ! عقبہ شیبہ ولید امیہ عقبہ اور عمارہ سب کو پکڑ اور سخت گرفت میں لے۔“

جب لوگوں نے دعا کے یہ تیور دیکھے تو حواس باختہ ہو گئے کیونکہ جانتے تھے ان کی ہر بات پوری ہو جاتی ہے اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اب وہ ہو کر رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے اس ذات برحق کی قسم جس نے حضور انورؐ نبی کریم ﷺ کو سچا نبی بنا کر بھیجا میں نے ان اشخاص کو جن کا نام لے کر آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی بدر کے میدان میں ذلت کے ساتھ پڑا پایا۔ ان کی لاشیں گھسیٹ کر ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ حدیث ۴۹۸)

قارئین کرام!

مندرجہ بالا بیان کردہ باب ”کردار کشی اور ظلم تشدد“ میں کہیں کہیں آپ کو ایسا لگا ہوگا کہ ایک ہی واقعہ، روایت کو بار بار کچھ شکل بدل کر لکھ دیا ہے جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ جہاں یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ایک ہی واقعہ کی دو روایات بیان کر دی گئی ہوں وہاں اس کا اس سے بھی زیادہ امکان ہے کہ ایک ہی طرح کے اذیت ناک واقعات کئی دفعہ برپا کئے گئے ہوں۔ کیونکہ نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے عرصہ دس سال کھلم کھلا، علانیہ دعوت و تبلیغ کے دن سے ہجرت کے دن تک کا عرصہ ان پر خطر حالات میں اپنے گھر، مکہ اور حرم کعبہ میں گزارے ہیں۔ مشرکین نے تو ظلم و تشدد میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔ عرصہ دس سال میں نہ جانے اور کتنے کیسے واقعات وقوع پذیر ہوئے ہوں گے جو ہم تک نہیں پہنچ پائے۔

میرے اس انداز فکر کو، اس خیال کو اس حقیقت سے بھی تقویت ملتی ہے کہ تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ یہ پانچ سردارانِ مشرکین مکہ ولید بن مغیرہ

عاص بن وائل

حرث بن قیس

اسود بن عبد یغوث اور

اسود بن مطلب

ظلم و تشدد برپا کرنے میں، کردار کشی میں سب سے آگے آگے تھے۔ اس باب میں اب تک جو میں نے ظلم و تشدد زیادتی، ایذا رسانی کے واقعات بیان کئے ہیں ان میں مندرجہ بالا ناموں میں سے صرف ولید بن مغیرہ کا نام آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں نے کچھ کیا ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ظلم و ستم ایذا رسانی اور دیگر اخلاقی جرائم جو انہوں نے کئے وہ کسی نہ کسی سبب ہمارے سامنے نہیں آئے، ہم پر عیاں نہیں ہوئے اس لئے اس باب میں میں باقی اور سردارانِ مشرکین کے ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کا ذکر نہیں کر سکا ہوں۔

آپ ﷺ کی ہیبت

لیجئے اب پیغمبر اول و آخر و اعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین، حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی ایک اور نرالی صفت کے بارے میں، اللہ تبارک تعالیٰ کی ایک خاص عطا کے بارے میں، یعنی کہ آپ ﷺ کی ہیبت کے بارے میں ملاحظہ فرمائیے۔

ان مندرجہ بالا واقعات سے آپ نے اندازہ لگا لیا کہ کفار کے دل میں حضور ﷺ کے بارے میں نفرت، حقارت، عداوت اور عناد کے کتنے جذبات شعلوں کی طرح بھڑک رہے تھے۔ اس سب کچھ کے باوجود حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی محبوب شخصیت کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ اگر بڑے سے بڑا دشمن بھی

حضورِ نور ﷺ کے روبرو ہوتا تو تعمیلِ حکم کو اپنے لئے باعثِ شرف سمجھتا۔ اس سلسلہ میں چند حقائق واقعات پیش خدمت ہیں۔

اللہ توکل

سردارانِ مشرکین مکہ آپ ﷺ کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے اور وہ کھلم کھلا دعوت و تبلیغ کے دنوں سے تو آپ ﷺ کی جان کے دشمن تھے۔ ان پر خطر حالات میں بھی آپ ﷺ اکثر اکیلے آزادانہ حسب ضرورت حرم اور مکہ میں گھوما پھرا کرتے تھے عبادت کرتے تھے دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔

اس دوران سردارانِ مشرکین میں سے کبھی بھی کسی ایک دو نے غلط ارادے سے آپ ﷺ کے نزدیک آنے کی ہمت نہ کی۔ انہوں نے جب بھی کوئی خباثت یا بری حرکت کی ہے وہ اس وقت کی جب ان کی کم از کم پانچ دس ٹولیاں موجود تھیں۔

یہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی ہیبت ہی کا اثر تھا کہ سردارانِ مشرکین میں سے ہر کوئی جتھہ کے بغیر آپ کے سامنے آنے سے گھبراتا تھا، کتراتا تھا۔

مشرکین کے بد ارادے

اسی نوعیت کا تذکرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے وہ فرماتے ہیں:

معمول کے مطابق تمام دشمنِ مہمن کعبہ میں جمع ہو گئے اور کوئی نیا فتنہ کھڑا کرنے کا منصوبہ بنانے لگے تجویز یہ طے پائی کہ اب محمد (ﷺ) جو نبی نظر آئیں ان پر یکبارگی حملہ کر کے خوب دل کی بھڑاس نکالی جائے پھر جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت چھوٹی سی بچی تھیں انہوں نے مشرکین کی یہ بات سن لی۔ عظیم باپ کے خلاف سازش کی یہ بات سن کر فکر مند ہو گئیں ممکن ہے دشمنوں نے انہیں سنانے ہی کے لئے بلند آواز سے بات کی ہوتا کہ گھر جا کر بات کریں اور خوف و ہراس کی فضا قائم ہو۔ منہی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا واقعی پریشان ہو گئیں فوراً جا کر پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ نبی کریم ﷺ کو اطلاع دی کہ دشمنوں نے آپ کے خلاف مار چٹائی کا پروگرام منصوبہ بنایا ہے۔ یہ سن کر غیرتِ نبوت بیدار ہو گئی۔ آپ ﷺ جلال میں آ گئے۔ پیاری بیٹی کو دلاسا دیا اور خوفزدہ ہو کر گھر میں بیٹھنے کی بجائے آپ مہمن کعبہ میں تشریف لے آئے اور فتنہ پرداز گروہ کے سر پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں سانپ سونگھ گیا، ایسا رعب طاری ہوا کہ قوتِ گویائی سلب ہو گئی، کسی میں سراٹھا کر دیکھنے کا یارا نہ رہا۔ آپ ﷺ نے مٹی ان کے سروں پر پھینکی اور واپس تشریف لے آئے۔

(دلائل النبوة للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۷۷)

مشرکین سے دود و ہاتھ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ ابو جہل عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف تینوں حطیم کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں حضور انور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تشریف لائے اور طواف کعبہ میں مصروف ہو گئے جب پہلے چکر میں شرفساد کے ان مجسموں کے قریب سے گزرے تو یہ عادت سے مجبور چپ نہ رہ سکے ابو جہل بولا:

خدا کی قسم! جب تک سمندر میں پانی کا ایک قطرہ بھی باقی ہے جس سے صوف کا ایک دھاگہ بھی تر ہو سکتا ہو ہم آپ کے ساتھ مصالحت نہیں کریں گے کیونکہ آپ ہمیں آباؤ اجداد کے معبودوں کی عبادت سے روکتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ٹھیک ہے میں بھی اس معاہدے پر قائم ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ابو جہل کی یہ مداخلت بہت بری لگی طواف عبادت ہے اور اس دوران ٹانگ اڑانے کا کوئی جواز ہی نہیں مگر وہ ابو جہل ہی کیا جو بے تکی بات نہ کرے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اٹھے اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف میں مشغول ہو گئے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم فرمایا ایک طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں ان کی انگلیوں میں پیوست کر دیں دوسری طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آگئے آپ نے دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ان کی انگلیوں میں پیوست کر دیں اس شان سے تینوں طواف کرنے لگے۔

جب ابو جہل کے قریب سے گزرے تو وہ چھر بڑ بڑایا اور کوئی گری ہوئی بات کہی۔ تیسرے چکر میں پھر اس سے نہ رہا گیا اور اس نے بیہودہ جملہ کسا۔ جب چوتھے چکر میں اس کے پاس پہنچے تو وہ آپ سے باہر ہو گیا جیسے کوئی پاگل جنونی ہو وہ وحشی دیوانے کی طرح حضور پر نہ بیٹھتا کی طرف لپکا تا کہ کمر بند پکڑ لے۔ دوسرے دو خطبے بھی اسے دیکھ کر ہیجان میں آگئے جیسے دورہ پڑ گیا ہوا ایسے موقع پر رواداری کا کوئی مطلب ہی نہیں تھا وہ عالم دیوانگی میں کچھ بھی کر سکتے تھے لہذا ان حضرات نے بھی مقابلے کی ٹھان لی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کو زور سے دھکا دیا وہ پیٹھ کے بل جا گرا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف کو مار بھگایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ کو پچھاڑ دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے اور افسوس بھرے لہجے میں انہیں متنبہ کیا۔

”خدا کی قسم! تم باز نہیں آؤ گے یہاں تک کہ اس کا عذاب جلد نازل ہو جائے۔“

یہ سن کر ان پر کپکپی طاری ہو گئی اور ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”تم اپنے نبی کے لئے بہت بری قوم ہو۔“

طواف سے فارغ ہو کر حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ کا شانہ عالیہ کی طرف تشریف لائے جب گھر میں داخل ہونے لگے تو دہلیز پر کھڑے ہو گئے اور تسلی دینے کے لئے فرمایا۔

”گھبرانے کی ضرورت نہیں خوش ہو جاؤ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غلبہ عطا فرمائے گا، کلمہ کو مکمل کرے گا اور اپنے نبی کی مدد کرے گا یہ لوگ جنہیں تم دیکھ رہے ہو تمہارا صید زبوں (ذلیل شکار) ہیں اللہ کے حکم سے تم انہیں عنقریب ذبح کرو گے۔“ (الوقایا حوال المصطفیٰ، امام ابن جوزی صفحہ ۱۸۹)

آپ نے یہ حیرت انگیز اور جرأت مندانہ پیش گوئی اس وقت فرمائی جب بظاہر حالات بالکل ناسازگار تھے اور ہر طرف دشمنوں ہی کا غلبہ نظر آتا تھا مگر کچھ ہی عرصہ بعد حالات نے پلٹا کھایا دشمنوں کی قوت و شوکت خاک میں مل گئی اور میدان بدر میں اہل حق نے ان صنادید (شرکین سرداروں) کو ذبح کر کے رکھ دیا۔

اراش کا ایک مظلوم

اراش کا ایک آدمی اپنے اونٹ فروخت کرنے کے لئے مکہ آیا۔ ابو جہل کو اونٹ پسند آ گئے اور اس سے خرید لئے۔ لیکن قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ صبح کو دے دوں گا شام کو آ کر رقم لے جانا۔ اس صبح شام کے چکر میں کئی دن گزر گئے وہ بیچارا مایوس ہو گیا تنگ آ کر وہ وہاں پہنچا جہاں قریش اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے پیغمبر اوّل و آخر و اعظم سرکارِ دو عالم ﷺ بھی حرم شریف میں پاس ہی مصروف عبادت تھے اس مظلوم اور پردیسی شخص نے قریش سے اپنا ماجرا بیان کیا اور فریاد کی کہ کون ہے جو مجھ غریب الوطن اور بے یار و مددگار کی امداد کرے اور ابو جہل سے میری رقم لے کر دے۔ قریش نے ازراہ تمسخر حضور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے کہا اگر یہ صاحب ابو جہل کو کہے تو تیرا کام بن جائے گا۔ وہ شخص جو یہاں کے حالات سے بے خبر تھا۔ حضورِ نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی پریشانی کا ذکر کیا اور مدد کی درخواست کی۔

پیغمبر اوّل و آخر و اعظم رحمۃ دو عالم ﷺ جو کسی ضرورت مند کو مایوس نہیں لوٹایا کرتے تھے آپ ﷺ نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اس کو ابو جہل سے اپنے تعلقات کی نوعیت سے آگاہ کر کے معذرت کر دیں، اس طرح تو وہ ناامید ہو جائے گا اس کا دل ٹوٹ جائے گا اور یہ کریمؐ ٹوٹے ہوئے دلوں کو بس جوڑنا ہی جانتے تھے۔ حضورِ نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیم ﷺ بلا تامل کھڑے ہو گئے اراشی کو ہمراہ لیا۔ اور ابو جہل کے گھر کی طرف چل دیئے۔ کنار نے ایک آدمی کو ساتھ بھیج دیا کہ جائے اور واپس آ کر بتائے کہ کیا بات ہوئی اور کس طرح ابو جہل نے دھتکائی اور بے ادبی سے معاملہ حل کرنے سے نہ کر دی۔

سرکارِ دو عالم تاجدارِ کائنات حضور پر نور ﷺ ابو جہل کے گھر پہنچے دروازہ بند تھا۔ دستک دی۔ اس نے اندر سے پوچھا۔ کون؟ حضور ﷺ نے فرمایا محمد (ﷺ) باہر آؤ۔ وہ فوراً باہر آ گیا شدت خوف سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا حضور ﷺ نے اسے فرمایا۔ اس کی رقم ابھی ادا کرو۔ ابو جہل نے دست بستہ عرض کی ابھی رقم حاضر کرتا ہوں۔ گھر کے اندر گیا اور چند لمحوں میں رقم لے کر آیا اور اراشی کے حوالے کر دی حضور انور ﷺ واپس تشریف لائے اور اپنے اراشی مہمان کو رخصت کیا۔ وہ شخص خوش و خرم قریش کی محفل میں آیا حضور انور ﷺ کو

دعائیں دینے لگا اور شکر ادا کیا کہ حضور پُر نور ﷺ نے خود قدم رنجہ فرما کر مجھے ساری رقم لے کر دی ہے۔ اتنے میں وہ آدمی بھی پہنچ گیا جسے قریش نے بھیجا تھا۔ سب نے بڑی بے صبری سے پوچھا بتاؤ کیا دیکھا؟ کہنے لگا عجیب و غریب بات دیکھی۔ جونہی آپ نے ابو جہل کے دروازے پر دستک دی اور بتایا کہ میں محمد (ﷺ) ہوں باہر آؤ۔ اسی وقت وہ باہر آیا۔ اس کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ گویا اس کے جسم میں جان ہی نہیں آپ (ﷺ) نے فرمایا اس کا حق ابھی ادا کرو۔ کہنے لگا ابھی تعمیل ارشاد کرتا ہوں۔ گھر کے اندر گیا اور ساری رقم لا کر اراشی کی جھولی میں ڈال دی۔

تھوڑی دیر گزری ابو جہل بھی منہ لٹکائے آ گیا۔ سب نے اس کو گھیر لیا اور کہنے لگے تیرا براہو تو نے یہ کیا کیا۔ کہنے لگا تمہیں کیا خبر کہ مجھ پر کیا بتی۔ میں گھر میں تھا جب انہوں نے باہر سے آواز دی۔ میں خوف و دہشت سے لرز گیا۔ جب باہر آیا تو دیکھا کہ ایک بڑی کھوپڑی اور ایک موٹی گردن والا اونٹ مجھ پر لپک رہا ہے۔ اگر میں ذرا لیت و لعل کرتا تو وہ مجھے چبا ڈالتا۔

زبیدی مظلوم

اراشی کے ساتھ جو گزری تھی اسی قسم کا ایک واقعہ زبیدی کو بھی پیش آیا۔ زبیدی من کا ایک شہر ہے۔ وہاں کا ایک آدمی اپنے تین اونٹ فروخت کرنے کے لئے مکہ لے آیا۔ ایک روز وہ حرم شریف میں آیا۔ جہاں جہاں قریش مجلسیں جمائے بیٹھے تھے۔ وہاں گیا ہر جگہ جا کر یہ فریاد کی کہ گروہ قریش! اب کون تمہارے پاس سامان تجارت لے کر آیا کرے گا۔ کون دور دراز کے علاقوں سے خورد و نوش کی چیزیں اونٹوں پر لا کر تمہارے لئے آئے گا اور کون سا احمق تاجر ہے جو تمہاری منڈیوں میں اپنا سامان فروخت کرے گا۔ تمہاری یہ حالت ہے کہ تم حرم کا پاس بھی نہیں کرتے۔ جو شخص تمہارے پاس آتا ہے اس پر تم ظلم و تعدی کرنے سے باز نہیں آتے۔ وہ قریش کی تمام مجالس میں گیا لیکن کسی نے اس کی دادی کرنے کا دم نہ بھرا۔

سرکارِ دو جہاں حضور پُر نور ﷺ بھی محن حرم میں تشریف فرما تھے۔ حضور کے کئی پیروکار بھی حاضر خدمت تھے۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر وہ زبیدی یہاں پہنچا اور اپنی فریاد دہرائی۔ رحمت عالم نے پوچھا، تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟ اس نے اپنا ماجرا کہہ سنایا کہ میں فروخت کرنے کے لئے تین اونٹ اپنے ساتھ لے آیا تھا میرے اونٹ بہترین اونٹ تھے۔ ابو جہل نے میرے ساتھ سودا کرنا چاہا اور ان اونٹوں کی صحیح قیمت سے ایک تہائی قیمت بتائی۔ میں نے اتنی کم قیمت پر اپنے اعلیٰ نسل اونٹ فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ اب مجھے یہاں کئی دن گزر گئے ہیں۔ لیکن لوگ ابو جہل سے ڈرتے ہیں اور اس سے زیادہ قیمت دینے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے ابو جہل نے اتنی کم قیمت لگا کر میرے اونٹوں کی قیمت گرا دی۔ اور مجھ پر ظلم کیا۔

اس کی داستان الم سن کر حضور ﷺ نے پوچھا تیرے اونٹ کہاں ہیں؟ اس نے عرض کیا، سامنے

”حزورۃ“ میں بندھے ہیں۔ حضور اپنے پیروکاروں کے ہمراہ ان کے پاس تشریف لے گئے انہیں دیکھا واقعی وہ بڑی اعلیٰ قسم کے اونٹ تھے۔ حضور ﷺ نے زبیدی سے قیمت پوچھی۔ جو قیمت اس نے مانگی وہی اسے دے دی اور اسے خوش کر دیا۔ امور تجارت کے اس ماہر نبی ﷺ نے ان میں سے دو اونٹ اتنی قیمت کے فروخت کر دیئے جتنی قیمت حضور ﷺ نے تین اونٹوں کی دی تھی۔ ایک اونٹ زابد بچ گیا۔ وہ اونٹ فروخت کیا اس کی جو قیمت ملی اسے بنو عبدالمطلب کے خاندان کی بیواؤں میں تقسیم فرما دیا۔

ابو جہل بازار میں ایک جگہ بیٹھا یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا۔ لیکن اسے تاب گفتگو نہ تھی۔ گویا اسے سانپ سونگھ گیا ہو پھر حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ اکیلے اس کے پاس تشریف لے گئے اسے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا

”اے عمرو! خبردار! اگر تم نے پھر ایسی حرکت کی تو تمہیں عبرتناک سزا ملے گی۔“

حضور ﷺ کا یہ فرمان تنبیہ سن کر اس دشمن خدا کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ کوئی گستاخانہ جواب دے سکے۔ بلکہ بڑی عاجزی سے عرض پرداز ہوا۔

”میں پھر ایسی حرکت نہیں کروں گا، ہرگز نہیں کروں گا۔“

اس کے بعد حضور انور ﷺ تشریف لے گئے۔

حضور ﷺ کے چلے جانے کے بعد امیہ بن خلف اور دوسرے کفار اکٹھے ہو کر آگئے اور ابو جہل کو کہنے لگے تو نے ہم سب کو محمد (ﷺ) کے سامنے ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ یا تو تو اس کی بیعت کرنا چاہتا ہے اور یا تو اس سے سخت مرعوب ہو گیا ہے کہ تیرے منہ سے بات تک نہ نکلی اور بزبوں کی طرح ہر جھکائے اس کے سامنے بیٹھا رہا۔

اس نے کہا یقین کرو میں کسی قیمت پر ان کا اتباع نہیں کروں گا۔ تم نے جس حالت میں مجھے دیکھا ہے اس کی وجہ اور تھی جب وہ میرے پاس آیا تو اس کے دائیں بائیں طاقتور نوجوانوں کے دستے تھے جنہوں نے ہاتھوں میں نیزے پکڑے ہوئے تھے اور انہیں لہرا رہے تھے۔ اگر میں ان کے دستے کی مخالفت کرتا تو فوراً وہ اپنے نیزے مجھے گھونپ دیتے اور میرے پرزے پرزے اڑا دیتے۔ اس ڈر کی وجہ سے میں گربہ مسکین (بیکلی بلی) بنا بیٹھا رہا۔ (سبل الہدی والرشاد، امام یوسف صالحی شامی جلد ۲ صفحہ ۵۵۲)

قرآن حکیم کی تاثیر

سرداران مشرکین پر اثر انہیں حقیقت کی پہچان دے دے ان کی بد نصیبی
قارئین کرام!

یہ واقعات بھی اسی دور کے ہیں جس دور میں مشرکین مکہ نے حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو آپ ﷺ کے پیروکاروں کو ہر جگہ ہر روز موقع بے موقع ستانا، اذیت دینا، دست درازی کرنا اپنا معمول بنالیا تھا اور وہ تحریک دین اسلام کو ان ہی مراحل میں یا ابتدائی مراحل میں ہی ختم کر دینے کا مصمم ارادہ رکھتے تھے اور انہیں یہ خام خیالی تھی کہ وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان واقعات کا تعلق بھی نبی کریم ﷺ کی ذات پاک سے، تحریک دین اسلام سے اور قرآن و دین سے ہے اس لئے یہ بھی تاریخ اسلام کا ایک اہم اور قابل بیان حصہ ہیں۔

ان واقعات سے اہل بصیرت کو اللہ تبارک تعالیٰ جل شانہ کی حکمت کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ ان واقعات میں بھی اللہ تبارک تعالیٰ کی شان، بلکہ ہر وقت ایک نئی شان نظر آتی ہے کہ مشرکین مکہ کے بھی دل کلام رب للعالمین سے متاثر ہوتے تھے لیکن سرداران مشرکین مکہ نے تو عالم ارواح ہی میں اپنی بد نصیبی خود لکھوالی تھی کہ حق و سچ کو جانتے پہچانتے ہوئے بھی ایمان نہیں لائے۔

ان واقعات میں آپ کو کہیں کہیں یہ بھی نظر آئے گا کہ چند سرداران مشرکین تو اچھے خاصے دانشمند سمجھ دار، دور اندیش لوگ تھے (یا ان پر قرآن حکیم کلام رب العالمین سننے کا وقتی یا عارضی اثر ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے ایسا تھا) جن کی بات، رائے بھی بہت صائب (درست، ٹھیک) اور نپنی تلی ہوتی تھی۔ آپ عتبہ بن ربیعہ (ابو ولید) جو قریش کے رئیسوں میں سے ایک بڑا رئیس تھا اور سرداران مشرکین مکہ میں بھی ایک چوٹی کا سردار تھا، کے بارے میں گزشتہ صفحات میں قدرے تفصیل سے پڑھا آئے ہیں۔ یہاں میں صرف اس نکتہ نگاہ کی وضاحت کے لئے اس کی صرف وہ رائے پیش کر رہا ہوں جو اس نے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے سورہ حم سجدہ کی ۳۷ آیات مبارک سننے کے بعد اپنی قوم کو دی۔ مگر ہائے صد افسوس اس کی ابدی بد نصیبی

یہ کہ اس نے اپنی اس سمجھ دانش کو اپنی ”جھوٹی انا“ کی بھینٹ چڑھا دیا۔

دیکھئے اس نے قرآن حکیم سے کتنا اچھا اثر لیا اور اپنی قوم کو کتنی صاف، واضح، جامع، خوبصورت اور بہترین رائے دی ہے۔ اس کا مختصر پس منظر یوں ہے کہ سردارانِ مشرکین مکہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ حضور انور ﷺ نے تحریکِ دین اسلام دنیاوی جاہ و حشمت، مال و دولت کے لئے شروع کی ہے۔ عتبہ بن ربیعہ اپنے باقی سردارانِ مشرکین مکہ سے باہم صلاح مشورے کے بعد حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو اپنی چار تجاویز پیش کرنے آیا کہ ان میں سے جو بھی آپ ﷺ چاہتے ہوں پسند کریں اس پر مشرکین مکہ دل و جان سے عمل کریں گے۔ اس نے اس وقت حضور پر نور ﷺ سے تمیز اور سلیقے سے بات کی۔

اس کا اقتباس برائے ملاحظہ پیش خدمت ہے۔

اللہ کا حبیب اپنے رب کا کلام پڑھتا جا رہا تھا اور عتبہ دم بخود سنتا جا رہا تھا اس نے اپنے بازو پیٹھ کے پیچھے زمین پر ٹیک لئے تھے۔ حضور نے ﷺ آیت سجدہ تک اس صورت (سورہ حم سجدہ) کی تلاوت کی اور پھر خود سجدہ کیا۔ پھر حضور انور ﷺ نے عتبہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

جو تجھے سنا چاہئے تھا وہ تم نے سن لیا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔“

عتبہ اُٹھ کر اپنے ساتھیوں کی طرف گیا اسے آتا دیکھ کر وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ بعض نے کہا ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ عتبہ جو آ رہا ہے یہ وہ نہیں جو گیا تھا۔ اب اس کا چہرہ بالکل بدلا ہوا ہے اتنے میں عتبہ آ کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ بولے فرمائیے۔ کیا کر آئے ہو؟ اس نے کہا میں نے وہاں ایک ایسا کلام سنا ہے بخدا میں نے اس سے پہلے اس جیسا کبھی نہیں سنا۔ بخدا نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے۔ اے قوم قریش! میری بات مانو اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ تم اس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ جو کلام میں سن کر آیا ہوں خدا کی قسم اس کا بہت بڑا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگر عرب کے دوسرے قبائل اس کے ساتھ جنگ کر کے اس کا خاتمہ کر دیں تو تمہارا مطلب بغیر کسی تکلیف کے پورا ہو گیا۔ اگر سارے عرب پر اس نے غلبہ پالیا اور ان پر حکومت قائم کر لی تو وہ حکومت تمہاری ہی ہوگی۔ وہ عزت جو اس وقت اسے ملے گی وہ بھی تمہاری عزت ہوگی۔ اس طرح تم خوش نصیب ترین قوم ہو گے کہ بغیر کشت و خون کے تم عرب کے تاج و تخت کے مالک بن جاؤ گے۔

وہ یہ سن کر چیخ اُٹھے اے ابوالولید! اس کی زبان کا جادو تم پر چل گیا ہے اور تم بھی اپنے مذہب سے مرتد ہو گئے ہو۔ عتبہ بولا: میں نے اپنی رائے تمہیں بتادی اب جو تمہاری مرضی وہ کرو۔

(سبل الہدیٰ والرشاد امام یوسف صالحی جلد 2 صفحہ 449)

قرآن کریم کی اثر آفرینی کی چند اور مثالیں

کفار اگرچہ ضد اور تعصب کا مظاہرہ کرتے رہتے تھے لیکن ان میں یہ جرأت بھی نہ تھی کہ حضور انور ﷺ کی

دعوت حق کو کلیۃً مسترد کر دیں۔ اس پاکیزہ اور رسیلی صدا کی گونج وہ اپنے نہاں خانہ دل میں واضح طور پر محسوس کرتے تھے جب کبھی انہیں خلوت میسر آتی یا رات کے سناٹے میں ان کی آنکھ کھل جاتی وہ اس دعوت کے اثرات کو اپنے آبائی عقائد پر یلغار کرتے ہوئے چھا جاتے ہوئے محسوس کرتے اور اس یلغار کے سامنے انہیں اپنے توہمات کے یہ قلعے ریت کے گھر وندے محسوس ہونے لگتے۔ اپنے دلوں کی اس بے چینی سے نجات پانے کے لئے وہ طرح طرح کے حیلے کرتے لیکن بے چینی ذہنی خلفشار اور قلق ان کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ انتہائی ضبط اور احتیاط کے باوجود کفر کے بڑے بڑے سرغنوں کی زبان پر بے ساختہ ایسے فقرے آ جاتے جو اس کشمکش کا راز فاش کر دیتے جو ان کے قلوب و اذہان میں بڑے زور و شور سے برپا تھی۔ مثال کے طور پر چند واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

ابو جہل، اخنس بن شریق، ابوسفیان کا چھپ چھپ کر فرقان حمید کا سننا

سچ تو یہ ہے کہ بہت سے کافر ایسے تھے جن کے دلوں کو قرآن کے حسن اعجاز نے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ وہ یہ مانتے تھے کہ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں لیکن انہیں حسد اور بغض اجازت نہ دیتا تھا کہ وہ اسلام کو قبول کرنے کا اعلان کریں۔ آیات قرآنی کی تلاوت سننے کا شوق صرف معمولی قسم کے لوگوں تک محدود نہ تھا۔ بلکہ وہ لوگ بھی اس کے سننے کے متوالے تھے جو دنیاۓ کفر کے رکن اعظم تھے۔ چنانچہ امام ابن ہشام نے اپنی سیرت کی شہرہ آفاق کتاب میں ایک حیران کن واقعہ قلم بند کیا ہے۔

حضورِ نورِ نبی کریم ﷺ رات کے وقت تنہائی میں قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ایک رات اس روح پرور تلاوت کو سننے کے شوق میں ابوسفیان آیا اور چپکے سے ایک کونہ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ پھر ابو جہل رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضورِ نور ﷺ کی جاں نواز تلاوت کو سننے کے لئے اس مجلس میں آیا اور ایک گوشہ میں چھپ کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ تلاوت قرآن کریم سننے کی کشش ایک تیسرے کافر اخص بن شریق کو بھی محفل میں کھینچ لے آئی وہ بھی دبک کر کہیں بیٹھ گیا۔ تینوں کٹر کافر اور اسلام کے خون آشام دشمن تھے۔ لیکن قرآن سننے کے شوق میں یہاں چھپ کر بیٹھتے تھے اور انہیں ایک دوسرے کا کوئی علم نہ تھا۔ رات بھر یہ نورانی تلاوت نور برساتی رہی۔ یہ لوگ کیف و مستی میں ڈوبے بیٹھے رہے یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی سب اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں ان تینوں کی ملاقات ہو گئی لگے ایک دوسرے کو ملامت کرنے اور ایک دوسرے کو منع کیا کہ ایسی محفل کے سننے سے باز آئیں اگر سادہ لوح لوگوں کو پتہ چل گیا کہ ہم بھی رات بھر چھپ چھپ کر قرآن سنتے ہیں تو ان کا عقیدہ متزلزل ہو جائے گا۔

انہوں نے ایک دوسرے کو خبردار کیا کہ خبردار پھر ایسی حرکت نہ کرنا۔ جب دوسری رات آئی تو ان تینوں سے صبر نہ ہو سکا۔ تلاوت سننے کی بے قراری ہر ایک کو پھر وہاں کھینچ لائی ہر ایک یہی سمجھ رہا تھا کہ صرف وہی آیا ہے اور کوئی نہیں آتا۔ حسب معمول انداز غوغا مچا رہے تھے۔

بیت گئی۔ صبح کا اجالا پھیلنے لگا۔ سب اٹھے اور گھروں کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں پھر اچانک ایک دوسرے کا سامنا ہو گیا پھر ایک دوسرے کو مطعون کرنے لگے اور پھر تاکید کی کہ آئندہ یہ غلطی نہ کرنا ورنہ ہماری اس جرأت سے بے وقوف لوگ گمراہ ہو جائیں گے۔ تیسری رات نے جب اپنے پر پھیلانے اور ساری کائنات ظلمت شب میں ڈوب گئی تو ان کے ذوق و شوق کی چنگاری پھر سلگنے لگی۔ اور انہوں نے بے قابو اور بے اختیار ہو کر پھر ادھر کا رخ کیا جہاں سے اللہ تبارک تعالیٰ کے محبوب کی دلکش آواز تلاوت سنائی دے رہی تھی۔ یہ رات بھی بہت جلد سحر آشنا ہو گئی۔ وہ بھی اپنی اپنی جگہوں سے اٹھے اور گھروں کو روانہ ہوئے اور پھر راستہ میں تینوں کی مڈ بھیڑ ہو گئی۔ ندامت و شرمندگی سے ایک دوسرے سے آنکھیں ملانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے پھر تینوں نے پختہ عہد کیا کہ آئندہ نہیں آئیں گے اور تینوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہم یہاں سے رخصت نہیں ہوں گے جب تک پھر یہاں واپس نہ آنے کا پکا عہد و پیمان نہ کر لیں اور انہوں نے عہد و پیمان کر لیا۔

جب صبح ہوئی۔ اخنس بن شریق نے عصا پکڑا اور اس پر ٹیک لگاتا ہوا ابوسفیان کے گھر آیا اور اسے کہا۔ ”اے ابو حظلہ (ابوسفیان کی کنیت) مجھے بتاؤ جو کلام تم نے محمد (ﷺ) سے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔“

”ابوسفیان نے جواب دیا! اے ابو ثعلبہ (یہ اخنس کی کنیت ہے) بخدا بعض چیزیں جو میں نے سنی ہیں ان کو میں جانتا تھا اور ان کا مفہوم بھی مجھے معلوم ہے۔ لیکن بعض چیزیں ایسی ہیں جن کو نہ میں جانتا تھا اور نہ مجھے ان کا مفہوم معلوم ہے۔“

اخنس نے کہا۔ اس ذات کی قسم جس کی تم نے قسم کھائی ہے میرا بھی یہی حال ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر اخنس ابو جہل کے گھر گیا اور اس سے پوچھا۔

”اے ابو الحکم! جو تم نے محمد (ﷺ) سے سنا ہے اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔“ ابو جہل نے کہا:

”میں نے کیا خاک سنا؟ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا اور جو عبد مناف کا جھگڑا اس بات پر تھا کہ قوم کا سردار کون ہے؟ اس شرف اور سیادت کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے بھی اپنے دست خوان کو وسیع کیا اور ہر غریب مسکین کو کھانا کھلایا اور ہم نے بھی ان سے بازی لے جانے کے لئے دست خوان کو وسعت دی اور ہر غریب مسکین کی ضیافت کا اہتمام کیا انہوں نے بھی لوگوں کے بوجھ اٹھائے اور ہم نے بھی بوجھ اٹھائے۔ انہوں نے بھی اپنی فیاضی سے مانگنے والوں کی جھولیاں بھریں۔ ہم نے بھی اس بات میں ان سے سبقت لے جانے کی کوشش میں اپنی سخاوت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اور جب ہم باہم مقابلہ کے دو گھوڑوں کی مانند ہو گئے تو انہوں نے اچانک اعلان کر دیا کہ ہم میں سے ایک شخص کو نبوت ملی ہے اور اس کے ماس آسمان سے وحی آتی ہے۔ ہم یہ دعویٰ

کیسے کر سکتے تھے۔ بخدا ہم تو اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔“

(السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۳۷، ۳۳۸)

یہ سن کر اخس اٹھا اور اس کو خشمناک حالت میں بڑی ہانکتے ہوئے چھوڑ کر چلا گیا۔ قرآن کریم کا حسن بیان اور زور استدلال ہر سننے والے کو اندر ہی اندر متاثر کر رہا تھا۔ وہ سچائیاں جو اس کتاب مجید نے بیان کی تھیں ان کی وہ تردید نہیں کر سکتے تھے۔ وہ دلائل جن سے اس فرقان حمید کے صفحات جگمگا رہے تھے ان کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

نضر بن حارث

نضر بن حارث بھی قریش کا ایک رئیس تھا اور سردار جو پرلے درجے کا بد باطن اور خبیث النفس شخص تھا۔ اس کا شمار شیاطین قریش میں ہوتا تھا اور اس کا دل حضور انور ﷺ کے بغض اور عناد سے لبریز تھا۔ یہ شخص سرداران مشرکین کی مشاورت سے تحریک دین اسلام میں روڑے اٹکانے کی غرض سے حیرہ گیا وہاں سے ایران کے بادشاہوں اور وہاں کے پہلوانوں، رستم و اسفندیار کے قصے کہانیاں سیکھ کر واپس آیا اور اپنے ساتھ ان کہانیوں کی کتابیں بھی لے آیا۔ حضور پر نور ﷺ جب اپنے مواعظ حسنہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے جاتے تو یہ اس مجلس میں آ کر براجمان ہو جاتا اور لوگوں کو ایران کے بادشاہوں اور پہلوانوں کے عجیب و غریب قصے اور کہانیاں سناتا۔ پھر کہتا میرے جیسا حسن بیان کسے میسر ہے؟ جس طرح میں دل نشین انداز سے میں ان تاریخی واقعات کو بیان کرتا ہوں بھلا اور کون کر سکتا ہے۔

اس قماش کا آدمی جس کی رگ و پے میں اسلام کی عداوت سرایت کئے ہوئے تھی وہ بھی قرآن کریم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ابو جہل نے جب اپنے منصوبہ کی ناکامی کی وجہ بیان کی کہ وہ کیوں نہ حسب وعدہ حضور انور ﷺ کو اپنے پتھر کا نشانہ بنا سکا تو نضر بن حارث بھی اسی محفل میں موجود تھا اس سے ضبط نہ ہو سکا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور یوں گویا ہوا۔

اے گروہ قریش! جس بڑی مصیبت میں تم مبتلا ہو اس سے نجات کی کوئی صورت تمہیں نہیں سوجھتی۔ یہ وہی محمد (ﷺ) ہے جو کل تک جب جوان تھا تو سب کی آنکھوں کا نور تھا۔ تم میں سے سب سے زیادہ سچی بات کرنے والا تھا۔ تم میں سے زیادہ دیاندار اور امین تھا۔ آج جب اس کی کنپٹی کے بالوں میں سفیدی آگئی ہے اور تمہارے پاس ایک مخصوص پیغام لایا ہے جو تم نے سن لیا ہے تو آج تم کہتے ہو کہ یہ جادوگر ہے، نہیں بخدا وہ جادوگر نہیں ہے۔ ہم نے جادوگر بھی دیکھے ہوئے ہیں اور ان کی گرہیں لگا کر ان میں پھونک مارنے کے انداز بھی ہمیں معلوم ہیں۔ آج تم کہتے ہو وہ کاہن ہے، نہیں بخدا وہ کاہن نہیں۔ ہم نے کاہن دیکھے ہیں اور ان کے مسجع، مقفل جملے بارہا سنے ہیں آج تم کہتے ہو وہ شاعر ہے، نہیں بخدا وہ شاعر نہیں۔

ہمیں شعر کی حقیقت معلوم ہے۔ اس کی ساری صنفوں سے بھی ہم باخبر ہیں آج تم کہتے ہو وہ مجنون ہے نہیں بخدا وہ مجنون نہیں ہے ہم جنون کی حالت سے بھی بے خبر نہیں اور حالت جنون کی وسوسہ اندازیوں اور خلط ملط سے بھی ہم خوب واقف ہیں۔ اے گروہ قریش! اپنی حالت پر مزید غور کرو۔ بے شک تمہیں ایک بڑی مشکل صورت حال کا سامنا ہے۔ (السرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۱۹، ۳۲۰)

ولید بن مغیرہ کے خیالات

ولید بن مغیرہ بہت چالاک، عمر میں سب سے بڑا اور حالات پر گہری نظر رکھنے والا گھاگ قسم کا شخص تھا۔ حج کا موسم قریب آ رہا تھا۔ جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ سے آنے والے حاجیوں کے قافلوں کی آمد آمد تھی۔ اہل مکہ اپنے ان مہمانوں کی پیشوائی اور خاطر مدارت کے لئے انتظامات میں مصروف تھے۔ ایک روز سب اکابر قریش ولید بن مغیرہ کے پاس جمع تھے ایام حج کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے باہم مشورے کر رہے تھے۔ ولید بن مغیرہ، عمر میں بھی سب سے بڑا تھا اور قومی معاملات میں وسیع تجربہ رکھنے کے باعث لوگ اس کی عزت و احترام کرتے تھے۔ اسی نے سلسلہ گفتگو کا آغاز کیا اس نے کہا۔

تمہیں معلوم ہے کہ حج کا موسم آ گیا ہے۔ دور دراز علاقوں سے مختلف قبائل کے وفود یہاں آئیں گے یہ خبر تو ہر جگہ پہنچ چکی ہے کہ یہاں ایک ایسا شخص ظاہر ہوا ہے جو ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے۔

ان کی عبادت کی بجائے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ باہر سے آنے والے لوگ اس کے بارے میں ضرور ہم سے پوچھیں گے۔ اگر ہم نے ایک متفقہ جواب نہ دیا بلکہ ہر ایک نے الگ الگ جواب دیا تو وہ لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے اور ہمیں جھوٹا بھی سمجھیں گے۔ اس لئے ہمیں اس کے بارے میں ایک جواب پر متفق ہو جانا چاہئے آج ہم اتفاق سے اکٹھے بیٹھے ہیں۔ اس کے بارے میں ہمیں کوئی فیصلہ کر لینا چاہئے سب نے کہا اے ابا عبد شمس! (ولید بن مغیرہ کی کنیت) آپ ہی کہیں۔ آپ سے زیادہ سیانا اور کون ہے آپ جو طے کریں گے اس پر ہم سب عمل کریں گے۔ اس نے کہا نہیں آپ لوگ بتائیں میں سنوں گا۔ ولید کے اصرار پر لوگوں نے اپنی اپنی رائے کا اظہار شروع کیا کسی نے کہا کہ ہمیں لوگوں کو بتانا چاہئے کہ یہ کاہن ہے۔ ولید نے بخدا وہ کاہن تو نہیں۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے نہ اس کے کلام میں کاہنوں جیسی گنگناہٹ ہے اور نہ جع ہے۔ چند اور لوگ بولے پھر ہمیں کہنا چاہئے کہ یہ مجنون ہے۔ ولید نے اس سے بھی اتفاق نہ کیا۔ کہا وہ ہرگز مجنون نہیں۔ جنون کی کوئی ایک نشانی بھی تو اس میں نہیں پائی جاتی۔ نہ اس کے اعضاء از خود کپکپاتے ہیں اور نہ اس کی زبان سے کوئی مہمل اور بے معنی بات نکلتی ہے چند اور نے یہ تجویز پیش کی کہ پھر بہتر ہے کہ ہم اسے شاعر کہیں۔ ولید نے کہا ہم اسے شاعر کیونکر کہہ سکتے ہیں ہم خود اہل زبان ہیں شعر کی تمام صنفوں سے بخوبی واقف ہیں جو کلام محمد (ﷺ) سناتے ہیں وہ شعر کی جملہ صنفوں سے کسی صنف کے نیچے مندرج نہیں ہو سکتا۔

ساری محفل پر سکوت چھا گیا دیر تک سر جھکائے سوچ و بچار کرتے رہے پھر کسی نے سر اٹھایا اور کہا ہم اسے ساحر کہیں گے ولید نے اس رائے کو بھی مسترد کر دیا کہ کیا ہم جادو گروں اور ان کے جادو سے واقف نہیں؟ نہ یہ ان کی طرح پھونکیں مارتے ہیں نہ دھاگوں میں گرہیں لگاتے ہیں۔ جب ان پیش کردہ ساری آراء کو ولید نے خلاف حقیقت اور غلط قرار دے دیا تو سب نے عاجز ہو کر کہا کہ پھر تم ہی بتاؤ کہ ہمیں لوگوں کو ان کے بارے میں کیا بتانا چاہئے۔ ولید نے کہا۔ بخدا! جو کلام یہ سناتے ہیں اس میں ایک عجیب قسم کی مٹھاس ہے یہ ایسا سرسبز و شاداب تنا ہے جس سے بے شمار شاخیں پھوٹی ہوئی ہیں اس کی ٹہنیاں پکے پھلوں سے لدی ہوئی ہیں۔ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ہم کہیں گے تو لوگ جھٹ کہیں گے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ لیکن اب اس کے بغیر ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں ہے کہ ان کے بارے میں ہم سے جو کوئی پوچھے تو ہم کہیں کہ وہ ساحر ہے اس نے اپنے سحر کے اثر سے باپ سے بیٹے کو بھائی سے بھائی کو شوہر سے بیوی کو دوست کو دوست سے جدا کر دیا ہے اور سارے قبیلے میں پھوٹ ڈال دی ہے۔

آخر اسی بات پر اتفاق رائے ہو گیا اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ جب ایام حج میں حجاج کے قافلے مختلف سمتوں سے آنے شروع ہوئے تو یہ لوگ مختلف راستوں پر بیٹھ گئے اور جو شخص حضور پر نور ﷺ کے بارے میں ان سے دریافت کرتا سب وہی طے شدہ جواب دیتے کہ وہ بڑا جادوگر ہے اس نے اپنے جادو کے زور سے مکہ کے پر امن معاشرہ میں فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے۔

قارئین کرام! ان واقعات سے آپ اندازہ لگا لیا کہ سردارانِ مشرکین مکہ اور مکہ کے دانشور خوب سمجھتے تھے کہ حضور انور ﷺ نہ کاہن ہیں نہ مجنون نہ شاعر ہی اور نہ ساحر۔ قرآن کریم کے بارے میں بھی وہ دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرتے تھے کہ یہ کلام بہت با اثر ہے اور کہتے تھے کہ اسلام کے شجرِ دعوت کا تنا اتنا سرسبز و شاداب ہے کہ اس سے بے شمار شاخیں پھوٹ رہی ہیں اور ہر شاخ میٹھے اور پکے ہوئے پھلوں سے بھری لدی جھوم رہی ہے۔

ولید نے قرآن کریم کے بارے میں جو رائے دی۔ اس کے یہ الفاظ ہیں۔

”ایسا پھل جو پکا ہوا ہو اور جس کے توڑنے والے توڑتے ہیں۔“ (یعنی کہ میٹھا مکمل پکا ہوا پھل جس سے نصیبوں والے فائدہ اٹھاتے ہیں کھاتے ہیں)

یہ سب کچھ جاننے اور ماننے کے باوجود وہ حضور انور نبی کریم ﷺ کو روف و رحیم ﷺ پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ تھے یہ ان کی حرماں نصیبی تھی جس کا سب سے بڑا سبب ان کا اندھا تعصب تھا۔

(السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۸۳، ۲۸۴)

چنانچہ اسی ولید کے بارے میں قرآن کریم کی سورہ مدثر کی ۱۱ تا ۲۵ آیتیں نازل ہوئیں۔

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۚ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ۚ وَبَنِينَ شُهُودًا ۚ وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ۚ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۚ كَلَّا ۚ إِنَّهُ كَانَ لِأَيْثُنَا عَنِيدًا ۚ سَارَهُقُهُ صَلُودًا ۚ إِنَّهُ فَاكَّرَ وَقَدَّرَ ۚ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۚ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۚ ثُمَّ نَظَرَ ۚ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۚ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۚ فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۚ إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۚ

ترجمہ: ”آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں۔ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے۔ اس نے غور کیا اور پھر اک بات طے کر لی اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا پھر منہ بسور اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے یہ نہیں مگر انسان کا کلام۔“ (سورۃ مدثر آیات ۱۱ تا ۲۵)

کفار مکہ نے اپنے پروگرام کے مطابق باہر سے آنے والے حاجیوں کو حضور انور ﷺ کے بارے میں یہی بتایا کہ آپ ساحر ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قافلے واپسی میں جہاں جہاں سے گزرتے اور جہاں جہاں پہنچتے وہ حضور پر نور ﷺ کے بارے میں سب کو کچھ نہ کچھ ضرور بتاتے گئے۔ چنانچہ حضور انور ﷺ کے ذکر خیر سے عرب کی سرزمین کا چپہ چپہ گونجنے لگا۔

مشرکین مکہ کا یہودی علماء کی معرفت صداقت نبوت کا جانچنا

بت پرست طاغوتی طاقتوں نے دین حق کے علمبرداروں اور خدا اور رسول کی محبت سے سرشار اہل ایمان کو دین حق سے منحرف کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ وحشت کو بربریت کی انتہا کر دی اور کوئی ایسا نظم و چھوڑا جوان کی ناتواں جانوں پر نہ توڑا ہو۔ مگر ان تمام مظالم اور مذموم کوششوں کے باوجود بھی جب تحریک دین اسلام نہ دبی پیروکاروں کے حوصلے بلند رہے اور وہ دعوت حق اور عشق رسالت مآب ﷺ کا پرچم تھامے جرات و ہمت کے ساتھ راہ انقلاب پر گامزن رہے تو مشرکین مکہ کے حوصلے پست ہو گئے۔

لیکن وہ آسانی سے ہار ماننے والے نہیں تھے۔ یہ ان کا نہ ماننا، ان کا گھمنڈ، مغرور فطرت و طریقہ زندگی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی معیشت، عیش و عشرت اور شان و شوکت کا ڈھانچہ ہی اس جھوٹے وقار اور عارضی اقتدار کے سہارے قائم تھا۔ اگر وہ اسے ہاتھ سے جانے دیتے تو ان کی اصلیت واضح ہو جاتی جو کہ مکر و فریب، جھوٹ، جہالت، غداری، ضمیر فروشی، جو رو جفا اور خیانت و کمینگی سے عبارت تھی۔

مشرکین مکہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والے نہ تھے۔ انہیں اپنا بچاؤ اسی میں نظر آتا تھا کہ تحریک دین اسلام

کو ناکام بنادیں اور کسی صورت اسے بالکل ہی ختم کر دیں۔

اس لئے انہوں نے اپنی جھوٹی شان و شوکت کے دفاع کے لئے اور تحریک دین اسلام کو کمزور کرنے کے لیے ایک اور محاذ کھولنے کا فیصلہ کر لیا، اور وہ یہ تھا کہ حضور پر نورؐ نبی اکرم ﷺ سے ان کی صداقت کا کوئی ٹھوس ثبوت مانگا جائے جسے وہ پیش نہ کر سکیں۔ پھر اسے خوب اچھالا جائے اور منفی پروپیگنڈا کے ذریعے انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی جائے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوا کہ وہ مواد کہاں سے لیا جائے یہ تو طے تھا کہ پوچھے جانے والے سوالات نہایت مشکل ہوں مگر وہ کیا ہوں؟ انہیں سمجھ نہ آیا تھا۔ اسی طرح لیا جانے والا امتحان بہت سخت ہو مگر وہ کیا ہو؟ ان کا غیر تعلیم یافتہ اور ان پڑھ ذہن یہ مسئلہ حل نہ کر سکا۔

ﷺ

مشرکین مکہ کی یکے بعد دیگرے کئی چالیں، تدبیریں ہوئیں اور ان کے سامنے اسلام کا نوزائیدہ پودا تناور ہوتا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ تو پہلے ہی حرم (کعبہ) میں نماز ادا کرتے تھے اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی ادا کرتے تھے لیکن اب آپ ﷺ کے پیروکار بھی تبلیغ کرنے لگے تھے اور بہت حد تک آزادانہ حرم کعبہ میں نماز بھی ادا کرتے تھے یہ سب کچھ سرداران مشرکین مکہ سے دیکھنا نہ جاتا تھا وہ اسے بہت مشکل سے مجبوراً برداشت کر رہے تھے۔ انہیں اپنی چالاکی، ہوشیاری پر یقین تھا کہ وہ اپنی چالوں سے تدابیر سے تحریک دین اسلام کو ختم کر دیں گے۔ ان پے درپے ناکامیوں کے سبب جو جلن، آگ ان کے سینوں میں بڑھک رہی تھی وقت گزرنے کے ساتھ وہ اور بھی تیز ہو گئی۔ انہوں نے اپنی اس مشکل پر قابو پانے کے لئے پھر تیزی سے سوچنا شروع کر دیا۔ پھر سب سرداران مشرکین مکہ اس مسئلہ کو اپنے حق میں حل کرنے کے لئے سر جوڑ کر بیٹھے۔ نضر بن حارث نے یہ تجویز پیش کی کہ اگر ہمارا ایک وفد یثرب جائے اور وہاں اہل کتاب کے علماء احبار سے ملاقات کرے اور ان سے ان کے بارے میں پوچھا جائے کہ کیا یہ سچے نبی ہیں یا نہیں۔ ممکن ہے ان کی رہنمائی سے ہم کسی حتمی نتیجے پر پہنچ جائیں اور اس مصیبت سے نجات کی کوئی صورت نکل آئے چنانچہ کفار مکہ نے اس مقصد کے لئے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو نامزد کیا اور انہیں کہا کہ آپ یثرب جائیں۔

مشرکین مکہ نے اس مقصد کے لئے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو تیار کیا انہیں اور پڑھایا سکھایا ہدایات دیں۔ بانی دین، تحریک دین اسلام کی دشمنی میں ان دونوں کا نام سرفہرست تھا۔ اہل حق پر مظالم پر مظالم ڈھانے میں بھی یہ دونوں پیش پیش تھے اور مصطفوی تحریک کو دبانے اور انقلاب کا راستہ روکنے کے لئے دن رات سرگرم عمل رہتے تھے۔ اس کام کے لئے مشرکین اہل مکہ ان کی نظر میں یہ دونوں موزوں ترین تھے۔ چنانچہ وہ دونوں اس مہم پر روانہ ہوئے۔ لق و دق صحراؤں، بنجر میدانوں، خشک پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے کئی دنوں کے بعد وہ یثرب پہنچے۔

وہاں کے یہودی جید علماء سے رابطہ قائم کیا اور انہیں بتایا کہ ہمیں اہل مکہ نے آپ کی خدمت میں ایک

خاص مقصد کے لئے روانہ کیا ہے۔ ہم اتنا طویل سفر طے کر کے اس لئے آپ کے پاس آئے ہیں کہ آپ اس مدعی نبوت کے بارے میں ہمیں آگاہ کریں کہ وہ سچا ہے یا نہیں۔ انہوں نے حضور انور ﷺ کے سارے حالات تفصیل سے ان کو بتائے۔ ان احبار نے کہا کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اگر وہ درست ہے تو وہ سچے رسول ہیں اور ان کی دعوت برحق ہے اگر تم مزید آزمانا چاہتے ہو تو ان سے تین سوال کرو اگر وہ سچے نبی ہیں تو ان سوالوں میں سے دو کا جواب تفصیل سے دیں گے ایک کا جواب بہت مختصر ہوگا، نہیں دیں گے۔

(الخصائص الکبریٰ، جلال الدین سیوطی جلد ۱ صفحہ ۱۴۳)

(۱) پہلا سوال یہ ہے کہ ”عالمی سیاح“ کون تھا جو اپنی حیرت انگیز سیاحت کے دوران زمین کے مغربی حصوں تک پہنچا اور اپنا سفر جاری رکھا۔ پھر مشرقی حصوں تک چلا گیا اور ان علاقوں کا بغور مشاہدہ کیا اور بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے؟

(۲) دوسرا سوال یہ کہ وہ نوجوان کون تھے جو قدیم زمانے میں اپنے شہر سے نکلے اور پہاڑ کی ”کھوہ“ میں جا کر پناہ گزین ہوئے اور پھر انہیں ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا اس کی تفصیلات بتائی جائیں؟

(۳) تیسرا سوال یہ ہے کہ روح کی حقیقت پر روشنی ڈالیں؟

یہ سوالات سن کر نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کی باچھیں کھل گئیں سوالات انتہائی مشکل اور دورِ ما قبل تاریخ (بہت ہی پرانے، اس دور کے جس کی تاریخ نہیں ملتی) سے تعلق رکھتے تھے جن کے متعلق انہوں نے اپنے طور پر ہی فیصلہ کر لیا کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) ان کے جوابات نہیں دے سکیں گے۔ پھر تسلی کا ایک اور پہلو بھی تھا وہ یہ کہ ان کی صداقت کی نشانی یہ تھی کہ وہ پہلے دو سوالوں کے جوابات تفصیل سے دیں گے اور تیسرے کا بالکل مختصر جواب ہوگا اگر تینوں کے جوابات تفصیل سے دے دیں تو بھی سچے نہیں، تینوں کے جواب نہ دے سکیں تو بھی سچے نہیں۔

علماء احبار نے ان دونوں کو یہ دوبارہ ہدایت کی کہ اگر تم دونوں نے اس کے بارے میں ہمیں سچ بتایا ہے تو اس کے مطابق وہ اللہ کے فرستادہ سچے نبی ہیں۔ اب تم واپس جا کر ان سے یہ تین سوال پوچھو اگر وہ ان کے جوابات ہمارے بتائے ہوئے کے مطابق دے دیں تو وہ سچے نبی ہیں ورنہ دھوکا باز اور ملمع ساز شخص ہے تب تم جس طرح چاہو اس کے ساتھ نمٹ سکتے ہو۔

وہ دونوں اب بھی یہی سوچ رہے تھے کہ گویا سچائی کے امکانات کم تھے اور یہی چیز ان کے لئے خوشی کا باعث تھی۔ دو کا مفصل جواب دے کر ایک سے خاموشی اختیار کرنے یا بالکل مختصر جواب دینے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟ وہ یہی سوچتے سوچتے اور دل ہی دل میں تانا بانا بنتے مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔

دونوں نے یہودی علماء کو غور سے سنا تھا اور ان کی گفتگو اور وہ سوال جو انہوں نے انہیں بتائے تھے ان

دونوں نے ایک انجانی خوشی کے مارے بار بار دہرا کر ذہن نشین کر لئے تھے۔ انہیں اپنی مشقت و تدبیر کی کامیابی کا پہلے سے یقین تھا اب ان مشکل سوالات کی وجہ سے کامیابی سامنے نظر آرہی تھی۔ جب وہ مکہ پہنچے تو بڑے خوش و خرم تھے اور اپنی قوم کو انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ہم تمہارے پاس ایک فیصلہ کن چیز لے آئے ہیں اور اس سے ہم سب کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ سچے نبی ہیں یا نہیں اب مزید پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ پھر انہوں نے اہل مکہ کو وہ تین سوال بھی بتائے جو احبار یہود نے حضور انور ﷺ کی صداقت کو جاننے کے لئے انہیں بتائے تھے۔ مکہ میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی گویا اب یہ معمہ حل ہوا چاہتا ہے۔ اس کے بعد کوئی ذہنی اضطراب ان کا تعاقب نہیں کرے گا۔ سب اکٹھے ہو کر حضور پر نور نبی کریم ﷺ کا امتحان لینے کے لئے حضور انور ﷺ کے پاس آئے اور کہا اگر آپ (ﷺ) سچے نبی ہیں تو ان سوالات کا جواب دیجئے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم تاجدار کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ نے نزول وحی کے بعد ان کا جواب دینے کا وعدہ فرمایا چنانچہ چند روز بعد (بعض روایات میں پندرہ دن اور بعض میں تین دن) کے بعد جبریل امین سورہ کہف لے کر نازل ہوئے اس سورت میں ان تینوں سوالات کے مکمل جواب موجود تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے یہودی علماء نے بتایا تھا۔ دو سوالوں کے جواب خاصی تفصیل سے اور تیسرے کا جواب بالکل مختصر سا۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے یہ سورت پڑھ کر کفار کو سنائی۔ اس میں واضح طور پر بتایا گیا تھا کہ وہ نوجوان اصحاب کہف تھے۔ وہ سیاح ذوالقرنین تھا اور روح کی حقیقت جو تمہیں بتائی جاسکتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ یہ امر الہی ہے۔ روح کے بارے میں اس سے زائد کچھ جاننا انسان کی عقل و فہم سے ماورا ہے۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۲۰، ۳۲۲)

سورہ کہف میں دو سوالات کے مفصل جوابات دے کر تیسرے کے بارے میں صرف یہ فرمایا گیا۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۵

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝
ترجمہ: ”آپ فرمادیجئے کہ روح امر ربانی ہے اور تمہیں اتنا علم نہیں دیا گیا کہ اسے سمجھ سکو۔“

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۵)

یہودی علماء کے بتائے گئے کے عین مطابق جواب سن کر مشرکین مکہ سناٹے میں آ گئے ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ان پر صداقت نبوت کی تمام نشانیاں ظاہر ہو چکی تھیں، ان کے اپنے تسلیم کردہ معیار کے مطابق سرکارِ دو عالم ﷺ کی سچائی ثابت ہو چکی تھی۔ لیکن ہدایت انہیں ہی نصیب ہوتی ہے جنہیں اللہ تبارک تعالیٰ اس نعمت سے سرفراز کرنے کا فیصلہ صادر کرتا ہے۔

وہ پھر ہٹ دھرمی پر اتر آئے اور اسے اور بھی ”بڑا جادو“ قرار دے کر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم و ستم کے روح فرسا واقعات

ابتداء میں دعوت حق قبول کرنے اور علانیہ دین میں شمولیت اختیار کرنے والے لوگ دو طرح کے تھے۔ اول وہ لوگ جو تحریک دین اسلام کے شروع ہونے سے پہلے ہی تلاش حق میں سرگرداں تھے اور خیر و صداقت تک رسائی کے لئے اپنی ہمت کے مطابق ہاتھ پاؤں مار رہے تھے یہ لوگ طبعی طور پر نیکی پسند، دنیاوی تکلفات سے دور اور دائمی نجات کے خواہاں تھے انہیں مال و جاہ شہرت و شوکت اور مصنوعی عزت و وقار کی بھوک نہ تھی۔ وہ سیدھی راہ اور سچا رہنما چاہتے تھے ایسا رہنما جو صراطِ مستقیم دکھائے اور اس پر نفاست سے چلائے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ تحریک دین اسلام کے باکمال قائد اس معیار پر پورے اترتے ہیں، اور ان میں وہ تمام مطلوبہ خوبیاں موجود ہیں تو کسی توقف اور ہچکچاہٹ کے بغیر انہوں نے فوراً اس میں شمولیت اختیار کر لی اور اس کے مخلص کارکن بن کر ان راہوں کی طرف بڑھنے لگے جو فلاح و کامرانی رحمت و نجات کی طرف جاتی ہیں۔

دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جو معاشرتی حوالے سے کمزور، بے سہارا، اجنبی، غریب، مسکین و نادار تھے۔ غربت اور ناداری ان کی پہچان تھی اور امراء کی چاکری، ارباب اقتدار کی خدمت اور ذی جاہ آقاؤں کی خدمت و غلامی ہی ان کی زندگی تھی۔ چونکہ وہ صاحب ثروت، جائیداد و مقام نہ تھے اس لئے ان کے مادی مفادات کو کوئی خطرہ لاحق نہ تھا۔ جب انہوں نے ندائے حق کو سنا دین اسلام کی تعلیمات کو سنا کہ سب انسانوں کی برابری، اعتراف، اہمیت، عزت و وقار کا پاس، ہر ایک کی عزت افزائی، بہترین اخلاق و انصاف تو انہیں اس میں اور انسان کی قدر افزائی اس کے مال و جان، عزت نفس، حق حقوق کے تحفظ کی ضمانت، محبت و شفقت کی جھلک اور روح کی تسکین اطمینان و بالیدگی نظر آئی تو وہ کسی قسم کے تحفظات کے بغیر بڑے شوق سے آگے بڑھے اور ایمان لے آئے اور اس قافلہ عشق و مستی میں شامل ہو گئے۔

بانی دین، بانی تحریک دین اسلام حضور پر نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی اپنی ذات، اپنی صفات حمیدہ کے باعث خود بھی بڑی محترم اور معظم تھی آپ ﷺ میں رحمانی وقار و جمال اس قدر تھا کہ خواہ مخواہ دل

حضور انور ﷺ سے پیار کرنے پر اور حضور کی تعظیم بجالانے پر مجبور ہوتے تھے۔ پھر حضور انور ﷺ کو اپنے محترم چچا حضرت ابوطالب اور سارے خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب کی اس معاملہ میں تائید حاصل تھی، اس لیے کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ حضور ﷺ پر حملہ آور ہو سکے ورنہ جو انان بنی ہاشم اور مطلب کی شمشیریں حضور انور ﷺ کے دفاع میں بے نیام ہو جاتیں لیکن اس شخصی عظمت اور خاندانی سطوت کے باوجود مشرکین مکہ حضور پر نور ﷺ کو کس کس طرح ستایا کرتے تھے۔ طعن و تشنیع کے سارے تیر جو ان کی ترکش میں تھے ان کو وہ بے رحمی سے اسے استعمال کرتے تھے۔ جھوٹے الزامات اور بہتانوں کی بارش کرتے تھے۔ راستہ میں کانٹے بچھایا کرتے تھے۔ اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ حضور انور ﷺ کے صحن میں پھینک دیا کرتے تھے۔ غلاطیتیں اٹھا کر در اقدس پر ڈھیر کر دیا کرتے تھے۔ نماز بھی سکون اور اطمینان سے ادا کرنے نہیں دیتے تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق اگر اپنی خصوصی مہربانی سے اپنے حبیب کی حفاظت کا اہتمام نہ فرماتا تو ابو جہل اور ابولہب کے ارادے تو بڑے ہی خطرناک تھے۔ قارئین کرام! آپ اندازہ کیجئے کہ جب حضور پر نور ﷺ سے ان کا یہ معاملہ تھا تو جو لوگ حضور انور ﷺ پر ایمان لائے تھے ان کے ساتھ ان کے جو دوستم کا کیا عالم ہوگا؟

جو دوستم کی یہ کارروائیاں نبی ﷺ کے ساتھ ہو رہی تھیں اور عوام و خواص کے نفوس میں آپ ﷺ کی منفرد شخصیت کا جو وقار و احترام تھا اور آپ ﷺ کو مکہ کے سب سے محترم اور عظیم انسان ابوطالب کی جو حمایت و حفاظت حاصل تھی اس کے باوجود ہو رہی تھیں۔ باقی رہیں وہ کارروائیاں جو مسلمانوں اور خصوصاً ان میں سے بھی کمزور افراد کی ایذا رسانی کے لئے کی جا رہی تھیں تو وہ کچھ زیادہ ہی سنگین اور تلخ تھیں۔ ہر قبیلہ اپنے مسلمان ہونے والے افراد کو طرح طرح کی سزائیں دے رہا تھا اور جس شخص کا کوئی قبیلہ نہ تھا ان پر اوباشوں اور سرداروں نے ایسے ایسے جو دوستم روار کھے تھے جنہیں سن کر مضبوط انسان کا دل بھی بے چینی سے تڑپنے لگتا ہے۔

ابو جہل جب کسی معزز اور طاقتور آدمی کے مسلمان ہونے کی خبر سنتا تو اسے برا بھلا کہتا ذلیل و رسوا کرتا۔ اور مال و جاہ کو سخت خسارے سے دو چار کرنے کی دھمکیاں دیتا۔ اور اگر کوئی کمزور آدمی مسلمان ہوتا تو اسے مارتا پیٹتا اور دوسروں کو بھی برا بیچتے کرتا۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۲۰)

اسلام کے صد ہا جان نثاروں میں سے چند حضرات کے احوال بطور نمونہ قارئین کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ اس ابتلاء و آزمائش کے دور میں جس نے بھی اللہ تبارک تعالیٰ کے حبیب کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کی اسے آزمائش کی ان بھٹیوں میں جھونکا گیا تشدد اور بے رحمی کی ان پرانتھا کر دی گئی ابو جہل بد بخت اور اس کی قماش کے لوگوں کا اس کے علاوہ کوئی شغل ہی نہ تھا کہ وہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے اور جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے تاکہ وہ مرتد ہو جائیں اگر کوئی ایسا شخص مسلمان

ہو جاتا جو اثر و رسوخ کا مالک ہوتا اور معاشرہ میں جس کی قدر و منزلت ہوتی اس پر دست تعدی دراز کرنا تو بسا اوقات ان کے لئے ممکن نہ ہوتا۔ لیکن ایسے شخص کے پاس جا کر وہ پہلے اسے خوب سرزنش کرتے پھر کہتے تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم نے اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ کیا تمہارے باپ دادا تم سے زیادہ عقل مند نہ تھے؟ دیکھ! اگر تو باز نہ آیا تو ہم سارے شہر میں منادی کرادیں گے کہ تو پاگل ہو گیا ہے۔ تمہیں رسوا اور ذلیل کرنے میں ہم کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔ اگر کوئی تاجر اور کاروباری شخص اسلام قبول کرتا تو اس کے پاس جا کر دھمکی دیتے کہ ہم تیرا بایکاٹ کر دیں گے۔ شہر کا کوئی آدمی تم سے سودا نہیں خریدے گا یہاں تک کہ تیرا دیوالیہ نکل جائے گا اور تو کوڑی کوڑی کا محتاج ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی بے آسرا اور بے سہارا آدمی کلمہ شہادت پڑھ لیتا تو اس کی شامت آ جاتی۔ اسے نئے سے نئے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جاتا۔ دہکتے انگاروں پر اسے لٹایا جاتا۔ اس کی مشکیں کس کر چلچلاتی دھوپ میں تڑپنے کے لئے اسے ڈال دیا جاتا نہ پینے کے لئے اسے پانی دیا جاتا اور نہ کھانے کے لئے ایک لقمہ۔ لیکن اسلام کے یہ جان باز ان آزمائشوں میں پہاڑوں سے بھی زیادہ مستحکم ثابت ہوتے۔ اور ان کی استقامت کو دیکھ کر ان درندہ صفت انسانوں کے چھکے چھوٹ جاتے۔

اگر ان کا بس چلتا تو وہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اپنے ظلم کا ہدف بنانے سے باز نہ آتے جو اپنے خاندان اور معاشرہ میں بڑے باعزت مقام کے مالک تھے اور مشرکین مکہ نے موقع ملنے پر ابتداء میں تو ان پر بھی دست درازی کی ہے اور گاہے گاہے مختلف طریقوں سے اذیت کا سبب بنتے رہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب حرم شریف میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی تو کافروں نے آپ کو اس قدر مارا کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اسی غشی کی حالت میں آپ کو گھراٹھا کر لایا گیا اور کئی پہر گزرنے کے بعد آپ کو ہوش آیا۔ یہ اس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی دست درازی تھی جو مکہ کا ایک با اثر بار سوخ اور متمول تاجر تھا اور اپنے قبیلہ بنی تیم کا سردار تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی قبیلہ بنو امیہ کے معزز فرد تھے۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کوشش سے وہ مشرف باسلام ہوئے تو ان کا چچا ان کو کچے چمڑے میں لپیٹ کر اسے رسی میں باندھ کر دھوپ میں ڈال دیا کرتا تھا۔ کچے چمڑے کی بدبو اس پر عرب کی دھوپ، آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تکلیف کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے رسی سے باندھ کر مارا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۵۵)

اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ جب مشرف باسلام ہوئے تو ان کو ایسے ابتلا کا سامنا کرنا پڑا جن کے سبب عام آدمی کا دین پہ قائم رہنا ممکن نہ تھا۔ آپ کے خاندان والوں کو ان کے مسلمان ہونے کا جب علم ہوا تو انہوں نے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے سارے حیلے کئے لیکن بے سود۔ ان کی والدہ بھی اپنے کفر میں بڑی پختہ

نورام انور، نور رحمۃ للعالمین ۳۳۳ جلد دوم

تھی اسے جب پتہ چلا کہ اس کے لخت جگر نے اس کے معبودوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ہے اور قبیلہ کے لوگوں نے ان کو اس بغاوت سے دستبردار ہونے کے لئے بڑے جتن کئے ہیں لیکن وہ بری طرح ناکام ہوئے ہیں تو ماں کو بڑا صدمہ ہوا۔ آخری حربہ کے طور پر اس نے اپنے بیٹے کو بلا کر کہا۔ کہ بیٹا! بہتر ہے کہ اس نئے مذہب کو چھوڑ دو۔ اگر تم میری یہ بات نہیں مانو گے تو میں بھوک ہڑتال کر دوں گی۔ نہ کچھ کھاؤں گی اور نہ پیوؤں گی۔ دھوپ میں پڑی رہوں گی۔ یہاں تک کہ مجھے موت آ جائے۔ اگر اس طرح میں مر گئی تو سارے عرب میں تم بدنام و رسوا ہو جاؤ گے کہ یہ وہ بیٹا ہے کہ جس کی ضد نے اپنی ماں کی جان لے لی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی۔ انہوں نے یہی خیال کیا ہو گا کہ جب بوڑھی اماں کو بھوک اور پیاس تنگ کرے گی تو وہ خود ہی کھانا پینا شروع کر دے گی لیکن وہ بھی ہٹ کی پکی تھی۔ کئی دن گزر گئے نہ اس نے کھایا نہ پیا نقاہت اس حد تک پہنچ گئی کہ اس کی موت یقینی نظر آنے لگی۔ اس نے لوگوں کو کہا کہ سعد کو میرے پاس لے آؤ۔ اس کو یہ خیال تھا کہ مجھے نزع کی حالت میں دیکھ کر یقیناً سعد کا دل تسلیج جائے گا اور وہ اپنے اس نئے دین کو ترک کر دے گا۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لایا گیا اور انہوں نے اپنی ماں کی یہ حالت دیکھی تو ایک سچے مومن کی طرح ماں کو بلند آواز سے مخاطب کر کے فرمایا۔

”اے میری ماں، تم جانتی ہو کہ اگر تیری سو جانیں ہوں اور ہر جان ایک ایک کر کے تیرے بدن سے نکلے تب بھی بخدا میں اپنا دین نہیں چھوڑوں گا۔ اب تیری مرضی تو کچھ کھانا نہ کھا۔“

ماں نے اپنے بیٹے کا جب یہ عزم مصمم دیکھا تو اس نے بھوک ہڑتال ختم کر دی اور کھانا پینا شروع کر دیا اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس موقف کی تائید اور توصیف کرتے ہوئے سورہ لقمان کی آیت ۱۵ میں فرمایا۔

وَإِنْ جَاهَدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِيِمَالَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۚ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

ترجمہ ”اگر تیرے والدین اس بات کی کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو اس بات میں ان کی پیروی مت کر۔“ (سورہ لقمان آیت ۱۵)

جب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے ان کو مارتے مارتے بیہوش وادھ موا کر دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آ کر چھڑایا۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۲۱)

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے۔

(الاصباہ فی تمیز الصحابہ، عسقلانی جلد ۱ صفحہ ۵۲۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی اور چچا زاد بھائی سعید بن زید رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو رسیوں سے باندھ کر مارا۔ (بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۲۲۱)

خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو باپ نے مار مار کر سر زخمی کر دیا اور کھانا پینا بند کر دیا۔

(الاصابہ، مستقلانی جلد ۱ صفحہ ۴۰۶، مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۲۷۷)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو نوفل بن خویلد نے جو قریش کا شیر کہلاتا تھا دونوں کو پکڑ کر ایک رسی سے باندھ دیا اور اذیت دی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۲۱۵۔ سل الہدی وارشاد جلد ۲ صفحہ ۳۰۵)

ولید بن ولید رضی اللہ عنہ، عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو مشرکین مکہ نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور ہجرت بھی نہ کرنے دی کہ ہجرت ہی سے ان کے مصائب کا خاتمہ ہو جاتا۔ مدینہ منورہ میں آ کر حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مشرکین مکہ سے ان لوگوں کی رہائی کے لئے فجر کی نماز میں نام بنام دعا فرمایا کرتے تھے۔ (مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۷۵) (سورۃ لقمان آیت ۱۵)

جب ان با اثر متمول لوگوں کے ساتھ کفار کا یہ رویہ تھا کہ جتنا ان کا بس چلتا وہ ان پر جور و تشدد کرنے میں ذرا تساہل نہ کرتے تو اب آپ خود اندازہ لگالیں کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو غریب اور بے آسرا تھے جن کا کوئی حامی و ناصر، پرسان حال نہ تھا، یا جو بے یار و مددگار غلام و خادم تھے؟ کون سا ایسا ظلم ہوگا جو ان مسکینوں پر اس جرم میں نہ توڑا گیا ہوگا کہ وہ اللہ تبارک تعالیٰ کو وحدہ لا شریک کیوں ماننے لگے ہیں۔

مشرکین کے گھٹیا خیالات

ان غریبوں مسکینوں کے بارے میں تو مشرکین کے بہت گھٹیا خیالات تھے۔ ان کو تو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ میرا یہ کہنا بجا ہوگا کہ اس درجہ کے انسانوں کو وہ انسان نہیں بلکہ جانوروں کے معیار کی کوئی اور ہی مخلوق سمجھتے تھے۔

محبوب رب العالمین ﷺ جب حرم میں تشریف فرما ہوتے تو عام طور پر غریب اور مسکین صحابہ کرام اپنے آقا کی خدمت میں بصد ادب و نیاز حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔ جن میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرات خباب، عمار، ابوقحیہ، یسار مولیٰ، صفوان بن امیہ، صہیب رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان مظلوک الحال درویشوں کو دیکھ کر کفار قریش ان کا مذاق اڑاتے اور پھبتیاں کتے اور کن انکھوں سے دیکھتے اور ایک دوسرے کو کہتے۔ یہ ہیں ان صاحب کے معتقدین۔ کیا ہم جیسے رئیسوں اور دولت مندوں کو نظر انداز کر کے اللہ تبارک تعالیٰ نے ان بھک منگوں کو ہدایت کی نعمت سے نوازا ہے؟ اگر ان صاحب کا دین حق ہوتا تو یہ لوگ اسے قبول کرنے میں ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔ اور نہ اللہ تبارک تعالیٰ ہمیں نظر انداز کرتے ان کو اس نعمت سے سرفراز فرماتا۔ اس وقت مشرکین کے گھٹیا خیالات کے رد میں اللہ تبارک تعالیٰ نے سورہ انعام کی آیات ۵۴ تا ۵۲ آیات

نازل فرمائیں:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝
وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ۝ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيِنَا فَقُلْ سَلَمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَا أَنَّهُ مِنْ عَمَلٍ مِنْكُمْ سُوءٌ أَوْ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ
فَإِنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

”اور نہ دور ہٹاؤ انہیں جو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام، طلب گار ہیں (فقط) اس کی رضا کے، نہیں آپ پر ان کے حساب سے کوئی چیز۔ اور نہ آپ کے حساب سے ان پر کوئی چیز۔ تو پھر بھی اگر آپ انہیں دور ہٹائیں تو ہو جائیں گے بے انصافی کرنے والوں میں سے۔ اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈالا بعض کو بعض سے۔ تاکہ مال دار کافر، نادار مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں کہ کیا یہ ہیں احسان کیا ہے اللہ تبارک تعالیٰ نے جن پر ہم میں سے؟ خوب نہیں جانتا حق ماننے والوں کو۔ اور جب وہ تمہارے حضور حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرماؤ، تم پر سلام۔ تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کر لی ہے، کہ تم میں جو کوئی نادانی سے کچھ برائی کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورہ انعام آیات ۵۴ تا ۵۸)

ان ستم شعار باطل پرستوں نے جب دیکھا کہ نئے دین اور مشن کے ساتھ ان لوگوں کی جذباتی وابستگی نے دوسرے لوگوں کے لئے بھی راہ کھول دی ہے اور وہ اس کی رفاقت اختیار کرنے کے لئے سنجیدگی سے سوچنے لگ گئے ہیں تو وہ آپ سے باہر ہو گئے۔ انہیں اپنے مادی مفادات خطرے میں نظر آنے لگے وہ جانتے تھے کعبہ میں رکھے ہوئے بت اور جا بجا قائم صنم کدے ہی ان کی آمدن اور ذاتی وجاہت کا ذریعہ ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے لوگ انہیں عزت کی نظر سے دیکھتے اور نذرانے پیش کرتے ہیں اگر یہ بت خانے ہی ویران ہو گئے۔ تو کون انہیں پیشوا مانے گا اور نذرانے پیش کرے گا۔

الغرض مستقبل میں پیدا ہونے والے نتائج کے بارے میں سوچ کر ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا وہ تعصب و عناد غیظ و غضب اور جوش انتقام میں پہلے سے کہیں زیادہ آگے بڑھ گئے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوفناک مظالم اور جذبہ انتقام کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا ان کا خیال تھا کہ ان ظالمانہ کارروائیوں سے گھبرا کر یہ کمزور و ناتواں لوگ سب کچھ بھول جائیں گے۔ جب کھانے کو کچھ نہ ملا تو سارا نشہ ہرن ہو جائے گا جب اور سے ٹالما

ہوئی اور جسمانی اذیت پہنچی تو سب مذہب، دین اور فلسفے بھول کر اسی دین اور نظام کی طرف واپس آ جائیں جس سے نکلے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دیا ظلم کا آغاز کس طرح کیا؟ اور سب سے پہلے کون لوگ ان کے ہوش رہا مظالم کا نشانہ بنے؟ اس کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

”سب سے پہلے ان سات ہستیوں نے اپنا اسلام ظاہر فرمایا:

(۱) حضور نبی کریم ﷺ (۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عمار رضی اللہ عنہ (۴) حضرت عمار کی

والدہ ماجدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا (۵) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ (۶) حضرت بلال رضی اللہ عنہ (۷) حضرت مقداد

رضی اللہ عنہ۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی حفاظت کا انتظام ان کے چچا

حضرت ابوطالب کے ذریعہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کے ذریعہ بچایا باقی پانچ افراد کو

مشرکین نے اپنی گرفت میں لئے رکھا انہیں لوہے کی زنجیریں پہنائیں اور کڑکتی دھوپ میں بٹھا

دیا۔“ (سنن ابن ماجہ، المقدمة حدیث ۱۵۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان مظالم اور غیر انسانی سلوک کی داستان ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

”وہ لوگ انہیں بے تحاشا زد و کوب کرتے تھے اور بھوکا پیاسا رکھتے تھے یہاں تک کہ شدت تکلیف

کی وجہ سے ان میں سے کوئی شخص اس قابل نہیں رہتا تھا کہ سیدھا بیٹھ سکے۔“

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۵۹)

چونکہ یہ مساکین مختلف آقاؤں کے غلام تھے اس لئے انہوں نے اجتماعی مظالم کے علاوہ اپنے اپنے ذوق کے

مطابق جو انفرادی مظالم ایجاد کئے اور ان بے سہارا مظلوم غلاموں پر آزمائے ان کا کچھ تذکرہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی نژاد تھے اور سرزمین حبشہ کے سارے جسمانی خصائص ان کی ذات میں پائے

جاتے تھے مگر قدرت نے انہیں ایمان و استقامت کا کوہ گراں بنایا تھا۔ ظلم و ستم کے تمام حربے اور سفاکی کے

سارے ہتھیار ان پر آزمائے گئے مگر ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی وہ عزم و استقامت کی چٹان

بن کر ہوشربا تشدد اور غیر انسانی مظالم کے سامنے سینہ سپر رہے۔ اپنی جان ناتواں پر ہر ستم سہا، مگر ایمان کا دامن

ہاتھ سے نہ چھوڑا اور انگاروں پر لیٹ کر دین کے ساتھ اپنی وابستگی قائم رکھی۔

آپ امیہ بن خلف کے غلام تھے اور ان ازلی سعادت مندوں میں سے تھے جن کا شمار السابقون الاولون

میں ہوتا ہے امیہ بن خلف کی اسلام دشمنی یہ کب برداشت کر سکتی تھی کہ اس کا زر خرید غلام اس کی مرضی کے بغیر

اس کے بیشمار خداؤں کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور ایک خداوند حقیقی کی بندگی کا دم بھرنے لگے۔ اسے

جب معلوم ہوا کہ اس کا حبشی غلام مسلمان ہو گیا ہے تو غصہ سے اس کا خون کھولنے لگا۔ اس نے عزم کر لیا کہ وہ اس جرم کی بلال کو اتنی سخت سزا دے گا کہ اس کا برداشت کرنا ممکن نہ ہوگا اور وہ مجبوراً اس نئے دین سے اپنا رشتہ توڑ لے گا۔ امیہ بن خلف جیسا دشمن دین اور فرعون صفت شخص حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آقا تھا، ایسے بدنہاد اور سفاک شخص سے کسی بھی بدسلوکی کی بلکہ ستم ناروا کی توقع کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ اس شخص نے توقع اور اپنی فطرت کے عین مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر وہ ستم ڈھائے جن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر امیہ کی انسانی حس اس حد تک مرچکی تھی کہ وہ ہر ستم کو نا کافی سمجھتا تھا اور مظالم کے نئے نئے انداز ایجاد کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ مگر آفرین ہے اس شہباز راہ و فاپر جسے بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جو ہر نئی ایجاد کردہ سزا کا تختہ مشق بناتا تھا مگر احد، احد، اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کوئی کلمہ منہ سے نہیں نکالتا تھا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں۔

”حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ اہل ایمان کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جو معاشرتی حوالے سے کمزور تھا۔ اسلام لانے کی وجہ سے انہیں سخت عذاب دیا جاتا تھا تا کہ اس دین سے پھر جائیں لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کی کوئی بات نہ مانی سزا دینے کا فریضہ خود امیہ بن خلف انجام دیتا تھا۔“

”چنانچہ جب وہ لوگ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سخت تکلیف دیتے تھے تو وہ آگے سے احد، احد پکارتے رہتے تھے یعنی اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے، دشمن کہتے وہ کچھ کہو جو ہم تلقین کرتے ہیں۔ آپ جواب دیتے میری زبان پر وہ چڑھتا ہی نہیں ہے۔“ (طبقات الکبریٰ، ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۲۳۲)

جب کوئی حربہ کارگر نہ ہوا تو وہ ٹپٹا گئے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اس قوم کے سپرد کر دیا جن سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ یہ بچوں کی قوم ہے جو ہر عمل کو کھیل بنا لیتی ہے اور پھر اس میں ظلم کا خوفناک عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے مگر وہ ان کے لئے کھیل ہی رہتا ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

”پس انہوں نے بلال کے گلے میں رسی ڈال دی اور بچوں کے ہاتھ میں تھما دی تا کہ مکہ کے پہاڑوں کے درمیان ان کو گھسیٹیں مگر بلال رضی اللہ عنہ پھر بھی احد احد ہی کا نعرہ بلند کرتے رہے۔“

(طبقات الکبریٰ، ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۲۳۳)

حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ میں اسلام قبول کرنے سے پہلے حج کرنے کے لئے مکہ آیا میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اس کے گلے میں ایک لمبی رسی تھی جسے بچوں نے پکڑا ہوا تھا اور وہ اسے کھینچ رہے تھے اور بلال کہہ رہے تھے۔

”وہ یکتا ہے یکتا ہے میں لات وعزیٰ، ہبل اور نائکہ کی خدائی کا انکار کرتا ہوں۔“

(سبل الہدیٰ والارشاد، امام محمد بن یوسف شامی جلد ۲ صفحہ ۴۷۷)

امیہ کا دوسرا انداز تعذیب یہ تھا کہ پہلے وہ آپ کو بھوکا اور پیاسا رکھتا تھا پھر دوپہر کے وقت جب دھوپ خوب چمک رہی ہوتی اور ریتلی زمین تانبے کی طرح تپ رہی ہوتی۔ تو وہ آپ کو پتی ریت پر لٹا دیتا اور گرم پتھر رکھ دیتا اور پھر کہتا کہ اس دین کو چھوڑ دو اور لات و عزی کی عبادت کرو اور یا تم اسی طرح تڑپتے رہو گے یہاں تک کہ تمہارا دم نکل جائے۔ آپ نیم مدہوشی کے عالم میں یہی جواب دیتے:

”وہ یکتا ہے یکتا ہے۔ میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا میں لات و عزی کا انکار کرتا ہوں۔“

حضرت عمرو بن عاص کہتے ہیں۔

”ایک روز میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا جبکہ اسے گرم کنکریوں پر لٹا کر عذاب دیا جا رہا تھا۔ وہ کنکریاں اتنی شدید گرم تھیں کہ اگر گوشت کا ٹکڑا بھی ان پر رکھا جائے تو ان کی حرارت سے پک جائے۔“

اس کے باوجود وہ کہہ رہے تھے۔ اَنَا كَافِرٌ بِاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ میں لات و عزی کو نہیں مانتا میں ان کی خدائی کا انکار کرتا ہوں۔

امیہ یہ سن کر اور غضبناک ہو جاتا اور انہیں مزید ستانے لگتا۔ ان کے گلے کو زود سے دبا تا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو جاتے۔ (سبل الہدی والرشاد، امام محمد بن یوسف جلد ۲ صفحہ ۷۷۷)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب شدت عذاب میں احد احد کے نعرے لگاتے تو کافر ان کو تلقین کرتے کہ اس اذیت سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ تم یہ کفر یہ جملے کہو آپ فرماتے میری زبان ان کو بولنے سے قاصر ہے۔ میں معذور ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن جدعان کے غلاموں میں سے تھے اور مکہ کے گرد و نواح میں اس کی بکریاں چرایا کرتے تھے جب انہیں اسلام کی دعوت پہنچی تو انہوں نے بلا جھجک اسے قبول کر لیا لیکن اس کو ظاہر نہیں ہونے دیا ایک روز کعبہ کا طواف کرنے گئے اس کے ارد گرد بت قطار در قطار نصب تھے ان پر نفرت سے تھوک دیا اور زبان سے نکل گیا۔

”وہ نامراد اور گھائے میں ہے جو تمہاری عبادت کرتا ہے۔“

قریش نے ان کی یہ حرکت دیکھ لی اور ان کے مالک عبداللہ بن جدعان سے ان کی شکایت کی۔ اس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف کے حوالے کر دیا تا کہ وہ ان کی خوب مرمت کرے اور یہ نئے مذہب کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائے وہ سنگدل اس مسکین کو عذاب دینے کے نئے نئے طریقے اختیار کرتا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالتا۔ ایک روز حضور انور سرکارِ دو عالم ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا۔ جہاں انہیں عذاب دیا جا رہا تھا اور یہ کیف و مستی سے سرشار نیم مدہوشی کے عالم میں احد احد کے نعرے بلند کر رہے تھے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور

پُر نور، نورِ رحمت، رحمتِ مجسم ﷺ نے اپنے ستم جھیلنے والے غلام کو یہ مژدہ سنا کر مطمئن کیا۔
 ”کہ جس وحدہ لا شریک کے تم نعرے لگا رہے ہو وہی اس عذاب الیم سے تمہیں نجات دے گا۔“
 یہاں علامہ حلبی نے کتنا پیارا جملہ لکھا ہے۔

”یعنی بلال، احد احد کہہ کر عذاب کی تلخی میں ایمان کی مٹھاس کا امتزاج کر رہے تھے۔“
 جب امیہ نے دیکھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ان مظالم کا کچھ اثر نہیں ہوا اور اس نے بڑے عزم و حوصلہ کے ساتھ سب کچھ برداشت کر لیا ہے تو اہل نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اور ظلم و ستم کی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ کیا ابن اسحاق کا بیان ہے۔

”امیہ بن خلف حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تپتی دوپہر میں پکڑ کر باہر لے آتا تھا اور مکہ کی سنگلاخ زمین پر پیٹھ کے بل لٹا دیتا تھا پھر وہ ایک وزنی پتھر لانے کا حکم دیتا جو ان کے سینے پر رکھ دیا جاتا پھر امیہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے دھمکی دیتا تو تپتی زمین پر اس گرم وزنی پتھر کے نیچے اسی طرح پڑا رہے گا یہاں تک کہ تو مر جائے یا پھر محمد (ﷺ) کا انکار کر دے اور از سر نو لات اور عزیٰ کو پوجنے لگے۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس شدت اور تکلیف کے عالم میں بھی احد احد پکارتے رہتے۔“

(السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۱۸)

بعض اوقات ورقہ بن نوفل حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرتے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اس عذاب میں بھی احد، احد پکار رہے ہوتے تو ورقہ بن نوفل انہیں تسلی دینے کے لئے ان کے ہمنا بن جاتے اور کہتے: ہاں اے بلال! اللہ کی قسم! بے شک وہ احد ہے، احد ہے۔ پھر وہ امیہ اور دوسرے ستم شعاروں کو مخاطب کر کے کہتے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر تم نے اسے اسی طرح ظلم کر کے قتل کر دیا، تو میں اس کی قبر کو ”زیارت گاہ“ بنالوں گا۔
 اسی کتاب کے حاشیہ پر اس کی وضاحت یوں ہے۔

”یعنی میں اس کی قبر کو نزولِ رحمت و برکت اور کرم و عطوفت کی جگہ سمجھوں گا اور برکت حاصل کرنے کے لئے اسے ہاتھ لگایا کروں گا جس طرح شہداء اور صالحین کی قبور کو ہاتھ لگا کر برکت حاصل کی جاتی ہے۔“

ایک دفعہ کا ذکر ہے ظلم و ستم کی یہ مشق یونہی جاری تھی کہ ادھر سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے وحشت و بربریت کا یہ غیر انسانی کھیل دیکھ کر ان کا دل بھر آیا۔ امیہ بن خلف کے قریب گئے اور فرمایا:
 ”کیا تو اس مسکین کے بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ سے نہیں ڈرتا؟ کب تک یہ ظلم ڈھاتا رہے گا؟ امیہ نے جواب دیا: تو نے ہی اسے خراب کیا ہے اور اب اس عذاب سے تو ہی اسے نجات دلا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا: ہاں میں ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میرے پاس اس سے کہیں زیادہ مضبوط اور طاقتور حبشی غلام موجود ہے۔ جو تیرے دین کا پیروکار ہے میں بلال کے بدلے تجھے وہ قوی غلام دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے ایک طاقتور غلام دے کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لیا اور آزاد کر دیا۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۱۸)

اس واقعہ کے بارے میں امام محمد ابوزہرہ رحمہ اللہ السیرۃ الحلبیہ میں یوں فرماتے ہیں۔

آخر اللہ تبارک تعالیٰ کے محبوب کی خوشخبری کے پورے ہونے کا وقت آ ہی گیا۔ ایک روز آگ کی طرح سلگتی ہوئی ریت پر آپ کو امیہ نے لٹایا ہوا تھا۔ آپ کے سینہ پر بھاری چٹان رکھی تھی کہ وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ اپنے دینی بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر دل بھر آیا اور امیہ کو فرمایا:

”اس مسکین کے بارے میں تم اللہ سے نہیں ڈرتے کب تک اس بیکس پر یوں ظلم کرتے رہو گے۔“

امیہ بولا۔ اے ابوبکر! تو نے ہی اسے خراب کیا ہے اگر تمہیں اس پر زیادہ ترس آتا ہے تو اس کو چھڑالو حضرت ابوبکر نے فرمایا میرے پاس ایک حبشی غلام ہے جو اس سے مضبوط اور توانا ہے تیرا ہم مذہب ہے ایسا کرو۔ وہ تم لے لو۔ اور یہ نحیف و نزار غلام مجھے دے دو۔ امیہ نے کہا مجھے یہ سودا منظور ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا جوان اور تنومند غلام امیہ کو دے دیا اور بلال کو خود لے لیا۔ پھر اسے اپنے محبوب کریم کی بارگاہ جمال میں پیش کیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے روئے زیبا کے صدقے میں نے بلال کو آزاد کر دیا۔

(السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابوزہرہ جلد ۱ صفحہ ۴۷۴)

سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے اپنا غلام قسطاس امیہ کو دیا تھا قسطاس کی قیمت کئی ہزار دینار تھی۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک کاروباری ادارہ کا انچارج تھا اتنا قیمتی غلام دے کر خستہ جان بلال لے لیا۔ کیونکہ ایمان اور عشق مصطفیٰ نے اس کو انمول بنا دیا تھا۔

جب مشرکین کو پتہ چلا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اتنی گراں قیمت ادا کر کے امیہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ خریدا ہے اور پھر اسے آزاد کر دیا ہے تو یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی اور حیرت کا اظہار کرنے لگے۔ ان میں سے ایک سیانے نے کہا کہ حیرت کی کوئی بات نہیں۔ بلال نے ابوبکر پر کوئی احسان کیا ہوگا اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے ابوبکر نے اسے گراں قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ آیت اتار کر اس غلط فہمی کی تردید کر دی فرمایا۔

وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ إِلَّا إِتْيَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۝

”اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی

خوشنودی کا طلب گار ہے۔“ (سورہ ییل آیات ۲۰، ۱۹)

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا جب وقت آیا آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کے سر ہانے

جلد دوم

بیٹھی تھیں شدتِ غم سے ان کی زبان سے نکلا۔ **وَاحْزَنَاهُ** ہائے میرا رنج و غم۔ اس نزع کی حالت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ سن کر خاموش نہ رہ سکے۔ فرمایا یہ مت کہو بلکہ کہو۔

”کیا خوشی کی گھڑی ہے کل ہماری اپنے پیاروں سے ملاقات ہوگی۔ یعنی حضور پر نور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام سے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے۔“

گویا یہاں بھی حضرت بلال موت کی کڑواہٹ کو ملاقاتِ محبوب کی مٹھاس سے ملا رہے ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا

اسلام کا آفتاب طلوع ہونے سے بہت پہلے کی بات ہے۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اپنے دو بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ مکہ مکرمہ آئے اور پھر یہیں آباد ہو گئے۔ ان کے دونوں بھائی اپنا کام مکمل کر کے واپس چلے گئے مگر حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے اس پاکیزہ سرزمین کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس سلسلے میں ان کی بھرپور معاونت کی اور اپنی لونڈی سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی شادی کر دی۔ اس طرح یہ مکہ ہی کے باشندے بن گئے۔ قدرت نے انہیں عمار اور عبداللہ دو فرزند عطا کئے۔ اس طرح چار افراد پر مشتمل یہ مختصر سا کنبہ اپنی حیثیت کے مطابق سکون و اطمینان کی زندگی گزارنے لگا۔ قارئین کرام! حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تقریباً نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے ہم عمر تھے۔ اس سے ان کے والدین کی عمر کا اندازہ لگالیں۔ والدہ اندازاً 65 سال کی ہونگی اور والد محترم 70 سال کے ہوں گے۔ جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو اس کی رحمت بارشعاعیں اس خاندان پر بھی پڑیں۔ ان نے بہ صدق دل و جان اس نورِ سرمدی کو اپنے سینے میں اتار لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بنو مخزوم کے غلام تھے۔ ارباب کفر و شرک کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں جب انہوں نے دیکھا کہ یہ ایک لاوارث کنبہ ہے تو وہ دندانِ ستم تیز کر کے اس پر پل پڑے اور اسے اپنے مظالم کے شکنجے میں کس لیا۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مغازی سے ابن اسحاق کی ایک روایت نقل کی ہے۔

”حضور پر نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے ماں باپ کے قریب سے گزرتے تھے۔ اس وقت کافر لوگ مکہ کے تپتے پتھر یلے میدان میں ان لوگوں کو عذاب دے رہے ہوتے تھے انہیں اس تکلیف میں دیکھ کر آپ ﷺ فرماتے اے آل یاسر! صبر کا دامن تھامے رہو۔

ہم تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ کرتے ہیں۔“ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، امام حجر عسقلانی جلد ۲ صفحہ ۳۳۵)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے اس کمزور گروہ سے تعلق رکھتے تھے جنہیں سخت عذاب دیا جاتا تھا

تاکہ اپنا دین چھوڑ دیں۔

حضرت محمد بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس گروہ کی وضاحت کرتے ہوئے بتا دیا۔

”اور کمزور گروہ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا مکہ میں کوئی خاندان نہیں تھا اور نہ ہی انہیں مالی اور سیاسی قوت حاصل تھی چنانچہ ایسے بے یار و مددگار لوگوں کو قریش کے ”جیالے“ دوپہر کے وقت گرم زمین پر لٹا دیتے تھے تاکہ وہ اپنا دین چھوڑ دیں۔ (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۲۳۸) عمر بن حکم کا بیان ہے۔

”حضرت عمار بن یاسر، حضرت صہیب اور حضرت ابوفکیہ رضی اللہ عنہما کو ایسی ہوش ربا اذیتیں دی جاتی تھیں کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے اور ان میں سے کسی کو یہ ہوش نہیں رہتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔“

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

”مشرکین نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو آگ کے ساتھ جلا کر اذیت دینے کا مکروہ اور وحشیانہ دھندا شروع کیا ہوا تھا۔ اتنے میں حضور انور نبی کریم رؤف رحیم رضی اللہ عنہ اُدھر سے گزرے اور عمار کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا: اے آگ! تو ٹھنڈی ہو جا، اور عمار کو سلامت رکھ جس طرح تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر ٹھنڈی ہو گئی تھی اور انہیں محفوظ رکھا تھا۔“

(الطبقات الکبریٰ، ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۲۳۸)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ آگ سے عذاب دیا جاتا تھا۔ ابن جوزی لکھتے ہیں بسا اوقات سرکارِ دو عالم ﷺ ایسے اوقات میں تشریف لاتے جب انہیں آگ سے عذاب دیا جا رہا ہوتا۔ حضور انور ﷺ اپنا دست شفقت ان کے سر پر پھیرتے اور فرماتے۔

”اے آگ! جس طرح تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث تھی اسی طرح عمار رضی اللہ عنہ کے لئے بھی ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا۔“

ایک روز حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اپنی پشت سے قمیص اٹھائی تو وہاں برص کی طرح سفید داغ تھے۔ درحقیقت یہ آگ کے انگاروں کے جلانے کے نشانات تھے جو برص کے داغوں کی طرح سفید ہو گئے تھے۔ اور انگاروں کو ان کا جلانا، حضور ﷺ کی دعا سے پہلے پہلے تھا۔ اس مبارک دعا کے بعد پھر ان انگاروں کی مجال نہ تھی کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو جلاتے اور اذیت دیتے۔ (السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابوزہرہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۶)

حضرت ام ہانی سے مروی ہے کہ عمار، ان کے والد یاسر، ان کی والدہ سمیہ، ان کے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ سب وفا کیشوں کے اس زمرہ میں سے تھے جنہیں اللہ تبارک تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے جرم میں طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ ایک روز جب ان پر جو رستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے تو پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف رحیم رضی اللہ عنہ کا اُدھر سے گزر ہوا حضور ﷺ نے فرمایا:

”اے آل یاسر صبر کرو، اے آل یاسر صبر کرو! تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ ہے۔“
بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ ابو جہل، حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو طرح طرح کی اذیتیں دیتا تھا اور لوہے کی زرہیں پہنا کر انہیں عرب کی چلچلاتی دھوپ میں ریت پر لٹا دیتا تھا۔ ایک دن عمار نے بارگاہ رسالت میں فریاد کی۔

”میرے آقا! اب تو میرے جسم کا انگ انگ کفار کی بھڑکائی ہوئی آگ میں جل بھن رہا ہے۔“
اس ہادی برحق نے فرمایا۔

”اے ابوالیقظان (عمار کی کنیت) صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔ الہی! عمار کی آل کو بھی آگ کے عذاب سے بچانا۔“

(انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ تا ۱۶۰۔ السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابوزہرہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۶)

ایک دن حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اس وقت بڑے ہی مغموم و مایوس اور انتہائی پریشان تھے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ دریافت کی تو عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج ستمگروں نے اتنی اذیتیں دی ہیں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے کلمہ کفر کہلوانا چاہتے تھے تا مقدور میں انکار کرتا رہا مگر جب ان کا تشدد برداشت کرنے کی طاقت نہ رہی تو میں نے وہ کلمہ منہ سے نکال دیا اور ان کے بتوں کے لئے کلمہ خیر بھی کہا ان کے مظالم سے بچنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اب میں پریشان ہوں۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور فرمایا: یہ بتاؤ! تمہارے دل کا کیا حال ہے؟ عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا دل تو مطمئن ہے بدستور اللہ تبارک تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہے اور بتوں کو باطل سمجھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا ایمان برقرار ہے جب دل مطمئن ہو تو کسی کے مجبور کرنے سے ایمان زائل نہیں ہوتا، انسان کو اجازت ہے کہ جان بچانے کے لئے جو ظالم کہے وہ منہ سے نکال دے۔ اس موقع پر سورہ نحل آیت کریمہ ۱۰۶ نازل ہوئی۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۙ اِلَّا مِنْۢ اُكْرِهٖۙ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِاِلٰيْمَانٍ
”جس شخص نے ایمان لانے کے بعد جبر و اکراہ کی حالت میں کفر یہ کلمہ منہ سے نکالا مگر اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے (تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں)“ (سورہ نحل آیت ۱۰۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں میں نے حضور نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا!
”بے شک عمار انگلیوں تک یعنی پورے کا پورا ایمان سے بھرا ہوا ہے۔“ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۵۱۲)
اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”میرے بعد ابو بکر و عمر کی پیروی اور متابعت کرو اور عمار کی سیرت سے رہنمائی حاصل کرو۔“

کفار کی ان گوناگوں اور وحشیانہ اذیت رسانیوں سے حضرت یاسر رضی اللہ عنہ جاں بحق ہو گئے۔ ابو حذیفہ بن مغیرہ نے اپنی لونڈی سمیہ ابو جہل کو دے دی۔ پہلے اس نے ان کو درغلانے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن جب وہ سچی مومنہ اپنے ایمان پر پہاڑ کی طرح جمی رہی۔ تو مکہ کے ایک چوراہے میں تماشاخیوں کے ایک ہجوم میں اس نے آپ کے جسم کے نازک حصہ پر نیزہ مارا اور وہ غش کھا کر گریں اس عاشقہ صادقہ کے خون نے مکہ کی پیاسی ریت کو سیراب کیا۔ اور اپنی جان، جان آفرین کے نام کو بلند کرنے کے لئے بطور نذرانہ پیش کر دی۔

”تحریک اسلام میں سب سے پہلے شہادت کی خلعت فاخرہ سے جس خاتون کو نوازا گیا وہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی ذات والا صفات تھیں۔“

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے راہ حق میں جو خوفناک مظالم، جور و ستم برداشت کئے اور دشمنوں پر ثابت کر دیا کہ ایمان ایک ایسا جادو دانی اور سرمدی نشہ ہے جو ظالمانہ کارروائیوں سے نہ اترتا ہے نہ متاثر ہوتا ہے۔ جب یہ آب نشاط انگیز روح میں رچ بس جائے تو انسان ہر ظلم سہہ سکتا ہے مگر اس سے رشتہ نہیں توڑ سکتا۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ ہی کی طرح بہادر جانباز خاتون تھیں انہوں نے جان دے دی مگر ایمان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا ساتھ ساتھ نمبر تھا۔ ابو جہل نے انہیں بہت اذیتیں دیں جب انہوں نے ایمان کا دامن نہ چھوڑا تو اُس ابو جہل خبیث نے اُس کے جسم کے نازک حصہ میں نیزہ مار کر شہید کر دیا آپ اسلام میں پہلی شہید خاتون ہیں۔ رضی اللہ عنہا رضواناً کاملًا (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۳)

(۳) حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ ”موصل“ کے باشندے اور ایک امیر کبیر حکمران خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کا باپ ”اہلہ“ کا حاکم تھا۔ کسی بات پر رومی بگڑ گئے اور انہوں نے ان کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ فوجی قوت کے حوالے سے وہ برتر تھے اس لئے غالب آئے اور یہاں کے باشندوں کو گرفتار کر کے جنگلی قیدی بنا کر ”روم“ لے گئے ان قیدیوں میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بھی تھے اس وقت یہ بالکل بچے تھے۔ روم ہی میں پل کر جوان ہوئے ان ہی کی زبان سیکھی، اس لئے فصیح عربی نہ سیکھ سکے اور عجمیت ان کی زبان پر غالب آ گئی۔ عرب کے ایک قبیلہ بنو کلب نے ان کو ”اہل روم“ سے خرید لیا اور مکہ لے آئے یہاں عبداللہ بن جدعان نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا انہوں نے سکھ کا سانس لیا اور آزاد زندگی گزارنے لگے۔ درمیانے قد، انتہائی سرخ رنگ اور مضبوط اعصاب کے طاقتور انسان تھے۔ طبیعت حق پسند اور زہد و ریاضت کی طرف مائل تھی۔ دور جاہلیت کی رسوم و عادات کو پسند نہ کرتے تھے جب ہدایت کی پہلی کرن پھوٹی اور حضورِ نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیم ﷺ نے دعوت حق دی تو یہ فوراً قبول حق کے لئے تیار ہو گئے ان دنوں حضورِ نورؐ نبی اکرم ﷺ دار ارقم میں اقامت گزیں تھے اور خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اس دور کی کہانی اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے پہلی ملاقات کی تفصیل

یوں بیان فرماتے ہیں۔

میں ”دارِ ارقم“ کے دروازے پر صہیب سے ملا حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیمؐ گھر کے اندر موجود تھے۔ میں نے پوچھا: اے صہیب! کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا: اے عمار! پہلے آپ بتائیں آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا: میرا یہی ارادہ ہے کہ اندر جاؤں اور حضور محمد مصطفیٰؐ کی باتیں سنوں۔ انہوں نے جواب دیا میرا بھی ارادہ۔ چونکہ مقصد لیک اور نیک تھا اس لئے دونوں ایک ساتھ اندر گئے حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیمؐ نے اسلام پیش کیا ہم نے قبول کیا اور مسلمان ہو گئے۔ (الطبقات الکبریٰ، ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۲۲۷)

پھر صہیب رضی اللہ عنہ بھی اہل ستم کی چیرہ دستیوں کا نشانہ بن گئے۔ ایسے بے یار و مددگار مسلمان ان کا خصوصی شکار تھے جو عربی خاندان نہیں رکھتے تھے یا کسی کی پناہ میں نہیں تھے۔ انہوں نے صہیب رضی اللہ عنہ کو جی بھر کے ستایا مارا پیٹا، ہوش ربا مظالم ڈھائے مگر ان کے پائے استقلال میں فرق نہ آیا اور ظلم و بربریت کے طوفان میں بھی ثابت قدم رہے۔

(۴) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

یہ آزاد ماں باپ کے آزاد فرزند تھے۔ کسی نے ان کو زمانہ جاہلیت میں پکڑ لیا اور اپنا اسیر بنا لیا۔ اور کسی منڈی میں جا کر فروخت کر دیا۔ قبیلہ خزاعہ کی ایک عورت اُم انمار نے ان کو خرید لیا۔ آہن گری (لوہار) ان کا پیشہ تھا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کو ان سے الفت تھی۔ حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیمؐ اکثر ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس صحبت کی برکت سے آپ مشرف باسلام ہو گئے۔ ان کی مالکہ ام انمار کو جب یہ اطلاع ملی۔ تو اس کی ناراضگی اور برہمی کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ سنگ دل لوہے کا ایک ٹکڑا بھٹی میں گرم کرتی جب وہ لال سرخ ہو جاتا تو اسے چمٹے سے اٹھا کر خباب کے سر پر رکھ دیتی۔ اس سے جواذیت آپ کو پہنچتی ہوگی اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایک روز اپنے آپ رسول کریمؐ کی خدمت میں انہوں نے اپنی اس تکلیف کے بارے میں گزارش کی حضور ﷺ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! اس آزمائش میں تو خباب کی مدد فرما۔

لب مصطفیٰ کے حرکت میں آنے کی دیر تھی کہ اس ظالمہ ام انمار کو دردِ سر کی تکلیف شروع ہو گئی۔ درد کی شدت سے وہ کتوں کی طرح بھونکا کرتی تھی۔ اسے کہا گیا کہ سینگیاں لگواؤ۔ اب اس کے لئے حضرت خباب لوہے کا ایک ٹکڑا آگ میں گرم کرتے پھر اسے اس کے سر پر رکھتے۔ تب اسے کچھ آفاقہ محسوس ہوتا۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی آزمائش نے جب طول کھینچا تو انہوں نے اپنی داستانِ درد و الم حضور پر نورؐ نبی کریمؐ کی خدمت اقدس میں پیش کی۔ اس عرض داشت میں کچھ بے صبری کا اظہار بھی تھا، پیغمبرِ اول و آخر و اعظمؐ حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیمؐ اس وقت کعبہ شریف کے سایہ میں تکیہ سے ٹیک لگائے تشریف فرما تھے یہ وہ دن تھے جب کہ مشرکین عام مسلمانوں پر وحشانہ مظالم کما کرتے تھے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کتر ہیں۔

میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا حضور ﷺ ہمارے لئے دعا نہیں فرماتے کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہمیں اس تکلیف سے نجات دے۔ میری یہ بات سن کر سرکارِ دو عالم حضور پر نور ﷺ کا چہرہ مبارک جلال سے سرخ ہو گیا اور اٹھ کر بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ تم بے پہلے جو لوگ اللہ تبارک تعالیٰ پر ایمان لاتے تھے، کفار لوہے کی کنگھیوں سے ان کی ہڈیوں سے گوشت ادھیڑ لیا کرتے تھے اس کے باوجود وہ اپنے دین سے روگردانی نہیں کرتے تھے۔ بعض مومنین کے سروں پر آری رکھ کر چلائی جاتی تھی وہ ان کو دو حصوں میں کاٹ کر رکھ دیتی تھی پھر بھی وہ اپنے دین سے روگردانی نہیں کرتے تھے۔ اے خباب! سنو! یقیناً اللہ تبارک تعالیٰ دین اسلام کو غلبہ بخشنے گا (اور سارے جزیرہ عرب پر اسلام کا پرچم لہرائے گا) یہاں تک کہ صنعاء (یمن) سے ایک مسافر روانہ ہو کر ملک شام کے شہر بصرہ تک اکیلا جائے گا۔ اور اسے اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا۔ کسی کو یہ بھی خطرہ نہ ہوگا کہ کوئی بھیڑیا اس کی بھیڑوں کو پھاڑ ڈالے گا۔ (رواہ البخاری) (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۶۵ حدیث ۳۸۵۲)

انہیں انگاروں پر پیٹھ کے بل لٹایا جاتا یہاں تک کہ ان کی پیٹھ کی رطوبت یا پانی سے انگارے بجھ جاتے۔

(انساب الاشراف احمد بن یحییٰ بغدادی جلد ۱ صفحہ ۱۷۶)

آپ اپنی داستان الم یوں فرماتے ہیں۔

کہ میں نے ایک روز دیکھا کہ کفار نے میرے لئے آگ بھڑکائی۔ مجھے زمین پر لٹا دیا اس کے انگارے میری پشت پر رکھے ان کی تپش سے میری چربی پگھلی اور اس سے یہ انگارے بجھے۔

(السیرۃ الخلیہ، برہان الدین حلبی جلد ۱ صفحہ ۳۸۶)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ، خلیفۃ الرسول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں اپنے کندھے کے ساتھ بٹھایا اور فرمایا کہ تجھ سے زیادہ صرف ایک شخص ہے جو اس جگہ بیٹھنے کا حق دار ہے میں نے پوچھا اے امیر المومنین وہ کون ہے۔ آپ نے فرمایا: بلال۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ وہ مجھ سے زیادہ حق دار نہیں ان کے لئے تو چند معاون تھے جو مشرکین کو انہیں عذاب دینے سے روکتے تھے لیکن میرے لئے تو کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا۔ مجھے یاد ہے ایک دن انہوں نے میرے لئے آگ جلائی۔ پھر انہوں نے مجھے اس پر گھسیٹ کر لٹا دیا۔ پھر ایک کافر نے میرے سینہ پر پاؤں رکھ دیا۔ پھر حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ سے قمیص اٹھائی تو آپ کی پشت پر برص کی طرح جل جانے کے داغ تھے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، امام یوسف صالحی جلد ۲ صفحہ ۴۷۹)

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں لوہاروں کا کام کرتا تھا اور تلواریں بنایا کرتا تھا۔ عاص بن وائل نے مجھ سے تلواریں خریدیں اس کی قیمت اس کے ذمہ قرض تھی میں اس سے قرض مانگنے کے لئے آیا تو اس گستاخ نے کہا۔ بخدا! میں تمہیں اس وقت تک قرض ادا نہیں کروں گا جب تک تم محمد (ﷺ) کا انکار نہ کرو۔ آپ نے بڑی جرأت سے جواب دیا۔

”خدا کی قسم! میں اپنے محبوب کا انکار ہرگز نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ تو مر جائے اور پھر روز محشر تجھے قبر سے اٹھایا جائے۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۹۶)

باطل پرستی انسان کے باطن کو ویران اور اس کی ذات کو ہر انسانی قدر سے محروم کر دیتی ہے۔ وہ انسان ہوتے ہوئے بھی تمام اوصاف عالیہ سے عاری اور پاکیزہ جذبات سے محروم انسان نما وحشی درندہ بن جاتا ہے۔ ستم پسند اور اصنام کے پجاری انتقام کے جوش میں اسی قسم کے درندے بن گئے تھے اور وحشت و بربریت کو شعار بنا لیا تھا۔ مزید آگے بڑھے تو دیانت و امانت کے تقاضے اور آداب معاشرت بھی بھول گئے اور انتہائی گھٹیا حرکتوں پر اتر آئے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ بہترین تلوار ساز تھے آپ کی فنی مہارت کی پورے عرب میں شہرت تھی اور شوقین لوگ دور دور سے تلواریں بنوانے کے لئے آپ کے پاس آتے تھے اور گراں قیمت پر خرید کر لے جاتے تھے۔

آپ ایک با اصول ہنرمند اور تجربہ کار دکاندار تھے۔ کھری چیز بنا کر دیتے تھے اور کھری قیمت وصول کرتے تھے کسی کو آپ کے ساتھ بے اصولی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ مگر جب مسلمان ہوئے تو دین کے دشمن سب اصول بھول گئے ان کی ذات پر جو خوفناک مظالم ڈھائے وہ اپنی جگہ رہے جو دیانت و امانت کے تقاضے تھے وہ بھی طاق نسیاں پر رکھ دیئے اور ادائیگیوں سے انکار کر دیا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ خود راوی ہیں۔

”میں لوہار تھا اور مکہ میں تلواریں بنایا کرتا تھا چنانچہ میں نے عاص بن وائل کے لیے تلوار بنائی۔ پھر قیمت لینے کے لئے اس کے پاس گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا: میں تلوار کی قیمت نہیں دوں گا یہاں تک کہ تو محمد (ﷺ) کا انکار کرے۔ میں نے کہا: میں تو حضور پر نور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا کبھی بھی انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ تجھے مار کر پھر زندہ کرے۔“

(صحیح بخاری کتاب تفسیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۱)

دوسری جگہ وضاحت ہے عاص بن وائل حیران ہو کر بولا۔

”کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟ میں نے جواب دیا: ہاں اس نے ادائیگی کے بجائے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔ جس طرح یہاں میرے پاس دولت و اولاد ہے اس طرح وہاں بھی ہوگی میں وہیں ادائیگی کر دوں گا۔“ (صحیح بخاری کتاب تفسیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۱)

اس موقع پر سورہ مریم کی آیات ۷۷ تا ۸۰ نازل فرمائی گئیں۔

اَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَرِثَهُ مَا يَقُولُ ۝ وَيَأْتِنَا فَزْدًا ۝

ترجمہ: ”کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے دولت اور اولاد دی جائے گی کیا اس نے نظر نہ آنے والی دوسری دنیا کو جھانک کر دیکھ لیا ہے؟ یا اللہ کے ساتھ کوئی معاہدہ کر لیا ہے؟ اس کی بات غلط ہے جو وہ کہتا ہے وہ ہم لکھ لیں گے اور اسے لمبا عذاب دیں گے اور ان چیزوں کے ہم مالک ہوں گے جن کا وہ دعویٰ دار ہے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔“

(سورہ مریم آیات ۷۷ تا ۸۰)

(۵) حضرت ابو فکیسہ رضی اللہ عنہ (أَفْلَحَ . ابُو فُكَيْهَه)

حضرت فکیسہ جن کا نام افلح تھا بنی عبدالدار کے غلام تھے۔

یہ امیہ کے بیٹے صفوان کے غلام تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایمان لائے تھے ایک روز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ صفوان کے باپ امیہ نے انہیں پکڑا ہوا ہے اور رسیوں سے باندھ کر عین دوپہر کے وقت کوٹلوں کی طرح دہکتی ہوئی ریت پر ان کو پیٹھ کے بل لٹایا ہوا ہے اور ان کے پیٹ پر ایک وزنی پتھر رکھا ہوا ہے اوپر سے دھوپ کی تپش نیچے سے گرم ریت کی جلن اور پیٹ پر بھاری پتھر کا وزن زبان منہ سے باہر لٹک آئی ہے اور امیہ کا بھائی کہہ رہا ہے کہ اسے اور عذاب دو اسے اور اذیت پہنچاؤ۔ یہاں تک کہ اس کی چیخ و پکار سن کر خود محمد (ﷺ) آئے اور اپنے جادو کے زور سے اسے ہم سے چھڑائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنے دینی بھائی کی یہ اذیت دیکھی نہ جاسکی۔ اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کی اور اس طرح انہیں ظلم و تعدی کے شکنجہ سے نجات دلائی۔

ایک دفعہ امیہ نے آپ کے پاؤں میں رسی باندھی اور نوکروں کو حکم دیا انہیں زمین پر گھسیٹیں۔ پھر آپ کو گرم سنگریزوں پر ڈال دیا۔ پاس سے جعل (گوبر کا کیڑا) گزرا۔ امیہ نے پوچھا کیا یہ تمہارا رب نہیں ہے؟ آپ نے جواب دیا۔

”میرا رب تو اللہ تبارک تعالیٰ ہے جس نے مجھے بھی پیدا کیا، تجھے بھی پیدا کیا اور اس گوبر کے کیڑے کو بھی پیدا کیا۔“

امیہ اس جواب سے آگ بگولہ ہو گیا اور آپ کا گلا گھونٹنے لگا۔

(انساب الاشراف، احمد بن یحییٰ بغدادی جلد ۱ صفحہ ۱۹۸)

حضرت ابو فکیسہ رضی اللہ عنہ بھی ستم رسیدہ غلاموں میں سے تھے جب اسلام لے آئے تو اہل مکہ کی ستم رانیوں کا نشانہ بن گئے۔

امیہ بن خلف نے ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور اسی طرح گھسیٹتا ہوا میدان میں لے آیا اور تپتی زمین پر ڈال دیا پھر گلا دبانا شروع کر دیا۔ اتنے میں اس کا بھائی ابی بن خلف آ گیا اور ترس کھا کر اسے چھوڑنے کا مشورہ دینے کی بجائے اور زیادہ اکسایا کہ اور زور سے گلا دبا: امیہ اسی طرح گلا دباتا رہا یہاں تک کہ آپ کی

گردن ڈھلک گئی اور اس نے گمان کر لیا کہ مر گئے ہیں۔ اس دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے اور انہیں اس ظالم سے خرید کر آزاد کیا۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، حجر عسقلانی جلد ۲ صفحہ ۱۵۶)

حمامہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت بلال کی والدہ تھیں یہ بھی مشرف باسلام ہو گئی تھیں ان کو بھی اس جرم میں ان کا کافر مالک طرح طرح کی سزائیں دیتا تھا اور اذیتیں پہنچایا کرتا انہیں بھی حضرت صدیق نے خرید کر ان کے بد باطن سنگدل مشرک آقا کے چنگل سے رہائی دلائی۔

زینرہ رضی اللہ عنہا

یہ بھی ایک مشرک کی کنیز تھیں۔ جب مسلمان ہو گئیں تو ان کے بے رحم مالک نے ان پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی۔ یہاں تک کہ ان کی بینائی ختم ہو گئی۔ ایک روز ابو جہل نے اس پاک باز خاتون کو طعنہ دیتے ہوئے کہالات وعزیٰ نے تیری آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے انہوں نے جھٹ جواب دیا۔

”ہرگز نہیں بخدالات وعزیٰ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر، یہ تو آسمانی حکم ہے اور میرا رب اس چیز پر قادر ہے کہ میری بینائی لوٹا دے۔“

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے صدقے اس کے اس توکل و زعم باللہ کو قبول فرمایا اور جب صبح ہوئی تو ان کی بینائی لوٹ آئی اب ہر چیز ان کو نظر آنے لگی تھی قریش کی آنکھوں پر بد بختی کے پردے پھر بھی پڑے رہے کہنے لگے یہ محمد (ﷺ) کے جادو کا اثر ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا ان کی ایک لڑکی تھی اسے بھی آپ نے خریدا اور آزاد کر دیا۔ ابو جہل ان کی غربت ان کی بے کسی کو دیکھ کر لوگوں کو کہا کرتا تھا کہ تم ان غلاموں اور لونڈیوں کو دیکھ کر حیران نہیں ہوتے ہو کہ وہ کس طرح محمد (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں۔ اتنا نہیں سوچتے کہ محمد (ﷺ) جو کچھ لے آئے ہیں اگر اس میں کوئی خیر اور بھلائی ہوتی تو کیا اس کو قبول کرنے میں یہ اجڈ اور جاہل ہم سے سبقت لے جاتے۔ کیا ہم آگے بڑھ کر اس دین کو سب سے پہلے قبول نہ کر لیتے گویا اس جہالت کے باپ (ابو جہل) کے نزدیک ان غریبوں اور مسکینوں کا اس نبی مکرم ﷺ پر ایمان لے آنا اور ان سرکشوں اور متکبروں کا ایمان نہ لانا اسلام کے باطل ہونے کی سب سے بڑی دلیل تھی حالانکہ ہدایت اللہ تبارک تعالیٰ کا عطیہ ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے نروم کر دیتا ہے۔

امّ عئیس رضی اللہ عنہا

بعض روایات میں ان کا نام ام عیسٰی لکھا ہے۔ یہ بنو زہرہ خاندان کی کنیز تھی اسود بن عبد یغوث انہیں طرح طرح کے عذاب دیا کرتا تھا ان کو بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خریدا اور آزاد کر دیا۔

نہد یہ اور ان کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا

یہ دونوں ولید بن مغیرہ کی لونڈیاں تھیں۔ انہیں بھی اللہ تبارک تعالیٰ نے نعمت ایمان لے مالا مال کر دیا تھا پھر یہ ایک عورت کی ملکیت میں چلی گئیں جب یہ ایمان لے آئیں تو یہ بے رحم مالک ان کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتی اور کہتی کہ میں کبھی بھی تمہیں ستانے اور اذیت دینے سے باز نہیں آؤں گی جس نے تجھ کو بے دین کیا وہ تمہیں خرید کر آزاد کر دے۔

ایک دن وہ ماں بیٹی اپنی مالکہ کا آٹا پیسنے کے لئے جا رہی تھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں خریدا اور اسی وقت آزاد کر دیا۔ اس نے جو قیمت مانگی وہی اس کو دے دی اور انہیں کہا اب تم دونوں آزاد ہو۔ اور جو آٹا پیسنے کے لئے جا رہی تھیں اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ اس کو واپس کر دو۔ لیکن انہوں نے عرض کی ہم چاہتی ہیں کہ آٹا پیس کر اس کے حوالے کریں۔ آپ نے فرمایا یہ تمہاری مرضی۔

لطفیہ رضی اللہ عنہا

یہ عامر بن فہیرہ کی بہن تھی اور حضرت عمر کی لونڈی تھی۔ ان کی ایک اور لونڈی بھی تھی جو مسلمان ہو گئی تھی۔ اسلام لانے سے پہلے عمر بن خطاب کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد کے جو دریا موجزن تھے اس کی وجہ سے ان بیچاری لونڈیوں کو وہ خوب پٹتے تھے۔ انہیں کوئی چھڑانے والا بھی نہ تھا۔ اتنا پٹتے کہ تھک جاتے اور ستانے کے لئے رکنا پڑتا، انہیں کہتے کہ میں ذرا دم لے لوں پھر تمہاری خبر لیتا ہوں۔ اس بہیمانہ زد و کوب کا سلسلہ دیر تک جاری رہتا۔

ایک روز جب عمران پر مشق ستم کر رہے تھے اور مار مار کر تھک گئے تو اس لونڈی نے کہا اے عمر! اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو میرا رب تمہیں بھی ایسے ہی عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (السیرۃ الخلیفہ، امام محمد ابوزہرہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۶) الہی! کیا شان ہے تیرے نام کی، کن ناقابل تسخیر قوتوں کا مخزن ہے تیری ذات پر ایمان، کیا عظمتیں ہیں تیرے محبوب کے ذوق غلامی کی، جن کو یہ سرمدی نعمتیں تو عطا فرماتا ہے، وہ ذرے ہوں تو رشک آفتاب بن جاتے ہیں، وہ قطرے ہوں تو سمندر کی بیکرا نیوں کے امین بن جاتے ہیں وہ غلام ہوں تو دنیا کے ظالم منکبر فرمانروا بھی ان کے تابعدار، نوکر بن جاتے ہیں۔

اس لطفیہ کو بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خریدا اور خرید کر اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ نحیف و نزار غلاموں اور لونڈیوں کو ان کا بیٹا ابوبکر خریدتا ہے اور آزاد کر دیتا ہے تو انہوں نے ازراہ خیر خواہی اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔ ”اے میرے بیٹے! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایسے غلاموں کو آزاد کرتے ہو جو ضعیف اور کمزور ہیں اگر تمہیں غلاموں کو آزاد کرنے کا شوق ہے تو جواں اور طاقتور غلاموں کو آزاد کیا کرو۔ جو مشکل میں تمہارے دست و بازو بنیں اور دشمن کے مقابلہ میں وہ تمہارے لئے سینہ سپر ہوں۔“

(سبل الہدیٰ والرشاد، امام یوسف صالحی جلد ۱ صفحہ ۴۸۳)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

”میں تو یہ جو کچھ کر رہا ہوں محض اپنے بزرگ و برتر رب کی رضا کے لئے کر رہا ہوں۔“
اللہ تبارک تعالیٰ نے باپ اور بیٹے کی گفتگو سنی اور یہ پیغام دے کر جبریل امین کو اپنے محبوب رسول نبی کریم رُوف الرحیم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا اور سورہ ییل کی آیات ۵ تا ۷ نازل فرمائیں۔
فَمَا مِّنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنِيْسِرُهٗ لِلْيُسْرٰی ۝

”پھر جس نے راہ خدا میں اپنا مال دیا۔ اور اس سے ڈرتا رہا اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راہ۔“ (سورہ ییل آیات ۷ تا ۹)

دریاد دل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جن غلاموں اور لونڈیوں (گھریلو خادماؤں) خرید کر آزاد کیا ان میں سے کچھ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

حضرت بلال بن رباح

حضرت ابوفکیسہ (أَخ)

حضرت عامر بن فہیرہ

حضرت عمارہ

حضرت زبیرہ

حضرت ام عنیس

حضرت لطیفہ

حضرت نہدیہ اور صاحبزادی

اور قبیلہ بنی عدی کے ایک خانوادے بنی مول ایک لونڈی رضی اللہ عنہا

یہ لوگ اس دور کی مظلوم ترین مخلوق تھے جن پر ہر ظلم روا رکھا جاتا تھا اور جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صرف رضائے الہی کے حصول کے لئے ان غریب و مظلومین کو خرید کر آزاد کیا۔ اس پر آپ کے والد ابوقحافہ نے کہا: تم نے کمزور و ناتواں غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر آزاد کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ وہ درست نہیں طاقتور غلام خرید کر آزاد کرو تا کہ ایک مضبوط جتھہ تیار ہو اور کل تمہارے کام آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو بڑا ایمان افروز جواب دیا: اے باپ! میں یہ غلام اللہ کی رضا کے لئے آزاد کرتا ہوں ان کی آزادی سے میرا کوئی دنیاوی مفاد وابستہ نہیں ہے۔ بارگاہ خداندی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عمل مقبول و خشنود ہے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا
ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝

”وہ عظیم انسان اس آگ سے محفوظ رہے گا جو بڑا ہی متقی ہے اور اپنا مال خرچ کرتا ہے تاکہ پاک
ہو اس کے اوپر کسی نے احسان نہیں کیا جس کا یہ بدلہ چکانا چاہتا ہو اس کے پیش نظر رب اکبر کی رضا
ہے اور وہ یقیناً اس سے راضی ہو جائے گا۔“ (سورہ ییل آیات ۲۱ تا ۲۴)

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امراء مکہ کے مظالم میں شدت آگئی۔ وہ دہشت گردی پر اتر آئے ان کے
اطوار و حرکات میں دیوانگی کی جھلک نظر آنے لگی جیسے جوش انتقام میں ان پر جنون کی کیفیت طاری ہوگئی، اور اب
وہ ہر قیمت پر اس تحریک کو کچلنا چاہتے ہوں۔

مظلوم غرباء و مساکین اور ظالم آقاؤں کے زیر نگیں غلام اور کنیریں آخر گوشت پوست کے بنے ہوئے
انسان تھے پتھر کی بے جان مورتیاں نہ تھے جو ان چیرہ دستیوں سے متاثر نہ ہوتے۔ ان کے ناتواں جسموں پر
آزمائے جانے والے ظلم و ستم کے نت نئے حربوں نے انہیں پریشان کر دیا۔ حوصلہ تو نہ ہارا مگر دل میں آرزو
انگڑائیاں لینے لگی کہ اب ان مظالم کی حد ہو چکی ہے اب انہیں ختم ہونا چاہئے۔ اہل مکہ نے مظالم کی انتہا کر دی
ہے اور تشدد کی ایسی خونچکاں داستانیں رقم کی ہیں جن کی مثال نہیں ملتی اس لئے انہیں اس کی سزا ملنی چاہئے تاکہ
انہیں احساس ہو کہ دوسرے بھی انسان ہیں اور ان پر سختی کی جائے تو انہیں بھی تکلیف ہوتی ہے۔

ایک دفعہ انہوں نے بارگاہ رسالت میں اپنے ان جذبات کا اظہار کر ہی دیا: حضرت خباب رضی اللہ عنہ اس
حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں:

”میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا آپ اس وقت کعبہ کے زیر سایہ ایک چادر کا ٹکے
لگا کر بیٹھے ہوئے تھے یہ اس دور کی بات ہے جب ہم مشرکین کے شدید مظالم کا نشانہ بنے ہوئے
تھے پس میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ تبارک تعالیٰ کی بارگاہ میں ان ظالموں کے خلاف
دعا نہیں کریں گے؟ یہ سن کر آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: جو اہل ایمان تم
سے پہلے گزرے ہیں ان کا گوشت پوست لو ہے کی کنگھیوں کے ساتھ ہڈیوں سے ادھیڑا جاتا تھا مگر
اتنی شدید اذیت بھی ان کو دین سے برگشتہ نہیں کرتی تھی کسی کے سر پر آرا رکھ کر اسے چیر دیا جاتا
تھا۔ سنو! گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ تبارک تعالیٰ اس دین کو ضرور غلبہ و اقتدار عطا فرمائے گا اور
ایسا امن قائم ہو جائے گا کہ ایک سوار صنعاء یمن سے ”حضر موت“ تک تنہا سفر کرے گا اور اسے
اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا۔“ (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۶۵ حدیث ۳۸۵۲)

حضور پر نور نبی کریم ﷺ روئے در حیم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے بہت سے پہلو ہیں جن میں اسرار و رموز
مختلف ادوار کے لئے رہنمائی اور بشارات کی ایک دنیا آباد ہے۔

(۱) حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی عرضداشت پر آپ ﷺ نے انہیں کیف جلال سے سمجھایا اور اہل ستم کے خلاف دعا سے انکار فرما دیا۔ گزشتہ اہل ایمان پر ڈھائے جانے والے مظالم کی کیفیات بتا کر صبر کی تلقین کی۔ اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اہل حق پر ابتلاء کے ادوار بھی آتے ہیں جب وہ سفاک ظالموں کی سختیوں اور چیرہ دستوں کا نشانہ بنتے ہیں اور بالکل بے دست و پا ہوتے ہیں عزم و استقلال اور ایمان کے سوا کوئی ان کا ساتھی نہیں ہوتا۔ حالات کا تجزیہ کرنے سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ تحریک کمزور ہو گئی ہے اور انقلاب دشمن عناصر نے دہشت گردی سے کام لے کر اسے دبا دیا ہے۔ اس کے وابستگان کو ہراساں کر کے اس سے منحرف کر دیا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ یہ تو فقط ایک دور ہوتا ہے جس میں مشن سے وابستہ افراد کے ایمان و خلوص کی جانچ ہوتی ہے انہیں آزمایا جاتا ہے کہ وہ اپنے دین کے ساتھ کس حد تک مخلص ہیں اور جو ہر آزمائش پر پورے اترتے ہیں انہیں حیات جاودانی عطا کر دی جاتی ہے پھر ان شہیدوں کا خون اپنی قوم کو وہ حوصلہ، ہمت، عزم یقین و اعتماد عطا کرتا ہے کہ دشت نور د بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے اور امن و امان کے ساتھ بیابانوں کو عبور کرتے ہیں۔

(۲) حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے یہ نوید جانفزا اس وقت سنائی جب ظلم و ستم کا بازار گرم تھا اور کسی ایماندار کی جان محفوظ نہیں تھی۔ ظالموں نے خوف و ہراس کی ایسی فضاء قائم کی ہوئی تھی جس میں کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں تھی، جب چاہتے تھے دہشت گردی کر دیتے تھے۔ ایسے ماحول میں کوئی فتح و نصرت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر سچے نبی ﷺ نے انہیں یقین دلایا کہ اللہ کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے وہ ظالموں کا پنجہ ستم مروڑ سکتا ہے مگر بات صرف اتنی ہے کہ ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ تمام حربے آزمالیں اور ان کے دل میں کوئی حسرت نہ رہے اور دوسری طرف اپنوں کا امتحان لیتا ہے کہ جو انیاں لٹانے کے دعوے میں کہاں تک سچے ہیں پھر جب وقت آتا ہے تو نمرود و شداد اور فرعون و ہامان کے نیچے سے بھی تختہ کھینچ لیتا ہے اور اہل ایمان کو تخت پر بٹھا دیتا ہے۔ چنانچہ حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق انقلاب آیا۔ جو انقلاب دشمن عناصر یہ سمجھتے تھے کہ ان کا آفتاب اقبال کبھی غروب نہ ہو گا وہ حروف غلط کی طرح مٹ گئے اور اس طرح پیوند زمین ہوئے کہ نام لینے والا بھی کوئی نہ رہا مگر دوسری طرف وہ لوگ جو کمزور و ناتواں تھے اور ان کے مظالم سہتے رہتے تھے دین سے وابستگی نے انہیں بقا کی دولت عطا فرمادی اور وہ دونوں جہانوں میں امر ہو گئے۔

ہجرت حبشہ

پہلی ہجرت حبشہ

انسان بنیادی طور پر امن پسند واقع ہوا ہے اور اس کی فطرت میں مل جل کے رہنا ہے۔ امن کی تلاش اور امن کا قیام اس کی جبلت میں شامل ہے وہ خود زندہ رہنا چاہتا ہے اور دوسروں کو بھی زندہ رہنے کا حق دیتا ہے، انسانی تہذیب و تمدن کی پوری تاریخ تلاش امن اور قیام امن کی تاریخ ہے۔ وہ ہر مرحلہ پر خونریزی سے بچتا ہے۔ حقوق کی طلبی کے ساتھ وہ فرائض کی ادائیگی کے شعور سے بھی بہرہ ور ہے، قبل از تاریخ کا انسان بھی اجتماعی اور انفرادی طور پر امن کی تلاش میں ہجرت کے مراحل سے گزرتا رہا ہے۔ کئی انبیاء علیہم السلام کی ہجرت کا ذکر بھی آپ نے قرآن حکیم اور کتابوں میں پڑھا ہوگا۔ سفر ہجرت اتنا ہی قدیم ہے جتنا قدیم خود انسان کا وجود ہے۔ ابتدائی دور میں وہ اپنی روزی اور حفاظت کی خاطر ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا رہا، ہجرت کرتا رہا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ دنیاوی لحاظ سے بھی یعنی کہ پرسکون ماحول، اچھی روزی سکون و صحت کے لئے بھی اور روحانی لحاظ سے بھی یعنی کہ اپنے آرام، روزی سکون و صحت کے بجائے اپنے دین و ایمان کی خاطر بھی حضرت انسان کو حسب ضرورت وقتاً فوقتاً ہجرت کرنا پڑی ہے۔

انسان کی خواہش ہے فطرت ہے مجبوری ہے کہ جب ظلم و ستم، پابندیوں اور عذاب لمحے اس تو اتر سے انسانی زندگی کو اپنے حصار میں لے لیں کہ امن اور سلامتی سے زندہ رہنے کی ہر امید دم توڑ جائے تو پھر اس حصار کو توڑ کر خطہ جبر کو خیر باد کہہ دیا جاتا ہے اور انسان امن اور عافیت کی تلاش میں ان علاقوں کی طرف نکل جاتا ہے جہاں جبر ظلم و ستم کا دور دورہ نہ ہو اور اسے امید ہو کہ نئے علاقے میں وہ اپنے عقیدے اور نظریے کے مطابق زندگی بسر کر سکے گا اور اس کے فرائض کی ادائیگی میں باطل استحصالی قوتیں مزاحم نہیں ہوں گی۔ اصحاب کہف نے بھی قریہ جبر سے خطہ امن کی طرف ہجرت کی تھی اور ایک غار میں پناہ گزین ہوئے تھے۔ ہجرت کو روحانی اور فکری رشتوں کی جیت سے تعبیر کیا گیا ہے گویا تحفظ ایمان کی خاطر ہر زمینی رشتے کو توڑ دینے کا نام ہجرت ہے۔

حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی حفاظت کا وعدہ خود رب العالمین نے فرمایا تھا۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ”کہ لوگوں کے شر سے اللہ تبارک تعالیٰ آپ کو بچائے گا۔“ (سورہ حجر آیت ۹۵) نیز آپ کے چچا ابوطالب اور خاندان بنو ہاشم کے دیگر لوگ بھی حضور ﷺ کے دفاع کے لئے ہمیشہ مستعد رہا کرتے

تھے۔ دیگر اعلیٰ خاندانوں کے افراد جو اسلام لائے تھے ان کے تحفظ کی ضمانت ان کے خاندان والوں نے دی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود کفار جب بھی ان کا بس چلتا۔ حضور انور سرور دو عالم ﷺ اور ان بار سوخ صحابہ کرام کی دل آزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ لیکن تحریک دین اسلام کے پیروکاروں میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو کافر آقاؤں کے غلام تھے۔ یا غریب اور نادار لوگ تھے جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ کفار کا رویہ ان لوگوں کے ساتھ انتہائی سنگدلانہ ہی نہیں بلکہ وحشیانہ تھا۔ جن کا مختصر تذکرہ آپ ابھی پڑھ آئے ہیں۔

جور و ستم کا مذکورہ سلسلہ نبوت کے چوتھے سال میں یعنی کہ دعوت و تبلیغ دین اسلام کے کھلم کھلا، علانیہ شروع کرنے کے ساتھ ہوا تھا ظلم و ستم کا یہ سلسلہ ابتداء معمولی تھا مگر دن بدن اور ماہ بمرہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ نبوت کے پانچویں سال کا وسط آتے آتے اپنے شباب کو پہنچ گیا اور اتنی شدت اختیار کر گیا کہ مسلمانوں کے لئے مکہ میں رہنا دو بھر ہو گیا۔ اور انہیں ان پیہم ستم رانیوں سے نجات کی تدبیر سوچنے کے لئے مجبور ہو جانا پڑا۔ ان ہی سنگین اور تاریک حالات میں سورہ کہف نازل ہوئی۔ یہ اصلاً تو مشرکین کے پیش کردہ سوالات کے جواب میں تھی لیکن اس میں جو تین واقعات بیان کئے گئے ان واقعات میں اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لئے مستقبل کے بارے میں نہایت بلیغ اشارات تھے۔

اس بارے میں آپ گزشتہ اوراق میں تفصیل سے پڑھ آئے ہیں۔ اب دوبارہ مختصراً گزارش ہے کہ کفار مکہ نے نصر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط کو یثرب بھیجا تاکہ وہاں کے یہودی علماء سے حضور انور ﷺ کے بارے میں دریافت کریں۔ چنانچہ ان علماء نے حضور پر نور ﷺ کی صداقت کو پرکھنے (جاننے) کے لئے انہیں تین سوالات پوچھنے کی تلقین کی۔ اور بتایا کہ اگر وہ ان تینوں سوالات کا صحیح جواب دیں تو وہ سچے نبی ہیں اور اگر جواب نہ دے سکیں تو نبی نہیں پھر تم جس طرح چاہو ان سے نبٹ سکتے ہو۔ یہ دونوں خوشی خوشی مکہ واپس آئے اور اپنے ہم وطنوں کو بتایا کہ ہم تمہارے پاس ایک فیصلہ کن معیار لے کر آئے ہیں۔ جس پر پرکھنے سے ان کی حقیقت واضح ہو جائے گی ان سوالات کے جواب میں اللہ تبارک تعالیٰ نے سورہ کہف نازل فرمائی اور مشرکین پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں لیکن اہل مکہ جو اندھی عصبیت کا شکار تھے پھر بھی اپنے باطل عقائد سے دست بردار نہ ہوئے۔ البتہ اہل حق کے لئے اس سورت میں ان کے موجودہ مشکل حالات میں رہنمائی کا بڑا سامان تھا۔

ان کے پہلے سوال کے جواب میں اصحاب کہف کے حالات بڑی تفصیل و وضاحت سے بیان فرمائے گئے۔

سورہ کہف آیت ۱۶ میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے۔

وَإِذْ أَعْتَرَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهُ فَأَوْآى إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مَبَافِقًا

”اور جب تم الگ ہو گئے ان (کفار) سے اور ان معبودوں سے جن کا وہ پوجا کیا کرتے ہیں اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا۔ تو اب پناہ لو غار میں پھیلا دے گا تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت (کا دامن) اور مہیا کر دے گا تمہارے لئے اس کام میں آسانیاں۔“ (سورہ کہف آیت ۱۶)

چنانچہ اصحاب کہف کے واقعے میں یہ درس موجود ہے کہ جب دین و ایمان خطرے میں ہو تو کفر و ظلم کے مراکز سے ہجرت کے لئے تنہا تقدیر نکل پڑنا چاہئے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نتائج ہمیشہ ظاہری حالات کے مطابق نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات ظاہر حالات کے بالکل برعکس ہوتے ہیں۔ لہذا اس واقعہ میں اس امر کا لطیف سا اشارہ موجود ہے، پنہاں ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت جو ظلم و تشدد، جبر و تعدی، جو روجھا برپا ہے اس کے آخر کار نتائج بالکل برعکس نکلیں گے اور یہ سرکش مشرکین اگر ایمان نہ لائے تو آئندہ ان ہی ستائے ہوئے مقہور و مجبور مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر اپنی قسمت کے فیصلے کے لئے پیش ہوں گے۔

ذوالقرنین کے واقعہ میں چند اور خاص باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) یہ کہ بالآخر فلاح و کامرانی ایمان ہی کی راہ میں ہے، کفر کی راہ میں نہیں۔

(۲) یہ کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے نیک صالح بندے ہی زمین کی وراثت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔

(۳) یہ کہ زمین اللہ تبارک تعالیٰ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بناتا ہے۔

(۴) یہ کہ اللہ تبارک تعالیٰ وقتاً فوقتاً اپنے بندوں میں سے ایسے افراد کھڑے کرتے رہتا ہے جو مجبور و مقہور قلم و

جبر میں گھرے ہوئے انسانوں کو اس دور کے خونِ نچوڑ لینے والے یا جوج و ما جوج سے نجات دلاتے ہیں۔

اصحاب کہف کا واقعہ سنا کر ان ستم رسیدہ مسلمانوں کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی فرمادی۔ انہیں بتایا کہ تم سے پہلے بھی بتوں کے پجاریوں اور باطل کے علم برداروں نے اہل حق کے لئے جتنا حرام کر دیا تھا۔ جو رو جھکا کی انجی آندھیوں سے اپنی شمع ایمان کو بچانے کے لئے انہوں نے بھی اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہا تھا۔ سفر کی سختیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا تھا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کو فراموش نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ اس کی رحمت کے سلسلہ نے ان کو اپنے دامن میں لے لیا۔ ان کی ساری پریشانیاں، راحت و آرام میں بدل گئیں اے مسلمانو! اگر تم بھی ان کی راہ پر گامزن ہو گے تو تمہارے ساتھ ان سے بھی بہتر سلوک کیا جائے گا۔

سورہ الکہف کے بعد سورہ زمر کی آیت ۱۰ میں خالق و مالک کائنات نے فرمایا:

قُلْ يَاعِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللَّهِ
وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

ترجمہ: ”ان کیلئے جنہوں نے نیک اعمال کئے اس دنیا میں نیک صلہ ہے اور اللہ کی زمین بڑی وسیع

ہے (منصائب و آلام میں) صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“ (سورہ زمر آیت ۱۰)

سورہ زمر کی اس آیت مبارک میں وضاحت سے بتا دیا کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی زمین بڑی کشادہ اور وسیع ہے۔ اگر یہاں یہ نابکار تمہیں اپنے رب قدوس کا نام نہیں لینے دیتے اور آزادی سے اس کی عبادت نہیں کرتے دیتے تو قطعاً فکر مند نہ ہو کسی ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں آزادی سے تم اپنے معبود حقیقی کی عبادت کر سکو۔

یہ اندیشہ تمہیں ہرگز پریشان نہ کرے کہ پردیس میں تمہاری گزر بسر کیسے ہوگی۔ یاد رکھو تمہارا پروردگار اپنے نیک عبادت گزار بندوں کو اس دنیا میں بھی اپنی لامحدود نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے اور جو لوگ مضبوطی سے صبر کا دامن پکڑے رہتے ہیں ان کو اتنا صلہ دیتا ہے جس کا کوئی حساب نہیں لگایا جاسکتا۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم رحمت دو عالم ﷺ نے جب شمع توحید کے ان پروانوں پر کفر و شرک کے سرغٹوں کے بے اندازہ مظالم دیکھے اور یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ ان مظالم میں آئے روز اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ نہ ان سنگ دل ظالموں کو ذرا ترس آتا ہے اور نہ دوسرے لوگوں میں رحمت و شفقت کا جذبہ بیدار ہو کر ان کی نجات کا باعث بنتا ہے اور نہ خود مسلمانوں میں اتنی سکت ہے کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں کی دادرسی کر سکیں تو حضور پر نور سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اجازت دی کہ ظلم و ستم کی اس بستی سے ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں۔ کیونکہ وہاں کے بادشاہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بڑا رحم دل اور انصاف پسند ہے۔ نہ خود کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کسی کو بے کسوں اور کمزوروں پر ظلم کی اجازت دیتا ہے۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کو معلوم تھا کہ اصحٰمہ نجاشی شاہ حبش ایک عادت بادشاہ ہے جس کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا وہ اہل کتاب سے ہے اور علم دولت ہے جس میں خوف خدا موجود ہے۔

بعض جاہل، کم ظرف، بصیرت کے اندھے، ناسمجھ، متعصب و حاسد قسم کے لوگوں نے ناقدین اسلام بن کر اس ہجرت کو فرار سے تعبیر کیا ہے حالانکہ یہ اقدام ایک عظیم نصب العین کے حصول کے لئے کی جانے والی منصوبہ بندی کا ایک حصہ تھا۔ حکمت عملی اور منصوبہ بندی کو فرار کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ نہ اس سے کسی قسم کی شکست خوردگی کا تاثر ابھرتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ کفار و مشرکین کی قہر سامانیوں کے باوجود مسلمان اسلامی تعلیمات سے سرمو انحراف کے مرتکب نہیں ہو رہے تھے۔ وہ راہ حق میں جا ملے والی ہر رکاوٹ کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کر رہے تھے اور قدم قدم پر اپنے کردار کی عظمت کے چراغ روشن کر کے اپنے نصب العین کی سچائی کی شہادت دے رہے تھے اور پھر ہجرت کے بعد انہوں نے باطل پر ضرب کاری لگاتے ہوئے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ تمام فکری مغالطوں کی نفی کر دیتے ہیں۔

حضور انور ﷺ نے فرمایا:

”اگر تم سرزمین حبشہ کی طرف چلے جاؤ تو وہاں کے بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اور وہ سچائی والی سرزمین ہے یہاں تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ تمہارے لئے ان آفتوں سے جن میں تم مبتلا

ہو کوئی کشادگی کی راہ کھول دے۔ (السيرۃ النبویہ، ابن بشام جلد ۱ صفحہ ۳۲۱)

چنانچہ بعثت کے پانچویں سال ماہ رجب میں مہاجرین کا پہلا قافلہ اپنے پیارے وطن کو چھوڑ کر حبشہ جیسے دور افتادہ ملک کی طرف روانہ ہوا تا کہ اس پر امن فضا میں وہ جی بھر کر اپنے رب کریم کی عبادت کر سکیں۔ اپنے عقیدہ کے مطابق آزادی سے زندگی بسر کر سکیں۔ یہ قافلہ بارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل تھا ان کے قافلہ سالار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے آپ کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جو رحمۃ اللعالمین رضی اللہ عنہا کی لخت جگر تھیں وہ آپ کے ساتھ تھیں۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم سرکارِ دو عالم ﷺ نے اسی جوڑے کے بارے میں فرمایا:

”ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔“

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت گزاری کے لئے حضرت ام ایمن بھی ساتھ گئیں۔ دوسرے مہاجرین کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

اس کاروان و فامیں شامل افراد کے اسمائے گرامی ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔

- ۱- حضرت عثمان بن عفان
- ۲- حضرت رقیہ (زوجہ حضرت عثمان بن عفان)
- ۳- حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد
- ۴- حضرت ام سلمہ (زوجہ حضرت ابوسلمہ)
- ۵- حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ
- ۶- حضرت سہلہ بنت سہیل (زوجہ حضرت عامر بن ابی ربیعہ)
- ۷- حضرت عامر بن ربیعہ
- ۸- حضرت لیلیٰ عدویہ بنت ابی حشمہ (زوجہ حضرت ابو حذیفہ)
- ۹- حضرت عبدالرحمن بن عوف
- ۱۰- حضرت زبیر بن عوام
- ۱۱- حضرت مصعب بن عمیر
- ۱۲- حضرت عثمان بن مظعون
- ۱۳- حضرت سہیل بن بیضاء
- ۱۴- حضرت عبداللہ بن مسعود
- ۱۵- حضرت حاطب بن عمرو
- ۱۶- حضرت ابو برہ بن ابی رہم (رضوان اللہ علیہ)

روایات کے مطابق حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی خادمہ کی حیثیت میں مہاجرین حبشہ کے ہمراہ تھیں۔ یہ قافلہ

رات کی تاریکی میں چھپ کر مکہ سے روانہ ہوا۔ ایک کشتی حبشہ جا رہی تھی انہوں نے فی کس نصف دینار کرایہ ادا کیا۔ اور بغیر کسی تاخیر کے حبشہ روانہ ہو گئے قریش کو ان کے بارے میں پتہ چلا تو ان کے تعاقب میں دوڑے۔ ان کے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے اس بندرگاہ تک پہنچ گئے جہاں سے وہ کشتی پر سوار ہوئے تھے لیکن کشتی ان کے پہنچنے سے پہلے روانہ ہو چکی تھی اور یہ لوگ ناکام و نامراد ہو کر لوٹے۔ (السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی، حطاب جلد ۱ صفحہ ۲۴۵)

جس بندرگاہ سے وہ کشتی پر سوار ہوئے اس کا نام شعبیہ تھا جو جدہ سے تھوڑے فاصلہ پر جانب جنوب واقع تھی۔ اہل مکہ حبشہ وغیرہ کے لئے بحری سفر پر یہاں سے روانہ ہوتے تھے۔ جدہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بندرگاہ بنایا گیا اور شعبیہ کے بجائے جہاز اور کشتیاں جدہ سے روانہ ہونے لگیں۔

”شعبیہ بحر حجاز کے ساحل پر ایک بندرگاہ تھی۔ جدہ کے بندرگاہ بننے سے پہلے اہل مکہ کی کشتیاں یہاں آ کر لنگر انداز ہوتی تھیں۔“ (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۳۵۱)

راہ حق کے یہ مسافر جب حبشہ پہنچے تو نجاشی نے انہیں بڑے احترام سے خوش آمدید کہا اور ٹھہرنے کے لئے ایک پرامن جگہ عطا فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں۔ ہم بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ نجاشی کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے لگے بڑی آزادی سے اپنے خالق حقیقی کی عبادت میں محو رہا کرتے یہاں نہ ہم پر کوئی آوازے کتا اور نہ ہمیں اذیت پہنچا سکتا۔

ہجرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

جب مشرکین مکہ کو معلوم ہوا کہ اہل اسلام کا ایک قافلہ خاموشی سے مکہ سے نکل کر ملک حبشہ کے لئے ہجرت کر گیا ہے تو ان کے غیظ و غضب کی کوئی حد نہ رہی۔ پہلے بھی وہ بے کس مسلمانوں پر ظلم و تشدد کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے لیکن اب تو انہوں نے مظالم کی انتہا کر دی۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے قبیلہ والے، سب کا بھلا کرنے چاہنے والے بار سوخ اور متمول تاجر کے لئے بھی مکہ میں رہنا مشکل ہو گیا۔ آپ بھی مجبور ہو گئے کہ اس بستی سے نقل مکانی کر جائیں جس بستی کے رہنے والے ظلم ڈھانے میں درندوں کو بھی مات کر گئے ہیں۔ چنانچہ ایک روز آپ بھی حبشہ جانے کے لئے مکہ سے روانہ ہو گئے۔ جب آپ ”برک الغماد“ (ایک بستی کا نام) پہنچے جو مکہ سے پانچ دن کی مسافت پر ہے تو وہاں آپ کی ملاقات ابن الدغنے سے ہوئی جو قبیلہ قارہ کا سردار تھا۔ بنو قارہ بنو زہرہ قبیلہ کے حلیف تھے۔ ابن الدغنے نے پوچھا اے ابو بکر آپ کدھر جا رہے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ میری قوم نے مجھے مکہ سے نکال دیا ہے۔ میں اب زمین میں سیر و سیاحت کیا کروں گا اور اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ اس نے کہا۔

”اے ابو بکر! تیرے جیسے آدمی کو نہیں نکالا جانا چاہئے، نہیں نکالا جانا چاہئے۔“

پھر آپ کے خصائل حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے ابن الدغنے نے کہا۔

”اے ابو بکر! آپ تو مفلس اور نادار کر لئے! کیا تم صاحبِ کمال ہو گے۔“

اٹھاتے ہیں مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اور جو لوگ کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں ان کی آپ مدد کرتے ہیں۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں آپ اپنے شہر میں لوٹ جائیے اور آزادی سے اپنے رب کی عبادت کیجئے۔“

چنانچہ ابن الدغنه آپ کو ہمراہ لے کر مکہ آیا اور تمام مکہ کے سرداروں کے پاس گیا اور انہیں کہا۔ کہ ابو بکر جیسی ہستی کو اخلاق حمیدہ اور صفات عالیہ سے متصف ہے اپنے شہر سے نکالنا بڑی زیادتی ہے میں نے انہیں پناہ دے دی ہے اب کوئی شخص ان کو اذیت پہنچانے کی جرأت نہ کرے۔ سب نے اس کی پناہ کو تسلیم کر لیا اور وعدہ کیا کہ آئندہ وہ ابو بکر کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے لیکن اس کے لئے ایک شرط عائد کی کہ وہ ابو بکر کو کہے کہ وہ اپنے گھر کے اندر عبادت کیا کرے جتنا چاہے قرآن پڑھے جیسا چاہے نماز ادا کرے۔ لیکن یہ سب کچھ اپنے گھر کی چار دیواری میں۔ بلند آواز سے تلاوت نہ کرے اس طرح ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر امن زندگی بسر کرنے لگے۔ کچھ عرصہ تک ایسا ہی کرتے رہے پھر اپنے گھر کے صحن میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی۔ جس میں نماز ادا کرتے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے آپ بڑے خوش آواز تھے آپ کی تلاوت سننے کے لئے عورتوں اور مردوں کا ہجوم ہو جاتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو عبادت و تلاوت کے دوران کثرت سے رونا آتا تھا۔ مشرکین کو یہ بات بڑی ناگوار گزرتی تھی۔ انہوں نے ابن الدغنه کی طرف آدمی بھیجا وہ آیا تو انہوں نے شکایت کی یہ ہم نے تمہارے کہنے پر ابو بکر کو پناہ دی تھی اور شرط یہ تھی کہ وہ اپنے گھر کے اندر نماز اور تلاوت کیا کریں گے لیکن اب انہوں نے ایک مسجد تعمیر کر لی ہے اس میں اعلیٰ اب وہ قرأت کرنے لگے ہیں ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے کہیں گمراہ نہ ہو جائیں۔ اگر وہ معاہدہ کے مطابق اپنے گھر کے اندر عبادت اور قرأت کیا کریں تو بہتر ورنہ انہیں کہو کہ تمہاری پناہ وہ واپس کر دیں ہم نہیں چاہتے کہ لوگ کہیں کہ ہم نے تمہاری پناہ کو مسترد کر دیا ہے۔ ابن الدغنه حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ کو معلوم ہے کہ کن شرائط پر آپ کی قوم سے میرا معاہدہ ہوا تھا۔ یا تو آپ اس معاہدہ کی پابندی کریں یا میری پناہ سے دست بردار ہو جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں کہ ابن الدغنه نے ابو بکر کو پناہ دی تھی لیکن ان کی قوم نے اس پناہ کو ٹھکرا دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مومنانہ جرأت سے اسے جواب دیا فرمایا۔

”میں تیری پناہ تجھے لوٹا دیتا ہوں۔ میرے لئے میرے اللہ کی پناہ کافی ہے۔“

(السيرة النبوية، احمد بن زین دحلان جلد ۱ صفحہ ۲۴۷)

آپ حیران ہوں گے کہ جن صفات سے ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے رحمت عالم ﷺ کی توصیف کی تھی بعینہ انہیں صفات بلکہ انہیں کلمات سے ابن الدغنه نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اخلاق حمیدہ کی تصویر کشی کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور پر نور ﷺ اور حضور کے یار غار کی صفات و عادات، اخلاق و

شامل، افکار و نظریات میں کامل درجہ کی مشابہت تھی اور یہی فطری یکسانیت، باہمی محبت و مودت، پھر بعثت کے بعد رفاقت و صداقت کی وہ محکم و خوشگوار و مضبوط اساس تھی جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

ماہ رجب اندازاً بعثت کے ساڑھے چار سال بعد پانچویں سال میں مہاجرین کا یہ پہلا کارواں حبشہ روانہ ہوا۔ تین ماہ کا عرصہ انہوں نے بڑے امن و عافیت سے گزارا ایک روز انہیں اطلاع ملی۔ کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے اب وہاں مکمل امن و امان ہے۔ کسی کافر کی مجال نہیں کہ فرزند ان اسلام کو اب اذیت پہنچائے۔ ان مہاجرین نے باہمی مشورہ کیا کہ جس ظلم و تشدد کے خوف سے ہم اپنا وطن عزیز اور اہل و عیال چھوڑ کر آئے ہیں۔ وہ تو اللہ تبارک تعالیٰ کے فضل و کرم سے دور ہو گیا ہمیں اب واپس اپنے وطن لوٹ جانا چاہئے۔

چند لوگوں نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ دوسرے حضرات نے کہا کہ ابھی کوئی پختہ اطلاع نہیں آئی۔ اس لئے جلدی میں واپسی کا فیصلہ دانش مندانہ نہیں۔ ہمیں صبر کرنا چاہئے یہاں تک کہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کا کوئی قاصد آئے اور ہمیں اس کے بارے میں بتائے۔ ہجرت کے لئے حبشہ کو کیوں منتخب کیا گیا

مصدقہ حالات و واقعات اور اس دور کی تاریخ کے مطابق اس لئے کہ حبشہ سے اہل مکہ کے دیرینہ روابط تھے۔ حضرت ہاشم نے اپنے اثر و رسوخ سے قیصر روم سے اپنے تجارتی کاروانوں کے لئے اجازت نامہ حاصل کیا تھا تا کہ اس کی مملکت میں مکہ کے تاجر آزادی سے کاروبار کر سکیں اسی طرح آپ نے قیصر روم سے شاہ حبشہ کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھوایا تھا کہ وہ مکہ کے تاجروں کو حبشہ میں کاروبار کرنے کی اجازت دے اس طرح پشتوں سے عرب کے لوگ حبشہ میں آتے جاتے تھے اس کے علاقوں سے بھی باخبر تھے اور وہاں کے باشندوں سے بھی ان کی جان پہچان تھی۔ سابقہ واقفیت کی بنا پر مکہ کے مہاجرین نے حبشہ کو اپنی ہجرت گاہ کے لئے منتخب کیا تیز یہ ملک جزیرہ عرب سے زیادہ دور بھی نہ تھا یہاں آنا ان کے لئے آسان بھی تھا اور ارزاں بھی راہ حق کے ان مسافروں نے کشتی والوں کو فی کس نصف دینار ادا کیا تھا اور سب سے بڑی کشش ان کے لئے یہ تھی کہ حبشہ کا حکمران بڑا عادل اور منصف مزاج تھا چنانچہ حضور انور سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب اپنے جانناز صحابہ کرام کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی تو بایں الفاظ اس کی وجہ بیان فرمائی۔

”حضور ﷺ نے انہیں فرمایا وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے سامنے کسی پر ظلم نہیں کیا جاسکتا تم وہاں رہو یہاں تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ ان مشکلات کو جن میں تم اب مبتلا ہو آسان فرمادے۔“

(سیرت مصطفیٰ، ہاشم حسن صفحہ ۱۶۳)

ہجرت حبشہ

پیغمبرانہ دانش کا عظیم کارنامہ

ہجرت حبشہ تحریک دین اسلام کی طویل المیعاد منصوبہ بندی کا ایک اہم حصہ تھی۔ یہ تاریخ اسلامی کا ایک اہم موڑ تھا۔ حقیقت میں ہجرت حبشہ ہجرت مدینہ کی تمہید ثابت ہوئی۔

تحریک دین اسلام مسلسل ترقی پذیر تھی اور کاروان دین اسلام ارتقائی منازل کی طرف رواں دواں تھا۔ مشرکین کے جبر و ظلم و تشدد اور شدید مخالفت کے سبب وقتی طور پر ایسا تو ہوا کہ تحریک کھلے طور پر تو پروان چڑھتی دکھائی نہ دیتی تھی لیکن پس پردہ درحقیقت وہ روز بہ روز تقویت پکڑ رہی تھی۔ بامقصد روحانی اور دنیاوی یا باطنی تعلیم و تربیت بہت منظم طریقے سے جاری تھی۔ آنے والے حالات سے نمٹنے کے لئے کارکنان تحریک کو تیار کیا جا رہا تھا اور بہترین طریقوں سے پیش بندی ہو رہی تھی۔

دعوت حق اور پھر اقامت دین کے لئے مرحلہ ہجرت سے گزرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ مکہ کے مخالفانہ اور معاندانہ ماحول میں دعوت حق کا کام قدرے رکنے سا لگا تھا۔ حکمت و دانش کا یہی تقاضا تھا کہ ممکن حد تک اپنے وسائل اور قوت کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ نظریاتی کارکن تحریکوں کا سب سے قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں۔ پیغمبر انقلاب بھی سپاہ انقلاب کو منظم اور موثر بننے سے پہلے کسی خونریز تصادم کا شکار ہونے سے بچانا چاہتے تھے اور پھر تعلیمات اسلامی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ خونریزی سے اجتناب کیا جائے۔

خود حضور پر نور نبی کریم ﷺ رؤف و رحیم ﷺ کو ہجرت مدینہ کے وقت خدشہ تھا کہ اگر حضور نور ﷺ مکہ سے قافلے کی صورت میں نکلتے تو کفار و مشرکین مشتعل ہو کر خون خرابے پر اتر آتے۔ چنانچہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ رؤف و رحیم ﷺ نے اپنی ہجرت کو بھی خفیہ رکھا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ رازداری سے فیصلوں پر عمل درآمد تحریکوں کی کامیابی کی خشت اول ہے۔ بلاشبہ ہجرت حبشہ پیغمبرانہ دانش کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ وقت نے ثابت کر دیا تحریک اسلامی کی عظیم قیادت نے موزوں وقت پر درست فیصلہ کر کے تاریخ کا رخ موڑ دیا کہ مستقبل قریب میں ایک عظیم انقلاب اپنی تمام تر رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ اولاد آدم کا مقدر بنا۔

اللہ تبارک تعالیٰ کی شان اور مشرکین مکہ کا سفید جھوٹ

قارئین کرام! یہ تو اب تک آپ خوب جان گئے ہونگے کہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ اکثر حرم کعبہ میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ

ہجرت فرمانے والے مسلمانوں نے ابھی حبشہ میں دو ڈھائی ماہ ہی گزارے تھے کہ اسی سال مکہ میں ماہ رمضان میں یہ واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ ایک روز حضور انور نبی کریم ﷺ حرم شریف میں تشریف لے گئے۔ وہاں اس دن اس وقت اتفاق سے خلاف معمول مشرکین مکہ کا مقابلہ بڑا مجمع تھا۔ ان کے سردار اور بڑے بڑے لوگ وہاں موجود تھے۔

ان دنوں یا اس دور میں پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ عموماً ہجرا سود اور رکن یمانی کی دیوار کو سامنے رکھ کر عبادت الہی کیا کرتے تھے اور مشرکین مکہ اس مقام سے کچھ ہٹ کر دائیں بائیں اور چاروں اطراف میں بیٹھا کرتے تھے۔ وہ آپ ﷺ سے اس لئے بھی کچھ دور رہتے تھے کہ ان کے کانوں تک قرآن حکیم کی تعلیم و علم نہ پہنچ سکے۔

آپ ﷺ خانہ کعبہ کے قریب پہنچے اور وہاں عبادت کے لئے کھڑے ہو گئے اور خلاف معمول مقابلتاً بلند آواز میں اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم سے سورہ نجم کی تلاوت فرمائی۔ اتنی آواز میں کہ بیس تیس میٹر دور تک آواز بالکل صاف اور واضح سنائی دے۔ اس سورہ کی آیات ۱۸ میں معراج کا بیان ہے۔

قارئین کرام! یہاں آگے بیان کرنے سے پہلے میں اگر سورہ نجم کی ابتدائی ۵ آیات کا ترجمہ لکھ دوں تو آپ اس واقعہ کو اور اچھی طرح سمجھ سکیں گے اور اس حقیقت یا حق کو بھی جان جائیں گے جس کے پیش نظر میں یہ بیان کر رہا ہوں۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝

ترجمہ: اس پیارے چمکتے تارے محمد ﷺ کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔

تمہارے صاحب (محمد ﷺ) نہ بہکے اور نہ بے راہ چلے۔

اور وہ کوئی بھی بات اپنی خواہش (مرضی) سے نہیں کرتے۔ (وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے)

مگر وہ بات کرتے ہیں وحی کے مطابق جو انہیں کی جاتی ہے۔ (وہ وہی کچھ کہتے ہیں جو اللہ انہیں وحی کرتا

ہے)

انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے (اللہ) نے۔

آیات دو، تین اور چار کی کچھ اور وضاحت کر دوں گا اس سے آگے کا اس کا ترجمہ کرنا کہ سمجھنا کاربہ

ہو جائے گا جو اس وقت پیغمبر اول و آخر و اعظم سید المرسلین خاتم النبیین ہادی برحق ﷺ کی تلاوت نے باندھ دیا تھا، پیدا کر دیا تھا۔

آیت ۲ کے معنی یہ ہیں کہ حضور انور ﷺ نے کبھی راہ حق و ہدایت سے عدول نہ کیا۔ ہمیشہ اپنے رب کی توحید و عبادت میں رہے۔ آپ ﷺ کے دامن عصمت پر کبھی کسی امر مکروہ کی گرد نہ آئی اور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ ہمیشہ رشد و ہدایت کی اعلیٰ منزل پر متمکن رہے۔ اعتقاد فاسد کا شائبہ سایہ بھی کبھی آپ ﷺ کے حاشیہ بساط تک نہ پہنچ سکا۔

آیت ۳ اور ۴ پہلے تو یہ جملہ اولیٰ کی دلیل ہے کہ حضور پر نور ﷺ کا بہکنا اور بے راہ چلنا ممکن و متصور ہی نہیں کیونکہ آپ ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بات فرماتے ہی نہیں۔ جو فرماتے ہیں وہ وحی رب للعالمین قادر مطلق ہوتی ہے اور اس میں حضور انور ﷺ کے خلق عظیم اور آپ ﷺ کی اعلیٰ منزلت کا بیان ہے۔

ان کفار یا مشرکین مکہ نے عموماً اس سے پہلے قرآن حکیم نہیں سنا تھا۔ جن چند ایک نے آپ ﷺ سے گفت و شنید یا مذاکرات کے سلسلہ میں یا کسی اور وجہ سے سن لیا تھا وہ اس سے حد متاثر ہوئے تھے اس لئے مشرکین نے یہ رویہ اپنایا کہ اسے سنا ہی نہ جائے اور اگر کوئی ایسا موقع آجائے تو وہاں شور و غل کرو تا کہ قرآن حکیم کے الفاظ، تعلیم اس میں دب جائیں اور یوں اس کا اثر نہ ہو۔

مشرکین کا دائمی و طیرہ قرآن حکیم کے الفاظ میں یوں تھایا یہ تھا۔

ترجمہ: ”اور کافر بولے یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بیہودہ غل کرو شاید یونہی تم غالب آؤ۔“

یعنی کہ مشرکین مکہ کے بڑوں نے سب مشرکین کو یہ سمجھایا ہوا تھا کہ جب محمد (ﷺ) قرآن شریف پڑھیں تو زور زور سے شور کرو، خوب چلاؤ، بے معنی کلمات سے شور کرو تا لیاں و سیٹیاں بجاؤ کہ مشرکین میں سے کوئی قرآن سننے نہ پائے۔

مگر اللہ تبارک تعالیٰ کی شان، اس کی حکمت، اللہ عزیز الحکیم کی قدرت کہ اس دن اس وقت بجائے شور مچانے کے، دنگا فساد کرنے کے، اپنی فرعونیت دکھانے اور عبادت میں غل ہونے کے تمام موجود مشرکین و کفار دم بخود ہو کر کلام رب للعالمین سننے لگے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کا کلام، اس کلام کی تلاوت فرمانے والے وہ جس کے دل پر قرآن حکیم نازل فرمایا گیا یعنی کہ صاحب قرآن اور سننے والے فصاحت و بلاغت کے دلدادہ، شوقین الہی زبان۔

جب ان کے کانوں میں ایک ناقابل بیان رعنائی، دلکشی، خوبصورتی اور عظمت لئے ہوئے، فصاحت و بلاغت کے ایک نادر نمونہ کلام الہی کی آواز پڑی تو وہ سب دم بخود ہو گئے۔ سورہ نجم میں تین رکوع اور ۶۲ آیات مبارک ہیں اور اس سورہ کی آخری آیت آیت سجدہ ہے جس کو تلاوت کرنے کے بعد سجدہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ، صاحب قرآن بھی آیات مبارک کو

نورام النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿۴۷۵﴾ جلد دوم

مناسب وقفہ کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اس انداز سے تلاوت فرما رہے تھے کہ بن بلائے سامعین اسے سمجھ سکیں اور اس پر غور بھی کر سکیں۔ اس دوران سامعین کلام الہی سننے میں اتنے محو رہے کہ کسی کے دل میں کوئی اور خیال ہی نہ آیا۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے سورہ مبارک کے آخر میں دل ہلا دینے والی آیات تلاوت فرما کر اللہ تبارک تعالیٰ کا یہ حکم سنایا کہ

فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۝

ترجمہ: ”اللہ کے لئے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو“ (سورہ نجم آیت ۶۲)

اور اس کے ساتھ ہی سجدہ فرمایا تو تمام حاضرین کفار و مشرکین میں سے کسی کو بھی اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور وہ سب کے سب بے اختیار سجدہ میں گر پڑے تھے۔

اس واقعہ اور سجدہ کے بارے میں صحیح بخاری سے دو روایات پیش خدمت ہیں۔

ایک روز حرم پاک میں قریش کے ایک مجمع میں کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے سورہ نجم کی تلاوت کی۔ جلالت کلام الہی کا ایک ایمان افروز منظر دیکھنے میں آیا، اس قسم کے مواقع پر کفار و مشرکین عموماً شور مچا دیا کرتے تھے لیکن پیغمبر اول و آخر و اعظم، منبر صادق، عالم خفا و غیوب ﷺ نے آیات ربانی کی تلاوت شروع کی تو یہ شور مچانے کی بجائے کلام الہی کی حلاوتوں میں گم ہو گئے۔ سورہ نجم کی تلاوت کے اختتام پر ہادی برحق، حضور انور، سرورِ دو عالم ﷺ نے بارگاہ خداوندی میں سجدہ کیا تو کفار و مشرکین بھی غیر ارادی طور پر سجدہ میں گر گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے سورہ نجم پڑھ کر سجدہ تلاوت کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور سب نے سجدہ کیا۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۷۲۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سجدہ والی سورتوں میں سب سے پہلے سورہ النجم نازل ہوئی اس کی تلاوت کر کے رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا مگر ایک آدمی کو میں نے دیکھا کہ اس نے مٹھی بھر مٹی لی اور اس پر سجدہ کیا اس کے بعد میں نے اس کو دیکھا کہ وہ کافر قتل ہوا اور وہ امیہ بن خلف ہے۔

(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۲۱)

بعد میں جب کفار و مشرکین کو یہ احساس ہوا کہ کلام الہی کے جلال نے ان کی لگام موڑ دی اور وہ ٹھیک وہی کام کر بیٹھے جسے مٹانے اور ختم کرنے کے لئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا تو وہ بہت نادم ہوئے اور پچھتائے کہ یہ کیا کر بیٹھے۔

انہوں نے شدت سے محسوس کیا کہ وہ لاشعوری طور پر اسلام اور پیغمبر اسلام (ﷺ) کے حوالے سے اپنی ایک کمزوری ظاہر کر بیٹھے ہیں۔ انہیں اپنے آپ پر سخت خفت و ندامت محسوس ہوئی کہ اب وہ کس منہ سے اسلام اور صاحب تحریک دین اسلام (ﷺ) مخالفت کریں گے۔ اب کیسے تحریک اسلام کی راہ میں کانٹے بوئیں گے، روڑے اڑکا ئیں گے، حائل بنائیں گے، عمارتیں بنائیں گے،

کرنے والے ان کفار و مشرکین میں مکہ کے بڑے بڑے سردار بھی تھے جو اب اپنا منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ انہوں نے تلاوت کے دوران لات، عزیٰ اور منات بتوں کا ذکر سنا تھا ان کے دماغ ان کے حوالے سے ہی جھوٹ گھڑنے میں مصروف ہو گئے۔

اس کے ساتھ ہی اس واقعہ میں غیر موجود مشرکین نے ان پر ہر طرف سے عتاب، غم و غصہ اور ملامت کی بوچھاڑ کی تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کلام الہی کا اثر ان سے اتر گیا اور ان میں جھوٹ عناد بہتان اور دین اسلام اور بانی دین اسلام کے خلاف نفرت و الزام تراشی پھر عود کر آئی۔

آخر تو وہ تحریک دین اسلام بانی تحریک دین اسلام اور اس کے پیروکاروں کے کٹر دشمن تھے اور جھوٹ جبر و تشدد ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو حاضر دماغ ثابت کرنے کے لئے اور اپنی جان چھڑانے کے لئے ایک سفید جھوٹ گھڑا اور وہ لعن طعن کرنے والے مشرکین کو پیش کر دیا۔

انہوں نے پیغمبر اول و آخر و اعظم، سید المرسلین، خاتم النبیین رسول اللہ ﷺ پر یہ افترا پردازی کی، یہ بہتان لگایا کہ آپ ﷺ نے ان کے بتوں کا ذکر عزت و احترام سے کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ”یہ بلند پایہ دیویاں ہیں، ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔“

قارئین کرام! یہ ایک صریح جھوٹ تھا، سفید جھوٹ تھا جو محض اس لئے گھڑ لیا گیا تھا کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کی جو غلطی (ان کے خیال و سوچ کے مطابق) ہو گئی ہے اس کے جواز میں اپنے ساتھی مشرکوں کافروں کو ایک معقول عذر پیش کیا جاسکے اور مزید لعن طعن و ملامت سے بچا جاسکے۔

دین اسلام، بانی دین اسلام اور دین اسلام اختیار کرنے والوں کے خلاف تو مشرکین و کفار میں عناد، بغض، دشمنی اور نفرت اس قدر بھری ہوئی تھی کہ وہ تو اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے۔ وہ تو مسلمانوں کو گن گن کر ترسائے کر مار دینا چاہتے تھے لیکن ان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ حضرت حارث بن ابی حالہ، حضرت یاسر اور حضرت سمیہ ام عمار رحمہم اللہ کو انہوں نے ہی شہید کیا تھا۔ جن کے خون میں عی، فطرت میں عی جھوٹ، مکاری، دغا بازی جبر و ظلم ایذا رسانی بھری پڑی ہو وہ اپنے دامن کو بچانے کے لئے، اپنے آپ کو لعن طعن سے بچانے کے لئے اس طرح کا سفید جھوٹ بول سکتے ہیں یہ ان سے بعید نہیں ہے۔

مستشرقین اور اپنے ناسمجھ، کم علم، سطحی علما، مؤرخین، محققین اور سیرت نگاروں کی مہربانیوں کا رستائوں سے کفار و مشرکین مکہ کے اس سفید جھوٹ نے، افترا پردازی، بہتان نے

”سورہ نجم کی تلاوت و قرأت کے دوران شیطان نے حضور پر نور ﷺ پر یہ الفاظ القاء کر دیئے (تلاک الغرائیق العلیٰ وان شفاعتھن لتتبعی) کہ یہ بلند رتبہ دیویاں ہیں کہ جن کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔“ کچھ ناسمجھ، سطحی علما، کمزور ایمان والے مسلمانوں کو بھی آزمائش میں ڈال دیا۔

وہ یہ کہ اس سفید جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے مستشرقین کی چال میں آ کر چند ہمارے نا سمجھ کم علم سطحی علماء سیرت نگار، مؤرخین و محققین نے چند آیات مبارک کے اپنے من پسند لیکن غلط ترجمے کر ڈالے اور اسی طرح کچھ آیات مبارک کی شان نزول بھی اپنی حماقتوں سے بدل ڈالی۔

میں اس واقعہ کے متعلق چند صفحات بعد پہلی ہجرت حبشہ سے متعلقہ واقعات لکھ دینے کے بعد ”جھوٹ کا پلندہ“ کے عنوان کے تحت تفصیل سے ذکر کروں گا۔

مسلمانوں کی قوت میں اضافہ اور چند مسلمانوں کی حبشہ سے واپسی

ابھی مسلمانوں کو ملک حبشہ پہنچے ہوئے دو ڈھائی ماہ گزرے تھے کہ ان ہی دنوں مسلمانوں کے لئے مکہ میں دو تین بڑے خوشگوار حوصلہ افزا عزت و طاقت دو بالا کرنے والے، وقار بخش واقعات ظہور پذیر ہوئے۔

ان میں سب سے نمایاں اور بہت اہم واقعہ تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایمان لانا ہے جس کے ایمان لاتے ہی تحریک دین اسلام، دین اسلام پس پردہ سے نکل کر پورے آب و تاب، وقار و اعتماد کے ساتھ برابری کی بنیاد پر منظر عام پر آ گیا۔

دوسرا واقعہ اس سے تین دن پہلے کا ہے اور وہ ہے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا ایمان لے آنا۔

ان مقتدر ہستیوں کے ایمان لانے کے واقعات کو آپ مفصل پڑھ چکے ہیں میں اسے یہاں نہیں دوہراؤں گا۔ یہاں صرف ان کے اس انداز کو بیان کیا جائے گا جو دین اسلام، تحریک دین اسلام اور مسلمانوں کی پر اعتماد اظہار قوت کا سبب بنے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے سے کچھ پہلے مشرکین مکہ کی محفل میں بیٹھے ان کے ایک سردار ابو جہل کے سر پر کمان سے ضربیں لگائیں، اسے لہو لہان کر دیا اور اسے اسی کی زبان میں برا بھلا کہا۔ ابو جہل نے اس موقع پر مزید دنگا فساد کرنے کے بجائے اپنے کئے کا اعتراف کر کے خاموشی اختیار کر لی۔ مسلمانوں کے لئے ان دنوں ابو جہل کا مار کھا کر خاموش ہو جانا ایک کامیابی بھی تھی اور حوصلے بلند کرنے والی بات بھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا مہاجرین کی حبشہ سے مراجعت سے کچھ عرصہ پہلے وقوع میں آیا۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے قبل جس سختی سے کفر کی حمایت کرتے رہے سب کو علم ہے اور یہ بھی سب پر خوب واضح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین الہی اختیار کرنے کے بعد اسی استقامت کے ساتھ اسلام کی حمایت میں سر بکف ہو کر نکل آئے۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اپنا اسلام لانا ایک لمحہ کے لئے بھی مخفی نہ رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روسائے کفار کے حلقے میں اپنے دین کا اعلانیہ اظہار فرمایا۔ مخالفین نے تکرار کی راہ اختیار کی تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس راستے پر بھی آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے کھلے بندوں بیت اللہ میں نمازیں پڑھیں اور بغیر کسی خوف اور ڈر کے اللہ کے احکام سے اٹھ

قریش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بے خوفی و بے باکی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ انہیں یہ یقین ہو گیا کہ اگر مسلمانوں کی ایذا رسانی کا سلسلہ جاری رہا تو اس سے باہمی لڑائی کا دروازہ کھل جائے گا جس کے بارے میں خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کب ختم ہوا اور کس کس کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔ قریش یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ ہماری ہی قوم میں سے بہت سے قبائل اور اچھے بڑے گھرانوں کے کئی کئی افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اس لئے ان میں سے اگر کسی کو بھی قتل کیا گیا تو قبائلی عصبیت کی بنا پر ان کے قبیلہ کے لوگ انتقام کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور پھر معاملات بگڑ جائیں گے، بے قابو ہو جائیں گے جس کا فائدہ دین اسلام و تحریک اسلام کو پہنچے گا۔

ان دونوں مقتدر ہستیوں نے اتفاقہ اور اچانک دین اسلام قبول کیا۔ ایسا ہو جانا مشرکین و کفار کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا اور مسلمان ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس انداز سے سامنے آئے اس نے قوم مشرکین مکہ کو ایک بہت بڑی سوچ میں ڈال دیا۔

مشرکین و کفار مکہ جہاں مسلمانوں کے ساتھ جھگڑا مول لینے سے گریز کرنے لگے وہاں ان میں باہمی اعتماد میں بے یقینی بھی بہت زیادہ آگئی کہ کل کلاں نہ جانے ہم میں سے کون مسلمانوں میں شامل ہو جاتا ہے اس لئے وہ ایک دوسرے سے بھی محتاط ہو گئے اور خائف رہنے لگے۔ ان حالات میں مشرکین مکہ نے اسی میں مصلحت جانی کہ ظاہری طور پر جہاں تک بن پڑے، جہاں تک ہو سکے اجتماعی طور پر رواداری سے کام لیا جائے۔ انفرادی طور پر مسلمانوں کے ساتھ اور بھی برا برتاؤ کیا جائے اور درون خانہ تحریک دین اسلام کو ختم کرنے کے لئے خوب بندوبست اور کوششیں کریں۔

یہ تھے وہ حالات و معلومات جو حبشہ کے مہاجرین کے لئے غور و فکر کا باعث ہوئے۔ اور انہوں نے سوچا کہ اب جب کہ قریش درپے آزار نہیں ہیں تو کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

اگر حالات سازگار لگیں یا سازگار ہوں تو کس کا جی نہیں کرے گا کہ وہ اپنے محبوب رہنما، پیارے نبی ﷺ کی صحبت و قربت میں دن گزارے۔ نئے بدلے ہوئے حالات و ماحول میں اپنے گھربار، محلہ، شہر کو دیکھے اور خاص طور پر جب وہ اکیلا ہو اس پر اور گھریلو ذمہ داریاں نہ آئی ہوں۔ وہ تو پر لگا کے، اڑ کر قربت رسول اللہ ﷺ میں آئے گا۔

تیسرا واقعہ مشرکین و کفار مکہ کا سورہ نجم سننے کے بعد غیر ارادی طور پر نبی کریم حضور پر نور ﷺ کے ساتھ ان کا سجدہ کرنا تھا۔ یہ واقعہ کئی لحاظ سے مسلمانوں کے لئے خوش کن تھا۔

(۱) آپ ﷺ نے خانہ کعبہ میں سرداران مشرکین اور ان کے چیلوں کی موجودگی میں خوب دلجمعی سے تلاوت فرمائی، عبادت کی۔

(۲) کلام الہی کا اثر ان پر اتنا ہوا کہ دم بخود ہو کر سنتے رہے اور غیر ارادی طور پر سجدہ بھی کر بیٹھے۔

(۳) یہ کلام الہی کی حقانیت کا بہت بڑا ثبوت تھا جو سب نے دیکھا۔

(۴) اس میں، مستقبل میں دین اسلام کے حاوی ہو جانے کا واضح اشارہ موجود تھا۔

کچھ سیرت نگاروں نے اس تیسرے واقعہ کو بھی حبشہ سے مہاجرین کی واپسی کا سبب قرار دیا ہے جو کہ میرے نزدیک ناقابل ذکر یا بہت کمزور سبب ہے۔ کیونکہ اس واقعہ کے حوالہ سے لکھنے والے سب سیرت نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ ”حبشہ کے مسلمانوں تک یہ افواہ پہنچی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے، مصلحت کر لی ہے۔“ اس سے آگے کسی سیرت نگار نے بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ یہ افواہ کس کے ذریعہ سے وہاں پہنچی۔ افواہ پہنچانے والا یا والے مشرکین تھے یا کوئی اور۔ اور وہ کس غرض سے وہاں گیا یا کس مقصد و غرض کے تحت افواہ پہنچائی۔

اس واقعہ کو ناقابل ذکر یا بہت کمزور سبب واپسی مہاجرین حبشہ میں نے اس لئے بھی کہا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت میں یہ شامل تھا کہ افواہوں پر بغیر تصدیق کئے عمل نہ کریں اور اس دور کے مسلمان سابقون الاولون رضی اللہ عنہم تو بہت ہی اعلیٰ پائے کے مسلمان تھے جن سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ افواہوں پر کان دھرتے اور عمل پیرا ہوتے۔

حبشہ سے واپس آنے والوں پر کیا مبنی

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے۔ جو مکہ لوٹ آئے تھے ولید بن مغیرہ نے انہیں پناہ دی تھی۔ دوسرے حضرات کو بھی کسی نہ کسی رئیس نے پناہ دی اور وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کسی نے پناہ نہ دی۔ آپ بغیر کسی پناہ کے مکہ مکرمہ واپس آ گئے قلیل عرصہ یہاں قیام کیا پھر حبشہ چلے گئے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ولید بن مغیرہ نے پناہ دی تھی آپ امن و سکون کے ساتھ مکہ میں اپنے دن گزار رہے تھے کوئی کافر آپ کو کچھ نہیں کہتا تھا۔ لیکن آپ دیکھتے تھے کہ ان کے دوسرے دینی بھائیوں پر کفار بڑا تشدد کر رہے ہیں۔ ان کی ایمانی غیرت یہ برداشت نہ کر سکی۔ کہ ان کے دینی بھائیوں پر تو ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہوں اور وہ ایک کافر کی پناہ لے کر عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ولید کی پناہ اس کو لوٹا دیں گے تاکہ کفار ان کو بھی اسی طرح تشدد کا نشانہ بنائیں جس طرح دوسرے مسلمانوں پر وہ جور و ستم کر رہے ہیں۔ آپ ولید کے پاس گئے اور کہا اے عبد شمس! تو نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ لیکن اب میں تمہاری پناہ میں نہیں رہنا چاہتا اس لئے تمہاری پناہ کو واپس کرتا ہوں۔ اس نے پوچھا بھانجے کیا بات ہے کیا کسی نے تجھ پر کوئی زیادتی کی ہے آپ نے کہا۔

”نہیں مجھ پر کسی نے زیادتی نہیں کی لیکن میں صرف اللہ تبارک تعالیٰ کی پناہ کو پسند کرتا ہوں اور اس کے سوا کسی غیر کی پناہ مجھے منظور نہیں۔“

ولید نے پھر کہا مسجد میں چلے جسر طر ح میں زجمعہ صام مد آ کر رہتے تھے۔

کو واپس کرنے کا اعلان کریں۔ دونوں حرم شریف میں گئے حضرت عثمان بن مظعون نے اعلان کیا کہ ولید نے مجھے پناہ دی تھی۔ اس نے اپنے وعدہ کو نبھایا۔ میں نے اس کو وعدہ پورا کرنے والا اور باعزت طور پر پناہ دینے والا پایا لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا ہوں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے بغیر میں کسی اور کی پناہ میں زندگی بسر کروں اس لئے میں نے اس کی پناہ اسے لوٹا دی ہے۔ (سبل الہدی والرشاد، امام یوسف صالحي جلد ۲ صفحہ ۴۸۹)

وہاں سے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور لبید بن ربیعہ (مشہور شاعر) اکٹھے چل کر قریش کی ایک محفل میں آئے۔ لبید نے یہ مصرعہ پڑھا:

”کہ بے شک ہر چیز اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا فنا ہونے والی ہے۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تو نے سچ کہا ہے۔ پھر لبید نے کہا

”کہ ہر نعمت یقیناً مٹنے والی ہے۔“

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”تم نے جھوٹ کہا جنت کی نعمتیں زائل نہیں ہوں گی۔“

لبید کو یہ بات سخت ناگوار گزری اس نے کہا اے گروہ قریش! پہلے تو تمہارے ہم نشین کو ایسا تلخ اور گستاخانہ جواب نہیں دیا جاتا تھا۔ اپنے مہمان کی دل آزاری کا یہ طریقہ تم نے کب سے اپنایا ہے۔ ایک شخص بولا۔ اے لبید! ناراض نہ ہو۔ یہاں بے وقوفوں کی ایک جماعت ہے جو ہمارے خداؤں کے منکر ہیں یہ شخص انہیں میں سے ایک ہے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو جواب دیا۔ تلخ کلامی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اس آدمی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر زور سے طمانچہ دے مارا۔ چوٹ سے وہ سوچ گئی ولید بن مغیرہ بھی پاس بیٹھا تھا۔ اس نے سب کچھ دیکھا اور بطور طنز بولا عثمان جب تک تم میری پناہ میں تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ ایسا کرنا اب مزا چکھو میری پناہ کو مسترد کرنے کا۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”بخدا میری درست آنکھ بھی چاہتی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی راہ میں اسے بھی ایسا ہی طمانچہ لگے

اور اے ابا عبد شمس! میں اب اس ذات کی پناہ میں ہوں جو تجھ سے زیادہ معزز اور تجھ سے زیادہ

طاقتور ہے۔“ (سبل الہدی والرشاد، امام یوسف صالحي جلد ۲ صفحہ ۴۹۰)

ولید نے کہا میرے بھتیجے! اب بھی اگر تم میری پناہ میں آنا چاہو تو آ سکتے ہو۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہرگز نہیں۔

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ بھی ان مہاجرین میں سے تھے جو مکہ لوٹ آئے تھے ان کو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے پناہ دی تھی۔ ان کے قبیلہ بنو مخزوم کے چند آدمی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اعتراض کیا کہ آپ نے ہمارے آدمی کو کیوں پناہ دی ہے آپ نے فرمایا یہ میرا بھانجا ہے اس نے مجھ سے پناہ مانگی میں کیسے انکار کر سکتا تھا۔ اگر میں اپنے بھانجے کو پناہ نہیں دے سکتا تو پھر اپنے بھتیجے کو کیونکر پناہ دے سکوں گا۔

مستشرقین کا سفید جھوٹ کوچ میں ملانا

بعض مسلمان علماء کا بہک جانا اور اس کا مکمل رو

قارئین کرام! کفار و مشرکین مکہ کے اس سفید جھوٹ کہ

”سورہ نجم کی قرأت کے دوران شیطان نے آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ (تلك الغرائق العلی وان شفاعتھن لترتبحی) یہ بلند رتبہ دیویاں ہیں کہ جن کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔ جاری کر دیئے۔“

کی حقیقت کے بارے میں آپ گزشتہ باب میں بہت تفصیل سے پڑھ آئے ہیں۔

امت مسلمہ کی بد نصیبی و بد قسمتی سے اس مردہ معاملہ کو مستشرقین نے کئی صدیوں بعد زندہ کر دیا اور اسے موڑ توڑ کر اس طرح سے پیش کیا کہ چند ایک مسلمان علماء مؤرخین و سیرت نگار بھی ان کی اس مکاری کو نہ سمجھ سکے اور اپنی نا سمجھی، کم علمی کے سبب مستشرقین کے ہم نوا بن گئے اور ان کے زہر آلودہ خیالات و سیہ کاریوں کو سچ سمجھ کر اپنی تحریر و تقریر میں شامل کر لیا۔ اور یوں مستشرقین امت مسلمہ پر ایک اور کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو گئے۔ خدا کے لئے درج ذیل کوتلی اور دھیان سے پڑھئے تاکہ آپ بھی امت مسلمہ کو مستشرقین کے بہکاوے میں آنے سے بچا سکیں، بچانے میں مدد و معاون ثابت ہو سکیں۔

تنبیہ

سب سے پہلے اس جھوٹ کے بارے میں یہ جان لیں کہ اس کوچ ماننے والے کسی مسلمان کا ایمان قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ صریحاً کفر ہے اور اس کوچ ماننے والا کافر ہے۔ یہ رائے یہ فتویٰ سلف و خلف یعنی اگلے پچھلے موجودہ تمام مفتیوں کا ہے، اماموں کا ہے، علماء دین کا ہے۔ اگر اس جھوٹ کا سچ ہونا کسی مسلمان سے سرزد ہو جاتا ہے تو وہ مسلمانوں کے ایمان کے دائرہ سے باہر نکل جاتا ہے اور اگر وہ اس سے سچا تائب نہ ہو تو وہ کفر پر مرا اور اس کا حشر کافر کا ہی ہوگا۔

مستشرقین

اس کتاب میں مستشرقین اور تحریک استشراق پر پہلے ہی بہت تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں مزید لکھنا بھی نہیں ہے مگر کمال کے سالہا سالہ شہسوار کے

کریں! اپنوں کی غفلت و حماقت پر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ مجبوراً میں یہاں چند ویسے ہی فقرے دہرا رہا ہوں کہ شاید ان ہی سے کسی کی رہنمائی ہو جائے، دارین میں بھلا ہو جائے۔

یہ ایک سفید جھوٹ ہے جو ایک عام، اوسط ذہن و سمجھ کے مالک انسان کو بھی بہت دور سے نظر آ جاتا ہے یعنی کہ اسے ایک دو فقرے پڑھنے کے ساتھ ہی اس حقیقت کا احساس ہو جاتا ہے کہ یہ جھوٹ کا پلندہ ہے جس کو کسی تامل کے بغیر اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دینا چاہیے۔

ہم اور تحریک استشراق

دین اسلام یا امت مسلمہ کا برا چاہنے والے تو اپنے مخصوص حالات و وجوہات کی بنا پر امت مسلمہ کا شیرازہ بکھیرنا چاہیں گے۔ وہ میدان جنگ میں صدیوں تک لگاتار مسلمانوں سے ہزیمتیں اٹھاتے رہے، شکست کھاتے رہے اور اپنے علاقے ملک مسلمانوں کے قبضہ میں دیتے رہے۔ انہوں نے بہت غور و خوض کے بعد مسلمانوں کی طاقت و جوانمردی کا سبب یہ معلوم کیا کہ انہیں قرآن اور صاحب قرآن محمد رسول اللہ ﷺ پر عشق کی حد تک یقین و محبت ہے اور ان کے احکام کو ہر حال میں بجالانا ہی ان کی، ان کے لئے سب سے بڑی سعادت ہے۔

بس انہوں نے اس مضبوط رابطہ کو کاٹ دینے کا سوچا اور اس کے مطابق اپنی چالوں پر عمل پیرا ہو گئے۔ انہوں نے یک مشت وہ سب طریقے وہ سب چالیں بروئے کار لانا شروع کر دیں جن سے وہ اس بہت مضبوط رابطہ کو کاٹ تو نہیں سکے لیکن اسے کہیں کہیں کمزور ضرور کر دیا اور اسے مزید کمزور کرنے کی مسلسل کوششیں جلدی ہیں۔

امت مسلمہ کی بد نصیبی

کہ ہمارے ہی بعض مسلمان علماء سیرت نگار مستشرقین کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے۔ وہ دھام ہم رنگ کو نہ پہچان سکے اور پھر اس سفید جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے مستشرقین کے نقش قدم پر چند آیات قرآنی کے بھی اپنی مرضی کے ترجمے کر لئے اور ان کی شان نزول بھی اپنی طرف سے تراش لی۔ اس بارے میں ان کی دلیلیں تو بہت کمزور یا بودی تھیں لیکن مستشرقین کے لئے یہی بڑی کامیابی تھی اور ہے کہ اس سفید جھوٹ کو سچ ثابت کرنے والے خود مسلمان ہیں یا وہ نا سمجھ مسلمان اسے سچ ثابت کرنے کے لئے مستشرقین کے ہم خیال و ہم نوا بن گئے ہیں۔

قارئین کرام! یہ حقیقت گذشتہ باب ”پہلی ہجرت حبشہ“ کے تحت وضاحت سے بیان کر دی گئی ہے کہ یہ سفید جھوٹ ان مشرکین و کفار نے، جو غیر ارادی طور پر اللہ تبارک تعالیٰ کو سجدہ کر چکے تھے، انہوں نے گھڑا اور اپنے آپ کو مزید لعن طعن و ملامت سے بچانے کے لئے اپنے ان مشرکین و کفار ساتھیوں، دوستوں کو سنا دیا جو سجدہ کرنے میں شامل نہ تھے۔

کفار و مشرکین نے درج بالا سفید کو حضور ﷺ سے منسوب کر کے اپنا پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے جب یہ الفاظ محمد (ﷺ) کی زبان سے سنے تو ہم نے سمجھا کہ محمد (ﷺ) نے اپنے پرانے دین سے ناطہ جوڑ لیا ہے۔ وہ ہمارے بتوں کو بلند مرتبہ دیویاں کہہ رہے ہیں اور ان کی شفاعت کا بھی اعلان کر رہے ہیں۔ اب ہمارا ان سے کیا جھگڑا، اس لئے ہم بھی سجدے میں گر گئے۔

اس کے رد میں ایک نفسیاتی دلیل

اس کے رد میں اس کتاب کے مصنف کی طرف سے ایک نفسیاتی دلیل قارئین کرام کے گوش گزار ہے۔ اس دلیل کو ہم مسلمان تو دوسروں کی نسبت بہت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کیونکہ روزانہ امام کے پیچھے نماز ادا کرتے ہوئے ہمیں مختلف خیالات و سوے آتے رہتے ہیں۔

مشرکین مکہ نے جو جھوٹ گھڑا اور اپنے ساتھیوں کو مطمئن کرنے کے لئے اپنے دفاع میں دلیل کے طور پر پیش کر دیا وہ جواب انسانی نفسیات کی رو سے بذات خود اس سفید جھوٹ کا پول کھول رہا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے مندرجہ بالا پیرا گراف میں ان کے جواب کو ایک دفعہ اور غور سے پڑھ لیں۔

میں نے جیسا کہ اوپر لکھا ہے کہ ہم مسلمان اسے زیادہ اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں وہ یہ کہ جب ہم امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں تو اس دوران تقریباً ہم سب ہی دنیاوی معاملات کے بارے میں کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت ضرور سوچ رہے ہوتے ہیں۔ اور اس سوچ میں ایک بات یقینی ہے کہ پوری جماعت میں سے کوئی ایک دو نمازی بھی اس دوران ایک جیسی بات نہیں سوچ رہے ہوتے۔ تقریباً ہر کوئی اپنی اپنی مصروفیات ضروریات یا کام کاج کے مطابق سوچ رہا ہوتا ہے۔ اور جب امام سجدے میں جاتا ہے تو سب ہی اہل جماعت اپنے اپنے خیالات سے نکل کر ارادی طور پر سجدے میں چلے جاتے ہیں۔

مشرکین مکہ بھی اپنی اپنی جگہ پر اس وقت امام الانبیاء پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کلام الہی بہت حد تک باجماعت سن رہے تھے۔ مندرجہ بالا انسانی نفسیات کی روشنی میں مشرکین کی اس بات کو کیسے مان لیا جائے کہ وہ سب کے سب تلاوت قرآن حکیم سننے کے دوران ایک ہی بات سوچ رہے تھے اور پھر سب نے سجدہ کرنے کا ارادہ بھی یک لخت کر لیا۔ کیا انسانی نفسیات کی رو سے ایسا ہونا ممکن ہے؟ قطعاً نہیں! قطعاً نہیں۔

وہ تو قادر مطلق خالق و مالک کائنات نے قرآن حکیم کی فصاحت و شیرینی نے اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تلاوت نے ان سب مشرکین کو سحر زدہ کر دیا تھا اور وہ یوں سب کے سب غیر ارادی طور پر سجدے میں گر گئے جس کا کہ انہیں پچھتاوا ہوا اور پھر انہوں نے اپنے دفاع میں یہ سفید جھوٹ گھڑ لیا۔

افسوس صد افسوس ہمارے بعض مفکرین نے کفار و مشرکین کی من گھڑت تاویلات کو اور بے بنیاد الزامات کو ایک حقیقہ و واقعہ کر دیا۔

ﷺ سے جو جملے منسوب کئے ان کی کوئی اصل بھی ہے یا نہیں۔

اگر ہم خود ہی اپنے ذہنوں اور اپنی سوچوں میں سلمانِ رشیدیوں اور تسلیمہ نسرینوں جیسی بھنگی ہوئی روحوں کے آثارِ خبیثہ کی پرورش کرنے لگیں تو ایمان کی دیواروں میں شگاف ڈال کر ہم آپ ہی اپنے تماشائی بن جائیں گے اور یوں شعوری اور لاشعوری طور پر ہم متعصب مستشرقین کے ہاتھ مضبوط کرنے کے جرم کا ارتکاب کریں گے۔

مذکورہ بالا بہتان کو، الزام تراشی کو، سفید جھوٹ کو بیک جنبشِ قلم رد کر دینا نہ صرف ایمان کا بنیادی تقاضا ہے بلکہ فتنہ و شر کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے بھی مترادف ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ بتوں کی شفاعت والا مبینہ جملہ قرآن کے طرزِ استدلال اور قرآن کے منفرد اسلوب سے بھی کوئی لگاؤ نہیں رکھتا بلکہ وہ جملہ خود کو نقل و عقلاً جھوٹ کا پلندہ ثابت کرتا ہے۔

مشرکین و کفار مکہ کے اس سفید جھوٹ کو مستشرقین نے، دین اسلام اور امت مسلمہ کے برا چاہنے والوں نے ایک غنیمت جانا اور اسے مزید قابلِ قبول و مصدقہ بنانے کے لئے اس میں اور ملتا جلتا اضافہ کیا اور قرآن حکیم کی سورہ حج کی آیت 52 اور سورہ بنی اسرائیل کی آیات 73 تا 75 کا اپنی جھوٹی کہانی کی تائید کرتا ہوا غلط ترجمہ اور شانِ نزول لکھ دی۔

ابن عطیہ زحشری اور چند دوسرے لوگوں نے مستشرقین کی اس خود ساختہ روایت کو، امت مسلمہ کے لئے اس زہرِ ہلاہل کو، اس زہرِ قاتل کو اپنی تفسیر اور سیرت کی کتابوں میں نہ جانے کیوں بغیر سوچے سمجھے نقل کر لیا۔ کتابوں میں مستشرقین کی اس خود ساختہ روایت کے درج ہو جانے سے اس آیت (سورہ حج آیت 52) کا مطلب کچھ سے کچھ کر دیا گیا۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیات 73 تا 75 کی شانِ نزول بدل دی گئی جس سے امت مسلمہ کے بدخواہوں کو، مستشرقین کو، دشمنان اسلام کو قرآن، صاحب قرآن اور دین اسلام کی صداقت پر حملہ کرنے کے لئے ایک اور مہلک ہتھیار مل گیا۔

وہ مردود کہانی، روایت

جو زیر بحث ہے، دین اسلام اور امت مسلمہ کے بدخواہوں نے، مستشرقین نے کفار و مشرکین مکہ کے ایک جھوٹے فقرے سے یوں گھڑی کہ ایک روز حرم شریف میں کفار و مشرکین کے ایک اجتماع میں حضور ﷺ نے سورہ نجم کی تلاوت فرمائی۔ جب یہاں پہنچے ”کیا تم نے دیکھالات اور عزیٰ اور اس تیسری منات کو“ (سورہ نجم آیات 19-20) تو شیطان نے العیاذ باللہ زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیئے ”یعنی یہ بت مرغانِ بلند پرواز ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے۔“

یہ سن کو مشرکین کی خوشی کی حد نہ رہی اور حضور پر نور ﷺ کا اسم گرامی لے کر کہنے لگے کہ وہ اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ آیا ہے۔ آج اس کی اور ہماری عداوت ختم ہو گئی اور جب حضور ﷺ نے سورہ نجم کے سجدہ والی آیات پڑھیں تو حضور ﷺ نے بھی سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ اس کے بعد جبریل آئے اور آپ

ﷺ کو کہا کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ سورت اس طرح وحی نہیں کی تھی جس طرح آپ نے پڑھی۔ یہ سن کر حضور ﷺ کو از حد رنج و غم ہوا۔ اس رنج و غم کو دور کرنے کے لئے آیت نازل ہوئی کہ آپ غم نہ کریں، پہلے بھی جتنے رسول اور نبی گزرے ہیں سب کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔

ایک معمولی سمجھ بوجھ کا انسان جسے حضور پر نور، نبی اکرم ﷺ کے مقام کا معمولی سا بھی علم ہے وہ تو اس روایت کو سنتے ہی کہہ دے گا کہ یہ جھوٹ کا پلندہ ہے اور دشمنانِ اسلام کی سازش ہے۔

در اصل یہ ایک ابلیسی سازش ہے کہ مسلمانوں کے ایمان کی بنیادوں ہی کو شکوک و شبہات کے طوفان سے متزلزل کر دیا جائے۔ تقریباً سبھی ثقہ محدثین اور مفسرین نے اس خود ساختہ فساد کی سختی سے تردید کی ہے۔ یہ مسلمان کے بدن سے روح محمد ﷺ نکالنے کی ایک ناپاک جسارت ہے، یہ تصور بھی کرنا کہ شیطان حضور ﷺ کی زبان اطہر پر اس قسم کے کلمات جاری کروانے کی قدرت رکھتا ہے، صریحاً کفر ہے اور ایک بھیاں تک فتنے کا حرف آغاز، کوئی صاحب بصیرت اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔

قارئین کرام! قرآن حکیم کی سورہ حج آیت 52 کا ترجمہ غور سے پڑھ لیں اور اسے یاد رکھیں کیونکہ اس آیت مبارکہ کا اب ذکر خیر ہوگا کیونکہ دین اسلام اور امت مسلمہ کا برا چاہنے والوں نے اسی آیت مبارکہ کا اپنی پسند کا ترجمہ کر کے اپنی من گھڑت روایت کے حق میں حوالہ دیا تھا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ ۖ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَتَهُ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

ترجمہ: ”اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا اور نہ کوئی نبی مگر (سب کے ساتھ یہ واقعہ گزرا کہ) جب اس (رسول یا نبی) نے (لوگوں پر کلام الہی) پڑھا (تو) شیطان نے (لوگوں کے ذہنوں میں) اس (نبی کے) پڑھتے ہوئے (یعنی تلاوت شدہ) کلام میں (اپنی طرف سے باطل شبہات اور فاسد خیالات کو) ملا دیا سو شیطان جو (دوسے سننے والوں کے ذہنوں میں) ڈالتا ہے اللہ انہیں زائل فرما دیتا ہے۔ پھر اللہ اپنی آیتوں کو (اہل ایمان کے دلوں میں) نہایت مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔“ (سورہ حج آیت 52)

اس آیت کریمہ کا حوالہ دے کر اس من گھڑت جھوٹی روایت کو اپنے انجام تک پہنچایا گیا ہے کہ ایسا تو دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی ہوا ہے۔

پھر بقول مستشرقین اور ان کی اس جھوٹی خود ساختہ روایت کو سچ سمجھ کر اپنی تصانیف میں نقل کرنے والے مصنفین کے اس واقعہ کے بعد سورہ بنی اسرائیل کی آیات 37 تا 75 نازل ہوئیں۔

وَأَنْ كَذَبُوا كَذَبُوكَ ۚ وَالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ لِتَقْرَأَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۚ وَإِذَا لَا تَخَذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْ لَا أَنْ تُبَشِّرَ لَقَدْ كَذَبْتَ ۚ تَرَكْنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذَا لَا ذُقْنِكَ ضِعْفَ

ترجمہ: ”(اے پیغمبر!) قریب تھا کہ مشرکین آپ کو فریب دے کر کلام الہی کی تبلیغ سے روک دیتے اور اپنی اس کامیابی میں آپ کی دوستی کا بھرم بھرنے لگتے، مگر ہم نے کرم فرمایا کہ آپ کو ذرہ برابر ان کی طرف مائل نہ ہونے دیا۔ اگر آپ سے یہ لغزش ہو جاتی تو دارین میں آپ کو دو چند عذاب سے دو چار کرتے اور ہمارے خلاف کوئی بھی آپ کا مددگار نہ ہوتا۔“ (سورہ بنی اسرائیل آیات 73 تا 75)

ان آیات مبارکہ کے بارے میں مستشرقین یا امت مسلمہ کے بدخواہوں اور ان کی اس جھوٹی روایت کو سچ جان کر اپنی تصانیف میں نقل کرنے والوں میں نے یہ فقرہ جڑ دیا کہ یہ آیت نازل ہونے پر آپ ﷺ از سر نو قریش اور ان کے بتوں کی مذمت پر اتر آئے۔ جب چند بد قسمت نادان مسلمان ان کی اس چال میں آ کر اس جھوٹی روایت کو اپنی تصانیف میں نقل کر بیٹھے تو مستشرقین نے ہمارے نادان اور بے مایہ سیرت نویس اور ارباب تفسیر کی زبان سے یہ روایات لپک لیں اور ان پر دل کھول کر حاشیہ آرائیاں کیں کیونکہ اس سے تو ان کے من کی مراد پوری ہو رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے اسے خوب سراہا، خوب پھیلایا، خوب تشہیر کی اور لکھنے والوں کو حقیقت پسند، ترقی پسند اور بہت اچھے مسلمان قرار دیا۔

مردود روایت کا رد

اس من گھڑت مردود روایت کا رد آیات قرآن حکیم، احادیث، علماء دین، محققین، محدثین اور حیات طیبہ سے کیا جائے گا۔

لیجئے پہلے قرآن حکیم کی سورہ بنی اسرائیل کی آیات 73 تا 75 سے ہی شروع کرتے ہیں جن کا انہوں نے اپنے حق میں حوالہ دیا ہے۔

قارئین کرام! آپ نے ابھی ان آیات مبارکہ کا مستشرقین کا بیان کر ڈہ زمانہ نزول اور شان نزول کو پڑھ لیا ہے۔ جو کہ بالکل سو فیصد جھوٹ ہے۔

ان آیات کا زمانہ نزول فتح مکہ کے بعد کا ہے جبکہ مستشرقین نے اسے سن چار نبوی کا لکھا جو کہ غلط ہے۔ ان آیات کا زمانہ نزول اس وقت کے سولہ سترہ سال بعد کا ہے اور ان آیات مبارکہ کی شان نزول درج ذیل ہے۔
ثقیف کا ایک وفد حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اگر آپ ﷺ تین باتیں منظور کر لیں تو ہم آپ کی بیعت کر لیں۔ ایک تو یہ کہ نماز میں جھکیں گے نہیں یعنی رکوع سجدہ نہیں کریں گے۔ دوسری یہ کہ ہم اپنے بت اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں گے۔ تیسرے یہ کہ لات کو پوجیں گے تو نہیں مگر ایک سال اس سے نفع اٹھا لیں کہ اس کے پوجنے والے جو نذریں چڑھاوے لائیں اس کو وصول کر لیں۔ پیغمبر اول و اعظم و آخر سید المرسلین خاتم النبیینؐ رہبر کائنات ہادی النس و جان ﷺ نے فرمایا، اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں رکوع سجدہ نہ ہو اور بتوں کو توڑنے کی بابت تمہاری مرضی۔ اور لات و عزیٰ سے فائدہ اٹھانے کی اجازت میں ہرگز نہ دوں گا۔ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہم جانتے ہیں کہ آپ کی طرف سے ہمیں اس اعزاز ملے جو دوسروں کو نہ ملا ہو

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿۲۸۷﴾ جلد دوم

تاکہ ہم فخر کر سکیں۔ اس میں اگر آپ کو اندیشہ ہو کہ دوسرے عرب شکایت کریں گے تو آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے گا کہ اللہ کا حکم ہی ایسا تھا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور یہ فتح مکہ کے بعد کی بات ہے۔

سورہ حج آیت 52

قارئین کرام! اس آیت مبارک کا ترجمہ دو تین صفحے پہلے ہی آپ کی نگاہ سے گزرا ہے۔ اس آیت مبارک کا زمانہ نزول ہجرت کے بعد کا ہے یعنی مستشرقین نے اسے جس وقت سے منسوب کیا ہے۔ اس کا زمانہ نزول اس سے دس سال بعد کا ہے۔ اس سے بھی ان کے جھوٹ کا پول کھلتا ہے۔ اس پوری آیت میں کوئی ایک لفظ بھی تو ایسا نہیں ہے جو واضح نہ ہو یا جس سے الجھاؤ پیدا ہوتا ہو۔ اس میں اللہ تبارک تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو بتا رہے ہیں کہ آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول اور نبی مبعوث فرمائے، ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہے کہ جب انہوں نے ہماری آیتیں لوگوں کو پڑھ کر سنائیں تو شیطان نے ان لوگوں کے دلوں میں جو ایمان لانے والے نہ تھے، اہل ایمان میں سے نہ تھے۔ ان آیات کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے۔ بجائے اس کے کہ وہ ان آیات کو قبول کرتے انہیں ان کے خلاف محاذ قائم کر لیا اور اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ شیطان ایسا وسولہ اہل ایمان کے دلوں میں بھی ڈالتا ہے لیکن وہ اللہ تبارک تعالیٰ کی حکمت کے تحت اپنے زور ایمان سے اس وسوسہ سے اپنا پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ وہ اس وسوسہ یا کمزور خیالات کو اپنے یقین و ایمان کے سبب نکال پھینکتے ہیں اور اللہ تبارک تعالیٰ ان کے اس ایمان سے بھرپور عمل کے ذریعے بمطابق سورہ فتح آیت 4 کے ان کے دلوں میں اطمینان اتارتا ہے تاکہ انہیں یقین پر یقین بڑھے اور اللہ تبارک تعالیٰ شیطان کے ڈالے وسوسوں کو اہل ایمان کے دلوں سے بالکل مٹا دیتا ہے اور ان کے دلوں میں اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے۔ ان کا ایمان آیات رب للعالمین پر بہت راسخ ہوتا ہے اور اللہ ہی تو علم و حکمت والا ہے۔

علامہ ابن حیان غرناطی رحمہ اللہ

اس آیت مبارک کے بارے میں علامہ ابن حیان غرناطی رحمہ اللہ کے جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں کیونکہ وہ جامع ہونے کے ساتھ مختصر بھی ہے۔ انہوں نے اس آیت کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کوئی ایسی چیز مذکور نہیں جو رحمت للعالمین، پیغمبر اول و آخر و اعظم سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی طرف منسوب کی جاسکے۔ اس میں تو صرف پہلے رسولوں اور نبیوں کا ذکر ہے۔ اس لئے اس آیت سے یہ اخذ کرنا کہ حضور ﷺ سے کوئی فعل سرزد ہوا اور اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، سرے سے ہی غلط ہے۔

معمول کا استدلال

یہ کوئی انوکھی، چونکا دینے والی بات و ہدایت تو نہیں ہے۔ یہ مفہوم متعدد دوسری آیتوں میں بھی بیان فرمایا

گراں دینا کے تارا

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لِيُؤْخِذَ إِلَىٰ أُولِيهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۝

ترجمہ: ”کہ شیطان اپنے چیلوں کے دلوں میں طرح طرح کے دوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ بحث مباحثہ شروع کر دیں۔“ (سورہ انعام، آیت 121)

اللہ تبارک تعالیٰ سورہ انعام کی ہی ایک دوسری آیت، آیت 112 میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝

ترجمہ: ”یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے سرکش انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا اور وہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے ایسی باتیں سکھاتے ہیں جو بظاہر بڑی دلکش ہوتی ہیں۔“ (سورہ انعام، آیت 112)

پہلے شیطاں جن وانس نے جو سلوک اپنے اپنے رسولوں، نبیوں، ہادیوں کے ساتھ کیا تھا بعینہ وہی رویہ مکہ کے مشرکین و کفار نے اختیار کیا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی حَرَمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ (تم پر مردار حرام کئے گئے) تو مشرکین اسے لے اڑے اور اس پر یہ اعتراض جڑ دیا کہ دیکھو جی جسے خود مارتے ہیں، اس کو تو حلال اور پاک کہہ رہے ہیں اور جسے خدا نے مارا وہ ان کے نزدیک حرام اور پلید ہے۔

جب سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو ان کی زبانیں قینچی کی طرح چلنے لگیں کہ ذرا انصاف تو دیکھو کہ بیع تو ان کے لئے حلال ہے اور سود حرام۔ حالانکہ دونوں میں نفع ہے۔ یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ دو ایک جیسی چیزوں میں سے ایک کو حرام اور دوسری کو حلال کر دیا جائے۔ اسی قسم کے متعدد واقعات ہیں جن کے متعلق شیطان ان کو بھڑکاتا اور وہ اسلام کے خلاف بڑے جوش و خروش سے پراپیگنڈہ کی ایک نئی مہم کھڑی کر دیتے۔

سورہ یونس آیت 15 میں اللہ تبارک نے اپنے محبوب کو واضح اور صاف لفظوں میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا۔

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بِسَبِّ لَا قَالِ الَّذِينَ لَا يُرْجُونَ لِقَاءَ نَا آتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي ۚ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

ترجمہ: ”فرمائیے مجھے اختیار نہیں کہ رد و بدل کر دوں اس میں اپنی مرضی سے۔ میں نہیں پیروی کرتا

(کسی چیز کی) بجز اس کے جو وحی کی جاتی ہے میری طرف۔“ (سورہ یونس، آیت 15)

دیکھئے سورہ حاقہ کی درج ذیل آیات مبارکہ قرآن حکیم اور صاحب قرآن پیغمبر اول و آخر و اعظم، سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی عظمت، حرمت، عصمت و پاکیزگی کا کتنے واضح و آشکار، واضح الفاظ میں اعلان فرما رہی ہیں۔ ان میں جو قطعیت، یقین، اصول و پختگی بھری ہوئی ہے وہ ہر عام و خاص کے لئے کتنی عیاں ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۚ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۚ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۚ

ترجمہ: ”اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے، ضرور ہم ان سے طاقت کے ساتھ بدلہ لیتے، پھر ان کی رگ دل کاٹ دیتے۔“

واضح سادہ اور آسان الفاظ میں خالق و مالک کائنات ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر وہ خود باتیں بنا کر انہیں ہماری طرف منسوب کرتا (جو ہم نے نہ فرمائی ہوتیں) تو ضرور ہم ان سے سخت و شدید بدلہ لیتے۔ اس پر کہ وہ بات کہی جو ہم نے نہ فرمائی تھی۔ اگر وہ ایسا کرتا کہ کوئی ایک لفظ بھی وہ کہے جو ہم نے انہیں کہنے کو نہیں فرمایا تھا تو ہم ضرور اس کی رگ دل کاٹ دیتے جس کے کاٹتے ہی موت واقع ہو جاتی۔

مندرجہ بالا اور ان کے علاوہ کتنی ہی اور آیات مبارکہ قرآنی نصوص قطعیہ ہیں یعنی ٹھوس یقینی اور خدائی ثبوت ہیں۔ اس حقیقت کے کہ آپ ﷺ کی عصمت، معصومیت و پاکیزگی تمام شکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔ امت مسلمہ اور دین اسلام کا برا چاہنے والے، برا کرنے والے مستشرقین زمانہ لاکھ کوشش کریں وہ کبھی بھی مشرکین مکہ کے اس سفید جھوٹ کو سچ میں نہیں ملا سکتے۔ یہ سفید جھوٹ سفید جھوٹ ہی رہے گا۔ نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی ضیا پسی پر یہ پردہ نہیں ڈال سکتا۔

امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ

اس روایت کے متعلق سیرت کے معتبر ترین سوانح نگار امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ یہ روایت زندیقوں کی گھڑی ہوئی ہے اور اس کے رد میں انہوں نے پوری ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ خلاصہ تفسیر کبیر سے درج ذیل امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے۔ عقلی دلائل پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں جو شخص کہتا ہے کہ حضور پر نور ﷺ نے بتوں کے بارے میں تعریفی جملے کہے وہ کافر ہے کیونکہ اس طرح تو حضور انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ نیز شریعت، قرآن اور دین اسلام کی کسی بات پر یقین نہیں رہتا۔ پھر فرماتے ہیں ان دلائل سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا یہ قصہ موضوع ہے۔ وضع کیا گیا ہے، گھڑا گیا ہے۔ اس کے حق میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ بعض مفسروں نے اسے لکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ جو حد تو اتر کو پہنچی ہوئی ہوں ان کے سامنے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

اس روایت کے ناقلین نے اس کی جو مختلف تاویلیں کی ہیں۔ امام موصوف نے ان کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور فرمایا ہے کہ اس روایت کی کوئی تاویل درست نہیں۔ اس کا کوئی صحیح محمل اور مصداق تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ یہ روایت اپنی تمام تاویلات، احتمالات اور اختلاف الفاظ کے ساتھ مسترد کر دینے کے قابل ہے۔ (خلاصہ تفسیر کبیر)

امام بیہقی رحمہ اللہ

امام بیہقی کہتے ہیں۔ قصہ صحیح نقل سے شائبہ نہیں ہے۔ اس کا محمل و مصداق تلاش نہیں کیا جاسکتا۔

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین (۳۹۰) جلد دوم

ہیں۔ صحاح ستہ اور دیگر حدیث کی مشہور کتابوں میں اس کا نام و نشان نہیں (فوجب اطراحہ) اس لئے اس کو ردی چیز کی طرح پھینک دینا ضروری ہے۔

ابن حیان فرماتے ہیں کہ اسی لئے میں نے اپنی تفسیر کو اس کے بیان سے آلودہ نہیں کیا۔ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے کہ انہوں نے اپنی تالیفات میں اس واقعہ کو لکھنے کی کیسے جسارت کی۔ حالانکہ قرآن کریم کی ان آیات کو بھی وہ تلاوت کرتے ہیں جو اسی سورہ نجم کے آغاز میں ہیں۔

سورہ نجم

اللہ تبارک تعالیٰ، خالق و مالک کائنات، ہر کچھ کرنے پر ہمہ وقت قدرت والے، رب العالمین اپنے پیغمبر اول و آخر و اعظم سید المرسلین خاتم النبیین حضور پر نور ﷺ اپنے محبوب خاص کی شان میں سورہ نجم کی شروع کی آیات میں ہی فرماتے ہیں۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝

ترجمہ: ”اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔ تمہارے صاحب (محمد ﷺ) نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے (ان کا فرمانا) نہیں ہے مگر وہی جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔“ (سورہ نجم آیات 1 تا 4)

کتنی روشن واضح آیات مبارک ہیں اللہ تبارک تعالیٰ اپنے محبوب بندے (حضور پر نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ) کی شان عظمت و رفعت بیان فرما رہا ہے۔ بہت ہی سادہ اور بے لاگ الفاظ میں یوں فرما دیا ہے کہ میرے محبوب نبی کا فرمانا، میرا ہی فرمانا ہے۔ وہ تو ہر حال، ہر جگہ، ہر صورت وہی فرماتے ہیں جو فرمانے کے لئے میں انہیں وحی کرتا ہوں۔ ان روشن آیات کی موجودگی میں یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ اسی سورہ میں ایسے قبیح کلمات زبان پاک سے نکلے ہوں۔

آئیے اب مشرکین و کفار کے اس سفید جھوٹ کو جسے مستشرقین نے بڑی مہارت سے ایک ایسی روایت میں تبدیل کر دیا کہ کچھ نادان مسلمانوں نے اسے سچ سمجھ کر اپنی تصانیف سیرت و تفسیر میں جگہ دے دی یعنی کہ بیان کر بیٹھے، اسی سورہ کریم کے سیاق و سباق یعنی کہ ربط تحریر ربط مضمون میں دیکھیں کہ اس صریح جھوٹ کو وہ کیسے نکال باہر پھینکتا ہے۔

اس غرض سے میں اس سورہ مبارک کی آیات 18 تا 23 کا ترجمہ یاد کر مبارک لکھتا ہوں۔ پھر آپ خود ہی دیکھئے کہ جس جھوٹ کو کفار و مشرکین مکہ نے مبارک آیات 19 اور 20 کے بعد شامل کرنا چاہا ہے اور اسلام، امت مسلمہ کے بدخواہوں نے اپنی اس خباثت سے کچھ نادان مسلمانوں کو گمراہ بھی کیا ہے۔ کیا وہ جھوٹ اور زیادہ نمایاں نہیں ہو جاتا اور جھوٹ خود پکار کر نہیں کہتا کہ میں تو ایک سفید جھوٹ ہوں۔ اللہ تبارک تعالیٰ جل شانہ

سورہ نجم کی آیات 18 تا 23 میں ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ۝ أَفَرَأَيْتُمْ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۝
الْكُفْمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثَىٰ ۝ تِلْكَ إِذَا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ۝ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا
أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ
وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ۝

ترجمہ: ”بلاشبہ رسول ﷺ نے اپنے پروردگار کی بڑی سے بڑی نشانیاں دیکھیں اور اے مشرکین تم تو صرف لات و عزیٰ کے مجسمے اور زیادہ سے زیادہ متاعِ دیوی دیکھ کر ان کی خدائی پر تکیہ لگا بیٹھے ہو اور تم نے یہ تقسیم بھی تو عجیب کی ہے کہ خدا کی جھولی میں تو بیٹیاں ڈال دیں اور اپنے لئے بیٹے پسند کر لئے۔ ارے! تمہارے ان لات و عزیٰ اور منات کی خدائی بھی کوئی حقیقت رکھتی ہے جسے تم نے اور تمہارے بزرگوں نے خود پر واجب کر رکھا ہے۔ کیا اللہ نے بھی ان کی خداوندی کی سند ارشاد فرمائی (اے پیغمبر!) یہ لوگ یا تو ظن و گمان کے بندے ہیں یا انہیں نفس کے پجاری، باوجودیکہ ان کے پاس ان کے پروردگار حقیقی نے ہدایت (قرآن) نازل فرمادی۔“ (سورہ نجم آیات 18 تا 23)

یہ آیات مبارک وضاحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ لات، عزیٰ اور منات اپنی وضع قطع کے اعتبار سے بھی اس قدر بے مایہ ہیں کہ تم ہی نے انہیں تراشا اور ان کے نام اپنے بزرگوں سے سن کر رکھ لئے اور کچھ خود بخود تجویز کر لئے۔ کیا خدائے یکتا نے بھی اس پر دلیل تمہیں سپرد فرمائی؟

مستشرقین کی چال میں آجانے والے میرے نادان، نا سمجھ مسلمان بھائی قرآن حکیم میں تضاد نہیں ہے۔ اس کی آیات ایک دوسری کی مدد تو کرتی ہیں، حکم، ہدایت، نصیحت کو اچھے انداز سے اور آگے بڑھاتی تو ہیں اس کے خلاف بات نہیں کرتیں۔ سارے قرآن حکیم کی آیات کو چھان لیں، ان میں تضاد نہیں ملے گا۔

اس طرح کے مداخل کو صحیح مان لینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آیت باہم متناقض ہو جائے گی کیونکہ اس طرح پہلے تو ان کی ایک جملہ میں تعریف ہوگی اور اس کے بعد مسلسل چار آیتوں میں مذمت۔ کیا قرآن جس کی بلاغت کمال تک پہنچی ہوئی ہے اس اضطراب، تناقض اور آشفته بیانی کا متحمل ہو سکتا ہے؟ قرآن تو قرآن کیا کوئی سمجھ دار انسان بھی اس حرکت کا مرتکب ہو سکتا ہے کہ ایک ہی سانس میں دو مختلف اور متناقض باتیں کہے؟ ظاہر اے باطل ہے جو نادقہ کی گھڑنت ہے، اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

نقلًا و عقلاً جھوٹ کا پلندہ

بخاری شریف کے حاشیے میں درج ہے۔ راوی کا یہ قول کہ آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے سجدہ کیا یعنی تمام حاضر مشرکین نے جب اپنے بتوں لات، عزیٰ اور منات کا ذکر سنا (تو سجدہ

(مخالفت) کرتے ہوئے (سجدہ کیا) یا یہ (سجدہ) ان سے بلا ارادہ ہوا یا وہ اس بارے میں مسلمانوں کی مخالفت سے ڈر گئے تھے اور یہ جو کہا گیا کہ یہ اس سبب سے تھا کہ حضور اکرم ﷺ پر دوران قرأت شیطان نے یہ الفاظ القاء کر دیئے (تلك الغرائق العلی وان شفاعتھن لترتجی) (یہ بلند رتبہ دیویاں ہیں کہ جن کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے) اس کی عقلاً اور نقلاً کوئی صحت نہیں، اس بات کو اسی طرح صاحب الجمع نے نقل کیا ہے اور کرمانی میں بھی ایسے ہی ہے۔ (حاشیہ نمبر 4 صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 721)

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بھی زور شور سے اس روایت کا رد کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ اگرچہ سطحی قسم کے لوگوں نے اس روایت کو لکھا ہے لیکن علماء محققین کا اس کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ یہ روایت جھوٹی ہے، گھڑی ہوئی ہے اور اس کے بطلان (جھوٹی) اور موضوع (گھڑی ہوئی) ہونے پر ان علماء نے قرآن سنت اور عقلی دلائل پیش کیے ہیں اور اس کے بعد امام موصوف نے بھی مذکورہ بالا آیات ذکر کی ہیں۔

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی

علامہ ابو عبد اللہ قرطبی نے بھی احکام القرآن میں اس روایت کی خوب تردید کی ہے اور ہر سلسلہ روایت پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ سب کی سب باطل ہیں۔ ان کا کوئی ثبوت نہیں اور کیونکہ یہ روایت ضعیف ہے۔ اس لئے اس کی تاویل کرنے کی بھی قطعاً کوئی ضرورت نہیں اور اسے بلا تاویل رد کر دیں۔

آخر میں فرماتے ہیں کہ اگر اس روایت کی کوئی سند صحیح بھی ثابت ہو جائے تو بھی وہ ضعیف اور ناقابل اعتبار ہوگی کیونکہ آیات قرآنی کے صراحۃً مخالف ہے اور اب جبکہ یہ روایت آیات قرآنی کے بھی خلاف ہے اور اس کی کوئی صحیح سند بھی نہیں ہے ان حالات میں اہل نظر کے لئے یہ کب قابل التفات ہو سکتی ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یعنی امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تبلیغ کلام الہی میں حضور سے ہرگز غلطی نہیں ہو سکتی نہ قصداً نہ عداً نہ سہواً اور نہ غلطاً۔ اس میں نبی ہر طرح معصوم ہیں۔“

علامہ آلوسی

علامہ آلوسی نے دیگر اقوال کے ساتھ امام ابو منصور ماتریدی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

یعنی ”تلك الغرائق العلی“ والی بات۔ یہ ان باتوں میں سے ایک بات ہے جو شیطان اپنے زندقہ پیروکاروں کے دلوں میں ڈالتا ہے تاکہ لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کریں۔ جناب رسالت مآب اس قسم کی روایتوں سے مبرا اور منزہ ہیں۔ (روح المعانی)

جلد دوم

قاضی ابوبکر ابن العربی الاندلسی جب اس آیت کی تفسیر کرنے لگے ہیں تو اس روایت کا ذکر کر کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غصہ ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہے اور دل بے چین اور بے قرار ہو گیا ہے۔ اپنی سابق روش کے بالکل برعکس اس روایت کو باطل کرنے کے لئے ایک مستقل فصل لکھی ہے جس کا عنوان ہے ”نفس الغبی علی مقدار نبی“ اور اس فصل کے مکمل لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس فصل کے لکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقام قرب میں مجھے عظیم جزا دے گا۔

صحاح ستہ

یہ امر قابل ذکر ہے کہ صحاح ستہ میں کسی نے بھی اس بے بنیاد روایت کو نقل نہیں کیا۔ ابن کثیر، ابن خزیمہ، امام رازی، ابوبکر ابن العربی، بیہقی، رازی، آلوسی، شوکانی، قرطبی وغیرہ نے فسانہ غرائق کو لغو اور بے بنیاد قرآن دے کر اس پر خط تنبیخ پھیر دیا ہے اس لئے کہ یہ ایک من گھڑت کہانی ہے۔ کفار و مشرکین کا اپنے دفاع میں تراشا ہوا ایک فسانہ ہے۔

حیات طیبہ سے استدلال

حضور انور نبی کریم رؤف الرحیم کے عہد طفولیت و زمانہ رشد اور دور شباب میں کسی وقت میں بھی آپ ﷺ سے کذب کا صدور نہیں ہوا۔ اس حقیقت کی شہرت تھی اور ہے کہ جو نبی آپ ﷺ نے زندگی کی پچیسویں منزل میں قدم رکھا، مکہ والوں ہی نے آپ کو صادق و امین کہہ کر خطاب کیا اور اس خوبی کا چرچا اس قدر عام اور ہمہ گیر ہوتا گیا کہ بعثت کے بعد آپ نے کوہ و صفا پر تشریف فرما کر قریش سے سوال کیا کہ:

”اے قریش! اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے ادھر ایک لشکر جہاد تم پر حملہ کرنے کے لئے چھپا ہوا ہے تو تم میری بات صحیح سمجھ لو گے؟ جواباً کہا:

اے محمد (ﷺ)! ہم آپ ﷺ کی یہ بات اس لئے صحیح تسلیم کر لیں گے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ ﷺ صادق و امین ہیں۔

ایسے امین کی طرف یہ بہتان منسوب کرتے ہوئے شرم آتی ہے کہ اس نے رب العالمین کی ذات سے ایسی بات منسوب کی ہو جو اس (ذات واحد) نے فرمائی ہی نہیں اور وہ بھی خدا کے خوف سے نہیں بلکہ بندوں سے ڈر کر، حالانکہ رسول ایک اللہ کے سوا کسی اور سے خائف نہیں ہوتا۔ کس قدر محال، بعید، دور از قیاس ہے یہ امر کہ جو شخص اپنے سے پہلے لوگوں (انبیاء کرام صالحین) میں سے اس راہ پر چلنے والوں کے ثبات قدم کو پہچانتا ہو اور اس پر یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہو کہ حقیقت کی راہ میں سہل انگاری اور بے پروائی کا وجود ہی نہیں، ایسے شخص سے یہ ارتکاب کیونکر ہو سکتا ہے۔

جس شخص نے انہی قریش کی جانب سے حاند اور سورج کو، اللہ کے لئے مطعون کیا۔

اپنے دعوائے توحید کو ترک کرنے پر رضامندی کا اظہار نہ کیا ہو، یہاں تک کہ اس نے اپنے مدعا کی تبلیغ میں جان تک قربان کرنے کا تہیہ کر لیا ہو، آج وہی شخص بتوں کی مدح سے اپنے کئے دھرے پر پانی پھیر دے، اس سے یہ کیسے ممکن ہے؟

اللہ نے جس دین کی تکمیل کے لئے اسے مبعوث فرمایا ہو، کیا وہ اسی دین کی بنیادیں اپنے ہاتھ سے کھود کر پھینک دے؟ اور کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ بتوں کی یہ بزرگی بیان کرنے کا زمانہ اس وقت آئے جب کہ حضور پر نور ﷺ کے پیروکار انہی قریش کے ہاتھوں طرح طرح کی ایذائیں عرصہ چار پانچ سال تک برداشت کر چکے ہوں۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے داخل اسلام ہونے سے مسلمان ایک باوقار طاقت بن گئے اور جب مکہ میں مسلمانوں کا پھیلاؤ اور طاقت دیکھ کر قریش نے ان کی آبروریزی و ایذا رسانی سے ہاتھ روک لیا ہو اور جس وقت یہ واقعات (اہل مکہ کے ہاتھ سے مسلمانوں کی ترک ایذا) بلاد عرب سے نکل کر ملک حبشہ اور دوسرے نواحی علاقوں میں سنے جانے لگے ہوں؟

قرائن سے ثابت ہے کہ واقعہ غرانیق کا کوئی وجود نہیں۔ اسے دشمنانِ محمد ﷺ نے وضع کیا اور مستشرقین نے، اسلام کا امت مسلمہ کا برا چاہنے والوں نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے اسے اور آگے بڑھایا۔ شیطان کے لئے ممکن نہیں

مزید برآں یہ حدیث متواتر ہے کہ شیطان کسی کے خواب میں بھی حضور کی شکل میں کسی کو دکھائی نہیں دے سکتا۔ مسلمانوں کو حضور کی شکل میں دھوکا دے سکے تو اس کی کیا مجال کہ سرچشمہ ہدایت کو وہ گدلا کر سکے۔ شیطان لعین تو خواب میں بھی حضور پر نور ﷺ کی شکل میں دکھائی نہیں دے سکتا۔ کجا یہ کہ وہ عالم بیداری میں سید المرسلین رحمت للعالمین ﷺ کی زبان اقدس پر بتوں کی شان و شفاعت کے بارے میں کوئی جملہ جاری کروادے۔ شیطان لعین تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سائے سے بھی دور بھاگے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آقا ﷺ کی منزہ اور پاکیزہ زبان پر ایسے کفریہ کلمات جاری کروادے، کیا عقل سلیم اس منطق کو ماننے کے لئے تیار ہو سکتی ہے۔ یہ سب من گھڑت، لغو، بے ہودہ اور بے بنیاد افسانہ طرازی ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اصل واقعہ جو صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں ہے۔ وہ صرف اتنا ہے کہ حضور ﷺ نے مجمع عام میں یہ سورۃ پڑھی اور اس میں آیت سجدہ آنے کی وجہ سے آخر میں سجدہ کیا تو تمام حاضرین جن میں کفار بھی تھے، سب سجدہ میں گر پڑے اور ایسا ہونا عین ممکن ہے کیونکہ کلام الہی ہو اور زبان حبیب کبریا ﷺ اس کی تلاوت کر رہی ہو تو کیوں نہ کفار بے ساختہ سجدے میں گر پڑیں، بس اتنی بات تھی جس کو جھوٹوں، بے دینوں کی وضع و تحریف نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

اگر ہم ایک لمحہ کے لئے علماء محققین کی مذکورہ بالا تخریجات سے صرف نظر بھی کر لیں اور صرف اس سورہ مبارکہ (سورہ نجم) کی آیات 3 اور 4 میں غور کریں تو حقیقت سورج کی طرح عیاں ہو جائے گی۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝

”یعنی یہ نبی مکرم اپنی خواہش سے تو بولتا بھی نہیں۔ اس کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ وحی الہی ہوتی ہے۔“

(سورہ نجم آیات 3-4)

ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کے محبوب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے جو ان دو آیتوں میں مذکور ہے، دوسری طرف یہ روایت ہے کہ معاذ اللہ حضور ﷺ نے ان بتوں کی شان میں یہ جملے کہے۔ ”یہ بت مرغان (پرندے) بلند پرواز اب آپ خود فیصلہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے یا یہ روایت جو بے دینوں کی جھوٹوں کی وضع کردہ ہے۔ انسان ذرا عقل و سوچ سے کام لے تو اس روایت کے باطل اور موضوع ہونے کے بارے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

نیز ان آیات پر نظر ڈالئے جو ان جملوں (تک الغرائق) کے معابد کی گئیں۔ کیا ان کے بتوں کی یہ مذمت جو ان آیات میں کی گئی ہے کفار قریش کے لئے قابل قبول تھی۔ بفرض محال اگر حضور پر نور ﷺ نے تک الغرائق والے جملے کہے ہوتے اور ان کے فوراً بعد یہ آیت (سورہ نجم آیت ۲۳) پڑھی ہوتی۔

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمِيَتْهُمَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ۝

ترجمہ: ”نہیں ہیں یہ مگر محض نام۔ جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے ان کے بارے میں کوئی سند۔ نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں۔“ (سورہ نجم آیت 23)

کیا ان آیات میں اور ان جملوں میں کوئی باہمی مناسبت ہے؟ کیا ایسا بے جوڑ کلام فصیح العرب ﷺ کی زبان سے ادا ہو سکتا ہے اور اگر ان دو جملوں کو سن کر کفار کو خوشی ہوئی تھی تو اس کے فوراً بعد یہ آیتیں سن کر حضور انور ﷺ کے بارے میں ان کی خوش فہمیاں ہمیشہ کے لئے کافور نہیں ہو گئی ہوں گی۔ ایک بہت ادنیٰ عقل و فہم کا مالک مسلمان بھی اس روایت کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہو سکتا۔

دوسری ہجرت حبشہ

گزشتہ باب ”پہلی ہجرت حبشہ“ میں ہجرت کی وجوہات اور حبشہ سے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی واپسی کا ذکر تفصیل سے ہو چکا ہے۔ ”دوسری ہجرت حبشہ“ کے بیان کو اچھی طرح تسلسل کے ساتھ سمجھانے کے لئے یہاں مختصر اُدو بارہ عرض ہے کہ جب یہ اطلاعات غیر مصدقہ ذرائع سے افواہوں کی صورت مسلمانوں کے کانوں میں پڑیں کہ ان کے مکہ سے چلے آنے کے بعد حالات بہت تبدیل ہو گئے ہیں۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ حضرت عمر بن خطابؓ اور کچھ اور لوگ ایمان لے آئے ہیں، مسلمان ہو گئے ہیں جن کی وجہ مسلمانوں کی تعداد اور قوت میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ اب وہ برابری کی بنیاد پر کھلے عام کعبہ میں نمازیں پڑھتے ہیں، عبادت کرتے ہیں۔

ان بدلے ہوئے حالات میں مشرکین مکہ نے بھی مسلمانوں کی ایذا رسانی سے ہاتھ روک لیا ہے اور اب وہ دشمنی و ایذا رسانی کا ماحول نہیں رہا ہے کہ مشرکین، قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔ (مشرکین و کفار مکہ کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ غیر ارادی سجدہ کرنا حبشہ میں یہ افواہ بن کر پہنچا کہ قریش نے دین اسلام قبول کر لیا ہے) اس وجہ سے مہاجرین حبشہ میں سے اکثر واپس چلے آئے لیکن جب یہاں پہنچے تو ان کے ہم وطنوں نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا اور خوب جی بھر کر ان کو ستانا شروع کیا۔ مشرکین مکہ تو ان کے خاموشی سے مکہ چھوڑ جانے اور بحفاظت حبشہ پہنچ جانے سے سخت ناخوش تھے اور انہیں ان کا حبشہ میں احترام و عزت سے محفوظ رہنا بھی دکھتا تھا۔ اس لئے اب ایذا رسانی اور بھی بڑھادی اور کمزور مسلمانوں کو اتنی اذیتیں دیں کہ جتنا عرصہ یہ لوگ ان کے ظلم و ستم سے محفوظ رہے تھے، اس کی بھی کسر نکال دی۔

واپس آنے والوں کو طرح طرح کے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ مجبوراً اور مصیبت کچھ لوگ واپس حبشہ چلے گئے۔ چند ایک معاشرے کے بااثر بارسوخ افراد کی پناہ لے کر مکہ میں رہنے لگے۔ مشرکین نے ایذا رسانی اور بڑھادی تھی اور مسلمانوں کے لئے وہاں رہنا دو بھر کر دیا اور ہر پہلو سے مسلمانوں کے لئے زندگی مشکل ہی نہیں کر دی تھی بلکہ زندگی و بال جان بنادی گئی تھی۔

پیغمبر اول و آخر و اعظمؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیمؐ رحمت للعالمین ﷺ نے ان حالات میں مسلمانوں کو دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی لیکن اب کی دفعہ ہجرت کرنا پہلے کی طرح کوئی آسان کام نہ تھا۔ پہلے

سے بہت زیادہ رازداری اور احتیاط کی ضرورت تھی کیونکہ شکست خوردہ سردارانِ مشرکین اب بہت چوکس تھے۔ اپنے محبوب کے صدقے اللہ تبارک تعالیٰ نے مدد فرمائی اور جس طرح بن پڑا سو سے زائد مرد و زن نہایت رازداری کے ساتھ تھوڑے تھوڑے کر کے حبشہ جانے میں کامیاب ہو گئے۔

ابن کثیر نے اپنی تصنیف سیرت النبی میں اسے یوں بیان کیا ہے۔

اس دفعہ ان کے ہمراہ کئی دوسرے مسلمان بھی اس قافلہ میں شریک ہو گئے۔ اب ان کی تعداد تر اسی تھی۔ مہاجر خواتین کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا۔ پہلے صرف چار خواتین نے ہجرت کی تھی، اب ان کی تعداد اٹھارہ ہو گئی۔ ان میں سے گیارہ کا تعلق قریشی خاندانوں سے تھا اور باقی سات دوسرے قبائل سے تھیں۔ اس قافلہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ اگرچہ ابن اسحاق نے ان کو مہاجرین کے پہلے قافلہ میں شامل کیا ہے لیکن موسیٰ بن عقبہ کی تحقیق یہ ہے کہ آپ نے دوسرے قافلہ کے ہمراہ حبشہ کا قصد کیا۔ علامہ ابن کثیر اور دیگر سیرت نگاروں نے ان مہاجرین کے اسماء گرامی بالتفصیل اپنی تصنیفات میں تحریر کئے ہیں۔

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 2 صفحہ 6)

دوسری مرتبہ ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مع اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھے۔ انہیں بہت افسوس تھا کہ وہ دوسری مرتبہ بھی ہجرت کر کے جا رہے ہیں لیکن انہیں حضور پر نور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل نہیں۔

آپ نے ازراہ تاسف اس امر کا ذکر بارگاہ رسالت میں کیا۔

”یا رسول اللہ! ہماری پہلی اور یہ دوسری ہجرت نجاشی کی طرف ہے اور حضور ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔“
حضور نے فرمایا ”(افسوس مت کرو) تمہاری یہ دونوں ہجرتیں اللہ تعالیٰ کی طرف اور میری طرف ہیں۔“
یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”اگر ایسا ہے تو پھر ہم راضی ہیں، ہمیں اتنا ہی کافی ہے۔“

(طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 207)

قارئین کرام! امت مسلمہ کی ابدی فلاح دارین کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا احترام دل گزیر کرنے کے لئے اور ان کی عظمت کا اعتراف کرنے کی غرض سے، میں اب ان مقدس ہستیوں کے اسمائے مبارک قلمبند کر رہا ہوں جنہوں نے یہ ہجرت فرمائی۔ ذیل میں ہر خاندان کے مہاجرین و مہاجرات کے اسمائے گرامی سیرت ابن ہشام سے نقل کئے جاتے ہیں۔ صرف ایک نام (دعد بنت جحدم) کا اضافہ تاریخ ابن کثیر سے کیا گیا ہے۔

بنو ہاشم

1- جعفر بن ابی طالب

2- ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ میں متولد ہوئے۔

بنو امیہ

- 1- حضرت عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ
- 2- ان کی اہلیہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ
- 3- عمرو بن سعید بن ابوالعاص بن امیہ
- 4- ان کی بیوی فاطمہ بنت صفوان
- 5- ان کے بھائی خالد بن سعید بن ابوالعاص بن امیہ
- 6- ان کی بیوی امینہ بنت خلف بن اسعد خزاعی۔ حبشہ میں ان کے ایک لڑکا سعید بن خالد اور ایک لڑکی امتہ بنت خالد رضی اللہ عنہما متولد ہوئی۔ کچھ زمانہ کے بعد امتہ سے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا جن سے عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہما اور خالد بن زبیر پیدا ہوئے۔

بنو اسد بن خزیمہ

- 1- عبداللہ بن جحش بن ریاب
 - 2- ان کا بھائی عبید اللہ بن جحش
 - 3- عبید اللہ کی بیوی ام حبیب رملہ بنت ابوسفیان بن حرب بن امیہ
 - 4- قیس بن عبداللہ
 - 5- قیس کی بیوی برکتہ بنت یسار
 - 6- معقیب بن ابی فاطمہ
- بنو عبد شمس بن عبد مناف
- ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حقیقی ماموں تھے۔
- بنو نوفل بن عبد مناف

- 1- عتبہ بن غزوٰان جو عہد فاروقی میں بصرہ کے حاکم تھے۔

بنو اسد بن عبد العزیٰ

- 1- زبیر بن عوام بن خویلد جو نبی ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ تھے۔
- 2- اسود بن نوفل بن خویلد بن اسد
- 3- یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد
- 4- عمرو بن امیہ بن حرث بن اسد

بنو عبد بن قصی

1- طیب بن عمیر

بنو عبد الدار بن قصی

1- مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار

2- ان کے بھائی ابو الروم بن عمیر

3- صویبط بن سعد بن حرملہ

4- جہم بن قیس

5- جہم کی بیوی ام حرمہ بنت عبد الاسود، ان کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی

6- عمرو بن جہم

7- خزیمہ بنت جہم

8- فراس بن نصر بن حارث

بنو زہرہ بن کلاب

1- عبد الرحمن بن عوف

2- عامر بن ابی وقاص

3- ابو وقاص مالک بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ

4- مطلب بن ازہر بن عبد عوف

5- ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف۔ حبشہ میں ان کے فرزند عبد اللہ بن مطلب پیدا ہوئے

بنو ہذیل

1- عبد اللہ بن مسعود

2- ان کے بھائی عتبہ بن مسعود

بنو بہراء

1- مقداد بن عمرو

بنو تمیم

1- حارث بن خالد بن صحر

2- ان کی بیوی ریطہ بنت حارث، حبشہ میں ان کے اولاد سے ہوئے: موکا بن حارث، عائشہ بنت حارث،

زینب بنت حرث، فاطمہ بنت حرث

3- عمرو بن عمان

بنو مخزوم (ابو جہل کا خاندان)

1- عبد اللہ معروف بہ ابو سلمہ بن عبد الاسد

2- ان کی بیوی ہندام سلمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ۔ حبشہ میں ان کے ایک لڑکی زینب بنت ابی سلمہ پیدا ہوئیں۔ ابو سلمہ کی رحلت کے بعد ان کی بیوہ ام سلمہ کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

3- عثمان بن عثمان بن شریذ معروف بہ شناس جو غیر معمولی حسین و جمیل ہونے کے باعث شناس کے لقب سے مشہور تھے

4- ہبار بن سفیان

5- ان کے بھائی عبد اللہ بن سفیان

6- ہشام بن ابی حذیفہ

7- سلمہ بن ہشام جو ابو جہل کے حقیقی بھائی تھے

8- عیاش بن ابی ربیعہ

9- معتب بن عوف

بنو جحج

1- عثمان بن مظعون

2- ان کے فرزند سائب بن عثمان

3- ان کے بھائی قدامہ بن مظعون اور

4- عبد اللہ بن مظعون

5- حاطب بن حرث بن معمر

6- ان کی بیوی فاطمہ بن مجلل اور ان کے دو بیٹے

7- محمد بن حاطب

8- حرث بن حاطب

9- ان کے بھائی خطاب بن حرث

10- خطاب کی بیوی فکیسہ بنت یسار

11- سفیان بن معمر اور ان کے دو بیٹے

- 12- جابر بن سفیان
 - 13- جفاوہ بن سفیان
 - 14- سفیان بن معمر کی بیوی حنہ
 - 15- حنہ کے پہلے شوہر کے پسر شرجیل بن حنہ
 - 16- عثمان بن ربیعہ
- بنو سہم بن عمرو

- 1- خنیس بن حذافہ
- 2- عبداللہ بن حرث
- 3- ہشام بن عاص
- 4- قیس بن حذافہ
- 5- ابو قیس بن حرث
- 6- عبداللہ بن حذافہ بن قیس
- 7- حرث بن حرث بن قیس
- 8- معمر بن حرث بن قیس
- 9- بشر بن حرث
- 10- سعید بن عمرو
- 11- سعید بن حرب بن قیس
- 12- سائب بن حرث بن قیس
- 13- عمیر بن ریاب، محمہ بن جزء

بنو عدی بن کعب

- 1- معمر بن عبداللہ بن نھلہ
- 2- عروہ بن عبدالعزیٰ
- 3- عدی بن نھلہ بن عبدالعزیٰ
- 4- نعمان بن عدی
- 5- عامر بن ربیعہ

بنو عامر بن لوئی

- 1- ابوسبرہ بن ابی رہم
- 2- ان کی بیوی ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو بن عبد شمس
- 3- عبد اللہ بن سہیل بن عمرو بن عبد شمس
- 4- سلیط بن عمرو بن عبد شمس
- 5- ان کے بھائی سکران بن عمرو بن عبد شمس جو مکہ کے مشہور غیر مسلم رئیس سہیل بن عمرو کے بھائی تھے۔
- 6- ان کی بیوی سودہ بنت زمعہ بن قیس جو بعد میں ازواج طاہرات میں شمول سے سعادت اندوز ہوئیں۔
- 7- عبد اللہ بن مخرمہ
- 8- مالک بن ربیعہ بن قیس
- 9- ان کی بیوی عمرہ بنت سعدی
- 10- ابو حاطب بن عمرو
- 11- سعد بن خولہ

بنو حرث بن فہر

- 1- عامر بن عبد اللہ معروف بہ ابو عبیدہ بن الجراح
- 2- سہیل بن بیضاء
- 3- ان کی والدہ وعدہ بنت جحدم بن امیہ بن ظرب
- 4- عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ
- 5- عیاض بن زہیر
- 6- عمرو بن حرث بن زہیر
- 7- عمرو بن عبد غنم بن زہیر
- 8- سعد بن عبد قیس
- 9- حرث بن عبد قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دو ہجرتیں

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان نفوس قدسیہ میں داخل ہیں جنہوں نے مکہ سے حبشہ کو دو مرتبہ ہجرت فرمائی۔ دونوں دفعہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ان کے ہمراہ تھیں۔ جب دوسری مرتبہ عازم حبشہ ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی ﷺ میں گزارش کی کہ ”یا رسول اللہ! ہم نے پہلے بھی حبشہ کو ہجرت کی اور اب پھر جا رہے ہیں

لیکن آپ (ﷺ) اسی مرتبہ بھی ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم لوگ جس طرح مہاجرین الی اللہ ہو، اسی طرح تم نے میری طرف بھی ہجرت کی ہے۔“ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر یہ ہمیں کافی ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد 1 صفحہ 207)

مہاجرین کی تعداد

پس وہ مسلمان جنہوں نے ہجرت کی اور سرزمین حبشہ میں پہنچ گئے، ان بچوں کے سوا جنہیں وہ اپنے ساتھ لے کر گئے تھے اور کم سن تھے اور ان بچوں کے سوا جو وہیں پیدا ہوئے، سب تراشی (83) افراد تھے۔ بشرطیکہ عمار بن یاسر کو بھی انہیں میں شمار کیا جائے۔ حالانکہ ان کے متعلق شک ہے (یعنی یہ کہ انہوں نے ہجرت کی تھی یا نہیں) (ترجمہ سیرت النبی ابن ہشام از مولانا عبد الجلیل جلد 1 صفحہ 361)

قریش کے اہل دانش کو مسلمانوں کا یوں چپکے سے محفوظ جگہ پر چلے جانے کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ اندر ہی اندر خوفزدہ بھی تھے کہ اگر مسلمانوں کو کہیں پاؤں جمانے کا موقع مل گیا اور انہیں پھلنے پھولنے کے لئے اچھا ماحول اور سہولتیں بھی حاصل ہو گئیں تو وہ وقت بھی آ سکتا ہے جب وہ ایک عسکری قوت بن کر ہم پر حملہ آور ہوں گے اور ہمیں اپنے انتقام کا نشانہ بنائیں گے۔ اگر انہیں یہ احساس نہ ہوتا تو مسلمانوں کے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے پر وہ اطمینان کا سانس لیتے کہ اب ان کے معبودوں پر کوئی انگلی نہیں اٹھائے گا لیکن اس کے برعکس کفار و مشرکین کی حکمت عملی یہ تھی کہ مسلمان ہر طرح سے صرف مکہ تک ہی محدود رہیں تاکہ تحریک اسلامی کے چار دانگ عالم میں پھیلنے اور اسلام کے ایک سیاسی اور انقلابی قوت بننے کے تمام امکانات ختم ہو جائیں۔ وہ اس گمان میں تھے کہ اگر مسلمانوں پر اتنا تشدد کیا جائے کہ وہ اپنے نئے دین سے دستبرداری کا خود ہی اعلان کر دیں۔

مشرکین مکہ کا مسلمانوں کو ملک حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے سے روکنے کا اولین مقصد یہی تھا کہ تحریک دین اسلام کو قدم جمانے کا موقع دیئے بغیر اسے سختی سے کچل دیا جائے۔

اب کی دفعہ تو مشرکین مکہ مسلمانوں کی ہجرت کے بارے میں خاصے چوکس تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اب وہ مسلمانوں کو اتنی آسانی سے محفوظ جگہ پہنچنے نہ دیں گے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اپنے منصوبوں میں ناکام ہو گئے ہیں تو وہ شدید پریشانی اور گھبراہٹ میں مبتلا ہو گئے۔

جب مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد مکہ کو چھوڑ کر حبشہ چلی گئی تو کفار مکہ کو بہت فکر لاحق ہو گئی۔ ان میں ان کے عزیز و اقارب بھی تھے جن کی جدائی انہیں بڑی شاق گزر رہی تھی۔ نیز انہیں یہ اندیشہ بھی ہر وقت بے چین رکھتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں مسلمان اپنی طاقت جمع کر کے ہم پر دھاوا بول دیں۔ چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ کر کے عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید (علامہ ابن ہشام نے عمارہ کی جگہ عبداللہ بن ابی ربیعہ کا نام لکھا ہے) کو اپنا سفیر بنا کر حبشہ کے مادشاہ نحاشی کے پاس بھیجا۔

یہ دونوں سفیر بڑے زیرک اور سیاسی امور کے ماہر تھے۔ انہیں کہا کہ وہ نجاشی سے ملاقات کریں اور ہر ممکن طریقہ سے اس کو ایسا متاثر کریں کہ وہ ان لوگوں کو وہاں سے نکال دے اور مکہ آنے پر مجبور کر دے۔ اس سفارت کاری کو موثر بنانے کے لئے انہوں نے بڑے نفیس اور گراں قیمت تحائف بھی انہیں دیئے۔ بادشاہ کے لئے دیگر تحائف کے علاوہ ایک قیمتی عربی گھوڑا اور ایک بیش بہا ریشمی جبہ بھی بھیجا۔ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 2 صفحہ 18)

اس کے علاوہ شاہی دربار کے جتنے مذہبی پیشوا اور امراء تھے، ہر ایک کے لئے مکہ کے مشہور چمڑے کی مصنوعات تحفہ کے طور پر بھیجیں اور انہیں تاکید کی کہ بادشاہ سے ملاقات کرنے سے پہلے ان پادریوں اور امراء دربار سے ملاقات کریں۔ ان کو تحائف پیش کریں۔ ان کو پوری طرح اپنا ہم نوا بنائیں اور ان سے وعدہ لیں کہ وہ نجاشی کو یہ مشورہ دیں گے کہ ان مسلمان لوگوں کو وطن واپس جانے پر مجبور کریں۔

یہ دونوں سفیر اپنی قوم کے بہترین نمائندے تھے، وہاں پہنچ کر انہوں نے پہلے ہر بشارت اور رئیس کی خدمت میں حاضری دی۔ تحائف پیش کیے، پھر انہیں بتایا کہ ہمارے شہر اور قوم کے چند احمق اپنا گھربار چھوڑ کر یہاں چلے آئے ہیں۔ انہوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے اور آپ کا مذہب بھی قبول نہیں کیا بلکہ ایک نیا عقیدہ گھڑ لیا ہے۔ ہمیں برا بھلا کہتے ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد کو جہنمی قرار دیتے ہیں۔ ہمارے معبودوں کا مذاق اڑاتے ہیں، ہمیں یہ بھی خطرہ ہے کہ کہیں وہ یہاں بھی اپنے نظریات کی تبلیغ کر کے آپ کے ملک کے امن و سکون کو بھی درہم برہم نہ کر دیں جس طرح مکہ میں گھر گھر میں انہوں نے فتنہ و فساد برپا کر دیا ہے۔ ہمیں ہماری قوم نے آپ کے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ وہ انہیں واپس اپنے وطن جانے کا حکم دے۔ ہم بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی معروضات پیش کریں گے۔ ہم آپ حضرات سے توقع کرتے ہیں کہ آپ بھی اس مسئلے میں ہماری امداد فرمائیں اور بادشاہ کو مشورہ دیں کہ وہ ہماری اس عرضداشت کو شرف قبولیت بخشے۔ سب نے ان کی مدد کرنے کی ہامی بھری۔

سب پادریوں سے اپنی امداد کا وعدہ لینے کے بعد اب وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے بادشاہ کو مجدہ کیا۔ پھر دست بستہ اس کے سامنے مودب ہو کر کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ ان کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آیا۔ ایک کو اپنی دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص کو تخت پر اپنے پاس بٹھایا۔ انہوں نے روماء مکہ کی طرف سے اعلیٰ عربی نسل کا گھوڑا اور نفیس ترین ریشمی جبہ بطور نذرانہ اس کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر اپنی آمد کی غرض و غایت بیان کرنے کی اجازت طلب کی۔ شاہی اذن ملنے پر عمرو بن العاص گویا ہوئے۔

”اے جہاں پناہ! ہمارے قریبی رشتہ دھندوں میں سے چند لوگ یہاں آپ کے ملک میں آ کر رہائش پذیر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ہم سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ ہمارے خداؤں کی پرستش ترک کر دی ہے اور آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا بلکہ ایک نیا مذہب گھڑ لیا ہے۔ جس کے بارے میں نہ ہمیں کچھ علم ہے اور نہ آپ کو کچھ خبر

نورام النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿۵۰۵﴾ جلد دوم

ہے۔ ہمیں قریش کے سرداروں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ انہیں اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دیں اور انہیں فرمائیں کہ وہ اپنے وطن میں اپنے اہل و عیال کے پاس چلے جائیں۔“
بادشاہ نے بڑے غور سے ان کی باتیں سنیں۔ پھر پوچھا۔ وہ لوگ کہاں ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ آپ کے ملک میں رہتے ہیں۔ بادشاہ نے قاصد بھیجا اور انہیں اپنے پاس بلوایا۔

بادشاہ (شاہ حبش، نجاشی) کے درباریوں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ انہیں یہاں بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ لوگ ان کے ہم وطن بھی ہیں اور رشتہ دار بھی۔ ان کے حالات سے بھی پوری طرح باخبر ہیں۔ انہوں نے ان کے بارے میں جو بتایا ہے وہی کافی ہے۔ آپ ان لوگوں کے نام فرمان جاری کریں کہ وہ یہاں سے نکل جائیں اور اپنے وطن واپس چلے جائیں۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں کے اس مشورہ کو مسترد کر دیا۔ کہا کہ جب تک میں ان سے نہ پوچھ لوں، میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ عمرو بن العاص نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا، جہاں پناہ! وہ بڑے متکبر لوگ ہیں۔ وہ شاہی دربار کے آداب بھی بجا نہیں لائیں گے اور آپ کو سجدہ بھی نہیں کریں گے۔ جب وہ دربار شاہی میں حاضر ہوں گے تو ان کا متکبرانہ طرز عمل ہمارے قول کی خود تصدیق کر دے گا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جن کو بعد میں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا، یہاں سے ہم ان کی روایت کے مطابق حالات بیان کرتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کہ جب ہم لوگ حبشہ پہنچ گئے اور شاہ حبشہ نجاشی نے ہمیں اپنی پناہ میں رہائش کی اجازت دے دی تو ہم کو یہاں اپنے دین کے بارے میں مکمل امن نصیب ہو گیا۔ ہم جس طرح چاہتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ کوئی شخص نہ ہمیں اذیت پہنچاتا اور نہ گفتگو سے ہماری دل آزاری کی جاتی۔ قریش کو جب ہمارے ان خوش کن حالات کا علم ہوا تو انہوں نے تمام روساء کو بلا کر ہمارے بارے میں مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ اہل مکہ میں سے دو ایسے آدمیوں کا انتخاب کیا جائے جو بڑے زیرک، دانا، معاملہ فہم اور سیاسی امور میں مہارت رکھتے ہوں۔ انہیں بطور سفیر نجاشی کے پاس بھیجا جائے اور ان کے ہمراہ چمڑے کی قیمتی اور نفیس مصنوعات بطور تحفہ بھیجی جائیں۔ ہمارے نمائندے یہ تحائف ان کے پادریوں اور ان کے مذہبی رہنماؤں کو بطور تحفہ پیش کریں اور ان کے ذریعہ بادشاہ تک رسائی حاصل کر کے اس سے یہ حکم جاری کرائیں کہ یہ لوگ حبشہ کو چھوڑ کر اپنے وطن واپس چلے جائیں۔ اس کام کے لئے انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو منتخب کیا۔

ان کی ذہانت اور سیاسی داؤد و پیچ میں ان کی مہارت مسلم (مانی ہوئی) تھی۔ چنانچہ ان کو بلا کر یہ ہدایات دیں کہ تم وہاں جا کر پہلے تمام پادریوں اور مذہبی علماء سے رابطہ قائم کرنا اور ان کی خدمت میں یہ تحائف پیش کرنا۔ اس کے بعد نجاشی سے ملاقات کرنا اور اس کی خدمت میں مکہ کے یہ نوادرات بطور نذرانہ پیش کرنا۔

حافظ ابوہریرہ، کثر رحمۃ اللہ علیہ، نے یہ روایات بطور نذرانہ پیش کرنا۔

تحائف کے علاوہ ایک اعلیٰ نسل کا عربی گھوڑا اور ایک گراں بہا ریشمی جبہ بھی انہیں دیا اور یہ تاکید کی کہ بادشاہ مسلمانوں کو ملاقات کا موقع نہ دے اور ان سے گفتگو کی نوبت ہرگز نہ آنے پائے۔ تم کوشش کرنا کہ اس کے بغیر ہی بادشاہ ان کی جلاوطنی کا حکم صادر کر دے۔ (السیرة النبویہ، ابن کثیر جلد 2 صفحہ 18)

چنانچہ یہ دونوں مکہ سے روانہ ہو کر حبشہ پہنچے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ہم لوگ بڑے امن و سکون سے وہاں اپنی زندگی کے دن گزار رہے تھے، وہاں پہنچتے ہی انہوں نے پادریوں اور مذہبی پیشواؤں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور جب بھی کسی پادری، مذہبی پیشوا کی خدمت میں جاتے، بڑے ادب و تعظیم سے سلام عرض کرتے۔ اس کی خدمت میں تحفہ پیش کرتے اور پھر یہ بتاتے کہ ہمارے شہر مکہ سے ہماری قوم کے چند احمق اور نادان نوجوان آپ کے ملک میں آ کر رہائش پذیر ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کا دین بھی ترک کر دیا ہے اور آپ کا دین بھی اختیار نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے ایک ایسا دین گھڑا ہے جس کو نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ۔

ہمیں ہماری قوم کے سرداروں نے آپ کے بادشاہ سلامت کی خدمت میں بھیجا ہے کہ وہ انہیں اپنے ملک سے جلاوطن کر دے۔ آپ حضرات سے ہماری درخواست یہ ہے کہ جب ہم بادشاہ کی خدمت میں اپنی یہ عرضداشت پیش کریں تو آپ ہماری سفارش فرمائیں اور بادشاہ کو کہیں کہ ان لوگوں سے گفتگو کئے بغیر انہیں یہاں سے نکل جانے کا حکم صادر فرمائے کیونکہ ان کے حالات سے اور ان کی حماقتوں اور نادانیوں سے ان کی قوم جس قدر واقف ہے اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا اور اسی وجہ سے انہوں نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

ان مذہبی پیشواؤں نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ ضرور اس معاملہ میں ان کی مدد کریں گے۔ مذہبی پیشواؤں کو اپنا ہم نوا بنانے کے بعد یہ دونوں سفیر بادشاہ کی خدمت میں پہنچے۔ پہلے اس کو سجدہ کیا، پھر بڑے ادب و احترام سے اس کی خدمت میں وہ تحائف پیش کئے جن کو اس نے قبول کر لیا۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، امام یوسف صالحی جلد 2 صفحہ 518)

پھر انہوں نے مدعا بیان کرنا شروع کیا۔

”اے بادشاہ! ہمارے شہر کے چند بے وقوف اور احمق نوجوان آپ کے ملک میں رہائش پذیر ہو گئے ہیں۔ ان احمقوں نے اپنی قوم کا دین ترک کر دیا ہے اور آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایک نیا دین گھڑا ہے۔ جس کو نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ جانتے ہیں۔ ہمیں ہماری قوم کے سرداروں نے جو ان لوگوں کے باپ، چچے اور قریبی رشتہ دار ہیں، آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ انہیں مکہ واپس جانے کا حکم دیں۔ ان کی قوم کے لوگ ان کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہیں اور ان کی معیوب اور نازیبا حرکتوں سے آگاہ ہیں۔ انہیں نازیبا حرکتوں کی وجہ سے انہوں نے ان کو سرزنش کی اور وہ بھاگ کر یہاں چلے آئے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو اس سے زیادہ اور کوئی بات ناگوار نہ تھی کہ نجاشی مسلمانوں سے گفتگو کرے۔

عمرو بن العاص جب بادشاہ کی خدمت میں عرضداشت پیش کرنے سے فارغ ہوئے تو ان مذہبی پیشواؤں نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

اے بادشاہ! ان دونوں نے سچ کہا ہے، بے شک ان کی قوم ان کے عیوب اور ان کی حماقتوں سے اچھی طرح باخبر ہے۔ آپ ان لوگوں کو ان دونوں کے حوالے کر دیجئے تاکہ یہ انہیں اپنے ملک میں واپس لے جائیں۔ اپنے پادریوں کی یہ بات سن کر نجاشی کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، وہ کہنے لگا۔ خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یوں میں ان لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا۔ انہوں نے پناہ کے لئے میری ہمسائیگی اور میرے ملک کو پسند کیا ہے۔ دوسرے بادشاہوں کو چھوڑ کر انہوں نے میرا سہارا لیا ہے۔ جب تک انہیں بلا کر میں ان سے حالات دریافت نہ کروں گا، اس وقت تک میں انہیں ان کے حوالے نہیں کروں گا۔ میں ان سے پوچھوں گا، اگر انہوں نے ان دونوں کے الزامات کی تصدیق کی تو انہیں یہاں سے واپس بھیج دوں گا لیکن اگر معاملہ کچھ اور ہوا تو ان کی حفاظت کروں گا اور جب تک وہ میری پناہ میں رہیں گے، ان کے ساتھ حسن مروت سے پیش آؤں گا۔ پھر اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلانے کے لئے اپنا قاصد بھیجا جب وہ قاصد وہاں پہنچا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے اکٹھے ہو کر مشورہ کرنا شروع کیا۔ بعض نے کہا کہ اس شخص کے پاس جب تم جاؤ گے تو تم کیا کہو گے۔ وہ لوگ جن کے رگ و پے میں ایمان سرایت کئے ہوئے تھا۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی برکت سے سارے خوف اور اندیشے ان کے دل سے کافور ہو چکے تھے۔ انہوں نے اس سوال کا یہ جواب دیا۔

”بخدا ہم وہی کہیں گے جس کا ہمیں علم ہے اور جس چیز کا ہمیں ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، خواہ اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو۔“

یہ تہیہ کرنے کے بعد ان وفا شعاروں کا گروہ جب نجاشی کے پاس پہنچا تو نجاشی نے ان کے آنے سے پہلے اپنے پادریوں کو بھی وہاں جمع کر رکھا تھا اور وہ اپنی کتابیں کھول کر بیٹھے ہوئے تھے۔ نجاشی نے غلامان پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ کہ وہ کیسا دین ہے جس کے لئے تم نے اپنا آبائی مذہب بھی چھوڑ دیا؟ اور میرا دین بھی قبول نہیں کیا اور نہ کسی اور مذہب کو اختیار کیا؟

مسلمانوں نے اپنی ترجمانی کے لئے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ منتخب کیا۔ آپ بادشاہ کے سوال کا جواب دینے کے لئے اٹھے اور یوں گویا ہوئے۔

دربار نجاشی میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا تاریخی خطاب

علامہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا وفد نجاشی کے دربار میں پہنچا تو انہوں نے شاہی دربار کے آداب کی کوئی پروا نہ کی اور آداب شاہی کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہ کیا۔ بادشاہ اس پر ناراض ہوا اور پوچھا کہ تم نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ جواب میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم اللہ کے سوا

نہ تم نے میرا دین قبول کیا ہے اور نہ کوئی دوسرا مذہب اختیار کیا ہے؟ حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ نے مہاجرین کی نمائندگی کا فریضہ سرانجام دیا۔ حضرت ام سلمیٰ ؓ فرماتی ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ نے گفتگو کا آغاز بسم اللہ سے کیا اور کہا:

”اے بادشاہ ہم لوگ اہل جاہلیت تھے۔ بتوں کی پرستش ہمارا مذہب تھا، مردار خوری ہم کرتے تھے، فواحش اور گناہ کا ارتکاب ہمارا وطیرہ تھا۔ قطع رحم اور پڑوس کی حق تلفی اور ظلم و ستم کو ہم نے جائز قرار دے رکھا تھا۔ جو زبردست ہوتا وہ کمزور کو کھا جاتا۔ ہم ایسی ہی ذلیل حالت میں تھے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ہم پر کرم کیا اور اپنا رسول ہم میں ارسال فرمایا جس کے نسب اور شرف اور صدق و امانت اور پاک دامنی سے ہم خوب واقف ہیں۔ اس رسول نے ہم کو توحید الہی اور معرفت کی طرف بلایا اور بت پرستی جو ہمارے باپ دادا سے چلی آرہی تھی، اس سے ہمیں منع کیا اور سچی بات اور ادائے امانت اور صلہ رحم اور پڑوس کے حقوق اور گناہوں سے بچنے اور فواحش کے ترک کرنے کا حکم کیا۔ اور یتیم کا حق تلف کرنے اور نیک عورتوں ہر بری تہمت لگانے سے منع فرمایا اور خدائے واحد کی عبادت اور نماز اور روزہ اور زکوٰۃ کو ہم پر فرض کیا۔ غرضیکہ جعفر ؓ نے تمام احکام اسلام نجاشی کو بتلائے اور کہا کہ ہم نے اس رسول ﷺ کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے اور ہم نے شرک و کفر کو چھوڑ دیا اور جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حلال بتلایا، ہم نے حلال سمجھا اور جس کو حرام بتایا، ہم نے حرام سمجھا۔ ہماری قوم نے اس دین حق کے اختیار کرنے پر ہمیں تکلیفیں پہنچائیں اور ہمیں بہت ستایا تاکہ ہم اس دین کو ترک کر دیں اور بتوں کی پرستش اختیار کریں جس طرح کہ وہ برے کاموں کو حلال سمجھتے ہیں، ہم بھی ان برے کاموں کو حلال سمجھیں۔ جب ان کا ظلم ہم پر حد سے زائد ہوا اور انہوں نے ہمارا وہاں رہنا دشوار کر دیا اور وہ ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے۔ ہم نے دوسروں کے مقابلے میں تمہیں چنا اور تمہاری پناہ کو پسند کیا اور اے بادشاہ ہمیں یہ امید ہوئی کہ یہاں ہم ظلم سے محفوظ رہیں گے۔ (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 338)

حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ یہ تاریخی خطبہ ارشاد فرما چکے تو نجاشی نے استفسار کیا، کیا وہ کتاب جو تمہارے نبی پر نازل ہوئی ہے، اس کا کوئی حصہ مجھے سنا سکتے ہو۔ حضرت جعفر ؓ نے سورہ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی۔ بادشاہ اور اس کے درباریوں پر رقت طاری ہو گئی، فضا کلام الہی کی تجلیوں سے معمور تھی۔ صحابی رسول ﷺ آیات ربانی کی تلاوت فرما رہے تھے، نجاشی اور اس کے درباریوں کی آنکھیں بھر آئیں اور اشک بہانے لگیں۔ روایات میں ہے کہ عیسائی مذہب کے علماء نے اپنی کتابیں کھول کر سامنے رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت جعفر ؓ کی زبانی سورہ مریم سن کر یہ اتار دئے کہ ان کی کتابوں کے اوراق تڑ ہو گئے۔ جب حضرت جعفر ؓ کی تلاوت ختم ہوئی تو حبشہ کا بادشاہ بے ساختہ پکار اٹھا کہ بے شک یہ وہی کلام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ یہ دونوں کلام ایک ہی مرکز نور سے نکلے ہیں۔ بادشاہ نے قریش کے دونوں سفیروں سے

کہا کہ تم دونوں واپس چلے جاؤ، میں ان لوگوں کو ہرگز تمہارے ساتھ روانہ نہیں کروں گا۔

(السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 336)

قارئین کرام! حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں مشرکین مکہ کا شکوہ شکایت کرنا۔ ان کے تحفے تحائف اور کوششوں کے باوجود شاہ حبشہ کا مسلمانوں کا موقف سننے کے لئے دربار میں بلانا اور دربار شاہ میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا بے باک، پر صداقت اسلامی تعلیمات پر مبنی خطاب، دین اسلام کے لئے، مسلمانوں کے لئے (امت مسلمہ کے لئے) اور بالآخر عالمین کے لئے ایک بہت اہم اور حسین موڑ ہے۔

دینی تعلیمات کا نچوڑ جو حق و صداقت کے متوالوں نے وہاں پیش کیا، اس انداز، اس بے باکی، اس توکل بر اللہ اور پر خلوص اتباع رسول کریم ﷺ کے نتائج جو فوری سامنے آئے، اس سب میں امت مسلمہ کے لئے ہمارے لئے بے شمار سبق ہیں۔ یہ اس قدر سبق آموز، دینی تعلیمات سے پر خوبصورت اور اہم موڑ ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ شاید میری طرح آپ کا بھی یہی حال ہو۔ لیجئے اب ان ہی واقعات کو علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنئے اور انہوں نے بھی یہ روایت حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے بیان کی ہے۔

حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کی پوجا کیا کرتے۔ مردار کھایا کرتے اور بدکاریاں کیا کرتے۔ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرتے۔ ہم میں سے طاقتور، غریب کو کھا جایا کرتا۔ ہمارا یہ ناگفتہ بہ حال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم میں سے ایسا رسول بھیجا جس کے نسب کو بھی ہم جانتے ہیں جس کی صداقت، امانت اور عفت سے بھی ہم اچھی طرح آگاہ ہیں۔ اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی کہ ہم اس کو وحدہ لا شریک مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور وہ پتھر اور بت جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے، ان کی بندگی کا پٹہ اپنی گردن سے اتار پھینکیں۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں، امانت میں خیانت نہ کریں۔ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ ہمسایوں کے ساتھ عمدگی سے پیش آئیں۔ برے کاموں سے اور خونیازیوں سے باز رہیں۔ اس نے ہمیں فسق و فجور، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے، پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کریں۔ کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ نیز اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں اور روزے رکھیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تعلیمات کو بڑی تفصیل سے گن گن کر پیش کیا۔ پھر فرمایا۔ چنانچہ ہم نے اس رسول مکرم و معظم کی تصدیق کی، ہم ان پر ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ کے جو حکم وہ لے کر ہمارے پاس آئے، ہم نے ان کی پیروی کی۔ ہم صرف اللہ وحدہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔

حرام سمجھتے ہیں اور جن کو ہمارے لئے حلال کیا، ان کو ہم حلال سمجھتے ہیں۔ ہمارا یہ جرم ہے جس کی وجہ سے ہماری قوم نے ہم پر زیادتیاں کیں۔ ہمیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں اور ہمیں اپنے دین سے روگرداں کرنے کے لئے فتنوں میں مبتلا کیا۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر پھر بتوں کی پوجا شروع کر دیں اور جن ناپاک چیزوں کو ہم پہلے حلال سمجھتے تھے، ان کو پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انہوں نے ہم پر جبر و قہر اور ظلم و ستم کی انتہا کر دی اور ہم پر جینا حرام کر دیا اور ہمیں اپنے دین کی تعلیمات پر عمل کرنے سے باز رکھا تو ہم اے بادشاہ سلامت! اپنے ملک کو چھوڑ کر آپ کے ملک میں آ گئے۔ دوسرے بادشاہوں کو چھوڑ کر ہم نے آپ کو پسند کیا اور آپ کی پناہ کو ترجیح دی۔ ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ ہمیں آپ کے زیر سایہ ستایا نہیں جائے گا۔

نجاشی نے کہا:

کہ جو کتاب اللہ کی طرف سے آپ کے نبی پر نازل ہوئی ہے، کیا اس کا کچھ حصہ تمہیں یاد ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا، ہاں۔ مجھے یاد ہے۔ نجاشی نے کہا مجھے پڑھ کر سناؤ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ کہف قص (مریم) کی ابتدائی آیتوں کی تلاوت شروع کی۔

شاہ حبش کا پر شکوہ دربار ایک خاص مقصد کے لئے ہے۔ اس کے امراء اور مذہبی پیشوا اپنی زرنگار کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مشرکین مکہ کے دو سفیر بھی وہاں موجود ہیں۔ اس اجنبی ماحول میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی سورہ مریم کی تلاوت فرما رہے ہیں۔

مسلمانوں کے مخصوص حالات ہیں۔ سفیران مشرکین مکہ اپنی کامیابی کے لئے پورا میز ہیں۔ وہ اپنی سفارتکاری کر چکے ہیں اور اس ماحول اور حالات میں پیغمبر اقول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے ایک صحابی حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سورہ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کر رہے ہیں۔

اہل حبشہ بھی عربی بولتے تھے، اہل زبان تھے۔ جو کچھ پڑھا جا رہا تھا، وہ اسے سمجھ رہے تھے۔ اس کلام پاک کی تاثیر سے نجاشی پر اور دیگر عیسائی علماء پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے نپکنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی کتابوں کے اوراق ان آنسوؤں سے بھیگ جاتے ہیں۔ جب آپ تلاوت فرما چکے تو نجاشی نے اپنی رقت پر قابو پاتے ہوئے کہا، بخدا یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے یہ ایک ہی شمع کی شعاعیں ہیں اور ایک ہی چشمہ کی موجیں ہیں۔

پھر نجاشی نے ان دونوں سفیروں کو مخاطب کر کے کہا۔ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ میں ان لوگوں کو کبھی آپ کے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں اور یوں مشرکین مکہ کے دونوں سفیر اس دن دربار سے ناکام نکلے۔

جو کچھ ہوا وہ قریش کے سفیروں کے سان و گمان میں بھی نہ تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ انہیں لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ وہ تو یہ یقین کئے بیٹھے تھے، انہوں نے اہل دربار کو ہی نہیں عیسائی علماء کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا

اس لیے وہ تو یہ یقین کیے بیٹھے تھے کہ نجاشی اپنے مصاحب کا مشورہ قبول کرتے ہوئے فوراً مسلمانوں کو حبشہ سے نکل جانے کا حکم دے دے گا لیکن یہاں تو ساری بساط آرزو ہی الٹی دکھائی دے رہی تھی۔ بہر حال انہوں نے ایک اور کوشش کرنے کا فیصلہ کیا۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب قریش کا وفد ناکام ہو کر نجاشی کے دربار سے نکلا تو عمرو بن العاص نے اپنے ساتھی عبداللہ بن ابی ربیعہ کو کہا، کل میں ان کے بارے میں ایسی چال چلوں گا جو ان کی جڑیں اکھیڑ کر رکھ دے گی۔ عبداللہ نسبتاً رحمدل تھا۔ اس نے کہا کہ ایسی کوئی حرکت نہ کرنا جس سے ان کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں، آخر وہ ہمارے قریبی رشتہ دار ہیں لیکن عمرو بن العاص نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ کل وہ پھر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر مسلمانوں کے بارے میں ایسی بات اسے بتائے گا جسے سن کر نجاشی ان پر غضبناک ہو کر انہیں عبرت ناک سزا دے گا۔

دوسرے روز بادشاہ جب دربار میں اپنے تخت پر بیٹھا تو عمرو بن العاص نے آگے بڑھ کر اسے کہا، جہاں پناہ! یہ عیسیٰ بن مریم کے حق میں بڑی نازیبا باتیں کرتے ہیں۔ آپ انہیں بلا کر پوچھئے تاکہ آپ کو ان کے عقیدہ کا پتہ چل جائے۔

بادشاہ نے مسلمانوں کو پھر بلا بھیجا۔ حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس دوسری طلبی پر ہمیں فکر ہوئی۔ پھر سارے مسلمان اکٹھے ہو کر اور ایک دوسرے کے ساتھ مشورہ کرنے لگے کہ اگر اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہم سے کوئی سوال کیا تو ہمیں کیا جواب دینا چاہئے۔ قوت ایمانی نے ان کے حوصلوں کو بلند کر دیا۔ انہوں نے متفقہ طور پر یہی فیصلہ کیا۔

”بخدا، ہم اس سوال کا وہی جواب دیں گے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور جو ہمارے نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے ہمیں بتایا ہے، خواہ کچھ بھی ہو جائے۔“

یہ طے کرنے کے بعد سب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نجاشی کی طرف روانہ ہوئے۔ اس کے دربار میں جب پہنچے تو نجاشی نے جھٹ یہ سوال پوچھا۔

”عیسیٰ بن مریم کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟“

خطیب اسلام حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بڑی جرأت و دلیری سے فرمایا۔

”ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں بتایا ہے۔ آپ اللہ کے بندے، اللہ کے رسول، اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کنواری اور عبادت گزار مریم کے اندر ڈالا ہے۔“

یہ سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور وہاں سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا:

”کہ بخدا جو تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا ہے، وہ اس تنکا کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔“ (یعنی کہ جو کہا ہے وہ ایک دم سو فیصد سچ ہے، صحیح ہے)

علامہ ابن کثیر

”میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں اور جس ہستی کے پاس سے تم آئے ہو اسے بھی مرحبا کہتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں۔ یہ وہی رسول ہیں جن کی آمد کا مژدہ عیسیٰ بن مریم نے دیا تھا۔ میرے ملک میں جہاں چاہو قیام کرو۔ خدا کی قسم! اگر مجھے حکومت کی مجبوریاں نہ ہوتیں تو میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضور ﷺ کا کفش بردار بنتا اور وضو کرانے کی سعادت حاصل کرتا۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 2 صفحہ 10)

مسلمانوں کو کہا، تم جاؤ اور میرے ملک میں آرام سے رہو۔ جس نے تمہارے ساتھ بدکلامی کی، میں اس پر تاوان لگاؤں گا۔ یہ جملہ اس نے تین بار دہرایا۔ پھر کہا کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میں تم میں سے کسی ایک کو ان کے حوالے کر دوں اور وہ مجھے اس کے بدلے میں سونے کا ایک پہاڑ دے دیں۔

پھر بادشاہ نے اپنے درباری کو کہا کہ ان مکہ والوں نے جو تحائف دیئے ہیں، وہ سب انہیں واپس کر دو۔ میرے خدا نے جب یہ ملک مجھے واپس دیا تھا تو مجھ سے رشوت نہیں لی تھی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات نہیں مانی تھی، ان مسلمانوں کے بارے میں اب میں لوگوں کی بات کیوں مانوں۔ اس طرح یہ دونوں مکہ کے نمائندے خائب و خاسر، ناکام و نامراد اپنے وطن واپس لوٹ گئے۔

(السیرۃ النبویہ، ابن ہشام جلد 1 صفحہ 356 تا 361۔ السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 2 صفحہ 22)

علامہ ابن کثیر نے اس واقعہ کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ نجاشی کے دربار میں تشریف لے گئے تو انہوں نے شاہی دربار کے آداب کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ سر اٹھائے ہوئے اسے السلام علیکم کہا۔ بادشاہ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تم نے شاہی دربار کے آداب کے مطابق مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔

ہم اللہ کے سوا اور کسی کو سجدہ نہیں کیا کرتے اور ہمارے رسول کریم ﷺ نے ہمیں بتایا ہے کہ اہل جنہ جب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو وہ اسی طرح ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں۔ ہم بھی آپس میں ایک دوسرے کو انہیں الفاظ سے سلام کہتے ہیں اور انہیں الفاظ سے ہم نے آپ کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

(السیرۃ النبویہ، ابن کثیر جلد 2 صفحہ 18 تا 19)

نجاشی نے اپنے درباریوں سے گفتگو کی، اس میں اس نے کہا کہ:

”اللہ تعالیٰ نے جب میرا ملک مجھے لوٹایا تو اس نے مجھ سے رشوت نہیں لی۔“ اس سے اس نے ایک خاص

واقعہ کی طرف اشارہ کیا جس کو اجمالاً یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

وہ خوش بخت نجاشی

اہل حبشہ اپنے ملک کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے۔ جس شاہ حبشہ یا نجاشی کا ہم ذکر خیر کر رہے ہیں، اس

اسم مبارک اٹھم تھا۔ وہ ایک نیک فطرت، انصاف پسند اور رعایا کا خیال رکھنے والا بادشاہ تھا۔ وہ خود بھی اچھی قدروں کا مالک تھا اور دوسروں کی بھی اچھائی کا قدردان تھا۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کا ایک اچھا پیروکار تھا۔ وہ خود بھی علم دوست تھا اور اسے علماء کا احترام تھا۔

اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت پر پورا یقین تھا کہ ان کے بعد احمد ﷺ نام کا ایک نبی دنیا میں آنے والا ہے اور وہ آخری نبی ہوگا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے، قدرت نے، بھی اسے بہت خوش قسمت بنایا۔

نجاشی کے مقدر کا ستارا اوج ثریا سے بھی بلندی پر چمکا۔ وہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم ﷺ کی قدم بوسی کے لیے تڑپتا رہا۔ وہ خوش قسمت تھا کہ اس کی نماز جنازہ غائبانہ تاجدار کائنات حضور پر نور رحمت دو عالم ﷺ نے پڑھائی اور نماز جنازہ کے بعد مرحوم کے لیے دعائے مغفرت بھی فرمائی۔ سوال پیدا ہوتا ہے مسلمانوں نے ہجرت اولیٰ کے لیے حبشہ ہی کو کیوں منتخب کیا اور نجاشی کون تھا؟

مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا، وہ مسلسل کفار کی سازشوں کا ہدف بن رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے عقائد کے مطابق اعلانیہ عبادت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمان گوشہ عافیت کی تلاش میں تھے، یہ گوشہ عافیت حبشہ ہی ہو سکتا تھا کیونکہ حبشہ مکہ مکرمہ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ نسبتاً کم صعوبتیں برداشت کر کے اور معمولی رقم ادا کر کے حبشہ اور مکہ کے درمیان آمد و رفت جاری رکھی جاسکتی تھی، مکہ سے ویسے بھی حبشہ کے تجارتی مراسم استوار تھے۔ تہذیبی اور ثقافتی ماحول میں بھی زیادہ فرق نہیں تھا۔ اس لیے حبشہ ہجرت کر جانے کی صورت میں مسلمانوں کو اجنبیت کا احساس نہ ہوتا۔

حبشہ پر ایک عادل بادشاہ حکمران تھا جو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتا اور مظلوموں کی دادرسی کو پہنچتا۔ حبشہ میں بت پرستوں کی بجائے اہل کتاب حکمران تھے جو دینِ ابراہیمی کے پس منظر اور پیش منظر سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ نجاشی کو حرف حق کی تلاش میں کوئی زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا۔ حضور پر نور ﷺ کے مکتوب گرامی نے اس کے سینے میں دبی ہوئی ایمان کی چنگاری کو روشن کر دیا اور وہ بہت جلد حق تک پہنچ گیا۔ نگاہِ نبوت دیکھ رہی تھی کہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی عمائدین مملکت اور رعایا کی مخالفت کے باوجود اسلام قبول کر لے گا۔ وہاں مسلمان امن و سکون سے رہیں گے۔ ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم عالمِ خفا و غیوب حضورِ انور ﷺ نے سرزمین حبشہ کا انتخاب کیا۔

عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نجاشی کا باپ بادشاہ تھا اور نجاشی کے علاوہ اس کے اور کوئی فرزند نہ تھا۔ نجاشی کا ایک چچا تھا جس کے دس بیٹے تھے۔ حبشیوں نے باہم صلاح کی کہ اگر ہم نجاشی کے باپ کو قتل کر کے اس کے چچا کو بادشاہ کر دیں تو بہتر ہے کیونکہ اس کے دس بیٹے ہیں۔ اس کی نسل میں ایک مدت تک سلطنت رہے گی۔

چنانچہ اسی خیال سے انہوں نے نجاشی کے باپ کو قتل کر دیا۔

ہوشیار اور عقلمند تھا۔ سلطنت کے کل معاملات اس نے اپنے چچا کے پاس اور ساتھ رہتے ہوئے سنبھالنے شروع کئے اور ہر ایک بات سے واقف ہو گیا۔ حبشیوں نے جو اس کی ہوشیاری دیکھی تو ان کو اندیشہ ہوا، انہوں نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو یہ بادشاہ ہو جائے اور ہم سے اپنے باپ کا بدلہ لے۔ یہ خیال کر کے وہ سب اس کے چچا کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ ہمیں تمہارے بھتیجے سے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ بادشاہ ہو کر ہمیں قتل نہ کر دے۔ اس واسطے یا تم اس کو قتل کر دو یا کہیں نکال دو۔ نجاشی کے چچا نے ان سے کہا کہ کل تو میں نے اس کے باپ کو قتل کیا ہے اور آج میں اس کو قتل کر دوں یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا، ہاں تم اس کو کہیں جا کر نکال آؤ۔ حبشی لوگ نجاشی کو اپنے ساتھ لا کر ایک سوداگر کے ہاتھ چھ سودرہم بھی فروخت کر گئے اور وہ سوداگر نجاشی کو لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اسی روز شام کے وقت ابراہیم اور مینہ بر سنا شروع ہوا۔ نجاشی کا چچا بھی بارش کا منظر دیکھ رہا تھا کہ یکایک اس پر بجلی گری اور ہلاک ہو گیا۔ حبشیوں نے اس کے بیٹوں کو تخت پر بٹھایا۔ وہ سب کے سب احمق اور کند ذہن تھے۔ سلطنت کے کاروبار کو نہ سنبھال سکے۔ آخر حبشی نہایت پریشان ہوئے اور سب نے صلاح کی کہ نجاشی کو تلاش کر کے لاؤ۔ یہ سلطنت اسی کا حق ہے اور اسی کو مبارک ہوگی۔ ورنہ جس کسی کو تم تخت نشین کرو گے، پریشان اور نادام ہوں گے۔ چنانچہ حبشیوں نے نجاشی کو تلاش کرنا شروع کیا۔ آخر نجاشی ان کو ملا اور اس سوداگر سے جس کے ہاتھ اس کو فروخت کیا تھا، جبراً نجاشی کو لے آئے اور وہ چھ سودرہم جو اس کی قیمت کے اس سوداگر سے لئے تھے، وہ بھی اس کو واپس نہ دیئے۔ وہ سوداگر بھی اپنے روپیہ کے واسطے ان کے ساتھ آیا۔

جب نجاشی کو یہ بادشاہ بنا چکے اور تخت و تاج اس کے حوالے کر دیا تو سوداگر نجاشی کے پاس آیا اور کہا، اے بادشاہ ان حبشیوں نے میرے ہاتھ ایک غلام فروخت کیا اور قیمت مجھ سے لے لی اور پھر اس غلام کو بھی مجھ سے واپس لے لیا اور قیمت جولی تھی وہ واپس نہ دی۔ اس کا انصاف کرو۔ نجاشی حکم دیا کہ یا تو فروخت کرنے والے وہ غلام تیرے حوالے کر دیں جو انہوں نے واپس لیا ہے یا تیرا روپیہ واپس کر دیں اور حبشیوں سے مخاطب ہو کر حکم دیا کہ یا تو اس شخص کا غلام اس کے حوالہ کر دو، اس کا جہاں جی چاہے اس غلام کو لے جائے ورنہ جو روپیہ اس سے لیا ہے، اس کو دے دو۔ حبشیوں نے عرض کیا، ہم اس کا روپیہ دے دیتے ہیں۔ نجاشی کے اس قول کا کہ جب خدا نے میرا ملک مجھ کو واپس دیا مجھ سے رشوت نہیں لی، یہی مطلب ہے۔ یہ نجاشی کا پہلا فیصلہ تھا جو اس کی ایمان کی مضبوطی، دین داری اور عدل و انصاف پر دلالت کرتا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سند کے ساتھ ثابت ہے کہ جب نجاشی کا انتقال ہو گیا تو اس کی قبر پر نور الہی نازل ہوتا دکھائی دیتا تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ نجاشی کی سلطنت میں کوئی دغویہار پیدا ہوا اور اس نے نجاشی پر لشکر کشی کی۔ فرماتی ہیں اس خیر کون کر ہم لوگ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور یہ خیال کیا کہ اگر خدا نخواستہ وہ باغی غالب ہوا تو نہ معلوم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے۔ فرماتی ہیں نجاشی بھی اپنا لشکر لے کر اس

کے مقابلے کو گیا اور دریائے نیل کے اس پار جنگ واقع ہوئی۔ فرماتی ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں کہا، کوئی ایسا شخص ہو جو دریا کے پار جا کر جنگ کی خبر لائے کہ کیا معاملہ ہوا؟

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں جاتا ہوں۔ صحابہ نے ایک مشک میں ہوا بھر کے ان کے حوالے کی اور وہ اس کو سینے کے تلے باندھ کر تیرتے ہوئے دریا کے پار گئے اور وہاں سے سب حال کی تحقیق کر کے واپس آئے۔ فرماتی ہیں ہم یہاں نجاشی کی فتح کے واسطے نہایت تضرع و زاری کے ساتھ خدا سے دعا مانگ رہے تھے کہ اتنے میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ واپس آئے اور کہا، اے صحابہ رضی اللہ عنہم تم کو خوشخبری ہو کہ نجاشی کی فتح ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن کو ہلاک کیا۔ فرماتی ہیں پھر تو نجاشی کی سلطنت خوب مستحکم ہو گئی اور جب تک ہم وہاں رہے، نہایت چین اور آرام سے رہے۔ یہاں تک کہ پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں مکہ حاضر ہوئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں مجھ سے حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ تمام اہل حبش نے نجاشی سے سرکشی کی اور کہا، تم ہمارے دین سے علیحدہ ہو گئے ہو۔ حبشی برسرِ فسادہ آمادہ ہوئے تو نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ مہاجرین سے کہلا بھیجا اور کشتیاں ان کے واسطے تیار کروادیں کہ ان میں سوار ہو جاؤ اور میری خبر کے منتظر رہو۔ اگر مجھے شکست ہوئی تو تم لوگ جہاں تم سے جایا جائے چلے جانا اور میرا غلبہ ہو تو یہیں رہنا۔

پھر نجاشی نے ایک کاغذ پر لکھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بے شک محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بھی اس کے بندہ اور رسول ہیں اور اس کی روح اور اس کے کلمہ ہیں جو اس نے مریم کی طرف ڈالا۔ پھر اس کاغذ کو نجاشی نے اپنے کرتے کے اندر دائیں شانہ کے پاس رکھ لیا اور حبشیوں کے مقابلہ میں جنگ کی صفیں آراستہ کیں۔ پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا ”اے گروہ حبشہ۔ کیا میں تم میں سلطنت کا زیادہ حقدار نہیں ہوں۔“ سب نے کہا بے شک ہو، نجاشی نے کہا، پھر کیا وجہ ہوئی جو تم یکدم میرے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو گئے؟

سب نے کہا، چونکہ تم نے ہمارے دین کو چھوڑ دیا اور تم کہتے ہو کہ عیسیٰ بندہ تھے، اس سبب سے ہم تمہارے مخالف ہیں۔ نجاشی نے کہا، پھر تم عیسیٰ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ حبشیوں نے کہا، ہم ان کو خدا کا فرزند کہتے ہیں۔ نجاشی نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ”عیسیٰ نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا“ میں اس پر گواہی دیتا ہوں۔ نجاشی نے تو اپنے دل میں اس کاغذ کی طرف اشارہ کیا جو لکھ کر کرتے کے اندر رکھا تھا، اور حبشیوں نے یہ سمجھا کہ اس نے ہمارے قول کی تصدیق کی ہے۔ سب خوش ہو گئے اور ان کی وہ مخالفت ختم ہو گئی۔

راوی کہتا ہے پھر یہ خبر حضور ﷺ کو بھی پہنچی۔ پھر اس کے بعد جب نجاشی شاہ حبش کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھی اور ان کے واسطے دعائے مغفرت کی۔

وہ حق پسند شاہ حبش

اہل حق نے مصلحتوں کو کبھی اپنے پیروں کی زنجیر نہیں بننے دیا۔ سردار کے سامنے بھی حق کہنے کی روایت قائم کی۔ حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نجاشی کے سوال کے جواب میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے نبی ﷺ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہی نازل ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس (اللہ) نے حضرت مریم کی طرف ڈالا۔ حضرت مریم کنواری، بزرگ اور پارسا تھیں۔ ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر نجاشی نے زمین پر ہاتھ مارا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا، واللہ تم نے جو کچھ بیان کیا ہے حضرت عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں تھے۔ اس سے درباریوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ وہ نجاشی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان حقیقت پسندانہ جملوں کی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ درباریوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور وہ فساد پر آمادہ ہو گئے۔ نجاشی نے ان سے برملا کہا کہ میں تم سے نہیں ڈرتا۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ پھر نجاشی نے اپنے ملازمین سے مخاطب ہو کر کہا کہ قریش کا وفد جو تحائف لایا ہے، وہ اسے واپس کر دیئے جائیں۔ قریش کی سفارت کاری ناکام ہو گئی، حق کا بول بالا ہوا۔ وفد قریش مایوسی کے عالم میں واپس لوٹ گیا۔ نجاشی نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا:

”میں تمہیں اور جس کے پاس سے تم آئے ہو، اسے خوش آمدید کہتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور وہ وہی ہے جس کا ذکر انجیل میں ملتا ہے اور وہ وہی نبی ہے جس کی بشارت عیسیٰ بن مریم نے دی تھی۔ تم جہاں چاہو بخوشی رہو۔ خدا کی قسم اگر میرے اوپر ملکی انتظام کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کرتا۔“ (السیرۃ النبویہ، ابن کثیر۔ جلد 2 صفحہ 10)۔

مکتوبات نبوی

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ نے فروغِ دین کے لیے اپنے وقت کے تمام ذرائع ابلاغ سے کام لیا۔ مکتوبات نبوی کے ذریعہ شاہانِ وقت کو قبولِ اسلام کی دعوت دی گئی۔ ذیل میں نجاشی کے نام حضورِ انور نبی کریم ﷺ کے دو مکتوبات گرامی درج کئے جا رہے ہیں۔

امام بیہقی نے لکھا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے نجاشی کی طرف گرامی نامہ لکھا، اس کو دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دی اور مسلمان مہاجرین سے حسن سلوک کی اسے تلقین بھی فرمائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی الاحم کی طرف جو حبشہ کا بادشاہ ہے،

تم پر سلامتی ہو۔ میں اللہ تبارک تعالیٰ کی تیرے سامنے تعریف کرتا ہوں جو بادشاہ ہے، جو پاک ہے جو

امن دینے والا ہے جو محافظ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ اللہ کی روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں۔ جو اس نے مریم کو القا کیا۔ جو عبادت گزار، پاکیزہ، پاک دامن، عصمت شعار تھیں اور وہ عیسیٰ (کلمہ اللہ) سے حاملہ ہوئیں اور اللہ تبارک تعالیٰ نے انہیں اپنی روح اور پھونک سے پیدا کیا۔ جس طرح آدم کو اپنے دست قدرت اور اپنی پھونک سے پیدا کیا۔

میں تمہیں اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں جو وحدہ لا شریک ہے اور اس کی اطاعت کی طرف بلاتا ہوں اور تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تو میری پیروی کر اور جو مجھ پر نازل ہوا اس پر ایمان لے آ۔ بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں نے تیری طرف اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو بھیجا ہے اور اس کے ساتھ چند مسلمان بھی ہیں۔ جب وہ تیرے پاس آئیں تو تو ان کی میزبانی کر اور ان پر تشدد نہ کرنا۔ میں تجھے اور تیری فوجوں کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں نے اپنا پیغام تجھے پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ پس میری نصیحت کو قبول کرو اور جو شخص ہدایت کی پیروی کرے، اس پر سلامتی ہو۔ (السیرة النبویہ، ابن کثیر جلد 2 صفحہ 42 دلائل النبوة جلد 2 صفحہ 309)

نجاشی اصمٰحہ کے نام ایک اور مکتوبِ گرامی

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یہ خط پیغمبر محمد ﷺ کا حبشیوں کے سردار نجاشی اصمٰحہ کے نام ہے۔

سلامتی اس شخص کے لیے ہے جو راہ ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی نہ بیوی ہے نہ بچہ اور یہ بھی کہ محمد (ﷺ) اسی کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تجھے اللہ کے بلاوے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں اسی کا رسول ہوں۔ اسلام لاؤ تو سلامت رہے گا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات پر جمع ہو جاؤ جو ہم اور تم دونوں میں برابر ہے۔ یہ کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ شریک کریں اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں اپنوں ہی کو رب بنائیں۔ اگر وہ پلٹ جائیں تو کہہ دو کہ ہم تو (خدا کے) فرمانبردار ہیں۔ اگر تو انکار کرے گا تو تیری قوم نصرانیوں کا وبال تجھ پر پڑے گا۔ (دلائل النبوة جلد 2 صفحہ 308)

لبیک یا رسول اللہ لبیک

اس گرامی نامہ کو پاتے ہی نجاشی کا بخت بیدار ہو گیا اور اس کا مقدر سنور ہو گیا۔ اس نے دعوت حق کو قبول کیا اور مشرف باسلام ہوا اور پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ عالی میں ایک عریضہ (اقبالی گزارش نامہ) بھی تحریر کیا۔ نجاشی نے تاجدار کائنات ﷺ کے نام جو گزارش نامہ لکھا اس کا متن ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

”یہ گزارش نامہ محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجاشی اصمٰحہ کے ہاتھ سے لکھا گیا ہے۔“

نبی! اللہ تبارک تعالیٰ کے آپ پر سلام ہوں، اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اس ذات کے جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ یا رسول اللہ! حضور ﷺ کا گرامی نامہ مجھے مل گیا ہے اور اس میں عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے، آسمانوں اور زمین کے رب کی قسم عیسیٰ اس سے زائد نہیں ہیں۔ جو حضور ﷺ نے ہماری طرف بھیجا ہے ہم نے اس کو پہچانا اور ہم نے آپ کے چچا کے بیٹے اور اس کے ہمراہیوں کی میزبانی کی۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں جن کی تصدیق کی گئی ہے۔ میں نے حضور ﷺ کی بیعت کی ہے اور حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی کی بیعت بھی کی ہے اور میں نے اللہ رب العالمین کے لیے اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے۔ میں حضور ﷺ کی خدمت میں اپنا بیٹا، باریح بن الاصحم بن ابجر بھیج رہا ہوں۔ میں اپنے نفس کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں۔ یا رسول اللہ! حضور ﷺ حکم فرمائیں تو میں حاضر خدمت میں ہو جاؤں۔ پس میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور ﷺ کا ہر فرمان حق ہے۔“

(دلائل النبوة جلد 2 صفحہ 309۔ خاتم النبیین، امام محمد ابوزہرہ جلد 1 صفحہ 408)

اس خط سے معلوم ہو گیا کہ اس نے اپنے جذبات عقیدت کے اظہار کے لیے اور اپنے مسلمان ہونے کی شہادت پیش کرنے کے لیے اپنے بیٹے کو بارگاہ رسالت میں روانہ کیا۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم سرکارِ دو عالم ﷺ نے جو پہلا گرامی نامہ نجاشی کو لکھا تھا۔ اس میں دو باتیں لکھی تھیں۔ ایک تو اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور دوسری مسلمان مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دی تھی۔ نجاشی نے ان دونوں ارشادات پر پوری طرح عمل کر کے دکھایا اور حضور انور سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی اپنی نوازشات کیں اور اپنی شان بندہ نوازی کی اس (نجاشی) کے ساتھ حد کر دی۔

چنانچہ ایک مرتبہ نجاشی کا ایک وفد خدمت اقدس میں حاضری کا شرف حاصل کرنے کے لیے آیا حضور بنفس نفیس ان کے آرام و آسائش کا خیال فرماتے اور خود ان کی خدمت بجالاتے۔

صحابہ نے عرض کی ”اے اللہ کے پیارے رسول! حضور ﷺ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ ہم سب حضور ﷺ کی طرف سے ان کی خدمت بجالانے کے لیے حاضر ہیں۔ کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔“

اس بندہ نواز آقا تاجدار کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

”کہ یہ وہ لوگ ہیں جب میرے صحابہ ان کے ہاں گئے تھے تو انہوں نے ان کی بڑی عزت و تکریم

کی تھی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ میں انہیں اس کا بدلہ دوں۔“ (خاتم النبیین، امام محمد ابوزہرہ جلد 1 صفحہ 409)

شعبِ ابی طالب محسوری کے تین سال

کفارِ مکہ کو یہ خوش فہمی تھی کہ وہ اپنے وحشیانہ جبر و تشدد سے اسلام کی اس تحریک کو موت کی نیند سلا دیں گے یہ گنتی کے چند آدمی خود ہی اس نئے دین سے دل برداشتہ ہو کر پھر اپنے پرانے معبودوں کی پرستش کرنے لگیں گے۔ لیکن ان تمام تر مساعی کے باوجود اس دین کو روز افزوں کامیابیاں نصیب ہو رہی تھیں۔ ان کے مظالم سے تنگ آ کر جن مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ میں رہائش اختیار کر لی تھی، ان کو وہاں سے جلا وطن کرانے کے لیے کفارِ مکہ نے اپنے دو بہترین نمائندے نجاشی کے پاس بھیجے تاکہ وہ اس بات پر رضامند کر سکیں کہ وہ ان مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دے۔ ان کا مدعا یہ تھا کہ اپنے وطن سے دُور ان لوگوں کو جو گوشہ عافیت میسر آ گیا ہے اس سے وہ محروم کر دیئے جائیں۔

لیکن اس سلسلے میں بھی انہیں ذلت آمیز ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے متاثر ہو کر صرف ان کو اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دینے سے ہی انکار نہیں کیا بلکہ وہ خود بھی مشرف بہ اسلام ہو گیا اور اس نے اپنے ملک میں ان غریب الدیار مسلمانوں کی باعزت رہائش کا انتظام بھی کر دیا اور انہیں ہر قسم کی آزادی اور سہولتیں فراہم کر دیں۔ اس ناکامی نے کفارِ مکہ کو آتش زیر پا کر دیا اور مکہ میں باقی رہ جانے والے مسلمانوں پر انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ ظلم و تشدد شروع کر دیا۔

کفار کو سب سے زیادہ صدمہ اس وقت پہنچا جب حضرت حمزہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کر لیا، اس چوٹ نے تو ان کو حواس باختہ کر دیا۔

تحریکِ دینِ اسلام کی قیادت کرنے والے عظیم و جلیل اور جرأت مند رہنما بھی روزِ اوّل ہی سے ایک ناقابلِ تسخیر عزم کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے، ان کے بلند عزائم اور توانا ارادوں میں کوئی تزلزل پیدا نہ ہوا تھا اور نہ ہی قامتِ زیبا میں خم آیا تھا۔ وہ اسی جرأت اور بہادری کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دعوت و تبلیغ کے میدان میں سرگرم اور اپنے فرض کی تکمیل و بجا آوری میں ہمہ تن مصروف تھے۔

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم رہبر کائنات، رسول بحرِ بڑھادی انس و جاں نجات، تبلیغِ دین کا فریضہ احسن طریقے سے جاری رکھے ہوئے تھے۔ عنادِ پسند اور بت پرست اہل مکہ کے مطالبہ پر زمینی اور آسمانی نشانات بھی دکھا دیئے روشن دلائل کے ساتھ اپنی نبوت کی صداقت بھی ثابت کر دی، اہل شرک کے لیے کوئی بہانہ نہ چھوڑا جسے وہ تراش سکیں اور اس کے سہارے ایمان نہ لانے کا عذر پیش کر سکیں۔

تحریکِ دین اسلام کو ابتدا ہی میں بڑے مخلص و فاشعارِ باہمت، سرفروش اور جانثار کارکن ملے جنہوں نے جابر امراء، اقتدار پرست سرداروں اور قبائلی فرعون صفت سرداروں کا ہر وار اپنے سینے پر سہا۔ ہر ستم بڑی حوصلہ مندی اور جوانمردی کے ساتھ برداشت کیا۔ تپتی زمین پر لیٹے اور دھکتے انگاروں پہ لوٹے۔ بھوکے اور پیاسے رہے۔ تنور کی طرح گرم دوپہر میں لوہے کی زنجیروں اور زرہوں میں جاں بلب پڑے رہے۔ جسم کو چیر دینے والے کوڑے کھائے۔ عقوبت خانوں کی غیر انسانی اذیتیں برداشت کیں مگر جس راہِ محبت پر چل نکلے تھے اس سے ایک قدم بھی واپس مڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

قصہ مختصر

مشرکین و کفار مکہ اپنی تمام تر خواہشوں، حربوں، چالوں اور کوششوں کے باوجود روزِ اوّل سے اب تک:

- ۱- تحریکِ دین اسلام کا راستہ نہ روک سکے۔
- ۲- تمام تر ظلم و ستم، ایذا رسانی کے باوجود کسی ایک کا بھی ایمان کمزور نہ کر سکے۔
- ۳- دعوت و تبلیغِ دین اسلام خفیہ یا علانیہ جاری ہی رہی۔
- ۴- وہ اپنی شیطانی مفاہمت کی تمام تجاویز اور چالوں میں ناکام رہے۔
- ۵- اوروں کی بات تو کیا؟ وہ اپنوں کو دین اسلام قبول کرنے سے نہ روک سکے۔
- ۶- وہ اس دوران تحریکِ دین اسلام کو کمزور کرنے میں ناکام رہے۔
- ۷- وہ مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کر جانے سے نہ روک سکے۔
- ۸- وہ مسلمانوں کو حبشہ سے جلا وطن کرانے میں بھی ناکام رہے۔
- ۹- اب دعوت و تبلیغِ دین اسلام اور بھی زوروں پر تھی۔

۱۰- وقت رفتہ کے ساتھ مسلمانوں کی طاقت و وقار میں اضافہ ہو رہا تھا۔

۱۱- صداقتِ نبوت ان پر روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو چکی تھی اور وہ مسلسل لا جواب تھے۔

دراصل ان مسلسل پے درپے ناکامیوں سے کفار و مشرکین مکہ، مکمل جھنجھلا گئے تھے وہ صحیح معنوں میں حواس باختہ ہو چکے تھے۔ ان پر ایک نادیدہ خوف مسلط ہو چکا تھا اور انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ اگر یہ تحریک اسی طرح جاری رہی تو یہ ہم سب کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے گی۔ ساری قوم مشرکین جھنجھلاہٹ میں بری طرح

بتلا تھی۔ اب انہیں اپنی خفت مٹانے کے لئے اپنی جھوٹی انا کو سہارا دینے کے لئے اپنے آپ کو کرتا دھرتا اور طاقت و ثبات کرنے کے لئے کچھ اور ہی کرنا تھا۔

ان حالات و واقعات نے دین دشمن عناصر کو ناکامیوں کے اندھے کنویں میں دھکیل دیا۔ وہ خود کو بے بسی اور مجبوری کی دلدل میں پھنسا ہوا محسوس کرنے لگے۔ وہ اسلامی تحریک سے ہر میدان میں شکست کھا چکے تھے مگر ذہنی طور پر اعترافِ شکست کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ ان کی ”انا“ خاندانی نخوت اور اقتدار کے وقار کا سوال تھا جب معاشرے کے کمزور ترین افراد کو بھی ظلم و ستم کے باوجود اپنے ڈھب پہ نہ لاسکے اور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے معجزات اور صداقتوں کے نشانات سے بھی ہر میدان میں شکست کھا گئے تو ناکامی بے عزتی، ذلت اور شکست کے تصور سے جھنجھلا گئے اسی جھنجھلاہٹ میں وہ فیصلہ کر لیا جو دلائل و براہین کے سامنے عاجز آ جانے والا ہر باطل پرست کرتا ہے۔

فردِ واحد کے مقابلے میں پوری قوم کفار و مشرکین اپنے آپ کو بے بس و لاچار محسوس کر رہی تھی گو کہ قبائلی عصبیت سے بھرپور ماضی قریب کے واقعات باہمی قتل و غارت کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا فیصلہ کرنا بہت مشکل اور تباہ کن تھا لیکن ان کے سامنے اب کوئی اور راستہ انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

انہوں نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک ہم حضور انور نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ رُوف و رحیم ﷺ کی زندگی کا چراغ گل نہیں کریں گے اس وقت تک ہماری مشکلات اور مصائب کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کا عزم مصمم کر لیا کہ وہ نتائج سے بے پروا ہو کر یہ مذموم حرکت ضرور ہی کریں گے انہیں اس حقیقت کا تو احساس تھا کہ ان کے اس جارحانہ اقدام میں بنو ہاشم کی مزاحمت کا قوی امکان ہے مگر انہوں نے اس سے یوں سمجھوٹ کیا کہ یہ بعد کا مسئلہ ہے جس سے پھر نیپٹ لیا جائے گا۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو جب کفارِ قریش کی اس گھناؤنی سازش کا علم ہوا تو انہوں نے قبیلہ بنو ہاشم کے تمام افراد کو اکٹھا کیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ عہد کریں کہ وہ اپنی جانیں قربان کر دیں گے لیکن حضور انور ﷺ کا بال بھی بیکا نہیں ہونے دیں گے۔ بنو ہاشم کے سارے قبیلے نے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی اس تجویز کی بھرپور تائید کی۔ بنو مطلب کو پتہ چلا تو انہوں نے بھی سرکارِ دو عالم ﷺ کو دشمنوں کے شر سے بچانے کے لیے سردھڑکی بازی لگانے کا پختہ وعدہ کیا۔

علامہ بلاذری انساب الاشراف میں لکھتے ہیں:

”حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اپنے پیارے بھتیجے بنی ہاشم اور بنی مطلب کی معیت میں اس گھاٹی میں منتقل ہو گئے جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور تھی اور ان سب نے یہ معاہدہ کیا کہ جب تک ہم میں سے ایک فرد بھی زندہ رہا، ہم کفار کو حضور پر نور ﷺ پر دست درازی کی اجازت نہیں دیں گے۔“

دو اونچے پہاڑوں کے درمیان جو گھاٹی یا تنگ میدان ہوتا ہے اسے عربی میں شعب کہتے ہیں۔ یہ گھاٹی حضرت ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ورثہ میں ملی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھی اور شعب ابی طالب کے نام سے مشہور تھی۔ (انساب الاشراف، احمد بن یحییٰ جلد ۱ صفحہ ۲۳۰)

شعب ابی طالب ایک محفوظ ”درہ“ تھا اپنے سربراہ کا حکم پا کر دونوں خاندان وہاں اکٹھے ہو گئے اور تمام حفاظتی انتظامات مکمل کر لیے اسی کے بارے میں امام ابن شہاب زہری کی روایت ہے:

”پھر اہل شرک نے مسلمانوں پر پہلے سے بھی زیادہ سختی شروع کر دی جس سے جینا دو بھر ہو گیا اور مصیبت انتہا کو پہنچ گئی۔ قریش نے یہ اجتماعی سازش تیار کی کہ رسول اللہ ﷺ کو علانیہ قتل کر دیا جائے جب ابو طالب رضی اللہ عنہ نے قوم کا یہ رویہ دیکھا تو ”بنو عبدالمطلب“ کو جمع کیا اور انہیں حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو ”درے“ میں لے جائیں اور جو قتل کے درپے ہیں ان سے بچائیں۔ چنانچہ کسی نے خاندانی عصبیت کی بناء پر آپ ﷺ کی حفاظت کی اور کسی نے ایمان و یقین کے نور اور جذبے کے ساتھ آپ ﷺ کا پہرہ دیا۔“ (دلائل النبوة بیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۱۱ البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۸۴)

بنو ہاشم میں سے ابولہب وہ بد بخت تھا جس نے کفار کے ساتھ موافقت کی اور اس پر اس کو ندامت نہیں بلکہ فخر تھا۔ عتبہ کی بیٹی ہندہ سے اس کی ملاقات ہوئی تو بڑے فخر سے اسے کہنے لگا:

”اے عتبہ کی بیٹی! کیا میں نے اپنی قوم بنی ہاشم کا ساتھ چھوڑ کر لات وعزئی کی نصرت کا حق ادا کیا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا: بے شک اللہ تجھے جزائے خیر دے۔“

قریش کی یہ کوشش تھی کہ کوئی غیر قریشی ان کی اس سازش کو عملی جامہ پہنائے اور اس قاتل کی جان بچانے کے لیے انہیں اگر بنو ہاشم کو کئی گنا خون بہا ادا کرنا پڑے تو وہ بصد مسرت خون بہا ادا کر دیں گے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد امام یوسف صالحی جلد ۲ صفحہ ۵۰۲)

حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کو ہر وقت فکر رہتی تھی کہ مبادا کوئی بد بخت ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے اس لیے وہ ہر احتیاطی تدبیر بروئے کار لاتے اور اس میں ذرا تساہل نہ کرتے۔ یہاں تک کہ حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کی استراحت کے لیے ایک بستر بچھایا جاتا، حضور پر نور ﷺ اس پر تھوڑی دیر آرام فرماتے جب لوگ سو جاتے تو شفیق چچا، حضور پر نور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کو وہاں سے اٹھاتے اور کسی دوسری جگہ جہاں حضور پر نور ﷺ کی شب ب سری کے لیے بستر بچھایا گیا ہوتا وہاں لے جا کر سلا دیتے اور حضور انور ﷺ کے پہلے بستر پر اپنے بیٹوں میں کسی بیٹے کو یا اپنے بھائیوں میں سے کسی بھائی کو سلا دیتے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۴۴)

قریش نے جب دیکھا کہ ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے اور اپنے دو خاندانوں بنو ہاشم اور بنو مطلب کو ہمراہ لے کر شعب ابی طالب میں سکونت اختیار کر لی ہے اور ان کے اس عمل سے ان کے عزائم خاک میں مل گئے ہیں

تو قریش کے سارے قبائل کے سردار پھر مشورہ کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے تاکہ حضور انور ﷺ نے خاندانوں کے خلاف کوئی ایسا متحدہ قدم اٹھائیں جس کی وہ تاب نہ لاسکیں اور از خود گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں یا حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی امداد و نصرت سے دست کش ہو کر حضور پر نور ﷺ کو ان کے حوالے کر دیں اور پھر وہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو جی چاہے سلوک کریں۔

ان لوگوں نے طویل غور و خوض کے بعد متفقہ طور پر مکمل سوشل بائیکاٹ کا پروگرام بنایا۔ اس کے لیے ایک معاہدہ لکھا گیا جس پر تمام قبائل کے نمائندوں نے اپنے اپنے دستخط ثبت کیے پھر اس کو ہر قسم کی دست برد سے بچانے کے لیے بڑی حفاظت سے کعبہ شریف کے اندر آویزاں کر دیا گیا۔

علامہ ابن کثیر اس معاہدے کے بارے میں لکھتے ہیں:

”سارے مشرکین قریش ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور سب نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست نہیں کریں گے ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہیں کریں گے ان کے گھروں میں قدم نہیں رکھیں گے جب تک یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں اور بنو ہاشم کے ساتھ ہر گز صلح نہیں کریں گے اور ان پر ذرا ترس نہیں کھائیں گے یہاں تک کہ وہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی امداد و نصرت سے دست بردار ہو جائیں تاکہ یہ حضور پر نور ﷺ کو شہید کر دیں۔“ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۴۴)

علامہ ابن کثیر نے چند اور امور کا بھی اضافہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”کہ نہ وہ اپنی بچی کا رشتہ انہیں دیں گے اور نہ ان کی بچیوں کا رشتہ لیں گے نہ انہیں کوئی چیز فروخت کریں گے اور نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے اور جب سب ان امور پر متفق ہو گئے تو انہوں نے ایک صحیفہ میں انہیں قلم بند کیا اسے محفوظ کیا پھر اس کی پابندی کا پختہ وعدہ کیا پھر اسے کعبہ شریف کے اندر آویزاں کر دیا تاکہ ہر شخص اس کی سختی سے پابندی کرے۔“ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۴۸)

منصور بن عکرمہ بن عامر نے یہ عہد نامہ لکھا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ شل ہو گیا اور وہ لکھنے کے قابل نہ رہا۔ یہ دستاویز محرم کے شروع میں لکھی گئی اس وقت بعثت کا ساتواں سال تھا۔

حضرت جبیر بن مطعم راوی ہیں:

”قریش نے بعثت کے ساتویں سال ماہ محرم کے آغاز میں بنو ہاشم کا ”شعب ابی طالب“ میں محاصرہ کیا۔ بنو عبدالمطلب بھی بنو ہاشم کے ساتھ آ ملے البتہ ابولہب نکل گیا اور بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے خلاف قریش کا ساتھ دیا۔“ (الطبقات الکبریٰ ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۰۹)

ابولہب اپنے اس رویے پر بہت نازاں تھا اور اپنے اس کردار کی داد و وصول کیا کرتا تھا۔ ابن اسحاق کا بیان

ہے:

”ابولہب نے جب اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور قریش کے ہاتھ مضبوط کیے تو اس وقت وہ عتبہ کی بیٹی ہند کے پاس گیا اور کہا: اے بنتِ عتبہ! کیا تو محسوس کرتی ہے کہ میں نے لات و عزیٰ کا ساتھ دیا ہے اور جو لوگ ان کے خلاف ہو گئے ہیں اور انہیں چھوڑ گئے ہیں میں نے انہیں چھوڑ دیا ہے؟ وہ بولی: ہاں! خدا تجھے اس وفا کی جزا دے۔“ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۵۱)

ان بے رحموں نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ مکہ کے بازاروں اور منڈیوں کے دروازے بھی ان محصورین پر بند کر دیئے کسی دکان دار کو اجازت نہ تھی کہ وہ انہیں کوئی چیز فروخت کرے یا ان سے کوئی چیز خریدے اگر کوئی قافلہ باہر سے تجارتی سامان لے کر مکہ آتا تھا تو ان پر بھی یہ پابندی تھی کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھ کھانے پینے کی کوئی چیز فروخت نہ کریں بلکہ مکہ کے تاجر آگے بڑھ کر سارا سامان خرید لیتے تاکہ کسی طرح بھی کوئی ضرورت کی چیز ان بندگانِ خدا تک نہ پہنچ سکے۔

تمام قبائل کے اتفاق و اتحاد سے جو دستاویز تیار کی گئی تھی وہ ”جوفِ کعبہ“ (خانہ کعبہ کے اندر) میں لٹکادی گئی تاکہ سب کو اس کا پاس رہے اور کوئی خلاف ورزی کی جرأت نہ کرے سب نے عہد و پیمان کے مطابق اس پر عمل شروع کر دیا۔ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب سے ہر قسم کے روابط توڑ لیے اور ملنا برتنا بند کر دیا اور ان کے لیے منڈی میں آ کر خرید و فروخت کو بھی ممنوع قرار دے دیا اگر باہر سے کوئی قافلہ آتا تو قریش کے ظالم سردار پہلے ہی وہاں پہنچ کر گراں قیمت پر سارا مال و اسباب اور غلہ خرید لیتے تاکہ بنو ہاشم نہ خرید سکیں اتنی سخت ناکہ بندی اور محاصرے کے نتائج جلد ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئے۔

امام سہیلی لکھتے ہیں کہ اگر بیرون مکہ سے کوئی تجارتی کارواں وہاں آتا اور مسلمان ان سے کوئی چیز خریدنے کے لیے وہاں پہنچ جاتے تو ابولہب ان قافلے والوں کو کہتا کہ تم ان کو اتنے مہنگے دام بتاؤ کہ وہ کوئی چیز خرید نہ سکیں اور ساتھ ہی انہیں یہ تسلی بھی دیتا کہ تم یہ فکر مت کرنا کہ اگر تم نے قیمت بہت زیادہ مانگی تو اسے کوئی خریدے گا ہی نہیں اور تمہیں خسارہ ہوگا۔ وہ کہتا اس خسارے کو میں پورا کروں گا۔ چنانچہ شعب ابی طالب کے مکین بھوک سے بلکتے ہوئے اپنے بچوں کو چھوڑ کر سامان خریدنے کے لیے جاتے تو قافلے والے ان سے پانچ دس گنا زیادہ قیمت طلب کرتے جس کے ادا کرنے کی ان میں سکت نہ ہوتی، بے چارے خالی ہاتھ واپس آ جاتے۔ ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہ ہوتی جس سے وہ اپنے روتے ہوئے بچوں کو بہلا سکیں۔

(الروض الانف، امام ابو قاسم السہیلی جلد ۲ صفحہ ۱۲۷)

کفارِ مکہ کا یہ مکمل اور سنگِ دلانہ سوشل بائیکاٹ دو چار ماہ تک نہیں رہا بلکہ پورے تین سال سرکارِ دو عالم ﷺ اور حضورِ پُر نور ﷺ کے ساتھی اس جاں گسل اور صبرِ آزما مصیبت میں مبتلا رہے۔ ان بے رحموں نے پھرے

دار مقرر کر رکھے تھے کہ کوئی شخص پوشیدہ طور پر بھی ضرورت کی کوئی چیز ان تک نہ پہنچا سکے اگر ایسا کرتا ہوا کوئی پکڑا جاتا تو اس کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جاتی۔

حکیم بن حزام اور ہشام بن عمرو العامری ان لوگوں میں سے تھے جو اس نظر بندی اور ظالمانہ کارروائی کو پسند نہیں کرتے تھے ان کے نزدیک یہ انتہائی اقدام تھا جو کسی لحاظ سے بھی جائز اور مناسب نہیں تھا۔ اس پر مستزاد جب انہوں نے شیر خوار بچوں کو بھوک سے بلکتے دیکھا اور ان کے چیخنے چلانے کی درد بھری آوازیں سنیں تو ان کے اندر کا انسان جاگ اُٹھا، انہوں نے اپنے طور پر چوری چھپے محاصرین کی امداد کا فیصلہ کر لیا۔

ہشام بن عمرو العامری نے آدھی رات کے وقت اونٹ پر کھانے پینے کی اشیاء لادیں اور لے کر شعب ابی طالب کی طرف روانہ ہو گیا جب گھائی کے قریب پہنچا تو نکیل کھول دی اور اونٹ کو گھائی میں داخل کر دیا پھر اس نے یہ معمول بنا لیا، کبھی کپڑے، کبھی گندم اور کبھی دوسری ضرورت کی چیزیں اونٹ پر لاد کر اونٹ سمیت درے میں دھکیل دیتا۔

ہشام بن عمرو العامری (جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے) ایک بار تین اونٹ سامان خوراک کے لدے ہوئے شعب ابی طالب میں لے گئے، قریش کو پتہ چل گیا، صبح سویرے سب اکٹھے ہو کر ان کے گھر پہنچے اور انہیں بُرا بھلا کہا۔ انہوں نے کہا کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے لیکن دوسری رات پھر وہ ایک دولدے ہوئے اونٹ لے کر وہاں پہنچا آئے۔ کفار کو پھر پتہ چل گیا اب تو انہوں نے لعن طعن کی بوچھاڑ کر دی اور بعض نے تو ان کو قتل کرنے کے لیے تلواریں بے نیام کر لیں۔ آخر ابوسفیان کی مداخلت سے ان کی جان بخشی ہوئی۔

(السيرة النبوية، احمد بن زینی دحلان جلد ۱ صفحہ ۲۶۴)

ایک دفعہ حکیم بن حزام شعب ابی طالب کی طرف جا رہے تھے ان کے ساتھ ان کا ایک غلام تھا جس نے گندم کی بوری اٹھائی ہوئی تھی۔ وہ یہ غلہ اپنی پھوپھی اُم المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے لے جا رہے تھے راستے میں ابو جہل مل گیا۔ ابو جہل کڑک کر بولا، پتہ چل گیا کہ قوم کے متفقہ فیصلے کے خلاف تم یہ گندم بنو ہاشم کو پہنچانے کے لیے لے جا رہے ہو، میں یہ گندم اس وقت تک تمہیں آگے نہیں لے جانے دوں گا جب تک میں تمہیں مکہ میں لے جا کر رسوا نہ کروں۔ یہ تو تو میں میں ہو رہی تھی کہ اچانک ابوالبختری وہاں آ گیا اس نے ابو جہل کو کہا کہ تمہیں اسے روکنے کا کیا حق ہے؟ ابو جہل نے کہا یہ گندم لے کر بنو ہاشم کے پاس جا رہا ہے میں اسے کیوں نہ روکوں؟ ابوالبختری نے کہا اس کی پھوپھی خدیجہ کی گندم اس کے پاس تھی، یہ اسے پہنچانے جا رہا ہے، تمہیں روکنے کا کوئی حق نہیں اس کی راہ سے ہٹ جاؤ۔ ابو جہل نے اس کی بات نہ مانی، تلخ کلامی بڑھتی گئی، کسی اونٹ کے جڑے کی ہڈی پاس پڑی تھی، ابوالبختری نے اٹھائی اور ابو جہل کے سر پر دے ماری اس سے خون بہنے لگا پھر اسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اس کی چھاتی پر چڑھ کر اسے خوب رگیدا۔

(السيرة النبوية، احمد بن زینی دحلان جلد ۱ صفحہ ۲۶۴)

یہ طویل محاصرہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے لیے اور حضور انور ﷺ کے خاندان کے لیے از حد تکلیف دہ تھا۔ بسا اوقات درختوں کے پتے اور گھاس کھا کر پیٹ بھرا کرتے، بھوک سے ہلکتے معصوم بچے اس قدر زور و شور سے روتے کہ ان کے رونے کی آواز شعب سے باہر دُور دُور تک سنائی دیتی۔

علامہ ابوقاسم سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”صحاح ستہ میں ہے کہ شعب میں محصورین کو بڑی مصیبت اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا وہاں وہ درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتے۔ جب وہ قضاے حاجت کرتے تھے تو بکریوں کی مینگنیوں کی طرح خشک مادہ خارج ہوتا تھا۔ ان محصورین میں سعد بن ابی وقاص بھی تھے۔ آپ سے مروی ہے آپ نے کہا کہ میں ایک دن از حد بھوکا تھا رات کے اندھیرے میں میرا پاؤں کسی گیلی چیز پر آگیا، میں نے اسے اٹھا کر منہ میں ڈالا اور نگل لیا۔ مجھے اتنی ہوش بھی نہ تھی کہ میں پتہ کرتا کہ وہ کیا چیز ہے اور اب تک مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں۔

یونس، حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایک رات میں پیشاب کرنے کے لیے باہر نکلا اور جب میں پیشاب کرنے لگا تو جہاں میرا پیشاب گر رہا تھا وہاں کسی چیز کی مجھے آواز آئی، میں نے اٹھایا تو وہ اونٹ کے خشک چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا، میں نے اسے لیا پھر اسے دھویا پھر اسے جلا کر راکھ کیا پھر اسے کوٹا پھر اسے پانی میں ملا دیا اور تین دن تک اسے کھا تا رہا۔“ (الروض الانف جلد ۲ صفحہ ۱۲۷)

ایام محصوری میں فریضہ تبلیغ کی مسلسل ادائیگی

ان مصائب و آلام کے باوجود نہ حضور انور سرکارِ دو عالم ﷺ کے عزم میں کوئی لچک پیدا ہوئی اور نہ کسی دوسرے ساتھی نے کسی کمزوری کا اظہار کیا۔ رحمتِ دو عالم ﷺ پورے جوش و خروش سے اسلام کی تبلیغ میں مصروف رہتے اور متعدد دھفتہ بختوں کے مقدر کو جگاتے رہتے۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ تاریخ طبری میں یوں رقم طراز ہیں:

”باوجودیکہ محصوری اور مقاطعہ (مکمل سوشل بائیکاٹ) اور فاقہ کشی کی مشکلات نے نہایت خوف ناک شدت اختیار کر رکھی تھی اور ابوطالب رضی اللہ عنہ کو ہر وقت سردارِ دو جہاں ﷺ کی جان کے لالے پڑے رہتے تھے تاہم اس مدت میں بھی داعیِ توحید حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو اپنے فریضہ تبلیغ و اشاعت سے ایک لمحہ کی بھی فرصت نہ تھی۔ آپ ﷺ اس نازک دور میں بھی بدستور اپنی قوم قریش کو علانیہ یا مخفی شب و روز اسلام کی دعوت دیتے رہے اس زمانے میں وحی الہی بھی لگاتار نازل ہوتی رہی اور اوامر و نواہی حسب سابق برابر آتے رہے۔ خدائے بزرگ و برتر ان ایام میں برابر خلیفۃ اللہ علی الارض کی مخالف کرنے والوں کی نسبت مختلف وعیدیں (سزا دینے کے

وعدے) نازل فرماتا اور اپنے رسول (ﷺ) کو ہر قسم کی ہدایات سے قوی پشت اور مضبوط کرتا رہا۔“ (ابن جریر طبری)

یہ محاصرہ نبوت کے ساتویں سال ماہِ محرم میں شروع ہوا اور تین سال کے طویل عرصے تک بڑی شد و مد سے جاری رہا۔ آخر نبوت کے دسویں سال اللہ تبارک تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ جو رستم کی اس دستاویز کو خود اہل مکہ نے چاک کر دیا اور حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اپنے محصور ساتھیوں سمیت شعب ابی طالب سے نکل کر پھر مکہ مکرمہ میں رونق افروز ہوئے۔

سیرتِ نبوی ﷺ کے مؤرخین نے ان اسباب کو بڑی وضاحت و تفصیل سے رقم فرمایا ہے جن کے مطالعہ سے قارئین کے ایمان میں اضافہ و پختگی اور ان کے قلوب کو سکون و قرار نصیب ہوگا اس لیے قدرے تفصیل سے ان واقعات کا ذکر پیش خدمت ہے۔

معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی

جزیرہ نمائے عرب میں قبائلی نظام پوری قوت کے ساتھ نافذ تھا، کوئی شخص آسانی سے کسی دوسرے قبیلے کے شخص کو قتل نہیں کر سکتا تھا۔ ایک شخص کا قتل پورے قبیلے سے جنگ کا خطرہ مول لینے کے مترادف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عرب عموماً حالتِ جنگ میں رہتے۔ قبائلی جنگوں کا سلسلہ نسل در نسل چلتا، پورا معاشرہ انتقام اور جھوٹے فخر و مباہات کی آگ میں جل رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کفار و مشرکین اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف اپنی تمام تر نفرت کے باوجود حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو شہید کرنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے۔

فتنے ذہنوں میں پرورش پا رہے تھے کفار و مشرکین حضور انور ﷺ کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے لیکن حضور پر نور ﷺ کو نقصان پہنچانا اتنا آسان کام نہ تھا کیونکہ ان کا اللہ ان کی حفاظت کر رہا تھا۔ دوسرے بنو ہاشم کے ایک فرد کا قتل کوئی ایک شخص اپنے ذمے نہ لینا چاہتا تھا پھر ابوطالب رضی اللہ عنہ جیسا شفیق چچا، حضور پر نور ﷺ کے لیے ڈھال بنا ہوا تھا۔ ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کی جان لینا ان کے لیے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف کھلی سازشوں کا ایک الاؤ جل رہا تھا، قدم قدم پر مصائب کے پہاڑ کھڑے کیے جا رہے تھے مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی جا رہی تھیں۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب سے مکمل قطعِ موالات (سوشل بائیکاٹ) کا معاہدہ لکھ کر قریشیوں نے بڑی حفاظت کے ساتھ اسے کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا تھا تاکہ کوئی شخص اس میں کوئی رد و بدل نہ کر سکے۔ اس طرح سے لوگوں کی دسترس سے تو انہوں نے اس صحیفے کو بچا لیا لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کی قدرت و اختیار سے تو وہ اس کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے۔ قادر و حکیم خدا نے اس دستاویز پر دیمک کو مسلط کر دیا۔

دیمک نے اس معاہدہ میں ظلم و ستم کی جتنی دفعات تھی ان سب کو حاکم لایکھ، حاکم اللہ تبارک تعالیٰ کا

اسم مبارک تھا، اسے ذرا گزند نہ پہنچایا، وہ صحیح و سلامت باقی رہنے دیا۔

شانِ قادر مطلق، شانِ رب العالمین کہ اس نے اپنے نبی ﷺ کی صداقت میں ایک اور برہان ایک اور دلیل پیدا فرمادی اور پھر اپنے نبی ﷺ کی عظمت و حقانیت کو ایک اور خوب صورت انداز میں پیش کر دیا کہ مشرکین و کفار مکہ جان لیں کہ یہ نبی رسول ﷺ سچا ہے اور یقیناً اللہ تبارک تعالیٰ اپنے نبی کی زبردست کھلی کھلی مدد فرمائے گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس حکیمانہ اقدام سے آگاہ فرما دیا۔ حضور پر نور ﷺ دوسرے روز حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، انہیں بتایا کہ:

”اے میرے محترم چچا! (ﷺ) جو معاہدہ قوم نے لکھ کر بحفاظت کعبہ کے اندر لٹکا دیا تھا اس کی ساری دفعات کو دیمک نے چاٹ کر صاف کر دیا ہے لیکن اس عبارت میں جہاں جہاں بھی اللہ عز اسہ (اللہ جل شانہ) کا نام مبارک لکھا گیا تھا، وہ جوں کا توں سلامت ہے، دیمک نے اسے ذرا ضرر نہیں پہنچایا۔“

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے لیے یہ اطلاع بڑی حیران کن تھی۔ خانہ کعبہ سے دور ایک گھاٹی میں تین سال سے محصور ہستی ایک ایسی چیز کے بارے میں بتا رہی ہے جو یہاں سے دور کئی غلافوں میں لپی ہوئی بڑی حفاظت سے کعبہ کے اندر رکھی ہوئی تھی اور جس کی مسلسل نگرانی کی جا رہی تھی۔

آپ نے ازراہِ استعجاب پوچھا، اے جانِ عم! کیا تیرے رب نے تمہیں یہ بات بتائی ہے؟ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور عالمِ خفا و غیوب مخبر صادق ﷺ نے فرمایا، بے شک۔ چچا نے کہا، چمک دار ستاروں کی قسم! تیری بات بالکل سچی ہے تو نے آج تک کبھی غلط بیانی نہیں کی۔

چنانچہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے چند افراد کو آپ نے ہمراہ لیا اور سیدھے حرم شریف میں جا پہنچے قریش نے اچانک ان کو حرم شریف میں آتے دیکھا تو حیران ہو گئے پھر سوچا ہماری تدبیر کارگر ثابت ہوئی ہے طویل اور تکلیف دہ محاصرے نے ان کو بے بس کر دیا ہے اور آج آئے ہیں تاکہ محمد (ﷺ) کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ اس حصار سے انہیں نجات ملے۔

جب ابوطالب رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے آپ نے فرمایا:

”اے گروہِ قریش! اس طویل مدت میں ایسے واقعات رو پڑیں گے ہیں جن کے بارے میں ہم تمہیں نہیں بتا سکتے تم اس صحیفے کو کعبہ شریف سے باہر لے آؤ، ممکن ہے ہمارے اور تمہارے درمیان مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔“

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے پہلے اس بات سے انہیں آگاہ نہ کیا جس سے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم

ﷺ نے انہیں مطلع فرمایا تھا تا کہ وہ صحیفے میں کچھ گڑبڑ نہ کر دیں۔ اہل مکہ کی خوشی کی حد نہ رہی، انہیں یقین ہو گیا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب اور خود ابوطالب (رضی اللہ عنہ) حضور انور (ﷺ) کی نصرت و اعانت سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔ وہ یقیناً انہیں ہمارے حوالے کر دیں گے پھر طے شدہ پروگرام کے مطابق ہم ان کے ساتھ معاملہ کریں گے اور یہ فتنہ جس نے ہماری راتوں کی نیند اور دنوں کا چین حرام کر دیا ہے، وہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے گا۔

وہ بڑی تیزی سے اٹھے کعبہ گئے وہاں سے اس معاہدے کو لے کر واپس آئے اور سب اہل مجلس کے سامنے اس کو رکھ دیا۔ انہوں نے حضرت ابوطالب (رضی اللہ عنہ) کو کہا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تم لوگ حضور پر نور حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) کی اعانت و نصرت سے باز آ جاؤ اور ہماری تمہاری دشمنی دوستی میں بدل جائے۔

حضرت ابوطالب (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا، میں آج ایک بڑا منصفانہ حل لے کر تمہارے پاس آیا ہوں، سب ہمہ تن گوش آپ (ﷺ) کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا یہ آپ سب جانتے ہیں کہ محمد (ﷺ) جھوٹ نہیں بولتا۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم عالم خفا و غیوب مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ دستاویز جو اس وقت تمہارے ہاتھوں میں ہے اس پر اللہ تبارک تعالیٰ نے دیمک مسلط کر دی ہے جس نے اس کی ساری عبارت چاٹ لی ہے صرف اللہ تبارک تعالیٰ کا اسم مبارک جہاں جہاں ہے وہ صحیح و سلامت موجود ہے۔ اب تم خود اس کو کھولو اگر میرے بھتیجے کی بات سچی نکلی تو پھر ہم کسی قیمت پر اس کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے خواہ اس کے لیے ہمیں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانا پڑے اور اگر اس کی یہ بات سچی نہ نکلی تو پھر ابھی ہم اس کو تمہارے حوالے کر دیں گے جو چاہو تم اس کے سلجھ کر و خواہ اسے قتل کر دو یا اسے زندہ رہنے دو۔

حضرت ابوطالب (رضی اللہ عنہ) کی یہ تجویز سن کر وہ بڑے مطمئن ہو گئے اور کہا:

”کہ جو آپ نے کہا، ہم اس تجویز پر راضی ہیں۔“

پھر انہوں نے اس انتہائی حفاظت سے رکھے ہوئے صحیفے کو اپنے ہاتھوں سے کھولا اور جو عالم خفا و غیوب، مخبر صادق سب سے سچے سب سے کھرے صادق و مصدوق ﷺ نے بتایا تھا اس کو حرف بحرف صحیح پایا۔ یہ دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے لیکن شقاوتِ ازلی نے ان کو حق قبول کرنے کی توفیق نہ بخشی۔ وہ برا فروختہ ہو گئے کہنے لگے:

”اے ابوطالب! یہ تمہارے بھتیجے کے جادو کا کرشمہ ہے۔“ حق روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا تھا

لیکن اندھی عصبيت نے انہیں اجازت نہ دی کہ وہ اسے تسلیم کر لیں۔ حضور پر نور ﷺ کے خلاف

ان کے دلوں میں بغض و عناد کے شعلے پہلے سے بھی زیادہ بھڑکنے لگے۔“

(سبل الہدیٰ والرشاد، امام یوسف صالحی جلد ۲ صفحہ ۵۰۵)

ابو جہل، ابولہب اور ان کی قماش کے کفار کا رد عمل تو وہی تھا جس کا بیان اوپر ہوا لیکن اس بگڑے ہوئے معاشرے میں چند لوگ ایسے بھی تھے جو اس ظلم و تعدی پر سخت نالاں تھے اور دل ہی دل میں سوچتے تو تھے کہ اس سنگِ دلانہ محاصرے کو ختم کر دینا چاہیے جس کی زد میں عورتیں، معصوم بچے، ضعیف و نزار بوڑھے اور کئی بیمار بھی

ہیں لیکن سارے قریشی خاندانوں کے اجتماعی اقدام کے خلاف آواز اٹھانے کی وہ اپنے اندر ہمت نہیں پاتے تھے۔

اگرچہ کفار و مشرکین مکہ نے حضور پر نور ﷺ کے قول کی صداقت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا لیکن پھر بھی اپنے عناد پر اڑے رہے اور حضور انور ﷺ کے خلاف اپنی مہم کو تیز کرنے کا اعلان کر دیا تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا:

”اے گروہ قریش! کس گناہ کے باعث تم نے ہمارا محاصرہ کیا ہوا ہے اور ہمیں قید میں رکھا ہوا ہے حالانکہ تم پر حقیقت ظاہر ہو چکی ہے اور تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ تم ہی ظالم ہو، تم ہی قطع رحمی کرنے والے ہو اور تم ہی بُرا معاملہ کرنے والے ہو۔“

پھر آپ رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھی کعبہ کے پردوں کے ساتھ لپٹ گئے اور گڑ گڑا کر دعا مانگی:

”اے اللہ! جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے اور ہماری قطع رحمی کی ہے اور جو چیز ان پر حرام تھی وہ انہوں نے حلال بنالی ہے، یا اللہ! ایسے لوگوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔“

(سبل الہدیٰ والرشاد، امام یوسف صالحی جلد ۲ صفحہ ۵۰۵-۵۰۶)

اللہ تبارک تعالیٰ کی جناب میں یہ فریاد کرنے کے بعد پھر وہ شعب ابی طالب میں واپس آ گئے اور محصوروں اور محبوسوں کی طرح زندگی گزارنے لگے۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں ابولہب وغیرہ کی انکجنت پر عرب کے عوام بھی اپنے بتوں کے لرزتے ہوئے خدائی کے تحت کو سہارا دینے کے لیے جوش میں آ کر ہمارے دشمنوں کے ساتھ نہ مل جائیں اور سب مل کر ہم پر حملہ نہ کر دیں، آپ نے اس وقت ایک فقید المثال قصیدہ لکھا جس میں لوگوں کو حق کی حمایت کے لیے ابھارنے کے ساتھ ساتھ اپنے اس پختہ عزم کا بھی بڑی جرأت سے اظہار کیا کہ وہ کسی قیمت پر حضور پر نور نبی کریم رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔

حافظ ابن کثیر نے اس قصیدے کے بارے میں اپنی رائے کا یوں اظہار فرمایا ہے:

”یہ قصیدہ بلند مرتبہ از حد بلغ ہے۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے بغیر اور کوئی ایسا قصیدہ نہیں لکھ سکتا۔

یہ تعلقات سبع (سات عجائبات) سے بھی زیادہ پر مغز اور پر معنی ہے اور اغلب یہ ہے کہ حضرت ابوطالب نے یہ قصیدہ اس وقت لکھا جب وہ شعب میں محصور کر دیئے گئے تھے اس لیے اس قصیدہ

کو یہاں ذکر کرنا مناسب ہے۔“ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۴۹۱)

سبل الہدیٰ والرشاد کی جلد دوم کے صفحات ۵۰۶-۵۰۷ اور ۵۰۸ پر یہ قصیدہ لکھا ہے اس کے چند اشعار کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

۱- ”اے میرے دوستو! میرے کان ایسے ملامت کرنے والے کی ملامت کو غور سے سننے والے نہیں خواہ وہ

سچ کہے یا غلط۔“

۲۔ ”اللہ کے گھر کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم مکہ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور یہاں سے سکونت ترک کر دیں گے مگر یہ کہ تمہارے حالات پر اگندہ و پریشان ہو جائیں۔“

۳۔ ”اللہ کے گھر کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم محمد (ﷺ) کو چھوڑ دیں گے جب تک کہ ہم اس کے دشمنوں کو اپنے نیزوں سے گھائل نہیں کریں گے اور ان سے جنگ نہیں کریں گے۔“

۴۔ ”اور اللہ کے گھر کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم (ﷺ) کو تمہارے حوالے کر دیں گے جب تک ہماری لاشیں اس کے ارد گرد پڑی ہوئی نہ ہوں، ہم اپنے بچوں اور بیویوں سے بھی ان کے لیے بے پرواہ ہو جائیں گے۔“

۵۔ ”وہ گوری رنگت والا جس کے روشن چہرے کے صدقے بارش کی دعا کی جاتی ہے جو یتیموں کی پناہ اور بیواؤں کی عصمت ہے۔“

۶۔ ”بنی ہاشم کے جو لوگ فقر و افلاس سے ہلاک ہونے لگتے ہیں تو وہ اس کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور اس کے پاس آ کر انہیں ہر طرح کی نعمتیں اور آسائشیں نصیب ہوتی ہیں۔“

۷۔ ”میری زندگی کی قسم! میں تو احمد (ﷺ) اور ان کے بھائیوں سے عشق کی حد تک محبت کرتا ہوں جس طرح ایسا محبت جو ہمیشہ محبت کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔“

۸۔ ”آپ کی ذات سارے اہل جہان کے لیے حسن و جمال ہے اور سب کے لیے زینت ہے اگرچہ دھوکہ باز دشمن اس کو ناپسند ہی کریں۔“ (السيرة النبوية ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۳۸۶ تا ۳۹۱)

معاهدہ سوشل بائیکاٹ کو پارہ پارہ کرنے کا واقعہ

جن لوگوں کو ظلم و تشدد کی اس دستاویز کو پارہ پارہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، ان میں ہشام بن عمرو بن حارث العامری کا نام سرفہرست ہے۔ یہ اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے لیکن بنو ہاشم کے ساتھ ان کے قریبی رشتہ داری تھی اس تعلق کی وجہ سے یہ دن رات بے چین رہا کرتے تھے اور ان کی رہائی کے لیے منصوبے سوچتے رہتے تھے۔ جیسے آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ ہشام بن عمرو محاصرہ کے ایام میں رات کی تاریکی میں غلہ پہنچانے کا بھی یہ اہتمام کیا کرتے تھے اونٹ پر کھانے پینے کا سامان لاد دیتے جب شعب کے دہانے پر پہنچتے تو اونٹ کی نکیل نکال دیتے اور اونٹ کے پہلو میں دو تھپڑ لگا کر اسے چھوڑ دیتے، وہ بھاگتا ہوا ان محصورین کے پاس پہنچ جاتا، وہ اسے پکڑتے اس سے سامان اتار لیتے پھر اسے چھوڑ دیتے، وہ واپس اپنے مالک کے پاس آ جاتا جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔

ہشام بن عمرو بن حارث تو پہلے ہی محصورین کا ہمدرد تھا، ان کی رہائی کے منصوبے بنا رہا تھا، اسے مزید حوصلہ درج ذیل واقعہ سے ملا اور اس نے اس واقعہ سے نتیجہ اخذ کیا کہ اے ہشام بن عمرو بن حارث ایسی سوچ

والے تم اکیلے ہی نہیں ہو، تلاش کرو تمہیں اور ہم خیال مل جائیں گے اور تم اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکو گے۔ حکیم بن حزام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا تھا اس کی عظیم المرتبت پھوپھی جان درے میں بچوں سمیت جن روح فرسا اور اذیت ناک حالات سے دوچار تھیں اور درد و کرب کے عالم میں زندگی گزار رہی تھیں، وہ ان سے بخوبی آگاہ تھا۔ ان کی بھوک، پیاس کی تکالیف اور دیگر شدائد و آلام کے تصور نے اسے بے قرار کر دیا تمام مصلحتیں اور خطرات نظر انداز کر کے اس نے اونٹ پر گندم لادی اور درے کی طرف چل دیا۔ ابو جہل نے اسے دیکھ لیا۔

”اس نے آ کر گریبان پکڑ لیا اور کہا تم بنو ہاشم کے پاس اناج لے کر جاتے ہو، خدا کی قسم! تم یہ اناج نہیں لے جا سکو گے، میں تمہیں پورے مکہ میں بدنام کر دوں گا۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۸۸)

اتنے میں وہاں ابوالبختری آ گیا اور پوچھا، کیا معاملہ ہے؟ ابو جہل نے مظلوم بن کر شکایت کی۔ حکیم بن حزام قبائلی معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے، یہ ہمارے لاگو کردہ بایکٹ کو غیر موثر بنانا چاہتا ہے اور گھاٹی میں محصورین کی طرف گندم لے جا رہا ہے۔ ابوالبختری نے کہا، تو کیا ہوا اس کی پھوپھی وہاں ہیں اگر یہ ان کی خدمت کرنا چاہتا ہے تو اس میں قباحت کیا ہے؟ جانے دو تا کہ وہ پیٹ بھر کر کھانا کھا سکیں لیکن ابو جہل ہٹ دھرمی سے کہنے لگا، میں یہ گندم ہرگز نہیں جانے دوں گا۔

البختری کو غصہ آ گیا، پاس ہی اونٹ کا خشک جبر اڑا ہوا تھا اس نے وہ اٹھا کر ابو جہل کے سر پر دے مارا اور اسے زخمی کر دیا پھر اسے زمین پر پٹخ کر خوب رگڑا اور سارے بل نکال دیئے۔ ان حالات و واقعات نے ہشام بن عمرو بن حارث العامری کی سوچ کو اس رخ پر ڈال دیا کہ اس بے رحم معاشرے میں بنی ہاشم کے لیے اپنے دلوں میں نرم گوشہ رکھنے والے اور بھی موجود ہیں اور اگر انہیں صدق دل سے تلاش کیا جائے تو وہ با آسانی مل سکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے طور پر یہ مہم سر کرنے کا پکا ارادہ کر لیا اور دل میں یہ سوچ لیا کہ وہ یہ ظالمانہ دستاویز بے اثر بنا کر رہے گا جس نے بنو ہاشم کی زندگی اجیرن کر دی ہے اور تین سال سے انہیں الگ تھلگ زندگی گزارنے پر مجبور کیا ہوا ہے۔

وہ زہیر بن ابی امیہ کے پاس گیا۔

زہیر حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادی حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کے فرزند تھے اس وجہ سے ان کو بھی بنو ہاشم کی یہ تکلیف گوارا نہ تھی۔ ہشام نے زہیر کو جا کر کہا:

”اے زہیر! کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم تو لذیذ کھانے کھاؤ، عمدہ لباس پہنو اور اپنی بیوی بچوں کے ساتھ پرسکون اور با آرام زندگی گزارو اور تمہارے نہال بھوکے ننگے خستہ حال طرح طرح کی مشقتوں میں گھرے زندگی کے دن پورے کر رہے ہوں؟ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر تم ابوالحکم (ابو جہل) کے نہال کے خلاف ایسا قدم اٹھاتے اور تم اسے اس میں شرکت کی دعوت دیتے تو وہ ہرگز تمہاری اس دعوت کو قبول نہ

کرتا۔ زہیر نے کہا:

صد حیف! اے ہشام بن عمرو میں تنہا ہوں! اکیلا کیا کر سکتا ہوں؟ اگر ایک اور ساتھی مجھے مل جائے تو میں اس معاہدے کو توڑنے کے لیے کھڑا ہو جاؤں۔

ہشام بن عمرو نے کہا: ایک آدمی تو میں پیش کرتا ہوں۔

اس نے پوچھا: وہ کون ہے؟ ہشام بن عمرو نے کہا: میں خود۔

زہیر نے کہا: ہمت کرو! ایک تیسرا آدمی بھی تلاش کرو۔

چنانچہ ہشام بن عمرو، مطعم بن عدی کے پاس گیا اور اسے جا کر کہا:

”اے مطعم! کیا یہ بات تمہیں پسند ہے کہ بنی عبد مناف کے دو خاندان بنو ہاشم اور بنو مطلب بھوک

سے ایڑھیاں رگڑتے رگڑتے ہلاک ہو جائیں اور تم یہ دیکھ بھی رہے ہو۔ اگر تم قریش کو اس طرح

ہلاک کرنے کے درپے ہوتے تو وہ تمہارا منہ نہ تکتے رہتے بلکہ سب مل کر تم پر ہلہ بول دیتے۔“

مطعم نے کہا: تم سچ کہتے ہو لیکن میں تنہا ساری قوم کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہوں؟

ہشام بن عمرو نے کہا: تم اکیلے نہیں! ایک دوسرا آدمی بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ پوچھا: کون؟ کہا: میں خود حاضر ہوں۔

مطعم نے کہا: ایک تیسرا ساتھی بھی تلاش کرو۔ ہشام بن عمرو نے کہا: وہ تیسرا بھی میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔

پوچھا: کون؟ کہا: زہیر بن ابی امیہ

مطعم نے کہا کہ چوتھا آدمی بھی تلاش کرو اس طرح ہم پوری قوت سے اس مقصد کو حاصل کر سکیں گے۔

ہشام بن عمرو اس کے پاس سے اٹھ کر ابوالختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس کے ساتھ بھی وہی گفتگو کی جو مطعم کے ساتھ کی تھی۔

اس نے پوچھا: اس معاملے میں کوئی اور شخص بھی ہماری مدد کرے گا؟

ہشام نے جواب دیا: یقیناً! پوچھا: کون؟

ہشام نے کہا: زہیر، مطعم اور میں خود اور تم۔ ہم چار آدمی اس مہم کو سر کرنے کے لیے متفق ہیں۔

ابوالختری نے کہا: ایک پانچواں ساتھی بھی ہونا چاہیے۔

ہشام وہاں سے سیدھا زمعہ بن الاسود کے پاس گیا اور اس کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کی اور اسے بھی

قریبی رشتے داری کا واسطہ دیا جو اس کی بنو ہاشم کے ساتھ تھی اس نے بھی پوچھا کہ اس سلسلے میں کوئی اور شخص بھی

ہمارا ساتھ دے گا؟ ہشام بن عمرو نے کہا: ہاں اور ان اشخاص کے نام گن دیئے جن سے پہلے بات ہو چکی تھی اور انہوں نے ہامی بھری تھی۔

ابن سعد نے ان کے علاوہ عدی بن قیس کے نام کا بھی اضافہ کیا اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے سہیل بن

بیضاء کا نام بھی اس قصیدے میں ذکر کیا ہے جو اس کا رخیر میں شریک ہوئے۔

ان میں سے ہشام، زہیر، سہیل، عدی بن قیس کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

(سبل الہدیٰ والرشاد امام یوسف صالحي جلد ۲ صفحہ ۵۳۳)

ان لوگوں نے طے کیا کہ مشورے کے لیے آج رات حجون کے فلاں گوشے میں سب اکٹھے ہوں گے۔ چنانچہ مقررہ جگہ پر اس رات یہ سارے صاحبان جمع ہوئے اور انہوں نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ وہ اس ظالمانہ معاہدے کو کالعدم کر کے رہیں گے۔ زہیر نے کہا کہ اس کام کی ابتدا میں کروں گا، کل صبح حجن حرم میں کھڑا ہو کر میں اس معاہدے کے بطلان (باطل ہونے) کا اعلان کروں گا۔

صبح ہوئی تو رؤسائے قریش حسب دستور حرم میں اپنی اپنی مجالس میں جا کر بیٹھ گئے لیکن زہیر کی آج شان ہی نرالی تھی وہ بڑی آن بان سے حرم میں داخل ہوا اس نے آج ایک قیمتی پوشاک زیب تن کی ہوئی تھی اس کی چال میں بھی ایک خاص قسم کی تمکنت تھی پہلے اس نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور با آواز بلند اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ اس نے کہا:

”اے مکہ کے باشندو! یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ ہم سب تو لذیذ کھانے کھائیں، زرق و برق لباس پہنیں اور خاندان ہاشم کے مردوزن بھوکے مر رہے ہوں نہ ان کے پاس پیٹ بھرنے کے لیے کھانا ہو اور نہ تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا، ہم ان کے ہاتھ قیمت لے کر بھی کوئی چیز بیچنے کے لیے تیار نہ ہوں“ آخر میں اس نے کہا:

”بخدا! میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اس قطع رحمی کرنے والی ظالمانہ دستاویز کو ہڈ زے ہڈ زے نہ کر دیا جائے۔“

مسجد کے ایک کونے میں ابو جہل بیٹھا ہوا تھا اس نے جب زہیر کا یہ اعلان سنا تو غصے سے بیچ و تاب کھاتا ہوا اٹھا اور گرج کر بولا:

”زہیر! تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ بخدا! اس صحیفے کو ہرگز نہیں پھاڑا جائے گا۔“

زمعہ بن اسود فوراً کھڑا ہو گیا اس نے ابو جہل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: سب سے بڑے جھوٹے تم ہو۔ بخدا! اس تحریر میں ہم راضی نہ تھے۔

اس کی تائید کرتے ہوئے ابوالختری کڑک کر بولا: زمعہ نے سچ کہا ہے جو اس دستاویز میں لکھا گیا ہے نہ ہم اس کو پسند کرتے ہیں اور نہ اس کو برقرار رہنے دیں گے۔
مطعم نے کہا:

”اے زمعہ! اور ابوالختری! تم نے سچ کہا ہے اور اس کے علاوہ جو کہتا ہے وہ جھوٹ بکتا ہے۔“

جو کچھ اس صحیفے میں لکھا گیا ہے، ہم اللہ تبارک تعالیٰ کی جناب میں اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔

ہشام بن عمرو نے بھی اُٹھ کر اپنے ساتھیوں کی پر زور تائید کی۔ ابو جہل نے کہا، یہ سوچی سمجھی سازش ہے اور اس کے بارے میں رات کو فیصلہ کیا گیا ہے۔

یہ ساری باتیں ہو رہی تھیں، حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ مسجد کے گوشے میں بیٹھے سُن رہے تھے۔ مطعم نے اس صحیفے کو پکڑ کر پُرزہ پُرزہ کرنا چاہا، دیکھا تو دیمک نے اللہ عزاسمہ کے نام کے بغیر جو کچھ اس میں لکھا گیا تھا اس کا صفایا کر دیا ہے۔ چنانچہ اسے پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ یوں حضور پر نور ﷺ اور آپ کے خاندان کو تین سال کے سنگین محاصرے کے بعد نجات نصیب ہوئی۔

نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تین سال پہلے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب کی قید تنہائی سے رہائی ملی۔ (سبل الہدیٰ والرشاد امام یوسف صالحی جلد ۲ صفحہ ۵۴۵، ۵۴۶)

اس وقت حضور پر نور سرکارِ دو عالم ﷺ کی عمر مبارک انچاس (۴۹) سال تھی۔

قارئینِ کرام! میرے خیال میں جو اوپر لکھ دیا گیا ہے وہ زمانہ وقوع کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے یعنی کہ پہلے نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے معاہدہ سوشل بائیکاٹ کے دیمک کے چٹ کر جانے کا فرمایا پھر حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ حرم کعبہ میں گئے اور کفار و مشرکین مکہ کو اس امر سے آگاہ کیا اس کے بعد جب مشرکین نے اسے بھی جادو کا کرشمہ قرار دیا تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ شعب ابی طالب میں چلے گئے اور پھر اس کے نہ جانے کتنے دنوں مہینوں بعد یہ معاہدہ سوشل بائیکاٹ کو پھاڑ دینے، پُرزہ پُرزہ کر دینے، ختم کر دینے کا واقعہ پیش آیا۔

لیکن کچھ سیرت نگاروں نے جس انداز سے لکھا ہے اس سے میں یہ سمجھا ہوں کہ سوشل بائیکاٹ کے معاہدے کو دیمک کا چٹ کر جانے کا واقعہ اور معاہدہ سوشل بائیکاٹ کا پارہ پارہ کر دینے کا واقعہ ان دونوں واقعات کا وقوع ایک ساتھ ہوا ہے۔ میں نے پہلے ہی گزارش کر دی ہے کہ مجھے پہلے بیان کردہ زیادہ صحیح لگا ہے۔ میں اس خیال سے یہاں دوسرے سیرت نگاروں کا روایت کرنا بھی درج کر رہا ہوں کہ قارئینِ کرام کے علم میں اضافہ ہو اور ان میں سے جو دل کو لگے اسے اپنائیں اور دوسری کو چھوڑ دیں۔

حسب پروگرام زہیر نے صحن کعبہ میں بیٹھے لوگوں کے سامنے اپنا مدعا بیان کر دیا ہے۔ ابو جہل جواب دے چکا ہے اور زہیر کے خیال یارائے کی تصدیق زمعہ ابوالختری، مطعم رضی اللہ عنہ اور دیگر ہم خیالوں نے کر دی ہے اب دوسرے سیرت نگاروں کے مطابق اس کے بعد جو ہوا وہ یوں ہے:

ابو جہل بڑا طرار تھا، سمجھ گیا کہ بالا بالا مشورہ ہو چکا ہے اور یہ طے شدہ منصوبے کے تحت بول رہے ہیں، وہ غصے سے پیچ و تاب کھا کر رہ گیا، اتنے میں خلاف توقع حضرت ابوطالب نظر آئے جو ادھر ہی آ رہے تھے۔ دشمنوں کو امید بندھی کہ شاید تین سالہ محاصرے سے تنگ آ کر اب مصالحت کی غرض سے آ رہے ہیں اور وہ شرائط قبول کر لیں گے جو ہم نے پیش کی تھیں۔ یہ لوگ سراپا انتظار بن گئے، حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے قریب آ کر بتایا:

”میرے بھائی کے مٹے! محمد (ﷺ) نے کبھی مجھ کو نہیں دیکھا، نہ میں نے اسے دیکھا، نہ اس کا اللہ تبارک

تعالیٰ نے تمہاری دستاویز پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے اور اس نے ہر وہ لفظ کھا لیا ہے جس میں جو رجف، ظلم و ستم اور قطع تعلق کا ذکر تھا اور ہر وہ کلمہ باقی رہنے دیا ہے جس میں اللہ کا ذکر تھا۔ تم دستاویز نکال کر دیکھ لو اگر میرا بھتیجا سچا ہے تو اس بُرے معاہدے کو کالعدم قرار دے دو اور اگر وہ جھوٹا ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں اسے تمہارے سپرد کردوں گا پھر تم جو چاہے سلوک کرنا زندہ رکھنا یا قتل کر دینا۔“ (طبقات الکبریٰ ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۱۰)

ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی وہ یہی چاہتے تھے انہوں نے جھٹ یہ شرط مان لی کیونکہ ان کا گمان تھا کہ دستاویز کے ضائع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ بڑی حفاظت سے رکھی گئی ہے پھر یہ کہ سات پردوں میں بند دستاویز کی کیفیت کا محمد (ﷺ) کو کیسے علم ہو سکتا ہے؟ قتل کرنے کے شوق میں انہوں نے فوراً حامی بھر لی۔ ابو طالب رضی اللہ عنہ سے کہا ہم آپ (ﷺ) کی پیش کش منظور کرتے ہیں جب فریقین میں یہ معاہدہ طے پا گیا تو مطعم کھڑا ہوا تا کہ دستاویز نکال کر اسے پھاڑ دے جب اسے کھولا تو دیکھا دیمک اسے چاٹ چکی ہے اور صرف ”باسمک اللہم“ کے الفاظ باقی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۹۷)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

”پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے رسول (ﷺ) کو دستاویز کی کیفیت سے آگاہ کر دیا کہ دیمک نے ظلم و ستم والی ہر بات چاٹ لی ہے اور اس میں صرف اللہ کا نام رہ گیا ہے۔“

(طبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۹۰)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

”باسمک اللہم ان کلمات کے سوا دیمک نے سب کچھ کھا لیا تھا۔“ (طبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۰۹)

ابوسلیمان کی روایت ہے:

”اس دستاویز کو لکھنے والا منصور بن عکرمہ تھا اس کا ہاتھ خشک اور شل ہو گیا تھا وہ اس قابل نہیں رہا تھا۔

کہ بے کار ہاتھ سے کوئی کام لے سکے۔“ (الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۵۲)

جب قریش نے دیکھا کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی ہر بات سچی ثابت ہوئی ہے اور اب انہیں قتل کرنے کا وہ شوق پورا نہیں ہوگا جو وہ برسوں سے دل میں دبائے بیٹھے تھے تو آپ سے باہر ہو گئے۔ شرافت و انسانیت اور حق و صداقت کے تمام تقاضے بالائے طاق رکھ دیئے اور بڑی ڈھٹائی سے بولے یہ ساری کارروائی زبردست جادو کا کرشمہ ہے ہم اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، مقاطعہ جاری رہے گا اور ہم بنو ہاشم کو کسی قیمت پر معاف نہیں کریں گے۔“

جو لوگ بنو ہاشم کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے وہ بھی ڈٹ گئے اور ان ہی کی زبان میں جواب دیا۔ جھوٹے اور غلط کار تم لوگ ہو قدرت نے بھی تمہارے ظلم کے خلاف گواہی دے دی ہے تمہاری خون خوار دستاویز دیمک نے مٹی بنا دی ہے دستاویز لکھنے والے کا ہاتھ شل ہو گیا ہے اس سے بڑھ کر تمہارے ظلم اور

نا انصافی کا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

یہ صاف جواب سن کر ابو جہل اور اس کے حواریوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ عرصہ دراز کے بعد انہیں اپنے مکروہ خواب کی تعبیر نظر آنے لگی تھی اور امید بندھی تھی کہ اب وہ اپنے منصوبہ قتل میں کامیاب ہو جائیں گے مگر قدرت نے ان کے عزائم کو ناکام بنا دیا ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ان کا منصوبہ بھی دھرے کا دھرا رہ گیا اور بایکاٹ بھی ختم ہو گیا۔ مکہ کے معزز افراد شعب ابی طالب میں گئے اور بنو ہاشم کو اعزاز و اکرام کے ساتھ شہر میں لے آئے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے از سر نو اپنے معمول کے مطابق سلسلہ تبلیغ شروع فرما دیا۔

(السيرة النبوية ابن هشام جلد ۱ صفحہ ۳۷۵، دلائل النبوة، بیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۱۱، البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۹۶۳، ۸۳، الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۵۲) ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب اس صحیفے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ لکھا جس میں ان لوگوں کو خراج تحسین پیش کیا جنہوں نے اس کار خیر کا آغاز کیا اور اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اس قصیدے کے چند اشعار کا ترجمہ حاضر خدمت ہے۔

- ۱۔ ”کیا ہمارے سمندر کا سفر طے کرنے والے مہاجرین کو اس دُوری کے باوجود ہمارے رب نے جو کیا ہے انہیں معلوم ہو گیا ہے اور اللہ تبارک تعالیٰ لوگوں کے ساتھ حلم و بردباری کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔“
- ۲۔ ”اور ان کو یہ اطلاع ملی ہے کہ اس صحیفے کو پارہ پارہ کر دیا گیا ہے اور جس چیز کو اللہ تبارک تعالیٰ پسند نہیں کرتا وہ فنا ہو جاتی ہے۔“
- ۳۔ ”اللہ تبارک تعالیٰ اس گروہ کو جزائے خیر دے جو حجون کے مقام پر جمع ہوئے اور ایک ایسا فیصلہ کیا جس میں دانائی اور ہدایت تھی۔“
- ۴۔ ”انہوں نے رات کے وقت جو فیصلہ کرنا تھا وہ فیصلہ کیا پھر انہوں نے آرام سے صبح کی جب کہ باقی لوگ سو رہے تھے۔“

- ۵۔ ”وہی لوگ ہیں جنہوں نے سہل بن بیضاء کو راضی کر کے لوٹایا اور حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) اور محمد رسول اللہ (ﷺ) کو مسرور کیا۔“ (سبل الہدیٰ والرشاد امام یوسف صالحی جلد ۱، صفحہ ۵۴۵، ۵۴۶) اس قصیدے سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس حصار میں بھی اپنے آقا ﷺ کے ساتھ تھے اور جس طرح اس رہائی سے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو مسرت ہوئی اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی خوشی ہوئی۔

معجزہ شق القمر

قارئین کرام! میں اصل موضوع کو زیر بحث لانے سے پہلے یہ چند صفحات اس لیے لکھ رہا ہوں کہ ہم میں سے کچھ لوگ اپنے آپ کو بہت عقل مند ثابت کرنے کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزوں کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہیں پھر ان میں شک کرتے ہیں ان کا انکار کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے بھی ایک غلط راستہ نکالتے ہیں جو واضح طور پر فلاح دارین سے دُور لے جاتا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ کے کسی نبی نے بھی معجزے تفریح طبع کی خاطر نہیں دکھلائے اور نہ انہیں ایسا کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ تو ہر کام اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و ارشاد کے مطابق کرتے ہیں وہ تو اللہ کے دین کی تبلیغ و دعوت بھی اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و ہدایت سے دیتے ہیں۔

سورہ نساء آیت ۶۴ میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

ترجمہ: ”اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“

یعنی کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا اپنی امت کو اللہ تبارک تعالیٰ کے دین کی طرف بلانا اور لوگوں کو یہ کہنا کہ میرا حکم مانو میری اتباع کرو یہ وہ اپنے طور پر نہیں کرتے بلکہ اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و ہدایت کے مطابق کرتے ہیں۔ جب اللہ تبارک تعالیٰ کے انبیائے کرام علیہم السلام اللہ کے دین کے پھیلانے کے سارے کام اللہ کی رضا سے کرتے ہیں اس کے حکم و ہدایت سے کرتے ہیں تو وہ معجزے بھی اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و اذن سے دکھلاتے ہیں۔ اور معجزے ان لوگوں کے لیے جو انہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں اللہ تبارک تعالیٰ کی اس کے نبی کی بہت بڑی اور آخری حجت ہوتے ہیں۔ ان سے مقصد اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے نبی کا حجت قائم کرنا ہوتا ہے کہ معجزہ دیکھنے کے باوجود نبی کو سچا نہ ماننے والے اس پر ایمان نہ لانے والے روزِ حشرِ روزِ حساب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم تو ایمان لے آتے اگر ہم نے کچھ غیر معمولی دیکھا ہوتا بڑی نشانی دیکھی ہوتی، معجزہ دیکھا ہوتا۔

اور وہ قرآن حکیم کی سورہ ملک کی آیات ۱۰، ۱۱ کے مطابق اپنے بے عقل اور گناہ گارِ نافرمان ہونے کا اعتراف خود ہی کر لیں اور انہیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝ فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝

”اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے اب اپنے گناہ کا اقرار کیا تو پھٹکار ہو دوزخیوں پر۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی کا پرندہ بنا کر فرماتے تھے میرے رب کے حکم سے اُڑ جا۔ مردوں کو فرماتے تھے کہ میرے رب کے حکم سے اُٹھ جا (زندہ ہو جا) یہاں بھی وہی معاملہ ہے۔ مشرکین و کفار نے مطالبہ کیا کہ چاند کو دو ٹکڑے فرما دیں ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ ﷺ نے خالق و مالک کائنات سے چاند کو دو جدا جدا ٹکڑے کر دینے کی دعا فرمائی اور پھر اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و اذن سے انگشت (انگلی) مبارک کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا، دونوں حصوں کو ایک دوسرے سے واضح طور پر دُور کر دیا۔ مشرکین و کفار کو دکھا کر پھر انہیں اللہ کے حکم و اذن سے ایک کر دیا۔

مجھے ایسے حضرات کی دماغی صحت پر شک ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا وغیرہ وغیرہ۔ میرے بھائی اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے تو ایسا کرنا اس سے بہت بڑا بڑا کرنا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ اسی نے تو یہ ساری کائنات بنائی ہے اتنی بڑی کائنات کہ یہ چاند سورج ستارے اس کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے ہماری زمین کے مقابلے میں رائی کا دانہ۔ بھلا جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے جس کے حکم سے تمام نظام اور یہ اجرام فلکی اپنے اپنے راستوں پر دائروں میں تیر رہے ہیں رواں دواں ہیں اس کے لیے ان اجرام فلکی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ذرات بنا دینا اور پھر انہیں جوڑ کر اسی طرح کر دینا کیوں کر مشکل ہے؟

آپ اپنی تخلیق پر ہی سوچے گا آپ کی ابتدا اللہ تبارک تعالیٰ دو آدھے آدھے (۱/۲ باپ کی طرف سے اور ۱/۲ ماں کی طرف سے) خلیوں سے کرتا ہے جو دونوں مل کر ایک مکمل خلیہ بناتے ہیں۔ اسی ایک خلیہ سے اور بے شمار خلیے بناتا ہے اور اللہ جل شانہ اسی ایک خلیہ سے اتنا بڑا بچہ بنا دیتا ہے۔ بچے میں اسی ایک خلیے سے جسم کے کتنے سارے نظام بنا دیتا ہے جو بناوٹ میں، شکل میں، افعال میں، کارکردگی میں ایک دوسرے کے معاون مگر کس قدر مختلف ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی شان کہ اسی ایک خلیے سے جسم کے مضبوط ترین حصہ دانت اور ہڈیاں بن جاتی ہیں اور اسی سے نرم ترین مختلف مائع اور خون بن جاتے ہیں اور وہ چار پانچ کلو کا بچہ وقت رفتہ کے ساتھ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوب صورت کڑیل جوان بن جاتا ہے۔

سورہ مومنون کی آیات ۱۲ تا ۱۴ میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا
الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا ۝ ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ
الْخَالِقِينَ ۝

میرا یہاں یہ اتنا کچھ لکھ دینے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ اگر ہم اپنی پیدائش و تخلیق پر غور کریں اور
یہ جان لیں کہ ہماری تخلیق و پیدائش کس طرح ہوتی ہے اور خالق و مالک کائنات بناتا بناتا بالآخر کیا شاہکار بنا
دیتا ہے تو ہمارے دماغوں میں یہ خیالات ہی نہ آئیں کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔

مزید سمجھانے کی خاطر

میں انسانی خلیے کو اینٹ سے تعبیر کرتا ہوں یعنی اینٹوں سے بنی ہوئی عمارت کی ایک یونٹ پہلی اینٹ۔ اپنا
گھریا کوئی عمارت بنانے کے لیے آپ اس ایک اینٹ جیسی اور لاکھوں اینٹیں لائے، سیمنٹ، پانی، مزدور اور دیگر
سامان لائے۔ اینٹیں جوڑتے گئے اور عمارت کھڑی کر لی پھر مختلف جگہوں سے لکڑی، لوہا، بجلی کے تار، پائپ،
لوے کے جال، گرل، پینٹ، رنگ، روغن، شیشے وغیرہ لائے اور عمارت مکمل کر لی، قابل استعمال بنالی۔
اللہ کی شان دیکھئے!

اللہ تبارک تعالیٰ جل شانہ جو بچہ بناتا ہے، تخلیق کرتا ہے آدمی بناتا ہے اس عظیم عمارت کا سامان وہی ایک
خلیہ خود پیدا کرتا ہے جس سے تخلیق شروع کی جاتی ہے اس عمارت کی تعمیر و تکمیل کے لیے کوئی بھی چیز باہر سے یا
مختلف جگہوں سے نہیں لی جاتی۔ وہی ایک خلیہ اربوں خلیے بناتا ہے اور وہی خلیہ جسم انسانی کے سارے نظام
ہڈیاں، جوڑ، دماغ، ناڑیں، خون کی نالیاں، عضلات، ناخن، دانت، غرضیکہ سب ہی اعضاء جسمانی بنا دیتا ہے یعنی وہ
ایک خلیہ ہی اللہ تبارک تعالیٰ کی ایسی فیکٹری ہوتا ہے جو خود ہی ہر طرح کی ضرورت کا سامان پیدا کرتا ہے، بناتا
ہے، پہنچاتا ہے، استعمال میں لاتا ہے اور اللہ کے حکم و اذن سے بقول سورہ تین کی آیت ۴ کے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝

”آدمی کو اچھی صورت پر بنا دیتا ہے۔“

معجزات کے بارے میں غلط سوچنے والے اب یہاں بھی سوچیں کہ ایک خلیے سے تو اتنا بڑا، خوب صورت
انسان کا بنا ممکن نہیں ہے یہ تو نہیں ہو سکتا اور پھر اپنی اصل کو اپنے ہی ہاتھوں مشکوک کر دیں۔ میرا خیال ہے کہ
آپ ایسا نہیں کریں گے۔

جب آپ کو اپنا تخلیق کرنا یا اپنا وجود ہی ناقابل فہم ہے اور اس کے بارے میں تھک ہار کر آپ یہی کہتے
ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے بنایا ہے تو پھر معجزات کے بارے میں بھی یہی سوچ اپنالیں۔
وہ تو قادر المطلق ہے ہر کچھ کرنے پر ہر دم قادر ہے۔ اس کے لیے وہ کچھ فوراً کر دینا جو ہمیں ناممکن لگے

بہت آسان ہے اسے تو کسی بھی چیز کے کرنے کے لیے صرف کلمہ گن کا ارادہ فرمانا ہوتا ہے اور وہ کچھ سب کچھ خود بخود مکمل ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔

اگر آپ کو اب یہ یقین ہے اس حقیقت کا یقین ہے کہ ایک اور صرف ایک اتنے چھوٹے سے خلیے سے جو ہمیں خوردبین سے بھی بمشکل نظر آتا ہے اللہ تبارک تعالیٰ نے اس سے مجھ جیسے آپ جیسے کیم و شہیم آدمی کو بنادیا ہے تو پھر آپ یہ یقین بھی کر لیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہر کچھ کرنے پر ہمہ وقت قادر ہے۔

صبر آزما جدوجہد مصائب و آلام کے طوفانوں میں ثابت قدمی کا محیر العقول پے درپے مظاہرہ کرنے کے بعد پیغمبر اسلام حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی فتوحات اور کامیابیوں کا عہد زریں شروع ہوا اعلان نبوت کے بعد سے ہی ایسے ایسے معجزات رونما ہونے لگے جن کو ہر کہ وہ دیکھ سکتا تھا اور حق کا رخ زیبا آشکارا ہو سکتا تھا۔ لیکن کفار عرب نے تو اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی اس طرح کس کر باندھی ہوئی تھی کہ آفتاب ہدایت کی جلوہ سامانیوں میں بھی انہیں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا۔

ان عظیم معجزات میں سے ایک معجزہ شق القمر کا ہے جس کی صداقت کے بارے میں اوپر لکھ چکا ہوں اور تفصیل سے ذکر کچھ دیر بعد میں آئے گا۔

کفار و مشرکین مکہ نے تو تحریک دین اسلام بانی تحریک دین اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے پیروکاروں کو نیست و نابود یعنی کہ جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی بھرپور کوششیں کیں اور بار بار کیں۔ انہوں نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ہر حربہ آزمایا اور ناکام رہے وہ پہلو بدل بدل کر ہر طرف سے ہر طرح تحریک دین اسلام پر حملہ آور ہوئے اور ہر دفعہ منہ کی کھائی۔

وقت رفتہ کے ساتھ تحریک دین اسلام زور پکڑتی گئی اور اس کے مقابلے میں مشرکین و کفار بھی اپنے ظلم و ستم ایذا رسانیوں میں اضافہ کرتے گئے۔ تحریک دین اسلام کو روک لینے کے لیے اسے کمزور کر دینے کی غرض سے انہوں نے مختلف اوقات میں بہت سے طریقے اپنائے تجاویز دیں و فود مشرکین نے ملاقاتیں کیں حاکم اعلیٰ مان لینے کی پیش کشیں کیں لیکن ان کی کوئی سوچ تدبیر سکیم منصوبہ بندی کا رگ نہ ہوئی۔

انہوں نے سن نبوت کے چوتھے سال میں ایک اور مکرہ چال چلی ایک اور علمی تاریخی منصوبہ بندی کی اور سب مشرکین نے مل کر یہ طے کیا کہ محمد (ﷺ) سے کوئی ایسے سوال پوچھے جائیں جن کا وہ جواب نہ دے سکیں تو دعویٰ نبوت جھوٹا ثابت ہو جائے گا اور پھر یہ تحریک دین اسلام اپنی موت آپ مر جائے گی ہمیں اسے ختم کرنے کے لیے زحمت نہیں کرنا پڑے گی۔

بہت مشکل سوالات تلاش کرنے کے لیے مشرکین مکہ کا دو آدمیوں پر مشتمل ایک وفد خصوصی طور پر مدینہ گیا اور وہاں سے یہودی علماء سے اس بارے میں تفصیل سے ماتحت استفسار کیا گیا۔

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۵۴۲) جلد دوم

اپنی قوم کی مشکلات پریشانیاں دور کرنے کے لیے اپنے ساتھ لے آئے۔

مشرکین و کفارِ مکہ کا ایک بڑا وفد وہ سوالات لے کر حضور انور نبی کریم رُف الرحیم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور سچی نبوت کے ثبوت میں ان سوالات کے جواب مانگ لیے۔

قارئینِ کرام! آپ اس واقعہ کے بارے میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں بس یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ مشرکین اپنی اس چال میں بھی بُری طرح ناکام ہوئے کیونکہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ نے انہیں چند دنوں بعد ان کے سوالات کے صحیح صحیح جواب فرمادیئے۔

مشرکین لگا تار ایک عرصے سے ناکامیوں سے دوچار تھے لیکن وہ بھی جلدی ہار ماننے والے نہ تھے انہیں اب تک یہ یقین ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنی فطرت و انا کے سبب فرعونیت سے باز نہیں آ رہے تھے۔ سن ۸ نبوت میں انہوں نے پھر ایک اجلاس طلب کیا اور سر جوڑ کر بیٹھے کہ اب ان سے کیا مطالبہ کریں جسے یہ کسی صورت میں بھی پورا نہ کر سکیں۔ اس اجلاس میں مکہ کے تمام سردار شریک ہوئے قیادت کرنے والے اکابر میں سے حسب معمول ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، نصر بن حارث اور اسود بن عبد یغوث جیسے لوگ موجود تھے۔

زبردست بحث ہوئی آخر تان اس پر آ کر ٹوٹی کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) بہت بڑے جادوگر ہیں زمین والوں پر جادو کر دیتے ہیں اس لیے کوئی آسمانی نشان طلب کیا جائے جس پر ان کا جادو نہ چل سکے اس مقصد کے لیے ان کی نظر چاند پر پڑی۔ چودہویں کی رات تھی بدر نے آن بان کے ساتھ آسمان پر طلوع ہونا تھا انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ان سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں۔ ظاہر ہے یہ مشکل کام ہے وہ نہیں کر سکیں گے اور ہم دعویٰ نبوت کو جھوٹا کہہ سکیں گے اور ہمیں ان کے خلاف مہم چلانے کا بہانہ ہاتھ آ جائے گا۔ وہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

”کیا آپ (ﷺ) کوئی ایسی نشانی دکھا سکتے ہیں جس سے ہم یہ جان سکیں کہ آپ (ﷺ) واقعی

اللہ کے رسول ہیں؟“ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۰)

اگر آپ سچے ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں ایک ٹکڑا ”کوہِ ابوقبیس“ پر ہو اور دوسرا ٹکڑا ”کوہِ قعقعان“ پر ہو؟ حضور پر نور ﷺ نے فرمایا اگر میں یہ معجزہ دکھا دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ ان سب نے

کہا ہاں! ہم ایمان لے آئیں گے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۰)

معجزہ شق القمر کا بیان قرآن حکیم میں سورہ قمر کی آیات ایک اور دو میں ہے:

اَقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۚ وَانْ يَّرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝

”پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند اور اگر دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو

جادو چلا آتا۔“

پہلی آیت کے شروع میں ان الفاظ ”پاس آئی قیامت“ سے بعض نا سمجھ لیکن اپنے آپ کو دانشور سمجھنے والے یہ معنی لیتے ہیں یا اس آیت مبارکہ کو یہ معنی پہنا دیتے ہیں کہ یہ تو اس وقت کے بارے میں بیان ہے (چاند کے ٹکڑے ہو جانے کا) جب قیامت نزدیک ہوگی حالانکہ ایسے لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قیامت کے بارے میں قرآن حکیم میں یہ کئی جگہ ارشاد ہے سورہ احزاب آیت 63 میں ہے:

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ ط وَمَا يُذِيرُكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ۝

”قیامت نزدیک ہے تمہیں کیا خبر کہ قیامت نزدیک آگئی ہو۔“ (سورہ احزاب آیت ۶۳)

اور دوسرا نقطہ جو بہت اہم ہے اور ایسے دانشوروں (نا سمجھ لوگ خود ساختہ دانش ور) کو معلوم ہونا چاہیے کہ قیامت سے پہلے اجرامِ فلکی چاند، سورج، ستارے زمین نے اجتماعی طور پر ٹوٹنا ہے بلکہ قیامت کے دن (اس کی طوالت کا پتہ نہیں ہے) سب اجرامِ فلکی نے بحکمِ قادرِ مطلق یک دم ٹوٹ جانا، ریت و غبار بن جانا ہے۔ اس میں ہماری زمین، چاند، ستارے، سورج، زمین پر مضبوط بلند و بالا پہاڑ بلکہ سب کچھ ہی شامل ہے۔ اب آپ سورہ قمر کی آیت ۲ پر غور کریں اس کے الفاظ پر غور کریں:

وَأَنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝

ترجمہ: ”اور اگر دیکھیں کوئی نشانی تو منہ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے چلا آتا۔“
یعنی کہ مشرکین و کفار کے خیال کے مطابق آپ ﷺ کا چاند کو دو دو جدا جدا ٹکڑے کرنا ایسی ہی نظر بندی ہے جیسے آپ ﷺ اس سے پہلے کرتے رہے ہیں۔

جو نا سمجھ حضرات معجزہ شق القمر کو قیامت سے ملاتے ہیں انہیں یہ خیال ہونا چاہیے کہ روزِ قیامت جب سب اجرامِ فلکی ٹوٹ کر ٹکڑا ٹکڑا ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ریت و غبار بن جائیں گے اس دن تو اس سماں کو دیکھ کر اس ہولناکی کو دیکھ کر فرعون، شذاذ ہامان، نمرود اور ابو جہل بھی تعلیماتِ انبیاء کرام علیہم السلام اور آسمانی کتب کی صداقت کو مان جائیں گے۔ ہر ایک کو اپنی ہی فکر پڑی ہوگی اس دن تمام انسانوں کی (اگلوں کی پچھلوں کی) جو حالت ہوگی وہ قرآن حکیم کی سورہ حج کی آیات ۱ اور ۲ اور سورہ معارج کی آیات ۸ سے ۱۴ تک میں پڑھ لیں۔ (یہاں ان کا ترجمہ لکھنے کی گنجائش نہیں ہے)

نا سمجھ حضرات کے خیال خام کے مطابق اس وقت لوگ کہیں گے کہ چاند کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا جادو ہے نظر بندی۔ میرے نا سمجھ بھائی قیامت کی ہولناکی کے سبب اس دن فرعون، شذاذ ہامان، نمرود و ابو جہل تو کیا

بڑے بڑے متقی پرہیزگار عابد بھی شروع شروع میں تو اپنے حواسوں میں نہ ہوں گے اور جب اس قابل ہوں گے کہ کچھ کہہ سکیں تو یہی کہیں گے کہ جو پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے جو اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن مجید، فرقانِ حمید میں فرمایا ہے وہ سب کا سب حق ہے سچ ہے اور اب اپنے اعمال کے مطابق جزایا سزا ضرور بالضرور پانی ہوگی اس سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔

وہ چاندنی رات تھی چودھویں کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا، پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور انور حبیبِ خدا تاجدارِ کائنات ﷺ کے دستِ مبارک بارگاہِ خداوندی میں دعا کے لیے اُٹھے چاند کی طرف انگلی مبارک کا اشارہ کیا، دیکھتے ہی دیکھتے منور تاباں چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا اب دونوں ٹکڑے الگ الگ نمایاں نظر آ رہے تھے۔ سرکارِ دو عالم رہبر کائنات ہادی انس و جاں حضور انور ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

”غور سے دیکھ لو اور گواہ ہو جاؤ۔“

وہ لوگ یہ دیکھ کر دم بخود رہ گئے، عقلیں جواب دے گئیں۔

انہوں نے غور سے چاند کو دیکھا پھر آنکھیں ملیں پھر اسے دیکھا، وہ واضح طور پر دو حصوں میں منقسم تھا، انہوں نے پھر آنکھیں ملیں اور اس کے بعد پھر اسے دیکھا چاند واقعتاً دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا یہ منظر انہوں نے کافی دیر تک دیکھا، وہ اس منظر کی کوئی توجیہ نہ کر سکے اور بے ساختہ چلا اُٹھے:

”اے محمد! (ﷺ) یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے۔“

ان کے نزدیک یہ ایک زبردست جادو کی کرشمہ نمائی تھی جس نے ان کی نظر بند کر دی تھی اور وہ فریبِ نظر کا شکار ہو گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے کھڑے کھڑے اس واقعہ کی صداقت کا ایک معیار مقرر کیا کہ مختلف مقامات سے آنے والے قافلوں کا انتظار کرو پس اگر انہوں نے بھی وہی کچھ دیکھا ہو جو تم نے دیکھا ہے تو اس کا مطلب ہوگا نبی نے سچ کہا ہے اگر انہوں نے وہ کچھ نہ دیکھا ہو جو تم نے دیکھا ہے تو اس کا مطلب ہوگا وہ جادو ہے جو اس نبی نے تم پر کر دیا ہے۔ جب ہر طرف سے مسافر آئے اور ان سے پوچھا گیا تو سب نے جواب دیا:

”ہم نے چاند کو دو حصوں میں منقسم دیکھا تھا۔“

مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے اور اسے خوفِ ناک جادو قرار دے کر خاموش ہو گئے۔

(الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۲۵)

علامہ قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مشرک اکٹھے ہو کر حضور پر نور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اگر آپ (ﷺ) سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر دکھائیے۔ حضور پر نور ﷺ نے فرمایا:

”اگر میں ایسا کروں تو کیا ایمان لے آؤ گے؟“

وہ بولے ضرور! اس رات کو چاند کی چودھویں تاریخ تھی، اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے اپنے رب سے عرض کی کہ کفار نے جو مطالبہ کیا ہے اسے پورا کرنے کی قوت دی جائے۔ چنانچہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ حضور پر نور ﷺ اس وقت مشرکین کا نام لے لے کر فرما رہے تھے:

”اے فلاں! اے فلاں! اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور اس بات پر گواہ رہنا، تمہاری فرمائش پوری ہو گئی۔“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کفار نے جب اس عظیم معجزے کو دیکھا تو ایمان لانے کے بجائے انہوں نے کہا:

”یہ ابی کبشہ (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) کے بیٹے کی نظر بندی کا اثر ہے۔“

اس نے تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے چند دنوں تک باہر سے قافلے آنے والے ہیں، ہم ان سے پوچھیں گے اس جادو کی حقیقت خود بخود کھل جائے گی جب وہ قافلے مکہ آئے اور ان سے پوچھا گیا کہ فلاں رات کو چاند کوشق ہوتے تم نے دیکھا ہے؟ سب نے اس کی تصدیق کی لیکن اس کے باوجود کفار مکہ کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

یہ معجزہ ہجرت سے پانچ سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، بڑے جلیل القدر صحابہ نے اسے روایت کیا ہے جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت علی مرتضیٰ، حضرت انس، حضرت ابن مسعود، حضرت جبیر ابن مطعم، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ شقِ قمر کے بارے میں صحیح احادیث بکثرت ہیں یہاں تک کہ بعض نے انہیں متواتر بھی کہا ہے۔ شارحِ مواقف کی بھی یہی رائے ہے۔

امام تاج الدین سبکی ابنِ حاجب ”المختصر“ کی شرح میں لکھتے ہیں:

”علامہ سبکی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک انشقاقِ قمر متواتر ہے اور قرآنِ کریم کی نص سے ثابت ہے۔

صحیحین کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی اتنی سندوں سے مروی ہے کہ اس کے تواتر میں شک

کی گنجائش نہیں رہتی۔“ (روح المعانی)۔

بعض قصہ گوؤں نے اس واقعہ پر مضحکہ خیز اضافے کیے ہیں کہ چاند حضور پر نور ﷺ کے گریبان میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا۔ علماء نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ سراسر باطل ہے۔

کثیر التعداد صحیح احادیث کے باوجود بعض لوگ اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا واقعہ

پیش آیا ہوتا تو ساری دنیا میں اس کی دھوم مچی ہوتی اس زمانے کے مورخ اپنی تاریخوں میں اس کا ذکر کرتے۔ علم نجوم کے ماہرین اپنی تصنیفات میں اس کو بطور یادگار واقعہ نقل کرتے۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ چونکہ یہ واقعہ سرشام ہوا تھا اس لیے جزیرہ عرب کے مغرب میں جو ممالک تھے وہاں اس وقت سورج چمک رہا تھا دن تھا لہذا وہاں تو دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز یہ واقعہ رات کو پیش آیا اور اچانک پیش آیا۔ لوگوں کو کیا خبر تھی کہ ایسا واقعہ رو پڑی ہونے والا ہے تاکہ وہ بے تابی سے اس کا انتظار کرتے رات کو دنیا سو رہی ہوگی کسی کو کیا خبر کہ آن کی آن میں کیا وقوع پڑی ہو گیا۔ اگر کوئی اس وقت جاگ بھی رہا ہو تو ممکن ہے وہ کسی اور کام میں مشغول ہو اور اس نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی ہو۔ اور اس نے دیکھا بھی ہو لیکن اُن پڑھ ہو یا کسی تعلیم یافتہ نے اسے لکھا بھی ہو اور پھر ضائع ہو گیا۔ غرض یہ کہ بیسیوں احتمالات ہو سکتے ہیں اتنے احتمالات کی موجودگی میں ہم صحیح روایات سے ثابت شدہ واقعہ کو کس طرح غلط کہہ سکتے ہیں۔

علامہ سلیمان ندوی نے اپنی کتاب خطباتِ مدارس میں لکھا ہے کہ ابھی ابھی سنسکرت کی ایک پرانی کتاب ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ مالا بار کے راجہ نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

بعض لوگ اس وجہ سے اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں کہ اتنا بڑا کرہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے اور وہ دونوں ٹکڑے آ کر جڑ جائیں یہ ناممکن ہے لیکن جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اسے ناممکن کہنا مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کرہ کے اندر آتش فشاں مادہ ہو اور وہ اس طرح پھٹے کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں لیکن مرکز کی مقناطیسی قوت اتنی طاقت ور ہو کہ وہ ان دونوں ٹکڑوں کو پھر سے یکجا کر دے۔ ہمیں ان تکلفات کی تب ضرورت پیش آتی جب خود بخود چاند پھٹنے کا واقعہ رونما ہوتا۔ یہ تو کفار و مشرکین مکہ کے طلب کرنے پر معجزہ دکھایا گیا تھا جو قادرِ مطلق نے آپ ﷺ کی دعا و درخواست قبول کرتے ہوئے فرمایا۔

سب سے بڑی دلیل

قارئین کرام! ایمان والوں کے لیے ماننے والوں کے لیے تو وہی سب سے بڑی دلیل ہے جو اس باب کے شروع میں بیان کر دی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ جو اس عظیم کائنات کا ہم سب کا سب کچھ کا خالق و مالک ہے اس کے لیے چاند تو کیا پوری کائنات کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دینا بہت آسان کام ہے اور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے چاند کو جو دو لخت کیا ہے وہ اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و اذن سے کیا ہے اور آپ ﷺ کا کرنا اللہ تبارک تعالیٰ کا ہی کرنا ہے۔

جب ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ کی رسالت کی تصدیق کے لیے چاند کو دو ٹکڑے کیا تو اب کسی کو شک کی مجال نہیں رہتی کیونکہ جس خالقِ حکیم نے اس چاند کو بنایا ہے وہ اسے توڑ بھی سکتا ہے اور توڑ کر جوڑ بھی سکتا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ انشقاق قمر وقوع قیامت کے وقت ہوگا، قرآن کا سیاق و سباق ان کی اس توجیہ کو قبول نہیں کرتا کیونکہ آیت مبارک کے یہ الفاظ ان یسروا الایۃ والا جملہ صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے انشقاق قمر دیکھا..... اتنے عظیم الشان اور محیر العقول معجزہ کا مشاہدہ کیا لیکن پھر بھی ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ یہ کلام اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب کہ شق قمر ہو چکا ہو۔ واللہ علی کل شیء قدير۔ اور اللہ تو ہر کچھ کرنے پر ہمہ وقت قادر ہے۔



تسلسل فروغِ دینِ اسلام

کفار و مشرکین مکہ اپنی طرف سے تو بہت چالاکی اور عیاری کی چالیں چلتے تھے، تدبیریں بناتے تھے۔ کفار مکہ نے تو اس سنگِ دلانہ بائیکاٹ کا پروگرام اور طویل عرصے تک اس پر سختی سے پابند رہنے کا اہتمام بھی یہ سوچ کر کیا تھا کہ وہ اس طرح اسلام کی ترقی کے سامنے مضبوط بند باندھ دیں گے لیکن قدرتِ خداوندی کی شان ہی نرالی ہے کہ ان کی یہی تدبیر و سوچ اسلام کی شہرت اور اس کی مقبولیت کا باعث بن گئی جو لوگ حج، عمرہ، تجارت اور دیگر مقاصد کے لیے مکہ میں آتے تو انہیں اس بائیکاٹ کا پتہ چل جاتا۔ قدرتی طور پر ان کے دلوں میں اس کے اسباب جاننے کی خواہش پیدا ہوتی اس طرح انہیں اس نئے دین کے بنیادی عقائد، انقلابی تعلیمات اور دلکش خصوصیات کا پتہ چلتا۔ نیز انہیں اس دینِ حق کے داعی اکمل کی دل نواز سیرت اور آلام و مصائب کے ہجوم میں اس کے معتقدین کی حیرت انگیز استقامت اور صبر کی داستانیں بھی سننے کا موقع ملتا۔

توفیقِ الہی جن کی دستگیری فرماتی ہے وہ تو اس دین کو قبول کر لیتے لیکن جو لوگ اس دین کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتے، وہ بھی اتنے متاثر ہوتے کہ جب وطن واپس جاتے تو اُٹھتے بیٹھتے سب کے سامنے اس نئی دینی تحریک اور اس کے حیرت انگیز عقائد کا تذکرہ ضرور کرتے۔ اس طرح اسلام کی تشہیر کا کام خود بخود انجام پذیر ہونے لگا۔ مکہ میں باہر سے آنے والا ہر نووارد اجنبی بڑی بے تابی سے اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔

مشرکین مکہ کا وہی رویہ

کفار و مشرکین مکہ دعوت و تبلیغِ دینِ اسلام کو روکنے کے لیے اور باہر سے آنے والے اجنبی لوگوں کو بانی دین حضور پر نور نبی کریم ﷺ سے دُور رکھنے کے لیے وہی پرانے آزمودہ حربے بڑی شد و مد سے استعمال کر رہے تھے۔ اہل مکہ نے جب دیکھا کہ اسلام کی شہرت دُور دراز علاقوں میں پہنچ رہی ہے اور لوگ اس میں دلچسپی لینے لگے ہیں تو انہوں نے حضور پر نور ﷺ کے دینِ متین کے خلاف غلط بیانی اور بہتان تراشیوں کی انتہا کر دی۔ وہ حضور انور ﷺ کو کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی ساحر کہتے۔ ان کا اس سے مقصد یہ تھا کہ باہر سے

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۵۴۹) جلد دوم

آنے والے لوگ حضورِ پُر نور ﷺ سے متنفر ہو جائیں نہ حضورِ پُر نور ﷺ کی بات سنیں اور نہ حضورِ پُر نور ﷺ کی مجلس میں جا کر بیٹھیں اگر کوئی اہم شخصیت مکہ میں وارد ہوتی تو اس کا اس طرح گھیراؤ کر لیا جاتا کہ اسے حضورِ پُر نور ﷺ کے قریب جانے کا موقع ہی نہ ملتا۔

مشرکین مکہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بہانوں بہانوں سے نووارد لوگوں کو ان راستوں سے ان جگہوں سے دُور رکھتے جہاں رسولِ کریم ﷺ سے اتفاقِ آنا سامنا ہو جانے کا امکان ہوتا۔ بس حرمِ کعبہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں جانے سے وہ لوگ جلدی یا معمولی بہانوں سے روک نہیں سکتے تھے اس میں بھی ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ نووارد کو ایسے وقت گھر پر دعوتِ خاص کے بہانے سے نہ جانے دیا جائے جب نبی کریم رُوف الرحیم ﷺ وہاں تشریف فرما ہوں۔ پھر بھی ان کے ہتھکنڈوں سے بچ کر کوئی نہ کوئی خوش نصیب انسان گاہے گاہے حضورِ پُر نور ﷺ سے شرفِ ملاقات پا ہی لیتا تھا۔

طفیل بن عمرو الدوسی کا قبولِ اسلام

کچھ اسی قسم کا واقعہ طفیل بن عمرو الدوسی کے ساتھ پیش آیا۔

طفیل قبیلہ دوس کا سردار تھا، اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے سارا قبیلہ اس پر جان چھڑکتا تھا اس کے اشارے پر وہ سب کچھ لٹانے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ عقل مند اور معاملہ فہم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ قادر الکلام اور اعلیٰ پائے کا شاعر بھی تھا اس کے اشعار اور قصائد کو سن کر عرب کے سخن ور شاعر وادیب سر دھنتے تھے۔ ایک دفعہ عمرہ ادا کرنے کے لیے وہ مکہ آیا۔ قریش کو اس کی آمد کا علم ہوا تو قریش کے رؤساء نے اس کی خاطر مدارت میں حد کر دی ہر وقت اس کے ساتھ چمٹے رہتے اور اسے دعوتوں محفلوں میں مصروف رکھتے۔ اس کو حضورِ پُر نور نبی کریم رُوف الرحیم ﷺ سے دُور رکھنے کے لیے ہر تدبیر بروئے کار لاتے۔

طفیل بن عمرو خود بیان کرتے ہیں کہ:

”میں جب مکہ پہنچا تو وہاں کے سرداروں نے مجھے نبی مکرم ﷺ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ بھلا چاہنے والوں کی حیثیت سے انہوں نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا:

”اے طفیل! تم ہمارے شہر میں تشریف لے آئے ہو ہمارے ہاں ایک شخص ہے جس نے ہمیں بڑی

مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے ہمارے اتحاد کو اس نے پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ہمارے حالات کو اس نے

پراگندہ کر دیا ہے اس کی گفتگو میں جادو کا اثر ہے۔ اس نے بیٹے اور باپ کو بھائی اور بھائی کو خاوند

اور بیوی کو ایک دوسرے سے جدا جدا کر دیا ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم بھی اس

مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے جس کا ہم شکار ہیں۔ اس لیے ہماری مخلصانہ گزارش ہے کہ اس کے

ساتھ گفتگو نہ کرنا اور ہرگز اس کا کوئی نام نہ لینا۔“ (السنن، ج ۱، ص ۱۰۰)

طفیل کہتے ہیں کہ وہ لوگ بار بار مجھے یہی نصیحتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ نہ میں ان کے پاس بیٹھوں گا اور نہ ان کی بات سنوں گا۔ حتیٰ کہ جب میں مسجد حرام میں جانے لگتا تو اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا کہ کہیں بے خبری میں ہی ان کی آواز میرے کانوں میں نہ پڑ جائے۔

طفیل اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے خود بتاتے ہیں کہ ایک روز میں حرم شریف میں گیا، وہاں اچانک میں نے دیکھا کہ حضور پر نور رحمیت دو عالم ﷺ کعبہ کے سامنے نماز ادا کر رہے ہیں، میں نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے چاہا اور میری مرضی کے بغیر اس کے محبوب ﷺ کی آواز میرے کانوں تک پہنچ گئی۔ چنانچہ جب میں نے دل آویز کلام سنا تو میں نے اپنے آپ کو سرزنش کرتے ہوئے کہا:

”میری ماں کے بچے مریں! بخدا میں ایک عقل مند آدمی ہوں اور شاعر بھی ہوں، کلام کے حسن و خوبی اور بُرے پن کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس شخص کی بات سننے سے مجھے روکنے والا کون ہے؟ اگر اس نے کوئی اچھی بات کہی تو قبول کر لوں گا اور اگر کوئی بُری بات کہیں گے تو اسے مسترد کر دوں گا۔“

چنانچہ میں وہاں رُک گیا۔ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے نماز پڑھی اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چل پڑا، حضور انور ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ (ﷺ) کی قوم نے مجھے آپ (ﷺ) کے بارے میں یہ باتیں بتائی ہیں۔ وہ مجھے حضور (ﷺ) سے ڈراتے رہے یہاں تک کہ اس خوف سے کہ آپ (ﷺ) کی آواز میرے کانوں کے پردوں سے ٹکرائے احتیاط میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ لیکن آج اچانک آپ (ﷺ) کی آواز میرے کانوں میں پڑی ہے جو مجھے پسند آئی ہے میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ (ﷺ) مجھے اپنی دعوت کے بارے میں خود بتائیں تاکہ اس کے متعلق میں کچھ فیصلہ کر سکوں۔

طفیل کہتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے مجھے اسلام کے بارے میں بتایا پھر قرآن کریم پڑھ کر سنایا۔ خدا کی قسم! اس سے زیادہ دل کش اور اثر آفرین کلام میں نے آج تک نہیں سنا تھا اور نہ اس دین سے بہتر کوئی اور دین میں جانتا تھا۔ میرے دل نے اس دعوت کی عظمت اور سچائی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اسی وقت حضور پر نور سرکارِ دو عالم ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

پھر میں نے عرض کی اے اللہ کے نبی! ﷺ میں اپنی قوم کا سردار ہوں، سب لوگ میرے حکم کی تعمیل کرتے ہیں، میں یہاں سے اب واپس ان کے پاس جا رہا ہوں، انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دوں گا۔ حضور انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ مجھے کوئی نشانی عطا فرمائے جو تبلیغ کے اس کام میں میری

معاون اور مددگار ثابت ہو۔ حضور پر نور ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی:

”اے اللہ! اس کو کوئی نشانی عطا فرما دے۔“

دولت ایمان اور نعمت یقین سے مالا مال ہو کر میں مکہ سے روانہ ہوا۔ جب اس وادی کے اونچے ٹیلے پر پہنچا جس کے دامن میں میری قوم کی بستی تھی جہاں سے نیچے والے لوگ مجھے دیکھ سکتے تھے رات کا وقت تھا، اچانک میری آنکھوں کے درمیان سے نور چمکنے لگا جیسے کسی نے چراغ روشن کر دیا ہو۔ میں نے عرض کی، یا اللہ! اس نور کو اس جگہ سے ہٹا کر کسی دوسری جگہ ظاہر فرما دے ایسا نہ ہو کہ لوگ کہنے لگیں کہ اس نے اپنے بتوں کو چھوڑا ہے جس کی سزا میں اس کے چہرے پر برص کا داغ ظاہر ہو گیا ہے۔ پھر اچانک وہ نور میری دونوں آنکھوں کے درمیان سے ہٹ کر میری سوئی کے ایک کنارے پر جگ مگانے لگا۔ جب میں نیچے اتر رہا تھا، میری قوم نے دیکھا کہ میری سوئی کے ایک کنارے پر روشنی چمک رہی ہے میں اپنے گھر پہنچ گیا۔ رات بسر کی، صبح سویرے میرے باپ جو کافی بوڑھے تھے مجھے ملنے کے لیے آئے تو میں نے کہا:

”ابا جی! آج سے میرا آپ کا تعلق ختم، آپ تشریف لے جائیں۔“

باپ نے پوچھا، بیٹا! کیا بات ہے؟

میں نے کہا، میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی قبول کر لی ہے۔ باپ نے یہ سن کر کہا جو دین تو نے قبول کیا ہے، میں بھی اسی دین کو قبول کرتا ہوں۔ میں نے کہا، جائے پہلے غسل کیجئے، پاک کپڑے پہنئے پھر میرے پاس تشریف لائیے، میں آپ کو اس دین کی تعلیم دوں گا جو مجھے دی گئی ہے۔ چنانچہ میرے والد گھر گئے، غسل کیا، پاک کپڑے پہنے اور واپس آئے، میں نے انہیں اسلام کے بارے میں بتایا اور انہیں کلمہ شہادت پڑھایا۔

طفیل کہتے ہیں پھر میری بیوی میرے پاس آئی، میں نے اسے بھی یہی کہا کہ یہاں سے چلی جا اب میرا تیرا کوئی تعلق نہیں۔

اس نے کہا، میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہو جائیں، ناراضگی کی وجہ کیا ہے، مجھے کوئی بات تو بتاؤ؟

میں نے کہا، اسلام نے میرے اور تیرے درمیان جدائی کر دی ہے اب تو میری بیوی نہیں رہی۔

اس نے بھی کہا کہ میں بھی وہی دین قبول کرتی ہوں جو تم نے قبول کیا ہے۔

میں نے اسے کہا کہ ذوشریٰ کی چراگاہ میں جاؤ وہاں چشمہ پر غسل کرو اور پھر آؤ۔ ذوشریٰ قبیلہ دوس کے بت کا نام تھا، ارد گرد کا علاقہ اس کے لیے وقف تھا وہاں پہاڑی سے ایک چھوٹی سی آبشار آ کر گرتی تھی۔ بیوی نے وہاں جانے سے پہلے اپنے خاوند کو کہا کہ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، کہیں یہ دیوتا ناراض ہو کر انہیں گزند نہ پہنچائے اس بات کا بھی خیال کر لو کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ طفیل نے مومنانہ یقین سے کہا:

”میں اس کا ضامن ہوں‘ تو فکر مت کر۔“

چنانچہ وہ بھی نہا کر کپڑے بدل کر آ گئی تو طفیل نے اسے بھی سلام کی تعلیم دی پھر اسے کلمہ شہادت پڑھایا۔ اپنے گھر والوں سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنے قبیلہ دوس کو دعوتِ اسلام دینا شروع کی لیکن انہوں نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کیا اور اپنے قدیم عقائد پر جمے رہے۔ میں قدرے مایوس ہو کر مکہ مکرمہ میں اپنے ہادیٰ برحق رہبر کائنات ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا ‘اے اللہ کے پیارے نبی! ﷺ میں نے اپنی قوم کو مسلمان بنانے کی بہت کوشش کی لیکن دنیا سے ان کی محبت اور لہو و لعب سے ان کا دلی لگاؤ انہیں مسلمان ہونے نہیں دیتا۔ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظمِ رحمتِ دو عالم ﷺ نے دعا کے لیے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور عرض کی:

”اے اللہ تبارک تعالیٰ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے۔“

پھر مجھے فرمایا:

”تم واپس چلے جاؤ‘ انہیں تبلیغ کرو لیکن نرمی اور محبت سے انہیں اسلام کی طرف بلاؤ۔“

آپ کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے سرگرم عمل رہا یہاں تک کہ نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے۔ بدرِ احد اور خندق کے معرکے بھی انجام پذیر ہو گئے ان کے بعد اپنی قوم کے نو مسلموں کو لے کر میں زیارت کے لیے روانہ ہوا ہمارا قافلہ جو قبیلہ دوس کے ستر (۷۰) اسی (۸۰) گھرانوں پر مشتمل تھا‘ مدینہ طیبہ پہنچا۔ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم سرکارِ دو عالم ﷺ خیبر کی مہم سر کرنے کے لیے تشریف لے گئے ہوئے تھے‘ ہم وہاں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے‘ ہماری دل نوازی فرماتے ہوئے ہمیں دوسرے مجاہدین کی طرح مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا۔

علامہ علی بن برہان الدین حلبی اپنی سیرت کی کتاب السیرۃ الحلبیہ میں لکھتے ہیں کہ:

”حضورِ پر نور ﷺ نے حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ کے قبیلہ اور حبشہ سے ہجرت کر کے خیبر میں حاضر ہونے والے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہمراہیوں کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دینے سے پہلے مجاہدینِ خیبر سے مشورہ کیا اور انہیں کہا کہ وہ انہیں بھی اموالِ غنیمت میں حصہ دار بنائیں۔ تعمیلِ ارشاد کرتے ہوئے سب نے خوشی خوشی اجازت دے دی تب ان دونوں گروہوں کو اموالِ غنیمت میں سے حصہ دیا گیا۔

علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ میری تحقیق یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان دونوں گروہوں کو ان اموال سے حصہ دیا جو خیبر کے ان دو قلعوں سے حاصل ہوئے تھے جو جنگ سے نہیں بلکہ صلح سے فتح ہوئے تھے اور یہ اموال وہ اموال تھے جو اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو بغیر لڑائی چڑھائی کے عطا کیے جنہیں اموالِ فنی کہا جاتا ہے۔ یہ اموالِ غنیمت میں سے نہ تھے اور اموالِ فنی کو امام وقت مجاہدین کے علاوہ دوسرے اہلِ اسلام میں بھی تقسیم کر سکتا ہے۔ (السیرۃ الحلبیہ، برہان الدین حلبی جلد ۱ صفحہ ۳۳۸)

حضرت طفیل الدوسی رضی اللہ عنہ کے دوسرے رفقاء شرفِ نیاز حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹ گئے لیکن وہ خدمتِ اقدس میں حاضر رہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اس پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ خانہ خدا جو جھوٹے بتوں کا مرکز بنا ہوا تھا، اسے ان نجاستوں سے پاک کیا گیا اور صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی وہاں عبادت کی جانے لگی۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن میں نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے حکم ہو تو میں ذوالکفین (جو عمرو بن حمہ کا بت تھا) کو جا کر نذرِ آتش کر دوں؟ حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی اجازت سے میں وہاں پہنچا جہاں ذوالکفین کا بت نصب تھا۔ اس پر ایندھن رکھا اس کو آگ لگائی وہ جل کر خاکستر ہو رہا تھا اور اس کا پرانا بجاری جواب ساقی کوثر کے مہ خانہ سے توحید کی شرابِ طہور سے سرخوش تھا وہ یہ شعر الاپ رہا تھا:

”اے ذوالکفین! میں تیرے پجاریوں سے نہیں ہوں، ہماری تاریخ پیدائش تیری تاریخ پیدائش سے بہت پہلے کی ہے، میں نے تیرے دل میں آگ جھونک دی ہے۔“

اس بت کو جلا کر رکھ کر دینے کے بعد پھر یہ حضور پُر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی بارگاہِ عالی میں حاضر ہو گئے اور آخر وقت تک نعمتِ دیدار سے مالا مال ہوتے رہے۔ حضور پُر نور ﷺ کے پردہ فرما جانے کے بعد جب فتنہ انکارِ ختم نبوت نے اسلام کی نواغیز مملکت کو ہلا کر رکھ دیا تو حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ اپنے نو جوان فرزند عمرو کے ساتھ اس جہاد میں پیش پیش رہے یہاں تک کہ مسلّمہ کذاب کے خلاف فیصلہ کن معرکہ میں یمامہ کے مقام پر شہادت پائی اور ان کا فرزند ادشجاعت دیتا ہوا شدید زخمی ہوا لیکن وہ صحت یاب ہو گیا۔ آخر کار شہید باپ کا بیٹا عہدِ فاروقی میں یرموک کے میدان میں شہید ہوا۔ رضی اللہ عنہما۔

(السيرة النبوية، ابن هشام جلد ۱ صفحہ ۴۰۷ تا ۴۱۱ اور دیگر کتب سیرت)

رُکانہ پہلوان

رُکانہ قبیلہ قریش میں سب سے زیادہ طاقت ور دلیر اور کشتی کے فن میں بڑا ماہر تھا۔ وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر مار دھاڑ بھی کر لیا کرتا تھا۔ اسے آپ ﷺ کے دعویٰ نبوت کا علم تھا اور ابھی تک ایمان نہیں لایا تھا۔ کوہ ”اضم“ کے دامن میں ایک شاداب وادی تھی جہاں یہ بکریاں چرا لیا کرتا تھا اس کی وادی میں کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، لوگ یہاں سے کترا کر نکل جاتے تاکہ رُکانہ پہلوان کا سامنا نہ ہو۔

ایک روز اسی وادی میں حضور پُر نور ﷺ تنہا تشریف لے آئے اتفاق ایسا ہوا کہ گزرتے ہوئے رُکانہ سے ملاقات ہو گئی۔ حضور انور ہادی انس و جان ﷺ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس سے فرمایا، اے رُکانہ! کیا تمہیں اللہ تبارک تعالیٰ کا خوف نہیں؟ کیا تم میری دعوت کو قبول نہیں کرو گے؟

اس نے کہا، اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ آپ (ﷺ) جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں، وہ حق ہے تو میں

اسے ضرور قبول کر لیتا اور آپ (ﷺ) کی پیروی کرتا۔

حضور پر نور ﷺ نے فرمایا، اگر میں تمہیں پچھاؤں تو کیا تم تسلیم کر لو گے کہ میری دعوت سچی ہے؟ اس نے کہا، بے شک! اسے زعم تھا کہ اس جیسے شہ زور اور قوی الجشہ بڑے قد و قامت والے پہلوان کو پچھاؤں کوئی بچوں کا کھیل نہیں، اسے یہ گمان تھا کہ وہ چشم زدن میں حضور پر نور ﷺ کو دبوچ لے گا۔

رُکانہ کو اپنی کامیابی کا یقین تھا اس لیے اس نے پہلے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ وہ پرانے خیالات و نظریات کا آدمی تھا، غرور میں آ گیا اور آپ ﷺ کو مخاطب کر کے بولا:

”آپ (ﷺ) ہی ہیں جو ہمارے لات وعزّیٰ کو گالیاں دیتے ہیں۔ اے محمد! آپ (ﷺ) ہمارے معبودوں کو ناتواں ٹھہراتے ہیں اور اپنے خدا کی بڑائی بیان کرتے ہیں؟ اگر میرا آپ (ﷺ) کے ساتھ خاندانی رشتہ نہ ہوتا تو آج کشتی کی آڑ میں آپ (ﷺ) کا کام تمام کر دیتا۔“

لیکن اب آپ (ﷺ) آگے آئیں (میدان میں آئیں) اور اپنے قول کے مطابق میرے ساتھ کشتی لڑیں۔ میں اپنے خداؤں کو پکاروں گا، آپ (ﷺ) اپنے خدا کو مدد کے لیے پکاریں۔ اگر آپ (ﷺ) غالب آگئے تو میں آپ (ﷺ) کو دس بکریاں دوں گا۔ حضور پر نور تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ نے اطمینان سے فرمایا:

”مجھے تمہاری تجویز منظور ہے، میدان میں آ جاؤ۔“

رُکانہ عرب کا نامور پہلوان تھا، تمام پہلوان اس سے خوف کھاتے تھے، ڈرتے تھے، وہ جانور کی کھال پر تن کر کھڑا ہو جاتا پھر پہلوانوں کو حکم دیتا کہ اس کے نیچے سے کھال کھینچیں۔ اس کشمکش میں وہ کھال پھٹ جاتی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ان کے ہاتھوں میں آ جاتی تھی مگر اس کے نیچے سے کھسکتی نہیں تھی۔

حضور انور ﷺ نے ہاتھ میں ہاتھ دیا، دستِ نبوت ﷺ سے اس کا پنجہ مروڑا تو اس کے ہوش اڑ گئے، وہ درد سے بلبلا اٹھا، اس کی چیخیں نکل گئیں جب حضور انور سرکارِ دو عالم ﷺ نے اسے جھٹکا دیا تو وہ خزاں زدہ پتے کی طرح جھڑ گیا، زمین پر چیت آ پڑا، اور وہ ہکا بکا رہ گیا۔ یہ انجام اس کی توقع کے بالکل برعکس تھا اس نے اسے اتفاق پر محمول کیا اور دوبارہ کشتی لڑنے کی استدعا کی۔ دوسری بار بھی حضور پر نور ﷺ نے اسے بڑی آسانی سے پچھاڑ دیا۔ اب تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی تاہم اب مزید اطمینان کے لیے اس نے آخری بار کشتی لڑنے کی خواہش ظاہر کی اس بار بھی کوئی دیر نہ لگی، وہ پلک جھپکنے میں چاروں شانے چت گر گیا۔ رُکانہ اٹھا اور اپنے تاثرات یوں بیان کیے:

”یہ سب کچھ آپ (ﷺ) نے نہیں کیا بلکہ آپ (ﷺ) کے غالب و قادر اور حکیم رب نے آپ (ﷺ) کی امداد کی ہے اور میرے خداؤں نے میری کوئی مدد نہیں کی۔“

چونکہ آپ ﷺ نے مجھے تین بار پچھاڑا ہے اس لیے تمیں (۳۰) بکریاں لے جائیں۔
پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے فرمایا:

”اے زُکانہ! مجھے تمہارے مال سے کوئی دلچسپی نہیں البتہ تجھے اسلام کی پھر دعوت دیتا ہوں، اسلام لے آؤ سلامت رہو گے اور آگ میں جلنے سے بچ جاؤ گے۔“
اس نے کہا:

”میں اسلام نہیں لاؤں گا ہاں اگر آپ (ﷺ) اپنی سچائی کی کوئی اور نشانی پیش کر دیں تو اس موضوع پر غور کیا جاسکتا ہے۔“
حضور انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے فرمایا:

”اگر تیرے دل میں خدا کا خوف ہو اور تو میری دعوت کو قبول کرنے کا وعدہ کرے تو میں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز چیز تمہیں دکھانے کے لیے تیار ہوں۔“ پوچھنے لگا، وہ کیا؟ حضور انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے فرمایا، میں تیری رہنمائی کے لیے یہ سامنے جو درخت کھڑا ہے اسے بلاتا ہوں، وہ ابھی میرے پاس آ جائے گا۔ وہ سراپا حیرت بن کر کہنے لگا، اچھا! بلائیے! حضور پر نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے درخت کو حکم دیا، وہ چلتا ہوا حاضر خدمت ہو گیا۔

زُکانہ بولا، بہت خوب! واقعی بہت بڑی نشانی ہے اب اسے حکم دیں کہ واپس چلا جائے اور پہلی حالت میں آ جائے۔ حکم سنتے ہی وہ واپس مڑا اور جا کر پہلے کی طرح زمین میں اپنی جگہ پر ساکت و جامد ہو گیا، گڑ گیا۔ زُکانہ کے دل میں اب بھی ایمان قبول کرنے کے لیے کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی۔ وہ سوچوں میں گم ہو گیا اور بولا، اے محمد! ﷺ آج تک کسی نے زمین کے ساتھ میری پیٹھ نہیں لگائی، اس حقیقت سے مکہ کے مردوزن اور پیرو جواں سب واقف ہیں، آج میں اپنے دل ہی میں بڑی خفت اور شرمندگی محسوس کر رہا ہوں، مجھے گرا کر آپ (ﷺ) نے تو میرے غرور کو خاک میں ملا دیا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وعدے کے مطابق بکریاں لے لیں، میں ایمان نہیں لاؤں گا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے بے نیازی سے فرمایا، مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں، یہ اپنے پاس رکھو۔

زُکانہ پہلوان دامن جھارتا ہوا وہاں سے اٹھا۔ اس کا شرمندگی سے سراو پر نہیں اٹھ رہا تھا، سیدھا اپنی قوم کے پاس آیا اور انہیں کہنے لگا، اپنے صاحب (محمد ﷺ) کے جادو کے بل پر تم اہل زمین پر غالب آ سکتے ہو۔ میں نے آج تک ایسا زبردست جادو گر کوئی نہیں دیکھا پھر اس نے اپنا واقعہ ان سب کے سامنے من و عن یعنی کہ جیسا حقیقت میں اس کے ساتھ ہوا تھا، انہیں سنایا۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۱۸)

جب آپ ﷺ وادی اضم سے باہر نکلے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نظر آئے، وہ آئے۔

ﷺ کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی، عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! ﷺ یہ رُکانہ کی وادی ہے، وہ متعصب قسم کا دشمن ہے اگر دیکھ لیتا تو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا، آپ ﷺ ادھر تنہا تشریف نہ لایا کریں۔

حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ مسکرائے اور ارشاد فرمایا، آج اس سے نہ صرف سامنا ہوا اور باتیں ہوئیں بلکہ کشتی بھی ہوئی اور ہم نے اسے تین مرتبہ پچھاڑا۔ ان حضرات (رضی اللہ عنہم) کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی اور چونکہ حقیقت شناس تھے اس لیے دوسرے ہی لمحے بات کی تہہ تک پہنچ گئے کہ اسے اعجازی قوت کے ساتھ پچھاڑا گیا ہے۔ (الخصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ دلائل النبوة لابی نعیم صفحہ ۳۳)

ایک دوسری روایت ہے جس کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

”رُکانہ نے ایک مرتبہ پچھاڑنے پر سو بکریاں دینے کا وعدہ کیا تھا اور آپ ﷺ نے تین مرتبہ پچھاڑ کر تین سو بکریاں جیت لیں۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے اس کی بکریاں واپس کر دیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے جو حوالہ دیا ہے اس میں ہے، وہ اتنے بڑے نقصان پر رونے لگ گیا تھا جس پر آپ ﷺ نے اس کی ساری بکریاں واپس کر دیں۔ (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ڈاکٹر محمد حمید اللہ صفحہ ۸۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رُکانہ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے معجزے اور اخلاق سے متاثر ہو کر کہا:

”اے محمد! ﷺ آج سے پہلے کسی نے زمین کے ساتھ میری پشت نہیں لگائی تھی اور آپ (ﷺ)

سے زیادہ کوئی شخص بُرا نہیں لگتا تھا لیکن اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ معبودِ برحق ہے اور آپ

(ﷺ) اس کے رسول ہیں۔“ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۴)

علامہ ابن کثیر نے اس واقعہ کو پہلے اس طرح لکھا ہے اس کے بعد ”قُلْتُ“ یعنی میں کہتا ہوں، لکھ کر ابو بکر

الشافعی کی روایت باسناد مضبوط و صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں ذکر کی ہے

کہ یزید بن رُکانہ نے حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ سے یکے بعد دیگرے تین بار کشتی لڑی

اس نے کہا تھا کہ اگر آپ (ﷺ) مجھے گرا لیں تو میں آپ (ﷺ) کو ایک سو بکریاں دوں گا۔ حضور پر نور

نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے تین بار اسے پچھاڑ دیا جب وہ تیسری مرتبہ چاروں شانے چت زمین پر گرا

تو کہنے لگا، یا محمد! ﷺ آج تک کسی نے میری پشت زمین سے نہیں لگائی، آج سے پہلے آپ (ﷺ) سے

زیادہ مجھے مبغوض (ناپسند بُرا) کوئی نہیں تھا لیکن آج آپ (ﷺ) سب سے اچھے ہیں اور میں صدقِ دل

سے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ حضور ﷺ اس کی

چھاتی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی بکریاں اسے واپس کر دیں۔

(السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۸۳)

حضرت ضحّا از دی رضی اللہ عنہ

از دشمنوۃ عرب کے نامور قبیلوں میں سے ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اس قبیلے کا ایک رئیس ضحّا از دی مکہ آیا یہ ان مریضوں کو دم کیا کرتا تھا جنہیں آسیب یا جنات کی تکلیف ہوتی تھی۔ اسے یہاں کے چند احمقوں نے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے بارے میں بتایا کہ انہیں آسیب کی تکلیف ہے۔ وہ بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں انہیں غشی کے دورے پڑتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک نئے مذہب کا پراپیگنڈہ بھی بڑے زور و شور سے کرتے ہیں جس کی وجہ سے سارے شہر میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔ ایسے بیماروں کے لیے تیرا دم بڑا اکیسر ہے اگر تم ان کو دم کرو تیرے دم سے وہ صحت یاب ہو جائیں تو ساری قوم تیری شکر گزار ہوگی۔

اس نے دل میں طے کیا کہ اگر میری اس شخص سے ملاقات ہوئی تو میں ضرور اسے دم کروں گا۔ شاید اللہ تبارک تعالیٰ اسے میرے ذریعے شفا یاب کر دے۔ چنانچہ اس نے ایک روز حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو حرم کے صحن میں بیٹھے دیکھا۔ وہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میرے پاس آسیب کا بڑا آزمودہ اور کامیاب دم ہے اللہ تبارک تعالیٰ جس کو چاہتا ہے میرے دم سے اس کو صحت بخش دیتا ہے کیا آپ (ﷺ) کی مرضی ہے کہ میں آپ (ﷺ) کو دم کروں۔

اس کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ یوں گویا ہوئے:

”تمام تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ہیں ہم اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اسی سے مدد چاہتے ہیں جس کو اللہ ہدایت دے دیتا ہے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جو خود اپنے عمل کی وجہ سے گمراہ ہو جائے اس کا کوئی ہادی نہیں ہوتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تبارک تعالیٰ کے محبوب بندے اور رسول ہیں۔“

ضحّا یہ کلمات طیبات سن کر بے خود ہو گیا اور عرض کی ایک بار پھر یہ ارشاد دہرائے۔ ہادی برحق ﷺ نے اس کی فرمائش پر تین بار ان کلمات کو دہرایا انہیں سننے کے بعد ضحّا کہنے لگا:

”میں نے کاہنوں، جادو گروں کے اقوال سنے شعراء کے اشعار سنے لیکن میں نے آپ (ﷺ) کے ان کلمات کی مثل کوئی کلام نہیں سنا ہاتھ آگے بڑھائیے تاکہ میں آپ (ﷺ) کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کروں۔“

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور سرکارِ دو عالم ﷺ نے دستِ مبارک بڑھایا اس نے بیعت کر لی پھر حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا یہ بیعت صرف تمہاری طرف سے نہیں بلکہ تیری قوم کی طرف سے بھی ہے اس نے کہا بے شک! یہ بیعت میری قوم کی طرف سے بھی قبول فرمائیں۔

مکہ میں وفدِ نجران کی آمد اور ان کا قبولِ اسلام

نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد جو تقریباً بیس (۲۰) افراد پر مشتمل تھا، مکہ مکرمہ میں بارگاہِ رسولِ کریم ﷺ میں حاضری سے مشرف ہوا۔ نجران مکہ اور یمن کے درمیان ایک شہر کا نام ہے، ان لوگوں نے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کا ذکر خیر ان مہاجرین سے سنا تھا جو اہل مکہ کے جو رستم سے تنگ آ کر ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ یہ وفد جب مکہ پہنچا تو اس وقت سرکارِ دو عالم ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے، یہ لوگ وہیں حاضر ہو گئے اور جو سوالات اور شبہات ان کے دل میں کھٹک رہے تھے، وہ ایک ایک کر کے پوچھتے گئے۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ روئے و رحیم ﷺ ان کا جواب ارشاد فرماتے گئے۔

قریش مکہ اپنی اپنی مجالس میں بیٹھے ان نوواردوں کے احوال و اعمال کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ جب وہ اپنے سوالات عرض کر چکے اور ان کے تسلی بخش جوابات سن کر ان کے دلوں کو اطمینان حاصل ہو گیا تو اب ہادیٰ برحق رہبر کائنات ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآنِ کریم کی چند آیات بینات کی تلاوت فرمائی جب انہوں نے کلامِ الہی سنا تو ان پر رقت طاری ہو گئی اور ان کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔

تلاوت ختم ہوئی تو ان سب سے کلمہ شہادت پڑھا اور حضور پر نور نبی کریم ﷺ روئے و رحیم ﷺ کے دستِ حق پرست پر اسلام کی بیعت کر لی۔ ان کو یقین ہو گیا کہ جس نبی منتظر کے بارے میں وہ اپنی آسمانی کتابوں میں پڑھا کرتے تھے، بلاشبہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں۔ جب نورِ ایمان سے اپنے تاریک دلوں کو منور کر چکے تو اجازت طلب کی اور واپس جانے لگے۔ یہ لوگ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ کفارِ قریش نے ان کو گھیرے میں لے لیا۔ ابو جہل نے افسوس، طعن و ملامت کی بوچھاڑ شروع کر دی اور انہیں کہا:

”اللہ تبارک تعالیٰ تمہارے قافلے کو تباہ و برباد کرے، تمہارے پیچھے جو تمہارے ہم مذہب ہیں، انہوں نے تمہیں یہاں بھیجا ہے تاکہ اس شخص کے حالات کا مشاہدہ کرو اور پھر واپس جا کر انہیں ان حالات سے خبردار کرو۔ جو ہی تمہیں یہاں محمد (ﷺ) ان کی محفل میں بیٹھنے کا موقع ملا تو فوراً تم نے اپنا دین ترک کر دیا اور جو کچھ اس (ﷺ) نے کہا اس کی تصدیق کر دی۔ ہمیں معلوم نہیں کہ تم سے زیادہ احمق اور بے وقوف کارواں ہم نے کبھی دیکھا ہو۔“

انہوں نے افسوس، طعن و ملامت کے تیروں کی اس بوچھاڑ کو بڑے صبر اور تحمل سے برداشت کیا اور انہیں صرف اتنا جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ جاہلوں، اُجڑوں کی طرح گفتگو کرنا نہیں چاہتے جو نعمت ہمیں ملی ہے، وہ ہمیں نصیب رہے اور جس راستے پر تم گامزن ہو، تم اس پر قائم رہو، ہمیں تم سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ یہ خوش بخت اور خوش نصیب کارواں دارین کی سعادتوں کے خزانے اپنے دلوں میں سمیٹے اپنے وطن واپس

چلا گیا۔

ان ہی کے بارے میں سورہ مائدہ کی آیت 83 نازل ہوئی:

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ
ج يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝

ترجمہ ”جب سنتے ہیں (قرآن) جو اُتارا گیا رسول (ﷺ) کی طرف تو تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو
کہ چھلک رہی ہوتی ہیں آنسوؤں سے اس لیے کہ پہچان لیا انہوں نے حق کو کہتے ہیں اے ہمارے
رب! ہم ایمان لے آئے پس تو لکھ لے ہمیں (اسلام کی صداقت کی) گواہی دینے والوں میں۔“

(سورہ المائدہ آیت ۸۳)

علامہ جلی نے تو سیرت حلبیہ میں یہ بیان کیا ہے کہ یہ وفد نجران کے عیسائیوں کا تھا لیکن امام ابن ہشام
نے تحریر کیا ہے کہ یہ نصاریٰ حبشہ کے رہنے والے تھے وہاں ان کی ملاقات مہاجرین سے ہوئی زیارت کا شوق
انہیں کشاں کشاں مکہ لے آیا یہاں دولت ایمان سے مالا مال ہو کر واپس چلے گئے۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۱۸، ۳۱۹)

ہائے رے بد نصیبی

قارئینِ کرام!

”اللہ تبارک تعالیٰ کی شان اس کا نظام اس کی قدرت کہ کہیں تو دور دور سے طویل عرصے تک رہنمائی کرتا
لاتا ہے اور وہ بالآخر ہدایت دے دیتا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہی کی مثال لیجیے کہ وہ کہاں سے چلے کتنے
کتنے طویل و دشوار گزار فاصلے طے کیے۔ کہاں کہاں پہنچے کتنے دینِ راہِ حق کی تلاش میں اختیار کیے اور کتنے دینی
رہنماؤں کی خدمت کی۔ عمر عزیز کے کوئی چالیس (۴۰) پچاس (۵۰) سال صرف حق کی تلاش میں بہت طویل
سفر کرتے ہوئے گزارے۔ راہِ حق کی تلاش میں بکے اور پھر مزدور بن کر یثرب پہنچ کر بھی تیرہ (۱۳) سال
انتظار کیا اور آخر کار چشمہ ہدایت سے جی بھر کے سیراب ہوئے اور اپنی مراد فلاح دارین پا گئے۔

اور کہیں اس کے بالکل برعکس دیکھیں کہ ابو جہل اور اس کے ہموا دیگر سردارانِ مکہ شب و روز حضور پر نور
نبی کریم رؤف الرحیم صادق و امین ﷺ کے نزدیک رہے دیکھتے رہے سنتے رہے اور حضور پر نور ﷺ کو برحق
رسولِ برحق جانتے ہوئے بھی دولتِ ایمان سے محروم رہے۔

اور کہیں یہ کہ حق اور راہِ حق کو جان کر پہچان کر اس سے ہدایت پانے کے لیے اس کی طرف گامزن ہوئے
اور راستے میں شیطان نے بہکا دیا اور فلاح دارین سے یکسر محروم کر دیا۔

درج ذیل واقعہ ایک ایسے ہی شخص کا ہے کہ وہ اس سنگہ سے گزر کر

رؤف الرحیم ﷺ سے مکہ میں خود ملاقات کرے گا اور اسلام لائے گا۔ چلنے سے پہلے اس نے دین اسلام اور بانی دین اسلام (ﷺ) کی خوبیوں کے بارے میں کئی خوب صورت اشعار لکھے اور ان میں اپنی عقیدت و محبت کا اظہار بھی خوب کیا۔ لیکن اس کی بد قسمتی کہ اسے راستے میں شیطان کے چیلے مل گئے اور وہ ان کی دنیا داری کی باتوں میں آ گیا اور یوں وہ نورِ نبی (ﷺ) سے منور ہونے کے بجائے اور ضلالت و ظلمتوں میں ڈوب گیا۔ جنت کے قریب آتے آتے دوزخ کے گڑھے میں گر گیا۔

دیدہ بینا کے لیے اس واقعہ میں بہت سبق ہیں۔ اور میں اسے اسی نیت سے یہاں بیان کر رہا ہوں۔ کاش کہ ہم اللہ تبارک تعالیٰ کی ان بیش بہا نعمتوں کا صحیح معنوں میں ادراک کر سکیں اور ان کے لیے خلوص دل سے اپنے رب کے شکر گزار ہوں اور اس کے شکر گزار بندے بنیں۔ آمین!

اعشیٰ بن قیس کا وہ واقعہ حسب ذیل ہے

قبیلہ بن بکر بن وائل کا ایک رئیس جس کا نام اعشیٰ بن قیس بن ثعلبہ تھا، وہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر کے گھر سے روانہ ہوا اس نے پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم سرکارِ دو عالم ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا جس میں حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی شان رفیع اور خصال حمیدہ کے بیان کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات عقیدت و محبت کا اظہار بھی بڑی وارفتگی سے کیا تھا۔

جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو بعض مشرکین سے اس کی ملاقات ہو گئی، انہوں نے پوچھا، اے اعشیٰ! کدھر کا قصد ہے؟ اس نے انہیں بتایا کہ اسلام قبول کرنے کے لیے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ انہوں نے اسے کہا، یا ابا بصیر! (یہ اعشیٰ کی کنیت تھی) تم اسلام قبول کرنے تو جا رہے ہو لیکن تمہیں علم ہے کہ اس مذہب میں زنا قطعاً حرام ہے، تم اس کے بغیر کیسے صبر کر سکو گے؟ اس نے کہا، بخدا! اب مجھے اس کی کوئی خواہش نہیں رہی۔

انہوں نے دوسرا وار کیا، کہا اسلام تو شراب کو بھی حرام قرار دیتا ہے، کیا تم شراب سے اجتناب کر سکتے ہو؟ یہ سن کر وہ گھبرایا، کہنے لگا:

”بے شک یہ چیز بڑی مشکل ہے نفس اس پر شاید قادر نہ ہو۔“

پھر کہنے لگا، اچھا اب تو میں واپس جاتا ہوں، ایک سال اس مسئلے پر غور کروں گا، آئندہ سال پھر آؤں گا اور اسلام قبول کروں گا۔ چنانچہ بد بختی اسے واپس لے گئی لیکن موت نے مہلت نہ دی کہ وہ آئندہ سال حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتا اور کفر کی حالت میں ہی وہ عالمِ آخرت کو سدھارا۔ (السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۶)



حزن و ملال کا سال

شعب ابی طالب کی محسوری سے پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظمِ رحمتِ دو عالم ﷺ اور حضور ﷺ کے ہمراہیوں کی رہائی نبوت کے دسویں سال میں ہوئی۔ مشہور سیرت نگار موسیٰ بن عقبہ کی تحقیق کے مطابق یہ مدت تین سال تھی جس کا آغاز ماہِ محرم نبوت کے ساتویں سال سے ہوا تھا اور محمد بن سعد کی روایت یہ ہے کہ یہ مدت دو سال تھی بہر حال اس طویل عرصہ میں محصورین کو جن مصیبتوں، دشواریوں اور محرومیوں کا سامنا کرنا پڑا اس کے بارے میں آپ ابھی پڑھ آئے ہیں۔

ان جاں گداز اور روح فرسا تکالیف کے باوجود حضور انور سرکارِ دو عالم ﷺ کا شوقِ تبلیغ کم نہیں ہوا بلکہ ان مصائب نے اس میں اضافہ ہی کیا، ذوق و شوق میں افزائش ہی ہوئی۔ ظالمانہ حصار کے ٹوٹ جانے کے بعد رہبر کائنات ہادیٰ برحق ﷺ نے اپنا فریضہ رسالت پہلے سے بھی کئی گنا زیادہ سرگرمی سے ادا کرنا شروع کر دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اب حالات قدرے پرسکون رہتے اور حضورِ نور ﷺ پوری قوت اور پوری یک سوئی سے گم کردہ راہِ مخلوق کو صراطِ مستقیم کی طرف راہبری کرتے لیکن قدرتِ الہی کی حکمتوں کا کون احاطہ کر سکتا ہے۔

اس محاصرے کو ختم ہوئے ابھی پورا مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ مشفق و مہربان چچا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ داغِ مفارقت دے کر عالمِ جاوداں کو سدھارے۔ قلب و جگر کو پارہ پارہ کر دینے والے اس صدمہ پر ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے بھی پیکِ اجل کو لبیک کہا اور فردوسِ بریں میں جا کر فروکش ہو گئیں۔ یہ دو صدمے سرکارِ دو عالم ﷺ کے قلبِ مبارک کے لیے بڑے غم انگیز اور اندوہناک صدمے تھے اس لیے اس سال کو ”عام الحزن“ (غم و اندوہ، حزن و ملال کا سال) کے نام سے موسوم کیا گیا۔

بعض مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی وفات پہلے ہوئی اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے آپ کے بعد انتقال کیا لیکن صحیح قول یہی ہے کہ پہلے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اور ان کے چند روز بعد اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ رضی اللہ عنہا نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔

مشہور قول یہ ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت خدیجۃ رضی اللہ عنہا کی وفات سے پہلے ہوئی، یہ

دونوں وفاتیں ایک سال میں ہوئی اور ہجرت سے تین سال پہلے ہوئیں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۲ صفحہ ۵۶۳)

وفات حضرت ابوطالب

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے انتقال پر ملال کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر اولین سیرت نگار ابن اسحاق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”جب مشرکین قریش کو آپ کی بیماری کا علم ہوا تو انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ حمزہ، عمر بن خطاب جیسے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور آپ کی دعوت آہستہ آہستہ قریش کے جملہ قبائل میں بھی اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ اٹھوسب ابوطالب کے پاس چلیں اب ان کا آخری وقت ہے شاید ان کی کوشش سے ہمارے درمیان اور محمد (ﷺ) کے درمیان کچھ مفاہمت ہو جائے۔ کچھ ہم ان کی باتیں مان لیں کچھ وہ ہماری باتیں مان لیں اس طرح ہمیں اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے گا۔ آخر میں انہوں نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔“

”ورنہ ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہمارا خاتمہ کر کے چھوڑیں گے۔“

یہ طے کرنے کے بعد مکہ کے رؤسا میں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب اور چند دوسرے آدمی مل کر حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور بایں الفاظ اپنی غاضبی کا مدعا بیان کیا۔

اے ابوطالب! ہمارے دلوں میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے اس سے آپ باخبر ہیں۔ اب آپ کی یہ حالت ہے ہم آپ کے بارے میں طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا ہیں، ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان جو نزاع ہے وہ آپ کو بخوبی معلوم ہے، ہماری خواہش ہے کہ آپ انہیں بتلائیں اور ہماری اور ان کی صلح کرادیں۔ کچھ ہماری باتیں ان سے منوائیں اور کچھ ان کے مطالبات ہمیں ماننے کا حکم دیں تاکہ وہ ہمیں کچھ نہ کہیں اور ہم انہیں کچھ نہ کہیں۔ وہ ہمارے حال پر رہنے دیں، ہم جانیں اور عقائد اور ہم ان کو ان کے حال پر رہنے دیں وہ جانیں اور ان کے نظریات۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے حضور پر نور ﷺ کو بلائے کے لیے آدمی بھیجا، حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے کہا ”اے میرے بھائی کے فرزند! تیری قوم کے یہ سردار یہاں جمع ہوئے ہیں تاکہ کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر تمہارا جھگڑا طے ہو جائے اور آئندہ تم صلح و امن سکون سے زندگی بسر کرو۔“ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے جواب دیا، اے محترم چچا! انہیں فرمائیں میری صرف ایک بات مان لیں، سارے عرب کے بھی یہ مالک بن جائیں گے اور سارا عجم بھی ان کا باج گزار بن جائے گا۔

ابو جہل جھٹ بوا ”نعم وایک وعشر کلمات یعنی تیرے باپ کی قسم! ایک بات نہیں آپ (ﷺ)“

ایسی دس (۱۰) باتیں بھی کہیں تو ماننے کے لیے تیار ہیں۔ حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے فرمایا، کہو: ”عبادت کے لائق کوئی نہیں سوائے اللہ تبارک تعالیٰ کے اور اس کے بغیر تم جن معبودوں کی پرستش کرتے ہو ان کو پرے پھینک دو۔“

یہ سن کر ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں اور کہنے لگے:

”یا محمد! ﷺ تم چاہتے ہو کہ ہم بہت سے خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کو مانیں، یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔“

آپس میں کہنے لگے کہ یہ شخص تمہارا کوئی مطالبہ تسلیم نہیں کرے گا، چلو چلیں۔ تم اپنے عقیدہ پر پکے رہو یہاں تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ یہ کہہ کر وہ لوگ وہاں سے واپس چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے پر ناراضگی یا ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے! با خدا میں نہیں دیکھتا، سمجھتا کہ تم نے ان سے کوئی ناحق مطالبہ کیا ہے یا ناحق بات کی۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے کہا بخدا! اے میرے بھائی کے بیٹے! میں نہیں سمجھتا کہ تم نے ان سے کوئی ناحق مطالبہ کیا ہے۔ (یا ناحق بات کی ہے)

قارئینِ کرام! ان دونوں روایت کا اردو ترجمہ ایک ہی بنتا ہے، عربی زبان میں پہلی روایت میں لفظ خطط آیا ہے اور دوسری روایت میں لفظ خطط کی جگہ شطط آیا ہے۔ اس لیے یہ دو مختلف روایت ہو گئیں۔ لفظ خطط اور شطط دونوں ہم معنی ہیں اس لیے ان دونوں کا ترجمہ میں نے ناحق مطالبہ یا ناحق بات کیا ہے۔

آپ کی یہ بات سن کر حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے دل میں ان کے بارے میں امید پیدا ہوئی اور انہیں فرمایا:

اے چچا! آپ یہ کلمہ (نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور محمد ﷺ) اللہ کے رسول ہیں) کہیے اس سے قیامت کے دن آپ کے لیے میری شفاعت روا ہو جائے گی۔“

انہوں نے جواب دیا:

”اے میرے بھتیجے! اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد تمہیں اور تیرے بھائیوں کو لوگ مطعون کریں گے اور قریش یہ گمان کریں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت کے ڈر سے پڑھا ہے تو میں ضرور پڑھتا اور میں یہ کلمہ صرف تمہیں خوش کرنے کے لیے پڑھتا۔“

جب موت کا وقت قریب آ گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ اپنے ہونٹ ہلا رہے ہیں، انہوں

نے کان لگا کر سنا اور نبی کریم روف و رحیم ﷺ سے عرض کیا:

اے میرے بھتیجے! بخدا! میرے بھائی نے وہی کلمہ پڑھا ہے جس کے پڑھنے کا آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (لہ اسمع) میں نے نہیں سنا۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۳، ۱۲۴)

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ بستر مرگ پر دراز ہو گئے اور ان کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی انہوں نے صنادید (سرداران) اور اکابرین مکہ کو اپنے پاس بلایا اور تحریک دین اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے کچھ حقائق بیان کیے اور آنکھیں کھولنے کے لیے انہیں کچھ نصیحتیں کیں۔

ایسی نصیحتیں کیں جنہوں نے سب پر یہ روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ عرصے سے دل و جان سے مسلمان تھے لیکن وہ کسی اپنی مصلحت کے تحت خاموش رہے۔

ایسے انداز اور خوب صورت الفاظ میں باتیں کیں لوگوں کو سمجھایا جو تحریک دین اسلام بانی تحریک دین اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ حالاتِ حاضرہ اور مستقبل کی صحیح تصویر پیش کرتے تھے۔

ایسی نصیحتیں باتیں اور اندازِ مخاطب کہ جس سے آپ کی اولوالعزمیٰ بالغ نظری حکمت و دانائی کے ساتھ ساتھ آپ کی شانِ فصاحت و بلاغت کے جلوے بھی نظر آتے ہیں اور جس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر اس کا لفظی ترجمہ پیش خدمت ہے۔

آپ نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے گروہِ قریش! تمہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے چُن لیا ہے تم سارے عرب کا دل ہو یہ اچھی طرح جان لو کہ تم نے تمام اچھی صفات اپنے اندر جمع کر لی ہیں شرف و عزت کے تمام مدارج تم نے پال لیے ہیں انہیں گونا گوں خوبیوں کی وجہ سے تمہیں دوسری قوموں پر برتری حاصل ہوئی۔

میں تمہیں اس مکان (بیت اللہ شریف) کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اسی میں اللہ تبارک تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور اسی پر تمہاری معاش کا دار و مدار ہے اور اسی سے تمہارا دبدبہ قائم ہے۔ قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا قطع رحمی سے باز رہنا کیونکہ صلہ رحمی سے زندگی طویل ہوتی ہے اور دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے بغاوت اور سرکشی کو ترک کر دینا کیونکہ اسی وجہ سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں جو دعوت دے اس کو قبول کرنا سائل کو خالی نہ لوٹانا کیونکہ اسی میں زندگی ہے اور موت کی عزت ہے۔ سچ بولنا امانت میں خیانت نہ کرنا ان خوبیوں کی وجہ سے خواص کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور عوام کے دلوں میں عزت۔

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ محمد ﷺ کے ساتھ بھلائی کرنا کیونکہ سارے قبیلہ قریش میں وہ صادق الامین کے لقب سے ملقب ہے اور سارے اہل عرب اسے صادق (الصدیق) کہتے ہیں جن خصائلِ حمیدہ کی میں نے

تمہیں وصیت کی ہے وہ ان تمام کا جامع ہے۔ بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے مفلسوں اور ناداروں نے دور دراز علاقوں میں رہنے والوں نے کمزور اور ضعیف لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا ہے اس کے دین کی تعظیم کی ہے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی برکت سے وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار پیچھے رہ گئے ہیں ان کے محلات غیر آباد ہو گئے ہیں۔ عرب کے سارے باشندے ان کے ساتھ دل سے محبت کرنے لگے ہیں اپنے دلوں کو اس کی محبت و عقیدت کے لیے انہوں نے مخصوص کر دیا ہے اور اپنی زمام قیادت اس کے ہاتھ میں دے دی ہے۔

اے گروہ قریش! اپنے باپ کے بیٹے کے مددگار اور دوست بن جاؤ، جنگوں میں اس کے حامی اور ناصر بن جاؤ۔ خدا کی قسم! جو شخص اس کی راہ پر چلے گا ہدایت پا جائے گا اور جو اس کے دین ہدایت کو قبول کر لے گا وہ نیک بخت اور بلند اقبال بن جائے گا اگر میری زندگی میں کچھ گنجائش ہوتی اور میری موت میں کچھ تاخیر ہوتی تو میں ساری جنگوں میں اس کی کفایت کرتا اور تمام آلام و مصائب سے اس کا دفاع کرتا۔“

اس وصیت کے بعد آپ کی روح قفسِ عنبری سے پرواز کر گئی۔

(سبل الہدیٰ والرشاد امام یوسف صالحی شامی جلد ۲ صفحہ ۵۶۵)

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا ایمان

میں (اس کتاب کا مصنف) اس موضوع سے متعلق اپنے خیالات رائے اور اس سے نمٹنے کے اپنے انداز کے بارے میں پہلی جلد کے ایک باب ”تجھ کو پرانی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو“ میں پوری وضاحت و تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔

اور اس وقت اس موضوع پر میں کچھ نہیں لکھنا چاہتا تھا لیکن یہ مجبوری ہے کہ زمانہ قدیم سے بہت سارے سیرت نگاروں اور علماء دین نے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس کو موضوع بحث بنایا ہے اور اپنے خیالات و دلائل پیش کئے ہیں۔

میں نہ تو سلف کے لکھے ہوئے کو کسی طرح سے ختم کر سکتا ہوں اور نہ ہی اس لکھے ہوئے سے صرف نظر کر سکتا ہوں۔ اس لئے درج ذیل میں میں نے انہیں اپنے انداز سے بہترین شکل و مفہوم میں پیش کیا ہے۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے عمر بھر اپنی جان سے عزیز بھتیجے کی خدمات جس وفا شعار سے انجام دیں اس کی نظیر ڈھونڈے سے بھی ملنی مشکل ہے۔ اعلانِ نبوت کے بعد حضور انور نبی کریم سرکارِ دو عالم ﷺ کو جن اذیت ناک ہولناک مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا ان میں آپ نے حضور پر نور ﷺ کو بھی تنہا نہیں چھوڑا۔ ساری قوم کی مخالفت اور عداوت مولا ﷺ کے ساتھ ہوئی۔

مال و متاع، اپنے اہل و عیال، سب کو حضور پر نور ﷺ کے دفاع کے لیے وقف کر دیا۔
 شعب ابی طالب کی طویل اور روح فرساتھائی میں، ساری مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا، ہر قدم پر حضور پر نور ﷺ کا ساتھ دیا، ہر نازک مرحلے پر دشمنوں کے ہر وار کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ اپنے خطبات میں حضور انور ﷺ کی مدحت سرائی کرتے رہے، ان قصائد میں ایسے اشعار موزوں کیے جنہوں نے بلغاء عرب اور فصحاء حجاز کو دم بخود کر دیا۔ ان تمام قصائد میں حضور انور ﷺ کی تعریف و توصیف کے ایسے نچے موتی پروئے جن کی چمک کے سامنے آسمان کے ستارے بھی ماند پڑ گئے ہیں۔ محبت و عقیدت کے پھولوں سے ایسے گلہستے تیار کیے جن کی مہک سے آج بھی فضائے بسیط معطر ہو رہی ہے جن کی نظر افروز رنگت آج بھی آنکھوں کو ضیاء بخش رہی ہے۔

ان کے سارے کلام میں کہیں بت پرستی اور بت پرستوں کی ستائش نام کی کوئی چیز نہیں۔ وہ اپنی عملی زندگی میں اسلام دشمن طاغوتی قوتوں کے سامنے ہمیشہ ایک چٹان بن کر کھڑے رہے جب آپ بستر مرگ پر قاصد اجل کا انتظار کر رہے تھے، اہل مکہ کا وفد حاضر ہو کر گزارش کرتا ہے ہمارے درمیان اور اپنے بھتیجے کے درمیان مصالحت کر دیجیئے۔ مصالحت کے لیے حضور پر نور ﷺ انہیں کلمہ شہادت پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں، وہ بگڑ کر ناراض ہو کر چلے جاتے ہیں۔ ابوطالب رضی اللہ عنہ، حضور پر نور ﷺ کی اس دعوت کے بارے میں اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یوں اظہار فرماتے ہیں:

”اے میرے بھائی کے بیٹے! خدا کی قسم! (بخدا) میں نہیں سمجھتا کہ تم نے ان سے کوئی ناحق مطالبہ کیا ہے، ناحق بات کی ہے۔“

اور دم واپس سے پہلے اپنے قبیلے کے افراد کو جو آپ نے آخری وصیت کی ہے اس کا مطالعہ ابھی آپ کر چکے ہیں صرف اس جملے پر ایک نظر ڈال لیجیے:

”اے گروہ قریش! یہ تمہارے باپ کے بیٹے ہیں، ان کے دوست بن جاؤ، جنگوں میں ان کے حامی بن جاؤ۔ بخدا! تم میں سے جو شخص ان کے راستے پر چلے گا، ہدایت پائے گا اور جو شخص ان کی ہدایت کو قبول کرے گا، وہ سعادت مند ہو جائے گا۔“

یہ تعریف و توصیف، یہ نصیحت آمیز باتیں، یہ الفاظ اور یہ اندازِ مخاطب پکار پکار کر یہ اعلان کر رہے ہیں کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ دل و جان سے مسلمان تھے اور اپنی کسی ذاتی مصلحت کی بناء پر خاموش تھے۔

آپ کی باتوں سے یہ بھی خوب ظاہر ہے کہ انہیں دین اسلام، اسلام کی طاقت، اسلام کی دل نوازیوں، خوبیوں، رحمتوں کا خوب ادراک تھا۔ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا دین آخری اور دائمی ہے۔

اس کے بعد آپ کے بے شمار اشعار میں سے مندرجہ ذیل چیتہ شعر پڑھئے اور ان کے کہنے والے کے ایمان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آپ کو آسانی ہوگی۔

۱۔ ”کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی پایا ہے اور یہ بات پہلی کتابوں میں لکھی گئی تھی۔“

۲۔ ”اس گھر کے رب کی قسم! ہم وہ لوگ نہیں ہیں کہ احمد ﷺ کو تمہارے حوالے کر دیں، زمانے کی شدتوں اور تکلیفوں سے تنگ آ کر۔“

۳۔ ”وہ روشن چہرے والے جن کے چہرے کے وسیلے سے بادل طلب کیا جاتا ہے جو یتیموں کی پناہ گاہ اور یتیموں کی آبرو ہے۔“

وہ ہستی جس کا کردار اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں یہ تھا اور جس کا منظوم کلام اس قسم کے نادر اشعار سے بھرا ہوا ہے ایسی ہستی پر کفر و شرک کا الزام لگانا مناسب نہیں ہے۔
امام محمد ابوزہرہ فرماتے ہیں:

”اپنے وقت کے مقتدر عالم جناب علامہ امام محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سیرت کی نادرہ روزگار کتاب ”خاتم النبیین“ میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ میں ان کی اس تصنیف لطیف کے ایک اقتباس کا ترجمہ ہدیہ قارئین کرتا ہوں کہ شاید اس موضوع پر شک و شبہ کی جو گرد پڑی ہوئی ہے وہ چھٹ جائے۔
مقتدر علامہ اس موضوع پر تفصیل سے بحث کرنے کے بعد اس کا خلاصہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

۱۔ پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ ابوطالب رضی اللہ عنہ اسلام کے حامی تھے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اور مسلمانوں کا دفاع کیا کرتے تھے۔ اپنے اشعار میں انہوں نے حضور پر نور ﷺ کی دعوت کی جو مدح و ثناء کی ہے ذات رسالت مآب کے لیے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے جس محبت اور پیار اور شفقت کا اظہار کیا ہے اور مخالفین کی کذب بیانیوں کی جس شد و مد سے تردید کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور ﷺ صادق ہیں، راشد ہیں یعنی حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سچے ہیں اور راہ ہدایت پر ہیں۔

۲۔ دوسرا مسلمہ نتیجہ یہ ہے کہ جب موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضور انور ﷺ کے اس مطالبے کی صفائی پیش کی جو آپ نے مشرکین مکہ سے کیا تھا اور دعوت محمدی ﷺ کے بعد یہ کہیں معلوم نہیں کہ آپ نے بتوں کی توصیف کی ہو۔ ساری زندگی حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی معیت میں اذیتیں برداشت کرتے رہے اس کے ساتھ اس پاکیزہ محبت اور اس شفقت ظاہرہ کو بھی ملحوظ رکھتے جو انہیں ذات

پاک نبی کریم رُوف ورحیم ﷺ سے تھی۔

۳۔ تیسرا نتیجہ جو محل نظر ہے وہ یہ ہے کہ کیا آپ نے اپنی زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا۔ بے شک ایک روایت ایسی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی زبان سے یہ کلمہ پڑھا اور یہ وہی روایت ہے جس کے راوی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہیں۔

بعض لوگوں نے اپنی حد سے تجاوز کرتے ہوئے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے مقام رفیع پر کچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جھوٹ سے متہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اللہ تبارک تعالیٰ سے اس بات کی پناہ مانگتے ہیں کہ آپ کی ذات کی طرف جھوٹ کی نسبت کریں خواہ اسلام سے پہلے ہی ہو کیونکہ آپ خاندان قریش کے سرتاج اور سردار تھے اور ایک عام عربی بھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

کیا آپ نے امام بخاری کی وہ روایت نہیں پڑھی جس میں ہرقل نے ابوسفیان کو اپنے دربار میں طلب کیا تاکہ حضور انور ﷺ کے بارے میں چند استفسارات کرے۔ ابوسفیان کہتا ہے میں نے بہت چاہا کہ آج موقع ہے میں سچ کے بجائے جھوٹ بولوں تاکہ ہرقل کی عقیدت حضور (ﷺ) سے ختم ہو جائے لیکن اس خوف سے میں نے سچے جواب دیئے کہ کہیں اہل عرب مجھے جھوٹا نہ کہنے لگیں۔ اگر ابوسفیان جیسا آدمی جھوٹ بولنے کی جسارت نہیں کر سکتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جیسی ہستی جو ہاشمی خاندان کا سرتاج اور نبی کریم رُوف ورحیم ﷺ کا محترم چچا ہے کیا اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اس نے غلط بیانی سے کام لیا؟

امام ابوزہرہ یہاں علامہ ابن کثیر کی ایک رائے نقل کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب دیتے ہیں:

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں:

”حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ ان تمام امور میں یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ صادق ہیں، راشد ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کا دل ایمان نہیں لایا تھا اور دل کے جاننے اور ماننے میں فرق ہے۔“

علامہ ابن کثیر کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں۔

”گویا ابن کثیر ابوطالب رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کے علم کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں کہ ”یہودی حضور پر نور نبی کریم رُوف ورحیم ﷺ کو پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔“ (سورہ بقرہ آیت ۱۳۶) لیکن اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے تھے۔“

شیخ فرماتے ہیں کہ میں اس بات کی اجازت چاہتا ہوں کہ حافظ ابن کثیر کے اس خیال کی مخالفت کروں اور یہود کے علم کو جس طرح انہوں نے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ پر منطبق کیا ہے اس کی تردید کروں۔

میں کہتا ہوں کہ ابوطالب رضی اللہ عنہ کے علم میں اور یہود کے علم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ابوطالب رضی اللہ عنہ کا علم ایسا ہے جس کے ساتھ تصدیق اور یقین پایا جاتا ہے اور آپ کی ساری زندگی اور آپ کے سارے

قصیدے اس بات کی تائید کرتے ہیں اس لیے میں یہ کہتا ہوں:

”کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا مشرک ہونا ممکن نہیں ہے۔“

اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ آپ نے قریش کے اقوال کو مسترد کیا اور دعوتِ توحید کی تائید کی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ نے ساری عمر توحید اور اہل توحید کا دفاع کیا اور اس راستے میں جتنی اذیتیں مسلمانوں نے برداشت کیں اتنی ہی اذیتیں حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے بھی برداشت کیں۔ (بلکہ اپنی ذمہ دار حیثیت کے سبب ان سے بھی زیادہ اذیتیں برداشت کیں) تیسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے صراحت سے یہ کہا کہ محمد ﷺ صادق اور راشد ہیں اور اس بحث کے آخری پیرا میں فرماتے ہیں:

اب تک ہم نے جو لکھا ہے اس سے یہ صاف نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آپ ہرگز مشرک نہ تھے کیونکہ مشرک وہ ہوتا ہے جو بتوں کی عبادت کرے اور انہیں اللہ تبارک تعالیٰ کے ساتھ شریک بنائے اور آپ کی ساری زندگی اس بات کی اچھی طرح شاہد ہے کہ آپ بتوں اور ان کی پرستش کو باطل اور لغو سمجھتے تھے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات پاک ہی صرف سینے میں چھپے بھیدوں کو رازوں کو جانتی ہے جو ظاہر ہے وہ ہم نے لکھ دیا ہے۔

ایک گزارش

اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے احتراز کرنا چاہیے آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ معاوضہ ہماری طرف سے نہیں دیا جانا چاہیے کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے رہیں اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

”حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ایمان کا مسئلہ اختلافی مسئلہ ہے اور جو لوگ آپ کے ایمان کے قائل نہیں انہیں بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنی زبان پر کوئی ناروا جملہ لے آئیں کیونکہ اس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ حضور سرورِ عالم ﷺ کا دل مبارک بھی رنجیدہ ہوتا ہو۔ ہر عقل مند آدمی جانتا ہے کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ (روح المعانی صفحہ ۲۰ سورہ فصص ایت ۵۵)

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر جو لکھا ہے وہ بھی مندرجہ بالا کا ماخذ ہے اور اس قابل ہے کہ اہل علم اس کا مطالعہ کریں۔ (سیرت نبوی شبلی نعمانی صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱)

اُم المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات پر ملال

شفیق و مہربان چچا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات سے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو جو دکھ پہنچا تھا اس کے زخم ابھی تازہ تھے کہ اہل علم و فضل نے اس کا ذکر کیا۔ (سیرت نبوی شبلی نعمانی صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱)

سال، سفر، ہجرت سے تین سال پہلے، حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات پر ابھی صرف پینتیس (۳۵) دن گزرے تھے کہ ۱۰ ماہ رمضان کو حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی وفا شعار اور غم گسار رفیقہ حیات حضرت ام المومنین السیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پیک (قاصد موت کا بلاوا) اجل کو لبیک کہی۔

(النساب الاشراف، احمد بن یحییٰ جلد ۱ صفحہ ۴۰۵)

آپ وہ عدیم النظیر رفیقہ حیات تھیں جنہوں نے اپنے نامور شوہر اور عظیم آقا (ﷺ) کے قدموں میں صرف جان و دل کا نذرانہ ہی پیش نہیں کیا تھا بلکہ اپنی دولت و ثروت کے خزینے حضور پر نور ﷺ کی رضا جوئی کے لیے بصد مسرت نچھاور کر دیئے تھے۔ جس نے اپنی پچیس (۲۵) سالہ ازدواجی زندگی کا ہر لمحہ حضور انور ﷺ کی راحت و آرام کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ جب بھی سرکارِ دو عالم ﷺ پر کوئی کٹھن گھڑی آئی تو یہ خاتون بڑی عالی حوصلگی سے آگے بڑھیں اور اپنی فرزانگی، فراست اور عقل مندی سے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا سہارا بنیں۔

غارِ حرا کی وہ مبارک رات جب جبریل امین بارگاہِ رب ذوالجلال والا کرام سے منصب نبوت پر فائز ہونے کی نوید لے کر آئے اور کلامِ الہی سے پہلی بار حضور پر نور ﷺ کو سرشار کیا اس وقت قلب مبارک پر حیرت و مرعوبیت کی جو کیفیت تھی اور جن خطرات اور اندیشوں نے ہر اسوں کو دیا تھا اس وقت جس انداز سے آپ نے دل داری کی اس کی مثال تاریخِ عالم میں نایاب ہے۔ آپ نے اپنے ایک جملے سے ان تمام خدشات اور خطرات کا قلع قمع کر دیا جو حضور انور ﷺ کو پریشان کر رہے تھے عرض کی:

”آپ ہرگز خوف زدہ نہ ہوں، آپ کو خوش خبری ہو، خدا کی قسم! اللہ تبارک تعالیٰ کبھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔“

پھر اس کے بعد اس کی وجوہات بیان کیں اس کے بعد حضور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے کفر و شرک کے گھپ اندھیروں میں جب توحید کی شمع روشن کی تو کفار نے طوفانِ بد قیسی برپا کر دیا۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ پر جب بھی کفار کی دل آزاریوں، بہتان طرازیوں اور عداوت اور کینگیوں سے افسردہ خاطر ہو کر گھر تشریف لاتے تو حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی طیبہ طاہرہ خاتونِ خانہ ایسے دل آویز انداز سے حضور انور ﷺ کا استقبال کرتیں کہ رنج و اندوہ کے سارے بادل چھٹ جاتے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے بھی اپنی اس پاک و مبارک بندی، اپنے محبوب کی وفا شعار خدمت گزار زوجہ محترمہ کی پُر خلوص خدمات کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور اپنی نوید رحمت سے اسے خوش و شادمان کرنے کے لیے ایک روز جبرائیل علیہ السلام کو اپنے پیارے رسول (ﷺ) کے پاس بھیجا اس سلسلے میں امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے وہ درج ذیل ہے:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور یوں عرض کی ”یا رسول اللہ ﷺ یہ خدیجہ ہیں جو ایک برتن لے کر ابھی حاضر ہوا چاہتی ہیں۔ اس برتن میں سالن ہے جب وہ حاضر خدمت ہوں تو ان کو ان کے رب کریم کی طرف سے اور میری طرف سے سلام پہنچائیے۔ اور انہیں یہ مژدہ سنائیے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے موتیوں سے بنا ہوا ایک محل جنت میں ان کو عطا فرمایا ہے جس میں نہ کسی قسم کا شور ہوگا اور نہ پریشانی۔“ (صحیح بخاری)

حضور پر نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ بھی ان کے بے پایاں خلوص، لازوال محبت اور بے مثال ایثار کے باعث اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت فرماتے اور دل سے ان کی قدر کرتے۔ ان کی زندگی میں دوسری شادی کرنے کا کبھی خیال تک نہیں فرمایا۔ آپ کی وفات کے بعد بھی ان کا ذکر خیر بڑی محبت اور پیار سے فرمایا کرتے حتیٰ کہ آپ کی سہیلیوں سے بھی بڑی شفقت کا برتاؤ کرتے اور ہر موقع پر ان کا خیال رکھتے۔

حضور انور ﷺ کیونکہ ان کا ذکر کثرت سے فرمایا کرتے اس لیے کئی ازواج مطہرات کو رشک آنے لگتا۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے کبھی حضور پر نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی کسی زوجہ پر غیرت نہیں آئی جتنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کیونکہ نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ بڑی کثرت سے ان کو یاد فرماتے اور سب کو یہ بھی بتاتے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ خوش خبری سناؤں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے موتیوں سے بنا ہوا ایک محل انہیں جنت میں مرحمت فرمایا ہے۔

حضور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب بکری ذبح فرماتے تو اس کا گوشت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھی بھجواتے۔

مسند میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور پر نور ﷺ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے تو کثرت سے ان کی مدح و ثناء فرماتے۔ مجھے ایک روز بڑی غیرت آئی میں نے عرض کی حضور! ﷺ آپ کیوں اس خاتون کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں جس کے دونوں ہونٹوں کے گوشے سرخ تھے حالانکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے بدلے میں حضور کو ہر لحاظ سے بہتر بیویاں ارزانی فرمائی ہیں؟ حضور انور ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! اس سے بہتر اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے کوئی اور بیوی نہیں دی۔ وہ اس وقت مجھ پر ایمان لائی جب لوگوں نے میرا انکار کیا انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا انہوں نے اس وقت اپنے مال سے میری دل جوئی کی جب لوگوں نے مجھے محروم کیا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے ان سے اولاد عطا فرمائی جب کہ دوسری بیویوں کو اولاد سے محروم رکھا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۱۱۸)

یہ خیال رہے کہ یہ ارشاد حضور پر نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے فرمایا اس وقت جب کہ اُمّ المؤمنین

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین (۵۷۲) جلد دوم

ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا حرم نبوت میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ اور نہ ابھی ان کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔

ایسی وفا شعار اور خدمت گزار، زیرک اور دانا، عالی ظرف اور بلند نگاہ، رفیقہ حیات کا اس وقت داغِ مفارقت دے جانا جب کہ دعوتِ توحید بڑے جانکسل مرحلوں سے گزر رہی تھی، حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے لیے کتنا تکلیف دہ اور باعثِ رنج و غم ہوا ہوگا اس کا با آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں روح فرسا حادثے ایک ہی سال میں بڑی قلیل مدت کے اندر اندر رو پڑے ہوئے تھے اس لیے حضور پر نور ﷺ نے اس سال کو ”عام الحزن“ یعنی ”حزن و ملال کا سال“ سے موسوم فرمایا۔ حضرت اُم المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر میں وفات پائی۔ حجون کے قبرستان میں آپ کو دفن کیا گیا۔ ابھی تک نمازِ جنازہ کا آغاز نہیں ہوا تھا، جب مرقد مبارک تیار ہو گئی، حضور پر نور ﷺ خود اس میں تشریف لے گئے اور پھر اس مرقد میں ان کو اللہ کے سپرد کر دیا گیا۔ (النتاب الاشراف، احمد بن یحییٰ جلد ۱ صفحہ ۴۰۶)

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف شرح المواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں:

”حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے اور یہ زخم ابھی ہر اہی تھا کہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی غم گسار رفیقہ حیات حضرت خدیجہ الکبریٰ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بستر مرگ پر دراز ہو گئیں۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ساری توجیہات ان کی طرف مبذول فرمادیں۔ زندگی کے اس عظیم طویل اور آخری سفر کے خوشگوار ہونے کی نوید سنائی۔ ہر طرح سے تسلی دی، جنت سے انگور منگوا کر کھلائے اور خصوصی رحمت اور خیر و برکت کی دعاؤں کا سایہ عطا فرمایا۔ وصال مبارک اور تجہیز و تکفین کے بعد جب لحد میں اتارنے کا وقت آیا تو سب سے پہلے اس میں خود اترے اور اس کے بعد زندگی کی اس وفا شعار ساتھی کو آغوشِ لحد میں اتارا۔ انوار و برکات کا توشہ ساتھ دیا اس وقت حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک پینسٹھ (۶۵) سال تھی۔ ان پے در پے صدمات کی وجہ سے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے اس سال کو ”عام الحزن“ قرار دیا یعنی حزن و ملال کا سال۔“ (الزرقانی علی المواہب جلد ۱ صفحہ ۲۹۶)

آپ کی وفا شعاری، جان نثاری، دانش مندی اور فیاضی کا اعتراف صرف فرزندِ انِ اسلام کو ہی نہیں بلکہ اغیار بھی آپ کی ان صفاتِ جلیلہ کے صدقِ دل سے معترف ہیں۔

کونستانس جورجیو اپنی کتاب میں آپ کی خدمت میں یوں ہدیہ عقیدت و تحسین پیش کرتا ہے:

”جس روز نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنے منصبِ نبوت پر فائز ہونے کی اطلاع دی، آپ اسی روز ایمان لے آئیں اور اسی دن سے اپنی دولتِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے خرچ کرنا شروع کر

دی اور تا دمِ واپس بڑی فیاضی سے اس روش پر قائم رہیں۔ جس روز آپ نے وفات پائی، ان کے پاس کھجور کی گٹھلی میں سیاہ نشان کے برابر بھی سیم و زر نام کی کوئی چیز نہ تھی، مسلمانوں میں دو ہستیاں ایسی گزری ہیں جنہوں نے اپنی ساری دولت دعوتِ اسلامیہ کی ترقی کے راہ پر خرچ کر ڈالی، وہ دو ہستیاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے یہ دونوں بڑے دولت مند تھے اور جب انہوں نے وفات پائی تو ان کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔

(نظرۃ جدید جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)

حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد کفارِ مکہ کا انسانیت سوز رویہ

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے جس روز سے اللہ تبارک تعالیٰ کی توحید کی دعوت کا آغاز فرمایا، قریش نے اسی روز سے دل آزاری اور اذیت رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا لیکن ان کی یہ دل آزاریاں زیادہ تر پھبتیاں کسنے، مذاق اڑانے اور دشنام طرازیوں تک محدود تھیں۔ اگرچہ غریب مسکین بے سہارا صحابہ کرام کو وہ طرح طرح کی بدنی اذیتیں بھی دیتے تھے لیکن حضورِ انور سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر دست درازی کی جرأت شاذ و نادر ہی کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات سے وہ بند بھی ٹوٹ گیا اور ان بد نصیبوں نے اس نبی اقدس و اطہر حضور پر نور ﷺ کی ذات پر ظلم و ستم، ایذا رسانی کی حد کر دی۔ مشرکین نے یہ ایذا رسانی اس متبرک ہستی کے ساتھ کیس جو دن بھر محبت بھرے انداز سے انہیں اپنے سچے پروردگار کے حضور باریاب کرنے کے لیے سرگرم رہتا اور رات کی خاموشی میں جب ساری دنیا میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہی ہوتی، وہ جاگتا اور اپنے رب کریم کی بارگاہ میں رو کر ان کی ہدایت کے لیے دعائیں مانگتا تاکہ ان کے دونوں جہان سنور جائیں، عذاب و دوزخ سے وہ بچ جائیں اور نعیم فردوس کے مستحق قرار پائیں۔ سب کی فلاح دارین کے طلب گار کو کفارِ مکہ نے بہت زیادہ ستایا، فرطِ رنج و غم کے باعث چند روز تک حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ خانہ نشین رہے، عام طور پر باہر نکلنے سے اجتناب فرماتے لیکن کچھ دنوں کے بعد نبوت کی ذمہ داریوں کے احساس نے میدانِ عمل میں لاکھڑا کیا اور حسبِ سابق بڑی گرم جوشی سے لوگوں کو جھوٹے خداؤں کے زعمے سے نکال کر اللہ وحدہ لا شریک کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ مشرکین کو پہلے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا لحاظ بھی تھا اور خوف بھی جب وہ دارِ فانی سے رخصت ہو گئے تو انہوں نے جی کھول کر ہادیِ انس و جاں سرور کائنات ﷺ پر تشدد کا آغاز کر دیا۔ ایک روز حضور پر نور ﷺ گزر رہے تھے ایک کمینہ خصلت انسان نے حضورِ انور ﷺ کے سر مبارک پر مٹی ڈال دی۔ گیسوئے عنبریں خاک آلود ہو گئے۔ اسی حالت میں حضورِ انور ﷺ گھر تشریف لائے۔ آج حضور پر نور ﷺ کے استقبال کے لیے وہ رفیقہ حیات بھی موجود نہ تھی جس کی مسکراہٹ سے غم و

اندوہ کے اندھیرے چھٹ جاتے تھے۔ گھر میں حضور پر نور ﷺ کی صاحب زادیاں تھیں۔ انہوں نے جب اپنے پدر بزرگوار کو اس حالت میں دیکھا تو صبر نہ کر سکیں، شدتِ غم سے آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ ایک صاحب زادی صاحبہ پانی بھر کر لائیں، حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کے گیسوئے عنبریں کو دھونا شروع کیا، وہ دھو بھی رہی تھیں اور رو بھی رہی تھیں۔ حلم و وقار کے پیکر باپ نے یہ کہہ کر اپنی نختِ جگر کو تسلی دی:

”اے میری پیاری بیٹی! مت رو، بے شک اللہ تبارک تعالیٰ تیرے باپ کا نگہبان ہے۔“

(السيرة النبوية ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۱۶، سل الہدیٰ والرشاد جلد ۲ صفحہ ۵۸۲)

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کے لیے ایک ڈھال تھے، اسے ابن کثیر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”ہشام اپنے باپ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے فرمایا کہ قریش بزدل بنے رہے یہاں تک کہ ابوطالب رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔“

(السيرة النبوية ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۶)

ابولہب، حکم بن ابوالعاص بن امیہ، عقبہ ابن ابی معیط، عدی بن الحمراء اور ابن الاصداء العذری حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کے پڑوسی تھے، یہ برے لوگ حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے ہوتے تو بکری کی اوجھ حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ پر پھینک دیتے۔ ہانڈی پک رہی ہوتی تو اس میں گندگی ڈال دیتے۔ گھر کا کوڑا کرکٹ اکٹھا کرتے پھر اسے اٹھا کر حضور پر نور ﷺ کے صحن میں پھینک دیتے۔ حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ ان گندی چیزوں کو لکڑی پر اٹھا کر باہر لاتے اور دروازے پر کھڑے ہو کر صرف اتنا فرماتے:

”اے عبد مناف کی اولاد! تم ہمسائیگی کا حق ایسے ہی ادا کرتے ہو پھر اسے ایک طرف پھینک

دیتے۔“ (السيرة النبوية ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۶)

ان میں سے بجز حکم بن ابوالعاص کے کسی کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔

اس سے پہلے ہم کئی واقعات لکھ آئے ہیں جن میں تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ کو مشرکین مکہ نے جسمانی اذیتیں پہنچائیں یا پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے ان پر ایسا رعب اور ہیبت طاری کر دی کہ وہ اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ علامہ ابن کثیر ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

”میں (ابن کثیر) کہتا ہوں کہ میرے نزدیک اکثر وہ واقعات جیسے غلیظ اوجھ کا حالتِ نماز میں

حضور پر نور ﷺ کے کندھوں پر ڈال دینا۔ پھر فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا تشریف لانا اور اس کو اٹھا کر

پرے پھینکنا اور پھر مشرکین کو برا بھلا کہنا اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو کی وہ روایت جس میں کفار کا حضور ﷺ کا شدت سے گلا مبارک گھونٹنا اور حضرت ابو بکر صدیق کا ان کے درمیان حائل ہونا اور یہ فرمانا تمہیں شرم نہیں آتی، تم اس شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تبارک تعالیٰ ہے۔ اس طرح ابو جہل ملعون کا یہ عزم کرنا کہ جب حضور پر نور ﷺ حالت نماز میں ہوں اور سجدہ میں جائیں تو حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی گردن مبارک کو اپنے پاؤں سے روندے گا، پھر قدرت الہی کا اس کے ارادے کو ناکام بنانا، ان میں سے اکثر واقعات حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیش آئے۔“ واللہ اعلم (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۳۸)

طبرانی، ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے محسوس فرمایا کہ لوگوں کے تیور یکخت بدل گئے ہیں۔ ان کے رویہ میں شائستگی اور احترام کے بجائے بے مروتی بلکہ سنگ دلی کا مظاہرہ ہونے لگا تو سرکارِ دو عالم ﷺ نے بڑی حسرت سے فرمایا:

”اے چچا! کتنی جلدی میں تیرے کھوجانے کو محسوس کرنے لگا ہوں۔“

(سبل الہدیٰ والرشاد امام یوسف صالحی جلد ۲ صفحہ ۵۷۲)

بزاز اور ابو نعیم نے الفصائل میں روایت کیا ہے ایک روز حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے لوگوں سے دریافت کیا:

”ایہا الناس! اخبرونی باشجع الناس۔“

اے لوگو! مجھے بتاؤ کہ سب لوگوں میں سے زیادہ بہادر کون ہے؟

لوگوں نے کہا، ہمیں تو معلوم نہیں، آپ ہی فرمائیے! امیر المومنین نے فرمایا، سب لوگوں سے زیادہ بہادر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ایک روز دیکھا کہ قریش نے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو پکڑا ہوا ہے، کوئی زد و کوب کر رہا ہے، کوئی گالیاں بک رہا ہے اور وہ کہہ رہے ہیں کہ تم وہ ہو جس نے بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا ہے۔ اس وقت وہ لوگ اس قدر غضب ناک اور بھرے ہوئے تھے کہ ہم میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آگے بڑھے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کو ان کی گرفت سے چھڑائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت تنہا کفار کے اس گروہ پر جھپٹ پڑے، کسی کو مار رہے ہیں، کسی کے ساتھ ہاتھ پائی کر رہے ہیں، کسی کو اس ذلیل حرکت پر لعن و طعن کر رہے ہیں اور یہ بھی فرما رہے ہیں:

”خدا تمہارا ستیاناس کرے، کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تبارک تعالیٰ ہے۔“

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جو چادر اپنے اوپر لپیٹی ہوئی تھی اسے اٹھایا اور اتنے روئے کہ داڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی پھر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ مجھے یہ بتاؤ کہ آلِ فرعون کا مومن بہتر تھا یا ابوبکر؟ لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ نے انہیں جھنجھوڑا اور فرمایا میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ پھر خود ہی جواب دیا:

”بخدا! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حیاتِ طیبہ کی ایک گھڑی مومن آلِ فرعون کی ساری زندگی

سے بہتر ہے۔ وہ اپنے ایمان کو چھپاتا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ایمان کا بباگ دہل

اعلان کرتے تھے۔“ (سبل الہدیٰ والرشاد امام یوسف صالحی جلد ۲ صفحہ ۵۷۵)

الغرض اس محترم چچا کے انتقال کے بعد مشرکین مکہ کمینگی کی حد تک اذیت رسانی پر کمر بستہ ہو گئے اور جب بھی انہیں موقع ملتا اذیت رسانی کی حد کر دیتے۔ کوئی شخص ہادی انس و جاں رحمۃ للعالمین حضور پر نور ﷺ کی بات سننے کا روادار نہ تھا، حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ بڑی کوشش فرماتے کہ اپنی قوم کو عمل اور عقیدہ کی پستیوں سے نکالیں اور صراطِ مستقیم پر انہیں گامزن کر دیں جو فلاح دارین کی منزل تک پہنچاتی ہے۔ لیکن ان لوگوں نے گویا تہیہ کر رکھا تھا کہ وہ کسی قیمت پر آپ ﷺ کی بات نہیں سنیں گے اور نہ آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کریں گے۔

ان لوگوں کی ہٹ دھرمی اور سرکشی تبلیغ اسلام کی راہ میں مشکلات کے پہاڑ کھڑی کر رہی تھی لیکن جس ہستی کے ہاتھ میں اسلام کی اشاعت کا پرچم تھا اسے اپنی نبوت کی صداقت اپنی دعوت کی حقانیت اور اپنے بھیجے والے کی قوت پر اتنا پختہ اور ناقابل شکست یقین تھا کہ مصائب و آلام کے یہ طوفان اسے ذرا ہراساں نہیں کر سکتے تھے۔ اسے اپنے رب کریم کی حکمتوں پر اتنا بھروسہ تھا کہ حالات کی سنگینی سے وہ قطعاً خوف زدہ نہیں تھا اور دن بہ دن اس کے قدم مبارک آگے ہی بڑھ رہے تھے۔

حضرت سودہ بنت جحش سے نکاح

حضرت سودہ بنت جحش بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی ان کی والدہ کا نام شمس بنت قیس تھا، قیس برادر سلمیٰ زوجہ ہاشم ہیں۔ گویا حضرت سودہ بنت جحش کے تنہا لڑکے تھے۔

آپ حضرت سکران بن عمرو بن عبد ود کے نکاح میں تھیں۔ آپ پہلے ایمان لائیں اور پھر ان کی ہدایت اور ترغیب سے سکران بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پھر انہوں نے خاوند کے ساتھ مع اپنی والدہ کے ہجرت حبش کی تھی۔ حضرت سکران رضی اللہ عنہ نے حبش میں انتقال کیا۔ تب حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ان کے مصائب کو جلد ختم کرنے کی غرض سے سن دس ۱۰ نبوی میں بعد از وفات خدیجۃ الکبریٰ بنت جحش ان سے نکاح کر لیا

تھا۔

ابوبکر احمد بن حسین البیہقی رحمۃ اللہ علیہ ”دلائل النبوة“ میں لکھتے ہیں کہ:

”حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بالکل تنہا رہ گئیں۔ اب تبلیغ کی غرض سے گھر سے نکلنے سے پہلے حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کو گھر کی حفاظت کا بندوبست بھی کرنا پڑتا۔ ایک دن حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت خولہ بنت حکم رضی اللہ عنہا حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی اجازت لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور یوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہ حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے نکاح میں آ گئیں۔“ (دلائل النبوة للبیہقی ۲: ۳۰۹، ۳۱۲)

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا اُم المومنین کے درجے پر فائز ہونے کا سبب اصلی ان کا اور ان کے خاندان کا قدیم الاسلام ہونا اور اسلام کے لیے ہجرت حبش کرنا تھا۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا محاسن اخلاق اور مکارم افعال میں ابتداء ہی سے معروف تھیں، انہوں نے آخر خلافت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، آپ کی ماں کا نام اُم رومان زینب ہے جس کا سلسلہ نسب نبوی میں کنانہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کا نکاح شوال دس ۱۰ نبوی میں مکہ معظمہ میں ہوا اور رخصتی شوال ایک سن ۱ ہجری میں مدینہ میں ہوئی۔ ازواج النبی ﷺ میں آپ ہی وہ خاتون ہیں جن کی اسلامی خون سے ولادت ہوئی یعنی کہ والدین محترم معزز دونوں ہی آپ کی ولادت مبارک سے پہلے دین اسلام کو اختیار کیے ہوئے تھے اور آپ کی پرورش بھی اسلامی شیر و ماحول میں ہوئی۔

امہات المومنین میں آپ ہی وہ طیبہ و طاہرہ ہیں جن کا پہلا نکاح تاجدار کائنات سرورِ دو عالم حضور پر نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ سے ہوا۔

حدیث مبارک میں ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

”میں تین شب تجھے خواب میں اس طرح دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ حریر سفید کے پارچے میں تیری تصویر کو میرے سامنے لاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ حضور انور ﷺ کی بیوی ہے اور میں تصویر کا پردہ اٹھا کر چہرہ دیکھتا تھا جو بالکل تیرا ہی چہرہ ہوتا تھا اور میں یہ دیکھ کر کہہ دیا کرتا تھا کہ اگر یہ اطلاع رب العالمین کی جانب سے ہے تو وہ خود ہی اسے پورا بھی کر دے گا۔“ (صحیح مسلم کتاب الفضائل، صحیح بخاری)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا اہتمام بارگاہِ الہی میں کیا گیا تھا اور حضور پر نور ﷺ نے اس شادی کو منجانب اللہ قرار فرمایا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”مردوں میں تو بہت لوگ تکمیل کے درجے کو پہنچے مگر عورتوں میں صرف (حضرت) مریم دختر عمران اور (حضرت) آسیہ بنت مزاحم (زن فرعون) ہی تکمیل کو پہنچیں اور عائشہ کو تو سب عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے شرید کو سب کھانوں پر۔“

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو فقہائے سبعہ کے اندر ایک درخشاں ستارے تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی ایک کو بھی معافی قرآن اور احکام حلال و حرام اور اشعار عرب اور علم الانساب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر نہیں پایا۔ (صحیح بخاری دیگر کتب تفسیر)



اسلام، یثرب و انصار

تبلیغ و دعوتِ دین اللہ دینِ اسلام کا کام بڑی شد و مد کے ساتھ دوسری دہائی میں داخل ہو چکا تھا یعنی کہ نبوت کا گیارہواں سال تھا اور حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ ظلمت و ضلالت کے ہر سو چھائے ہوئے اندھیروں کو نور کی کرنوں سے پاش پاش فرما رہے تھے۔

تحریکِ فروغِ دینِ اسلام کو شروع سے ہی بہت شدید مخالفت و رکاوٹوں کا سامنا رہا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کفار و مشرکین مکہ کی عداوت و مخالفت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا لیکن رہبر کائنات، پیغمبرِ بحر و بر ہادی انس و جان ﷺ درپیش شدید ترین مشکلات، مصائب، مخالفت اور رکاوٹوں کے گھمبیر ماحول میں تبلیغ و دعوت دینِ اسلام کے کام کو بڑی خوش دلی سے، خوش اسلوبی اور بہت ہی صبر و شکر کے ساتھ آگے بڑھا رہے تھے۔

کفار و مشرکین کی خواہشات و تدابیر کے خلاف کاروانِ اسلام اپنی منزل کی طرف خراماں خراماں رواں تھا اور کفار و مشرکین اپنی مسلسل ناکامیوں پر تمللا رہے تھے۔ وہ تحریکِ دینِ اسلام، فروغِ دینِ اسلام کے روکنے میں ناکام ہو چکے تھے۔ ان کی آتشِ انتقام بھڑک رہی تھی اور وہ جانِ تحریک پر شب خون مارنے کی تیاریوں میں مصروف تھے عربوں کا جھوٹا تفاخر، غرور و گھمنڈ ان کی جھوٹی انا بن کر سامنے آکھڑا ہوا۔ ان کی عصبیت جاگ اُٹھی، نفرت کا لاوا ان کے سینوں میں کھولنے لگا اور وہ حضور ﷺ کے خون کے پیاسے ہو گئے لیکن تاجدارِ کائنات، سرکارِ دو عالم حضورِ انور ﷺ مفسدین کی ان ناپاک سازشوں کو خاطر میں لائے بغیر فریضہ تبلیغ و دعوت کمال حکمتِ عملی سے سرانجام دے رہے تھے۔

حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ اس سال بھی حسب معمول قبائل عرب کے ہر قافلے کے پڑاؤ پر تشریف لے جاتے اور انہیں توحید باری تعالیٰ کی قبولیت کی دعوت دیتے لیکن وہ قبائل گزشتہ برسوں کی طرح اس سال بھی حضور پر نور ﷺ کی دعوت پر بے رُخی اور بے رغبتی کا اظہار کرتے۔ حضورِ انور نبی کریم رُوف الرحیم ﷺ کو ان کے اسلام قبول نہ کرنے کا افسوس ضرور ہوتا کہ وہ ایمان جیسی دولت سے اپنے آپ کو محروم رکھ رہے ہیں لیکن مایوسی نام کا کوئی لفظ پیغمبر انقلاب کی لغت میں درج ہی نہیں تھا۔ دعوت و تبلیغ، فروغِ دینِ اسلام کا کام

بڑی محنت و لگن سے جاری تھا۔ (الوقفا: ۲۱۶)

درد و غم اور رنج و الم کی تاریک رات اب سحر آشنا ہونے والی ہے، اسلام اور اس کے ماننے والوں کی بے بسی کی مدت اب اختتام پذیر ہوا چاہتی ہے۔ وہ وقت اب قریب آ گیا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ قادرِ مطلق نے اپنے محبوب بندے اور جلیل القدر رسول کے ساتھ فتح و نصرت کے جو وعدے کیے تھے وہ پورے کیے جائیں۔ اسلام کی عظمت کا دلکش پھریرا اب اس شان سے لہرایا جانے والا ہے کہ کوئی آندھی، کوئی طوفان اس کو سرنگوں نہ کر سکے اس کے علم برداروں کا آفتاب اقبال اب طلوع ہونے والا ہے تاکہ ظلمت کدہ عالم کا گوشہ گوشہ نورِ توحید سے دَمک اُٹھے۔

اہل مکہ کے بخت خفتہ کو بے دار کرنے کے لیے ہادی انس و جان رہبر کائنات ﷺ نے تیرہ (۱۳) سال کا طویل عرصہ رات دن اُن تھک کوشش فرمائی لیکن اہل مکہ کے گنتی کے چند خوش نصیبوں کے علاوہ کسی کو توفیق نصیب نہ ہوئی کہ وہ اپنے ہادی برحق رسول خدا ﷺ کی پُر خلوص دعوت کو قبول کر لیں۔ ایام حج میں عرب کے اکثر قبائل مکہ مکرمہ میں حاضری کا شرف حاصل کرتے تھے۔ ہادی دو جہاں نبی رحمت ﷺ ان مواقع پر ہر قبیلہ کی خیمہ گاہوں میں جا جا کر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے لیکن ان عقل کے اندھوں کو حق نظر نہ آیا۔ جب سالہا سال کی جاں گداز محنت کے باوجود مکہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد قبائل میں حق قبول کرنے کے آثار کہیں دکھائی نہ دیئے تو اللہ تبارک تعالیٰ کی تائید و نصرت نے ایک دُور افتادہ شہر کے قبیلوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ انہوں نے بصد شوق اس دعوت کے داعی کے ارشادات کو سنا اور دل و جان سے انہیں قبول بھی کر لیا۔ یہ دو قبیلے بنی اوس و بنی خزرج کے نام سے معروف تھے جو آگے چل کر انصار اللہ و انصار رسول اللہ کے معزز لقب سے نوازے گئے۔

انہوں نے بڑے خلوص اور مردانگی سے اس دین حنیف کی تائید و نصرت کا حق ادا کر دیا۔ جس سے صرف جزیرہ عرب کی قسمت ہی نہیں جاگی بلکہ پوری دنیا کو پوری کائنات کو انسانیت کو اپنا کھویا ہوا مقام رفیع و وقار مل گیا۔ انصار اللہ انصار رسول اللہ یا انصار کے زریں کارناموں اور محیر العقول حیرت میں ڈال دینے والی خدمات کے ذکر جمیل سے پہلے قارئین کو ان سے متعارف کرانا ضروری ہے تاکہ ان کی پہچان ہو جائے۔ یہ کون لوگ تھے؟ کہاں سے آئے تھے؟ اور جزیرہ عرب کے قبائل میں ان کا کیا مقام تھا؟

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ انصار جمع ہے اس کا واحد ناصر ہے لیکن یہ جمع خلاف قیاس ہے ہاں اگر ناصر کا الف حذف کر دیا جائے تو پھر فعل کی جمع افعال کے وزن پر قیاس کے مطابق ہوگی۔ (الروض الانف جلد ۲ صفحہ ۱۸۳)

یہ دو قبیلے زمانہ جاہلیت میں انصار نہیں کہلاتے تھے جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو بارگاہِ الہی سے انہیں اس معزز لقب سے نوازا گیا۔

”یہ دو قبیلے اوس و خزرج کے نام سے موسوم تھے لغت میں اوس کا معنی عطیہ ہے اور خزرج، ٹھنڈی ہوا کو کہتے ہیں۔“ (الروض الانف جلد ۲ صفحہ ۱۸۲)

امام محمد بن یوسف صالحی نے ”سبل الہدیٰ والرشاد“ میں ان کے شجرہ نسب پر تفصیلی بحث کی ہے لکھتے ہیں: ”اوس و خزرج دونوں بھائی تھے حارثہ کے بیٹے تھے ان کی والدہ کا نام قیلہ تھا ان کا شجرہ نسب یہ ہے:

اوس و خزرج پسراں حارثہ بن ثعلبہ العقیاء بن عمرو مزریقیا بن عامر ماء السماء بن حارثہ الفطریف بن امرؤ القیس البطریق بن ثعلبہ بھلول بن مازن زاد السفر بن ازد بن غوث بن مالک بن زید بن کھلان بن سبا اسمہ عامر بن شجب بن یزرب بن قحطان، یقطن

ان کے اجداد کے ناموں کے ساتھ بعض القاب بھی ہیں جن کی تشریح ضروری ہے۔

حارثہ کے باپ کے نام ثعلبہ ہے اس کا لقب العقیاء اس کا معنی ہے لمبی گردن والا۔ کیونکہ اس کی گردن لمبی تھی اس لیے اس لقب سے مشہور ہوا۔

اس کے باپ کا نام عمرو ہے اس کے ساتھ مزریقیا کا لقب مذکور ہے۔ مرق یعنی پارہ پارہ کرنا سے مشتق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عمرو یمن کے بادشاہوں میں سے تھا اور ہر روز دو مرتبہ لباس تبدیل کرتا تھا اور یہ رات کے وقت ان دونوں جوڑوں کو پڑے پڑے کر دیتا تھا۔ ان لباسوں کو دوبارہ خود پہننا بھی اسے ناگوار تھا اور یہ بات بھی اسے ناپسند تھی کہ اس کا جوڑا کوئی اور شخص پہنے۔

اس کے باپ کا نام عامر ہے اس کا لقب ماء السماء یعنی بارش کا پانی اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ملک میں قحط پڑتا تو یہ اپنے خزانوں کے منہ کھول دیتا اور سارا مال رعایا کے سامنے رکھ دیتا تا کہ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق وہاں سے اٹھالے۔

اس کے باپ کا نام حارثہ ہے اس کا لقب غطریف ہے جو لغت میں سردار اور بچہ شاہین کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کے باپ کا نام امرؤ القیس ہے۔“

تحقیق نسب عالی

تاریخ کے بیان میں آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ اوس و خزرج کا سلسلہ نسب قحطان تک پہنچتا ہے یمن میں آباد تمام قبائل کا جد اعلیٰ قحطان تھا۔ علماء کی رائے یہ ہے کہ سب سے پہلے جس نے عربی زبان میں گفتگو کی وہ یہی قحطان تھا ان کی اولاد کو العرب المستعربہ کہا جاتا ہے یعنی وہ لوگ جن کی مادری زبان عربی تھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو العرب المستعربہ کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی مادری زبان عربی نہ تھی انہوں نے بنو جرہم سے یہ زبان سیکھی تھی۔

عربوں کی ایک اور یعنی تیسری قسم ہے جنہیں ”العرب العارۃ“ کہا جاتا ہے اس سے مراد عاد، ثمود، طلسم،

جدلیس عملیق وغیرہ وقبائل ہیں جو مٹ گئے ہیں جن کی نسل اب منقطع ہو چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ العرب المستعربہ یعنی اولادِ قحطان اور العرب المستعربہ یعنی اولادِ اسماعیل وعدنان دو الگ الگ شاخیں ہیں لیکن علم انساب کے مشہور ماہر زبیر بن بکار کی رائے یہ ہے کہ قحطان بھی عدنان کی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت سے ہے ان کا نسب نامہ یہ ہے:

قحطان بن ہمیسع بن تیم بن نبت بن اسماعیل

صحیحین کی ایک حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے آپ حضور پر نور ﷺ نے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے ہوئے انصار کو کہا تھا:

”اے ماء السماء کے بیٹو! یہ ہاجرہ تمہاری ماں ہیں۔“

مذکور مختصر نسب نامہ میں ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ ماء السماء انصار کے ایک دادے عامر کا لقب تھا جو کہ اوس و خزرج کا جدا علی تھا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

”یعنی میری تحقیق کے مطابق یہی قول رائج ہے کہ قحطانیوں کے جد امجد بھی عدنانیوں کی طرح

حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔“ (بل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۵۱ تا ۲۵۳)

ایک دوسری روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اسلم اور خزاعہ کے قبیلے باہمی تیر اندازی میں مقابلہ کر رہے تھے حضور پر نور عالم خفا و غیوب مخبر صادق سرکارِ دو عالم ﷺ ان کے پاس سے گزرے فرمایا:

”اے اسماعیل کے فرزندو! خوب تیر اندازی کرو۔“

اور آپ ﷺ کو علم ہے قبیلہ اسلم اور خزاعہ یمنی قبائل ہیں جو قحطان کی ذریت سے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے دادا منذر بن عمرو کے یہ اشعار بھی زبیر بن بکار کی رائے کی تائید کرتے ہیں:

”ہم نے ابن عامر سے جو ہمہ صفت موصوف سردار تھا اور حارث سے جو رئیس اعظم تھا وہ بزرگی

ورثہ میں لی ہے جس کی بنیادیں بہت گہری ہیں۔“

اور نبت بن مالک اور نبت بن اسماعیل سے وہ کمالات ورثہ میں لیے ہیں جو تبدیل نہیں ہوئے اس سے

بھی پتہ چلتا ہے کہ عمرو بن عامر اور حارثہ حضرت اسماعیل کے فرزند نبت کی اولاد میں سے تھے۔

یثرب

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مقام کے جغرافیہ سے قارئین کو تفصیل سے آگاہ کروں جسے اللہ تبارک تعالیٰ

نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ﷺ کے لیے بطورِ ہجرت گاہ منتخب فرمایا تھا۔ حضورِ انور نبی کریم رُوف الرحیم ﷺ کا مقام ہجرت یعنی یثرب مکہ مکرمہ سے کم و بیش دو سو اسی (۲۸۰) یعنی کہ تقریباً ۲۵۰ کلومیٹر میل شمال میں تھا۔ یہی مقام ہے جس نے مدینہ منورہ کے مقدس نام سے قلوبِ عالم کے لیے دائمی جلوہ آرائیوں اور انوارِ پاشی کا شرف پایا۔ یہ پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع مستطیل ہے جس کا طول بارہ (۱۲) میل یعنی کہ تقریباً ۱۹ کلومیٹر اور عرض کسی قدر کم ہے۔ اس کے جنوب میں جھیلِ غیر ہے جو خاصا بلند ہے اور شمالی حد پر جو پہاڑ ہے اس کا نام جبلِ احد ہے۔ دائیں بائیں یعنی شرقاً و غرباً لاوے کی دیواریں ہیں جنہیں ”لاہتین“ یا حرتین کہتے ہیں۔ مشرقی جانب حرہ و اقم اور غربی جانب حرہ دبرہ ہے۔ میدان کے جنوبی اور مشرقی حصے کی سطح کسی قدر بلند ہے اس لیے یہ ”عالیہ“ یا عوالی کہلاتا ہے پھر جیسے جیسے شمالی جانب بڑھتے جائیں سطح کسی قدر پست یا ہموار ہوتی جاتی ہے۔ میدان کے بیچ میں بھی چھوٹے بڑے ٹیلے ہیں۔ مثلاً جبلِ سلع جو شہر مدینہ سے قریب اور شمال کی جانب ہے اس سے آگے جبلِ ذباب اور مزید آگے بڑھ کر وادیِ قناتہ کے جنوبی کنارہ پر عینین یا ”جبلِ رماۃ“ ہے اس وادی کے شمال میں جبلِ عینین کے سامنے جبلِ احد ہے جو خاصا بلند اور طویل ٹیلہ ہے۔

وادیاں

میدان میں چشموں کے علاوہ وادیاں ہیں جن میں بارش کے وقت پانی بھرتا ہے جن کی مجمل سی کیفیت یہ ہے:

- ۱- وادی ”رانوتا“ ”جبلِ غیر“ سے نکل کر شمال کی جانب بہتی ہے۔
- ۲- حرہ و اقم سے ایک وادی نکلتی ہے جس کا نام مہزور ہے ایک اور وادی یعنی ”مدینیب“ جو کوئی سات میل یا ۱۳ کلومیٹر لمبی ہے یہ دونوں عوالی ہی میں مل جاتی ہیں اور متحدہ وادی کا نام بطحان ہے۔
- ۳- قبا سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر وادیِ رانوتا وادیِ بطحان میں مل جاتی ہے پھر یہ وادی جس کا نام بطحان ہی رہتا ہے شہرِ مدینہ کے جنوبی و مغربی حصہ سے گزرتی ہوئی شمالی جانب نکل جاتی ہے۔
- ۴- مدینہ منورہ سے قریباً تین میل اندازاً ۵ کلومیٹر شمال میں ایک وادی مشرقی جانب سے آتی اور جبلِ احد کے سامنے سے گزرتی ہوئی مغربی جانب نکل جاتی ہے۔
- ۵- ایک وادی جبلِ غیر کے جنوب سے آتی ہے اور اس کے مغربی گوشہ نیز حرہ دبرہ کے مغرب سے گزرتی ہوئی شمالی جانب جاتی ہے یہ وادی عقیق ہے۔
- ۶- بطحان وادی قناتہ میں مل جاتی ہے پھر یہ دونوں جبلِ احد کے مغرب میں وادیِ عقیق سے مل کر تھوڑے

فاصلہ ”زنا“ پر پہنچے۔ آری یہ جبلِ احد کے شمال مغرب میں ہے۔

آبادیاں

اس وسیع میدان میں ایک بستی نہ تھی بلکہ بہت سی چھوٹی بڑی آبادیاں یا مواضع تھے ان میں سے اکثر مدینہ منورہ کی توسیع میں ختم ہو گئے لیکن زیادہ تر جنوبی و مشرقی جانب ہی تھے۔

۱- قباء

مدینہ منورہ سے قریباً تین میل (اندازاً ۵ کلومیٹر) جنوب میں ہے جہاں رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر سب سے پہلے وہاں پہنچے اور چند روز قیام فرما رہے تھے یہ اب بھی موجود ہے۔

۲- عالیہ یا عوالی

جنوب مائل بہ شرق یہ اب بھی موجود ہے۔

۳- یہود کے قبیلہ بن نضیر کی بستی

یہ بستی جبلِ غیر کے مشرق اور قبا و عوالی کے جنوب مشرق میں وادیِ مذیب کے جنوبی کنارے پر تھی اس سے جانب جنوب کعب بن اشرف کا قلعہ تھا۔

۴- یہودی بنی قریظہ کی بستی

عوالی میں وادیِ مہزور کے جنوبی کنارے پر تھی۔

۵- بنی ظفر بنی عبدالاشہل بنی حارثہ اور بنی معاویہ کی بستیاں

حرہ و اقم کے ساتھ ساتھ یکے بعد دیگرے جنوباً شمالاً واقع تھیں۔

۶- یثرب کی بستی یا قصبہ

اس زمانے میں سب سے بڑی بستی تھی جس کا نشان اب بھی جبلِ سلع کے شمال مغرب میں وادیِ قناتہ وادیِ بطحان کے مقامِ اتصال سے قریب ملتا ہے اور وسیع میدان کی تمام آبادیاں بحیثیت مجموعی یثرب ہی کے نام سے مشہور تھیں۔

۷- قبا اور یثرب (مدینہ منورہ) کے درمیان بھی کئی بستیاں تھیں۔ مثلاً جب حضور پُر نور نبی کریم رؤف الرحیم

ﷺ قبا سے مستقل مقام کی طرف روانہ ہوئے تو بنی سالم کے محلہ میں نمازِ جمعہ ادا کی تھی وہاں مسجدِ الجمعہ اب تک موجود ہے۔ گویا بنی سالم کا محلہ یا آبادی اسی جگہ تھی۔

۸- جو مقام رسول اللہ ﷺ کے لیے تجویز ہوا تھا وہاں (حضرت) عبدالمطلب کے نہال کی آبادی تھی۔ اسی

آبادی میں حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان تھا جہاں تاجدارِ کائنات ہادیِ انس و جاں رسول اللہ

ﷺ ابتدائی سات مہینے قیام فرما رہے۔ ان کے علاوہ آپ کے ہمسائے میں حضرت سعد بن عبادہ، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہم کے مکانات تھے۔ پھر حضورِ انور ﷺ نے وہیں زمین خرید کر مسجد تعمیر کرائی۔ نیز ازواج کے لیے حجرے بنوائے آگے چل کر اسی آبادی نے شہر کی حیثیت اختیار کر لی یہی مقام مدینہ منورہ، مدینۃ الرسول یا مدینۃ النبی کے نام سے مشہور ہوا۔

(رسول رحمت صفحہ ۱۶۵ تا ۱۶۷)

یثرب کا ماحول

اب صرف یہ عرض کرنا باقی رہ گیا کہ حضورِ انور نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری پر جس آبادی نے مرکزی حیثیت حاصل کی اس کی عام کیفیت کیا تھی۔ اس کے جنوب، جنوب مشرق اور شمال مشرق میں کھجور کے اتنے گھنے باغات تھے جن میں سے اکاؤ کا آدمی گزر سکتے تھے مگر کسی فوج کے لیے گزرنا ممکن نہ تھا۔ نیز ان حصوں میں ہر طرف چھوٹی چھوٹی بستیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ یثرب کے شمال مشرق میں بھی جبل احد تک ایسے ہی باغات تھے۔ شمال کی جانب صرف تھوڑا سا حصہ ایسا تھا جہاں سے کوئی فوج مدینہ منورہ پر چڑھائی کر سکتی تھی۔ قیاس یہ ہے کہ جنگ احزاب کے موقع پر اسی حصہ میں خندق کھودی گئی تھی جس کی حد ”آثار مدینہ منورہ“ میں شمال مشرق سے شمال مغرب تک بتائی گئی ہے۔ (رسول رحمت صفحہ ۱۶۹)

اس کو یوں سمجھ لیں کہ یثرب اپنے حدودِ اربعہ کے اعتبار سے قدرتی طور پر قلعہ بند شہر تھا۔ مشرق و مغرب میں دو پہاڑی سلسلے قطار اندر قطار ایستادہ تھے اور شہر پناہ کا کام دے رہے تھے۔ جنوب میں جبلِ غیر تھا اور اس کے مشرق میں گھنے جنگلات تھے۔ صرف شمال مغربی سمت سے شہر کے اندر داخل ہونے کا راستہ تھا دیگر تینوں اطراف سے یہ شہر دشمن کے حملے سے محفوظ تھا۔

یثرب کے پہلے باشندے

یثرب بستی کا سنگ بنیاد کس نے رکھا؟ اس کے اولین مکین کون تھے؟ اس بارے میں مؤرخین کے متعدد اقوال ہیں لیکن علامہ نور الدین السہودی نے ”وفاء الوفاء“ میں جس قول کو ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ یثرب کے بانی عمالقہ تھے جو عملاق بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ انہوں نے بہت عروج حاصل کیا یہاں تک کہ وسیع و عریض رقبہ ان کے زیرِ نگیں آ گیا۔ بحرین، عمان اور حجاز کا سارا علاقہ شام اور مصر کی حدود تک ان کی قلم رو میں داخل تھا۔ مصر کے فراعون بھی انہی کی نسل سے تھے۔ بحرین اور عمان میں ان کی نسل سے جو لوگ آباد ہوئے انہیں جاسم کہا جاتا ہے۔ (وفاء الوفاء جلد ۱ صفحہ ۱۰۷)

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ:

عوص بن عملیق تھا اس کے بانی کے نام پر اس شہر کا نام یثرب مشہور ہوا۔“

(مقدمہ ابن خلدون جلد ۲ حصہ ۱ صفحہ ۳۹)

علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں

”یثرب میں جس نے سب سے پہلے کھیتی باڑی کی باغات لگائے (کھجور کے درخت لگائے)

مکانات اور قلعے تعمیر کیے اور زرعی فارم قائم کیے وہ عمالیق تھے۔ ان کا نسب یہ ہے: بنو عملاق بن

ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام“ (معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۸۴)

یہودیوں کی آمد

یہودیوں کے یثرب میں آ کر آباد ہونے کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعونینوں پر غلبہ حاصل ہوا تو آپ نے ایک لشکر شام پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا وہاں کنعانی قبائل رہائش پذیر تھے اس لشکر نے شام کو فتح کیا اور کنعانی قبائل کے افراد کو تہ تیغ کیا۔ آپ نے دوسرا لشکر حجاز پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا وہاں عمالقہ آباد تھے۔ وہ اس خطہ کے حکمران بھی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ عمالقہ پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد ان کے سامنے دین موسوی پیش کریں اور انہیں دعوت دیں کہ وہ اس کو قبول کر لیں لیکن جو بالغ لوگ اس دین کو قبول کرنے سے انکار کریں ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں۔

چنانچہ آپ کے بھیجے ہوئے لشکر نے حجاز پر حملہ کیا اللہ تبارک تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت سے نوازا۔ حسب ارشاد انہوں نے ان لوگوں کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کو پیش کیا اور انہیں اس پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ وہاں کے بادشاہ ارقم بن ابی ارقم سمیت عمالقہ میں سے جس نے بھی اس دین کو قبول کرنے سے انکار کیا ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ایک نوجوان جو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب تھا اس کے بے مثل حسن و جمال کی وجہ سے اس کو قتل نہ کیا اور یہ طے کیا کہ ہم اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کریں گے آپ جو چاہیں اس کے بارے میں فیصلہ فرمادیں۔

جب یہ فاتح لشکر واپس پہنچا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رحلت فرما چکے تھے۔ بنی اسرائیل کے لوگوں نے ان سے ان کی مہم کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں فتح دی ہے اس کے بعد ہم نے ان کو دین موسوی قبول کرنے کی دعوت دی جنہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا وہ زندہ سلامت رہے اور جنہوں نے انکار کیا انہیں حسب ارشاد ہم نے قتل کر دیا۔ انہوں نے اس جوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ بھی بنی عمالقہ کا ایک فرد ہے جس کے حسن و جمال کی وجہ سے ہم اس کو قتل کرنے کا جرات نہ کر سکے ہم اسے اسے ساتھ لے کر آئے تھے کہ اس کے بارے میں ہمارے نبی حضرت موسیٰ

علیہ السلام جو مناسب سمجھیں گے فیصلہ فرمائیں گے۔ وہ لوگ اتنی سی بات پر بھر گئے اور ان پر الزام لگایا کہ تم نے اپنے نبی کی حکم عدولی کی ہے، ہم تمہیں اپنے ساتھ اس علاقے میں رہائش پذیر ہونے کی اجازت نہیں دیں گے، جاؤ جہاں تمہارا جی چاہے جا کر رہو۔

ان لوگوں نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ اگر ہمیں ہماری قوم شام میں رہائش پذیر ہونے کی اجازت نہیں دیق تو چلو اس شہر میں جا کر آباد ہو جائیں جس کو ہم نے فتح کیا اور جس کے باشندوں کو قتل کر دیا اس طرح یہودیوں کا پہلا قافلہ حجاز میں اقامت گزریں ہو گیا۔ (معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۸۴)

علامہ سمودی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل کرتے ہیں کہ جب بخت نصر (شداد بن عاد) نے شام کو فتح کیا اور یروشلم پر قبضہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور یہودیوں کے قتل عام سے خون کے دریا بہا دیئے اور لاکھوں کی تعداد میں انہیں پابہ زنجیر ہانک کر بابل لے آیا، اس وقت یہودیوں کی جمعیت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ان میں سے چند قبائل حجاز کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ انہوں نے اپنی آسمانی کتاب تورات میں جا بجا حضور انور ﷺ کا ذکر خیر پڑھا تھا اور وہاں یہ بھی لکھا تھا کہ وہ نبی آخر الزماں نبی کریم ﷺ اپنا وطن چھوڑ کر ایسی جگہ قیام فرما ہوں گے اور علاقہ میں جہاں نخلستان ہوں گے اور علاقہ میں دونوں طرف جلے ہوئے پتھروں کے سیاہ میدان ہوں گے۔

انہیں یہ شوق حجاز کی طرف لے آیا کہ شاید انہیں حضور پر نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے اور وہ حضور ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت سے بہرہ ور ہو جائیں۔ اگر انہیں اپنی زندگی میں یہ سعادت نصیب نہ ہوئی تو وہ اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کو یہ وصیت کر جائیں گے کہ جب بھی وہ نبی مکرم مبعوث ہو تو ذرا تامل کیے بغیر آگے بڑھیں اور اس کے دست مبارک پر بیعت کریں اور السابقون الاولون میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کریں۔

جب یثرب کے مقام پر ان کا کارواں پہنچا تو انہیں وہ تمام علامتیں یہاں نظر آئیں جو نبی الانبیاء نبی آخر الزماں ﷺ کے مقام ہجرت کے بارے میں تورات میں مرقوم تھیں۔ انہوں نے وہیں اقامت اختیار کر لی اور ضرور دو عالم ﷺ کی بعثت کا انتظار کرنے لگے۔ اس انتظار میں صدیاں بیت گئیں لیکن جب وہ مہربین مطلع یثرب پر نور افشاں ہوا تو حسد کے مارے انہوں نے حضور پر نور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور اسلام کی تحریک کو ناکام کرنے کے لیے اپنے سارے وسائل اور صلاحیتیں جھونک دیں۔ ایمان لانا تو اللہ کا فضل عظیم ہے، وہ جسے چاہے توفیق دے۔

امام ابن جریر طبری نے بھی یہود کے حجاز میں آ کر آباد ہونے کی یہی وجہ لکھی ہے کہ جب بخت نصر (شداد بن عاد) نے شام کو فتح کیا، بیت المقدس کے ہیکل سلیمانی اور دیگر مذہبی عبادت گاہوں کو پیوند خاک کر دیا تو یہ

لوگ وہاں سے جان بچا کر حجاز کے مختلف مقامات پر آباد ہو گئے اور ان کے چند قبائل نے یثرب کو اپنا وطن بنا لیا۔

مرور زمانہ سے یہود کے دو قبائل ابتدا میں آ کر یہاں آباد ہو گئے تھے ان کی نسل بڑھی ان کے علاوہ کئی دوسرے یہود قبیلے بھی یہاں آ کر آباد ہوتے رہے یہاں تک کہ یہودی قبائل کی تعداد پچیس تیس (۳۵) کے قریب ہو گئی جب ان کی بستیوں میں رونق بڑھی تو ارد گرد کے عربی قبائل بھی وہاں آ کر رہائش پذیر ہونے لگے۔ ان سب نے حالت جنگ یا حالت فتنہ و فساد میں اپنے اپنے دفاع کے لیے چھوٹے چھوٹے قلعے تعمیر کر لیے تھے۔ یہودیوں کے قلعوں کی تعداد انسٹھ (۵۹) تھی اور عرب قبائل کی گڑھیوں کی تعداد تیرہ (۱۳) تھی۔

اوس و خزرج کے آباؤ اجداد کی آمد

کئی صدیوں تک یہود اس علاقے میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے رہے تمام زرخیز زرعی زمینیں ان کے قبضے میں تھیں تجارتی منڈیوں اور بازاروں پر ان کا تسلط تھا تورات کے حامل ہونے کی وجہ سے علم و فضل میں بھی ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ اوس و خزرج کا نسب نامہ پہلے بیان کر آئے ہیں یہ دونوں گئے بھائی تھے اور فحطان کی ذریت سے تھے ان کا آبائی وطن یمن تھا۔

تارب کے مقام پر جو بہت ہی بڑا عظیم الشان بند (ڈیم) تعمیر کیا گیا تھا اس نے پورے ملک کی زرعی معیشت میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ یمن میں کوئی دریا نہ تھا خاص موسم میں بارش برستی تھی پہاڑی ندی نالوں میں پانی بھر کر آتا تھا اس سے کچھ آبپاشی ہوتی تھی اور باقی پانی سمندر میں کھاری پانی کے ساتھ مل کر ضائع ہو جاتا تھا۔ یمن کے ایک ترقی پسند بے دار مغز حکمران نے اس بند کو تعمیر کیا تمام برساتی نالوں کا پانی یہاں آ کر جمع ہوتا۔

یہ بند ایک فرسخ (تقریباً ۵ کلومیٹر) لمبا اور ایک فرسخ (تقریباً ۵ کلومیٹر) چوڑا تھا۔ یہ سنگلاخ چٹانوں سے بنایا گیا تھا اوپر نیچے اس کے تین دروازے تھے اس سے نیچے ایک بہت بڑا وسیع تالاب تھا جس سے بارہ (۱۲) نہریں نکالی گئی تھیں جو ملک کے ہر حصے کو سیراب کرتیں۔ جب ڈیم بھرا ہوتا تو سب سے اونچا دروازہ کھولا جاتا اور اس سے پانی نکل کر نیچے ذخیرہ میں آتا اور وہاں سے حسب ضرورت نہروں میں چھوڑ دیا جاتا۔ پانی کی سطح کم ہوتی تو درمیانی دروازہ کھولا جاتا اور جب بالکل پانی کم ہوتا تو نیچے والا دروازہ کھول دیا جاتا۔

یہ ڈیم اتنا بڑا تھا کہ موسم برسات میں ذخیرہ کیا ہوا پانی ان کی سال بھر کی ضرورتوں کے لیے کافی ہو جاتا۔ کچھ عرصے تو وہ عنایات ربانی سے لطف اندوز ہوتے رہے اور شکر بجالاتے رہے لیکن جب عرصہ دراز اس لطف و انعام و نعمتوں میں گزرا تو ان میں سرکشی اور بے راہ روی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ وقتاً فوقتاً اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے نبی مبعوث فرمائے لیکن شیطان نے ان کو ایسا ورغلا یا کہ انہوں نے اپنے غلط فہمیوں

کے وعظ و نصیحت کو سننے سے انکار کر دیا اور برملا کہنا شروع کر دیا کہ ”ہمیں تو کوئی علم نہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ہم پر کوئی احسان کیا ہے۔ بے شک اپنے رب کو کہو کہ اگر اس میں طاقت ہے تو جو انعام اس نے ہم پر کیا ہے وہ آئندہ نہ کرے۔“

جب ان کے فسق و فجور کی حد ہو گئی تو مکافات عمل کا قانون حرکت میں آیا۔ غضب الہی موسلا دھار بارشوں کی شکل میں ظاہر ہوا اس نے اتنے خوف ناک سیلاب کی صورت اختیار کر لی کہ جب اس کی موجیں چٹانوں سے بنے ہوئے اس بند سے جا ٹکرائیں تو ان کو لرزا کر رکھ دیا اور پھر کچھ دیر کے بعد پانی کا تندریر یا اس کے بھاری بھر کم پتھروں کو تنکوں کی طرح بہا لے گیا۔ اس تباہ کن سیلاب کا ذکر سورہ سبا کی آیات ۱۵ تا ۲۱ میں کیا گیا ہے اور مفسرین نے اس کی تفسیر بھی لکھی ہے۔

اوس و خزرج کے جد اعلیٰ عمرو بن عامر کو یقین ہو گیا کہ یہ ڈیم جس پر ہماری خوش حالی کا انحصار ہے اب یہ پرانا ہو رہا ہے اور اسے کسی وقت بھی کوئی تباہ کن حادثہ پیش آ سکتا ہے اور اس کے ٹوٹنے سے جو تباہی آئے گی اس کا باآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ عمرو بن عامر کے عالی شان محلات اور حویلیاں اس کی دولت کے ذخائر اس کے غلے کے انبار بھی مآرب میں تھے۔ اس نے اس حقیقی خطرہ کے پیش نظر اپنی ملکیت کی تمام املاک (زمین، جائیداد، محلات اور مال مویشی وغیرہ) اس سب کو بیچ کر مع اہل و عیال وہاں سے چلے جانے کا پروگرام بنایا۔ مآرب کا عظیم رئیس اگر اس طرح اپنی جائیداد کو فروخت کرتا تو سارے علاقے میں بے چینی کی لہر دوڑ جاتی۔ اس نے اپنی اس سکیم پر عمل پیرا ہونے کے لیے ایک عجیب و غریب حیلہ تراشا۔

اس نے ایک یتیم بچے کی پرورش کی تھی بڑے لاڈ پیار سے اس کو پالا پوسا تھا جب وہ جوان ہوا تو اس کی شادی بھی کر دی اور اس کے جملہ اخراجات کا خود ہی کفیل ہوا۔ عمرو نے اس کو ایک روز اپنے پاس تنہائی میں بلایا اور اسے کہا کہ جب ساری قوم میرے پاس جمع ہو تو میں تجھ سے کوئی بات چھیڑوں گا یہاں تک کہ تلخ کلامی کی نوبت آجائے گی۔ جب شدت غضب میں میں تجھے سخت ست کہوں تو تم بھی مجھے ترکی بہ ترکی جواب دینا اور غصہ سے بے قابو ہو کر میں تجھے تھپڑ رسید کروں تو تو بھی اس کے جواب میں مجھے طمانچہ دے مارنا یہ میرا حکم ہے اس کی تعمیل تم پر لازمی ہے اسی میں میری اور تمہاری بہتری ہے۔

جب قوم کے افراد اس کے پاس جمع ہو گئے تو طے شدہ پروگرام کے مطابق اس نے اس یتیم سے گفتگو شروع کی بات بڑھتی گئی یہاں تک کہ غصہ میں آ کر عمرو نے اس کو گالیاں دینا شروع کیں اس نے بھی ذرا لحاظ نہ کیا اور جواب میں گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ عمرو نے اس کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا اس یتیم نے بھی آؤ دیکھانہ تاؤ جواباً اس کو طمانچہ دے مارا اور اس وقت عمرو نے چلا کر کہا

”ہائے ذلت و رسوائی! آج عمرہ کرنے کے لیے جا رہا ہوں۔“

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ۴۵۹۰ جلد دوم

اس نے قسم کھائی کہ وہ اس جوان کو زندہ نہیں رہنے دے گا اس کو اس کی گستاخی کا مزا چکھا کر رہے گا۔
لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے اس لڑکے کو قتل ہونے سے بچا لیا لیکن عمرو نے بدل اور ناراض ہو کر اعلان کیا
”بخدا! میں اس شہر میں نہیں رہوں گا جہاں میرے ساتھ ایسا کیا گیا ہے میں اب اپنے تمام اموال
فروخت کر دوں گا اور یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

لوگوں نے اس کی برہمی کو غنیمت جانا دھڑا دھڑا اس کے مکانات، بنگلے، حویلیاں اس کی غیر منقولہ اور منقولہ
سامان خریدنا شروع کر دیا۔ بنی ازد قبیلہ کے چند خاندانوں نے عمرو کی اقتدا کرتے ہوئے اپنی جائیدادیں
فروخت کر دیں اور وہاں سے کوچ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب عمرو اپنے اموال بیچنے سے فارغ ہوا تو اس
نے لوگوں کو اپنے خدشات سے آگاہ کیا، بہت سے لوگ اس کے ساتھ ترک وطن پر آمادہ ہو گئے اور جو باقی رہ
گئے، طوفان آیا اور انہیں خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔

عمرو بن عامر اپنے فرزندوں اور بنی ازد کے قبائل (اپنے دیگر قبائل) قبیلہ ازد بنی خزاعہ آل جھنہ و جزیمہ
الابرش) کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا اور یثرب کا رخ کیا۔ مآرب سے رخت سفر باندھتے ہوئے اس نے تمام قبائل
کے سامنے عرب کے مختلف علاقوں کی خصوصیات بیان کیں تاکہ ہر قبیلہ اپنے پسندیدہ علاقے میں جا کر رہائش
اختیار کر لے اس نے کہا:

”تم میں سے جس کا حوصلہ بلند ہو جس کی سواری کے اونٹ تنومند ہوں اور اس کے سامنے مقصد بڑا عظیم
ہو تو چاہیے کہ وہ عمان کے پختہ ایوانوں میں جا کر سکونت پذیر ہو جائے۔ چنانچہ قبیلہ ازد نے وہاں جا کر سکونت
اختیار کر لی۔“

عمرو نے کہا:

”تم میں سے جس کا حوصلہ بلند نہ ہو اور سواری کا اونٹ کمزور ہو اور اس کا مقصد بھی اہم نہ ہو وہ
ہمدان میں جا کر فروش ہو جائے۔ چنانچہ اس کا بیٹا وداعہ ہمدان میں جا کر رہائش پذیر ہو گیا۔“

عمرو نے کہا:

”اور جو قبیلہ تم میں سے بہادر صاحب بصیرت ہو جو زمانے کے حادثات پر صبر کر سکتا ہو اسے چاہیے
کہ بطن مر میں جا کر ڈیرہ ڈال دے۔ چنانچہ بنی خزاعہ نے بطن مر کو اپنا وطن بنایا۔“

عمرو نے کہا:

جو قبیلہ تم میں سے ایسے علاقے کا آرزو مند ہو جہاں کیچڑ میں مضبوط پہاڑیاں ہوں، قحط سالی کے
زمانے میں جہاں پھل دار درخت ہوں تو وہ لاوہ کے اس میدان میں جائے جہاں نخلستان ہے۔
چنانچہ بنی خزاعہ نے اس علاقے میں آ کر رہائش اختیار کی۔“

عمر و نے کہا:

”اور جو شخص شراب اور خمیری روٹی کا شائق ہو اور دیا و ریشم کے کپڑے پہننا چاہتا ہو اور حکم اور حکومت کا خواہاں ہو تو وہ بصری اور سدیر کا رخ کرے۔ یہ شام کے دو شہر ہیں وہاں آل ہفہ بن غسان خیمہ زن ہوئے۔“

عمر و نے کہا:

”جو قبیلہ باریک لباس، اعلیٰ نسل کے گھوڑے اور زرقوں کے خزانے چاہتا ہو وہ عراق میں جا کر سکونت پذیر ہو۔ چنانچہ جزیمہ لابرش، بنی غسان کے جو لوگ حیرہ میں آباد تھے وہ عراق میں منتقل ہو گئے۔“ (وفاء الوفاء جلد ۱ صفحہ ۱۷۰ تا ۱۷۲)

عمر و بن عامر اپنے فرزندوں اور افراد خاندان اور بنی ازد کے قبائل کو ہمراہ لے کر مآرب سے روانہ ہو گیا اور یثرب کا رخ کیا۔ راستے میں اس کا بھائی وداعہ بن عامر اس قافلے سے جدا ہو کر ہمدان میں جا کر سکونت پذیر ہوا۔ یہ قافلہ جب سراۃ اور مکہ کے درمیانی علاقے میں پہنچا تو ازد کے چند قبائل وہاں رُک گئے اور عمرو کا ایک بیٹا عمران بھی وہاں ہی ٹھہر گیا۔ اس قافلے نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ وہ ایک چشمے پر پہنچے جس کا نام غسان تھا یہاں سے لُحی جس کا نام ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن حارثہ تھا وہ اس قافلے سے جدا ہو گیا۔ وہاں سے وہ مکہ آیا اور بنو جرہم کے بادشاہ عامر جرہمی کی بیٹی سے شادی کی۔ اس کے بطن سے وہ عمرو بن لُحی پیدا ہوا جس نے عرب میں بت پرستی کا آغاز کیا اور دینِ ابراہیمی میں طرح طرح کی تحریفیں کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ اس کی اولاد خزاعہ (یعنی جدا ہو جانے والے) کے نام سے مشہور ہوئی۔ کیونکہ اس کا باپ غسان کے چشمے سے اپنے قافلے سے جدا ہو گیا تھا۔“ (وفاء الوفاء جلد ۱ صفحہ ۱۷۱)

یہ قافلہ عمرو بن عامر کی قیادت میں جس علاقے سے گزرتا اس کو اپنا زیرِ نگین کرتا چلا جاتا جب یہ لوگ مکہ کے نواح میں پہنچے تو اس وقت وہاں بنو جرہم کی بادشاہی تھی انہوں نے بنو اسماعیل کو حرم کی تولیت سے محروم کر کے خود قبضہ کر لیا تھا۔ عمرو کے بیٹے ثعلبہ نے بنی جرہم کو کہلا بھیجا کہ ہم یمن سے ترکِ وطن کر کے یہاں آئے ہیں جہاں سے بھی ہمارا قافلہ گزرا وہاں کے لوگوں نے بڑی فراخ دلی سے ہمارا استقبال کیا، ہم یہاں کچھ عرصہ ٹھہرنا چاہتے ہیں اس اثناء میں ہم اپنے نمائندے گرد و نواح کے علاقوں کی چھان بین کے لیے بھیجیں گے جب ان کی طرف سے ہمیں اطلاع ملے گی جس علاقے میں اپنی رہائش مناسب سمجھیں گے وہاں چلے جائیں گے۔

بنو جرہم نے ان کو یہاں ٹھہرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ ثعلبہ نے دوبارہ انہیں کہلا بھیجا کہ ہمارے لیے یہاں رُکنا ناگزیر ہے اگر تم خوشی سے ہمیں اجازت دو گے تو ہم تمہارے شکر گزار ہوں گے پانی اور چراگاہ میں تمہیں مساوی حق دیں گے اور اگر تم بخوشی اجازت نہیں دو گے تو ہم اپنی قوتِ بازو سے یہاں ٹھہریں

گے پھر تمہارے مویشیوں کو متروکہ چراگا ہوں میں چرنے کی اجازت ہوگی اور پینے کے لیے تمہیں گدلے پانی پر قناعت کرنا ہوگی۔ اگر تم ہم سے جنگ کرو گے تو ہم اس کے لیے تیار ہیں اور اگر ہم نے تم پر غلبہ پالیا تو تمہاری عورتوں کو قید کر کے اپنی باندیاں بنالیں گے تمہارے مردوں کو تہ تیغ کر دیں گے اور آئندہ تم میں سے کسی کو حرم میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ بنو جرہم نے اس دھمکی کی پرواہ نہ کی، فریقین میں جنگ چھڑ گئی اور مسلسل تین دن تک جاری رہی۔

بنو جرہم کو شکستِ فاش ہوئی، ان کی کثیر تعداد ماری گئی، چند آدمی بھاگ کر جان بچا سکے۔ ثعلبہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایک سال تک مکہ کے نواح میں خیمہ زن رہا اس عرصے میں انہیں بخار نے آلیا جس ملک کے یہ باشندے تھے وہاں بخار نام کی کوئی بیماری ہی نہ تھی۔ انہوں نے زیادہ دیر وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا، ہر قبیلے نے اپنے لیے جو علاقہ پسند کیا تھا، ادھر روانہ ہو گیا۔ اوس و خزرج جو حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر کے فرزند تھے وہ یثرب کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں جا کر رہائش پذیر ہو گئے۔

علامہ یاقوت حموی کی تحقیق یہ ہے کہ جب یہ قافلہ یمن سے روانہ ہوا تو ثعلبہ نے وہاں سے ہی حجاز کا رخ کیا تھا اور ثعلبہ اور ذی قار کے درمیانی علاقے میں اقامت اختیار کی اسی کے نام سے یہ علاقہ ثعلبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ وہ خود اس کی ساری اولاد اور اس کے ساتھی یہاں ہی فروکش ہو گئے۔ جب یہ لوگ خوب پھلے پھولے ان کی تعداد میں کافی اضافہ ہو گیا اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو طاقت ور محسوس کرنے لگے تو انہوں نے ثعلبیہ سے رختِ سفر باندھا اور یثرب میں آ کر خیمہ زن ہو گئے۔ یہود کے قبائل یثرب میں پہلے سے سکونت پذیر تھے ان کے درمیان وہ بھی رہنے لگے۔ یہودیوں کی کئی آبادیاں یثرب سے باہر بھی تھیں۔ خیبر تیماء وادی القرئی وغیرہ اوس و خزرج کے بعض افراد وہاں چلے گئے لیکن ان کی اکثریت یثرب میں آباد ہو گئی۔

انصار کا مقام

یثرب کے دو خوش نصیب عالی بخت قبیلے اوس و خزرج جنہوں نے بغیر کسی حیل و حجت کے دین اسلام کو با شوق چاہت و رغبت قبول کیا اور اس کی دعوت تبلیغ فروغ و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور نمایاں گراں قدر خدمات انجام دیں، وہ انصار اللہ، انصار رسول اللہ کے معزز و خوب صورت القاب سے نوازے گئے۔

خالق و مالک کائنات اللہ تبارک تعالیٰ اور اللہ کے رسول مقبول نبی کریم روف الرحیم ﷺ کے ہاں جو انصار کا مقام ہے اس کا ذکر خیر ذکر جمیل حسب ذیل ہے یہ بھی انصار کی خوبیوں کے بارے میں یہ ایک مختصر سا تعارف ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قارئین کرام تاریخ اسلام کے اس درخشاں باب کا مطالعہ کرنے سے پہلے جاں بازوں اور جاں نثاروں کے اس گروہ سے اچھی طرح متعارف ہو جائیں تاکہ ان کی زریں کارناموں کی قدر کر

سکیں اور انہیں داد دے سکیں اور ان کا اتباع کرنے کے لئے دل و جان میں خواہش و تڑپ پیدا ہو جائے۔
اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا ان کا ذکر فرمایا ہے اس کی بارگاہِ صدیت میں جو اعزاز نہیں بخشا گیا ہے قرآن کریم کے صفحات اس سے جگ مگار ہے ہیں۔ چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

سورۃ انفال آیت ۷۴ میں خالق و مالک کائنات کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

”اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی خوش نصیب لوگ سچے ایمان دار ہیں انہیں کے لیے بخشش ہے اور باعزت روزی۔“ (سورۃ انفال آیت ۷۴)

سورہ حشر آیت ۹ میں اللہ تبارک تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

ترجمہ: ”اور (اس مال) میں ان کا بھی حق ہے جو دادِ ہجرۃ میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں، مہاجرین (کی آمد) سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور انہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو اور جس کو بچالیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ با مراد ہیں۔“ (سورہ حشر آیت ۹)

جس ہادی برحق کے دستِ مبارک پر انہوں نے اسلام قبول کیا اور جس ہستی کی قیادت میں ان جاں بازوں نے اس دینِ حق کی سر بلندی کے لیے جان کی بازی لگا دی اور اپنے مال کو قربان کر دیا اس کی بارگاہِ نبوت سے جو القاب جو محبتیں جو نوازشات انہیں مرحمت فرمائے گئے ہیں ان میں چند ایک پیش خدمت ہیں:

”غیلان بن جریر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا (جو انصاری تھے) کہ یہ فرمائیے کیا اسلام سے پہلے بھی آپ کو انصار کے اسم سے موسوم کیا جاتا تھا یا اللہ تبارک تعالیٰ نے اس نام سے تمہیں موسوم کیا؟ تو آپ نے جواب دیا بے شک اللہ عز و جل نے ہمیں اس نام سے موسوم فرمایا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

اس روایت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ معزز لقب انہیں تب نصیب ہوا جب انہوں نے دینِ اسلام کو قبول کیا تھا۔

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ حضورِ انور نبی کریم رؤف

الرحیم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان لوگوں سے میری مدد فرمائی جو فصاحت و بلاغت میں اور قوت بازو میں سب لوگوں سے زیادہ طاقت ور تھے یعنی قیلہ کے دونوں بیٹوں اوس و خزرج کے خاندانوں سے۔“

”براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انصار سے مومن کے بغیر کوئی محبت نہیں کرتا اور منافقین کے بغیر ان سے کوئی بغض نہیں رکھتا۔ جو شخص ان سے محبت کرتا ہے اللہ تبارک تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اللہ تبارک تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔“

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض ہے۔“

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک روز رسول اللہ ﷺ مدینے کی گلیوں میں سے ایک گلی میں گزر رہے تھے تو اچانک سنا کہ انصار کی چند بچیاں دف بجارہی ہیں اور یہ گیت گارہی ہیں ”ہم بنی نجار قبیلہ کی بچیاں ہیں“ حضور پر نور محمد مصطفیٰ ﷺ ہمارے کتنے بہترین پڑوسی ہیں“

تاجدار کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہ گیت سنا اور اللہ تبارک تعالیٰ کی جناب میں عرض کی: ”اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔“ (حدیث صحیح راوی ابن ماجہ)

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ انصار سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے بغض رکھتا ہے وہ انصار سے بغض رکھتا ہے۔ کوئی منافق ان سے محبت نہیں کر سکتا اور کوئی مومن ان سے بغض نہیں رکھ سکتا اور انصار اس کپڑے کی مانند ہیں جو جسم کے ساتھ لگا رہتا ہے اگر سارے لوگ ایک راہ پر چل نکلیں اور انصار دوسری راہ پر چلیں تو میں انصار کی راہ پر چلوں گا۔“

(امام احمد بن حنبل)

”حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص انصار سے محبت کرتا ہے تو وہ میرے ساتھ محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو انصار سے بغض رکھتا ہے وہ میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔“ (حدیث صحیح)

حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”جس شخص کو انصار کے کاموں کا والی بنایا گیا تو اسے چاہیے کہ ان میں جو نیکو کار ہیں ان کے ساتھ بہترین سلوک کرے اور جو ان سے غلطی کر بیٹھے ان سے درگزر کرے جس نے انصار کو خوف زدہ کیا اس نے میری ذات کو یا میرے دل کو خوف زدہ کیا۔“ (حدیث صحیح)

فتح مکہ کے بعد قبیلہ بنی ہوازن کے ساتھ حنین کے مقام پر جنگ ہوئی اور بے اندازہ مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے اس مالِ غنیمت میں سے بہت سا مال ان نو مسلموں میں تقسیم فرما دیا جو ساری عمر اسلام کے خلاف مصروف پیکار رہے تھے اور ابھی چند روز ہوئے مکہ فتح ہونے کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس بات سے انصار کے نوجوانوں کو تکلیف ہوئی اور انہوں نے کہا:

”وہ کہنے لگے بخدا! یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے کہ ہماری تلواروں سے تو اب بھی قریش کے مقتولوں کا خون ٹپک رہا ہے اور ہمارا مالِ غنیمت انہیں قریش میں بانٹا جا رہا ہے۔“

یہ بات حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے جب سنی، انصار کو بلایا اور پوچھا تمہاری طرف سے مجھے یہ کیا بات پہنچی ہے؟ وہ لوگ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے سامنے کسی قیمت پر جھوٹ نہیں بولا کرتے تھے، انہوں نے عرض کی جو آپ ﷺ نے سنا ہے، ایسی بات ہوئی۔ تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اے گروہِ انصار! کیا اللہ تبارک تعالیٰ نے ایمان کی دولت دے کر تم پر احسان نہیں فرمایا اور تمہیں عزت سے مخصوص نہیں کیا اور تمہیں بہترین نام عطا فرمایا۔ انصار الہ و انصار رسول یعنی اللہ کے مددگار اور اس کے رسول ﷺ کے مددگار۔ اگر ہجرت کا معاملہ نہ ہوتا تو میں تمہاری طرح ایک انصاری ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک وادی میں چلیں اور تم انصار الگ وادی میں چلو تو میں تمہاری وادی میں چلوں گا۔ کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ لوگ بھیڑ بکریاں اور اونٹ لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم اللہ کے پیارے رسول ﷺ کو اپنے ساتھ لے کر اپنے وطن لوٹو؟ انصار نے عرض کی بے شک ہم اللہ تبارک تعالیٰ کی اس مہربانی پر بڑے راضی ہیں۔“

حضور پُر نور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو باتیں میں نے کی ہیں اس کی روشنی میں مجھے جواب دو۔ انصار نے عرض کی:

”یا رسول اللہ! ﷺ آپ نے ہمیں اندھیروں میں پایا، اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ ﷺ کے واسطے سے ہمیں نورِ علیٰ نور کیا۔ آپ ﷺ نے ہمیں گمراہی کے گڑھے کے کنارے پر پایا۔ پس اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ ﷺ کے واسطے سے ہماری تاسد فرمائی۔ آپ ﷺ زہمیں گمراہ

پایا پس اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے سے ہمیں ہدایت دی پس ہم اس بات پر راضی ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہمارا رب ہے، اسلام ہمارا دین ہے اور حضور پر نور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہمارے نبی ہیں۔ یا رسول اللہ! ﷺ جو آپ ﷺ کا جی چاہے وہ آپ ﷺ کریں۔“

اپنے غلاموں کا یہ نیاز مندانہ جواب سُن کر حضور پر نور نبی کریم ﷺ ان کی مزید دل جوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جو جواب تم نے مجھے دیا ہے اگر اس کے سوا کوئی اور جواب تم دیتے تو میں اس کی تصدیق کرتا یعنی اگر تم یہ کہتے کہ آپ ﷺ ہمارے پاس گھر سے نکالے ہوئے آئے تھے، ہم نے آپ ﷺ کو پناہ دی، آپ ﷺ کو جھٹلایا جاتا تھا، ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ آپ ﷺ بے یار و مددگار تھے، ہم نے آپ ﷺ کی مدد کی، آپ ﷺ کی دعوت کو لوگوں نے مسترد کر دیا، ہم نے اسے قبول کر لیا اگر تم یہ جواب دیتے تو تم سچے تھے۔“

انصار سراپا ادب و نیاز بن کر عرض کرتے ہیں:

”یہ سب اللہ تبارک تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے اور دوسروں پر“

پھر ان پر گریہ طاری ہو گیا اور انہوں نے آنسوؤں کے دریا بہا دیئے۔ حضور پر نور سرورِ دو عالم ﷺ کی آنکھیں بھی ان کے ساتھ اشک بار ہو گئیں۔

آخر میں ایک اور حدیث پاک سماعت فرمائیے:

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم نبی کریم رُوف الرحیم ﷺ نے فرمایا ”انصار

میرے دوست ہیں، میرے دینی بھائی ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں میرے دست و بازو ہیں۔“

(دیلمی، مسند القرووس)

مندرجہ بالا میں مذکور احادیث زیادہ تر صحاح ستہ سے ہیں یعنی کہ یہ احادیث صحیح ہیں اور یہ ساری احادیث

مبارکہ کا حوالہ ساتھ درج شدہ حوالے کے علاوہ علامہ امام یوسف صالحی کی تصنیف سبل الہدیٰ والرشاد کی جلد ۳

بھی ہے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۵۴ تا ۲۵۷)

اوس و خزرج کی اولاد

مالک بن اوس

اوس و خزرج یہ دونوں سگے بھائی تھے ان کے والد کا نام حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر تھا اور ان کی والدہ کا نام قیلہ تھا۔ اوس کا ایک ہی لڑکا تھا جس کا نام مالک تھا لیکن اس کے بھائی خزرج کے پانچ بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں:

عمرو، عوف، جثم، کعب اور حارث۔ جب اوس کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو اس کے عزیزوں نے اس بات پر اظہارِ افسوس کیا کہ اس کا صرف ایک لڑکا ہے جب کہ اس کے بھائی خزرج کے پانچ بیٹے ہیں۔ انہوں نے اسے کہا کہ ہم نے تو بارہا تمہاری منت کی کہ کسی دوشیزہ سے شادی کر لو لیکن تم نے ہماری بات نہ مانی، تم دنیا سے رخصت سفر باندھ رہے ہو اور صرف ایک لڑکا چھوڑ رہے ہو۔ اوس نے اپنے بھائیوں کی یہ بات سن کر کہا:

”کہ جس کا مالک جیسا بیٹا ہو وہ ہلاک نہیں ہوتا۔“

آخر میں وہ اپنے بیٹے مالک کی طرف متوجہ ہوا اور اسے وصیت کی:

”اے بیٹے! موت قبول کرنا لیکن کمینہ پن، رذالت اور کمینگی کو ہرگز قبول نہ کرنا۔“

پھر فی البدیہہ یہ شعر کہے جس میں پند و موعظت تھی۔ آخری چند شعر آپ بھی سماعت فرمائیے:

اشعار کا ترجمہ

- ۱- ”ہمارا ایک پروردگار ہے جو اپنے عرش پر متمکن ہے، خیر و شر جو بھی ظاہر ہوتی ہے وہ اسے جانتا ہے۔“
- ۲- ”کیا میری قوم کو اس بات کا علم نہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ایک دعوت ہے جس کو قبول کر کے سعادت مند اور صالح لوگ کامیابی اور کامرانی حاصل کریں گے۔“
- ۳- ”جب غالب کے خاندان سے ایک نبی مبعوث کیا جائے گا جو مکہ میں زمزم اور حطیم کے درمیان ظاہر ہوگا۔“

- ۴- اس وقت اپنے شہروں میں تم اس کی نصرت کی کوشش کرنا۔ اے عامر کی اولاد! اس کی نصرت میں ہی ساری سعادتوں کا راز مضمر ہے۔“

اس طرح اوس نے نبی برحق ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی نصرت کے لیے اپنے مال و جان کی بازی لگانے کی وصیت کرتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا۔

اوس و خزرج کی اولاد کی اکثریت تو یثرب میں اقامت گزری ہو گئی، بعض شاخیں دوسرے علاقوں میں جا کر آباد ہو گئیں، ان میں سے صرف وہ خاندان انصار کے معزز لقب سے ملقب ہوئے جو مدینہ طیبہ کے مکین بنے۔ (وفاء الوفاء جلد ۱ صفحہ ۱۷۶)

اوس و خزرج کے قبائل جب یثرب پہنچے تو اس وقت وہاں کی تمام زرعی زمینیں تجارتی منڈیاں اور بازار یہودیوں کے قبضے میں تھے۔ انہوں نے اپنی رہائش کے لیے محلات اور بڑی بڑی حویلیاں تعمیر کی ہوئی تھیں، ان کے علاوہ انہوں نے چھوٹے قلعے بھی بنا لیے تھے تاکہ اگر کسی وقت کسی قوم سے جنگ کی نوبت آئے تو وہ ان میں مورچہ زن ہو کر اپنا دفاع کر سکیں۔ عددی قوت اور مادی وسائل کی ان کے پاس فراوانی تھی، اوس و خزرج یثرب کی وادی میں بکھر کر مختلف مقامات پر فروکش ہو گئے، کچھ یثرب کے بالائی علاقے میں، کچھ اس کے نشیبی علاقے میں، کچھ یہودیوں کے ساتھ ان کی کسی بستی میں اور بعض نے اپنی رہائش کے لیے نئی بستیاں آباد کر لیں۔

کچھ عرصہ اوس و خزرج ان کے زیر سایہ اپنا وقت گزارتے رہے، بعد میں انہوں نے یہودیوں سے دوستی کا معاہدہ کر لیا تاکہ اس وادی کے مکین امن و سکون کی زندگی بسر کر سکیں، ایک دوسرے کو مشکوک نہ سمجھیں۔ انہوں نے طے کیا کہ یہاں آباد سارے قبائل بقائے باہمی کے اصول پر کاربند رہیں گے اگر کوئی بیرونی دشمن اس معاہدے کے کسی فریق پر حملہ آور ہوگا تو اپنے حلیف کا دفاع اور اس کی امداد سب کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی۔ وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ ان نواز و قبائل کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور ان کی معاشی حالت بھی بہتر ہوتی گئی۔

بنی قریظہ اور نضیر کے قبائل نے ان کی روز افزوں قوت سے ہراساں ہو کر دوستی کا وہ معاہدہ توڑ دیا۔ اوس و خزرج بھی اپنی جگہ یہود سے خائف تھے کہ کہیں وہ انہیں اس علاقے سے نکال نہ دیں۔ خوف ورجا کی ایک عجیب سی کیفیت سے دوچار تھے کہ ان کے ہاں ایک نامور فرزند مالک بن عجلان پیدا ہوا جس نے اپنی خدا داد صلاحیتوں سے اپنی قوم کے بکھرے ہوئے افراد کی شیرازہ بندی کی۔ دونوں قبیلوں نے متفقہ طور پر سردار تسلیم کر لیا اس طرح ان قبائل میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا اسی اثناء میں ایک واقعہ رونما ہوا جس نے حالات کا رخ پھیر دیا۔

مالک کے زمانے میں یہودی قبائل کا ایک بادشاہ الفطیون نامی تھا جو پرلے درجے کا فاسق و فاجر تھا۔ اوس و خزرج کے یہاں آباد ہونے سے پہلے اس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ جب بھی کسی لڑکی کی شادی ہو تو وہ اپنے خاوند کے پاس جانے سے پہلے ایک رات اس کے شبستانِ عشرت کی زینت بنے گی تب وہ اپنے خاوند کے حجلہ

عروسی میں قدم رکھے گی۔ دیگر قبائل کی دُہنوں کے ساتھ تو اس کا یہ رویہ تھا لیکن اوس و خزرج اس سے مستثنیٰ تھے اب اس نے ان کی عصمتوں پر ڈاکہ ڈالنے کا عزم کر لیا۔

اتفاق سے مالک بن عجلان کی بہن کی شادی کی تاریخ مقرر ہوئی اس نے پیغام بھیجا کہ دُہن پہلی رات اس کے پاس گزارے گی، دوسرے روز وہ اپنے خاوند کے پاس جائے گی۔ شادی کی تاریخ سے ایک روز پہلے مالک کی بہن گھریلو لباس میں باہر آئی اور اس مجمع کے پاس سے گزری جہاں اس کا بھائی مالک بیٹھا ہوا تھا، وہ ایسی حالت میں گزری کہ اس کی پنڈلیاں برہنہ تھیں۔ مالک یہ دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا، تیزی سے گھر آیا اور اس حرکت پر اپنی بہن کو سرزنش کی۔ بہن نے کہا، بھائی! تم اتنی سی بات پر برا فروختہ ہو گئے ہو، تمہاری بہن کے ساتھ آئندہ شب جو ہونے والا ہے وہ تو اس سے بہت زیادہ ہولناک ہے۔ مالک نے کہا، بہن! تم اس کی فکر نہ کرو، میں اس سے نبٹ لوں گا۔

دوسری شب جب اس کو دُہن بنا کر عورتیں الفطیون کے محل میں لے جانے لگیں تو مالک نے بھی عورتوں کا لباس پہن لیا، تلوار اپنی بغل میں دبالی اور عورتوں کے اس ہجوم کے ساتھ محل میں داخل ہو گیا۔ عورتیں تو اس کی بہن کے ساتھ زنان خانہ میں چلی گئیں اور یہ بادشاہ کی خواب گاہ میں چھپ گیا اور موقع ملتے ہی سرتن سے جدا کر دیا۔ مالک الفطیون کو کفر کردار تک پہنچا کر گھر واپس آ گیا اس نے یہودیوں کے بادشاہ کو قتل کیا تھا، اسے شدید رد عمل کا اندیشہ تھا اس نے اپنے بچاؤ کے لیے ضروری سمجھا کہ اس کے قبیلے کے جو لوگ غسان کے چشمے کے آس پاس آباد ہو گئے ہیں اور اس علاقے کی حکومت کی باگ دوڑ بھی اب ان کے ہاتھ میں ہے، انہیں اپنی مدد کے لیے پکارے۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس نے اپنا قاصد روانہ کیا جس کا نام رمتی بن زید بن امرؤ القیس تھا، وہ ایک جب زبان خطیب اور قادر الکلام شاعر تھا لیکن پرلے درجے کا بد صورت اور بد شکل۔ غسانیوں کے بادشاہ کا نام ابو جیلہ تھا۔ رمتی نے ابو جیلہ کے سامنے اپنی قوم کی مظلومیت اور یہودی قبائل کے ظلم و ستم اور فسق و فجور کا ایسا نقشہ کھینچا کہ ابو جیلہ اپنے بنی عم چچا زاد قبیلے کی امداد کے لیے تیار ہو گیا اس نے قاصد کی فصاحت و بلاغت اور اس کی بد صورتی کو دیکھ کر کہا:

”پاکیزہ شہد ایک خبیث برتن میں“

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ مالک خود غسان کے پاس پہنچا۔ اتفاق سے وہاں تیغ بن حسان بھی موجود تھے جس نے غسان کے علاقے کو فتح کیا اور اس کے بادشاہ کو اپنا باج گزار بنا لیا۔ مالک نے دونوں (جیلہ اور تیغ) کو یہودیوں کے ستم رانیوں اور لوگوں کی اپنی عورتوں کی عصمت سے کھیلنے کے واقعات سے آگاہ کیا۔ تیغ

نے قسم کھائی:

”کہ وہ جب تک یثرب پر چڑھائی کر کے یہودیوں کو ذلیل و رسوا نہیں کرے گا نہ اپنی بیوی کے

قریب جائے گا نہ خوشبو لگائے گا اور نہ شراب پیئے گا۔“ (وفاء الوفاء جلد ۱ صفحہ ۱۸۱)

ابن قتیبہ نے المعارف میں لکھا ہے کہ ان ایام میں تیغ غسان کے علاقے کو زیرِ نگین کرنے کے لیے شام گیا ہوا تھا اس علاقے پر اس نے قبضہ کر لیا وہاں کے بادشاہ کو اپنا باج گزار بنا لیا، انہیں ایام میں مالک وہاں پہنچا اور دونوں سے ملاقات کی، دونوں نے اس کی امداد کا وعدہ کیا۔

مالک کی حمیت اور سیاسی سرگرمیوں سے یہودیوں کے متعدد سردار قتل کر دیئے گئے یوں ان کا زور ٹوٹ گیا اور اس علاقے میں اوس و خزرج کی بالادستی کے دور کا آغاز ہوا۔ یہود نے جب محسوس کیا کہ وہ میدانِ جنگ میں ان نوارِ قبیلوں کو شکست نہیں دے سکتے تو انہوں نے ان دونوں قبیلوں میں بدگمانیاں پیدا کرنا شروع کر دیں اور ان کے دلوں میں حسد و عناد کی تخم ریزی میں مصروف ہو گئے۔ یہود کے کچھ قبیلے اوس کے حلیف بن جاتے اور بعض خزرج سے دوستی کا معاہدہ کر لیتے یوں دونوں قبیلوں کا اعتماد حاصل کر کے ان کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتے کہ ان میں جنگ شروع ہو جاتی۔

کشتوں کے پشتے لگ جاتے اور خون کی ندیاں بہنے لگتیں اس طرح انہیں آپس میں لڑا لڑا کر ان کی قوت کو کھوکھلا کرتے رہتے اور ان کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے۔ پہلی صدی عیسویں سے چھٹی صدی عیسوی تک اوس و خزرج میں خون ریزی کا بازار گرم رہا، معمولی معمولی باتوں پر آتشِ فساد بھڑک اُٹھتی، سینکڑوں جوان اپنے بھائیوں کے ہاتھوں لقمہ اجل بن جاتے، سینکڑوں شاد و آباد گھرانے اجڑ جاتے اور ان تمام خون ریزیوں کے پس پردہ یہود کی مکاریوں اور سازشوں کی روح فرسا داستانیں کارفرما ہوتیں۔

جنگِ بعاث

ہجرت سے چار پانچ سال پہلے یثرب میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا جسے کتب تاریخ میں جنگِ بعاث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بعاث ایک جگہ کا نام ہے، بعض اسے قلعہ کا نام بتاتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ ایک کھیت تھا جو بعاث کے نام سے مشہور تھا۔ المنجد میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

مدینہ طیبہ کے نواح میں ایک موضع کا نام تھا جہاں یہود کا قبیلہ بنو قریظہ آباد تھا اس موضع کو اسی جنگ کی وجہ سے شہرت ملی جو اوس و خزرج قبیلوں میں یہودیوں کی دیسہ کاری کے باعث لڑی گئی تھی۔ یہ ہجرت سے چند سال پہلے کا واقعہ ہے۔ (المنجد جلد ۲ صفحہ ۱۳۶)

واقعہ یوں ہے کہ ہجرت سے چار پانچ سال پہلے اوس و خزرج میں ایک لرزہ خیز خون ریز جنگ ہوئی جس

میں دونوں قبیلوں کے سینکڑوں بہادر جنگجو قتل ہوئے۔ اس جنگ کی آگ بھڑکانے میں بھی یہود کی دسیسہ کاریوں کا دخل تھا۔ جب بنو قیلہ کے مابین جنگ کے آثار نمایاں ہوئے تو بنو قریظہ نے بڑی رازداری سے اوس کے ساتھ ساز باز کی، انہیں جنگ پر ابھارا اور اپنے تعاون کا انہیں یقین دلایا۔ جب خزرج کو اس معاہدے کا علم ہوا تو انہوں نے اپنا آدمی بھیج کر بنی قریظہ کو دھمکی دی کہ اگر تم نے ہمارے مقابلے میں اوس کی امداد کی تو ہم تمہاری تکابوٹی کر دیں گے، تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم غیر جانب دار رہو، ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان ٹانگ نہ اڑاؤ۔

بنو خزرج کے اس قاصد کو یہودیوں نے کہلا بھیجا کہ بے شک اوس کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہوا ہے، انہوں نے ہم سے مدد طلب کی، ہم نے ہامی بھر لی لیکن اب ہم تم سے پکا وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اوس کی مدد نہیں کریں گے۔ بنو خزرج نے کہا کہ ہمیں تمہارے اس قول پر اعتماد نہیں، تم بطور یرغمال اپنے بچے ہمارے پاس گروی رکھو تب ہمیں تمہاری بات پر یقین آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے چالیس (۴۰) بچے بنو خزرج کے پاس بطور رہن رکھے کہ اگر وہ عہد شکنی کریں گے تو ان بچوں کو قتل کرنے میں بنو خزرج حق بجانب ہوں گے۔

جب کسی نے انہیں (ان یہود کو) ٹوکا کہ تمہارے چالیس (۴۰) بچے بنو خزرج کے پاس بطور یرغمال ہیں، وہ انہیں قتل کر دیں گے تو ان کے ایک سردار کعب بن اسد القرظی نے کہا:

”ان بچوں کی پروا نہ کرو، وہ کیا ہیں؟ ہماری ایک رات لگے گی، بیویاں حاملہ ہو جائیں گی پھر نو ماہ ہمیں انتظار کرنا پڑے گا اور ان جیسے درجنوں بچے پیدا ہو جائیں گے۔“

(وقاء الوفاء جلد ۱ صفحہ ۲۱۷)

صدیوں سے اوس و خزرج آپس میں برسر پیکار تھے، کبھی کسی کا پلڑا بھاری ہوتا، کبھی کسی کو راہ فرار اختیار کرنی پڑتی۔ جنگوں کے اس غیر متناہی تسلسل نے انہیں کمزور کر کے رکھ دیا۔ کسی کو فتح اور کسی کو شکست، فریقین کے بہادر اور شجاع اس جنگ کی بھٹی میں جل کر راکھ ہو جاتے۔ روزمرہ کی قتل و خون ریزی سے آخر وہ تنگ آ گئے، انہوں نے مشورہ کیا کہ اس کشت و خون سے نجات پانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا حاکم مقرر کر لیں اور دونوں قبیلے ہر حالت میں اس کی اطاعت کا وعدہ کریں۔ جب بھی ہمارے درمیان کوئی مسئلہ پیدا ہو تو اس کو میدان جنگ میں حل کرنے کے بجائے اپنے اس حاکم کے سامنے پیش کریں، وہ جو فیصلہ کرے، دونوں فریق اس کو ہر صورت خوشی سے قبول کر لیں۔

اس وقت دو آدمی ایسے تھے جن سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ اس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے

نبھاسکیں گے۔ ایک عبداللہ بن ابی جو بنی خزرج قبیلہ کا فرد تھا، دوسرا ابو عامر راہب جو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا تھا۔ ابو عامر کی نشست و برخاست علماء یہود کے ساتھ بکثرت تھی، وہ ان علماء سے نبی آخر الزماں سرورِ دو عالم ﷺ کی آمد، حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی صفات و کمالات کا ذکر سنتا رہتا تھا اس لیے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی محبت اس کے دل میں پیدا ہو گئی جہاں بیٹھتا، جہاں جاتا حضور پر نور ﷺ کا ذکر خیر کرتا۔

یثرب سے وہ یتماء پہنچا، یہ بھی یہودیوں کی ایک بستی تھی۔ وہاں کے علماء سے بھی سرورِ کائنات نبی آخر الزماں حضور پر نور ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ وہاں سے شام پہنچا، عیسائی علماء کی خدمت میں حاضر ہوا، ان سے حضور پر نور ﷺ کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے بھی حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی آمد اور حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی صفات حمیدہ کے بارے میں اسے بہت کچھ بتایا اس طویل سیاحت کے بعد پھر یثرب آیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے دعویٰ کیا ”انا علی دین الحنیفہ“ کہ میں دین حنیف پر کار بند ہوں پھر وہ راہب بن گیا اور راہبوں کی طرح ادنیٰ لباس پہننے لگا اور اس انتظار میں اپنے شب و روز بسر کرنے لگا کہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ مبعوث ہوں گے تو وہ سب سے پہلے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کرے گا۔ آہستہ آہستہ وہ لوگوں کی عقیدت کا مرکز بنتا گیا اور اس کے معتقدین اور مریدین کا اچھا خاصا حلقہ معرض میں آ گیا۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ہادی انس و جاں حضور پر نور نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی بعثت کی اطلاع یثرب بھی پہنچی لیکن اسے تو فیق نصیب نہ ہوئی کہ جس نبی کی آمد کے لیے وہ عرصے سے چشم براہ تھا اس کی خدمت اقدس میں مکہ پہنچ کر حاضری کا شرف حاصل کرے اور اس طرح اپنی زندگی کے دامن کو سعادت دارین کی دولت سے معمور کرے۔ وقت گزرتا گیا، حضور پر نور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور اس کے معتقدین کی اکثریت اس کو چھوڑ کر دامن پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستہ ہوتی گئی، یہ حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ ایک روز حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ آپ (ﷺ) کا دین کون سا ہے جس کا آپ (ﷺ) پر چار کرتے رہتے ہیں؟ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”کہ میں ابراہیم (علیہ السلام) کے دین حنیف کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔“

ابو عامر نے کہا کہ میں پہلے ہی اس دین پر عمل پیرا ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ مجھے یہ سعادت پہلے ہی حاصل ہے، مجھے آپ (ﷺ) پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا اس دین حنیف سے تیرا کیا واسطہ؟ کہنے لگا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں آپ (ﷺ) نے کئی چیزوں کا اضافہ کر دیا ہے۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے جواب دیا کہ:

”میں نے اس میں ذرا اضافہ نہیں کیا بلکہ میں تو اس دین کو اس طرح لایا ہوں کہ یہ سفید و براق ہے اور ہر آلائش سے پاک۔“

اس نے یہ سن کر کہا:

جو جھوٹا ہو۔ اللہ تبارک تعالیٰ اسے اپنے وطن سے دور غریب الدیار بنا کر سمیری کے عالم میں موت دے۔“

ہادی دو جہاں تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: آمین! چنانچہ اس کذاب نے اپنے لیے جو موت مانگی تھی اسی سے اسے دو چار کر دیا گیا۔

کچھ عرصے بعد وہ مدینہ کو چھوڑ کر مکہ آ گیا جب مکہ فتح ہوا اور وہاں اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو وہ بھاگ کر طائف پہنچا۔ اہل طائف نے جب اسلام قبول کیا تو وہاں سے بھاگ کر شام چلا گیا اور وہاں ہی غریب الوطنی، سمیری اور نامرادی کی موت مرا۔ حضور پر نور رسولِ بحر و بر نبی برحق ﷺ کی یتیم میں تشریف آوری سے جب یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے تو انہیں اخوت و محبت کے رشتے میں پرو دیا گیا اور یہ بھائی بھائی بن گئے پھر بھی یہودی ان میں فتنہ فساد کی آگ بھڑکانے سے باز نہ آتے تھے جب بھی انہیں موقع ملتا، وہ انہیں مشتعل کرنے کی کوششیں کرتے لیکن ہادی انس و جاں رہبر کائنات ﷺ کی بروقت چارہ گری سے یہودیوں کو ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔

حسد

حسد کی آگ اتنی ظالم ہے کہ انسان حق کو جانتے اور پہچانتے ہوئے بھی اس کو قبول کرنے کی سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس آگ کے شعلوں میں وہ بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس ابو عامر راباب کے علاوہ یثرب میں ایک اور شخص بھی تھا جو حسد کی موذی بیماری میں مبتلا تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ بنی خزرج سے تھا، اس کا نام عبد اللہ بن ابی بن سلول خزرجی تھا۔ دراز قامت، بارعب چہرہ، چرب زبان اور سیاست کے میدان کا شہسوار تھا۔ جب اوس و خزرج آئے روز کی جنگوں سے تنگ آ گئے اور اپنا ایک حکم مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تو سب کی نگاہیں عبد اللہ بن ابی پر پڑیں، حتیٰ کہ دونوں قبیلوں نے بالاتفاق اس کو اپنا حکم مقرر کرنے کا عزم کر لیا۔ زرگر نے آ کر اس کے سر کا ماپ لیا تاکہ اس کے لیے سونے کا تاج تیار کرے۔ تاج پوشی کی رسم ادا کرنے کے لیے ایک شاندار تقریب کے انعقاد کے انتظامات ہو رہے تھے کہ اس وقت یثرب میں

کے اُفق پر جمالِ محمدی ﷺ کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوا، جس کی دلکش کرنوں نے دلوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس انقلاب کی موجوں میں دوسری خرافات کے ساتھ ساتھ عبداللہ بن اُبی کی تقریب تاج پوشی اور اس کا سنہرا تاج بھی خس و خاشاک بن کر بہہ گیا۔ عبداللہ ابن ابی بن سلول نے جب سارے ماحول کو یکا یک بدلا ہوا دیکھا تو اس نے اپنی نجات اسی مصلحت میں سمجھی کہ وہ کھل کر اپنی قوم کی مخالفت نہ کرے، بلکہ اسلام قبول کرنے میں ان کا ساتھ دے اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرے۔ جب حالات سازگار ہوں تو پھر وہ اپنے دلی ارمان کو پورا کرے۔ اس کے دل میں تو کفر کا اندھیرا تھا، حسد کی آتش عالم سوز بھڑک رہی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد بظاہر اس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ جیسے جیسے اسلام کو ترقی اور عروج نصیب ہوتا گیا اس کی آتشِ حسد تیز سے تیز تر ہوتی گئی جب تک زندہ رہا، اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے لیے مشکلات پیدا کرتا رہا اور بالآخر اسی آگ میں جل کر راکھ ہو گیا۔



طائف میں تبلیغ

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے لیے ابھی تک شریکِ حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور چچا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا وجود ایک ڈھال تھا۔ عرب کی ان نامور شخصیات کے ہوتے ہوئے معاندین کو کسی بھی قسم کی بدتمیزی اور غیر شریفانہ حرکت کرنے کے لیے پہلے سو بار سوچنا پڑتا تھا کیونکہ یہ دونوں شخصیات حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی پشت پناہ تھیں اور آپ ﷺ کو ان کی وجہ سے ہر قسم کا تحفظ میسر تھا۔

مگر ان دونوں کی وفات کے بعد کفار و مشرکین مکہ کے لیے میدانِ صاف ہو گیا برادری میں کوئی ایسا معتبر شخص باقی نہ رہا جس کا انہیں پاس و لحاظ ہوتا اور اس کے ڈر سے یہ لوگ کسی انتہائی اقدام سے گریز کرتے۔ چنانچہ اب انہوں نے ابولہب کی سرکردگی میں حضورِ انور نبی کریم ﷺ کو دھمکی دے دی کہ وہ اب تبلیغی سرگرمیوں سے باز آ جائیں اور عوام کو اپنا ہموا بنانے کا وہ سلسلہ بند کر دیں۔ چنانچہ مکہ کی زمین مزید تبلیغ اور عملِ دعوت کے لیے تنگ ہو گئی۔

اگر ایک سرزمین جدوجہد کے لیے غیر موزوں ہو جائے تو قیادت کے لیے لازم ہوتا ہے کہ وہ اس سرزمین کو خیر آباد کہہ دے اور نئے جہانوں کی تلاش میں چل نکلے جو اس کی انقلابی جدوجہد کے لیے موزوں ہوں، چنانچہ حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے نئی سرزمین کی تلاش میں نکلنے کا اصولی فیصلہ کر لیا۔

حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے جب ملاحظہ فرمایا کہ موجودہ حالات میں مکہ کی مسموم فضا میں اسلام کا شجرِ طیبہ بار آور نہیں ہو سکتا تو حضور پُر نور نبی کریم ﷺ ذرا مایوس نہیں ہوئے بلکہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے لیے نئے میدان کی تلاش شروع کر دی۔ مکہ سے ساٹھ (60) میل (96 کلومیٹر) کے فاصلہ پر طائف نامی ایک شہر تھا جہاں اس زمانہ میں قبیلہ بنو ثقیف آباد تھا۔ وہ زراعت پیشہ لوگ تھے اور زرعی معاملات میں ان کی مہارت نے اس شہر کو دور دور تک مشہور کر دیا تھا اور اہل طائف کے گرد و نواح کو رشکِ فردوس بنا دیا تھا۔ ایک معتدل دُلکشا اور پر فضا پہاڑی سلسلہ میں یہ شہر آباد تھا۔

شہر کے ارد گرد انگوروں اور سیبوں کے خوبصورت باغات کا سلسلہ میلوں تک بھلا ہوا تھا۔ اعلیٰ قسم کے انگور

کی بل کھاتی ہوئی بیلوں پر انگوروں کے آویزاں گچھے دل و نگاہ کو دعوتِ نظارہ دے رہے ہوتے۔ ان کے پہلو پہ پہلو سیبوں کے باغات تھے جن کا خوش ذائقہ، خوشبودار اور رنگین پھل دیکھ کر منہ میں پانی بھر آتا۔ درختوں کی قطاروں کے درمیان ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی آبجوں میں چھوٹی چھوٹی نہریں پانی کی نالیاں اپنی بہار دکھا رہی ہوتی تھیں۔ مکہ کے رؤساء نے بھی وہاں اپنے مکانات بنا رکھے تھے جب مکہ کی گرمی ناقابلِ برداشت ہوتی تو وہ دل بہلانے کے لیے یہاں چلے آتے۔ کیونکہ طائف کا موسم معتدل تھا بعض قریشی سرداروں کے یہاں زرعی رقبے بھی تھے جن میں انہوں نے باغات لگا رکھے تھے۔

اس سرزمین کے لوگ بڑے خوشحال اور دولت مند تھے۔ اور جیسا کہ دولت مندوں کا عمومی مزاج ہوتا ہے وہ ہر وقت دولت کے نشے میں دھت رہتے ہیں۔ اہل طائف کے احساسات بھی اس سے مختلف نہ تھے۔ خاندانی رعونت، جہالت، تکبر و خوشحالی نے انہیں فرعون بنایا ہوا تھا۔ وہ کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتے تھے۔ دولت و جہالت کے نشے میں اس طرح غرق تھے کہ گرد و پیش کا بھی ہوش نہ تھا۔

اسی مدہوشی میں انہوں نے انسانی اور اخلاقی قدروں کو بھی خیر آباد کہہ دیا ہوا تھا۔ چونکہ نبوت، مژدہ اور بے باک ہوتی ہے اسے کوئی مادی، طاقت، جاہ و منصب اور ظالم صاحبِ اقتدار خوفزدہ نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، ہادیِ انس و جان، رہبرِ کائنات، سرکارِ دو عالم، حضورِ پُر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے تبلیغِ دین کے سلسلہ میں فرائضِ نبوت ادا کرنے کے لیے وہاں تشریف لے جانا تھا۔

طائف کے باشندے کیونکہ مالی لحاظ سے خوش حال تھے اس لیے وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف بھی توجہ دیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں جب کہ سارا جزیرہ عرب جہالت کے اندھیروں میں غرق تھا طائف میں بہترین طبیب، اور مایہ ناز منجم موجود تھے۔ اپنے زمانہ کا بہترین طبیب حارث بن کلدہ تھا جس نے علم طب ایران کے ماہر اطباء اور حکماء سے حاصل کیا تھا وہ بھی طائف کا باشندہ تھا۔ اسی طرح جزیرہ عرب کا ماہر منجم عمرو بن امیہ بھی طائف کا رہنے والا تھا یہ شخص علم نجوم میں یدِ طولی رکھتا تھا۔ علمی طریقہ سے ستاروں کی رفتار اوقاتِ طلوع و غروب اور ان کے اثرات سے وہ آگاہ تھا۔ ستاروں کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کرنے کے لیے اس نے رصد گاہ بنائی ہوئی تھی۔

اس شہر کے ارد گرد کیونکہ فصیل تعمیر کی گئی تھی اس لیے اس کو طائف (وہ جو محفوظ ہو) کہتے ہیں۔ فصیل کی تعمیر سے پہلے اس بستی کا نام وج تھا۔ اس وقت جزیرہ عرب میں صرف یہی ایک شہر تھا جس کے ارد گرد فصیل تھی۔ یہ فصیل عرب معماروں نے تعمیر نہیں کی بلکہ اس کے معمار ایرانی تھے۔ یہاں کے ایک شخص نے شاہ ایران کی عظیم خدمات انجام دی تھیں۔ اس نے اس سے پوچھا کہ میں تیری خدمات کے عوض تمہیں کیا انعام دوں؟ اس نے کہا اے بادشاہ! آپ مجھے ایسے ماہر انجینئر اور کاریگر دیں جو میرے شہر کے ارد گرد فصیل تعمیر کر دیں تاکہ کوئی دشمن اس پر حملہ نہ کر سکے۔ چنانچہ کسریٰ ایران کے بھیجے ہوئے ماہر کاریگروں نے اپنے انجینئروں کی زیر نگرانی یہ فصیل تعمیر کی اس

نوراًم النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿ ۶۰۷ ﴾ جلد دوم

وقت سے اس کا نام طائف ہو گیا۔ اس شہر میں ایک پہاڑی ٹیلہ ہے جس پر لات کا مجسمہ نصب تھا۔ جو مشرکین عرب کے تین اعلیٰ معبودوں میں سے ایک تھا۔ اور جسے مسلمانوں نے غالب آنے کے بعد مسمار کر دیا تھا۔

(نظرۃ جدیدۃ صفحہ 144، 145)

طائف کا شہر اپنی گونا گوں خصوصیتوں کی وجہ سے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی توجہ کا مرکز بنا۔ قبیلہ بنی ثقیف سے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی کچھ رشتہ داری بھی تھی۔ ان بھائیوں میں سے ایک کی شادی قریشی خاتون صفیہ بنت معمر سے ہوئی تھی۔ ان تمام امور کے پیش نظر حضور انور نبی کریم ﷺ نے مکہ کے بجائے طائف کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا ارادہ فرمایا۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی وفات رجب یا رمضان سن 10 نبوی میں ہوئی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ماہ رمضان سن 10 نبوی میں ہوا۔ تبلیغ دین متین کی خاطر، دنیاوی حفاظتی سایہ اٹھ جانے کے باوجود بعثت کے دسویں سال ماہ شوال میں حضور پر نور رحمت دو عالم ﷺ مکہ سے طائف کے لئے روانہ ہوئے تاکہ قبیلہ بنو ثقیف کو اسلام کی دعوت دیں کہ شاید ان کے دل اس پیغام حق کو قبول کر لیں اس طرح دین متین کو ایسے جاں نثار مجاہدین میسر آ جائیں جو اس دعوت حق کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کا فریضہ خوش اسلوبی سے ادا کر سکیں۔

سورۃ مائدہ آیت 67 کے مطابق کسی بھی نبی کو جب حکم ملتا ہے کہ

بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ. (سورۃ مائدہ آیت 67)

ترجمہ:- ”جو احکام تیری طرف نازل کئے گئے ہیں وہ بندوں تک پہنچا دے۔“

تو وہ سردھڑ کی بازی لگا دیتا ہے اور ہر قیمت پر پیغام خداوندی بندوں تک پہنچاتا ہے خواہ اس کی جبینیں شکن آلود ہو جائیں۔ تاکہ کل قیامت کے روز سورۃ مائدہ کی آیت 19 کے مطابق وہ یہ نہ کہہ سکیں۔

مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ. (سورۃ مائدہ آیت 19)

ترجمہ:- ”ہمارے پاس تو کوئی بشارت دینے والا یا کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں تھا۔ (ورنہ تو ہم ضرور

ایمان لے آتے اور اس کی پیروی کرتے۔)“

چنانچہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ہادی انس و جان، رہبر کائنات سرکارِ دو عالم حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے بھی اہل طائف کی رعونت اور رد عمل کی پرواہ کئے بغیر ان تک دعوت حق پہنچانے کا فیصلہ فرمایا۔

علامہ ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے یہ سفر تنہا اختیار فرمایا اور پیادہ پا مکہ سے چل کر طائف تشریف لے گئے لیکن محمد بن سعد صاحب الطبقات کی رائے یہ ہے کہ اس کٹھن اور پراز مصائب و آلام سفر میں حضور پر نور ﷺ کے خادم خاص حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھی معیت کا شرف حاصل ہوا۔

چنانچہ آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور طائف کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت طائف کے قبیلہ ”بنو ثقیف“ کی سربراہی اور نمائندگی عبدیاللیل، مسعود اور حبیب کے سپرد تھی۔ یہ تینوں بھائی بڑے بااثر سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک کی شادی قبیلہ قریش میں ہوئی تھی اور اس کے گھر قریشی خاتون تھی جس کا نام ”صفیہ بنت معمر“ تھا۔ اس قرابت و خصوصیت کی بنا پر حضور انور نبی اکرم ﷺ طائف میں سب سے پہلے ان ہی کے پاس پہنچے اور انہیں پیغام حق دیا۔ یہ سر پھرے و ڈیرے اور بگڑے ہوئے رئیس حق کی بات سن کر بھر گئے انہیں یوں لگا جیسے انہیں موجودہ معاشرتی حیثیت، جاہ و جلال اور اقتدار سے دستبردار ہونے کا حکم دے دیا گیا ہو۔ ان کے نتھنے پھول گئے اور ان کے اپنے غیظ و غضب نے انہیں آتش زیر پا کر دیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہاں پہنچ کر پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی انس و جان رہبر کائنات ﷺ نے رابطہ مہم شروع فرمائی۔ طائف کے تمام قابل ذکر افراد کے پاس تشریف لے جاتے۔ انہیں اللہ تبارک تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے۔ دین اسلام کے بنیادی عقائد اور بنیادی اہم و ضروری تعلیمات سے آگاہ فرماتے۔ گھر گھر جا کر اسلام کی دعوت دینے کا یہ سلسلہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ اور بعض علماء کے نزدیک حضور پر نور ﷺ نے طائف میں دس روز قیام فرمایا۔ لیکن وہاں کے کسی فرد کو یہ توفیق نصیب نہ ہوئی کہ وہ اس داعی برحق کی دعوت کو قبول کرتا۔ آخر کار حضور انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ طائف کے تین چوٹی کے سرداروں کے پاس پہنچے۔ یہ تینوں سردار سگے بھائی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں عبدیاللیل بن عمرو، مسعود بن عمرو، حبیب بن عمرو۔

ان تینوں میں سے ایک کی شادی قریش قبیلہ کے بنو جحاندان میں ہوئی تھی۔ حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور بڑی دلسوزی سے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہیں فرمایا تم اللہ تبارک تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ، اس دین حق کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن ہو جاؤ، اس دعوت کو پھیلانے میں میرے دست و بازو بنو، اللہ تبارک تعالیٰ تمہیں دونوں جہانوں میں سرخرو کرے گا۔ ہر میدان میں فتح و کامرانی تمہارے قدم چومے گی۔

بجائے اس کے کہ اس سچی دعوت پر وہ دل کی گہرائیوں سے لبیک کہتے اور صدق و خلوص کے ساتھ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی غلامی اختیار کرتے انہوں نے بد اخلاقی اور سفلہ مزاجی کا ایسا مظاہرہ کیا جس سے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے قلب نازک کو سخت صدمہ پہنچا۔ حضور انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کے ارشادات کو سن کر ان میں سے ایک نے یہ کہا۔

وہو یمرط اتواب الکعبۃ ان کان اللہ ارسلھا ۔

”یعنی اگر اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو گویا وہ غلاف کعبہ کو پارہ پارہ کر رہا ہے۔“ (قارئین

کرام، یہ فقرہ مفہوم کے لحاظ سے اردو کے اس محاورے سے ملتا جلتا ہے ”اگر تم پیغمبر ہو تو اللہ مجھے

غارت کرے۔“)

دوسرے نے بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یوں کہا۔

اما وجد الله احد يرسله غيرك .

”کیا تمہارے سوا اللہ کو اور کوئی نہیں ملا جسے وہ رسول بنا کر مبعوث کرتا۔“

تیسرا کہنے لگا۔

”بخدا! میں آپ سے ہرگز بات نہیں کروں گا اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں جس طرح آپ کا

دعویٰ ہے تو پھر آپ کی شان بڑی بلند ہے مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ میں آپ کے کلام کا جواب دوں۔

اور اگر آپ (معاذ اللہ) اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں تو مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں آپ کے ساتھ

بات کروں۔“ (السيرة النبوية، ابن کثیر جلد 2 صفحہ 149..... زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 297)

ایسے فرعون صفت اور ہامان سرشت نمرودوں کے پاس اس جرات اور دھڑلے سے پہنچ جانا بڑے دل گردے

کا کام تھا۔ اس سے حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے عزم و استقلال آپ کی جرات و ہمت خود اعتمادی

اور حوصلہ مندی اور آپ ﷺ کا صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ پیغام پہنچانا مقصود تھا، وہ پہنچا کر اپنا

فرض منصبی ادا کر دیا۔ مشہور متعصب مستشرق سرولیم مور (Willian Muir) نے بھی اس عظمت کا ان الفاظ میں

اعتراف کیا ہے۔

”محمد (ﷺ) کی خود اعتمادی اور قوت ارادی کا یہ کمال ہے کہ وہ مکہ میں پیش آنے والی مسلسل

ناکامیوں کے باوجود اکیلے طائف میں چلے گئے جو دشمنوں کا شہر تھا اور پھر وہاں جا کر تبلیغ کا فریضہ

انجام دیا۔

فقام صلی اللہ علیہ وسلم من عندهم زقد یئس من خیرهم وقال: اذا فعلتم ما فعلتم،

فاکتما علی و کرہ ان یبلغ قومہ عند ذالک فیزیدہم علیہ، فلم یفعلوا .

(شرح مواہب اللدنیہ، 1: 297)

حضورِ انور ﷺ نے ملن لوگوں کے نازیبا سلوک سے سمجھ لیا کہ ان میں کوئی خیر و برکت نہیں ہے لہذا آپ

مایوس ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

طائف کے ہر قابل ذکر شخص سے حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے ملاقات کی اور انہیں اللہ کی

وحدانیت پر ایمان لانے اور دین اسلام کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ حضور ﷺ کو یہ توقع تھی کہ اہل مکہ نے ازراہ

تعصب اگر اس سچی دعوت کو قبول نہیں کیا لیکن اہل طائف کا رویہ ایسا معاندانہ نہ ہوگا وہ اسے قبول کرنے میں تامل

سے کام نہیں لیں گے۔ لیکن یہاں تو سارا آدے کا آدہ ہی بگڑا ہوا تھا۔ کسی نے شائستگی سے جواب دینے کی زحمت

تک گوارانہ کی۔ انتہائی بے مہری اور ڈھٹائی سے اس دعوت کو مسترد کر دیا۔ ان کے غیر متوقع طرز عمل سے حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے خاطر عاطر پر جو گزری ہوگی اس کا آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے ان سے رخصت ہونے سے پہلے ان کو کہا۔

اذفعلتم ما فعلتم فاکتموا علی

”میرے ساتھ جو برتاؤ تم نے کیا وہ تو کیا اب یہ سارا معاملہ راز رہے اس کو افشا نہ کرنا۔“

(السيرة النبوية، ابن کثیر جلد 2 صفحہ 150..... شرح مواہب اللدنیہ جلد 1 صفحہ 297)

کیونکہ حضور ﷺ کو خدشہ تھا کہ اہل مکہ کو اگر معلوم ہو گیا کہ میں طائف گیا ہوں وہاں کے رؤساء کو قبول اسلام کی دعوت دی ہے اور انہوں نے بڑی سرد مہری سے دعوت حق کو ٹھکرا دیا ہے تو اہل مکہ خوشی کے شادیانے بجائیں گے اور اسلام کے خلاف ان کے معاندانہ رویہ میں مزید تیزی اور تلخی پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے حضور ﷺ نے ان سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن ان میں مروت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ طائف کے یہ کم ظرف سردار ایسا نہ کر سکے بلکہ انہوں نے اس واقعہ کی خوب تشہیر کی۔ وہ ہر ملنے والے سے اپنے اس متکبرانہ اور احمقانہ جواب کا تذکرہ مزے لے لے کر کرتے۔

اہل طائف کے حوصلہ شکن رویہ سے حضور نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے ہمت نہ ہاری۔ آپ ﷺ اتمام حجت فرض منصبی کی ادائیگی اور دعوت کے تقاضے پورے کرنے کے لیے دوسرے سرداروں کے پاس بھی گئے۔

انہ لم یترك احدا من اشرافهم الا جاء اليه و كلمه فلم یجیبوه و خافوا علی احدائهم منه، فقالوا! یا محمد! اخرج من بلادنا۔

پس آپ ﷺ طائف کے سرداروں میں سے ہر ایک کے پاس گئے اور ان سے دینی امور پر بات چیت کی اور اسلام پیش کیا مگر کسی نے قبول نہ کیا۔

طائف کے سرداروں نے اس سے بھی زیادہ خست اور زذالت کا یوں مظاہرہ کیا، کہنے لگے یا محمد اخرج من بلدنا کہ اے محمد (ﷺ) ہمارے شہر سے فوراً نکل جاؤ۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ تم ہمارے نوجوانوں کو اپنی باتوں سے بگاڑ دو گے۔ اس کے علاوہ انہوں نے شہر کے اوباشوں اور نوخیز چھوکروں کو حضور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ جلوس کی شکل میں اکٹھے ہو گئے اور حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کا تعاقب شروع کر دیا آوازے کتے، پھبتیاں اڑاتے، دشنام طرازی کرتے، اپنے بتوں کے نعرے لگائے ہوئے حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے پیچھے لگ گئے۔

جس راستہ سے تاجدار کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ نے گزرنا تھا طائف کے شہری دورویہ صفیں بنا کر بیٹھ گئے اور حضور پُر نور نبی کریم ﷺ جب ان کے درمیان میں سے گزرے تو انہوں نے پتھر برسائے شروع کئے۔ وہ ناخلف

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿۶۱۱﴾ جلد دوم

ناعاقبت اندیش حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے بابرکت قدموں کو اپنے پتھروں کا نشانہ بناتے۔ چلتے ہوئے جو پاؤں زمین پر رکھتے ٹھک سے پتھر اس پر آ لگتا۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ اسے اٹھاتے اور دوسرا پاؤں زمین پر رکھتے تو وہ پاؤں ان کی زد میں آ جاتا یہاں تک کہ ان ظالموں کی سنگ باری سے مبارک قدم زخمی ہو گئے اور خون بہنا شروع ہو گیا۔

ان کی سنگ باری جب شدت اختیار کر لیتی تو حضور پر نور نبی کریم ﷺ درد کی شدت سے بیٹھ جاتے وہ ظالم آگے بڑھتے، حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو بازوؤں سے پکڑتے اور کھڑا کر دیتے پھر پتھر برسانا شروع کر دیتے اور ساتھ ہی قہقہے لگاتے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بے بسی و بے کسی کے اس عالم میں اپنے آقا کو بچانے کے لیے آڑ بن کر کھڑے ہو جاتے۔ کئی پتھر ان کے سر پر لگے اور زخموں سے خون بہنے لگا۔ اس طرح طائف کے ان بد بخت شہریوں نے اپنے اس معزز و مکرم مہمان کو اپنے ہاں سے رخصت کیا۔ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم تاجدارِ کائنات، سرکارِ دو عالم ﷺ جب طائف شہر کے باہر پہنچے تو دل ان کے ظالمانہ سلوک سے از حد مغموم تھا۔ سارا جسم زخموں سے چور چور تھا۔ پاؤں مبارک سے خون بہ رہا تھا۔ طائف سے پانچ کلومیٹر دور ایک باغیچہ تھا۔ حضور پر نور رحمتِ دو عالم ﷺ اس میں تشریف لے گئے اور انگور کی ایک بیل کے نیچے بیٹھ گئے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 2 صفحہ 577)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اس موقع پر پروانے کی طرح نار ہو رہے تھے جدھر سے پتھر آتا اسے اپنے جسم پر لینے کی کوشش کرتے اس کشمکش میں ان کا سر پھٹ گیا۔ یہ وہ کرناک لمحات تھے جو رہتی دنیا تک اسلام کی تاریخِ دعوت و عزیمت کا سرعنوان بن گئے۔ آقائے نامدار سرورِ کائنات نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے نرم و نازک جسم پر پتھروں کی بارش، پائے نازنین کو زخموں سے چور چور کرنے والے کون تھے؟ وہی جن کے دامن میں حضور ﷺ دنیا و آخرت کی نعمتیں ڈالنے گئے تھے۔ قدرت کا یہ بھی عجب نظام ہے جو مسیحائین کو قوم کے درد بانٹنے نکلا، نادان قوم نے اس پیکرِ رحمت و شفقت کا استقبال سنگ زنی سے کیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ہادیِ برحق ﷺ کی اس قدر شدت کے ساتھ مخالفت کیوں کی گئی؟ اگر اہل مکہ و طائف کسی مذہب کی مخالفت میں اس حد تک گزرتے تو یہودی و نصرانی بھی اپنے اپنے مذاہب کی تبلیغ و اشاعت کر رہے تھے۔ اور اگر ان فرعون نما سرداروں کو محض بھلائی اور خیر کے کاموں کی تبلیغ و اشاعت سے خطرہ ہوتا جو اسلام کی تعلیمات کا حصہ ہیں تو اس سے پہلے ورقہ بن نوفل، قیس بن ساعدی اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ بھی تھے۔ یہ لوگ بڑے پاکباز، بلند کردار، عابد و زاہد اور رشد و ہدایت کے داعی اور مصلحین قوم تھے۔ لوگوں کو اچھی باتوں کی تلقین کرتے رہتے تھے مگر کسی نے ان کے خلاف آواز نہیں اٹھائی تھی۔

کیونکہ وہ جانتے تھے ان کی اصلاحی دعوت ان کی اپنی ذات تک محدود ہے اور اس سے ان کے باطل نظام کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

مگر تحریک دین اسلام اس سے بالکل مختلف تھی، وہ جانتے تھے۔ یہ تحریک، تسبیح و مناجات اور اخلاقی تعلیمات و عبادات تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ پورے غیر عادلانہ نظام کے خلاف ایک شائستہ مہذب نظام سے عبارت ہے۔ یہ مروجہ قبائلی اقتدار اور سیاسی جاہ و جلال کے لیے زبردست خطرہ ہے۔ اس کے عروج و ارتقاء اور کامیابی کا مطلب نظام باطل کی شکست و ریخت ہے۔ وہ لوگ یہ کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے اس لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے کہ اسے پنپنے نہ دیں اور افواہ طرازی، جھوٹ اور غلط پروپیگنڈا کے ذریعہ خواص و عوام میں بدنام کر دیں۔

مکہ والوں کی طرح اہل طائف نے بھی اسی وجہ سے شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ غنڈہ گردی پر اتر آئے اور سو قیانہ انتہائی گھٹیا اور گرے ہوئے انداز میں ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ انہوں نے یہ خوفناک رویہ اس لیے اختیار کیا تاکہ طائف کی فضائیں بدستور شرک آلود رہیں اور حق کی ترنم ریز صداؤں سے آشنا نہ ہوں مگر یہ ان کی بھول تھی۔ اس ہولناک تشدد نے اس سرزمین پر مستقبل میں انقلاب کے لیے تخم ریزی کر دی اور بہت جلد یہ علاقہ اسلامی تحریک کی زد میں آ گیا۔ لوگوں نے بتوں کی غلامی کا جوا گلے سے اتار پھینکا جو انہوں نے پھولوں کا ہار سمجھ کر گلے میں ڈالا ہوا تھا اور اس باطل نظام سے نجات حاصل کر لی جو صدیوں سے جونک کی طرح ان کا خون چوس رہا تھا۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، سرکارِ دو عالم حضورِ پُر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ سستانے کے لیے ایک باغ کے قریب بیٹھ گئے۔ طائف کے سفاک اور بدنہاد لوگوں نے جو اخلاق کے منافی اور تہذیب و شرافت سے گرا ہوا سلوک کیا اور جس بدتمیزی سے پیش آئے تھے اس سے قلب اطہر نے گہرا اثر لیا۔ جسم مبارک زخموں سے چور چور تھا اور غم کی شدت سے نڈھال ہو چکا تھا۔ ایسے عالم میں آپ ﷺ نے یہاں پہنچ کر دو رکعت نفل ادا کئے، پھر بڑے درد و سوز سے اپنے معبودِ برحق، اپنے محبوبِ حقیقی کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اپنے قلبِ حزیں کی حکایت درد و غم پیش کی۔ ان سنگین ترین لمحات میں زبانِ رسالت سے نکلے ہوئے ان دعائیہ کلمات میں جو درد و سوز ہے، اپنی بندگی کا جس نرالے انداز میں اظہار ہے، اور ان حالات میں بھی جو تمنائوں پر دعابن کر رہا ہو رہی ہے، اس سے اعلیٰ ترین نرالی شانِ رفعت اور عظمتِ مصطفویٰ کے آفتاب کی تابانیوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس محبوبِ بندے کا اپنے کریم رب سے عبودیت کا جو رشتہ ہے اس کی پختگی کا پتہ چلتا ہے۔ عشقِ الہی کا جو جذبہ اس قلب مبارک میں موجزن ہے اس سے بقدرِ فہم آگاہی نصیب ہوتی ہے۔ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حبیب رب العالمین ﷺ نے جو مناجات اس وقت اپنے کریم و رحیم رب کی بارگاہ میں بدل سوزاں و چشم گریاں و زبان لرزاں پیش کی اسے بار بار پڑھئے اس میں بار بار غور کیجئے۔ اس سے شاید اس مقام کی رفعتوں کا آپ کو کچھ اندازہ ہو سکے۔ جس پر اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے اس حبیب کو فائز فرمایا تھا۔

حضور سرِ اُپا نور ﷺ نے عرض کی۔

اے اللہ! میں اپنی طاقت کی ناتوانی
اپنی قوت عمل کی کمی
لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے بسی کا شکوہ تیری بارگاہ
میں کرتا ہوں۔

اے ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے۔
تو میرا بھی رب ہے۔
تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے۔
ایسے بعید کے حوالے جو ترش روئی سے میرے ساتھ
پیش آتا ہے۔

کیا کسی دشمن کو تو نے میری قسمت کا مالک بنا دیا ہے۔
اگر تو مجھ پر ناراض نہ ہو تو مجھے ان تکلیفوں کی ذرا پروا
نہیں۔

پھر بھی تیری طرف سے عافیت اور سلامتی میرے لیے زیادہ دلکش ہے۔

میں پناہ لیتا ہوں تیری ذات کے نور کے ساتھ۔ جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں۔

اور دنیا و آخرت کے کام سنور جاتے ہیں۔

کہ تو نازل کرے اپنا غضب مجھ پر

اور تو اتارے مجھ پر اپنی ناراضگی

میں تیری رضا طلب کرتا رہوں گا یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔

تیری ذات کے بغیر نہ میرے پاس کوئی زور ہے نہ قوت۔

اتفاق سے یہ باغ جس میں پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظمؐ تاجدارِ کائناتؐ ہادیِ انس و جاں رحمت دو عالم ﷺ ذرا اوپر ستانے کے لیے رکے تھے مکہ کے ایک رئیس ربیعہ کا باغ تھا جو اسلام اور بانی دین اسلامؐ حضورِ انور ﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ اس روز ربیعہ کے دونوں مٹے غتہ اور شہد، و مال، بارغ، مہر، مہجہ، تھ حصہ، رُندہ، نہ، کہ، یحیٰ، ضابطہ

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿ ۶۱۳ ﴾ جلد دوم

ساتھ طائف کے اوباشوں نے جو سلوک کیا تھا اس کا انہوں نے پچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔ یہ اگرچہ حضورِ انور ﷺ کے بدخواہ تھے لیکن اس ظالمانہ رویہ کو دیکھ کر ان کے دل بھی پیچ گئے اور قرابت کا خون جوش مارنے لگا۔

ان کا ایک غلام تھا جس کا نام عداس تھا۔ انہوں نے اسے کہا کہ اے عداس! انگوروں کا ایک گچھا لے لو، ایک طشتری میں رکھو، پھر اسے لے کر اس نو وارد کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ اسے تناول کرے۔ عداس نے ایسا ہی کیا۔ انگوروں کا ایک گچھا طشتری میں رکھ کر حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کی کہ شوق فرمائیے۔ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم سرکارِ دو عالم ﷺ نے بسم اللہ شریف پڑھی اور انگوروں کے دانے توڑ کر کھانے لگے۔ عداس نے غور سے حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کے رخ انور کی طرف دیکھا پھر بولا۔ کہ یہ کلام ان بستیوں کے لوگ تو نہیں کہا کرتے یعنی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا یہاں تو رواج نہیں ہے۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، حضورِ پُر نور ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تم کس ملک کے رہنے والے ہو؟ تمہارا کیا دین ہے؟

اس نے عرض کی۔ میں نصرانی ہوں اور غنیوی کا باشندہ ہوں۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، عالمِ خفا و غیوب، حضورِ انور ﷺ نے فرمایا وہ غنیوا، جو مرد صالح یونس بن متی کا شہر ہے؟ عداس بولا۔ آپ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہیں۔ حضورِ پُر نور ﷺ نے فرمایا۔

ذلک اخی کان نبیا وانا نبی

”وہ میرے بھائی ہیں اور نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔“

عداس اٹھ کر کھڑا ہوا جھک کر پہلے سر مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر ہاتھوں کو چوما پھر مقدس قدموں کو بوسے دینے لگا۔

عتبہ اور شیبہ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے ایک نے دوسرے کو کہا لو۔ تمہارے غلام کو تو اس نے خراب کر دیا۔ اب وہ تمہارے کام کا نہیں رہا۔

عداس جب ان کے پاس واپس آیا انہوں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

تیرا ستیاناس ہو۔ تو اس شخص کے سر، ہاتھوں اور پاؤں کو کیوں چومنے لگ گیا تھا؟ تجھے کیا ہو گیا تھا؟ عداس نے جواب دیا اے میرے مالکو! ساری روئے زمین پر اس ہستی سے بہتر کوئی نہیں ہے، اس نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جسے نبی کے بغیر کوئی نہیں بتا سکتا۔

وہ کہنے لگے۔ عداس اس کے فریب میں نہ آ جانا، تیرا دین اس کے دین سے بہت بہتر ہے۔

(زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 300..... السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد 2 صفحہ 150)

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿ ۶۱۵ ﴾ جلد دوم

عداس کے بارے میں معتبر روایات و آراء یہ ہیں کہ وہ پڑھا لکھا اور حق شناس انسان تھا اور نبی آخر الزمان ﷺ کی سیرت، حالات زندگی اور خصوصی اوصاف و احوال سے واقف تھا۔ جب حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے اسے بتایا کہ آپ نبی ہیں تو اسے پہنچانے میں دیر نہ لگی۔ وہ اسی وقت آپ کے قدموں پر گر پڑا اور نہایت محبت و عقیدت سے اپنی اطاعت و نیاز مندی کا اظہار کیا اور اسی وقت کہا:

اشهد انک عبد الله ورسوله .
میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

حکیم بن حزام راوی ہیں کچھ عرصہ بعد جب جنگ بدر برپا ہوئی تو اہل مکہ کی طرف سے اس میں شرکت کرنے کے لیے عتبہ اور شیبہ بھی نکلے اس وقت عداس ایک سفید چٹان پر ان کی راہ میں بیٹھا ہوا تھا۔

فَوَيْبَ لِمَا رَاى عْتَبَةُ وَشَيْبَةُ وَآخِذَ بَارِ جُلْهًا، يَقُولُ بَابِي وَامِي انْتَمَا وَاللّٰهُ اِنَّهُ لِرَسُولِ اللّٰهِ وَمَا تَسَاقَانِ اِلَّا اِلَىٰ مَصَارِعَ كَمَا .

جب اس نے عتبہ اور شیبہ کو دیکھا تو وہاں سے فوراً اٹھا، اچھلا اور جا کر ان (عتبہ اور شیبہ) کے پاؤں پکڑ لیے اور کہنے لگا: ”میرے ماں باپ تم دونوں پر قربان ہوں خدا کی قسم! وہ اللہ کے رسول ہیں اور تم لوگ اس وقت اپنے مقتل کی طرف جارہے ہو۔“

اسی دوران عاص بن شیبہ بھی وہاں سے گزرا تو اس نے دیکھا کہ عداس رو رہا ہے اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ عداس نے اسی گریہ زاری کے عالم میں عاص کو جواب دیا:

يَكِينِي سَيِّدَايَ وَسَيِّدَا هَذَا الْوَادِي فَيُخْرِجُنِي مِنْ هَاهُنَا وَيَقَاتِلَانِ رَسُولَ اللّٰهِ .
مجھے اس وقت اپنے اور اس وادی کے دوسر داروں پر رونا
آ رہا ہے جو اللہ کے سچے رسول کے مقابلے میں جارہے ہیں۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ کے رسول کے مقابلے میں جانا ہلاکت اور ابدی خسران کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس وقت یہ لوگ اسی مقصد کے لیے نکل رہے ہیں، ظاہر ہے کہ مارے جائیں گے اور مجھے ان کا حسرت ناک اور عبرتناک انجام رونے پر مجبور کر رہا ہے۔ اس پر عاص بن شیبہ نے ذرا انکار کے لہجے و انداز میں عداس کو کہا، بھلا وہ اللہ کے رسول ہیں؟

دوسری روایت میں عداس کا نصیحت آمیز کہنا یوں ہے۔

جب جنگ بدر کے لیے اہل مکہ کا لشکر روانہ ہونے لگا تو اس میں اس کے مالک شیبہ اور عتبہ بھی شریک تھے انہوں نے اسے بھی کہا کہ چلو تم بھی ہمارے ساتھ۔ اس وقت عداس نے ان دونوں کو کہا۔

وَقَالَ ذَلِكَ الرَّجُلُ الَّذِي دَايَتْهُ حَائِطُ كَمَا تَدْعَانِ، فَوَيْبَ لِمَا رَاى عْتَبَةُ وَشَيْبَةُ .

”کیا تم اس شخص کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے جا رہے ہو جس کی زیارت میں نے تمہارے باغ میں کی تھی بخدا اس کے سامنے تو پہاڑ بھی کھڑے نہیں رہ سکتے۔“
وہ بدنصیب اب بھی نہ سمجھے، الٹا اسے کہنے لگے کہ اس نے اپنی گفتگو سے تم پر جادو کر دیا ہے۔
عاص نے ذرا انکار کے لہجے میں کہا: بھلا وہ اللہ کے رسول ہیں؟

فانتفض عداس، انتفاضة شديدة واقشعر جلده وبكى وقال: اي والله انه لرسول الله الى الناس كافة۔ (الاصابة في تمیيز الصحابة جلد 2 صفحہ 467)

عداس، تحقیر و انکار کی یہ بات سن کر بری طرح کانپ اٹھا، خوف سے اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور وہ روتے ہوئے گویا ہوا ہاں، اللہ کی قسم! وہ تمام کائنات کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔

(الاصابة في تمیيز الصحابة جلد 2 صفحہ 467)

یہ تمام شواہد اس حقیقت کے غماز ہیں کہ عداس دل و جان سے ایمان لایا تھا اور اسے معرفت حق نصیب ہو گئی تھی اس نے چاہا کہ یہ نعمت اپنے آقاؤں میں بھی تقسیم کر دے اور انہیں راہ ہدایت پر لے آئے مگر اس کی ہزار کوشش کے باوجود انہیں یہ دولت ہدایت نصیب نہ ہوئی اور وہ اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہے۔

اہل طائف کے انتہائی وحشیانہ اور غیر مہذب طرز عمل سے نالاں اسی افسردگی کے عالم میں آپ ”قرن الثعالب“ تک پہنچ گئے یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ ایک چھوٹی پہاڑی ہے جو اہل نجد (نجد کی طرف سے آنے والوں) کا میقات ہے۔ اہل نجد یہاں سے احرام باندھتے ہیں۔ وہاں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے آپ ﷺ کی عظمت اور بارگاہ خداوندی میں آپ ﷺ کی قدر و منزلت کو چمکتے سورج کی طرح آشکار کر دیا اور وہاں آپ ﷺ کی شان رحمۃ للعالمین بھی صبح کی پھیلتی ہوئی روشنی کی طرح نمایاں ہو گئی۔ اس واقعہ کی راوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے صحیحین کے حوالہ سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی ہے۔

هل اتى عليك يوم كان اشد عليك من يوم احد؟ (فقال لقد لقيت من قومك و كان اشد ما لقيت يوم العقبة)

”آپ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔“

یا رسول اللہ کیا احد، کے دن سے بھی زیادہ تکلیف دہ دن حضور پر گزرا ہے؟

فرمایا حیرتی قوم کے ہاتھوں جو تکلیفیں مجھے یوم العقبہ کو پہنچیں وہ بہت زیادہ سخت تھیں یعنی جس روز میں نے بنی

ثقیف کے سرداروں عبد یلیل وغیرہ کو دعوت دی اور انہوں نے جو سلوک میرے ساتھ روا رکھا وہ بڑا روح فرسا تھا۔“ (فتح الباری شرح بخاری جلد 6 صفحہ 313..... بل الہدیٰ والرشاد جلد 2 صفحہ 579)

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں ان

میں سے کسی نے میری دعوت قبول نہ کی۔ میں لوٹا اس روز میں سخت غمگین و پریشان خاطر تھا اور اپنے افکار و اندیشوں میں کھویا ہوا چلتا رہا جب میں قرن الثعالب کے مقام پر پہنچا تو مجھے پتہ چلا کہ میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ میں نے اچانک سر اوپر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ ایک بادل کا ٹکڑا مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے پھر میں نے غور سے دیکھا تو حضرت جبرائیل مجھے وہاں دکھائی دیئے۔

انہوں نے بلند آواز سے مجھے پکارا اور کہا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے وہ گفتگو سن لی ہے جو آپ کی قوم نے آپ سے کی ہے اور جو روکھا اور درشت جواب انہوں نے آپ کو دیا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے آپ جو حکم اسے دیں گے وہ بجالائے گا۔

پہاڑوں کے فرشتے نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا پھر گزارش کی۔ مجھے اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے کہ آپ کی قوم نے آپ سے جو گفتگو کی ہے اس کو اللہ تبارک تعالیٰ نے سنا ہے میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں آپ جو حکم دیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا اگر آپ فرمائیں تو دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں اور یہ سارے تلنگے اور اوباش پس کر رہ جائیں، رحمت للعالمین، تاجدارِ کائنات، رحمت مجسم ﷺ نے فرمایا۔

ارجوا ان يخرج الله من اصلا بھم من يعبد الله لا يشرك به شيئا ۔

”میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تبارک تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا کرے گا جو اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔“

(السيرة النبوية ابن کثیر جلد 2 صفحہ 152، 153..... سبل الہدیٰ والرشاد جلد 2 صفحہ 579..... دلائل النبوة، ابو نعیم صفحہ 308)

امام محمد بن یوسف الصالحی سبل الہدیٰ والرشاد میں امام احمد اور شیخین کے حوالہ سے یہ روایت یوں نقل کرتے

ہیں۔

”حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبرائیل آئے اور کہا آپ کا رب کریم آپ کو سلام فرماتا ہے اور یہ پہاڑوں کا فرشتہ ہے جسے اللہ تبارک تعالیٰ نے بھیجا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ آپ کے ارشاد کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔ پہاڑوں کے فرشتے نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا اور کہا اگر آپ فرمائیں تو میں پہاڑوں کو ان پر اوندھا گرا دوں اگر آپ چاہیں تو میں انہیں زمین میں غرق کر دوں۔ رحمت مجسم ﷺ نے فرمایا اے پہاڑوں کے فرشتے! میں صبر کروں گا شاید ان کی اولاد میں سے کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں جو لا الہ الا اللہ پر ایمان لائیں۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی اس رحمت اور شفقت کو دیکھ کر پہاڑوں کا فرشتہ یہ کہہ اٹھا۔ جس طرح آپ کے رب نے آپ کا نام رکھا ہے بیشک آپ رؤف و رحیم ہے۔“

طائف کا یہ سفر تقریباً ایک ماہ جاری رہا روایات کے مطابق آپ 10 نبوی میں شوال کی ستائیس تاریخ کو

تشریف لے گئے تھے اور تیس ذی قعدہ کو واپس تشریف لائے۔ اس حساب سے تقریباً پچیس دن بنتے ہیں۔
(دلائل النبوة، ابوعبیدہ، 308)

سفر طائف اور اس میں پیش آنے والے واقعات میں اہل علم و دین اور مبلغین کے لیے ایک خاص اسوہ اور نبوی درس پوشیدہ ہے وہ یہ کہ۔

دعوت اور تبلیغ کا میدان عشرت کدہ اور پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ حق و صدات پر مبنی تبلیغ کے راستے میں قدم قدم پر بے شمار مشکلات آتی ہیں۔ مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، طعن و تشنیع اور تمسخر و استہزاء کے زہریلے تیر سہنے پڑتے ہیں، اہل ہوس کی نفرت و حقارت، جاہلوں کے اکھڑ پن، اصحاب اقتدار کے عناد و انتقام اور ابن الوقت ہم عصروں کی ریشہ دوانیوں، افترا پروازیوں اور بدترین سازشوں کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔

اگر کسی جگہ معاملہ برعکس ہو اور وہاں تبلیغ کے راستے میں پھولوں کے ہار اور دولت کے انبار ہوں اسے شاہانہ عیش اور قرب شاہ حاصل ہو اور اسے دیکھ کر کسی ذی جاہ صاحب منصب کے ماتھے پر بل نہ پڑتے ہوں، کسی زر پرست حاسد کی آنکھ میں نفرت و حقارت اور غیظ و غضب کے انگارے نہ دھکتے ہوں، کوئی دنیا دار اسے دیکھ کر آوازے نہ کستا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ حق پر مبنی، خالص دعوت اور بے لوث تبلیغ نہیں ہے۔ اس نے اہل باطل سے مفاہمت کر رکھی ہے اسی مفاہمت نے اسے شریک و دشمن باطل طاغوتی طاقتوں کے لیے گوارا اور قابل قبول بنا دیا ہے وہ اسے سر آنکھوں پر بٹھاتی ہیں، زرو جواہر میں تولتی ہیں، قرب عطا کرتی ہیں۔

یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی دنیا پرست، استبداد پسند، خدا اور رسول ﷺ کے باغی حکمران کے مفادات کسی تبلیغ سے ٹکرائیں اس کی حکومت و دولت اور شہرت و منصب کو اس سے خطرہ بھی لاحق ہو اور پھر وہ اس پر پھولوں کی بارش کرے۔ اگر کسی تبلیغ کو یہ اعزازات حاصل ہوں تو وہ سمجھ لے اس میں کہیں باطل کا اختلاط و ملاوٹ ہو چکی ہے جو اس کے چشمہ صافی کو گدلا کر رہا ہے۔

اسی واقعہ میں یہ درس بھی پنہاں ہے کہ تبلیغ حق اور دعوت الی اللہ بہت بڑی ذمہ داری ہے اور ایک عظیم فرض ہے جس کی ادائیگی ہر صورت ضروری ہے خواہ اس راستے میں پتھر کھانا پڑیں اور دشمنوں کے ذلت آمیز سلوک کا نشانہ بننا پڑے۔ اس راستے میں یہ سب صعوبتیں اور یہ آلام و شدائد ربانی اعزازات اور انبیاء کرام کا طریقہ ہیں۔ بظاہر انسان عوام کی نظروں میں ذلیل و حقیر ہو جاتا ہے مگر دعوت کے صلے میں ملنے والے مقام و منصب کی وجہ سے رب کا مقرب بندہ بن جاتا ہے اور یہ وہ انعام ہے جسے ہوس کے مارے اور دین سے بے بہرہ دل کے اندھے نہیں سمجھ سکتے۔

دعوت الی اللہ دینے والے مخلصین وہ سعادت مند لوگ ہوتے ہیں جو وہی فریضہ انجام دیتے ہیں جو سابقہ امتوں میں حضرت انبیاء کرام انجام دیتے تھے۔ اس سے ان کے مقام و مرتبے کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

طائف سے واپسی پر بظاہر حالات انتہائی ناسازگار تھے اور تحریک کی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ افق پر دور دور تک انقلاب کے آثار ناپید تھے۔ ایسے میں پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے جس اعتماد و یقین کے ساتھ بات کی اور روشن مستقبل کی نوید سنائی اس سے یہ درس ملتا ہے کہ کارکنوں کو اہل ایمان کو، پیروکاروں کو ناموافق حالات میں مایوس نہیں ہونا چاہئے بلکہ یقین و ایمان کے دیئے فروزاں رکھنے چائیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ محض اللہ کی رضا اور دین اسلام تحریک دین اسلام ﷺ کے احیاء و اعلاء کے لیے کام کیا جا رہا ہو اور پھر اس میں ناکامی ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ڈھارس بندھاتے ہوئے فرمایا:

یا زید ان الله جاعل لما تری فرجا ومخرجاً،
وان الله ناصر دینه ومظهر دینه۔

اے زید! تم جو ناسازگار حالات دیکھ رہے ہو ان سے گھبراؤ نہیں۔ بیشک اللہ تبارک تعالیٰ کشائش اور ان سے نکلنے کا راستہ ضرور پیدا فرمادے گا۔ اور بے شک اللہ تبارک تعالیٰ اپنے دین کی ضرور مدد فرمائے گا اور اپنے نبی کو ضرور غلبہ و اقتدار عطا فرمائے گا۔ (الطبقات الکبریٰ جلد 1 صفحہ 212)

اور پھر مستقبل قریب ہی میں دنیا نے دیکھ لیا کہ زبان نبوت سے نکلے ہوئے یہ کلمات بالکل سچے ثابت ہوئے۔ ظلمت شب تار تار ہو گئی اور سحر کے نور سے آسمان جگمگا اٹھا۔

طائف سے واپسی کے دوران

سفر طائف میں محبوب رب العالمین ﷺ کو جن روح فرسا اور جانگداز حالات کا سامنا کرنا پڑا اگر کسی اور شخص کو ان کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ ہمت ہار بیٹھتا اور مایوس ہو کر خلوت گزینی اختیار کر لیتا لیکن حضور پر نور ﷺ کے کشادہ سینہ میں جو قلب منیر دھڑک رہا تھا اس میں تو اپنے خالق کی محبت اور اس کی مخلوق کی خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات کے سمندر موجزن تھے۔ اس کے سامنے قیامت کی حشر سامانیاں بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھیں۔ اس حادثہ فاجعہ کے بعد دل درد مند کی جو التجالیوں پر آئی اس کے لیے دراجابت کھل گیا بارگاہِ صمدیت میں اسے شرف قبول نصیب ہوا۔ اور حالات کا رخ غیر متوقع طور پر بدلنا شروع ہو گیا۔

طائف کی سرزمین ہدایت و رحمت کے نور سے خالی بالکل بنجر اور ویران پڑی تھی۔ مسجائے وقت کی نگاہ انتخاب اس سرزمین کی طرف اٹھی، نور و نگہت اور خیر و برکت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سیلاب خود اس کی طرف بڑھا مگر اہل طائف بڑے ہی نادان، تیرہ باطن اور بد قسمت نکلے۔ وہ مسلسل گمراہی میں رہ کر اندھیروں کے عادی ہو چکے تھے انہیں پتہ ہی نہیں تھا اجالا اور نور ہدایت اور رحمت کسے کہتے ہیں۔ اس لیے اجالوں کے سیلاب کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر مدد گزراں طائف کے گمراہوں نے کہا کہ یہ گمراہیوں کے گمراہوں کی گمراہی ہے۔

ہدایت کو آگے بڑھنے سے روکا۔ جس بھیاںک انداز سے مسجائے ذی شان کا استقبال کیا اور جس بے وردی اور سنگدلی سے اسے طائف سے نکالا اس نے قلب اطہر کو افسردہ کر دیا۔

آپ ﷺ رنجیدہ دل لے کر وہاں سے نکلے ان کے بے ڈھب سلوک اور نازیبا حرکات سے طبیعت مبارک اتنی ملول ہوئی کہ آپ ﷺ چلتے ہی رہے کسی طرف دھیان ہی نہ دیا یہاں تک کہ اسی عالم میں آپ ”وادی نخلہ“ میں پہنچ گئے، یہ ایک سرسبز و شاداب اور دلکش وادی تھی جہاں قدرتی حسن ہر طرف بکھرا ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کر طبیعت مبارک کچھ سنبھلی۔ قدرت کو منظور ہوا کہ طبع مبارک پر جو غم کے بادل چھائے ہوئے ہیں وہ چھٹ جائیں حزن و ملال کے اثرات زائل ہوں اور دل لازوال خوشیوں سے لبریز ہو جائے۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، حضورِ پر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ کو ایسی خوشیاں ایک ہی چیز عطا کر سکتی تھی اور وہ تھی ”مخلوق خدا کی ہدایت کی طرف رغبت ان کا دین حق کی طرف میلان اور اسلام قبول کرنے کی طرف جھکاؤ۔“ پہاڑوں کے فرشتے کی بات سن کر پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، حضورِ انور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا (نہیں) بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ عز و جل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔

رسول اللہ ﷺ کے اُس جواب میں آپ ﷺ کی یگانہ روزگار شخصیت اور ناقابل ادراک گہرائی رکھنے والے اخلاقِ عظیمہ کے جلوے دیکھے جاسکتے ہیں۔ بہر حال اب سات آسمانوں کے اوپر سے آنے والی اس غیبی مدد کی وجہ سے آپ ﷺ کا دل مطمئن ہو گیا اور غم و الم کے بادل چھٹ گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مکہ کی راہ پر مزید پیش قدمی فرمائی اور وادی نخلہ میں جافروکش ہوئے۔ یہاں (وادی نخلہ میں) دو جگہیں قیام کے لائق ہیں۔ ایک اسل الکبیر اور دوسرے زیمہ کیونکہ دونوں ہی جگہ پانی اور شادابی موجود ہے لیکن کسی ماخذ سے یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آپ ﷺ نے ان میں سے کس جگہ قیام فرمایا تھا۔

وادی نخلہ میں آپ ﷺ کا قیام چند دن رہا۔

قدرت نے دینِ متین کے پھیلاؤ و تبلیغ کے اسباب پیدا کر دیئے اور ایک ایسی مخلوق کو ادھر بھیج دیا جو نظر نہیں آتی تھی۔ یہ جنات کی ایک جماعت تھی جو ادھر سے گزر رہی تھی حضورِ پر نور، نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو ٹھٹھک کر رہ گئی۔ اس وقت حضورِ انور، نبی اکرم ﷺ نماز فجر میں تلاوت قرآن پاک فرما رہے تھے۔ وہ جنات کلام کی شیرینی میں کھو گئے۔ انہوں نے ایسا پرتا شیر کلام کبھی نہیں سنا تھا وجد و سرور نے سب کو بے خود بنا دیا۔ انہماک سے سننے اور سمجھنے کے لیے انہوں نے ایک دوسرے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

خالق و مالک کائنات، اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورت الاحقاف کی آیت مبارک 29 میں ان لمحات کی منظر کشی یوں فرمائی ہے۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ۝

ترجمہ:- ”اے ہمارے رسول! یاد کیجئے وہ وقت جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا تا کہ قرآن سن سکیں جب وہ وہاں پہنچے تو بولے: خاموش رہو اور غور سے سنو!“

(سورۃ الاحقاف آیت 29)

اس جماعت، گروہ کے تمام جنات اور بھی سراپا گوش بن کر سننے لگے۔ کلام الہی بزبان محبوب الہی سن کر ان کے دل کی دنیا بدل گئی جب وہ کلام سن چکے تو داعی اور مبلغ بن کر اپنی قوم کے پاس واپس آئے اور ان کو یہ مژدہ جاں فزا سنایا کہ آج ہم نے ایک ایسا کلام سنا ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جو گزشتہ انبیاء اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ اے ہماری قوم! اس موقع کو غنیمت سمجھو۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی اس دعوت کو فوراً قبول کرلو۔ اللہ تبارک تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا اور تمہیں عذابِ الیم سے نجات بخشے گا۔ چنانچہ جنات کی ایک کثیر تعداد مشرف باسلام ہوئی۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ کی طائف کے علاقہ میں دعا کی مقبولیت کا یہ پہلا ثمر تھا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس واقعہ کو اپنی کتاب مقدس کی سورۃ احقاف کی آیات 29 اور 30 میں یوں بیان فرمایا ہے۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ۝ قَالُوا يٰقَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

ترجمہ:- ”اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو تا کہ قرآن سنیں۔ تو جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو۔ پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سنا تے ہوئے۔ انہوں نے جا کر کہا اے ہماری قوم! ہم نے آج ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی۔ راہنمائی کرتی ہے رب کی طرف۔ اور راہِ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کرلو اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو۔ اس پر ایمان لاؤ۔ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور بری کر دے گا تمہیں دردناک عذاب سے۔“ (سورۃ الاحقاف آیت 29، 30)

یہاں کے انسانوں نے اسے سننے اور قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا جب ایک نادیدہ مخلوق نے اسے سن کر دل و جان سے قبول کرنے کے لیے شوق کا اظہار کیا تو سرورِ کائنات ﷺ کی خوشی کی انتہاء نہ رہی غم زائل کرنے کا

حسب حال یہ ایک ہی طریقہ تھا۔ شانِ رحمت نے یہی طریقہ اختیار فرمایا اور قیامت تک آنے والے اہل محبت کے لیے یہ راز کھول دیا کہ محبوبِ کریم رُوف و رحیم ﷺ کو راضی کرنا سنتِ الہیہ ہے جو شخص کسی بھی ذریعے اور طریقے سے آپ ﷺ کو راضی کرے گا وہ سنتِ خداوندی پر عمل کرے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں۔

ان هؤلاء الجن كانوا سبعة من جن نصيبين، فجعلهم رسول الله صلى الله عليه وسلم رسلا الى قومهم وقيل كانوا تسعة .

علاقہ نصیبین کے یہ سات یا نو جن تھے جنہیں حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے نمائندگی عطا کی اور حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی قوم میں جا کر تبلیغِ اسلام کریں۔ (عمدة القاری شرح بخاری جلد 15 صفحہ 187)

علامہ عینی رحمہ اللہ نے اسی مقام پر ان جنات کے اسماء گرامی بھی ذکر کئے ہیں وہ یہ ہیں۔ حضراتِ سامر، مامر، منہی، ماسی، احقب، زوبعہ، سرق اور عمرو بن جابر۔ رحمہم اللہ۔

قرآن پاک سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جنات بہترین مبلغ ثابت ہوئے انہوں نے اپنی قوم میں جا کر تحریکِ دین اسلام اور دین اسلام کی دھوم مچا دی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریک زور پکڑ گئی اور جب یہ لوگ دوبارہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تو تین سو کے قریب تھے اور اس کے بعد تو ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو گئی۔ ان کے اسلوبِ تبلیغ کو قرآن پاک نے سورۃ احقاف کی آیات 30 تا 32 میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

قَالُوا يٰقَوْمَنَا اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي اِلَى الْحَقِّ وَالْىٰ طَرِيقِ مُسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَا اٰجِبُوْا دَاْعِيَ اللّٰهِ وَآمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْيَمِّ ۝ وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاْعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى سَمٰوٰتِهَا ۝ لَّهٗ مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءُ اُولٰٓئِكَ فِى ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

ترجمہ:- ”جنات نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب کی تلاوت سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اس کی بھی تصدیق کرتی ہے اور حق و صداقت اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے اے قوم! اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور عذابِ الیم سے بچائے گا۔ لیکن جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہیں کرے گا تو وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اس قماش کے لوگ کھلی

گمراہی میں ہیں۔“ (سورۃ الاحقاف آیت 30 تا 32)

اس طرح اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں جو پے در پے رکاوٹیں پیدا ہو رہی تھیں ان کے باوجود اسلام کا یہ بابرکت سیل رواں ایک اور سمت روانہ ہوا اور پیاسی روحوں کو سیراب کرتا، سنان وادیوں کو گلستان بنانے لگا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کے دل بے قرار کو تسلی دینے کے لیے جنات کو اسلام قبول کرنے کا شرف

نورِ اَمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿ ۶۲۳ ﴾ جلد دوم

بخشا۔ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم، حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کو اطمینان ہو گیا کہ اب وہ وقت قریب ہے جب حضرت انسان بھی اس آفتابِ ہدایت کی روشن کرنوں سے اپنے دل و دماغ کو منور کرے گا اور ان کو اپنے معبودِ برحق کا ایسا عرفان نصیب ہوگا جس کے بعد وہ کسی معبودِ باطل کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔

قرآن کریم کی ان آیات اور دیگر متعدد آیات کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جنات بھی نوعِ انسانی کی طرح ایک مستقل نوع ہیں جنہیں مکلف بنایا گیا ہے۔ اگرچہ وہ ہم انسانوں کی نگاہوں سے مخفی ہیں لیکن وہ مرشد کائنات جسے انس و جان کی راہبری کے لیے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے اس سے جنات بھی اکتسابِ نور کر سکتے ہیں بعض لوگوں کا یہ خیال قطعاً لائق التفات نہیں جو جنات کے مستقل نوع ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ وہ ان صریح آیات کی ایسی بھونڈی تاویلیں کرتے ہیں جو نہ ذہن کو سکون بخشتی ہیں اور نہ دل کو قرار۔

قارئینِ کرام! آگے ایک باب بنام ”جنات کی انسانوں میں تبلیغ“ میں اس موضوع کہ جنات بھی نوعِ انسانی کی طرح ایک مستقل ذی شعور مخلوق یا نوع ہیں پر بہت تفصیل سے لکھا جائے گا۔ شکوک و شبہات والے حضرات اس سے مستفید ہوں۔

اس نصرت اور ان بشارتوں کے سامنے غم و الم اور حزن و ملال کے وہ سارے بادل چھٹ گئے جو طائف سے نکلتے وقت گالیاں اور تالیاں سننے اور پتھر کھانے کی وجہ سے آپ ﷺ پر چھائے تھے۔ آپ ﷺ نے عزمِ مصمم فرمایا کہ اب مکہ پلٹنا ہے اور نئے سرے سے دعوتِ اسلام اور تبلیغِ رسالت کے کام میں مزید چستی اور گرمجوشی کے ساتھ لگ جانا ہے۔

نخلہ سے مکہ کی طرف

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم، تاجدارِ کائنات، سرکارِ دو عالم ﷺ نخلہ کے مقام پر رات گزارنے کے بعد مکہ کی تاریک فضاؤں کو جگمگ جگمگ کرنے کے لیے پھر حرمِ خلیل علیہ السلام کا رخ فرماتے ہیں۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضورِ پر نور ﷺ نے نخلہ کے مقام پر کئی روز قیام فرمایا۔

(السیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 273..... السیرۃ الحلبیہ، محمد ابوزہرہ جلد 1 صفحہ 342)

دن بھر کے پاپیادہ سفر کے بعد حضورِ پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ شام کے وقت غارِ حرا پر پہنچتے ہیں۔ راستہ میں حضورِ پر نور نبی کریم ﷺ کے رفیق سفر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ کس طرح مکہ تشریف لے جائیں گے جب کہ وہاں کے لوگ ہمارے خون کے پیاسے ہیں اور انہوں نے ہمیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان کو یہ خدشہ تھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ جب مکہ میں داخل ہوں گے تو مکہ کے مشرکین پہلے سے بھی زیادہ حضورِ پر نور ﷺ کو اذیت پہنچائیں گے۔

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم، مادی النور و حار النور، سرکارِ دو عالم ﷺ نخلہ سے مکہ کی طرف

یا زید : ان الله جاعل لما تری فرجا و مخرجا ان الله مظهر دینه و ناصر نبیه .

”اے زید! اللہ تبارک تعالیٰ اس مشکل کو خود آسان فرمادے گا بے شک اللہ تبارک تعالیٰ اپنے دین کو

غلبہ دے گا اور اپنے نبی کی مدد فرمائے گا۔“ (السیرۃ الحلبیہ، محمد ابوزہرہ جلد 1 صفحہ 342)

جب پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم ﷺ حرا کے مقام پر پہنچے تو وہاں قبیلہ بنو خزاعہ کے عبداللہ بن

الاریقط سے ملاقات ہوئی۔ شیخ ابوزہرہ لکھتے ہیں۔

کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ عرب کے رواج کے مطابق ہمیں کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہونا چاہئے مبادا کفار مکہ طائف میں بظاہر ناکامی جو درحقیقت عظیم اور غیر متناہی کامیابیوں کا پیش خیمہ بننے والی تھی اس ظاہری ناکامی کے باعث کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر حضور ﷺ کو تکلیف پہنچائیں۔ چنانچہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن اریقط کو اخنس بن شریق النقی کے پاس بھیجا کہ وہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو اپنی پناہ میں مکہ میں لے آئے۔

اس نے کہا ”انا حلیف و احلیف لا یجیر علی الصحیح“ کہ میں قریش کا حلیف ہوں اور حلیف، قریش کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ اس طرح اس نے اس شرف عظیم کو حاصل کرنے سے معذرت کر دی۔ پھر حضور انور نبی کریم ﷺ نے سہیل بن عمرو کے پاس عبداللہ بن اریقط کو بھیجا اس نے بھی معذرت کرتے ہوئے کہا ان بنی عامر بن عامر بن لؤی لا تجیر علی کعب بن لؤی کہ میں بنی عامر کا آدمی ہوں اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم کعب بن لؤی کی اولاد کے خلاف کسی کو پناہ دے سکیں۔

پھر حضور پر نور ﷺ نے عبداللہ بن اریقط کو مطعم بن عدی کے پاس بھیجا۔ اس کو جب یہ پیغام پہنچا تو اس نے کہا میں بسر و چشم حاضر ہوں، آپ (ﷺ) کو عرض کرو کہ میرے پاس تشریف لائیں چنانچہ عبداللہ بن اریقط نے یہ پیغام حضور انور، رحمت دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ حضور انور ﷺ مکہ میں تشریف لے آئے اور یہ رات مطعم بن عدی کے پاس بسر فرمائی۔

جب صبح ہوئی تو مطعم اپنے چھ یا سات بیٹوں کے ہمراہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو لے کر مسجد حرام کی طرف روانہ ہوا۔ مطعم اور اس کے بیٹوں نے ہتھیار سجائے ہوئے تھے تلواریں گلے میں حائل کی ہوئی تھیں۔ جب مسجد حرام میں پہنچے تو اس نے حضور انور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا آپ (ﷺ) طواف فرمائیں اور خود اپنے بیٹوں کے ساتھ جو کس ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے چار بیٹے بیت اللہ شریف کے ایک ایک کونہ پر کھڑے ہو گئے اس کے باقی فرزند تلواریں حائل کئے ہوئے باپ سمیت مطاف میں موجود رہے یہاں تک حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے طواف مکمل کیا۔

مطعم بن عدی کے اس مظاہرہ سے تمام اہل مکہ کو معلوم ہو گیا کہ اس نے تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ کو

نورام النور، نور رحمۃ للعالمین (۶۲۵) جلد دوم

پناہ دے دی ہے۔ یہ سن کر ابوسفیان بعض نے ابو جہل کا نام لیا ہے (ممکن ہے دونوں ہوں) پیچ و تاب کھاتا ہوا مطعم بن عدی کے پاس پہنچا۔ اور اس سے دریافت کیا ”مجیر ام تابع“ اے مطعم! تو نے ان کو صرف پناہ دی ہے یا تو نے ان کی اطاعت قبول کر لی ہے اور مسلمان ہو گئے ہو؟ مطعم بن عدی نے کہا کہ میں نے صرف پناہ دی ہے۔ ابوسفیان نے کہا اذا لا تخف تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ جس کو تو نے پناہ دی ہے اس کو ہم نے بھی پناہ دی۔ قارئین کرام ”طائف میں تبلیغ“ میں بیان کردہ واقعات کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ دیئے گئے حوالہ کے علاوہ ان کے حوالہ جات یہ بھی ہیں۔

(السيرة النبوية ابن هشام جلد 1 صفحہ 419 سے 422 زاد المعاد جلد 2 صفحہ 45 سے 47 رحمت للعالمین جلد 1 صفحہ 71 سے 74)

علامہ شیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بڑا لطیف نکتہ بیان کیا ہے فرماتے ہیں۔

ابوسفیان نے یا ابو جہل نے یہ سوال پوچھ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کر لی اور ان پر ایمان لائے ہو تو جس طرح وہ ہمارے دشمن ہیں تم بھی ہمارے دشمن ہو اور تمہارے ساتھ وہ سلوک کریں گے جو ایک دشمن کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر تم نے ان کا دین قبول نہیں کیا اور ایمان نہیں لائے بلکہ صرف رشتہ داری کی بنا پر ان کو اپنے جوار میں لیا ہے تو پھر تم ہماری ملت کے فرد ہو، اس لیے ہم تمہارے جوار کو تسلیم کرتے ہیں۔

علامہ شیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اس مصلحت کے تحت اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اگر آپ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے تو پھر جس طرح وہ حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کر رہے تھے وہ نہ کر سکتے۔ کئی عظیم ہستیوں کے مسلمان ہونے کے باوجود بھی کفار کا ظلم و ستم جاری رہا۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ اگر اپنے اسلام کا اعلان کر دیتے تو وہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور دفاع نہ کر سکتے۔ شیخ موصوف کی عبارت ملاحظہ ہو۔

من هذا تعرف حكمة الله تعالى في ان ابا طالب لم يعلن اسلامه مع حمايته للنبي صلى الله عليه وسلم اذ انه لو اعلن الاسلام لحاربوه مع من اذوا من اتباع النبي صلى الله عليه وسلم الذين لم يرعوا فيهم الا وذمة .

”اس سے اللہ تبارک تعالیٰ کی اس حکمت کا پتہ چلتا ہے جس کی وجہ سے ابوطالب نے حضور کی حمایت کے باوجود اسلام کا اعلان نہ کیا۔ کیونکہ اگر وہ اسلام کا اعلان کر دیتے تو کفار ان کے ساتھ بھی اسی طرح برسر پیکار ہو جاتے، جس طرح وہ دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کے ساتھ برسر پیکار تھے، اور ان کی ایذا رسانی میں انہیں نہ کسی رشتہ داری کا پاس تھا اور نہ کسی وعدہ کا۔“

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور انور رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کافر کے جوار (پناہ و قرب) کو کیوں قبول

کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے مکہ سے طائف جانے کی خبر وہاں کے سارے باشندوں کو ہو گئی تھی نیز طائف کے مکینوں نے جو انسانیت سوز سلوک کیا تھا اس کا بھی انہیں علم ہو گیا تھا۔ انہوں نے اجتماعی طور پر یہ فیصلہ کیا کہ وہ حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد اتنی نہ تھی کہ وہ مشرکین مکہ کے اس منصوبہ کو اپنی قوت بازو سے خاک میں ملا سکتے اور نہ ابھی جہاد کا اذن ملا تھا۔ ان حالات میں کیا حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ مکہ کے مرکز کو نظر انداز فرما دیتے اور جا کر صحرا کے کسی گوشہ میں فروکش ہو جاتے؟

یہ بات کسی طرح بھی دعوتِ اسلامی کے لیے مفید نہ ہوتی۔ نیز حضور ﷺ کے مکہ سے نقل مکانی کے بعد مٹھی بھر جان نثار بے آسرا ہو کر رہ جاتے۔ مکہ میں عام قبائل سے مختلف مواقع پر رابطہ قائم کرنے کے جو امکانات تھے وہ بھی معدوم ہو جاتے اس لیے اخف البلیتین (دو مصیبتوں میں سے کمتر مصیبت) کے اصول پر عمل کرتے ہوئے مطعم بن عدی کے جوار کو قبول کرنا عین مصلحت تھا۔ اور پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ہادی انس و جان رہبر کائنات رسول بحر و بر حضورِ پُر نور ﷺ نے اسی صورت کو اختیار کیا جس کے نتائج بہت جلد رو پذیر ہوئے اور اسلام کے سنہری دور کا آغاز ہو گیا۔

حدیث پاک میں ہے:

”اللہ تبارک تعالیٰ اپنے دین متین کی امداد کبھی کسی فاسق و فاجر شخص سے بھی کرا دیتا ہے۔“

اور دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اس دین کی امداد ایسی قوموں سے کرا دیتا ہے جن کا اس دین میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔“ (السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان جلد 1 صفحہ 274)

مطعم ابن عدی کا خاتمہ اگرچہ کفر پر ہوا لیکن پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پُر نور تاجدار کائنات سرکارِ دو عالم رحمت للعالمین ﷺ اس کی اس مروت کو ہمیشہ یاد رکھتے اور اس کا ذکر اچھے الفاظ سے فرماتے۔ جنگ بدر میں جب کفار کو شکست فاش ہوئی۔ ان کے ستر جنگجو جو موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور ستر کافروں کو جنگی قیدی بنالیا گیا۔ اس وقت پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لو کان المطعم بن عدی حیا ثم کلمنی فی ہولاء النتنی لترکتہم .

”اگر مطعم آج زندہ ہوتا اور وہ ان قیدیوں کے بارے میں سفارش کرتا تو اس کی وجہ سے میں ان تمام

کو آزاد کر دیتا۔“ (صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 573)



طائف سے واپسی پر تبلیغی سرگرمیاں

قبائل اور افراد کو دعوت اسلام

ماہ ذی قعدہ سن 10 نبوت (اواخر جون یا اوائل جولائی 619 عیسوی) میں پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ طائف سے مکہ تشریف لائے، اور یہاں افراد اور قبائل کو پھر سے اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ چونکہ موسم حج قریب تھا اس لیے فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے دور و نزدیک ہر جگہ سے پیدل اور سواروں کی آمد شروع ہو چکی تھی۔ حضور پر نور رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ایک ایک قبیلے کے پاس جا کر اسے اسلام کی دعوت دی جیسا کہ نبوت کے چوتھے سال سے مسلسل آپ ﷺ کا معمول تھا۔

وہ قبائل جنہیں دعوت اسلام دی گئی

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن قبائل کے پاس پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے اپنے آپ کو ان پر پیش کیا ان میں سے حسب ذیل قبیلوں کے نام ہمیں بتائے گئے ہیں۔

بنو عامر بن صعصعہ، محارب بن خصفہ، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، بنو البکاء، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ، لیکن ان میں سے کسی نے بھی اسلام قبول نہ کیا۔

واضح رہے کہ امام زہری کے ذکر کردہ ان سارے قبائل پر ایک ہی سال یا ایک ہی موسم حج میں اسلام پیش نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان پر دین اسلام نبوت کے چوتھے سال سے ہجرت سے پہلے کے آخری موسم حج تک دس سالہ مدت کے دوران پیش کیا گیا تھا۔ (ترمذی مختصر السیرۃ، عبد اللہ صفحہ 149..... رحمۃ للعالمین جلد 1 صفحہ 74)

جزیرہ عرب کے دور دراز گوشوں سے مختلف قبائل فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مکہ پہنچ رہے تھے۔ اور ہر قبیلہ نے اپنے اپنے خیمے علیحدہ علیحدہ نصب کر لیے تھے۔ رحمت للعالمین سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حسب معمول ہر قبیلہ کی منزل گاہ میں تشریف لے جا کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔

مشہور اولین سیرت نگار امام ابن اسحاق رحمہ اللہ، متوفی 151 ہجری، ربیعہ بن عباد اپنے باپ کے واسطے سے

اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے دادا نے پیغمبر ﷺ کو اپنے قبیلہ کے پاس بلایا اور ان سے اسلام کی دعوت

کے میدان میں اپنے خیمے میں موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں کھڑے ہو کر ان کو دعوت تو حید دیتے ہیں اور ساتھ ہی یہ فرماتے ہیں۔

یا بنی فلان انی رسول اللہ الیکم امرکم ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا۔ ان تخلعوا ما تعبدون من دونہ من ہذہ الانداد وان تو منوا بی و تصدقوا بی وتمنعونی حتی ابین عن اللہ ما بعثی بہ۔

”اے بنی فلاں! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو ان کی بندگی کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکو اور مجھ پر ایمان لاؤ۔ میری تصدیق کرو اور کفار کی دست درازیوں سے میرا دفاع کرو تا کہ میں تمہیں وضاحت سے بتاؤں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے کیا دے کر تمہاری طرف مبعوث کیا ہے۔“ (السیرة النبویہ ابن کثیر جلد 2 صفحہ 155)

ربیعہ کہتے ہیں کہ میرے والد عباد نے مجھے بتایا کہ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے پیچھے پیچھے ایک بھینگا شخص تھا۔ جس کا چہرہ بڑا چمک دار تھا اور اس کے سر پر بالوں کی دو لٹیں تھیں۔ اس نے عدن کا بنا ہوا ایک جبہ پہنا ہوا تھا۔ جب حضور پر نور رسول اللہ ﷺ اپنے ارشادات سے فارغ ہوتے تو وہ شخص زور سے کہتا اے بنی فلاں! یہ شخص تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کے خداؤں لات و عزیٰ کی بندگی کا طوق اپنے گلے سے نکال کر پھینک دو اور جنات میں سے جو تمہارے دوست ہیں ان کے ساتھ تعلق ختم کر دو۔ یہ تمہیں بدعت و ضلالت کی طرف بلاتا ہے تم اس کی بات مت سننا اور نہ اس کی پیروی کرنا۔ عباد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ یہ بھینگا شخص کون ہے؟ اس نے مجھے بتایا کہ یہ آپ (ﷺ) کا چچا ہے جس کا نام عبدالعزیٰ اور کنیت ابولہب ہے۔

بنی کندہ

پھر حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ وہاں تشریف لے گئے جہاں بنی کندہ کا پڑاؤ تھا۔ ان میں ان کا سردار جس کا نام ملیح تھا وہ بھی موجود تھا۔ حضور انور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے ان کو تو حید کی دعوت دی اور اپنے دین کی تعلیمات کو ان پر پیش کیا لیکن ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

بنی عبداللہ

پھر نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ بنی کلب قبیلہ کی ایک شاخ بنی عبداللہ کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور ان کو اللہ تبارک تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اپنی ذات کو ان پر پیش کیا اور فرمایا۔

ان الله عز وجل قد احسن اسم ابیکم ۔

”اے بنی عبد اللہ! اللہ تبارک تعالیٰ نے تمہارے باپ کا نام بڑا خوبصورت (عبد اللہ) رکھا ہے۔“
مقصد یہ تھا کہ تم اپنے باپ کے نام کی لاج رکھتے ہوئے معبودان باطل کی بندگی چھوڑ کر اللہ تبارک تعالیٰ کے بندے بن جاؤ۔ لیکن ان کے بخت خفتہ نے بھی ان کو یہ دعوت قبول کرنے کے شرف سے محروم رکھا۔
بنی حنیفہ

بعد ازاں پیغمبر اول و آخر و اعظم سرکارِ دو عالم ﷺ بنی حنیفہ کی خیمہ گاہ میں تشریف لے گئے انہیں بھی اللہ تبارک تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اپنی ذات کو ان پر پیش کیا۔ لیکن ان بد بختوں نے بھی بری طرح حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ یہ وہی قبیلہ ہے جن میں سے مسلمانہ کذاب پیدا ہوا اور نبوت کا دعویٰ کیا۔ جس کی قوم کے لاکھوں نوجوان اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے لیکن حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلام کے بہادر جاں نثاروں کا ایک لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔ یمامہ کے مقام پر خونریز جنگ ہوئی جس میں نبوت کے اس جھوٹے نبی کو تہ تیغ کر دیا گیا اور اس طرح یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سو گیا۔

بنی عامر

یہاں سے فارغ ہو کر پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ بنی عامر قبیلہ کی فرود گاہ (رہائش خیمہ جات) میں تشریف لے گئے اور انہیں اللہ تبارک تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور ان کے سامنے اپنی نبوت کو پیش کیا۔ ان میں سے ایک آدمی نے جس کا نام ہجرہ بن فراس تھا اور امام ابن ہشام کے قول کے مطابق اس کا نام فراس بن عبد اللہ بن سلمان بن قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ تھا۔ اس نے کہا۔

والله لو انی اخذت هذا الفتی من قریش لا کلت به العرب ۔

”بخدا! اگر میں اس نوجوان قریشی کو اپنے قابو میں کر لوں تو اس کے ذریعہ میں سارے عرب پر حکومت کر سکتا ہوں۔“

پھر اس نے ہادی برحق رہبر کائنات ﷺ سے پوچھا آپ (ﷺ) یہ بتائیے کہ اگر ہم آپ کے اس دین کو قبول کر لیں اور آپ کی پیروی کریں پھر اللہ تبارک تعالیٰ آپ کو اپنے مخالفین پر غلبہ عطا فرمائے تو کیا حضور (ﷺ) کے بعد اس مملکت کے ہم وارث ہوں گے ایکون لنا الامر بعدک؟ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے جواب دیا۔

”کہ سارا معاملہ اللہ تبارک تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جس کو وہ چاہے گا اس کو اس کا سربراہ بنائے

گا۔

وہ کہنے لگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ عربوں کا مقابلہ کرنے کے لیے گردنیں ہم کٹائیں۔ جب آپ (ﷺ) کو فتح وغلبہ حاصل ہو جائے تو کسی اور کو آپ مالک بنادیں۔ ہمیں ایسے دین کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضورِ انور ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

جب قبیلہ عامر کے یہ لوگ حج ادا کر کے اپنے وطن لوٹے تو اپنے قبیلہ کے شیخ کے پاس پہنچے جو کافی عمر رسیدہ تھا اور ضعف کی وجہ سے اس سفر حج میں شریک نہ ہو سکا تھا۔ ان کا یہ معمول تھا کہ جب وہ لوگ اپنے سفر سے واپس آتے تو جو واقعات دوران سفر انہیں پیش آتے وہ سب اپنے شیخ کے سامنے بیان کرتے۔

اس سال بھی جب وہ سفر حج سے واپس آئے تو انہوں نے اپنے سفر کی مکمل روئیداد اپنے سن رسیدہ شیخ کو سنائی۔ پھر اس ضمن میں اسے بتایا کہ قریش کا ایک جوان ان کے پاس آیا تھا جو عبدالمطلب کے خاندان سے تھا وہ اپنے بارے میں یہ گمان کرتا تھا کہ وہ نبی ہے۔ اس نے ہمیں دعوت دی۔ کہ ہم دشمنوں سے اس کا دفاع کریں اور اس کے ساتھ شانہ بشانہ اس جہاد میں شریک ہوں اور ہم اسے مکہ سے اپنے ہمراہ اپنے وطن لے جائیں۔

اس شیخ نے یہ سن کر ازراہ حسرت و افسوس دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھے اور کہا جو موقع تم نے ضائع کیا ہے کیا اس کی تلافی ممکن ہے مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ کسی فرزند اسماعیل نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا اور اس کا یہ کہنا کہ وہ نبی ہے یہ سچا دعویٰ ہے۔ اے بنو عامر اس وقت تمہاری عقل کہاں چمکنے چلی گئی تھی۔

حج کے موسم میں حضورِ انور نبی کریم ﷺ ایسے مواقع پر مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جاتے لیکن ان کا ایک ہی جواب ہوتا وہ کہتے۔

قوم الرجل اعلم به، اترون ان رجلا يصلحنا وقد اسد قومه ولفظوه .

”اس شخص (نبی کریم ﷺ) کی قوم اس کے حالات سے خوب واقف ہے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ شخص تمہاری اصلاح کرے گا حالانکہ اس نے اپنی قوم کو برباد کر دیا ہے اور اس کی قوم نے اس کو مسترد کر دیا ہے۔“ (السيرة النبوية ابن هشام جلد 1 صفحہ 424، 425..... السيرة النبوية ابن كثير جلد 2 صفحہ 158)

بنی عبس

عبداللہ، اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حجرۃ الاولیٰ کے سامنے منیٰ کے میدان میں خیمہ زن تھے کہ ہمارے پاس اللہ کا پیارا رسول ﷺ تشریف لائے۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ اور حیم بن ابی اسفہان پر سوار تھے اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے ہمیں دعوت اسلام دی۔ ہم نے اس سے پہلے بھی مختلف مواقع پر حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی دعوت کے بارے میں

سنا تھا۔ آج بھی حضورِ پُر نور ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور دعوت دی لیکن ہم میں سے کسی نے قبول نہ کی۔ ہمارے ساتھ میسرہ بن مسروق عیسیٰ بھی تھا۔ اس نے ہمیں کہا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر ہم اس شخص کی تصدیق کریں اور انہیں اپنے ساتھ لے جا کر اپنے علاقہ میں ٹھہرائیں تو بڑی عقل مندی کی بات ہوگی میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اس کا دین غالب آئے گا۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے گا۔

اس کی بات کو سن کر قوم نے کہا کہ میسرہ، اس بات کو رہنے دو، جب ہم میں اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی طاقت نہیں تو ہم اس بوجھ کو کیوں اٹھائیں۔ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے میسرہ کی جب بات سنی تو حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کے دل میں امید پیدا ہوئی کہ میسرہ شاید اسلام قبول کرے۔ حضورِ انور ﷺ نے اس سے گفتگو کی، اس نے کہا آپ کی گفتگو بڑی عمدہ اور سراپا نور ہے۔ لیکن میری قوم اس بارے میں میری مخالف ہے اور فرد کی عزت اس کی قوم سے ہوتی ہے۔ اگر وہ اس کی تابید نہ کرے پھر کنارہ دور ہو جاتا ہے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ واپس چلے آئے اور وہ لوگ بھی اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔ لیکن میسرہ کے دل میں حضورِ پُر نور ﷺ کی بات گھر کر گئی تھی۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ اس کی قوم اس دین کو قبول کرے۔ راستہ میں اس نے انہیں کہا کہ فدک ہمارے راستہ سے زیادہ دور نہیں اگر ہم وہاں جائیں اور وہاں کے یہودیوں سے اس شخص کے بارے میں دریافت کریں تو ممکن ہے ہم کسی صحیح نتیجہ میں پہنچ جائیں۔

پس وہ اپنے راستہ سے مڑ کر فدک میں گئے۔ وہاں کے یہودی علماء سے اپنی آمد کا مدعا بیان کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب نکالی اور اسے وہاں سے پڑھنا شروع کیا جہاں اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا ذکر مبارک تھا۔ وہاں مرقوم تھا۔

النبي الامي العربي يركب الحمار و يجتري بالكسرة . ليس بالطويل ولا بالقصير
ولا بالجعد ولا بالنسب في عينه حمرة مشرق اللون .

”خطہ عرب سے تعلق رکھنے والے ایسے جلیل القدر نبی مبعوث ہوں گے جن کا لقب امی ہوگا۔ دراز گوش پر سواری فرمائیں گے اور انتہائی کفایت شعاری ان کی شان ہوگی۔ بدنی حسن کے لحاظ سے نہ ضرورت سے زیادہ لمبے نہ پست قامت، گیسوئے مبارک نہ زیادہ گھنگھریا لے اور نہ بالکل سیدھے۔ آپ (ﷺ) کی آنکھوں میں سرخی کا ڈورا اور چہرہ چمکدار ہوگا۔“

اس کے بعد یہودی علماء نے کہا اگر جس نے تمہیں دعوت دی ہے اس میں یہ نشانیاں پائی جاتی ہیں تو ان کی دعوت قبول کر لو اور اس کے دین میں داخل ہو جاؤ۔ میسرہ نے کہا اے میری قوم! اب تو یہ معاملہ بالکل واضح ہو گیا۔ قوم نے کہا دوبارہ جب ہم موسم حج میں آئیں گے تو ان سے ملاقات کریں گے چنانچہ وہ اپنے شہر کی طرف لوٹ گئے۔ قبیلہ کے لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے۔ پھر سن 10 ہجری میں حجۃ الوداع ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں میسرہ نے حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی اور حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے اس کو پہچان لیا۔

میسرہ نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اس دن سے آپ ﷺ کی پیروی کا شدت سے خواہشمند تھا جب حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ نے ہماری قیام گاہ پر منیٰ کے میدان میں اپنی اونٹنی بٹھائی تھی۔ پھر حالات بدلتے رہے کروٹیں لیتے رہے اور اللہ تبارک تعالیٰ نے اس بات کو نہ چاہا کہ میں جلدی آپ کی غلامی کا شرف حاصل کروں چنانچہ میں آج بڑی تاخیر سے اسلام لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ وہ لوگ جو اس روز میرے ساتھ تھے ان میں سے اکثر مر گئے ہیں۔ یا رسول اللہ! ان کا ٹھکانہ کہاں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام قبول کئے بغیر جو شخص مرا ہے وہ دوزخ میں ہوگا۔ حضرت میسرہ بن مسروق عسی رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگا۔

”سب تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے آتش جہنم سے بچالیا پھر وہ مشرف باسلام ہو گئے اور عمر بھر احکام الہی کو حسن و خوبی سے انجام دیتے رہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد 2 صفحہ 171)

بنی شیبان بن ثعلبہ

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے جب اپنے رسول کریم ﷺ کو قبائل عرب کے پاس جا کر اسلام کی دعوت دینے کا حکم دیا تو پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نکلے۔ میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ مختلف قبائل کی قیام گاہوں سے ہوتے ہوئے ہم ایک ایسی مجلس میں پہنچے جس پر سکون اور وقار کے آثار نمایاں تھے اور اس میں ایسے مشائخ بیٹھے تھے جن کے چہرے ان کی قدر و منزلت کی غمازی کر رہے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور انہیں سلام کیا۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کان ابوبکر مقدمافی کل خیر ہر اچھے کام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیش پیش ہوا کرتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ تم کس قبیلہ کے لوگ ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم بنی شیبان بن ثعلبہ قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر، رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کی۔ میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان ہوں یہ لوگ اپنی قوم کے معزز ترین لوگ ہیں۔ اپنی قوم کی روشن جبین ہیں۔ حضور ﷺ انہیں دعوت حق دیجئے۔

وہاں مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ، ثنی بن حارثہ، نعمان بن شریک اس قبیلہ کے سردار موجود تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قریب تر مفروق بن عمرو کی نشست گاہ تھی اور یہ فصاحت و بلاغت میں سب سے نمایاں تھا۔ اس کی دو زلفیں اس کے سینہ پر لٹک رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ تمہارے قبیلہ کی

تعداد کتنی ہے؟ اس نے جواب دیا ہماری تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ اور ایک ہزار کا ایک لشکر قلت تعداد کی وجہ سے شکست نہیں کھاتا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ جس کو تم پناہ دیتے ہو اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ اس نے کہا کہ کوشش کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس کے بعد ہر ایک کی اپنی قسمت ہوتی ہے۔

پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا جب تم دشمن سے جنگ کرتے ہو تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ مفروق بولا۔ جب ہم غضبناک ہوں اس وقت ہم دشمن کے مقابلہ میں شدید قوت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہم اسیل گھوڑوں کو اپنی اولاد پر اور اسلحہ کو شیردار اونٹنیوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس کے بعد فتح اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کبھی ہم انہیں شکست دیتے ہیں اور کبھی وہ ہمیں۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا یہ اطلاع تو تمہیں مل چکی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے۔ (حضور کی طرف اشارہ کر کے) یہ وہ رسول ہیں۔

مفروق نے کہا ہمیں اس کی اطلاع ملی ہے۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا اے قریشی بھائی! تم کس چیز کی دعوت دیتے ہو۔

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم ﷺ روئے کریم ﷺ اپنی نشست سے آگے ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنی چادر سے حضور پر نور نبی کریم ﷺ پر سایہ کیا۔ پھر ہادی برحق نے فرمایا۔ ”میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ وحدہ لا شریک کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھے پناہ دو اور میری مدد کرو تا کہ جو دین اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے دیا ہے میں اس کی تبلیغ کا حق ادا کر سکوں کیونکہ قریش نے حکم الہی کے خلاف بغاوت کی اس کے رسول کو جھٹلایا ہے۔ اور حق کو چھوڑ کر باطل کو پسند کیا ہے۔“ ”واللہ هو الغنی الحمید“

پھر مفروق نے کہا اور کس چیز کی آپ دعوت دیتے ہیں۔

اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے سورۃ انعام کی آیات 152 تا 154 تلاوت فرمائی۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۚ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّيْنَاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۚ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّيْنَاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۚ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّعَلَّاهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝

ترجمہ:- ”آپ فرمائیے! آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمہارے رب نے تم پر (وہ یہ) کہ نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔ اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی

(کے خوف) سے ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی۔ اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہو۔ اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ تبارک تعالیٰ نے سوائے حق کے یہ ہیں وہ باتیں، حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے جن کا تاکہ تم (حقیقت کو) سمجھو اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے۔ مگر اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پورا کروناپ اور تول انصاف کے ساتھ۔ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے برابر اور جب کبھی بات کہو تو انصاف کی کہو۔ اگرچہ ہو (معاملہ) رشتہ دار کا اور اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرو۔ یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ تبارک تعالیٰ نے حکم دیا ہے تمہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو اور راستوں کی ورنہ وہ جدا کر دیں گے تمہیں اللہ کے راستہ سے، یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں جن کا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔“

(سورۃ الانعام، 152، 154)

یہ آیات سن کر مفروق جسے اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا حیران و ششدر ہو گیا اور عرض کرنے لگا۔ اے قریشی بھائی! اور کس چیز کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں بخدا یہ کلام جو آپ نے پڑھ کر سنایا ہے یہ کسی انسان کا کلام نہیں اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو ہم بھی اس کو جانتے۔

پھر حضور پر نور نبی کریم ﷺ سورۃ النحل کی آیت مبارک 90 تلاوت فرمائی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايَ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج يَعِظُكُم لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

”بے شک اللہ تبارک تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرو۔ اور اچھا سلوک کرو رشتہ داروں کے ساتھ اور منع فرماتا ہے تمہیں بے حیائی۔ برے کاموں اور سرکشی سے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نصیحت کرتا ہے تمہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔“ (سورۃ النحل: 90)

مفروق نے یہ سن کر کہا اے قریشی بھائی! بخدا تم نے مکارم اخلاق اور اچھے اعمال کی طرف دعوت دی ہے وہ لوگ جھوٹے ہیں جو تمہاری تکذیب کرتے ہیں اور تیرا مقابلہ کرتے ہیں۔

مفروق کی یہ خواہش تھی کہ اس گفتگو میں ایک دوسرا سردار ہانی بن قبیصہ بھی شریک ہو۔ اس نے ہانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ ہانی بن قبیصہ ہیں جو ہمارے شیخ ہیں اور ہمارے دین کے راہنما ہیں۔

ہانی بولا میں نے آپ (ﷺ) کا مقالہ سنا ہے میں آپ (ﷺ) کی بات کی تصدیق کرتا ہوں لیکن میرا خیال ہے اگر ہم آپ (ﷺ) کے ساتھ پہلی نشست میں ہی اپنا آبائی دین چھوڑ دیں اور آپ (ﷺ) کے دین کی پیروی کرنے لگیں جس کی نہ ابتدا ہمیں معلوم ہے اور نہ انتہا۔ نہ ہم نے اس معاملہ میں غور کیا ہے اور نہ ان نتائج کا جائزہ

لیا ہے جو اس دعوت پر مرتب ہوں گے جو آپ ہمیں دے رہے ہیں تو یہ رائے کی لغزش ہوگی اور سمجھ کی جلد بازی ہوگی۔

جو کام جلدی میں کیا جاتا ہے اس میں لغزش ہو ہی جاتی ہے نیز ہم اپنے پیچھے اپنی قوم چھوڑ آئے ہیں۔ ہم اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ ان سے مشورہ کئے بغیر آپ سے کوئی معاہدہ کریں۔ آپ (ﷺ) بھی اس معاملہ میں غور فرمائیں ہم بھی غور کریں گے۔

ہانی کی یہ خواہش تھی کہ ثنی بن حارثہ بھی اس گفتگو میں حصہ لے چنانچہ اس نے کہا یہ ثنی ہے جو ہمارے شیخ ہیں اور سپہ سالار ہیں۔

ثنی نے کہا میں نے آپ (ﷺ) کا کلام سنا ہے۔ اور میں آپ (ﷺ) کے قول کو بہت پسند کرتا ہوں اور مجھے آپ (ﷺ) کی گفتگو نے متاثر کیا ہے میرا جواب بھی وہی ہے جو ہانی بن قبیصہ نے دیا ہے۔ آپ (ﷺ) کے ساتھ اس پہلی نشست میں ہی اگر ہم اپنے دین کو چھوڑ دیں اور آپ (ﷺ) کی پیروی کرنے لگیں تو یہ مناسب نہیں۔ ہم دو پانیوں کے درمیان رہتے ہیں ان میں سے ایک یمامہ ہے اور دوسری طرف سماوہ۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ گفتگو سن کر فرمایا کہ تم نے غلط جواب نہیں دیا۔ کیونکہ تم نے سچی بات ظاہر کی ہے کوئی آدمی اللہ کے دین کا حق ادا نہیں کر سکتا جب تک وہ اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہ کر لے۔ مخبر صادق عالم خفا و غیوب رسول اللہ ﷺ نے اٹھنے سے پہلے انہیں فرمایا کہ ایرانیوں کے جس غلبہ سے تم ترساؤ و خائف ہو اگر اللہ تبارک تعالیٰ تمہیں ان کے ممالک اور ان کے اموال کا مالک بنادے تو پھر کیا تم اللہ کی تسبیح اور تقدیس کرو گے۔ نعمان بن شریک کہنے لگا اے قریشی بھائی! ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ایسا ہوا تو ہم ضرور اللہ تبارک تعالیٰ پر ایمان لائیں گے۔

آخر میں رہبر کائنات، ہادی انس و جان رحمت دو عالم ﷺ نے سورۃ احزاب کی آیات 45 اور 46 تلاوت فرمائی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝

ترجمہ:- ”اے نبی بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔“

پھر حضور پر نور نبی کریم ﷺ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کے عربوں کے اخلاق کا کتنا اعلیٰ مظاہرہ انہوں نے کیا ہے انہی اعلیٰ اخلاق کی بنیاد پر وہ دنیاوی زندگی میں اپنا دفاع کر رہے ہیں۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد ان کی جنگ ایرانیوں سے ہوئی اور قراقر کے مقام پر جو فرات سے قریب ہے معرکہ ہوا۔

لما تحاربواهم وفارس والتقوا معهم بقراقر جعلوا شعارهم اسم محمد صلى الله عليه وسلم فنصروا بذلك وقد دخلوا بعد ذلك في الاسلام .

”جنگ کے دوران انہوں نے حضور پر نور نبی کریم روف ورحیم ﷺ کے اسم مبارک کو اپنا جنگی شعار بنایا ہوا تھا اور اس کی برکت سے انہیں فتح حاصل ہوئی اور پھر وہ اسلام میں داخل ہو گئے۔“

(السيرة النبوية ابن کثیر جلد 2 صفحہ 169)

اہل عرب کا دستور

کیونکہ اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ اگر ان سے کوئی پناہ طلب کرتا تو وہ اس کو ضرور پناہ دیتے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی برحق رحمت دو عالم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب حج کے موقع پر عرفات کے میدان میں جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے قبائل جمع ہوتے تو نبی کریم روف ورحیم ﷺ ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے۔ لیکن جب حضور انور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ قبائل عرب اسلام قبول کرنے سے جھجکتے ہیں تو حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے ان کے سامنے اس سے کمتر مطالبہ پیش کیا کہ شاید وہ اس بات کو قبول کر لیں اور یہی بات شاید ان کی ہدایت کا باعث بن جائے یا دوسرے قبائل کے لیے ہدایت کا دروازہ کھل جائے۔ حضور یہ اعلان فرماتے۔

هل من رجل يحملني الى قومه فان قریشا قد منعوني ان ابلغ كلام ربي عز وجل .

”کیا تم میں سے کوئی ایسا مرد (قبیلہ کا ذمہ دار آدمی) ہے جو مجھے اپنے ساتھ اپنے قبیلہ میں لے جائے

جہاں مجھے تبلیغ اسلام کی آزادی ہو۔ کیونکہ قریش نے مجھ پر قدغن (پابندی) مخالفت جو رد و ظلم کے

سبب لگا دی ہے کہ میں اپنے رب کریم کا کلام اس کے بندوں تک پہنچاؤں۔“

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم روف ورحیم ﷺ ان کی اس نخوت کو خدمت اسلام کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے یعنی اگر تم سر دست اسلام قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا لیکن قریش نے مجھ سے تبلیغ حق کی آزادی چھین لی ہے۔ نہ یہ خود میری دعوت قبول کرتے ہیں اور نہ اس بات کو گوارا کرتے ہیں کہ میں آزادی سے اللہ کے دین کی دعوت دوں جس کا جی چاہے قبول کرے جس کا جی چاہے انکار کر دے۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی انس و جان سرکار دو عالم ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی ایسا شخص سامنے آئے اور مجھے اپنے ساتھ اپنے قبیلہ میں لے جائے جہاں مجھے دین حق کی تبلیغ کرنے کی آزادی ہو اور میں اپنے حق کو جاری

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ۶۳۷ جلد دوم

رکھ سکوں تو ہو سکتا ہے اس قبیلہ کے لوگ ہی اس دین حق کو قبول کر لیں یا کوئی فرد یا قبیلہ جن کے کانوں تک میری یہ دعوت پہنچے تو ان کا بخت بیدار ہو جائے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں۔ لیکن اہل مکہ کے معاندانہ پراپیگنڈہ نے انہیں اسلام سے اس قدر خوف زدہ کر دیا تھا کہ وہ اس عام سی بات کو بھی ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔

اسی اثناء میں قبیلہ بنی ہمدان کا ایک شخص حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا میں قبیلہ ہمدان کا ایک فرد ہوں۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تیری قوم میں یہ جرات ہے کہ میرے دفاع کی ذمہ داری قبول کر سکے۔ اس نے کہا بے شک لیکن معاً اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید اس کی قوم اس کی پناہ کو اہمیت نہ دے اور حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو کوئی گزند پہنچے۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ کہنے لگا میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا اور آپ کے بارے میں ان سے گفتگو کروں گا۔ انہوں نے جو فیصلہ کیا آئندہ سال حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع دوں گا۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اچھا تیری مرضی۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد 2 صفحہ 171، 172)

تجارتی میلوں، منڈیوں میں تبلیغ

سارے جزیرہ عرب میں گنتی کے چند شہر تھے جن میں مکہ اور طائف بہت مشہور تھے ان کے علاوہ ساری آبادی وسیع و عریض صحراؤں میں بکھری ہوئی تھی کہیں کہیں کوئی گاؤں یا قصبہ دکھائی دیتا تھا نیز قبائلی عصبیتوں کے باعث راستے پر امن نہ تھے اس لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا خطرات سے خالی نہ تھا۔ قبائل کے سرداروں نے باہمی مشاورت سے تجارتی منڈیوں کے جگہ جگہ انعقاد کا اہتمام کیا تاکہ تاجر اور صنعت کار اپنی اپنی درآمدات اور مصنوعات کو لے کر وہاں پہنچ جائیں اور اس علاقہ کے گرد و نواح میں آباد لوگ اپنی اپنی ضروریات کی چیزیں وہاں آ کر خرید لیں۔

عرب کے دستور کے مطابق ان طے شدہ مقامات پر جتنے روز منڈیوں کے انعقاد کا فیصلہ کیا جاتا اتنے عرصہ تک لوگوں کو جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دے دی جاتی تھی۔ راستے پر امن ہوتے تھے کوئی شخص کسی کے ساتھ تعرض نہیں کرتا تھا۔ اگر بیٹے یا باپ کا قاتل بھی سامنے آ جاتا تھا تو اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا جاتا تھا۔ صحراؤں میں آباد قبائل کے یہ مسلمہ قواعد و ضوابط تھے ہر قیمت پر جن کی پابندی کی جاتی تھی۔ ان ایام میں لوگ دور دراز سے خرید و فروخت اور دیگر مقاصد کے لیے یہاں اکٹھے ہوتے تھے اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شعراء اپنے قصائد سے اور خطباء اپنے فصیح و بلیغ خطبات سے لوگوں کو محفوظ کرتے۔ اس سے عوام کے ادبی ذوق کی آبیاری کے ساتھ ساتھ

تحسین کی جاتی اور علاقائی سطح پر وہ صاحبِ فن مشہور ہو جاتے۔

ویسے تو عرب کے متعدد مقامات پر یہ میلے منعقد ہوتے لیکن عکاظ، ذوالحجاز، اور مجنہ کی ان تین تجارتی منڈیوں کو مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ اس کی ایک وجہ تو ان کا محل وقوع تھا۔ یہ تینوں مقامات مکہ مکرمہ سے زیادہ دور نہ تھے۔ نیز ان کی منعقد ہونے والی تاریخیں بھی ایسی تھیں جو فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے آنے والے تمام زائرین کے واسطے بڑی آرام دہ تھیں۔ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے تو انہیں مکہ آنا ہی پڑتا تھا اسی ایک سفر میں وہ ان منڈیوں میں بآسانی شرکت کر سکتے۔ بیچنے والے اپنا سامان بیچا کرتے اور ضرورت مند اپنی ضروریات کی اشیاء خریدا کرتے۔ ان اجتماعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ادبی اور ثقافتی محفلیں بھی منعقد کی جاتیں جن میں شعراء اپنا کلام سنا کر اور خطباء اپنی فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھا کر سامعین سے داد و تحسین وصول کرتے۔

یا قوت حموی، اپنی کتاب معجم البلدان میں ان تینوں تجارتی منڈیوں کے بارے میں لفظ عکاظ کے عنوان کے نیچے رقمطراز ہیں۔

”علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ عرب، جب عکاظ کی منڈی میں جمع ہوتے تو وہاں ایک دوسرے پر اپنی بڑائی کا اظہار کرتے۔ اسی لیے جب کوئی شخص کسی کے ساتھ بڑائی کا مظاہرہ کرے، اور اس سے اس کو مغلوب کر دے تو عرب کہتے ہیں عکظ الرجل صاحبه۔ اسی مناسبت سے اس کا نام عکاظ رکھا گیا۔ عکاظ زمانہ جاہلیت میں عربوں کی تجارتی منڈیوں میں سے ایک منڈی کا نام ہے۔ عرب کے قبیلے ہر سال عکاظ میں جمع ہوتے اور ایک دوسرے پر اپنی بڑائی کا اظہار کرتے ان اجتماعات میں ان کے شعراء بھی شرکت کرتے اور لوگوں کو اپنا تازہ کلام سناتے اور پھر منتشر ہو جاتے۔“

وجہ تسمیہ کے بعد اب ان کا محل وقوع بتاتے ہوئے علامہ یا قوت لکھتے ہیں۔

عکاظ بین نخلة وطائف و ذوالمجار خلف عرفة، ومجنة بمر الظهران ۔

”عکاظ، نخلہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ ذوالحجاز عرفہ کے پیچھے اور مجنہ، مر الظهران میں۔“

(معجم البلدان جلد 4 صفحہ 142)

انہوں نے ان منڈیوں کے انعقاد پذیر ہونے کی تاریخوں کے بارے میں بھی وضاحت کر دی ہے لکھتے ہیں۔

وهذه اسواق قریش والعرب ولم يكن فيه اعظم من عكاظ قالوا كانت العرب تقيم بسوق عكاظ شهر شوال ثم تنتقل الى سوق مجنة وتقيم فيه عشرين يوما من ذي القعدة ثم تنتقل الى سوق ذي المجاز فتقيم فيه الى ايام الحج ۔

”یہ تجارتی منڈیاں قریش اور تمام اہل عرب کی مشترکہ منڈیاں تھیں اور عکاظ سب سے بڑی منڈی تھی

کہتے ہیں کہ عکاظ کی منڈی شوال کے پورے مہینہ میں لگتی تھی۔ پھر وہاں سے مجنہ آ جاتے تھے اور وہاں ذی القعدہ کے پہلے بیس دن خرید و فروخت کی گرم بازاری ہوتی تھی وہاں سے چل کر ذی الحجاز میں آ جاتے یہ منڈی حج کے ایام تک لگی رہتی۔“ (معجم البلدان جلد 4 صفحہ 142)

اس کے بعد فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ پہنچ جاتے۔ اور زمانہ جاہلیت کی رسم و رواج کے مطابق حج کرتے۔ اور پھر اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے۔

آپ ابھی پڑھ آئے ہیں کہ ایام حج میں جب جزیرہ عرب کے اطراف و اکناف سے آنے والے قبائل مکہ منیٰ اور عرفات میں اقامت پذیر ہوتے تو حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ہر قبیلہ کی فرودگاہ پر تشریف لے جاتے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم رحمتِ دو عالم ﷺ کو فرائضِ نبوت کی ادائیگی کا احساس ہر وقت بے چین رکھتا۔ دور و نزدیک جہاں کہیں بھی اہل عرب کے اجتماع کی حضور پر نور ﷺ کو اطلاع ملتی حضور ﷺ وہاں تشریف فرما ہوتے اور گم کردہ راہِ انسانیت کو راہِ راست پر گامزن کرنے کے شوق میں اپنی مساعی اور کوششوں کی انتہا فرما دیتے۔

ابوطارق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو ذی الحجاز کی منڈی میں دیکھا
قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

يا ايها الناس قولوا لا اله الا الله تلتحوا .

”اے لوگو کہو! کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اللہ تبارک تعالیٰ کے ایسا کہو گے تو دونوں جہانوں میں فلاح پاؤ گے۔“

وخلقه رجل له غديرتان يرميه بالحجارة حتى ادمى كعبه يقول يا ايها الناس لا تسمعوا منه فانه كذاب .

”ابن طارق کہتے ہیں کہ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے پیچھے ایک آدمی کھڑا تھا جس کے بال دونوں طرف سے اس کے سینے پر لٹک رہے تھے وہ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے قدموں پر پتھر بھی مار رہا تھا اور یہ بھی کہہ رہا تھا اے لوگو! اس کی بات ہرگز نہ ماننا یہ جھوٹا ہے۔“

میں نے اپنے باپ سے پوچھا یہ کون شخص ہے اس نے بتایا کہ یہ شخص ان کا چچا ہے اس کا نام عبدالعزیز اور کنیت ابولہب ہے۔ (السيرة الحلیہ، ابوزہرہ جلد 1 صفحہ 397)

امام بیہقی نے بنو کنانہ کے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا۔

رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يهوق ذى المحازة هه بقدر ما انما الناس

قولوا لا اله الا الله تفلحوا و اذا رجل خلفه يسفى عليه التراب فاذا هو ابو جهل وهو يقول يا ايها الناس لا يغرنكم هذا عن دينكم فانما يريد ان تتركوا عبادة اللات والعزى .

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذی الحجاز کی منڈی میں یہ فرماتے ہوئے دیکھا اے لوگو! پڑھو لا اله الا الله دونوں جہانوں میں کامیاب ہو جاؤ گے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے پیچھے ایک آدمی کھڑا تھا جو حضور پر نور نبی کریم ﷺ پر مٹی پھینک رہا تھا اور وہ ابو جہل تھا۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔ اے لوگو! یہ شخص تمہیں اپنے دین سے گمراہ نہ کر دے اس کا ارادہ تو یہ ہے کہ تم اپنے معبودوں لات و عزی کی پوجا کرنا چھوڑ دو۔“

یہاں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پہلی روایت میں ابولہب کا ذکر ہے اور اس میں ابو جہل کا۔ اس میں کوئی تعارض نہیں ان دونوں بد بختوں کا یہی شغل تھا وہ ہر وقت حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے تعاقب میں رہتے اور جہاں موقع ملتا حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرتے اور طرح طرح سے اذیت پہنچاتے۔

(السيرة النبوية ابن کثیر جلد 2 صفحہ 156)

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور طبرانی نے کبیر میں مدرک بن منیب العامری سے اپنے باپ اور دادا کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے۔

”مدرک نے کہا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ فرما رہے تھے اے لوگو! کہو لا اله الا الله۔ دونوں جہانوں میں نجات پا جاؤ گے۔ یہ سن کر کسی نے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے رخ انور پر تھوکنا شروع کر دیا۔ کسی نے مٹھی میں مٹی بھر کر اس پیکر نور پر پھینکنا شروع کر دی۔ اور بعض لوگ گالیاں بکنے لگے یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ پس ایک بچی پانی کا پیالہ لے آئی۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے اپنے رخ انور کو اور اپنے مبارک ہاتھوں کو دھویا اور فرمایا اے میری بیٹی! اپنے باپ کے بارے میں یہ اندیشہ مت کرو کہ اس کو کوئی مغلوب کر لے گا یا کوئی رسوا کرے گا۔ میں نے پوچھا یہ بچی کون ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ اللہ کے

پیارے رسول کی یہ بیٹی ہے جس کا نام زینب ہے۔“ (بل الہدی والرشاد جلد 2 صفحہ 595)

حضرت عامر بن مسلمہ الحنفی رضی اللہ عنہ جو نبی رحمت کی زندگی کے آخری ایام میں مشرف باسلام ہوا اور بنی حنیفہ قبیلہ کا ایک فرد تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے سرکارِ دو عالم ﷺ کو لگاتار تین سال دیکھا کہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ عکاظ، مجنہ اور ذی الحجاز کی منڈی میں تشریف لاتے اور ہمیں اللہ عزوجل پر ایمان لانے کی دعوت دیتے۔ نیز ہمیں فرماتے کہ میرا دفاع کرو یہاں تک کہ میں اپنے رب کے پیغامات پہنچاؤں اور اس کے بدلے میں حضور انور ﷺ ہمیں

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۶۴) جلد دوم

جنت کا مژدہ سناتے۔ پس نہ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی دعوت کو ہم نے قبول کیا اور نہ کبھی کوئی خوبصورت جواب دیا۔ بلکہ ہم حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کے ساتھ بڑی درشتی سے پیش آتے پھر بھی حضورِ انور ﷺ حلم کا مظاہرہ فرماتے۔

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنے وطن حج کر کے واپس گیا تو مجھے ہودہ بن علی نے کہا اس سفر حج کی کوئی خاص خبر سناؤ۔ میں نے کہا وہاں میں نے ایک قریشی کو دیکھا جو باری باری سب قبیلوں کے پاس جاتا اور انہیں اللہ تبارک تعالیٰ وحدہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا اور ان سے یہ مطالبہ کرتا کہ دشمنوں سے وہ اس کا دفاع کریں تاکہ وہ اپنے رب کا پیغام پہنچا سکے۔ اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ جنت کے مستحق ہو جائیں گے۔

ہودہ نے کہا وہ قریش کے کس خاندان سے ہے۔ میں نے کہا نسب کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ خاندان بنی عبدالمطلب۔ ہودہ نے پوچھا کیا وہ محمد بن عبد اللہ بن عبدالمطلب تو نہیں۔ میں نے کہا ہاں بالکل وہی ہے۔ ہودہ نے کہا۔ اس کا دین یہاں تک عنقریب غالب آ جائے گا میں نے حیرت سے کہا۔ کہ یہاں تک۔ اس نے کہا بلکہ اس سے بھی آگے۔ پھر دوسرے سال میں نے حج کیا اور جب واپس آیا۔ تو ہودہ نے مجھ سے پوچھا اس شخص کی کوئی بات سناؤ۔ میں نے کہا بخدا جس طرح گزشتہ سال اسے دیکھا تھا ایسا ہی اب بھی اسے دیکھا ہے۔ پھر تیسرے سال میں جب حج کے لیے گیا اور یہ آخری زیارت تھی جو مجھے نصیب ہوئی تو اب حالات بالکل بدل گئے تھے اب اس کی دعوت کی بڑی شان تھی۔ جگہ جگہ اس کا چرچا تھا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد 2 صفحہ 595)

علامہ ابن کثیر موسیٰ بن عقبہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

کہ رسول اللہ ﷺ سالہا سال ہرج کے موقع پر دور دراز سے آئے ہوئے قبائل عرب کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتے اور ہر قبیلہ کے رئیس اور شریف آدمی سے گفتگو فرماتے۔ حضورِ انور نبی کریم ﷺ روئے درجیم ﷺ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے۔

لا اکره احدا منکم علی شیء من رضی منکم بالذی ادعوه الیہ فذلک . ومن کره لم اکرهہ انما ارید ان تحرزونی فیما یرادلی من القتل حتی ابلغ رسالۃ ربی وحتى یقضی اللہ لی ولمن صحبنی بما شاء .

”حضور پُر نور ﷺ ان رئیسوں اور شرفاء کو فرماتے۔ میں تم سے کسی کو کسی چیز پر ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا۔ جو دعوت میں دیتا ہوں جس کو وہ پسند آ جائے بے شک اسے قبول کر لے۔ اور جسے پسند نہ آئے میں اسے مجبور نہیں کروں گا کہ وہ ضروری میری دعوت پر ایمان لائے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ مشرکین میرے قتل کے جو منصوبے بنا رہے ہیں ان سے میرا دفاع کرو یہاں تک کہ میں اپنے رب کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دوں یہاں تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ مجھے بارے میں اور میرے ساتھیوں کے

بارے میں جو چاہے فیصلہ فرمائے۔“

(السیرۃ الحلبیہ، محمد ابوزہرہ جلد 1 صفحہ 400..... السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد 2 صفحہ 158)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ دعوت کا یہ سلسلہ ساہا سال تک جاری رہا لیکن ان قبائل میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا۔ وہ یہ کہتے کہ اس شخص (محمد ﷺ) کی قوم اس کو ہم سے زیادہ جانتی ہے تم کیا سمجھتے ہو وہ شخص ہماری اصلاح کر سکتا ہے جس نے اپنی قوم کو فتنہ و فساد میں مبتلا کر دیا ہے اور انہوں نے اسے (لفظوہ) نظر انداز کر دیا ہے۔ ان ظاہری پیہم ناکامیوں کے باوجود، دشمنوں کی ایذا رسانیوں اور گری ہوئی حرکتوں کے باوجود حضور ﷺ اپنے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کے ذرا روادار نہ ہوئے، بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ عزم میں مزید پختگی آگئی ہے اداۓ فرض کا احساس پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر گیا ہے اور اپنے مالک حقیقی کے نام کو بلند کرنے کا شوق روز افزوں ہے۔ ان قبائل کے ساتھ جو گفتگو ہوئی اور انہوں نے جس طرح تند و تلخ جواب دیئے ان کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے تاکہ ان مشکل اور حوصلہ شکن حالات میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی تبلیغی سرگرمیوں کی وسعت اور اداۓ فرض میں حضور پر نور ﷺ کے شوق محنت، خواہش اور لگاؤ کا شدید جدوجہد کا قارئین کو کچھ اندازہ ہو سکے۔

جن قبائل کو پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، ہادی و دو جہاں، رہبر کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ نے حج کے اجتماعات میں یا تجارتی منڈیوں کے موقع پر دعوت دی ان کے نام درج ذیل ہیں۔

بنی عامر، غسان، بنی فزارہ، بنی مرہ، بنی حنیفہ، بنی سلیم، بنی قیس، بنی نصر بن حوازن، بنی ثعلبہ بن عکابہ، کندہ، کلب، بنی حارث بن کعب، بنی عذرا، قیس بن حطیم وغیرہم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

آپ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ آپ کی ماں کا نام ام رومان زینب ہے جس کا سلسلہ نسب نبوی میں کنانہ پر جا ملتا ہے۔

آپ سے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے نبوت کے گیارہویں سال ۱۱ شوال میں نکاح فرمایا یعنی کہ حضرت سود بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے ایک سال بعد اور ہجرت سے دو سال پانچ ماہ پہلے حضرت عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی۔

پھر ہجرت کے سات ماہ بعد شوال سن 1 ہجری میں آپ کو رخصت کیا گیا اور آپ کا شانہ نبوت میں ام المومنین بن کر آ گئیں۔ اس وقت آپ کی عمر نو سال تھی اور آپ باکرہ تھیں۔ آپ کے علاوہ کسی اور باکرہ عورت سے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے شادی نہیں کی۔

حضرت عائشہ آپ ﷺ کی سب سے محبوب بیوی تھیں اور امت کی عورتوں میں علی الاطلاق سب سے زیادہ

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿۶۳۳﴾ جلد دوم
فقیہ اور صاحب علم تھیں۔

ازواج النبی، امہات المومنین میں آپ ہی وہ خاتون ہیں جس کی اسلامی خون سے ولادت ہوئی یعنی کہ آپ کے والدین مکرم و محترم دونوں ہی آپ کی ولادت مبارک سے پہلے دین اسلام کو اختیار کئے ہوئے تھے اور آپ کی پرورش بھی اسلامی شیر و ماحول میں ہوئی۔

امہات المومنین میں آپ ہی وہ طیبہ و طاہرہ ہیں جن کا پہلا نکاح پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ سے ہوا۔

حدیث مبارک میں ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

میں تین شب تجھے خواب میں اس طرح دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ حریر سفید کے پارچے میں تیری تصویر کو میرے سامنے لاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ حضور پر نور، حضورِ انور ﷺ کی بیوی ہے اور میں تصویر کا پردہ اٹھا کر دیکھتا تھا جو بالکل تیرا ہی چہرہ ہوتا تھا اور میں یہ دیکھ کر کہہ دیا کرتا تھا کہ اگر یہ اطلاع خالق و مالک کائنات، ربّ للعالمین کی جانب سے ہے تو وہ خود ہی اسے پورا بھی کر دے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم کتاب الفضائل..... مشکوٰۃ جلد 2 صفحہ 573)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا اہتمام بارگاہ الہی میں کیا گیا تھا اور پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس شادی کو منجانب اللہ قرار فرمایا تھا۔

صحیح بخاری میں حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے فرمایا:

”مردوں میں تو بہت لوگ تکمیل کے درجے کو پہنچے مگر عورتوں میں صرف (حضرت) مریم بنت عمران

اور (حضرت) آسیہ بنت مزاحم (زن فرعون) ہی تکمیل کو پہنچیں۔ اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو تو سب عورتوں پر

ایسی فضیلت ہے جیسے زید کو سب کھانوں پر۔“

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو فقہائے سبعہ کے اندر ایک درخشاں ستارے تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی ایک کو بھی معافی قرآن اور احکام حلال و حرام اور اشعار عرب اور علم الانساب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر نہیں پایا۔ (صحیح بخاری کتب التفسیر)

آپ ہجرت کے سات ماہ بعد ماہ شوال سن 1 ہجری میں مدینہ منورہ کے اندر کاشانہ نبوت میں داخل ہو گئیں اور نو برس تک حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی صحبت سے سرفراز رہیں۔ ازواجِ مطہرات میں آپ ہی کنواری تھیں اور سب سے زیادہ بارگاہ نبوت میں محبوب ترین بیوی تھیں۔ حضور اقدس ﷺ کا آپ کے بارے میں ارشاد ہے کہ کسی بیوی کے لحاف میں میرے اوپر وحی نازل نہیں ہوئی مگر (حضرت) عائشہ (رضی اللہ عنہا) جب میرے ساتھ بستر نبوت پر سوتی رہتی ہیں تو اس حالت میں بھی مجھ پر وحی الہی اترتی رہتی ہے۔ (بخاری جلد 1 ص 532 فضائل عائشہ)

فقہ و حدیث کے علوم میں ازواجِ مطہرات کے اندر آپ کا درجہ بہت ہی بلند ہے۔ دو ہزار دو سو دس حدیثیں آپ نے حضور پر نور نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہیں۔ آپ کی روایت کی ہوئی حدیثوں میں سے ایک سو چوہتر حدیثیں ایسی ہیں جو بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں ہیں، اور چون حدیثیں ایسی ہیں جو صرف بخاری شریف میں ہیں اور اڑسٹھ حدیثیں وہ ہیں جن کو صرف امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں تحریر کیا ہے۔ ان کے علاوہ باقی حدیثیں احادیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں۔

ابن سعد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے تمام ازواجِ مطہرات پر ایسی دس فضیلتیں حاصل ہیں جو دوسری ازواجِ مطہرات کو حاصل نہیں ہوئیں۔

- 1- حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے میرے سوا کسی دوسری کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔
- 2- میرے سوا ازواجِ مطہرات میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کے ماں باپ دونوں مہاجر ہوں۔
- 3- اللہ تبارک تعالیٰ نے میری برأت اور پاک دامنی کا بیان آسمان سے قرآن میں نازل فرمایا۔
- 4- نکاح سے قبل حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک ریشمی کپڑے میں میری صورت لا کر حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو دکھلا دی تھی اور آپ تین راتیں خواب میں مجھے دیکھتے رہے۔
- 5- میں اور حضور پر نور نبی کریم ﷺ ایک ہی برتن میں سے پانی لے لے کر غسل کیا کرتے تھے یہ شرف میرے سوا ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔
- 6- حضور اقدس ﷺ نماز تہجد پڑھتے تھے اور میں آپ کے آگے سوئی رہتی تھی امہات المومنین میں سے کوئی بھی حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی اس کریمانہ محبت سے سرفراز نہیں ہوئی۔
- 7- میں حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک لحاف میں سوتی رہتی تھی اور آپ پر خدا کی وحی نازل ہوا کرتی تھی یہ وہ اعزازِ خداوندی ہے جو میرے سوا حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی کسی زوجہ مطہرہ کو حاصل نہیں ہوا۔
- 8- وفات کے وقت میں حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو اپنی گود میں لیے ہوئے بیٹھی تھی اور آپ کا سر انور میرے سینے اور حلق کے درمیان تھا اور اسی حالت میں حضور پر نور نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا۔
- 9- حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے میری باری کے دن وفات پائی۔
- 10- حضور اقدس ﷺ کی قبر انور خاص میرے حجرے میں بنی۔ (زرعانی جلد 3 ص 323)

عبادت میں بھی آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے آپ کے بھتیجے حضرت امام قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روزانہ بلا ناغہ نماز تہجد پڑھنے کی پابند تھیں اور اکثر روزہ دار بھی رہا کرتی تھیں۔ سخاوت اور صدقات و خیرات کے معاملہ میں بھی تمام امہات المومنین میں خاص طور پر بہت ممتاز تھیں ام ورنہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ اس وقت ایک لاکھ درہم کہیں سے آپ کے پاس آیا۔

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿ ۶۳۵ ﴾ جلد دوم

آپ نے اسی وقت ان سب درہموں کو لوگوں میں تقسیم کر دیا اور ایک درہم بھی گھر میں باقی نہیں چھوڑا۔ اس دن میں اور وہ روزہ دار تھیں میں نے عرض کیا کہ آپ نے سب درہموں کو بانٹ دیا اور ایک درہم بھی باقی نہیں رکھا۔ تاکہ آپ گوشت خرید کر روزہ افطار کرتیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم نے اگر مجھ سے پہلے کہا ہوتا تو میں ایک درہم کا گوشت منگا لیتی۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جو آپ کے بھانجے تھے ان کا بیان ہے کہ فقہ و حدیث کے علاوہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو اشعار عرب کا جاننے والا نہیں پایا۔ وہ دوران گفتگو میں ہر موقع پر کوئی نہ کوئی شعر پڑھ دیا کرتی تھیں جو بہت ہی بر محل ہوا کرتا تھا۔

علم طب اور مریضوں کے علاج معالجہ میں بھی آپ کو کافی مہارت تھی۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن حیران ہو کر حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اے اماں جان! مجھے آپ کے علم حدیث و فقہ پر کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی زوجیت اور صحبت کا شرف پایا ہے۔ اور آپ رسول اللہ ﷺ کی سب سے زیادہ محبوب ترین زوجہ مقدسہ ہیں۔ اسی طرح مجھے اس پر بھی کوئی تعجب اور حیرانی نہیں ہے کہ آپ کو اس قدر زیادہ عرب کے اشعار کیوں اور کس طرح یاد ہو گئے؟ اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نور نظر ہیں اور وہ اشعار عرب کے بہت بڑے حافظ و ماہر تھے۔

مگر میں اس بات پر بہت ہی حیران ہوں کہ آخر یہ طبی معلومات اور علاج و معالجہ کی مہارت آپ کو کہاں سے اور کیسے حاصل ہو گئی؟ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ اپنی آخری عمر شریف میں اکثر علیل ہو جایا کرتے تھے اور عرب و عجم کے اطباء آپ کے لیے دوائیں تجویز کرتے تھے اور میں ان دواؤں سے آپ کا علاج کیا کرتی تھی اس لیے مجھے طبی معلومات بھی حاصل ہو گئیں۔

آپ کے شاگردوں میں صحابہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت ہے اور آپ کے فضائل و مناقب میں بہت سی حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں۔

17 رمضان شب سہ شنبہ (بروز منگل) سن 57 ہجری یا 58 ہجری میں مدینہ منورہ کے اندر آپ کا وصال ہوا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق رات میں لوگوں نے آپ کو جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواج مطہرات کی قبروں کے پہلو میں دفن کیا۔

(اکمال و حاشیہ اکمال صفحہ 612 و زرقانی جلد 3 صفحہ 234 تا 235)



مکہ سے باہر قبولِ اسلام

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، حضورِ انور، نبی کریم، رہبر کائنات، ہادی انس و جان، رحمت للعالمین ﷺ کا نبوت کے چوتھے سال سے یہ معمول تھا کہ قبائل اور افراد کو دعوتِ اسلام دیتے اور یہ دعوتِ اسلام دینے کا فریضہ ماہِ ذی قعد اور ماہِ ذی الحج میں پورے عروج پر ہوتا۔ انہی مہینوں میں مکہ کے ارد گرد منڈیاں اور تجارتی میلے لگتے تھے اس لیے دعوتِ دین متین دینے کا سلسلہ ان دنوں بہت زوروں پر ہوتا تھا۔ اور پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ بنی نوع انسان و جان کی فلاح دارین کے لیے ہر موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے، فائدہ پہنچاتے تھے۔

حسب معمول آپ حضورِ پر نور ﷺ نے سن 10 نبوی میں طائف سے مکہ تشریف لے آنے کے ساتھ ہی دعوتِ دین متین کا کام پھر زور و شور سے شروع کر دیا۔ حسب معمول آپ ﷺ نے اس سال بھی جی بھر کے قبائل، وفود و افراد پر اسلام پیش کیا۔ قبائل و وفود نے تو خاطر خواہ جواب نہیں دیا لیکن جن افراد پر اسلام پیش کیا گیا تھا ان میں سے چند ایک نے حوصلہ افزا جواب بھی دیا۔

اور پھر سن 10 نبوی کے کچھ ہی عرصہ بعد یعنی کہ سن 11 نبوی کے شروع میں مکہ سے باہر کے کئی افراد نے دین متین، اللہ کے دین، دینِ اسلام کو قبول کر لیا اور پھر مکہ سے باہر کے افراد کا دینِ اسلام قبول کرنے کا سلسلہ چل نکلا۔ اکا دکا لوگ مسلمان ہوتے رہے اور سن 11 نبوی کے حج کے دنوں میں جب پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، رہبر کائنات، ہادی انس و جان، حضورِ پر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ حسب معمول حج پر آنے والے قبائل، وفود و افراد کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے تو آپ ﷺ نے چھ افراد کے ایک وفد، گروپ پر اسلام پیش کیا۔ یہ چھ سعادت مند روحمیں مکہ سے ساڑھے چار سو کلومیٹر دور کے ایک شہر یثرب سے حج ادا کرنے آئیں تھیں۔ ان سعادت مند اشخاص نے دینِ اسلام قبول کر لیا۔

اب مشیتِ ایزدی یہ ہوئی کہ اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق نے اپنے محبوب بندے اور جلیل القدر رسول کے ساتھ فتح و نصرت کے جو وعدے کئے تھے وہ پورے کئے جائیں۔ اسلام کی عظمت کا پھر یہاں اب اس شان سے لہرایا جانے والا ہے کہ کوئی آندھی، کوئی طوفان اس کو سرنگوں نہ کر سکے۔ اس کے علم برداروں کا آفتاب اقبال اب طلوع

ہونے والا ہے تاکہ ظلمت کدہ عالم کا گوشہ گوشہ نور تو حید سے دمک اٹھے۔ اہل مکہ کے بخت خفتہ کو بیدار کرنے کے لیے رہبر کائنات ہادی انس و جان ﷺ نے تیرہ سال کا طویل عرصہ رات دن ان تھک کوشش فرمائی لیکن گنتی کے چند خوش نصیبوں کے علاوہ کسی کو توفیق نصیب نہ ہوئی کہ وہ اپنے ہادی برحق ﷺ کی پر خلوص دعوت کو قبول کر لیں۔ ایام حج میں عرب کے اکثر قبائل مکہ مکرمہ میں حاضری کا شرف حاصل کرتے تھے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم نبی رحمت ﷺ ان مواقع پر ہر قبیلہ کی خیمہ گاہوں میں جا جا کر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو نور حق نظر نہ آیا۔

جب سالہا سال کی جانگداز محنت کے باوجود مکہ اور ان کے گرد و نواح میں آباد قبائل میں حق قبول کرنے کے آثار کہیں دکھائی نہ دیئے تو اللہ تبارک تعالیٰ کی تائید و نصرت نے ایک دور افتادہ شہر کے قبیلوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ انہوں نے بصد شوق اس دعوت کے داعی کے ارشادات کو سنا اور دل و جان سے انہیں قبول بھی کر لیا۔ یہ دو قبیلے بنی اوس و بنی خزرج کے نام سے موسوم تھے جو آگے چل کر انصار اللہ و انصار رسول اللہ کے معزز لقب سے ملقب ہوئے۔ انہوں نے بڑے خلوص اور مردانگی سے اس دین حنیف دین متین کی تائید و نصرت کا حق ادا کر دیا جس سے صرف جزیرہ عرب کی قسمت ہی نہیں جاگی بلکہ کاروان انسانیت کو اپنا کھویا ہوا مقام رفیع مل گیا۔ اور یثرب کے چھ خوش نصیب افراد کا یہ گروہ یثرب میں دین اسلام پھیلانے، بیعت عقبہ اول اور بیعت عقبہ دوم کا سبب بنا۔ سن 11 نبوی کے حج کے ایام میں یثرب کے ان چھ مقدس افراد کا یک مشیت (اکٹھے ایک وقت میں) ایمان لے آنا دعوت اسلام میں ایک بہت بڑی کامیابی تھی جس کا ذکر اپنے زمانہ وقوع کے لحاظ سے ایک دو باب کے بعد ہوگا۔

اب ان چند ایک افراد کا مختصر ذکر پیش کیا جا رہا ہے جو مکہ سے باہر کے لوگ تھے اور وہ سن 11 نبوی کے اوائل سے حج تک کے دوران نور اسلام سے منور ہو چکے تھے۔

رافع اور معاذ بن عفراء

اس واقعہ کو ابو زرع رازی نے سند حسن کے ساتھ دلائل النبوة میں تحریر کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح سند کے ساتھ معاذ بن رفاعہ بن رافع نے اپنے باپ اور دادا سے روایت کیا ہے۔

رافع کے دادا کا نام بھی رافع تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں وہ اپنے خالہ زاد بھائی معاذ بن عفراء کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ مکہ پہنچے۔ جب اونچے درے سے نیچے اترے انہوں نے ایک شخص کو درخت کے سایہ میں بیٹھے دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اس واقعہ سے پہلے کا ہے جب چھ انصاری مکہ آئے تھے اور اسلام قبول کیا تھا۔ جب ہم نے اس شخص کو دیکھا تو ہم نے سوچا کہ اپنی سواری کے اونٹ اس شخص کے حوالے کرتے ہیں اور خود جا کر کعبہ شریف کا طواف کر آئیں گے۔

چنانچہ ہم اس شخص کے پاس گئے اور زمانہ جاہلیت کے رواج کے مطابق اسے سلام کہا اس نے ہمیں اہل اسلام کے طریقہ کے مطابق سلام کا جواب دیا۔ ہم نے پوچھا آپ کون صاحب ہیں؟ اس شخص نے کہا کہ پہلے اپنی سواریوں سے تو نیچے اترو۔ ہم اونٹوں سے نیچے اتر آئے ہم نے یہ بات سن رکھی تھی کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ہم نے پوچھا وہ شخص کہاں ہے جو طرح طرح کے دعوے کرتا ہے اور مختلف قسم کی باتیں بناتا ہے اس شخص نے کہا وہ میں ہی ہوں۔ ہم نے کہا ہمارے سامنے اپنا دین پیش کرو۔

اس شخص نے اسلام پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ بتاؤ کہ آسمانوں زمین اور پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا؟ ہم نے کہا اللہ تبارک تعالیٰ نے۔ پھر اس نے پوچھا تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ تبارک تعالیٰ نے۔ پھر اس نے ہم سے سوال کیا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو ان کو کس نے بنایا ہے؟ ہم نے کہا کہ ان بتوں کو ہم نے خود گھڑا ہے۔ پھر اس نے ہم سے دریافت کیا کہ عبادت کا زیادہ حقدار خالق ہے یا مخلوق؟ ہم نے کہا خالق۔ اس نے فرمایا پھر تم اس بات کے زیادہ حقدار ہو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو بجائے اس کے کہ اپنے ہاتھ سے گھڑے ہوئے ان بتوں کی پوجا کرو۔

میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ تبارک تعالیٰ عزوجل کی عبادت کرو۔ اور یہ گواہی بھی دو کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اس کا رسول ہوں۔ نیز اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور لوگوں پر زیادتی کرنا چھوڑ دو۔ ہم نے کہا بالفرض آپ کی یہ بات درست نہ ہو تو پھر بھی ان باتوں کا شمار مکارم اخلاق اور محاسن اطوار میں تو ہوگا۔ سر دست ہمارے سواری کے اونٹ پکڑ رکھئے تاکہ ہم بیت اللہ شریف کا طواف کر آئیں۔

میرا خالہ زاد بھائی معاذ بن عفراء تو آپ کے پاس بیٹھا رہا۔ اور میں طواف کرنے کے لیے حرم شریف کی طرف چل پڑا۔

رافع کہتے ہیں کہ میں بیت اللہ کے پاس آیا۔ اس کا طواف کیا۔ میں نے قال نکالنے کے لیے سات تیر لیے ان میں سے ایک تیر میں نے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے نام کر دیا پھر کعبہ کی طرف منہ کر کے میں نے دعا مانگی۔

اللهم ان كان ما يدعوا اليه محمد حقاً فاحرج قدح سبعة مرات .

”یا اللہ! جس دین کی طرف محمد ﷺ دعوت دیتے ہیں اگر وہ سچا ہے تو ساتوں بار ان کا تیر نکال۔“

میں نے سات مرتبہ قال نکالی۔ ساتوں مرتبہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے نام والا تیر نکلا۔ میں بے اختیار ہو کر چیخ اٹھا۔

اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله .

میرا کلمہ شہادت سن کر میرے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ کہنے لگے ”مجنون رجل صبا۔“ یہ پاگل ہے اپنے

نورام النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿۶۳۹﴾ جلد دوم

مذہب سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ میں نے کہا ”بل رجل مومن۔“ نہیں بلکہ میں وہ مرد ہوں جس کا دل نور ایمان سے روشن ہو گیا۔

وہاں سے میں پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جب معاذ بن عفراء نے مجھے دور سے دیکھا تو کہہ اٹھا۔

لقد جئت بوجه ما ذهبت به يا رافع ۔

”اے رافع! تم جو چہرہ لے کر گئے تھے اس چہرے کے ساتھ واپس نہیں آئے۔“

چنانچہ ہم دونوں مسلمان ہو گئے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی انس و جاں تاجدار کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ نے سورۃ یوسف اور سورۃ اقرء پڑھائی۔ نعمت ایمان اور قرآن کریم کی ان دوسو توں کی دولت سرمدی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہم واپس مدینہ میں آ گئے۔ (بل الہدیٰ والرشاد جلد 3 صفحہ 264)

ایاس بن معاذ

یہ بھی یثرب کے باشندے تھے۔ اور نوخیز جوان تھے۔ سن 11 نبوت میں جنگ بعاث سے کچھ پہلے اوس کا ایک وفد خزرج کے خلاف قریش سے حلف و تعاون کی تلاش میں مکہ آیا تھا۔ ایاس بن معاذ بھی اسی کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔ اس وقت یثرب میں ان دونوں قبیلوں کے درمیان عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی اور اوس کی تعداد خزرج سے کم تھی۔ حضور پر نور، ہادی انس و جاں رسول اللہ ﷺ کو وفد کی آمد کا علم ہوا تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔

اور ان کے درمیان بیٹھ کر یوں خطاب فرمایا: ”آپ لوگ جس مقصد کے لیے تشریف لائے ہیں کیا اس سے بہتر چیز قبول کر سکتے ہیں؟“ ان سب نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس اس بات کی دعوت دینے کے لیے بھیجا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔ اللہ نے مجھ پر کتاب بھی اتاری ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے اسلام کا ذکر کیا۔ اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔

ایاس بن معاذ بولے: اے قوم، خدا کی قسم، یہ اس سے بہتر ہے جس کے لیے آپ لوگ یہاں تشریف لائے ہیں۔ لیکن وفد کے ایک رکن ابو حیسر انس بن رافع نے ایک مٹھی مٹی اٹھا کر ایاس کے منہ پر دے ماری اور بولا: ”یہ بات چھوڑو! میری عمر کی قسم! یہاں ہم اس کے بجائے دوسرے ہی مقصد سے آئے ہیں۔“ اس پر ایاس نے خاموشی اختیار کر لی اور رسول اللہ ﷺ بھی اٹھ گئے۔ وفد قریش کے ساتھ حلف و تعاون کا معاہدہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اور یوں ہی ناکام مدینہ واپس ہو گیا۔

یثرب پلٹنے کے تھوڑے ہی دن بعد ایاس انتقال کر گئے۔ وہ اپنی وفات کے وقت تہلیل و تکبیر اور حمد و تسبیح

کر رہے تھے اس لیے لوگوں کو یقین ہے کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد 1 صفحہ 427... سبل الہدیٰ والرشاد جلد 3 صفحہ 263)

ضَمَادِ اَزْدِی

یہ یمن کے باشندے اور قبیلہ ازوشنوءہ کے ایک فرد تھے۔ جھاڑ پھونک کرنا اور سیب اتارنا ان کا کام تھا۔ مکہ آئے تو وہاں کے احمقوں سے سنا کہ محمد ﷺ پاگل ہیں۔ سوچا کیوں نہ اس شخص کے پاس چلوں ہو سکتا ہے اللہ میرے ہی ہاتھوں سے اسے شفا دے دے، چنانچہ آپ ﷺ سے ملاقات کی اور کہا: اے محمد (ﷺ)! میں آ سیب اتارنے کے لیے جھاڑ پھونک کیا کرتا ہوں، کیا آپ (ﷺ) کو بھی اس کی ضرورت ہے؟ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے جواب میں فرمایا:

ان الحمد لله نحمده ونستعينه من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له،
واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسول، اما بعد!
”یقیناً ساری تعریف اللہ کے لیے ہے۔ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔
جسے اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ بھٹکا دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے
سکتا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں
شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔“

ضما از دی ہمہ تن گوش بن کر ارشاد نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ سن رہا تھا۔ اس نے ایسا پاکیزہ فصیح و بلیغ کلام سنا تو وہ اسے بار بار سننے کے لیے بے قرار ہو گیا اور ضما نے کہا ذرا اپنے یہ کلمات مجھے پھر سنا دیجئے۔ آپ ﷺ نے تین بار دہرایا، تین بار اسے خوب صورتی کے ساتھ سنا دیا۔

اس کے بعد ضما نے کہا، میں کاہنوں، جادو گروں اور شاعروں کی بات سن چکا ہوں لیکن میں نے آپ ﷺ کے ان جیسے کلمات کہیں نہیں سنے۔ یہ تو سمندر کی اٹھ گہرائی کو پہنچنے ہوئے ہیں۔ یہ تو خدائی کلمات ہیں۔ لائے اپنا ہاتھ بڑھائیے! آپ ﷺ سے اسلام پر بیعت کروں، اور اس کے بعد انہوں نے بیعت کر لی۔

(صحیح مسلم، علامات النبوة جلد 2 صفحہ 525)

سَوید بن صامت

یہ شاعر تھے۔ گہری سوجھ بوجھ کے حامل اور یشرب کے باشندے، ان کی پختگی، شعر گوئی اور شرف و نسب کی وجہ سے ان کی قوم نے انہیں کامل کا خطاب دے رکھا تھا۔ یہ حج یا عمرہ کے لیے مکہ تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی کہنے لگے: ”غالباً آپ ﷺ کے پاس جو کچھ ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا میرے پاس ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے پاس کیا ہے؟“ سَوید نے کہا: ”حکمت لقمان۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”پیش کرو۔“ انہوں نے پیش کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کلام یقیناً اچھا ہے۔ لیکن میرے پاس جو کچھ ہے وہ اس سے بھی اچھا ہے، وہ قرآن ہے جو اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے۔ وہ ہدایت اور نور ہے۔“ اس کے بعد حضور پر نور ﷺ نے انہیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ اور اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور بولے: ”یہ تو بہت ہی اچھا کلام ہے۔“ اس کے بعد وہ مکہ سے یثرب پلٹ کر آئے ہی تھے کہ جنگ بعاث چھڑ گئی اور اسی میں قتل کر دیئے گئے۔ انہوں نے سن 11 نبوی کے آغاز میں اسلام قبول کیا تھا۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد 1 صفحہ 426.....)

رحمۃ للعالمین جلد 1 صفحہ 74..... تاریخ اسلام، اکبر شاہ جلد 1 صفحہ 125)

ابوذر غفاری

یہ یثرب کے اطراف میں سکونت پذیر تھے۔ جب حضرت سوید بن غنیم بن صامت اور حضرت ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہما کے ذریعے یثرب میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی تو یہ خبر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے کان سے بھی ٹکرائی اور یہی ان کے اسلام لانے کا سبب بنی۔

قارئین کرام! حضرت ابوذر غفاری کے ایمان لانے کا واقعہ بہت تفصیل سے اس سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان لانے اور صعوبتیں اٹھانے کے ضمن میں بیان کر دیا گیا ہے بلکہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ اعلانیہ تبلیغ اسلام کے ضمن میں بھی تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ بہت ہی ایمان افروز واقعہ ہے اس لیے اسے یہاں بھی بیان کیا جا رہا ہے لیکن قدرے اختصار کے ساتھ۔

ان کے اسلام لانے کا واقعہ صحیح بخاری میں تفصیل سے مروی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں قبیلہ غفار کا ایک آدمی تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ مکے میں ایک آدمی نمودار ہوا ہے جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا: تم اس آدمی کے پاس جاؤ اس سے بات کرو۔ اور میرے پاس اس کی خبر لاؤ۔ وہ گیا، ملاقات کی، اور واپس آیا۔ میں نے پوچھا؟ کیا خبر لائے ہو؟ بولا: خدا کی قسم میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا ہے جو بھلائی کا حکم دیتا ہے، اور برائی سے روکتا ہے۔ میں نے کہا: تم نے تشفی بخش خبر نہیں دی۔

آخر میں نے خود تو شہ دان اور ڈنڈا اٹھایا اور مکہ کے لیے چل پڑا۔ وہاں پہنچ تو گیا لیکن آپ ﷺ کو پہچاننا نہ تھا اور یہ بھی گوارا نہ تھا کہ آپ ﷺ کے متعلق کسی سے پوچھوں۔ چنانچہ میں زمزم کا پانی پیتا اور مسجد حرام میں پڑا رہتا۔ آخر میرے پاس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ کہنے لگے: آدمی اجنبی معلوم ہوتے ہو! میں نے کہا: جی ہاں۔ انہوں نے کہا: اچھا تو گھر چلو۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ نہ وہ مجھ سے کچھ پوچھ رہے تھے نہ میں ان سے کچھ پوچھ رہا تھا اور نہ انہیں کچھ بتا ہی رہا تھا۔

صبح ہوئی تو میں اس ارادے سے پھر مسجد حرام گیا کہ آپ ﷺ کے متعلق دریافت کروں۔ لیکن کوئی نہ تھا جو مجھے آپ ﷺ کے متعلق کچھ بتاتا۔ آخر میرے پاس سے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ گزرے (دیکھ کر) بولے: اس آدمی کو ابھی اپنا ٹھکانہ معلوم نہ ہو سکا؟ میں نے کہا: نہیں۔ انہوں نے کہا: اچھا تو میرے ساتھ چلو۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: اچھا تمہارا معاملہ کیا ہے؟ اور تم کیوں اس شہر میں آئے ہو؟

میں نے کہا: آپ رازداری سے کام لیں تو بتاؤں۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔ میں نے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہاں ایک آدمی نمودار ہوا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی بتاتا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ وہ بات کر کے آئے۔ مگر اس نے پلٹ کر کوئی تشفی بخش بات نہ بتلائی اس لیے میں نے سوچا کہ خود ہی ملاقات کر لوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بھی تم صحیح جگہ پہنچے۔ دیکھو میرا رخ انہیں کی طرف ہے۔ جہاں میں گھسوں وہاں تم بھی گھس جانا۔ اور ہاں اگر میں کسی ایسے شخص کو دیکھوں جس سے تمہارے لیے خطرہ ہے تو میں دیوار کی طرف اس طرح جا رہوں گا گویا اپنا جوتا ٹھیک کر رہا ہوں لیکن تم راستہ چلتے رہنا۔“ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور میں بھی ساتھ چل پڑا۔ یہاں تک کہ وہ اندر داخل ہوئے اور میں بھی ان کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس جا داخل ہوا اور عرض گزار ہوا کہ آپ (ﷺ) مجھ پر اسلام پیش کریں۔

آپ ﷺ نے اسلام پیش فرمایا۔ اور میں وہیں مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ابے ابو ذر رضی اللہ عنہ! اس معاملے کو پس پردہ رکھو۔ اور اپنے علاقے میں واپس چلے جاؤ۔ جب ہمارے ظہور (ہجرت) کی خبر ملے تو آ جانا۔ میں نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں تو ان کے درمیان بباغ دہل اس کا اعلان کروں گا۔ اس کے بعد میں مسجد حرام آیا۔ قریش موجود تھے۔ میں نے کہا: قریش کے لوگو!

اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبده ورسوله .

”میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔“

لوگوں نے کہا: اٹھو۔ اس بے دین کی خبر لو، لوگ اٹھ پڑے۔ اور مجھے اس قدر مارا گیا کہ مر جاتا لیکن حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے مجھے آ بچایا۔ انہوں نے مجھے جھک کر دیکھا۔ پھر قریش کی طرف پلٹ کر بولے: تمہاری بربادی ہو۔ تم لوگ غفار کے ایک آدمی کو مارے دے رہے ہو؟ حالانکہ تمہاری تجارت گاہ اور گزر گاہ غفار ہی سے ہو کر جاتی ہے! اس پر لوگ مجھے چھوڑ کر ہٹ گئے۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو میں پھر وہیں گیا اور جو کچھ کل کہا تھا آج پھر کہا اور لوگوں نے پھر کہا کہ اٹھو! اس بے دین کی خبر لو۔ اس کے بعد پھر میرے ساتھ وہی ہوا جو کل ہو چکا تھا

اور آج بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی نے مجھے آچھایا۔ وہ مجھ پر جھکے پھر ویسی ہی بات کہی جیسی کل کہی تھی۔

(صحیح بخاری، باب اسلام ابوذر جلد 1 صفحہ 499، 544، 545)

طفیل بن عمرو دوسی

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان لانے کے واقعات میں بہت تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ کیونکہ یہ بھی بہت ایمان افروز ہے اس لیے اختصار کے ساتھ اسے دوبارہ بیان کر دینے میں کوئی قباحہ نہیں۔ یہ شریف انسان شاعر، سوجھ بوجھ کے مالک اور قبیلہ دوس کے سردار تھے۔ ان کے قبیلے کو بعض نواحی یمن میں امارت یا تقریباً امارت حاصل تھی۔ وہ نبوت کے گیارہویں سال (سن ۱۱ نبوت میں) مکہ تشریف لائے تو وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اہل مکہ نے ان کا استقبال کیا اور نہایت عزت و احترام سے پیش آئے۔

پھر ان سے عرض پرواز ہوئے کہ اے طفیل! آپ ہمارے شہر تشریف لائے ہیں اور یہ شخص جو ہمارے درمیان ہے اس نے ہمیں سخت پیچیدگی میں پھنسا رکھا ہے۔ ہماری جمعیت بکھیر دی ہے اور ہمارا شیرازہ منتشر کر دیا ہے۔ اس کی بات جادو کا سا اثر رکھتی ہے کہ آدمی اور اس کے باپ کے درمیان، آدمی اور اس کے بھائی کے درمیان اور آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان تفرقہ ڈال دیتی ہے۔ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ جس افتاد سے ہم دو چار ہیں کہیں وہ آپ پر اور آپ کی قوم پر بھی نہ آن پڑے۔ لہذا آپ اس سے ہرگز گفتگو نہ کریں اور اس کی کوئی چیز نہ سنیں۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ مجھے برابر اسی طرح کی باتیں سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے تہیہ کر لیا کہ نہ آپ ﷺ کی کوئی چیز سنوں گا نہ آپ ﷺ سے بات چیت کروں گا، حتیٰ کہ جب میں صبح کو مسجد حرام گیا تو کان میں روئی ٹھونس رکھی تھی کہ مبادا آپ ﷺ کی کوئی بات میرے کان میں پڑ جائے، لیکن اللہ کو منظور تھا کہ آپ ﷺ کی بعض باتیں مجھے سنا ہی دے۔ چنانچہ میں نے بڑا عمدہ کلام سنا۔

پھر میں نے اپنے جی میں کہا: ہائے مجھ پر میری ماں کی آہ و فغاں! میں تو بخدا، ایک سوجھ بوجھ رکھنے والا شاعر آدمی ہوں، مجھ پر بھلا برا چھپا نہیں رہ سکتا۔ پھر کیوں نہ میں اس شخص کی بات سنوں؟ اگر اچھی ہوئی تو قبول کر لوں گا۔ بری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔ یہ سوچ کر میں رک گیا اور جب آپ ﷺ گھر پلٹے تو میں بھی پیچھے ہو لیا۔ آپ ﷺ اندر داخل ہوئے تو میں بھی داخل ہو گیا اور آپ ﷺ کو اپنی آمد کا واقعہ اور لوگوں کے خوف دلانے کی کیفیت، پھر کان میں روئی ٹھونسنے اور اس کے باوجود آپ ﷺ کی بعض باتیں سن لینے کی تفصیلات بتائیں، پھر عرض کیا کہ آپ ﷺ اپنی بات پیش کیجئے۔

آپ ﷺ نے مجھ پر اسلام پیش کیا۔ اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ خدا گواہ ہے: میں نے اس سے عمدہ قول اور اس سے زیادہ انصاف کی بات کبھی نہ سنی تھی، چنانچہ میں نے وہیں اسلام قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔ اس کے بعد آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے اس سے عمدہ قول اور اس سے زیادہ انصاف کی بات کبھی نہ سنی تھی، چنانچہ میں نے وہیں اسلام قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔ اس کے بعد

کی دعوت دوں گا۔ لہذا آپ ﷺ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے کوئی نشانی دے دے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔
حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کو جو نشانی عطا ہوئی وہ یہ تھی کہ جب وہ اپنی قوم کے قریب پہنچے تو اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کے چہرے پر چراغ جیسی روشنی پیدا کر دی۔ انہوں نے کہا: ”یا اللہ چہرے کے بجائے کسی اور جگہ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اسے مثلہ کہیں گے۔“ چنانچہ یہ روشنی ان کے ڈنڈے میں پلٹ گئی۔ پھر انہوں نے اپنے والد اور اپنی بیوی کو سلام کی دعوت دی اور وہ دونوں مسلمان ہو گئے، لیکن قوم نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی۔ مگر حضرت طفیل رضی اللہ عنہ بھی مسلسل کوشاں رہے۔ حتیٰ کہ غزوہ خندق کے بعد اور غزوہ خیبر سے پہلے جب انہوں نے ہجرت فرمائی تو ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر (70) یا اسی (80) خاندان تھے۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے اسلام میں بڑے اہم کارنامے انجام دے کر یمامہ کی جنگ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

(السيرة النبوية ابن هشام جلد 1 صفحہ 182، 185..... رحمۃ للعالمین جلد 1 صفحہ 81، 82)

یثرب کے چھ عالی نصیب اشخاص

سن 11 نبوت کے موسم حج (جولائی 620 عیسوی) میں اسلامی دعوت کو چند کارآمد بیج دستیاب ہوئے جو دیکھتے دیکھتے سرو قامت درختوں میں تبدیل ہو گئے۔ اور ان کی لطیف اور گھنی چھاؤں میں بیٹھ کر مسلمانوں نے برسوں کے ظلم و ستم کی تپش سے راحت و نجات پائی۔

اہل مکہ نے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو جھٹلانے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا جو بیڑا اٹھا رکھا تھا اس کے سبب حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی حکمت عملی یہ تھی کہ آپ ﷺ رات کی تاریکی میں قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تاکہ مکہ کا کوئی مشرک رکاوٹ نہ ڈال سکے۔

اسی حکمت عملی کے مطابق ایک رات آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر باہر نکلے۔ بنو ذہل اور بنو شیبان بن ثعلبہ کے ڈیروں سے گزرے تو ان سے اسلام کے بارے میں بات چیت کی۔ انہوں نے جواب تو بڑا امید افزا دیا لیکن اسلام قبول کرنے کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نہ کیا۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بنو ذہل کے ایک آدمی کے درمیان سلسلہ نسب کے متعلق بڑا دلچسپ سوال و جواب بھی ہوا کیونکہ دونوں ہی ماہر انساب تھے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ منیٰ کی گھاٹی سے گزرے تو کچھ لوگوں کو باہر گفتگو کرتے سنا۔ آپ ﷺ نے سیدھے ان کا رخ کیا اور ان کے پاس جا پہنچے۔ یہ یثرب کے چھ جوان تھے اور سب کے سب قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ نام یہ ہیں۔

(1) حضرت اسعد بن زرارہ (قبیلہ بنی النجار)

(2) حضرت عوف بن حارث بن رفاعہ (ابن عفراء) (قبیلہ بنی النجار)

- (3) حضرت رافع بن مالک بن عجلان
(قبیلہ بنی زریق)
(4) حضرت قطبہ بن عامر بن حدیدہ
(قبیلہ بنی سلمہ)
(5) حضرت عقبہ بن عامر بن نابی
(قبیلہ بنی حرام بن کعب)
(6) حضرت حارث بن عبد اللہ بن رباب
(قبیلہ بنی عبید بن غنم)

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

یہ اہل یثرب کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اپنے حلیف یہود یثرب سے سنا کرتے تھے کہ اس زمانے میں ایک نبی بھیجا جانے والا ہے اور اب جلد ہی وہ نمودار ہوگا۔ ہم اس کی پیروی کر کے اس کی معیت میں تمہیں عذارم کی طرح قتل کر ڈالیں گے۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی انس و جان رہبر کائنات رسول بحر و بر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس پہنچ کر دریافت کیا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا ہم قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یعنی یہود کے حلیف؟“ بولے، ہاں۔ فرمایا: ”پھر کیوں نہ آپ حضرات بیٹھیں، کچھ بات چیت کی جائے۔“ وہ لوگ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان فرمائی۔ انہیں اللہ عز و جل کی طرف دعوت دی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔

انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا، بھی دیکھو! یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کا حوالہ دے کر یہود تمہیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ لہذا یہود تم پر سبقت نہ لے جانے پائیں۔ اس کے بعد انہوں نے فوراً آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لی اور مسلمان ہو گئے۔

یہ یثرب کے عالی نصیب عقلاء الرجال تھے۔ حال ہی میں جو جنگ گزر چکی تھی اور جس کے دھوئیں اب تک مضا کو تاریک کئے ہوئے تھے، اس جنگ نے انہیں چور چور کر دیا تھا اس لیے انہوں نے بجا طور پر یہ توقع قائم کی کہ آپ ﷺ کی دعا و دعوت جنگ کے خاتمے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

چنانچہ انہوں نے کہا: ”ہم اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ کسی اور قوم میں ان کے جیسی عداوت و دشمنی نہیں پائی جاتی۔ امید ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ آپ ﷺ کے ذریعے انہیں یکجا کر دے گا۔ ہم وہاں جا کر لوگوں کو آپ ﷺ کے مقصد کی طرف بلائیں گے اور یہ دین جو ہم نے خود قبول کر لیا ہے ان پر بھی پیش کریں گے۔ اگر اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ان کو یکجا کر دیا تو پھر سارے جہاں میں آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی اور معزز نہ ہوگا۔“

اس کے بعد جب یہ لوگ یثرب واپس ہوئے تو اپنے ساتھ اسلام کا پیغام بھی لے گئے، چنانچہ وہاں گھر گھر پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی انس و جان رہبر کائنات رسول بحر و بر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا چرچا پھیل گیا۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد 1 صفحہ 428 تا 431..... زاد المعاد جلد 2 صفحہ 50..... مختصر السیرۃ، عبد اللہ صفحہ 150 تا 152)

یثرب میں قبولِ اسلام کا آغاز

اہلِ یثرب کے قبولِ اسلام کے اکاد کا واقعات تو بیعتِ عقبہ اولیٰ ہے بہت پہلے رونما ہونے شروع ہو گئے تھے جن میں سے ایک کا واقعہ یوں بتایا گیا ہے کہ اوس کا ایک وفد اہل مکہ کے پاس آیا وہ اہل مکہ سے اپنے مخالف قبیلہ خزرج کے خلاف امداد کا معاہدہ کرنے کے لیے آئے تھے ان کے رئیس کا نام ابوالخسیر تھا۔ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم ہادی انس و جان رہبر کائنات نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو جب اس وفد کی آمد کی اطلاع ہوئی تو حسبِ معمول حضور پر نور نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں دینِ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہیں قرآنِ کریم کی کچھ آیات پڑھ کر سنائیں۔

ان میں سے ایاس بن معاذ نامی ایک نوجوان حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے بڑا متاثر ہوا اس کی مرضی تھی کہ اہل مکہ سے معاہدہ کرنے کے بجائے اس دل نشین اور دل پذیر دعوت کو قبول کر لیں۔ لیکن ابوالخسیر نے مٹی اٹھائی اور اس کے منہ پر دے ماری اور اس کو جھڑک دیا۔ ایاس بن معاذ اگرچہ اسلام قبول کرنے کا اعلان نہ کر سکا لیکن حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اس کے دل میں گھر کر گئی تھیں جب اس نے وفات پائی تو اس وقت بھی وہ اللہ تبارک تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کر رہا تھا جو لوگ اس وقت اس کے پاس تھے وہ کہتے ہیں کہ ایاس مسلمان ہو کر مرا۔ (بل الہدیٰ والارشاد جلد ۳ صفحہ ۲۶۳)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ابو زرع رازی نے سند حسن کے ساتھ دلائل النبوة میں تحریر کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح سند کے ساتھ معاذ بن رفاعہ بن رافع عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے۔

رافع کے دادے کا نام بھی رافع تھا وہ بیان کرتے ہیں وہ اپنے خالہ زاد بھائی معاذ بن عفرہ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ مکہ پہنچے۔ جب اونچے دڑے سے نیچے اترے انہوں نے ایک شخص کو درخت کے سائے میں بیٹھے دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اس واقعہ سے پہلے کا ہے جب چھ انصاری مکہ آئے تھے اور اسلام قبول کیا تھا۔ جب ہم نے اس شخص کو دیکھا تو ہم نے سوچا کہ اپنی سواری کے اونٹ اس شخص کے حوالے کرتے ہیں اور خود جا کر کعبہ شریف کا طواف کر آئیں گے۔ چنانچہ ہم اس شخص کے پاس گئے اور زمانہ جاہلیت کے رواج

کے مطابق اسے سلام کہا اس نے ہمیں اہلِ اسلام کے طریقے کے مطابق سلام کا جواب دیا۔ ہم نے پوچھا آپ کون صاحب ہیں؟ اس شخص نے کہا کہ پہلے اپنی سواریوں سے تو نیچے اُترو۔ ہم اونٹوں سے نیچے اُتر آئے۔ ہم نے یہ بات سُن رکھی تھی کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ہم نے پوچھا وہ شخص کہاں ہے جو طرح طرح کے دعوے کرتا ہے اور مختلف قسم کی باتیں بناتا ہے؟ اس شخص نے کہا وہ میں ہی ہوں۔ ہم نے کہا ہمارے سامنے اپنا دین پیش کرو۔ اس شخص نے اسلام پیش کرتے ہوئے فرمایا یہ بتاؤ کہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا؟ ہم نے کہا اللہ تبارک تعالیٰ نے۔ پھر اس نے پوچھا تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ ہم نے کہا اللہ تبارک تعالیٰ نے پھر اس نے ہم سے سوال کیا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو ان کو کس نے بنایا ہے؟ ہم نے کہا کہ ان بتوں کو ہم نے خود گھڑا ہے۔ پھر اس نے ہم سے دریافت کیا کہ عبادت کا زیادہ حق دار خالق ہے یا مخلوق؟ ہم نے کہا خالق۔

اس نے فرمایا پھر تم اس بات کے زیادہ حق دار ہو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو بجائے اس کے کہ اپنے ہاتھ سے گھڑے ہوئے ان بتوں کی پوجا کرو۔ میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ تبارک تعالیٰ عزوجل کی عبادت کرو اور یہ گواہی بھی دو کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں اس کا رسول ہوں۔ نیز اپنے قریبی رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور لوگوں پر زیادتی کرنا چھوڑ دو۔ ہم نے کہا بالفرض آپ کی یہ بات درست نہ ہو تو پھر بھی ان باتوں کا شمار مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اطوار میں تو ہوگا۔ سر دست ہماری سواری کے اونٹ پکڑ رکھیے تاکہ ہم بیت اللہ شریف کا طواف کر آئیں۔ میرا خالہ زاد بھائی معاذ بن عفراء (ؓ) تو آپ کے پاس بیٹھا رہا اور میں طواف کرنے کے لیے حرم شریف کی طرف چل پڑا۔ رافع کہتے ہیں کہ میں بیت اللہ کے پاس آیا اس کا طواف کیا میں نے فال نکالنے کے لیے سات تیر لیے ان میں سے ایک تیر میں نے حضورِ انور نبی کریم ﷺ کے نام کر دیا پھر کعبہ کی طرف منہ کر کے میں نے دعا مانگی:

”یا اللہ! جس دین کی طرف حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ دعوت دیتے ہیں اگر وہ سچا ہے تو ساتوں بار ان کا تیر نکال۔“

میں نے سات مرتبہ فال نکالی ساتوں مرتبہ حضورِ پر نور ﷺ کے نام والا تیر نکلا۔ میں بے اختیار ہو کر چیخ اٹھا۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (رسول اللہ ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔“

میرا کلمہ شہادت سُن کر میرے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ کہنے لگے ”مجنونِ رجل صبا“ یہ پاگل ہے اپنے مذہب سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ میں نے کہا ”بل رجل مومن“ میں وہ مردِ مومن ہوں جس کا دل نورِ ایمان سے روشن ہو گیا۔

وہاں سے میں حضور پر نور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جب معاذ بن عفرانے مجھے دُور سے دیکھا تو کہہ اٹھا:

”اے رافع! تم جو چہرہ لے کر گئے تھے اس چہرے کے ساتھ واپس نہیں آئے۔“

چنانچہ ہم دونوں مسلمان ہو گئے۔ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ہادی انس و جاں سرکارِ دو عالم ﷺ نے سورہ یوسف اور سورہ اقرأ پڑھائی۔ نعمتِ ایمان اور قرآنِ کریم کی ان دو سورتوں کی دولتِ سرمدی اپنے دامن میں سمیٹتے ہوئے ہم واپس مدینہ آ گئے۔ (بل الہدیٰ والرشاد امام یوسف صالحی جلد ۳ صفحہ ۲۶۴)

قبولِ اسلام کی وجوہات

قارئینِ کرام! اب پیشگی ان وجوہات یا اسباب کا ذکر خیر ہو جائے جن کے سبب جن کی وجہ سے بنی اوس و خزرج نے دعوتِ دین اسلام کو بغیر کسی حیل و حجت کے خوشی خوشی تمام تر شوقِ رغبت و چاہت کے ساتھ قبول کر لیا۔

حضورِ انور ﷺ مکہ اور اس کے قرب و جوار میں گزشتہ گیارہ سالوں سے دعوتِ دین متین دے رہے تھے اور یہ تبلیغ و دعوتِ دین اسلام کا سلسلہ شب و روز جاری تھا۔ حضورِ انور ﷺ نے حج کے اجتماعات میں، میلوں میں، منڈیوں میں، بازاروں میں جا جا کر دعوتِ دین اللہ دین متین دے رہے تھے مگر ظاہری نتیجہ خاطر خواہ نہ تھا جب کہ یثرب سے آئے ہوئے قبیلے بنو خزرج نے پہلی ہی دعوت پر اسلام قبول کر لیا اس کی آخر کیا وجہ تھی؟ وہ کیا محرکات تھے کہ جن کے سبب خزرج کے لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کیا؟ نہ اپنے کوئی مطالبات حضورِ انور ﷺ کے سامنے رکھے اور نہ کوئی شرط ہی لگائی اس غیر مشروط اطاعت کے اسباب کیا تھے سیرت ابن ہشام نے درج ذیل بیان کیے ہیں:

یہودی دھمکی

یہودی نسل در نسل نبی آخر الزماں ﷺ کے ظہور کے منتظر تھے۔ اوس اور خزرج بھی علمائے یہود کے حوالے سے آمدِ رسول آخر ﷺ کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے۔ چنانچہ جب انہیں معلوم ہوا کہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ ہی وہ مخبر صادق ہیں جن کی آمد کی بشارت صحائفِ آسمانی میں درج ہے تو اسلام قبول کرنے میں انہیں ذرا سا بھی تاثر نہ ہوا۔

اس کا تاریخی پس منظر کچھ یوں ہے کہ اوس اور خزرج نے غسانیوں کی مدد سے یہود کو یثرب سے باہر نکال دیا تھا کیونکہ یہود اوس اور خزرج کے درمیان اختلافات کو ہوا دے کر انہیں آپس میں لڑائیوں میں الجھائے رکھتے تھے۔ چنانچہ اوس اور خزرج نے ان کے یثرب سے نکل جانے کے بعد ان کی زرخیز زمینوں پر قبضہ کر لیا۔ یہودیوں کو مضافاتِ یثرب کی بنجر زمینوں پر آباد ہونا پڑا۔ وہ اوس اور خزرج سے شکست کھانے کے بعد اکثر

انہیں دھمکی دیا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ سے مل کر ہم تمہارے خلاف جنگ کریں گے اور تمہیں قومِ عاد اور قومِ ارم کی طرح تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ جیسا کہ کتب سیر میں آتا ہے کہ علمائے یہود جانتے تھے کہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے یثرب تشریف لائیں گے، وہ فلسطین سے آ کر یہاں آباد ہوتے رہے تھے۔ یہ سب رسول آخر الزماں ﷺ کے استقبال کی تیاریاں تھیں۔ اوس اور خزرج اس دھمکی سے مرعوب تھے اور اکثر خوف زدہ رہتے تھے۔ انہوں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ وہ اس نبی پر ایمان لانے میں یہود پر سبقت لے جائیں گے۔

چنانچہ حضور پر نور، تاجدارِ کائنات، سرورِ دو عالم ﷺ کی اس دعوت پر انہوں نے بلا چوں و چرا اور بلا تامل اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کر لیا۔ ادھر یہود نے جب دیکھا کہ اللہ کے آخری نبی، بنی اسرائیل میں نہیں بلکہ بنی اسماعیل میں پیدا ہوئے ہیں تو وہ حضور انور ﷺ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ولادت باسعادت سے ہی یہودیوں نے جس منفی رد عمل کا اظہار کیا، وہ مزید پختہ ہو چکا تھا۔ شان رب للعالمین کہ کسی نے صاحبِ علم نہ ہونے کے باوجود روشنی کے سفر میں نبی آخر الزماں ﷺ کا ہم رکاب ہونے کا شرف حاصل کیا اور کوئی اپنے کمالِ علم کے باوجود جہالت کے اندھیروں میں گم رہا اور تعصب کی آگ میں جلتا رہا۔

یہود کی تعلیمات

یہودی اہل کتاب تھے، سلسلہ انبیاء پر کامل یقین رکھتے تھے۔ گو بڑی حد تک تعلیمات موسوی کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا تاہم ان پر اثر کسی نہ کسی حد تک ابھی تک قائم تھا اور یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر کاربند ہونے کے دعوے دار تھے۔ اوس اور خزرج کا ان کے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی نظریات سے متاثر ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ وہ نبی، کتاب، وحی، فرشتہ اور دیگر مذہبی اصطلاحات کے مطالب و معانی سے بخوبی آگاہ تھے۔ خصوصاً حضور پر نور رحمتِ دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت کے بارے میں انہوں نے علمائے یہود سے بہت کچھ سُن رکھا تھا اور ان کے سینوں میں بھی آتشِ شوق بھڑک رہی تھی۔

یہودیوں کی مذہبی اصطلاحات عرب کے دیگر قبائل کی طرح ان (اوس و خزرج) کے لیے اجنبی نہ تھیں، قبولِ اسلام کے لیے ایک نفسیاتی سی فضا غیر محسوس طریقے سے تیار ہو چکی تھی۔ اس لیے مکہ کے کفار و مشرکین کی نسبت اوس و خزرج کو ذہنی کشمکش کے اس مرحلے سے نہیں گزرنا پڑا جس مرحلے سے قریش ہزار دشواریوں اور الجھنوں کے بعد گزرے۔ نبی آخر الزماں ﷺ کے بارے میں ایک نرم گوشہ اوس اور خزرج کے دلوں میں ہمیشہ موجود رہا۔ یہی وجہ تھی کہ جو نبی آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے انہیں قبولِ اسلام کی دعوت دی، انہوں نے اسے فوراً قبول کر لیا اور دونوں ہاتھوں سے ایمان کی دولت کو سمیٹ لیا۔

امن کی تلاش

جزیرہ نمائے عرب میں کسی مرکزی حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے مربوط سیاسی اقدار کی کوئی صورت سامنے نہیں آ سکی تھی، خود مختار قبائل آزادانہ زندگی بسر کر رہے تھے جن کی اپنی روایات تھیں اور وہ ان روایات پر سختی سے کار بند تھے۔ یہ قبائل اکثر آپس میں الجھتے رہتے اور بات بات پر تلواریں میان سے باہر آ جاتیں اور پھر انتقام کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔ شہزادوں میں پرورش پاتا اور انسانی خون پانی کی طرح ارزاں ہو جاتا لیکن امن کی ایک موہوم سی کرن اس جنگجوئی کے باوجود ذہنوں میں پرورش پا رہی تھی اس لیے کہ قیام امن کے لیے سعی کرنا انسان کی جبلت میں شامل ہے۔

تاریخ عالم گواہ ہے کہ عالمی سطح پر دائمی قیام امن کی خواہش میں انسان کو ابتلاء و آزمائش کے اُن گنت مراحل سے گزرنا پڑا۔ اس میں شک نہیں کہ ہوس اقتدار اور ہوس ملک گیری نے انسان کو حیوان کی سطح پر بھی لاکھڑا کیا اور تاریخ گواہ ہے کہ وہ انسان جو بنیادی طور پر امن کا خواہش مند ہے جب بربریت پر اتر آتا ہے تو وہ درندگی کی تمام حدود کو پھلانگ جاتا ہے اور تمام انسانی رشتوں کو اپنے دستِ ظلم سے توڑ دیتا ہے، خون آشامی کے بعد انسان ضرور سوچتا ہے کہ اس وحشت و بربریت کی انتہا کیا ہے؟

قانونِ قدرت ہے کہ ایک عمل کا رد عمل ہوتا ہے۔ وحشت و بربریت کے بعد امن کی خواہش ضرور سر اُبھارتی ہے۔ اوس اور خزرج بھی طویل خانہ جنگی سے اکتا چکے تھے، جنگِ بعاث میں فریقین کو زبردست جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ جنگ کی اس کوکھ سے امن کی آرزو نے جنم لیا اور دونوں متصادم قبائل سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر وہ اسی طرح ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے تو ایک دن نہ قبیلہ خزرج رہے گا اور نہ قبیلہ اوس کا کوئی نام لینے والا باقی بچے گا۔ وہ لاشعوری طور پر امن کے سفر پر روانہ ہوئے۔

دونوں قبائل کے چند خاندان جنگِ بعاث سے الگ تھلگ رہے تھے وہ قیام امن کے لیے ایک قدم آگے بڑھے یہ سوچ پیدا ہوئی کہ کیوں نہ عبداللہ بن ابی بن سلول جو قبیلہ خزرج کا ایک فرد تھا اور یہودیت قبول کر چکا تھا، کو اپنا حاکم یا بادشاہ بنا لیا جائے اور یوں دونوں قبائل کے درمیان صدیوں پرانی نفرت کی دیوار کو گرا کر ایک نئے دور کا آغاز کیا جائے۔ اس دوران جب پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور رحمۃ دو عالم ﷺ نے انہیں امن اور سلامتی والے دین کی طرف بلایا اور انہیں تعلیماتِ اسلامی سے آگاہ کیا تو وہ عبداللہ بن ابی کے بجائے رسولِ کائنات ﷺ کے پرچم تلے جمع ہو گئے۔

مقصد یہ تھا کہ علاقے میں امن بھی قائم ہو جائے، خون آشامی کا سلسلہ بھی بند ہو جائے اور نبی آخر الزماں ﷺ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کر کے یہود پر سبقت بھی حاصل کر لی جائے۔ چنانچہ مذکورہ اور کچھ دیگر اسباب ایسے تھے کہ وہ ذہنی طور پر دائرہ اسلام میں آنے کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿ ۶۶۱ ﴾ جلد دوم

اب ان کا خیال یقین میں بدل چکا تھا کہ یہی وہ رسول برحق نبی آخر الزماں ﷺ ہیں جن کا تذکرہ یہودیوں سے ایک عرصے سے سنتے چلے آ رہے تھے انہوں نے فوری طور پر اسلام قبول کر لیا، مبادا یہودی ان پر بازی لے جائیں۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۴۲۹)

قبائل انصار میں اشاعت اسلام کا شاندار آغاز

نبوت کا گیارہواں سال ہے، موسم حج قریب آ گیا ہے، جزیرہ عرب کے دُور دراز علاقوں سے لوگ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ پہنچ رہے ہیں، دینِ فطرت دین اللہ کے مبلغِ دل نواز پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم، حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ حسب دستور ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے ہیں اور ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں لیکن ان بد نصیبوں کی وہی سردمہری ہے اور وہی بے رخی ہے جس کا مظاہرہ یہ لوگ کئی سالوں سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔

ایک دن ہادی انس و جاں حضور پر نور ﷺ عقبہ کے پاس پہنچے تو وہاں بنی خزرج کے ایک گروہ سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

”عقبہ“

اہل لغت نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے:

”پہاڑوں میں اوپر چڑھنے کا کٹھن راستہ وہ راستہ جو پہاڑ کی چوٹی کی طرف جاتا ہے۔“

علامہ یاقوت حموی اس کی تشریح کرتے ہیں۔

منیٰ اور مکہ کے درمیان ایک اونچا ٹیلہ ہے جو عقبہ کے نام سے موسوم ہے یہاں سے مکہ دو میل (اندازاً تین کلومیٹر) کے فاصلے پر ہے اس کے قریب ایک مسجد بھی ہے یہاں سے جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

(معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۱۳۴)

حضور انور نبی کریم رُوف الرحیم ہادی انس و جاں ﷺ نے ان سے پوچھا، تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم قبیلہ خزرج کے چند افراد ہیں۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے پھر پوچھا، کیا تم وہ لوگ ہو جن کی یہود سے دوستی ہے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ذرا بیٹھ نہیں جاتے ہو؟ کچھ باتیں کر لیں؟ انہوں نے کہا، بسر و چشم بڑی خوشی سے بات چیت کیجئے۔۔۔

پس وہ لوگ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھ گئے، حضور انور نبی کریم ﷺ نے انہیں اللہ تبارک تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی، اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کیا پھر ان کے سامنے چند آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی۔

کتاب تھے جب کہ انصار کے قبائل بُت پرست تھے۔ اکثر ان کے درمیان چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ جب جنگ کی نوبت آتی تو یہودی انہیں دھمکیاں دیتے، کہتے عنقریب ایک نبی تشریف لانے والا ہے، ہم اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی پیروی کریں گے پھر ہم تمہیں اس طرح بے دریغ قتل کریں گے جس طرح عاد و ارم کو قتل کیا گیا تھا۔ یہودی اس قسم کی باتوں سے انصار بھی ایک آنے والے نبی، نبی آخر الزماں سے متعارف تھے اور اس کا ذکر بار بار سنتے رہتے تھے جس کی آمد متوقع تھی۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے جب انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ یہ وہی نبی معلوم ہوتا ہے جس کی آمد کی دھمکیاں یہود ہمیں آئے روز دیتے رہتے ہیں۔ آئیں! جلدی سے ان پر ایمان لے آئیں ایسا نہ ہو کہ یہودی ان پر ایمان لانے میں ہم پر سبقت لے جائیں۔ چنانچہ ان سب نے حضورِ انور ﷺ کی دعوت دل و جان سے قبول کر لی اور سارے کے سارے مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

پھر انہوں نے گزارش کی یا رسول اللہ! ﷺ ہماری قوم میں عداوت و بغض کے شعلے صدیوں سے بھڑک رہے ہیں، باہمی دشمنیوں نے ہمیں پارہ پارہ کر دیا ہے، ہم انہیں حضورِ انور ﷺ کا یہ پیغام پہنچائیں گے جس دین پر ہم ایمان لائیں ہیں، انہیں بھی ترغیب دیں گے کہ وہ بھی اس کو قبول کر لیں۔ اگر وہ متفقہ طور پر سب ایمان لے آئیں تو پھر ہمارے ہاں حضورِ انور ﷺ سے بڑھ کر کوئی معزز و محترم نہ ہوگا۔ انہوں نے آئندہ سال پھر مشرف بازیابی حاصل کرنے کا وعدہ کیا اور اپنے قلوب و اذہان کو نورِ اسلام سے منور کر کے اپنے وطن یثرب لوٹ گئے۔

ہجرتِ مدینہ سے تین سال قبل خزرج کے اسلام قبول کرنے والے ان چھ افراد سے جو ارشاد فرمایا جا رہا ہے اس کے پیچھے برسوں کی سوچ بچار نظر آتی ہے۔ نگاہِ نبوت اہل یثرب کے اس مثالی کردار کا مشاہدہ کر رہی تھی جسے آئندہ برسوں میں فروغِ اسلام کے باب میں فیصلہ کن قوت کی حیثیت حاصل ہونے والی تھی۔ حضورِ پُر نور عالمِ خفا و غیوب ﷺ ان الفاظ کے ذریعے خزرج کے ان چھ افراد کو مستقبل کے لیے پوری منصوبہ بندی کے ساتھ ذہنی اور جسمانی طور پر تیار فرما رہے تھے، انہیں تربیت کے مرحلے سے گزار رہے تھے اور دعوتِ حق کے ابلاغ کی خاطر ان چھ افراد سے اسلام کی مدد و نصرت کا وعدہ لے رہے تھے۔

خزرج قبیلہ کے یہ افراد حضورِ انور ﷺ کا اشارہ سمجھ گئے لیکن یثرب کی سیاسی، مذہبی، اقتصادی، ثقافتی اور مجلسی زندگی کے پیش نظر انہیں بظاہر ان انقلابی تبدیلیوں کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے لیکن چونکہ یہ فرمانِ رسول تھا اس لیے اسے تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہ تھا تاہم انہوں نے کہا:

”یا رسول اللہ! ﷺ ابھی ہمارے جنگ بعاث ہو چکی ہے اور موجودہ حالات میں لوگوں کا آپ ﷺ پر جمع ہو جانا خاصہ مشکل ہوگا۔ فی الحال آپ ﷺ ہمیں واپسی کی اجازت دیں شاید اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے باہمی اختلافات درست فرمادے اور ہم جا کر لوگوں کو آپ ﷺ کی دعوت کی

طرف بنائیں۔ اس طرح ممکن ہے کہ اللہ ان سب کو آپ ﷺ پر جمع کر دے، پھر آپ ﷺ سے زیادہ طاقت ور کوئی نہ ہوگا۔“ (السیرۃ الجلیلہ جلد ۲ صفحہ ۱۵۹)

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب فریضہ حج ادا کرنے کے لیے ماہ ذی الحجہ میں مکہ مکرمہ آیا کرتے لیکن عمرہ ادا کرنے کے لیے وہ ماہ رجب میں یہاں پہنچتے۔ گویا سال میں دو مرتبہ مختلف علاقوں کے عرب قبائل مکہ مکرمہ میں حاضری دیتے۔

حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ خزرج کے یہ چھ افراد ماہِ رجب میں عمرہ کرنے کے لیے یہاں آئے ہوئے تھے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی خصوصی نوازش نے انہیں اپنے حبیب ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا اور ان کے دلوں کو حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی دعوت قبول کرنے کے لیے کشادہ کر دیا۔

(السيرة النبوية: احمد بن حنبل وحلان جلد ۱ صفحہ ۲۸۷)

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس روز ایمان لانے والوں کی تعداد چھ تھی اور سب بنی خزرج قبیلہ کے افراد تھے ان خوش نصیبوں کے اسمائے کرامی یہ ہیں:

- ۱- ابو امامہ اسعد بن زرارۃ۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ قبیلہ خزرج میں سب سے پہلے ایمان لانے کی سعادت انہیں نصیب ہوئی، ان کا تعلق بنی نجار سے تھا۔
- ۲- عوف بن حارث۔ ان کی والدہ کا نام عفراء ہے۔
- ۳- رافع بن مالک بن العجلان۔ ان کا تعلق بنی زریق سے تھا۔
- ۴- قطبہ بن عامر بن حدیدہ۔ یہ بنی سلمہ قبیلہ کے فرد تھے۔
- ۵- عقبہ بن عامر۔ ان کا تعلق قبیلہ بنی حرام سے تھا۔
- ۶- جابر بن عبد اللہ بن رکاب۔ یہ بنی عبیدہ قبیلہ سے تھے۔

شعبی زہری وغیرہا نے بھی ابن اسحاق سے اتفاق کیا ہے اور کہا ہے کہ اس رات ایمان لانے والوں کی تعداد چھ تھی اور سارے خزرج قبیلہ کے افراد تھے۔

ایمان کی خوشبو ہر گھر

اندرونِ یثرب اور مضافاتِ یثرب کی فضا اگرچہ مکہ کی مخالفانہ فضا سے بہت مختلف تھی اور تحریکِ دینِ اسلام کی راہ میں اتنی رکاوٹیں نہیں تھیں جتنی مکہ کے کفار و مشرکین نے کھڑی کر رکھی تھیں تاہم یہودی خصوصاً علماء یہود کی طرف سے مزاحمت ہو سکتی تھی۔ ایسے طبقات و اشخاص بھی موجود تھے کہ تحریکِ دینِ اسلام سے جن کے مفادات خطرے میں پڑ سکتے تھے ان کی طرف سے بھی اپنے مفادات کی خاطر پیش بندی متوقع تھی۔ ان سب حالات کو پیشِ نظر رکھ کر مستقبل کے منصوبہ سازوں کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ یہودیوں کی طرف سے جو مخالفت ہو سکتی ہے وہ صرف یہودیوں کی طرف سے ہوگی۔

نے تبلیغ و دعوتِ دینِ اسلام کا کام بہت سوچ سمجھ، حکمت اور دانائی کے ساتھ کیا۔

رفتہ رفتہ ان کی مساعی جمیلہ کامیابی سے ہم کنار ہونے لگیں۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے لیے اہل یثرب کے دلوں میں نرم گوشہ پہلے ہی موجود تھا، خلوص و محبت سے جب انہیں دائرۃ اسلام میں آنے کی دعوت دی گئی تو وہ کلیتاً اسے مسترد نہ کر سکے، فوری طور پر یہ ممکن نہ تھا کہ اہل یثرب اجتماعی طور پر اسلام قبول کر لیتے۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ گھر گھر حضور پر نور ﷺ کے لائے ہوئے دین کا چرچا ہونے لگا۔ اسلام کے بارے میں جاننے کا اشتیاق بڑھا، اسلام کی خوشبو ہر گھر کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔ چند لوگوں نے حق کی دعوت کو قبول کر لیا اور مبلغین یثرب کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اس کامیابی نے ان کے اعتماد میں اضافہ کیا اور یہی اعتماد آگے چل کر فروغِ اسلام کا بہت بڑا سبب ثابت ہوا۔



بیعت عقبہ اولیٰ

ایک سال تک یثرب میں فروغِ دین کے لیے کام کرنے کے بعد بنی خزرج کے وہ افراد جنہوں نے ایک سال قبل حج کے موقع پر پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم ہادیّ انس و جاں حضورِ پر نور ﷺ کے دستِ اقدس پر اسلام قبول کیا تھا، حسب وعدہ حج پر آئے تو ان کی تعداد بارہ (۱۲) تھی جن میں سات افراد ایسے بھی تھے جنہوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور مسلمان ہو گئے تھے۔

یثرب کے وفد میں شامل نئے سات انصاریوں کے اسمائے گرامی یہ تھے:

- ۱- عبادہ بن صامت
- ۲- عباس بن عبادہ بن نضلہ
- ۳- عتبہ بن عامر
- ۴- یزید بن ثعلبہ
- ۵- ذکوان بن عبد قیس
- ۶- عویم بن ساعدہ
- ۷- ابوالہیثم بن التہیان

گزشتہ برس جن چھ افراد نے اسلام قبول کیا تھا، ان میں سے پانچ افراد اس وفد میں بھی شامل تھے یعنی ابوامامہ اسعد بن زارہ، عوف بن حارث، عقبہ بن عامر، رافع بن مالک العجلان اور قطبہ بن عامر بن حدیدہ بھی وفد میں شامل تھے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۷۸، ۱۷۹)

گزشتہ سال جو چھ خوش نصیب مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، ان میں سے پانچ (۵) ان بارہ (۱۲) افراد میں شامل تھے جو اس سال حاضر ہوئے صرف حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حاضر نہ ہو سکے۔ یہ دس خزرجی تھے۔ اور بنی اوس سے یہ دو صاحبان ہوئے عویم بن ساعدہ، ابوالہیثم بن التہیان۔

(السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۷۸، ۱۷۹)

اسلام کی بیعت، معیارِ بیعت

مذکورہ بالا بارہ (۱۲) افراد نے ۱۲ نبوی میں حج کے موقع پر مکہ مکرمہ پہنچ کر عقبہ کے مقام پر حضور انورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیم ﷺ کے دستِ اقدس پر اسلام کی بیعت کی یہ لوگ پہلے ہی دائرۃ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اس لیے اب خاص مقصد کے لئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہونا یہ بیعت تھی یہ اسلام کی بیعت تھی جسے بیعتِ عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ کے کلمات

کیونکہ اس وقت تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا اس لیے کلماتِ بیعت میں اللہ کی راہ میں قتال کرنے کے الفاظ شامل نہیں۔

بیعت میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مطابق ہم نے حضور انورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیم ﷺ سے عورتوں والی بیعت کی کیونکہ اس وقت تک جہاد فرض نہیں ہوا تھا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور چوری اور زنا نہیں کریں گے اور اپنی اولاد قتل نہیں کریں گے اور کسی پر خود ساختہ الزام نہیں لگائیں گے اور کسی بھی معاملے میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)

بیعتِ عقبہ اولیٰ کے مندرجات غور طلب ہیں، تعلیماتِ اسلامی کا نچوڑ ہیں، یہ کلمات توحید و رسالت کے باہمی ربط کی طرف بھی حسین اشارہ کر رہے ہیں۔ سب سے پہلے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا جا رہا ہے۔ حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیم ﷺ کے دستِ اقدس پر عہد کیا جا رہا ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے یعنی جب اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے تو جبینیں صرف اور صرف اسی خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں جھکیں گی جو کل جہانوں کا پالنے والا ہے۔

سماجی زندگی کو اعتدال اور توازن کی راہوں پر گامزن کرنے کے لیے اور امن عامہ کی صورتِ حال کو بہتر بنانے کے لیے عہد لیا جا رہا ہے کہ وہ چوری نہیں کریں گے یوں ثقافت کے نام پر پھیلائی جانے والی کثافت کی روک تھام کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اسلام بقاء اور سلامتی کا دین ہے پوری نسلِ انسانی کی فلاح کا ضامن ہے انسانی تہذیب و تمدن کی بقاء کے لیے وعدہ لیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے اولاد کے قتل کو وسیع تر معنی میں لیا جائے تو نگاہِ نبوت (ﷺ) کے احترام میں گردنیں جھک جاتی ہیں کہ حضور پر نور ﷺ کس طرح نسلِ انسانی کی بقاء کا اہتمام فرما رہے ہیں۔

کسی پر خود ساختہ الزام نہیں لگائیں گے ہماری سماجی بُرائیوں کی جڑ یہی وحشیانہ فتنہ ہے۔ حضور انور ﷺ جھوٹے پروپیگنڈے اور کردار کشی کا راستہ روک رہے ہیں اور پھر یہ عہد لیا جا رہا ہے کہ کسی بھی معاملے میں ہم حضور پر نور ﷺ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ گویا مقامِ رسالت کا عظمت اور رفعت اور حرمت اور رسالت

ذہن نشین کرائی جا رہی ہے کہ دین اور دنیا میں تمہاری کامیابی کا راز یہی ہے کہ تم اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔ رسول کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ در مصطفیٰ ﷺ سے وابستگی تمہاری ثقافتی اکائی کے تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہے۔

بیعت عقبہ اولیٰ کے یہ مختصر سے الفاظ ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جن کے مندرجات پر عمل کر کے دنیا کو مثل جنت بنایا جاسکتا ہے۔ بیعت عقبہ اولیٰ کے کلمات کسی متوازن معاشرے کے قیام کے لیے رہنما اصول فراہم کرتے ہیں۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے یثرب سے آئے ہوئے اس وفد سے درج بالا امور پر بیعت لینے کے بعد فرمایا:

”اگر تم اس معاہدے پر پورا اترے تو تمہیں جنت نصیب ہوگی اور اگر تم نے کوئی شرط پوری نہ کی تو تمہارا معاملہ اللہ تبارک تعالیٰ کے سپرد ہوگا“ خواہ تمہیں عذاب دے اور خواہ بخش دے۔“

(السیرۃ النبویہ: ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ جن امور کی انجام دہی کی بیعت اس موقع پر یثرب کے وفد سے لی گئی یہ وہی امور ہیں جن پر عورتوں سے بیعت لی جاتی ہے اگر خواتین ان کلمات میں پوشیدہ حکمتوں اور دانیوں کا ادراک کرتے ہوئے ان کو اپنی عملی زندگی کا حصہ بنالیں تو ان کا گھر ہی جنت کا نمونہ پیش نہیں کرے گا بلکہ پورا معاشرہ بھی اعتدال اور توازن کی راہوں پر گامزن ہو کر امن کا گہوارہ بن سکتا ہے، اولادِ آدم پر خوشحالی اور ترقی کے دروازے کھل سکتے ہیں اور یوں تسخیرِ ذات سے تسخیرِ کائنات تک کا ہر مرحلہ خوش اسلوبی سے طے ہو سکتا ہے۔ سورہ ممتحنہ آیت ۱۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبِيعُكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ: ”اے نبی! جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس اس لیے آئیں کہ ان باتوں پر بیعت کریں کہ وہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو مار ڈالیں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھیں گی اور امورِ شریعت میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت لیں اور اللہ سے ان کے لیے بخشش طلب کریں۔ بے

شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔“ (سورہ ممتحنہ آیت ۱۲)

مذکورہ آیت کریمہ ہجرت ۱۰ء کے بعد

ہے۔ تاہم مضمون چونکہ بعینہ وہی ہے اس لیے یہاں اس کا حوالہ بہت ضروری ہے کہ اس میں بیعت کرنے والے افراد سے جہاد کا وعدہ نہیں لیا گیا، جیسا کہ عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور عملاً قتال میں حصہ لینے کا وعدہ نہیں لیا جاتا۔ اس بیعت کے کلمات میں وہی کلمات مذکور ہیں جن کا وعدہ عورتوں سے قبول اسلام کے وقت لیا جاتا ہے۔

امام یوسف بن محمد الصالحی کا نقطہ نظر

جمہور کے نزدیک اس بیعت کو بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے لیکن امام یوسف بن محمد الصالحی کا نقطہ نظر اس سے ذرا مختلف ہے، وہ اس بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کا نام دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک گزشتہ سال والی بیعت جس میں خزرج کے چھ افراد شریک تھے بیعت عقبہ اولیٰ تھی۔ اگر امام یوسف کے قول کو درست تسلیم کر لیا جائے تو بیعت عقبہ ثانیہ کو بیعت ثالثہ کا نام دینا پڑے گا۔ ابن سید الناس نے بھی عیون الاثر میں اسی قول کو اپنایا ہے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۷۰)

حالانکہ حج کے موقع پر خزرج کے چھ خوش نصیب افراد نے حضور انور ﷺ کے دست اقدس پر اسلام قبول کیا تھا، یہ مروجہ معنوں میں بیعت نہ تھی، بیعت عقبہ اولیٰ وہی تھی جو آئندہ برس بارہ (۱۲) افراد نے حج کے موسم میں عقبہ کے مقام پر پیغمبر اہل و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ کے دست مبارک پر کی۔ یہ بارہ (۱۲) افراد پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ (اور اب بیعت معاہدہ و نصیحت کے لئے خدمت اقدس میں اکٹھے ہوئے تھے)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی یثرب روانگی

اب یہ بات بڑی حد تک واضح ہو چکی تھی کہ حبشہ کے بعد مسلمانوں کا متوقع دارالہجرت سرزمین یثرب ہے یہاں دعوت کے کام کا آغاز ہو چکا تھا۔ یثرب کے معاشرتی و دینی ماحول میں تیزی سے آنے والی متوقع تبدیلیوں کے پیش نظر حضور پر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے فروغ دین کے کام میں تیزی پیدا کرنے اور اسلام قبول کرنے والے افراد کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان بارہ (۱۲) افراد کے وفد کے ساتھ روانہ کیا تا کہ وہ وہاں جا کر فضا کو مسلمانوں کے لیے مزید سازگار بنانے کے کام میں تیزی پیدا کریں۔

حضور پر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ خاندان بنو ہاشم کے عظیم فرزند تھے، حضور پر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ یثرب جا کر دائرۃ اسلام میں آنے والے افراد کو قرآنی تعلیمات سے آشنا کریں اور دین اسلام کا نور سینہ بہ سینہ پھیلائیں۔ (سیرت ابن کثیر ۲: ۱۸۰)

اس بارے میں ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ واپس وطن جانے لگے تو ہادی برحق ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو یثرب روانہ کیا تا کہ وہ وہاں جا کر فضا کو مسلمانوں کے لیے مزید سازگار بنانے کے کام میں تیزی پیدا کریں۔

تھے ان لوگوں کے ہمراہ بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہاں جا کر وہاں کے نو مسلموں کو قرآن کریم پڑھائیں، اسلام کے بنیادی احکام کی تعلیم دیں اور دین کی صحیح سمجھ سے انہیں بہرہ ور کریں۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)

ابن حزم نے جوامع السیرۃ میں اور ابن سید الناس نے عیون الاثر میں لکھا ہے کہ سرورِ عالم ﷺ نے دو مبلغ یثرب روانہ کیے۔ حضرت ابن اُمّ مکتوم اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما۔ (عیون الاثر صفحہ ۱۵۵، ۱۶۱)

موسیٰ بن عقبہ کا خیال یہ ہے کہ پہلے سال چھ آدمی اسلام قبول کر کے جب یثرب واپس گئے اور وہاں اسلام کی تبلیغ شروع کی تو انہیں ایسے مبلغ کی ضرورت محسوس ہوئی جسے نبی کریم ﷺ ورحیمہ کی خدمت میں حاضری کا زیادہ موقع ملا ہو، نازل شدہ سارے قرآن کا وہ حافظ ہو اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے کما حقہ آگاہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے واپسی کے چند ماہ بعد حضرت معاذ بن عفراء اور حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہما کو حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا تا کہ ایک مبلغ یہاں روانہ فرمائیں۔ بیہقی نے ابن اسحاق کے بیان کو اتم کہہ کر موسیٰ بن عقبہ کے بیان پر اسے ترجیح دی ہے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)

تر بیت یافتہ مبلغ

خزرج کے جن چھ افراد نے اسلام قبول کیا اور حضور انور نبی کریم ﷺ ورحیمہ سے اگلے سال شرفِ ملاقات کا وعدہ کر کے بلوچستان یثرب پہنچے۔ انہوں نے واپس پہنچتے ہی دعوتِ نیکے کام کا آغاز کر دیا۔ ان کی خدماتِ جلیلہ آبِ زر سے نکلی جائیں گی۔ انہوں نے سرزمینِ یثرب میں ایمان کے جس پودے کی کاشت کا اعزاز حاصل کیا وہ آگے چل کر ایک تناور درخت بن گیا اور گھنی چھاؤں والے اسی پیڑ کے خنک سائے پوری کائنات پر محیط ہو گئے اور کائنات کا ذرہ ذرہ نور رسالت سے روشن ہو گیا۔ ان چھ افراد نے خود نیا نیا اسلام قبول کیا تھا ابھی یہ خود تربیت کے مرحلے سے نہیں گزرے تھے۔

اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ اہل یثرب میں تبلیغِ اسلام، تعلیماتِ اسلامی کی اشاعت اور فکری و اعتقادی رہنمائی کے لیے کسی تربیت یافتہ صحافی کی خدمات حاصل کی جائیں جو اس وقت تک نازل شدہ آیات، ربانی کے حافظ بھی ہوں اور ان آیات کے ذریعے دیئے گئے احکامات اور ان میں پوشیدہ عملی نکات کی وضاحت بھی کر سکیں اور یوں اہل یثرب کے ذہنوں میں پرورش پانے والے مختلف سوالات کا شافی جواب دے کر تبلیغِ اسلام کے حلقہ کو وسیع سے وسیع تر کر سکیں۔ دین کی تبدیلی ایک زبردست نفسیاتی مسئلہ بھی ہے۔ اہل یثرب کی نفسیاتی الجھنوں کے حل کے لیے بھی کسی صاحبِ علم اور صاحبِ نظر کی ضرورت تھی۔ قرعہ فال حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نام نکلا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بنو ہاشم کے چشم و چراغ تھے مکہ کے حسین اور خوش پوش تھے ناز و نعم سے پرورش پائی مگر جب اسلام کی دولت کو دامنِ دل میں سمیٹا اور اپنے قول و فعل سے گواہی دی کہ اللہ ایک ہے کوئی

اس کا شریک نہیں، وہی عبادت کے لائق ہے اور حضورِ انور ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں تو ان کے خاندان والوں نے انہیں قید کر دیا۔

اپنے آبائی دین کی تکذیب انہیں گوارا نہ ہوئی اور ناز و نعم میں پرورش پانے والے نوجوان پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے لیکن راہِ حق میں وہ استقامت کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ جب کفار و مشرکین کی چیرہ دستیوں سے بڑھ گئیں اور مسلمانوں کی زندگی اجیرن بنا دی گئی اور فرائض کی ادائیگی ان کے لیے ناممکن سی ہونے لگی تو حضورِ پُر نور ﷺ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے اس لیے وہ ایمان کے سفر کے نشیب و فراز سے بخوبی آگاہ تھے اور براہِ راست حضورِ انور ﷺ کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ تعلیماتِ اسلامی کی روح کو بھی سمجھتے تھے۔

چنانچہ جب بیعتِ عقبہ اولیٰ کے وقت یثرب کے بارہ (۱۲) مسلمانوں نے تاجدارِ کائنات ﷺ سے بحیثیتِ معلمِ یثرب میں کسی صحابی کی تقرری کی درخواست کی تو حضورِ پُر نور ﷺ کی نگاہِ انتخاب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر پڑی اس لیے کہ مصعب سفرِ نبوت کے پس منظر سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ وہ حافظِ قرآن بھی تھے اور پھر اسلام کی خاطر مصائب و آلام سے گزر کر کندن بن چکے تھے استقامت اور قوتِ برداشت کے موتی ان کی شخصیت کو چار چاند لگا رہے تھے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دعوتِ حق کی راہ میں اُن گنت مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن قبیلہ عبدالاشل کے اسلام قبول کرنے سے یثرب میں اسلام کو مضبوط بنیادیں فراہم ہو گئیں اور جملہ رکاوٹیں ایک ایک کر کے دُور ہوتی گئیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو قوتِ استدلال کی دولت سے خوب نوازا تھا، آپ جس پر بھی اسلام پیش کرتے، عموماً وہ اسلام قبول کر لیتا کیونکہ آپ دلیل اور منطق سے بات کرتے اور اپنے مخاطب کی ذہنی سطح، اس کے نفسیاتی پس منظر اور اس کے مزاج کا خاص خیال رکھتے اور حکمت و دانائی کے جواہر بکھیرتے ہوئے اسے توحید و رسالت کے بارے میں اسلامی موقف سے آگاہ کرتے کہ سچائی اس کے قلب و روح میں سما جاتی اور وہ اسلام قبول کر لیتا۔

مخاطب کو اپنا ہم نوا بنانے اور اسے قائل کرنے کی اس خداداد صلاحیت سے خوف زدہ ہو کر مخالفینِ اسلام آپ کے پاس آنے اور شریکِ گفتگو ہونے سے کترانے لگے مبادا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ انہیں بھی قائل کر لیں اور انہیں اپنے آبائی دین کو خیر باد کہنا پڑے۔ مخالفین کو یہ تدبیر سوچھی کہ مصعب رضی اللہ عنہ کو یثرب سے ہی نکال دیا جائے۔ اسید بن حضیر آپ کو یثرب سے نکالنے کے لیے آئے تھے لیکن ان کی مدبرانہ گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اُنقِ یثرب پر ایمان کی روشنی پوری آب و تاب سے جھللا رہی تھی، یثرب کی سرزمین پر آسمانوں سے نور و روشنی کے نزول کا آغاز ہو چکا تھا۔

یثرب میں انہیں مقرر کیا جاتا تھا، آپ سب کے امام تھے سارے مسلمان آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے۔ خزرج کے بعد اوس قبیلہ کے لوگوں نے بھی اسلام قبول کرنے کا آغاز کر دیا تھا تاہم ابھی اوس اور خزرج کے درمیان طویل جنگ کی وجہ سے پیدا ہونے والی بدگمانیاں پوری طرح دور نہیں ہوئی تھیں۔ دونوں قبائل کے مسلمان ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تھے لیکن حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کا تعلق نہ خزرج سے تھا اور نہ اوس سے اس لیے ان کی اقتداء میں نماز ادا کرنے پر کسی کو اعتراض نہ تھا۔ اوس اور خزرج جب ان کی امامت میں ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے تو ایک دہنی ہم آہنگی کا احساس ضرور انہیں ہوتا اور وہ رفتہ رفتہ قریب آنے لگے۔

نفرت کی پرچھائیاں ہوا میں تحلیل ہونے لگیں اور ان کی جگہ اسلامی اخوت کا جذبہ لینے لگا یہاں پر یہ بات یاد دلا دی جائے کہ اس موقع پر ایک تربیت یافتہ آدمی کا یثرب بھیجنا کتنا اہم تھا۔ حکمت نبوی (ﷺ) سے یہ امر کسی طرح پوشیدہ نہ تھا کہ اس کے بغیر یثرب میں دعوت کا کام تیز نہیں ہوگا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور پر نور ﷺ مطلوبہ نتائج حاصل کرنے میں کن خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ نگاہ نبوت بیک وقت ماضی، حال اور مستقبل میں سفر کرتی۔ علم، تقویٰ، حکمت اور دانائی کے جواہر اس طرح بکھیرے جاتے کہ کامیابی و کامرانی غلامان محمد ﷺ کے قدموں کو بوسہ دینے کے لیے بے تاب رہتی۔

اس پر سب متفق ہیں کہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہائش اختیار کی۔ یثرب میں مصعب کو مقرر کیا جاتا تھا، یہی سب کے امام بھی تھے۔ سارے لوگ ان کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کرتے تھے کیونکہ اوس و خزرج میں باہمی عداوت تھی وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت مصعب پر کسی کو اعتراض نہیں تھا سب نے بالاتفاق ان کو اپنی نماز کا امام مقرر کیا۔

دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ وہ مدینہ میں نماز جمعہ قائم کریں۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۱)

بڑھاپے میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی بینائی جاتی رہی تھی ان کے فرزند عبدالرحمن ان کا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں لے جایا کرتے تھے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب بھی جمعہ کی اذان سنتے تو حضرت ابی امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرماتے۔ عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز ہمت کر کے اپنے والد سے اس دعا کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ ابو امامہ وہ شخص ہے جس نے مدینہ طیبہ کے حرہ بنی بیاضہ میں ہزم النبیت کے مقام پر نماز جمعہ کی ابتدا کی۔ میں نے پوچھا اس وقت آپ لوگوں کی تعداد کتنی تھی؟ انہوں نے فرمایا، ہم چالیس (۴۰) آدمی تھے۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۸۱)

ذرائع ابلاغ کا مؤثر استعمال

عہد رسالت مآب ﷺ میں ایسی مثالیں کثرت سے مل جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریکِ دینِ اسلام کی اس بے مثل قیادت نے ہر مرحلے اور ہر سطح پر ترقی پسندانہ سوچ کا مظاہرہ فرمایا اور فرسودگی کی عملدانی کرنے کے نئے شعور سے حیاتِ انسانی میں رنگوں، روشنیوں اور خوشبوؤں کے نزول کا اہتمام کیا۔ جنگی حکمتِ عملی پیش نظر ہو یا سفارتی سطح پر پیش رفت کا معاملہ، حضور پر نور رحمتِ دو عالم پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ﷺ نے ہمیشہ وقت اور حالات کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر جدید ترین مادی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے مطلوبہ نتائج کے حصول کے لیے اقدامات کیے۔

یہی مثبت سوچ حضورِ انور ﷺ کے پیروکاروں کے قول و عمل کا بھی حصہ قرار پائی۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی پیش رفت سے اپنی مرکزی قیادت کو لمحہ بہ لمحہ آگاہ رکھا۔ نئے پیش آمدہ حالات میں حضورِ انور ﷺ سے حکمتِ عملی اور رہنمائی کی درخواست کے ساتھ ساتھ یثرب کے معروضی حالات اور رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں بذریعہ خط و کتابت حضور پر نور ﷺ سے مسلسل رابطہ رکھا اور اپنے عہد کے ذرائع ابلاغ کے مؤثر استعمال سے اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کو نتیجہ خیز بنایا۔ اس رابطے کے نتیجے میں یثرب میں نمازِ جمعہ باجماعت ادا کرنے کا آغاز ہوا۔

یثرب میں نمازِ جمعہ کا قیام

یثرب اپنے کھلے بازوؤں کے ساتھ نئے دن کی روشنی کا استقبال کر رہا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی آمد سے اہل یثرب میں اسلام کی پذیرائی کی ایک لہری دوڑ گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ خط و کتابت کے اس سلسلے کے دوران میں جس نئی حکمت کے بارے میں حضور پر نور سرور کائنات ﷺ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے درمیان تبادلہ خیالات جاری تھا اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ حضور ختمی مرتبت نے ﷺ یثرب میں نمازِ جمعہ کے باجماعت قیام کا حکم فرمایا:

”آج کا دن وہ دن ہے کہ جس سے اگلا دن ہفتہ ہے جس میں یہود زبور کی تلاوت کرتے ہیں۔

پس (آج جمعہ کے دن) تم اپنی عورتوں اور بچوں کو جمع کرو اور جب سورج نصف النہار سے ڈھل

جائے تو اللہ کے حضور دو رکعت نماز ادا کرو۔“ (السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲)

حضور پر نور نبی کریم زوف و رحیم ﷺ کا مکتوبِ گرامی ملتے ہی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ سے نمازِ جمعہ کی اقامت شروع کروادی۔ کتبِ سیر میں مذکور ہے کہ یثرب میں پہلی نمازِ جمعہ حضرت سعد بن حشیمہ رضی اللہ عنہ کے گھر پر ادا کی گئی جس میں چالیس (۴۰) افراد نے شرکت کی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یثرب کی مجلسی زندگی میں مسلمان آہستہ آہستہ ایک ثقافتی اکائی کے طور پر سامنے آ رہے تھے ان کے مستقبل کی سیاسی اور عسکری

قوت بننے کی پیش گوئی آسانی سے کی جاسکتی تھی۔

علامہ ابن کثیر ابن اسحاق کے حوالے سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جو درج ذیل ہے:

ایک روز حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر عبدالاشہل اور بنی ظفر کے علاقے میں آئے۔ سعد بن معاذ اسد کی خالہ کا لڑکا تھا، اسعد اور مصعب رضی اللہ عنہ بنی ظفر کے ایک باغیچے میں چلے گئے اور وہاں ایک کنواں تھا جس کا نام بیر مرق تھا اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے، ارد گرد کے علاقے میں جو مسلمان آباد تھے انہیں ان کی آمد کا پتہ چلا، وہ بھی وہاں پہنچ گئے۔

ان دنوں سعد بن معاذ اور اسید بن خضیر بنی عبدالاشہل میں اپنی اپنی قوم (اپنے اپنے قبیلوں) کے سردار تھے اور دونوں ابھی تک مشرک اور بت پرست تھے۔ جب انہیں علم ہوا کہ اسعد اور مصعب دونوں بنی ظفر کے باغیچے میں آئے ہوئے ہیں تو سعد نے اسید کو کہا کہ تیرا باپ مرے تم ان دونوں کے پاس جاؤ جو ہمارے علاقے میں آئے ہوئے ہیں تاکہ ہمارے ضعیف العقیدہ لوگوں کو وہ بے وقوف بنائیں۔ تم جاؤ ان کو سرزنش کرو اور انہیں کہو کہ وہ آئندہ اس علاقے میں آنے سے پرہیز کریں اگر مجھے اپنے خالہ زاد بھائی اسعد کا پاس نہ ہوتا تو میں خود چلا جاتا اور تمہیں یہ زحمت نہ دیتا۔

سعد کے کہنے پر اسید اٹھا، اپنا نیزہ سنبھالا اور بنی ظفر کے باغیچے کی طرف چل پڑا جہاں اسلام کے دونوں مبلغ بیٹھے ہوئے تھے جب حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اسید کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو کہا، وہ سامنے اپنی قوم کا سردار تمہارے پاس آ رہا ہے اسے یوں تبلیغ کرو کہ وہ اللہ کے دین کی تصدیق کرنے لگے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اگر وہ ہمارے پاس آ کر بیٹھ گیا تو میں ضرور اس سے گفتگو کروں گا۔

اتنے میں اسید وہاں پہنچ گیا اور منہ بسور کر کھڑا ہو گیا پھر کہنے لگا کہ تم ہمارے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے یہاں کیوں آئے ہو؟ اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو فوراً میری آنکھوں سے دُور ہو جاؤ۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا ذرا بیٹھئے! ہماری بات تو سنئے! اگر پسند آگئی تو قبول کر لینا اور اگر آپ کو ہماری بات پسند نہ آئی تو ہم خاموش ہو جائیں گے اور آپ کو ایسی بات نہیں سنائیں گے جس کا سننا آپ پسند نہیں کرتے۔ اسید نے کہا، تم نے انصاف کی بات کی ہے پھر اس نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور ان دونوں کی باتیں سننے کے لیے ان کے قریب بیٹھ گیا۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی اور اسلام کے بنیادی عقائد کے بارے میں اسے بتایا پھر قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت کی۔ اس سے پیشتر کہ اسید اپنی زبان سے کچھ کہے، ہم نے اس کے چہرے پر

ایمان کا نور دیکھ لیا، آخر وہ بولا، کتنی اچھی باتیں آپ نے سنائی ہیں، اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم میں سے کوئی شخص اس دین میں داخل ہونا چاہتا ہے تو اسے کیا کرنا پڑتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایسے شخص کو چاہیے پہلے غسل کرے اور اپنے آپ کو پاک کرے پھر پاک لباس زیب تن کرے پھر کلمہ شہادت پڑھے اور آخر میں کہا دو رکعت نماز نفل ادا کرے۔

یہ باتیں سن کر اُسید اُٹھا، پہلے جا کر غسل کیا پھر پاک کپڑے پہنے، کلمہ شہادت پڑھا پھر دو رکعت نماز ادا کی اس نے ان دونوں کو کہا کہ میرے پیچھے ایک شخص ہے اگر وہ تمہاری تابع داری اختیار کر لے تو اس کی قوم کا ہر فرد آپ کے دین کو قبول کر لے گا، میں اس کو ابھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔

اس نے اپنا نیزہ پکڑا اور جہاں سعد بن معاذ کو وہ چھوڑ گیا تھا، ادھر جانے کا ارادہ کیا۔ سعد بھی مع اپنی قوم کے اس کے لیے چشم براہ تھا جب اس نے دُور سے اُسید کو اپنی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگا:

”یعنی میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اُسید کا چہرہ بدلا ہوا ہے جو چہرہ لے کر گیا تھا اب وہ اس چہرے کے ساتھ واپس نہیں آ رہا ہے۔“ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۷۳)

جب اُسید وہاں پہنچا تو سعد نے پوچھا، سناؤ کیا کر آئے ہو؟ اُسید نے کہا، میں نے ان دو صاحبوں سے گفتگو کی ہے، مجھے تو ان کی گفتگو میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی جب میں نے ان کو مزید تبلیغ کرنے سے منع کیا تو انہوں نے کہا:

”ہم وہ کام کریں گے جو تمہیں پسند ہو۔“

مجھے کسی نے بتایا ہے کہ بنو حارثہ، اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے، اپنے گھروں سے وہ باہر نکل آئے تھے کیونکہ انہیں پتہ چل گیا ہے کہ وہ تیر کی خالہ کا بیٹا ہے اس طرح اسعد کو قتل کر کے درحقیقت وہ تجھے ذلیل و رسوا کرنا چاہتے ہیں۔

یہ سنتے ہی سعد غضب ناک ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ مبادا بنو حارثہ اسعد کو قتل کر دیں اس نے اپنا نیزہ پکڑا اور جانے سے پہلے کہنے لگا:

”اے اُسید! تو نے وقت ضائع کیا ہے اور کوئی مفید کام نہیں کیا۔“

سعد تیزی سے ادھر چل پڑا جہاں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ دونوں بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ بھانپ گیا کہ اُسید نے اسے محض اس لیے ادھر بھیجا ہے کہ وہ ان کی گفتگو سن سکے۔ سعد وہاں پہنچا تو اس نے بڑے غصے سے اسعد کو مخاطف کرتے ہوئے کہا:

”بخدا! اے ابوامامہ! اگر تیرے اور میرے درمیان یہ رشتہ داری نہ ہوتی تو تو کبھی یہ جسارت نہ کر سکتا کہ تم ہمارے علاقے میں ایسا کام کرنے کے لیے آتے جو ہمیں از حد ناپسند ہے۔“

حضرت اسعد نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو کہا کہ بخدا! ہمارے پاس اپنی ساری قوم کا سردار آ گیا ہے اگر اس نے تیری تابع داری قبول کر لی تو پھر اس کی قوم کا ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے سعد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”کیا آپ بیٹھ نہیں جاتے؟ کیا آپ میری بات سن نہیں لیتے؟ اگر آپ کو میری بات پسند آ جائے تو اسے قبول کر لیجیے گا اگر آپ کو پسند نہ آئے تو ہم ایسے کام سے دست بردار ہو جائیں گے جو آپ کو نا پسند ہے۔“

یہ سیدھی سی بات سن کر سعد نے کہا: انصفت ”تو نے بڑے انصاف کی بات کی ہے“ پھر اس نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا اور قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت کیں۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سورۃ الزخرف کی ابتدائی چند آیتیں اسے پڑھ کر سنائیں۔ یہ آیتیں سنتے ہی اس کی کایا پلٹ گئی اور اس کے چہرے پر اسلام کی چمک دکھائی دینے لگی اس سے پیشتر کہ وہ خود کوئی بات کرتا، ہم کو خود ہی اس بات کا اندازہ ہو گیا۔

پھر اس نے پوچھا کہ جب تم لوگ اسلام قبول کرنے لگتے ہو اور اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ پہلے غسل کرنا ہوگا تا کہ تمہارا جسم پاک ہو جائے پھر تمہیں پاک لباس زیب تن کرنا ہوگا پھر تمہیں کلمہ شہادت پڑھنا ہوگا پھر تمہیں دو رکعت نفل ادا کرنا ہوں گے۔ یہ سن کر وہ اٹھا اس نے غسل کیا، پاک لباس زیب تن کیا، کلمہ شہادت پڑھا، دو رکعت نماز نفل ادا کی پھر اپنا نیزہ پکڑا اور اپنی قوم کی مجلس کی طرف چل پڑا۔ اُسید بھی اس وقت اس کے ہمراہ تھے جب اس کی قوم نے انہیں آتے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ سعد اس چہرے کو لے کر واپس نہیں آ رہا جس کو لے کر وہ یہاں سے گیا تھا۔

جب وہ ان کے پاس پہنچا تو کھڑے کھڑے اس نے اپنی قوم سے دریافت کیا:

”اے عبدالاشہل کے خاندان والو! میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“

انہوں نے کہا:

”آپ ہمارے سردار ہیں، ہم سب سے آپ کی رائے افضل ہے اور تمہاری ذات بڑی بابرکت

ہے۔“ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۷۵)

سعد نے کہا کہ تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں کے ساتھ گفتگو کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔

شام تک بنی عبدالاشہل میں کوئی ایسا مرد اور عورت باقی نہ رہی تھی جس نے اسلام نہ قبول کر لیا ہو۔ حضرت

سعد اور مصعب بنی عمیرؓ نے ان دونوں یہاں سے اُٹھ کر حضرت اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر آ گئے اور لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دینے میں مشغول ہو گئے۔ ان کی کوششوں کے باعث سارے مدینہ میں انصار کا کوئی گھرا یا نہ رہا جس میں کسی مرد یا عورت نے کلمہ شہادت نہ پڑھ لیا ہو۔ اس نعمت سے چند وہ خاندان محروم رہے جو ابوقیس بن الاسلت کے عقیدت مند تھے۔ یہ ان کا قومی شاعر اور قائد تھا اس کی ہر بات وہ سنتے بھی تھے اور بجا بھی لاتے تھے۔ یہ لوگ اس کی وجہ سے کفر پر اڑے رہے یہاں تک کہ خندق کا معرکہ پیش آیا اس وقت ان کی آنکھوں سے تعصب کا حجاب دور ہوا اور اندھی تقلید کی پٹی کھلی اور انہیں اسلام قبول کرنا نصیب ہوا۔

علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اس ابوالقیس کے حالات تفصیل سے رقم کیے ہیں کہ ابوقیس نے بت پرستی سے دل برداشتہ ہو کر زمانہ جاہلیت میں ہی رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ اس نے اونی لباس پہننا شروع کر دیا تھا جنابت سے غسل کیا کرتا، حائضہ عورتوں سے اجتناب کرتا۔ پہلے اس نے عیسائی بننے کا ارادہ کیا لیکن پھر رُک گیا اس نے ایک حجرہ میں رہائش اختیار کر لی تھی اور وہیں عبادت کیا کرتا اس حجرے میں کسی حائضہ عورت کو اور کسی جنبی کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ وہ کہتا کہ میں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی عبادت کیا کروں گا جب سرکارِ دو عالم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو اس نے پیرانہ سالی میں اسلام قبول کر لیا اور اس کے احکام پر حسن و خوبی سے عمل پیرا رہا۔

”کہ وہ بڑا حق گو تھا زمانہ جاہلیت میں بھی اللہ تبارک تعالیٰ کی تعظیم بجالاتا تھا اور اس موضوع پر اس نے بڑے اچھے شعر لکھے ہیں۔“ (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۹۰۹)

دوسرا شخص جس نے اپنی قوم کے ساتھ اسلام قبول نہ کیا، وہ اصیم بن عمرو بن ثابت بن وئش تھا، یہ اپنے آبائی عقیدہ پر جما رہا یہاں تک کہ میدانِ احد میں لشکرِ اسلام اور کفارِ مکہ کے درمیان جنگ شروع ہوئی اس وقت اللہ تبارک تعالیٰ نے اس پر اسلام کی صداقت آشکارا کر دی اور یہ مسلمان ہو گیا اور اسی وقت شمشیر بدست میدانِ کارِ زار میں کود پڑا اور شدید زخمی ہو گیا۔ جنگ کے اختتام پر بنی عبدالاشہل کے چند آدمی اپنے زخموں کی تلاش میں میدانِ احد میں پھر رہے تھے کہ انہیں اصیم زخموں سے چوڑل گیا اس پر نزع کا عالم تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم یہاں کیسے آئے ہو؟

”کیا اپنی قوم سے ہمدردی کا جذبہ تمہیں یہاں لے آیا ہے یا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے کہ تب یہاں جنگ میں شریک ہوئے ہو؟“

اس نے جواب دیا:

”میں محض اسلام کی خاطر یہاں آیا ہوں میں نے اسلام قبول کیا اور اسی لیے جنگ کی اور میری یہ حالت ہوئی جو تم دیکھ رہے ہو۔ وہ لوگ ابھی یہیں کھڑے تھے کہ اس نے جان دے دی۔ اس کے

بارے میں بارگاہ رسالت مآب میں عرض کیا گیا، حضور پر نور نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا،
بے شک وہ اہل جنت میں سے ہے۔“

انہیں کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ وہ جنتی ہے کہ جس نے ایک نماز بھی ادا نہیں کی کیونکہ مسلمان ہونے کے بعد تلوار ہاتھ میں لی اور فوراً جنگِ احد میں شریک ہو گئے، دادِ شجاعت دیتے ہوئے شدید زخمی ہوئے اور وہیں اپنی جان، جانِ آفرین کے حوالے کر دی۔ (اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۹۱۹۰)

مبلغِ اسلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ایک سال کے قلیل عرصے میں حضورِ انور نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ کے منتخب کردہ شہرِ یثرب میں تبلیغِ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کی فکری تربیت کا اہم فریضہ بھی احسن طریقے سے سرانجام دیا اور انہیں مستقبلِ قریب میں اللہ کی راہ میں بے مثال جانی و مالی قربانیاں پیش کرنے کے لیے ذہنی اور فکری طور پر تیار کیا۔ یہ انہی کی جہدِ مسلسل کا ثمرہ تھا کہ خزر ج اور اوس کے مسلمان بیعتِ عقبہ ثانیہ کے لیے مکہ مکرمہ آنے سے قبل یثرب میں باہمی مشاورت سے یہ طے کر کے چلے تھے کہ واپسی پر وہ تاجدارِ کائنات ﷺ کو اپنے ہمراہ لانے کی سعادت حاصل کریں گے۔

ایک سال کے اندر اندر اسلام کے دائرے میں نئے نئے داخل ہونے والے انصاریوں کی یہ قوتِ ایمانی اور ان کی ذہنی اور فکری پختگی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے دانش مندانہ طرزِ عمل کی بدولت تھی۔ یثرب میں مرحلہ دعوت کے باب میں قابلِ قدر پیش رفت ہو چکی تھی، ایمان کی روشنی بدستور دلوں پر دستک دے رہی تھی، باطل کے قفل ٹوٹ رہے تھے اور عقائدِ باطلہ کا زنگ تیزی سے اتر رہا تھا۔



بیعتِ عقبہ ثانیہ

گزشتہ سال بنو خزرج کے بارہ (۱۲) آدمی بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کا شرف حاصل کر کے اور بیعت کی سعادت حاصل کر کے اپنے وطن لوٹے تو حضور پر نور ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ روانہ کیا تاکہ وہاں کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں اور جو لوگ اسلام قبول کر لیں انہیں قرآنِ کریم پڑھائیں ان میں اسلام کا صحیح فہم اور ادراک پیدا کریں۔ یہ بارہ (۱۲) افراد جب یثرب پہنچے تو بڑے مخلص اور پرجوش مبلغین کی طرح انہوں نے دعوتِ تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی موجودگی اور سرپرستی نے سونے پر سہاگے کا کام دیا ابھی آپ نے پڑھا ہے کہ ان کی تبلیغ کا انداز اتنا اثر انگیز اور دل نشین تھا کہ یثرب کے دو بڑے سردار اُسید بن حضیر اور سعد بن معاذ حلقہ بگوش اسلام بن گئے اور قلیل عرصے میں یثرب کی کایا پلٹ گئی۔

اب اس شہر میں کوئی محلّہ کوئی گلی کوئی علاقہ ایسا نہ رہا جہاں اسلام نے کسی مرد یا کسی عورت کے دل میں عرفانِ الہی کا چراغ روشن نہ کر دیا ہو۔ اس ایک سال کے عرصے میں سینکڑوں افراد نے جن میں قبائل کے رؤسا بھی تھے اس دینِ حق کو قبول کر لیا۔ ہر گھر میں ہر محفل میں ہمہ وقت محبوب رب العالمین پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کا ذکر خیر یہاں کی پر نور فضاؤں میں گونجتا رہتا۔

سیرتِ نبوی ابن کثیر میں ہے کہ انصار کے گھروں میں سے ایک گھر بھی ایسا نہیں رہا کہ جس میں اسلام کی اشاعت کرنے والی جماعت نہ ہو۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۵)

اب یثرب کے مسلمانوں کو مکہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کی فکر دامن گیر رہنے لگی۔ وہ جانتے تھے کہ مکہ میں مسلمان ابتلاء و آزمائش کے کن کن مراحل سے گزر رہے تھے۔ انہیں مشرکین مکہ کی ان سازشوں کا بھی علم تھا جو وہ تحریکِ دین اسلام کے خلاف کر رہے تھے اس صورتِ حال کے حوالے سے وہ اکثر آپس میں صلاح و مشورہ کرتے رہتے تھے۔

یثرب کے مسلمانوں کو بھی ان آلام و مصائب کا علم ہو گیا جن سے ان کا ہادی و مرشد رسولِ بحر و بر ہادی

انس و جاں ﷺ دو چار تھا۔ انہوں نے ظلم و ستم کی وہ لرزہ خیز داستانیں بھی سن لی تھیں جن سے مکہ میں ان کے دینی بھائیوں کا واسطہ پڑتا تھا۔ انہوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ اپنے محبوب آقا ﷺ کو یہاں یثرب میں بلائیں گے۔ اہل مکہ نے ان کی راہ میں جو کانٹے بچھائے ہیں انہیں وہ اپنی آنکھوں کی پلکوں سے چُن لیں گے اور ان کے بجائے اپنے راہبر کے قدموں کے نیچے محبت و عقیدت کے پھول بچھائیں گے۔

وہ زندہ بھی ہوں اور ان کے دینی بھائیوں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے جا رہے ہوں، یہ بات ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ انہوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ ہمارا جو وفد موسمِ حج میں مکہ جائے گا، وہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پر زور التماس کرے گا کہ حضور پر نور ﷺ ان کی بستی کو اپنے قدم مبارک و مقدس سے ضرور سرفراز فرمائیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے دس سال تو اس طرح گزارے کہ جب حج کا موسم آتا (حج کے دن آتے) اور متعدد قبائل فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مکہ آتے اور اپنی رہائش کے لیے الگ الگ خیمے نصب کر کے وہاں اقامت پذیر ہوتے تو نبی کریم ﷺ رؤف و رحیم ﷺ ہر قبیلہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے۔ مجنہ عکاظ اور منیٰ کے کوچہ و بازار بھی اس حقیقت کے شاہد ہیں لیکن کسی کو یہ دعوت قبول کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ قبیلہ مضر کے لوگ اور یمن کے باشندے جب حج کے ارادے سے اپنے گھروں سے روانہ ہوتے تو ان کے بڑے بوڑھے ان کو یہ نصیحت کرتے کہ مکہ میں ایک قریشی نوجوان ہے، وہ بڑا فتنہ باز ہے اس سے ہوشیار رہنا، نہ اس کے قریب جانا اور نہ اس کی بات سننا ورنہ وہ تمہیں اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ کر دے گا۔ لیکن رحمتِ حکمتِ شان و رحمت رب العالمین کہ اس ذاتِ پاک نے ہم اہل یثرب کو اس نبی اور اس کے دین کی مدد کرنے کے لیے آمادہ کر دیا۔

”ہم مشورہ کے لیے اکٹھے ہوئے اور ہم نے کہا ہم کب تک اللہ کے پیارے رسول ﷺ کو مکہ کے پہاڑوں میں لرزاں و ترساں حالت میں گھومتے ہوئے دیکھتے رہیں گے اور کوئی قدم نہ اٹھائیں گے۔ چنانچہ اس سال ہم میں سے ستر (۷۰) آدمی مکہ روانہ ہوئے اور حضور پر نور نبی کریم ﷺ رؤف و رحیم ﷺ کی خدمت میں شرفِ باریابی حاصل کیا۔“

(سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۷۷ دیگر کتب سیرت)

چنانچہ جب حج کا موسم قریب آ گیا تو حاجیوں کا ایک قافلہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔ اس میں ستر (۷۰) انصار تھے جو مسلمان ہو چکے تھے ان کے علاوہ یثرب کے کئی مشرک بھی اس قافلے میں شامل تھے۔ مسلمانوں کی اس جماعت نے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم ﷺ رؤف و

رحیم ﷺ سے ملاقات کی۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے نتائج کی رپورٹ پیش کی اور جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان کے نام گنوائے تبلیغی میدان میں ان کی شان دار کامیابیوں کے بارے میں سن کر حضور پر نور ﷺ کو انتہائی مسرت ہوئی۔ (السیرۃ الحلبیہ، امام محمد ابوزہرہ جلد ۱ صفحہ ۴۰۸)

سیرت الحلبیہ از برہان الدین حلبی جلد ۲ صفحہ ۱۴ پر اس کو یوں بیان کیا گیا ہے:

”ساری صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد انصار اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ وہ اس سال حج سے واپسی پر پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ یثرب لے آئیں گے تاکہ مصائب و آلام کے اس طویل دور کا خاتمہ ہو اور کھلی فضا میں ایک ضابطہٴ حیات کے طور پر اسلام کا نفاذ عمل میں آ سکے۔ اسی سال یثرب سے حج پر آنے والے افراد کی تعداد پانچ سو کے قریب تھی جن میں مسلمان پچتر (۷۵) تھے جن میں تہتر (۷۳) مرد اور دو (۲) عورتیں تھیں اس گروہ انصار میں سے چند افراد نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت حضور پر نور رہبر کائنات خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا و مولا ﷺ کو یثرب کی تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ دعوتِ حق کا کام کس مرحلے میں داخل ہو چکا ہے اور عوامی سطح پر اس کی پذیرائی کا عالم کیا ہے۔“

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کو مسلمان ہونے والے افراد کی خبر دی جس پر حضور اکرم ﷺ خوش ہوئے۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴)

تاجدارِ کائنات حضور پر نور رحمتِ دو عالم ﷺ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی کارکردگی پر بہت خوش ہوئے اور بیعت کے لیے تنہائی رات گزرنے کے بعد انتہائی رازداری کے ساتھ حاضر ہونے کا حکم دیا۔ مشرکین مکہ سے مداخلت کے شدید خطرہ کے پیش نظر حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے اراکین وفد کو کمال احتیاط کا حکم دیا۔

آپ نے انہیں حکم فرمایا کہ (رات کو آتے وقت) سونے والوں کو جگایا نہ جائے اور جو غیر موجود ہوں ان کا انتظار نہ کیا جائے۔ (بل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۱۷۹)

اس مجلس میں طے یہ ہوا کہ عقبہ کی وادی میں ایامِ تشریق کی فلاں رات کو پھر ملاقات ہوگی۔ تنہائی میں بیٹھ کر یک سوئی کے ساتھ سارے معاملات کے بارے میں فیصلے کیے جائیں گے۔ حضور پر نور ﷺ ان ملاقاتوں کو خفیہ رکھنا چاہتے تھے مبادا مشرکین کو پتہ چل جائے تو وہ ان اجتماعات کو ناکام بنانے کے لیے ہلہ بول دیں اور یہ ساری کوشش ہنگاموں کی نذر ہو جائے۔ نیز یثرب سے جو مشرک قافلہ میں ساتھ آئے تھے مصلحت اس میں تھی کہ ان سے بھی ان امور کو مخفی رکھا جائے۔

حضرت ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو مشرک ہمارے ساتھ مکہ آئے تھے ان میں ایک عبداللہ بن عمرو

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۶۸۱) جلد دوم

بن حرام بھی تھا جو ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار تھا۔ ہم نے اس کو اپنے اعتماد میں لینے کے لیے کہا اے عبداللہ! تو ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہے اور ہمارے شہر کے شرفاء میں سے ایک شریف آدمی ہے ہمیں یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ تم کفر پر مرو اور کل روز حشر دوزخ کا ایندھن بنو۔ پھر ہم نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اسے بتایا کہ آج رات ہم عقبہ کے مقام پر حضورِ انورؐ نبی کریمؐ رؤف و رحیم ﷺ سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ چنانچہ وہ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے اور رات کو ہمارے ساتھ عقبہ کی بیعت میں شرکت کی اور بارہ (۱۲) نقیبوں میں سے ایک نقیب انہیں نامزد فرمایا گیا۔ (عیوان الاثر جلد ۱ صفحہ ۱۶۳)

جب ملاقات کے لیے مقررہ رات آئی تو انصار سرشام اپنے بستر پر لیٹ گئے اپنے ساتھیوں اور آس پاس کے لوگوں کو یہ تاثر دینے کے لیے کہ دن بھر کے تھکے ماندے یہ لوگ اب سو گئے ہیں، کہیں صبح ہی ان کی آنکھ کھلے گی۔ جب رات کا تیسرا حصہ گزر گیا دوسرے لوگ سو گئے ہر طرف سناٹا چھا گیا، انصار مدینہ بڑی رازداری سے بستر سے کھسک کھسک کر نکلتے تاکہ ان کے پاؤں کی آہٹ بھی کسی کو سنائی نہ دے اور ایک ایک دو دو کر کے مقررہ مقام کی طرف جانے لگے۔

دلائل النبوة میں ہے کہ تنہائی رات گزرنے کے بعد یثرب سے آنے والے افراد انتہائی رازداری اور خاموشی سے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہونے لگے۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا۔

تم میں سے جس کو بولنا ہو مختصر بولے اور بات کو طول نہ دے کیونکہ مشرکین کے جاسوس تمہاری کھوج میں ہیں اگر انہوں نے تمہاری بابت جان لیا تو تمہیں ایذا دیں گے۔ (دلائل النبوة جلد ۲ صفحہ ۴۵۰)

انصار اپنے آقا و مولا کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھے اسلام کے نور سے ان کے سینے منور ہو رہے تھے۔ حضور پر نور ﷺ کو اپنے ہمراہ لے کر جانے کی آرزو ان کے سینوں میں چل رہی تھی وہ ادب و احترام کی تمام تر کیفیتوں میں ڈوب کر کہنے لگے یا رسول اللہ! ﷺ ہم کن امور پر آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کریں؟ ہادی انس و جاں حضور انورؐ تاجدار کائناتؐ رسول بحر و بر رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا:

اس بات پر میری بیعت کرو کہ میری بات سنو گے اور بجالاؤ گے خوش دلی کی حالت میں بھی اور افسردگی کی حالت میں بھی۔ اور خرچ کرو گے حالت تنگ دستی میں بھی اور حالت غنا میں بھی۔ اور یہ کہ نیکی کا حکم دو گے اور بُرائی سے روکو گے۔ اللہ کی خاطر کلام کرو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرو گے۔ نیز اس بات پر کہ جب میں تمہارے پاس یثرب آؤں تو تم میری مدد کرو گے جس سے تم اپنا اپنی عورتوں کا اور بچوں کا دفاع کرتے ہو اگر تم نے یہ بات نبھائی تو اجر میں تمہیں جنت ملے گی۔ (دلائل النبوة جلد ۲ صفحہ ۴۴۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب بیعت کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اتنے میں

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ جو میرے علاوہ تمام قافلہ والوں سے کم سن تھے انہوں نے حضور پر نورؐ نبی کریمؐ روف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام لیا اور ہمیں کہنے لگے:

”اے اہلِ یثرب! بیعت کرنے میں جلدی نہ کرو پہلے میری بات سنو۔ ہم نے اپنی سواریوں کے کلیجوں کو اس لیے درماندہ کیا ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ حضور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آج تم انہیں نکال کر اپنے ساتھ لے جا رہے ہو (جانتے ہو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا) سارے اہلِ عرب سے تمہارا تعلق ٹوٹ جائے گا تمہارے سرداروں کو قتل کیا جائے گا اور تلواریں تمہارے جسموں کو چبا کر رکھ دیں گی۔ اگر تلواروں کے چبانے پر اگر اپنے سرداروں کے مقتول ہونے پر اور سارے اہلِ عرب کے بایکاٹ کر دینے پر تم صبر کرنے کی ہمت رکھتے ہو تو بے شک ان کو اپنے ساتھ لے جاؤ اس کی جزائے خیر اللہ تبارک تعالیٰ تمہیں ضرور دے گا۔ اور اگر تمہیں اپنی جانوں کی ہلاکت کا خوف ہے تو پھر انہیں یہیں رہنے دو آج تمہارا ان سے الگ ہو جانا بہتر ہے اور تمہارا یہ عذر اللہ تبارک تعالیٰ کی جناب میں قابلِ قبول ہوگا۔“ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۱۹۵، سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۷۷)

ان کے دوسرے ساتھیوں کو اس بے ضرورت نصیحت سے بڑی کوفت ہوئی انہوں نے جھنجھلا کر کہا: اسعد اس وعظ کو رہنے دو ہم یہ بیعت ضرور کریں گے اور جو معاہدہ ہم کر رہے ہیں اس کو کسی قیمت پر نہیں توڑیں گے۔

چنانچہ سب نے ایک ایک کر کے پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس بیعت کا منظر بایں الفاظ بیان فرمایا۔

”حضور ہم نے اپنی شرائط کے مطابق بیعت لیتے جاتے تھے اور ہمیں جنت عطا فرماتے جاتے تھے۔“ (رواہ امام احمد، البیہقی، سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۷۸)

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس رات بیعت کرنے والوں کی تعداد تہتر (۷۳) تھی اور ان تہتر (۷۳) مردوں کے علاوہ دو (۲) خواتین بھی تھیں جنہیں یہ شرف نصیب ہوا۔ ایک کا نام اُمّ عمارہ نسیمہ بنت کعب تھا جو قبیلہ بنی مازن بن نجار سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری کا نام اسماء بنت عمرو بن عدی تھا یہ بنی سلمہ کے خاندان سے تھی۔ (السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۹، ۲۱۲)

سعادت مندوں کے اسمائے مبارک

قارئینِ کرام!

درج ذیل بیعت عقبہ ثانی میں شامل مقدس و معزز حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے مبارک مترجم سیرت النبی ابن ہشام جلد ۱ باب ۶۹ صفحات ۵۰۴ تا ۵۱۲ سے لئے گئے ہیں اور اسی ترتیب سے

لیکن بہتر انداز میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔

ابن اسحاق نے ان خوش نصیب انصاریوں کے اسمائے گرامی دیئے ہیں، علامہ ابن کثیر نے بھی السیرۃ النبویہ میں تمام انصاریوں کے نام درج کیے ہیں جنہوں نے اس تاریخی موقع پر حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رؤف ورحیم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ بیعت کرنے والوں میں اوس کے گیارہ (۱۱) افراد تھے جب کہ خزرج سے باسٹھ (۶۲) خوش بخت شریک ہوئے۔ (سیرت ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۹)

اوس بن حارثہ اور بنی عبدالاشہل

ابن اسحاق نے کہا، یہ نام ہیں ان لوگوں کے جو اوس و خزرج میں سے مقام عقبہ میں حاضر ہوئے تھے اور وہاں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی، یہ تہتر (۷۳) مرد تھے اور دو عورتیں۔

اوس بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر کی شاخ بنی عبدالاشہل بن جشم بن الحارث بن الخزرج بن عمرو بن عامر بن الاوس میں سے تین شخص:

۱- اسید بن حفیر جو منتخب سردار تھے، یہ جنگِ بدر میں موجود تھے۔

۲- سلمہ بن سلامہ یہ بدر میں موجود تھے اور

۳- ابوالہشیم بن التیہان جن کا نام مالک تھا، یہ بھی بدر میں موجود تھے۔

بنی حارثہ بن الحارث

ابن اسحاق نے کہا، بنی حارثہ بن الخزرج بن عمرو بن مالک بن الاوس میں سے تین آدمی

۴- ظہیر بن رافع بن عدی (بن زید بن جشم بن حارثہ)

۵- ابو بردہ بن نیار جن کا نام ہائی بن نیار (بن عمرو بن عبید بن عمرو ابن کلاب بن دھبان بن غنم بن ذبیان بن ہمیم بن کامل بن ذہل بن ہنی بن بلی بن عمرو بن انصاف بن قضاہ) جوان کے حلیف اور بدر میں حاضر تھے۔

۶- نہر بن الہشیم جو بنی نابی بن مجدعہ (بن حارثہ بن الحارث ابن الخزرج بن عمرو بن مالک ابن اوس کی شاخ آل السواف بن قیس بن عامر بن مجدعہ بن حارثہ) میں سے تھے۔

بنی عمرو بن عوف

بنی عمرو بن عوف بن مالک بن الاوس میں سے پانچ شخص:

۷- سعد ابن خیشمہ جو منتخب سردار اور بدر میں موجود تھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔

ابن ہشام نے کہا ابن اسحاق نے انہیں بنی عمرو بن عوف کی جانب منسوب کیا ہے حالانکہ یہ بنی غنم بن

اسلم میں سے تھے کیونکہ بعض اوقات کوئی شخص کسی قوم میں متبہی ہوتا ہے تو وہ انہیں میں رہتا تھا اور انہیں کی جانب منسوب ہوتا تھا۔

ابن اسحاق نے کہا:

۸- رفاعۃ بن عبدالمعز (بن زہیر بن زید بن اُمیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو) جو منتخب سردار اور بدر میں موجود تھے اور احد کے روز شہید ہوئے۔

۹- عبد اللہ بن جبیر (بن النعمان بن اُمیہ بن البرک) اور

۱۰- برک کا نام امر القیس تھا (ابن ثعلبہ بن عمرو بن عوف بن مالک بن الاوس) بدر میں موجود تھے اور احد میں شہید ہوئے جب رسول اللہ ﷺ کی جانب سے تیر اندازی کرنے والوں پر امیر تھے۔
ابن ہشام کے قول کے موافق بعض نے اُمیہ بن البرک کہا ہے۔

ابن اسحاق نے کہا اور

۱۱- معن بن عدی (بن الجعد بن العجلان بن حارثہ بن صبیعتہ) جو ان کے حلیف بنی بلی میں سے تھے بدر احد خندق اور رسول اللہ ﷺ کے تمام مشاہد میں حاضر رہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

خزرج بن الحارثہ

خزرج بن الحارثہ (بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر) کی شاخ بنی التجار میں سے جس کا نام تیم اللہ بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج تھا چھ (۶) شخص

۱۲- ابویوب خالد بن زید ابن کلیب بن ثعلبہ بن عبد عوف بن غنم بن مالک بن التجار) جو بدر احد خندق اور تمام مشاہد میں موجود رہے اور عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں سرزمین روم کے اندر بحالت غازی انتقال کیا۔

۱۳- معاذ بن الحارث (بن رفاعۃ بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن التجار) بدر احد خندق اور تمام مشاہد میں حاضر رہے یہ عفراء کے بیٹے تھے۔

ان کے بھائی

۱۴- عوف بن الحارث بن الحارث بھی بدر میں موجود تھے اور اسی میں شہید ہوئے۔ یہ بھی عفراء کے فرزند تھے ان کے ایک اور بھائی

۱۵- معوذ بن الحارث تھے اور بدر میں موجود تھے اسی میں شہید بھی ہوئے۔ یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے ابو جہل بن ہشام بن المغیرہ کو قتل کیا یہ بھی عفراء کے ہی فرزند تھے۔

۱۶- عمارہ بن حزم (بن زید بن لوزان بن عمرو بن عبد عوف بن غنم بن مالک بن التجار) بدر احد خندق اور

تمام مشاہد میں موجود رہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جنگِ یمامیہ میں شہید ہوئے۔
۱۷- اسعد بن زرارہ جو منتخب سردار تھے بدر سے پہلے ہی جب رسول اللہ ﷺ کی مسجد تعمیر ہو رہی تھی، انتقال کیا، یہ ابوامامہ کے نام سے مشہور تھے۔

بنی عمرو بن مبذول

بنی عمرو بن مبذول بن عامر بن مالک بن النجار میں سے
۱۸- سہل بن عتیک بن عمرو جو بدر میں موجود تھے ایک ہی شخص

بنی عمرو بن مالک

اور بنی عمرو بن مالک بن النجار میں سے جو بنی حدیلہ کہلاتے ہیں، دو شخص حدیلہ مالک بن زید (مناۃ بن حبیب بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جسم بن الخزرج) کی بیٹی تھی۔

۱۹- اوس بن ثابت (بن المندر بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار) جو بدر میں موجود تھے۔

۲۰- ابو طلحہ جن کا نام زید بن سہل (بن الاسود بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار) تھا وہ بھی بدر میں تھے۔

بنی مازن بن النجار

بنی مازن بن النجار میں سے دو شخص

۲۱- قیس بن ابی صعصعہ (عمرو بن زید بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن) جو بدر میں بھی حاضر تھے اور رسول اللہ ﷺ نے اس روز انہیں لشکر کے پچھلے حصے پر مامور فرمایا تھا۔

۲۲- عمرو بن غزیہ (بن عمرو بن ثعلبہ بن عطیہ بن خنساء بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن) جملہ گیارہ (۱۱) آدمی بنی النجار کے عقبہ میں حاضر تھے۔

ابن ہشام نے کہا ہے عمرو بن غزیہ (بن عمرو بن ثعلبہ بن عطیہ بن خنساء) جس کا ذکر ابن اسحاق نے کیا ہے وہ عمرو بن غزیہ (بن عمرو بن عطیہ بن خنساء) ہے۔

بلحارث بن خزرج

ابن اسحاق نے کہا بلحارث بن الخزرج میں سے سات شخص

۲۳- سعد بن الربیع جو منتخب سردار اور حاضر بدر تھے احد میں شہید ہوئے۔

الحارث) بدر میں حاضر تھے اور احد میں شہید ہوئے۔

۲۵- عبداللہ بن رواحہ جو منتخب سردار تھے۔ بدرِ احد خندق اور رسول اللہ ﷺ کے تمام مشاہد میں (بجز فتح مکہ اور اس کے بعد کی جنگوں کے) موجود رہے (جنگ موتہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے امیر مقرر ہوئے تھے وہیں شہید ہوئے۔

۲۶- بشیر بن سعد (بن ثعلبہ بن جلاس بن زید بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج بن الحارث ابوالنعمان بن بشیر) بدر میں حاضر تھے۔

۲۷- عبداللہ بن زید (بن ثعلبہ بن عبد ربیعہ بن زید (مناة) بن الحارث بن الخزرج بدر میں موجود تھے۔ یہی صاحب ہیں جنہیں خواب میں اذان دینے کا طریقہ بتایا گیا تو رسول اللہ ﷺ سے یہ خواب بیان کیا آپ ﷺ نے اسی طرح اذان دینے کا حکم فرمایا۔

۲۸- خلاد بن سوید (بن ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ بن امرء القیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج) بدرِ احد اور خندق میں حاضر تھے بنی قریظہ کے روز شہید ہوئے بنی قریظہ کے قلعوں میں سے ایک قلعے پر ان سے چکی گرائی گئی جس سے سر پھٹ گیا۔ لوگ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ان له لاجر شهيدین۔“

(ان کے لیے دو شہیدوں کا اجر ہے)

۲۹- عقبہ بن عمرو (بن ثعلبہ بن اسیرۃ بن غسیرة بن جدارة بن عوف بن الحارث بن الخزرج) جن کی کنیت ابو مسعود تھی یہ حاضرین عقبہ میں سب سے کم عمر تھے بدر میں حاضر نہ تھے۔ (عہد معاویہ میں وفات پائی) بنی بیاضہ بن عامر

بنی بیاضہ بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ میں سے تین شخص

۳۰- زیاد بن لبید (بن ثعلبہ بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ) بدر میں بھی موجود تھے۔

۳۱- فردہ بن عمرو (بن ذوقہ بن عبید بن عامر بن بیاضہ) بدر میں بھی حاضر تھے بعض نے دفنہ کہا ہے۔

ابن اسحاق نے کہا:

۳۲- خالد بن قیس بن مالک بن العجلان بن عامر بن بیاضہ بدر میں بھی تھے۔

بنی عامر بن زریق

بنی زریق کی شاخ عامر بن زریق (بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جثم بن الخزرج) میں سے چار

شخص

۳۴- ذکوان بن عبد قیس (بن خلدۃ بن عامر بن زریق) یہ صاحب (مدینہ سے) رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے گئے تھے اور مکہ میں آپ ﷺ ہی کے ساتھ رہا کرتے تھے اسی لیے انہیں مہاجر انصاری کہا جاتا تھا۔ بدر میں موجود رہے اور احد میں شہید ہوئے۔

۳۵- عبادۃ بن قیس (بن عامر بن خلدۃ بن مخلد بن عامر بن زریق) نے بدر میں حاضری دی۔

۳۶- الحارث بن قیس (بن خالد بن عامر بن زریق) بدر میں بھی حاضر رہے۔

بنی سلمہ بن سعد

بنی سلمہ بن سعد (بن علی بن اسد بن سارودۃ بن تزید بن جثم بن الخزرج) کی شاخ بنی عبید بن عدی (بن غنم بن کعب بن سلمہ) میں سے گیارہ (۱۱) آدمی

۳۷- البراء بن معرور بن صخر بن خضاء بن عبید، منتخب سردار جن کے متعلق بنی سلمہ کا دعویٰ ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی شرطیں قبول کیں اور منوائیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں تشریف لانے سے پہلے انتقال کر گئے۔

۳۸- ان کے فرزند بشر بن البراء بدر احد اور خندق میں حاضر رہے اور خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بکری کے زہر آلود گوشت کا ایک نوالہ کھانے کے سبب وہیں انتقال کر گئے جب رسول اللہ ﷺ نے بنی سلمہ سے دریافت فرمایا حسن میدان کم تم میں کاسردار کون ہے؟ تو انہوں نے عرض کی ہمارا سردار الجعد بن قیس ہے۔ اگرچہ وہ کنجوس ہے رسول اللہ ﷺ نے انہیں کے متعلق فرمایا تھا:

”کنجوس سے بڑھ کر کوئی بیماری ہے؟ بنی سلمہ کا سردار سفید گھونگھریا لے بالوں والا بشر بن البراء ہے۔“

۳۹- سنان بن صفی (بن صخر بن خضاء بن سنان بن عبید) بدر میں رہے اور خندق کے روز شہید ہوئے۔

۴۰- الطفیل بن النعمان (بن خضاء بن سنان بن عبید) بدر میں موجود تھے اور خندق کے روز شہید ہوئے۔

۴۱- معقل بن المندر (بن سرح بن عبید) بدر میں تھے ان کے بھائی

۴۲- یزید بن المندر بدر میں بھی تھے۔

۴۳- مسعود بن یزید (بن سمیع بن خضاء بن سنان بن عبید)

۴۴- الضحاک بن حارثہ (بن زید بن ثعلبہ بن عبید) بدر میں بھی رہے۔

۴۵- یزید بن خدام (بن سمیع بن خضاء بن سنان بن عبید)

۴۶- جباء بن صخر (بن اُمیہ بن خضاء بن سنان بن عبید) بدر میں بھی موجود تھے۔

ابن ہشام نے کہا، بعض جبار بن صخر بن اُمیہ بن خناس بھی کہتے ہیں۔

ابن اسحاق نے کہا:

۴۷- الطفیل بن مالک (بن خضاء بن سنان بن عبید) بدر میں بھی تھے۔

بنی سواد اور بنی غنم

اور بنی سواد بن غنم (بن کعب بن سلمہ) کی شاخ بنی کعب بن سواد میں سے۔

۴۸- کعب بن مالک (بن ابی کعب بن القین بن کعب) صرف ایک شخص بنی غنم بن سواد (بن غنم بن

کعب بن سلمہ) میں سے پانچ آدمی۔

۴۹- سلیم بن عمرو (بن حدیدۃ بن عمرو بن غنم) بدر میں بھی موجود تھے۔

۵۰- قطبہ بن عامر (بن حدیدۃ بن عمرو بن غنم) بدر میں بھی موجود تھے ان کے بھائی۔

۵۱- یزید بن عامر (بن حدیدۃ بن عمرو بن غنم) جن کی کنیت ابوالمہذرتھی بدر میں بھی حاضر تھے۔

۵۲- ابوالیسر جن کا نام کعب بن عمرو (بن عباد بن عمرو بن غنم) تھا بدر میں بھی تھے۔

۵۳- صفی بن سواد بن عباد (بن عمرو بن غنم)

ابن ہشام نے کہا، صفی بن سواد (بن عباد بن عمرو بن سواد) کے غنم نامی کوئی بیٹا نہ تھا۔

بنی نابی

ابن اسحاق نے کہا، بنی نابی بن عمرو (بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ) میں سے پانچ (۵) آدمی

۵۴- ثعلبہ بن غنمۃ (بن عدی بن نابی) بدر میں موجود تھے اور خندق میں شہید ہوئے۔

۵۵- عمرو بن غنمۃ (بن عدی بن نابی)

۵۶- عبس بن عامر (بن عدی بن نابی) بدر میں موجود تھے ان کے حلیف

۵۷- عبداللہ بن انیس جو قضاۃ میں سے تھے۔

۵۸- خالد بن عمرو (بن عدی بن نابی)

بنی حرام بن کعب

بنی حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے سات آدمی۔

۵۹- عبداللہ بن عمرو (بن حرام بن ثعلبہ بن حرام) سردار منتخب بدر میں موجود تھے اور احد کے روز شہید

ہوئے۔ ان کے فرزند

۶۰- جابر بن عبداللہ

۶۱- معاذ بن عمرو (بن الجموح بن زید بن حرام) بدر میں بھی موجود تھے۔

۶۲- ثابت بن الجذع اور جذع کا نام ثعلبہ بن زید (بن الحارث بن حرام) طائف میں شہید ہوئے۔
 ۶۳- عمیر بن الحارث (بن ثعلبہ بن الحارث بن حرام) بدر میں بھی موجود تھے۔ ابن ہشام نے کہا، عمیر بن الحارث (بن لیدۃ بن ثعلبہ)
 ابن اسحاق نے کہا، ان کے حلیف

۶۴- خدیج بن سلامۃ (بن اوس بن عمرو بن الفراض) جو قبیلہ بلی میں سے تھے۔

۶۵- معاذ بن جبل (بن عمرو بن اوس بن اوس بن عاذ بن عدی بن کعب بن عمرو بن اذن بن سعد بن علی بن اسد بن سارۃ بن تزیید بن جثم بن الخزرج) جو بنی سلمہ میں رہا کرتے تھے بدر اور تمام مشاہد میں حاضر رہے۔
 عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جس سال شام کے اندر طاعون پھیلا اسی سال مقام عمواس میں (ان کا) انتقال ہوا۔ بنی سلمہ نے انہیں اپنا متبنی کر لیا تھا۔ یہ سہل بن محمد (بن الجذع بن قیس بن ضحیر بن خنساء ابن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ) کے مادر بنی بھائی تھے۔
 ابن ہشام نے کہا، اوس بن عباد (بن عدی بن کعب بن عمرو ادی بن سعد)

عوف بن خزرج

ابن اسحاق نے کہا، بنی عوف بن الخزرج کی شاخ بنی سالم بن عوف (بن عمرو بن عوف بن الخزرج) میں سے چار آدمی

۶۶- عبادہ بن الصامت (بن قیس بن اصرام بن فہر بن غنم بن سالم بن عوف، سردار منتخب بدر اور تمام مشاہد میں حاضر رہے۔

ابن ہشام نے کہا، غنم بن عوف کو ان کا جد امجد قرار دیا ہے جو سالم بن عوف (بن عمرو بن عوف بن الخزرج) کا بھائی تھا۔

ابن اسحاق نے کہا

۶۷- عباس بن عبادۃ (بن نضلة بن مالک بن العجلان بن زید بن غنم بن سالم بن عوف) یہ ان لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے قیام مکہ کے زمانے میں آپ کے پاس چلے گئے اور وہاں آپ کے ساتھ مقیم ہو گئے تھے اسی لیے انہیں مہاجر انصاری کہتے تھے۔ احد کے روز شہید ہوئے، ان کے حلیف

۶۸- ابو عبد الرحمن یزید بن ثعلبہ (بن خزیمہ بن اصرم بن عمرو بن عمارہ) جو بنی عیینہ کی شاخ بلی میں سے تھے۔

۶۹- عمرو بن الحارث (بن لبده بن عمرو بن ثعلبہ) جو قواقل کہلاتے تھے بنی سلیم بن غنم (بن عوف بن الخزرج) میں سے تھے جو بنی الحبلی کہلاتے تھے، ۴۰۲ھ۔

بنی سلیم بن غنم

ابن ہشام نے کہا، الحبلی کا نام سالم بن غنم بن عوف تھا۔ (نہ کہ سلیم بن غنم بن عوف) چونکہ ان کا پیٹ بڑا تھا، اس لیے الحبلی مشہور ہو گئے۔

ابن اسحاق نے کہا

۷۰۔ رفاعہ بن عمرو بن زید (بن عمرو بن ثعلبہ بن مالک بن سالم بن غنم) بدر میں بھی حاضر تھے اور ان کی کنیت ابو الولید تھی۔

ابن ہشام نے کہا، بعض رفاعہ بن مالک کہتے ہیں اور مالک۔ الولید بن عبداللہ (بن مالک بن ثعلبہ بن جثم بن مالک بن سالم) کا بیٹا تھا۔

ابن اسحاق نے کہا ان کے حلیف

۷۱۔ عقبہ بن وہب (بن کلدہ بن الجعد بن بلال بن الحارث بن عمرو بن عدی بن جثم بن عوف بن ہشام بن عبداللہ بن غطفان بن سعد بن قیس بن عیلان) بدر میں موجود تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو مدینہ سے ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ چلے گئے تھے اس لیے مہاجر انصاری کہلاتے تھے۔

بنی ساعدہ بن کعب

ابن اسحاق نے کہا، بنی ساعدہ بن کعب بن الخزرج میں سے دو ہی شخص تھے۔ پہلے:-

۷۲۔ سعد بن عبادہ (بن ولیم بن حارثہ بن ابی خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن الخزرج بن ساعدہ) جو سردار منتخب تھے۔ دوسرے:-

۷۳۔ منذر بن عمرو (بن حبس بن حارثہ بن لؤذان بن عبدود بن زید بن ثعلبہ بن الخزرج بن ساعدہ) سردار منتخب بدر واحد میں حاضر رہے۔ بیڑ معونہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے انہیں امیر مقرر فرمایا تھا اسی امارت کی حالت میں شہید ہوئے اور یہ اعتق للموت کہلاتے تھے یعنی موت کی جانب تیز چال سے جانے والے۔ غرض جملہ اشخاص جو بیعتہ العقبہ میں اوس و خزرج میں سے حاضر تھے، بہتر (۷۳) مرد تھے، دو (۲) عورتیں بھی تھیں جن کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ دونوں نے بیعت کی۔ رسول اللہ ﷺ (بیعت میں) عورتوں سے ہاتھ نہیں ملایا کرتے تھے، صرف ان سے اقرار لے لیتے تھے جب وہ اقرار کر لیتیں تو آپ ﷺ فرماتے: ”جاؤ! میں نے تم سے بیعت لے لی۔“

یہ دو عورتیں

بنی مازن بن نجار میں سے تھیں، پہلی عورت

۷۴- نسیبہ بنت کعب (بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن) جن کی کنیت اُمّ عمارہ تھی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ میں بھی حاضر ہوئیں ان کے ساتھ ان کی بہن ان کے شوہر زید بن عاصم بن کعب اور ان کے دونوں بیٹے حبیب بن زید عبد اللہ بن زید بھی حاضر رہے۔ حبیب کو یمامہ والے مسیلمہ کذاب حنفی نے گرفتار کر لیا تھا، حالانکہ وہ وہاں بطور سفیر گئے تھے۔ وہ ان سے کہتا تھا، کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کا رسول ہے؟ یہ کہتے ہاں پھر وہ کہتا، کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو یہ کہتے میں نہیں سنتا۔ وہ ان کا ایک ایک عضو کاٹتا جاتا یہاں تک کہ اسی کے ہاتھوں ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ ان الفاظ سے کچھ زیادہ نہ کہتے تھے جب رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کیا جاتا تو ایمان کا اظہار کرتے اور آپ ﷺ پر درود پڑھتے۔ جب مسیلمہ کا ذکر آتا تو کہتے میں نہیں سنتا۔ غرض نسیبہ مسلمانوں کے ساتھ یمامہ کی طرف نکلیں اور بذاتِ خود جنگ میں شریک ہوئیں یہاں تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مسیلمہ کو قتل کر دیا، وہ اس حالت میں وہاں سے واپس ہوئیں کہ تلواروں اور برچھوں کے بارہ (۱۲) زخم انہیں لگے تھے۔

ابن اسحاق نے کہا اس حدیث کی روایت مجھے نسیبہ ہی سے محمد بن یحییٰ بن حبان نے عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ابی صعصعہ کی وساطت سے سنائی۔

بنی سلمہ میں سے دوسری عورت

۷۵- اُمّ منیع اسماء بنت عمرو (بن عدی بن نابی بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ) تھیں۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ یثرب کے اراکین حضور پر نور ﷺ کے مقرر کردہ مقام پر جمع ہو کر حضور انور ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگے۔ آقائے دو جہاں ﷺ تشریف لائے تو ان کے ہمراہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اپنے آقا (ﷺ) کے ہمراہ تشریف لائے۔ معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو راستے کے دہانے پر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شعب کی نگرانی پر مامور کیا تا کہ کفار و مشرکین مکہ کی حرکات و سکنات پر نظر رکھی جاسکے اور انہیں بیعت کے دوران بھگدڑ مچانے اور محفل کو ترتر کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ جب تمام شرکائے مجلس اطمینان سے بیٹھ گئے تو گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، لوگو! تم بخوبی آگاہ ہو کہ حضور انور ﷺ ہم (بنی ہاشم) میں سے ہیں اور ہم نے انہیں ہر ممکن طریقے سے سہولت اور حفاظت میں رکھا ہے لیکن اب وہ ہر صورت تمہارے ہاں منتقل ہو جانے پر مصر ہیں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم حضور انور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ سے کیا جانے والا وعدہ پورا کرو گے اور ان کی حفاظت کی پوری ذمہ داری ائمۃ ہدیہ رضی اللہ عنہم کے اترے ہوئے ہاتھوں پر ہے۔

رضی اللہ عنہ نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

”اگر تم یہ محسوس کرتے ہو کہ تمہیں حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو دشمن کے حوالے کرنا اور ان کا ساتھ چھوڑ دینا پڑے گا تو ابھی چھوڑ دو کیونکہ وہ اپنی قوم میں مضبوط حیثیت اور اپنے شہر میں محفوظ مقام رکھتے ہیں۔“ (السيرة النبوية ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۸۴)

علامہ برہان الدین حلبی نے اپنی سیرت الحلبیہ میں یہ روایت یوں تحریر کی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہمراہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی تھے لیکن جب اس وادی میں حضور پر نور نبی کریم ﷺ تشریف لے جانے لگے جہاں انصار سے ملاقات ہونی تھی تو ازراہ احتیاط حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس راستے کی نگرانی کے لیے ایک جگہ کھڑا کر دیا گیا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وادی کے دہانہ پر مقرر کیا گیا تاکہ وہ اس کی نگہبانی کریں۔

جب تمام لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مخاطب کرتے ہوئے کہا ”اے گروہ خزر ج! محمد ﷺ کا جو مقام ہماری نگاہوں میں ہے اس سے تم باخبر ہو اپنی قوم قریش کے ساتھ ہم عقیدہ ہوتے ہوئے بھی ہم نے قریش کے مقابلے میں آپ کا دفاع کیا ہے وہ اپنی قوم میں معزز ہیں اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔ انہوں نے اب یہ طے کر لیا ہے کہ مکہ چھوڑ کر تمہارے ہاں منتقل ہو جائیں اور تمہارے ساتھ رہائش پذیر ہوں گے۔“

اگر تم یہ دیکھتے ہو کہ جو معاہدہ تم نے ان سے کیا ہے اس کو ہر قیمت پر پورا کرو گے اور ان کے دشمنوں سے ان کا دفاع کرو گے تو تم جانو اور تمہارا کام لیکن اگر یہ تمہارا خیال ہے کہ کسی مرحلے پر بھی تم ان سے دست کش ہو جاؤ گے اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دو گے تو آج ہی ان سے دست بردار ہو جاؤ کیونکہ وہ اپنی قوم اور شہر میں معزز بھی ہیں اور محفوظ بھی۔“

انصار نے جواب دیا ”اے عباس! (رضی اللہ عنہ) جو آپ نے کہا ہم نے سن لیا یا رسول اللہ ﷺ اب آپ ﷺ ارشاد فرمائیے اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو شرائط آپ ﷺ پسند فرماتے ہیں وہ ہم سے منسوب ہیں ابھی تک حضور پر نور رسول کریم ﷺ دوسروں کی باتیں سنتے رہے تھے اب حضور پر نور نبی کریم ﷺ خود گویا ہوئے۔ پہلے آیات قرآنی کی تلاوت فرمائی پھر اللہ تبارک تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے احکام کی اطاعت کی ترغیب دی۔ پھر دین اسلام کی بنیادی تعلیمات پر روشنی ڈالی اور انہیں شوق دلایا کہ ان کو وہ دل سے تسلیم کر لیں پھر فرمایا:

”میں اپنے رب کے لیے تم سے یہ شرط منوانا چاہتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرو گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور اپنے لیے تم سے یہ شرط منوانا چاہتا ہوں کہ تم میرا ہر اس دشمن سے دفاع کرو گے جس سے تم

اپنی مستورات اور اولاد کا اور جانوں کا دفاع کرتے ہو۔“

اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھٹ عرض کی:

”اگر ہم ان شرطوں کو پورا کریں تو ہمیں کیا ملے گا؟“

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، تمہیں جنت ملے گی۔

وہ عرض کرنے لگے، یہ سودا بڑا نفع بخش ہے، نہ ہم خود اس کو توڑیں گے اور نہ کسی کو توڑنے دیں گے۔“ (السیرۃ الحلبیہ، امام ابوزہرہ جلد ۱ صفحہ ۴۱۰)

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کا دستِ مبارک پکڑ لیا اور عرض کی، ہاں! اس اللہ کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، ہم حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کا دفاع کریں گے ہر اس چیز سے جس سے ہم اپنی عورتوں کا دفاع کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ! ﷺ ہماری بیعت لیجئے، بخدا ہم جنگوں اور ہتھیاروں کی اولاد ہیں، ہمیں یہ خوبی اپنے بزرگوں سے نسلاً بعد نسل ملی ہے۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۸۴)

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ ابھی گزارش کر رہے تھے کہ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ بیچ میں بول اُٹھے:

”حضورِ پُر نور ﷺ ایک گزارش میری بھی سماعت فرمائیے۔ اے اللہ کے پیارے رسول! ﷺ ہمارے یہودیوں کے ساتھ بڑے مضبوط دوستانہ تعلقات ہیں جن کو آج ہم توڑ رہے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اگر یہ ہم کر چکیں پھر اللہ تبارک تعالیٰ آپ ﷺ کو دشمنوں پر غلبہ عطا فرمادیں، تو حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ اپنی قوم کے پاس لوٹ آئیں اور ہمیں چھوڑ نہ دیں، یہ در و فراق ہم سے برداشت نہیں ہوگا۔

اپنے جاں نثار ابوالہیثم کی بات سن کر پیغمبرِ اول و آخر و اعظم رسول اللہ ﷺ کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی، فرمایا:

”میری پناہ تمہاری پناہ، میری حرمت تمہاری حرمت، میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، جس کے ساتھ تم جنگ کرو گے، میں اس سے جنگ کروں گا، جس سے تم صلح کرو گے، میری اس کے ساتھ صلح ہوگی۔“ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۸۱)

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے مشورے سے ان میں سے بارہ (۱۲) نقیب نامزد فرمائے جن میں سے نو (۹) کا تعلق بنی خزرج قبیلہ سے اور تین کا تعلق بنی اوس قبیلہ سے تھا۔

بنی خزرج کے نقیبوں کے نام یہ ہیں:

یہ بنی نجار کے نقیب بنائے گئے

۱- ابوامامہ اسعد بن زرارہ

یہ بنی زریق کے نقیب بنائے گئے۔

۲- رافع بن مالک

۳- سعد بن ربیع یہ بنی حارث بن خزرج کے نقیب بنائے گئے۔

۴- عبد اللہ بن رواحہ

۵- سعد بن عبادہ بنی ساعدہ کے نقیب مقرر ہوئے۔

۶- المند بن عمرو

۷- البراء بن معرور

۸- عبد اللہ بن عمرو

۹- عبادہ بن الصامت

بنی اوس کے نقیبوں کے اسماء یہ ہیں:

۱- اُسید بن حنظل

بنی عبد الاشہل کے نقیب بنائے گئے

۲- رفاعہ بن عبد المند

یہ دونوں بنی عمرو بن عوف کے نقیب بنائے گئے

۳- سعد بن خیشمہ

(سبل الہدیٰ والرشاد ۳: ۲۸۱)

بعض اہل علم نے رفاعہ بن عبد المند کی جگہ ابوالہشیم بن التیہان کا ذکر بھی کیا ہے۔ (سیرت ابن ہشام ۲: ۸۸)

ان بارہ (۱۲) نقباء پر نقیب النقباء کے طور پر حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ کو منتخب کیا گیا جو بنی نجار کے

نقیب تھے۔

حلف وفاداری

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ انہیں عبد اللہ بن ابی بکر نے روایت کیا کہ تاج دار کائنات حضور نور رحمۃ دو عالم ﷺ نے ان نقباء کا تقرر فرمانے کے بعد ان سے اس بات پر حلف لیا کہ وہ جن قبیلوں کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے ہیں ان قبائل میں اپنے فرائض بھرپور طریقے سے ادا کریں گے جیسا کہ خود جناب رسالت مآب ﷺ پوری امت مسلمہ کے ذمہ دار ہیں اس پر تمام نقباء نے حلف اٹھایا کہ وہ بطریق احسن اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برہاء ہونے کی سعی کریں گے۔ حضور انور رحمۃ دو عالم ﷺ نے ان کے حلف کے بعد فرمایا:

”تم اپنی اپنی قوم کے کفیل ہو جیسا کہ عیسیٰ بن مریم کے مقرر کردہ کفیل تھے اور میں اپنی تمام قوم کا

کفیل ہوں (یعنی پوری امت مسلمہ کا) (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۲۸۱)

کیونکہ اس بیعت کا معاملہ بڑا نازک تھا یہ معاہدہ سنگین نتائج کا حامل تھا اس لیے حساس مزاج ارباب دانش نے بار بار انصار کی توجہ ان نتائج کی طرف مبذول کرائی جو اس پر مرتب ہو سکتے تھے تاکہ انصار کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے بار بار اس پر غور کر لیں۔ غلٹ میں یا وقتی جوش سے مغلوب ہو کر کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں

جس سے ان کی رسوائی ہو۔ چنانچہ آخری مرحلے پر قبیلہ بنی سالم و عوف کے حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور کہنے لگے:

”اے گروہ خزر ج! کیا تمہیں علم ہے کہ تم کس بات پر اس ہستی کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے ہو۔“
انہوں نے کہا، نعم! ہمیں اچھی طرح علم ہے۔ حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

”تم اس بات پر بیعت کر رہے ہو کہ تم ہر سرخ اور سیاہ انسان کے ساتھ جنگ کرو گے۔ اگر تمہارا یہ ارادہ ہے کہ جب مصیبتیں تمہارے مال و متاع کو نیست و نابود کر دیں اور قتل و خون ریزی تمہارے رؤسا کا خاتمہ کر دے اس وقت تم انہیں ان کے دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو ابھی پیچھے ہٹ جاؤ بخدا اگر ایسا کرو گے تو دنیا میں بھی ذلیل ہو گے اور قیامت کے روز بھی رسوا ہو گے۔ اور اگر تمہارا یہ ارادہ ہے کہ تم ہر قیمت پر اس معاہدے کو پورا کرو گے، خواہ مصیبتیں تمہارے مال و منال کو تہس نہس کر دیں اور قتل و خون ریزی تمہارے سرداروں کا قلع قمع کر دے اس کی تم کوئی پرواہ نہیں کرو گے تو پھر آگے بڑھو ان کو لے لو۔ بخدا اس میں دنیا آخرت کی ساری بھلائیاں ہیں۔“

سب نے بیک آواز جواب دیا کہ مال کی تباہی و بربادی اور اپنے سرداروں کی قتل و خون ریزی کے باوجود ہم ان کا دامن نہیں چھوڑیں گے پھر ان لوگوں نے حضور پر نور نبی کریم ﷺ سے گزارش کی کہ ہمارے اس ایثار اور قربانی کا اجر ہمیں کیا ملے گا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس کے بدلے اللہ تبارک تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔ سب نے عرض کی دست مبارک کھولے۔ چنانچہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے دست مبارک کھولا اور سب نے رحمتِ دو عالم ﷺ کی بیعت کرنے کا شرفِ عظیم حاصل کیا۔“ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد ۳ صفحہ ۳۸۳)

بیعت کرتے وقت انصار نے جن پر خلوص جذبات کا اظہار کیا ان کو سیرت نگاروں نے اپنی کتب سیرت میں محفوظ کر لیا تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے سرمایہ ہدایت ثابت ہوں۔ سیرت حلبیہ سے چند انصار کے جذبات ایثار و وفا کو یہاں نقل کر دینا سرمایہ سعادت ہے:

۱۔ ”بیعت کرتے ہوئے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ میں اس بات پر حضور ﷺ کی بیعت کرتا ہوں جس پر بنی اسرائیل کے بارہ (۱۲) نقیبوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔“
۲۔ عبداللہ بن رواحہ نے عرض کی:

”یا رسول اللہ! ﷺ میں اس بات پر حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی بیعت کرتا ہوں جس پر بارہ (۱۲) حواریوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔“
۳۔ اسعد بن زرارہ نے گزارش کی:

”یا رسول اللہ! ﷺ میں اللہ عز و جل کی بیعت کرتا ہوں پھر آپ ﷺ کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ

میں اپنا عہد و فاداری سے پورا کروں گا اور آپ ﷺ کی نصرت کے سلسلے میں اپنے قول کی اپنے عمل سے تصدیق کروں گا۔“

۴۔ نعمان بن حارثہ نے عرض کی:

”یا رسول اللہ! ﷺ میں اللہ تبارک تعالیٰ کی بیعت کرتا ہوں اور آپ ﷺ کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ اللہ عز و جل کے حکم کی تعمیل میں اپنے قریبی اور دُور کی ذرا پروا نہیں کروں گا۔“

۵۔ عبادۃ بن الصامت نے عرض کی:

”یا رسول اللہ! ﷺ میں حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ اللہ کے معاملے میں میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی ذرا پروا نہیں کروں گا۔“

۶۔ سعد بن الربیع نے عرض کی:

”یا رسول اللہ! ﷺ میں اللہ تبارک تعالیٰ کی بیعت کرتا ہوں اور حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی بیعت کرتا ہوں اس بات پر کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا اور میں اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ سے کذب بیانی نہیں کروں گا۔“

اسی طرح کے ایمان افروز اور روح پرور جذبات کے اظہار کے ساتھ ان عاشقانِ محبانِ احمدی نے اپنے محبوب نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے دستِ مبارک پر یکے بعد دیگرے بیعت کی۔

یہ وہ بیعت ہے جسے تاریخ اسلام میں بیعتِ عقبہ ثانیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ وہ بیعت ہے جس پر جس سے اسلام اور اہل اسلام کی بے بسی کا تاریک دور اختتام پذیر ہو رہا ہے اور اب ایک ایسی روشن صبح طلوع ہو رہی ہے جس نے نہ صرف ان خوش نصیبوں کے مقدر کو تابناک کر دیا بلکہ خفتہ بخت انسانیت کو بھی بے دار کر کے ان ابدی عظمتوں اور لازوال رفعتوں کی طرف مصروف پرواز کر دیا جن کا پہلے تصور تک بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لاکھوں رحمتیں ہوں انصار پر جنہوں نے اس وعدے کے ایفاء میں اپنا سب کچھ بچھا کر دیا اور اسلام کے پرچم کو کبھی سرنگوں نہ ہونے دیا۔

کروڑوں درود و سلام ہوں اس ہادیِ برحق، مرشدِ انسانیت اور رحمت للعالمین ﷺ پر جس نے اپنی دل آویزیوں، جمالِ آرائیوں، غریب نوازیوں سے ایک مبارک انقلاب کا آغاز کیا اور اسے معراجِ کمال تک بھی کمالِ خوب صورتی سے پہنچایا۔

بیعت کے بعد

جب تمام جاں نثار انصار نے بیعت کر لی تو حضرت عباس بن عبادہ بن نضله رضی اللہ عنہ ایک انصاری نے گزارش کی یا رسول اللہ! ﷺ اس ذات کی قسم جس نے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا

نورِ اَمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۶۹۷) جلد دوم

اگر حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کی منشاء ہو تو ہم کل صبح منیٰ میں اکٹھے ہونے والے مشرکین پر اپنی تلواروں سے حملہ کر دیں۔

یہ انصار کے ایمان، جذبہ فکری پختگی کا ہی نتیجہ تھا، کہ حضرت عباس بن عبادہ بن نھلہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا:

”اے اللہ کے رسول! ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اگر آپ

ﷺ حکم دیں تو ہم کل ہی اہل منیٰ پر اپنی تلواروں سے پل پڑیں۔“

حضور انور رحمۃ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

”ہمیں ابھی اس امر کی اجازت نہیں، تم اب اپنی آرام گاہوں کی طرف چلے جاؤ اور آرام کرو۔“

(دلائل النبوة جلد ۲ صفحہ ۴۴۹)

چنانچہ ہم واپس چلے آئے اور صبح تک خوب سوئے۔

شیطان لعین کا واویلا

حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جب ہم رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر رہے تھے تو شیطان عقبہ کی چوٹی پر سے با آواز بلند چیخا۔

(السيرة النبوية ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۴)

شیطان لعین نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا اور کفار و مشرکین کو اپنی جانب متوجہ کیا کہ تمہارے دین و ملت اور روایات کا سر کچلنے کے لیے یثرب سے آنے والے کچھ لوگوں نے پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم سرورِ دو جہاں ﷺ سے بیعت کر لی ہے۔

قریش کا فوری ردِ عمل

تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود قریش کو اسی رات خبر ہو گئی کہ عقبہ میں یثرب سے آئے ہوئے لوگوں نے حضور انور ﷺ کے دستِ اقدس پر اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے حضور پُر نور نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کا اپنی اور اپنی اولاد کی طرح دفاع کرنے پر بیعت کی ہے تو وہ آگ بگولا ہو گئے، صبح ہوتے ہی وہ خزرج کے خیموں کے قریب آ پہنچے اور لگے ان سے اُلٹے سیدھے سوال کرنے۔ آتے ہی انہوں نے بڑے تحکمانہ انداز میں کہا:

”اے گروہ خزرج! ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ تم یہاں ہمارے ساتھی محمد بن عبداللہ (ﷺ) سے ملاقات

کے لیے آئے ہو اور تم انہیں یہاں سے لے جانا چاہتے ہو اور ہمارے خلاف جنگ کی اس سے

سے یہ کہ حکمہ قسم ۱۰۰ کے سے کہ قدامت محمد بن عبد اللہ سے

(لڑنا ناگوار ہے) (السيرة النبوية ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۴، ۲۰۵)

اتفاقاً ہوا یوں کہ خزرج کے جن افراد سے سرداران قریش نے تلخ کلامی کے بعد جواب طلبی کی انہیں بیعت عقبہ ثانیہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، اللہ تبارک تعالیٰ کی حکمت اور مسلمانوں کی خوش نصیبی کہ قریش نے یہ سوال مشرکین خزرج سے کیا کیونکہ وہ تمام معاملے سے لاعلم تھے اس لیے انہوں نے قسمیں کھا کھا کر سرداران قریش کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ نہ تو ہم محمد (ﷺ) سے ملاقات کے لیے یہاں آئے ہیں اور نہ انہیں یہاں سے لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بیعت تو کجا ہماری تو ان سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے اس خبر کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا اور کہا کہ یہ سراسر ہم پر تہمت ہے رات اس قسم کا کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا۔

لیکن قریش کو اپنے جاسوسوں پر اس قدر اعتماد تھا کہ انہوں نے مشرکین خزرج کی کوئی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ خزرج والے بھی اپنی جگہ سچے تھے کیونکہ رازداری سے مسلمانانِ مدینہ اور تحریک دین اسلام کی قیادت کے مابین جو معاملات طے ہو رہے تھے اور ہجرت مدینہ کے لیے جو تیاریاں ہو رہی تھیں وہ کلیتاً اس سے بے خبر تھے کیونکہ انہیں مسلمانانِ یثرب کی آمد و رفت کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ جب رات حضور انور ﷺ کی مجلس میں مکالمہ ہو رہا تھا اس وقت تو یہ لوگ خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

انہیں کیا معلوم کہ تاریخ اس وقت دوزا ہے پر کھڑی ہے اور انقلاب کے تمام راستے یثرب کی طرف رواں دواں ہیں۔ انہیں کیا خبر کہ یثرب تحریک دین اسلام کا مرکز بننے والا ہے اور اُفقِ یثرب پر نظامِ الہی، نظامِ قرآن کا سورج طلوع ہونے والا ہے جس سے چار دانگ عالم میں ایمان کی روشنی پھیل جائے گی۔ انسان کی خدائی کا خاتمہ ہوگا اور اس کائنات رنگ و بو کے خالق و مالک کی بندگی کا شعور عام ہوگا، رنگ و نسل کے تمام بُت پاش پاش ہو جائیں گے، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہ ہوگی۔ معیارِ فضیلت صرف علم، تقویٰ اور دانائی کے جواہر ٹھہریں گے۔ زمین پر عدل قائم ہوگا اور نسلِ آدمِ کلاہ کی راہ پر گامزن ہوگی۔

مکہ کے کفار و مشرکین نے ہمت نہیں ہاری وہ یثرب کے ایک اور سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول کے پاس گئے اس نے بھی قریش کے اس الزام کو ایک تہمت قرار دیا کیونکہ مسلمانوں نے اسے بھی کی جانے والی منصوبہ بندی کی خبر نہ ہونے دی تھی۔ چنانچہ عبد اللہ بن ابی بن سلول نے بھی بیعت والے واقعہ کا انکار کیا۔ اسے زعم تھا کہ اس کی قوم اسے اعتماد میں لیے بغیر اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتی اس لیے اس نے پورے اعتماد سے قریش کے الزامات کی تردید کر دی۔

عبد اللہ بن ابی بن سلول نے ناصحانہ انداز میں قریش سے کہا، تم جانتے ہو کہ میں یثرب کا رئیس ہوں اگر میری قوم ایسا ارادہ رکھتی تو کم از کم وہ مجھ سے مشورہ ضرور کرتی اب جب کہ کسی نے اس بابت مجھ سے کوئی بات

نہیں کی تو ظاہر ہے یہ محض ایک افواہ ہو سکتی ہے جو کسی بدخواہ نے تمہیں اہلِ یثرب سے بدظن کرنے کے لیے اڑائی ہے۔ عبد اللہ بن ابی بن سلول کی وضاحت سے قریش کسی حد تک مطمئن ہو گئے اور اس کی بات کو درست تسلیم کر کے چلے گئے۔ (دلائل النبوة ۲: ۴۳۹)

اہل ایمان کا تعاقب

اہل مکہ کے علم میں یہ بات آئی کہ منیٰ سے کچھ لوگ بھاگ نکلے ہیں ان کا ماتھا ٹھنکا کہ ہونہ ہو بیعت والی بات درست ہی ہو۔ چنانچہ انہوں نے تحقیق کی اور ان کے تعاقب میں نکلے۔ کفار و مشرکین نے اواخر کے مقام پر منیٰ سے نکلنے والے دو افراد کو جالیا۔ یہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے یہ دونوں پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ نقباء میں سے تھے۔ حضرت منذر رضی اللہ عنہ تو کسی نہ کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے لیکن حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو تعاقب کرنے والوں نے گرفتار کر لیا۔ کفارِ مکہ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھوں کو ان کی گردن کے ساتھ باندھا اور انہیں ایذا دیتے ہوئے مکہ کی طرف چل پڑے۔ صحابی رسول کے بال بہت گھنے تھے وہ انہیں بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے چلے آ رہے تھے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنی گرفتاری اور کفارِ مکہ کی ایذا رسانی کا حال بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں ابھی اسی حالت میں ان کی تحویل میں تھا کہ چند قریشی ادھر آ نکلے۔ ان میں ایک شخص بڑا خوب صورت تھا اس کے چہرے پر نور چمک رہا تھا۔ پس میں نے دل ہی دل میں کہا کہ اس شخص سے بھلائی کی توقع کی جاسکتی ہے لیکن جب وہ میرے قریب آیا تو اس نے مجھے ایک زوردار گھونسا رسید کیا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اب اس قوم سے بھلائی کی توقع فضول ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ کفارِ مکہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے کہ ایک شخص ان کے قریب آ کر پوچھنے لگا کہ تیرا قریش کے کسی فرد کے ساتھ عہد و پیمان ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ کے مثبت جواب پر اس نے مشورہ دیا کہ ان کا نام لے کر دہائی دو۔ پس آپ رضی اللہ عنہ نے جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب بن امیہ کا نام پکارنا شروع کر دیا اس لیے کہ ان دونوں قریشیوں کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے دوستانہ مراسم تھے اور ان کے نام کی دہائی دینے سے ان کی رہائی کے امکانات پیدا ہو سکتے تھے۔

وہ شخص جلدی سے ان دونوں کی تلاش میں نکلا وہ اس وقت حرمِ کعبہ میں موجود تھے اس شخص نے بھاگ کر انہیں اطلاع دی کہ ابطح میں قریش ایک ایسے خزر جی کو مار رہے ہیں جو بار بار آپ لوگوں کے نام کی دہائی دے رہا ہے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ہمارے نام کی دہائی دینے والا شخص سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہے تو وہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا نام سن کر بولے وہ تو واقعی ہمارا محسن ہے ہمارے کارندے جب اس کے علاقے میں جاتے ہیں تو وہی

ان کو اپنی پناہ دیتا ہے اور ہر قسم کے ظلم و تعدی سے انہیں بچاتا ہے وہ دونوں آئے تب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان بے رحموں کے جور و تشدد سے نجات ملی۔

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جس خوب صورت شخص کے بارے میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے گمان کر لیا تھا کہ اس سے بھلائی کی توقع کی جاسکتی ہے مگر معاملہ برعکس نکلا تھا اس کا نام سہیل بن عمرو تھا اور جس قریشی کی کاوش سے آپ رضی اللہ عنہ کو کفار مکہ سے رہائی ملی وہ ابوالختری بن ہشام تھا۔

(السیرۃ النبویہ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۱-۹۳)

واقعی کی روایت ہے کہ جب پلٹتے ہوئے انصار کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی گمشدگی کی اطلاع ہوئی تو وہ ان کی تلاش میں مڑے مگر راستے ہی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ انہیں واپس آتے دکھائی دیے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۲۲۲)

سیرت ابن کثیر میں ہے کہ:

”یہ شخص جس نے پیغام رسانی کی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی نجات کا باعث بنا وہ ابوالختری بن ہشام تھا اور جس خوب صورت شخص سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بڑی توقع وابستہ کی تھی لیکن اس نے طمانچوں سے اس کی گالوں کو لال سرخ کر دیا تھا اس کا نام سہیل بن عمرو تھا۔“

(السیرۃ النبویہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۵-۲۰۶)

تبلیغ و اشاعت میں اضافہ اور اس کے خوشگوار انداز و نتائج

جب انصار حج کے بعد پیغمبر اول و آخر و اعظم سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضور نور ﷺ کا دیدار کر کے بیعت کر کے یثرب واپس آئے تو اب انہوں نے ساری مصلحتوں اور ان کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا اور خوب کھل کر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ نوجوان طبقہ کی اکثریت نے تو اسلام قبول کر لیا، کئی ایسے بوڑھے بزرگ تھے جو اپنی پرانی ڈگر پر جمے ہوئے تھے نہ انہیں نور حق نظر آتا تھا اور نہ انہیں حق کی صدا سے دل نواز سنائی دیتی تھی۔ اسی زمانے میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔

انہیں بوڑھوں میں سے جو بڑی سختی کے ساتھ کفر و شرک پر ڈٹے ہوئے تھے ایک کا نام عمرو بن جموح تھا۔ اس کا بیٹا حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ اسلام کے شیدائیوں میں سے تھا اور ان کو پھر (۷۵) خوش نصیبوں میں شامل تھا جنہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں شمولیت کا شرف حاصل کیا اس کا باپ عمرو بن جموح بن رسیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے قبیلہ بنی سلمہ کا رئیس بھی تھا لیکن یہ مشرک تھا اس نے اپنے لیے لکڑی کا ایک بت بنوا کر اپنے گھر میں سجا رکھا تھا اس بت کا نام ”لات“ تھا وہ ہر وقت اس کی پوجا پاٹ میں لگا رہتا تھا اس کے قبیلہ بنی سلمہ کے تقریباً سارے نوجوان اسلام قبول کر چکے تھے خود اس کا بیٹا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی شیع جمال مصطفوی

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین (۷۰۱) جلد دوم

ﷺ کا پروانہ بن چکا تھا۔ انہوں نے اپنے باپ کو بہت سمجھایا لیکن وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ عمرو کے بیٹے حضرت معاذ اور اس کے دوست حضرت معاذ بن جبل بھی غمناک مل کر ایک منصوبہ بنایا۔

جب رات کا اندھیرا خوب گہرا ہو جاتا، گھروالے سو جاتے، ہر طرف سناٹا چھا جاتا تو وہ دونوں دبے پاؤں وہاں جاتے جہاں وہ بُت رکھا ہوتا، اسے اٹھا کر باہر لاتے پھر اسے لے جا کر بنی سلمیٰ قبیلہ کے ایسے کنویں میں اوندھا کر کے پھینک دیتے جو کوڑے کرکٹ اور گندگی سے بھرا ہوتا۔ عمرو بن جموح جب صبح بیدار ہوتا تو اپنے معبودات کی پوجا پاٹ کے لیے وہاں جاتا جہاں وہ اسے بڑے احترام سے رکھتا تھا جب وہ اپنے بُت کو وہاں نہ پاتا تو وہ زور زور سے چیختا:

”تمہارا خانہ خراب! آج رات کو کس نے ہمارے خدا پر زیادتی کی ہے؟“

پھر باہر نکل جاتا اس کو تلاش کرتا جب کسی غلاظت کے گڑھے میں اوندھا پڑا ہوا اسے مل جاتا تو اسے اٹھا کر لے آتا، اسے غسل دیتا پھر خوشبو لگاتا پھر اس کی جگہ پر اسے سجا دیتا اور بڑی حسرت سے کہتا ”کاش! مجھے پتہ چل جائے کہ کس شخص نے تیرے ساتھ یہ گستاخانہ حرکت کی ہے تو میں اس کی خوب مرمت کروں۔“

اب ہر روز اس کے خدا کے ساتھ یہی ہونے لگا، وہ بے چارہ صبح سویرے منہ اندھیرے اپنے خدا کو ڈھونڈنے نکلتا، کبھی کسی گندے کنویں میں اور کبھی غلاظت میں لت پت منہ کے بل گرا ہوا اسے ملتا، اسے اٹھا کر لاتا، دھوتا، عطر سے اسے معطر کرتا۔ آخر وہ تنگ آ گیا، ایک روز وہ اپنی تلوار لے آیا اور بے نیام کر کے اس کے گلے میں لٹکا دی اور کہنے لگا:

”بخدا! میں نہیں جانتا کہ تیرے ساتھ کون یہ حرکت کرتا ہے اگر تجھ میں کوئی بھلائی ہے تو یہ تلوار

تمہارے پاس ہے اس کے ذریعے اپنا دفاع کرو۔“

جب رات آئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا، وہ نوجوان آگئے انہوں نے اس کے گلے میں حائل تلوار اتار لی پھر مرے ہوئے ایک کتے کو گھسیٹ کر لے آئے اس کے ساتھ اس کو باندھ دیا پھر اسے کھینچ کر ایک ایسے کنویں (گڑھے) میں پھینک دیا جس میں انسانی بول و براز کے ڈھیر لگے تھے۔ صبح ہوئی، عمرو بن جموح جاگا تو اپنے بُت کی پوجا کے لیے وہاں گیا، اسے یقین تھا کہ آج رات ننگی تلوار اس کے پاس تھی، آج کسی گستاخ کو اس کے قریب جانے کی ہمت نہیں ہوگی اور اگر کسی نے ازراہ حماقت یا جرات کی ہوگی تو آج اس کی لاش خون میں لتھڑی ہوئی وہاں پڑی ملے گی۔

وہاں پہنچا تو بُت وہاں نہیں تھا، ادھر ادھر اس نے بہت دھیان دیکھا، کسی کی لاش تو کیا کسی کے خون کا قطرہ تک بھی وہاں نظر نہ آیا، پھر چاروں اچار اس کی تلاش میں نکلا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک ایسے کنویں پر پہنچا جس سے بدبو کے بھبھوکے اٹھ رہے تھے۔ جھک کر دیکھا تو ایک مردہ کتے کے ساتھ بندا ہوا اس کا پر ماتما

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿۷۰۲﴾ جلد دوم

وہاں گرا پڑا تھا۔ یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل کی نگاہوں پر پڑے ہوئے حجابات اُٹھ گئے، اسلام کا روئے زیبا اس کے دل کو بھانے لگا، وہ حق کو پہچان گیا اور اس نے کفر و شرک سے برأت کا اعلان کرتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھا اور حلقہ بگوشانِ اسلام میں شامل ہو کر اپنی نجات کا اہتمام کر لیا۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے چند شعر کہے جن میں انہوں نے اپنے جذبات کی صحیح عکاسی کی ہے: ان کا اُردو ترجمہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ ”بخدا! اگر تو معبود ہوتا تو تیری لاش کتے کے ساتھ بندھی ہوئی کنویں میں نہ ملتی۔“

۲۔ ”اس ذلت آمیز حالت میں تمہاری ملاقات پر صد حیف! اب ہمیں معلوم ہوا کہ ہم تمہارے بارے میں دھوکے میں مبتلا تھے۔“

۳۔ ”سب تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے جو بلند ہے اور بڑے احسانات والا ہے، وہ عطا بھی کرتا ہے رازق بھی ہے اور تمام اہل دین کو جزا دینے والا ہے۔“

۴۔ ”اس کی وہ ذات ہے جس نے مجھے کفر سے نجات دی اس سے پیشتر کہ میں قبر کے اندھیروں میں رہن رکھ دیا جاتا۔“ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۱، ۲۵۲-۲۵۳)



باب 3

معراج النبی ﷺ

اسراء اور معراج کا تعارف

اللہ تبارک تعالیٰ، قادر مطلق، خالق و مالک کائنات نے اپنے حبیب خاص پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم تاجدار کائنات، اصل الموجودات، ہادیِ انس و جان، رہبر کائنات، رسولِ بحر و بر، انسانِ کامل، حضورِ پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو اپنی بڑی آیات، نشانیاں دکھانے کا، معراج پر لے جانے کا ارادہ فرمایا۔

حضورِ پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ ایک رات خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے اور خواب سے بیدار کیا اور ارادہ خداوندی سے آگاہی بخشی۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اٹھے چاہ زمزم کے قریب لائے گئے۔ سینہ مبارک کو چاک کیا گیا۔ قلب اطہر میں ایمان و حکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا۔ اور پھر سینہ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقہ سے انبیاء کی سواریاں باندھی جاتی تھیں براق کو اس سے باندھ دیا گیا۔ حضورِ پُر نور ﷺ مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں جملہ انبیاء سابقین علیہم السلام، حضورِ پُر نور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے چشمِ براہ تھے۔ حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح ارواحِ انبیاء سے روزِ ازل جو یہ عہد لیا گیا تھا۔ لتؤمنن بہ و التصرنہ (آل عمران آیت 81) کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا، کی تکمیل ہوئی۔

اس کے بعد مرکب ہمایوں بلندیوں کی طرف پر کشا ہوا۔ مختلف طبقاتِ آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں۔

پہلے آسمان پر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر اپنے جدِ کریم ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ”مرحبا بالنبی الصالح والابن

الصالح“ یعنی اے نبی صالح خوش آمدید اور اے فرزندِ دلہند مرحبا! کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ وہاں سے بھی آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو انوارِ ربانی کی تجلی گاہ تھی۔ اس کی کیفیت الفاظ کے پیاؤں میں سامنے نہیں آ سکتی۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، رہبرِ کائنات، رسولِ بحر و بر، ہادیِ انس و جان، خاتم النبیین، رحمت للعالمین حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم اصل الموجودات، انسانِ کامل ﷺ کی منزلِ مبارک، منزلِ پاک، تو عرشِ عظیم، مقامِ استواء، بارگاہِ خالق و مالک کائنات قادرِ مطلق ربِّ العزت، ”دنا فقلدلی اور قصاب قوسین“ تھی۔ یہ مقام سدرۃ المنتہیٰ تو منزل نہ تھا بلکہ یہ نشانِ راہ تھا اس لیے آپ ﷺ ایک خاص نوری رفتار (ہماری روشنی کا سفر 186000 میل یا تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے اور یہ عام نوری رفتار ہے) سے اپنی منزل کی طرف اللہ تبارک تعالیٰ قادرِ مطلق کی مدد، وسیلوں اور رہنمائی (جو کہ اس مہمانِ خاص کے شایانِ شان ضروری تھی) کے ساتھ آگے ہی بڑھتے رہے۔ کہاں تک گئے ماوشما سے کیا سمجھیں۔ زبانِ قدرت نے مقامِ قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

ثم دنا فقلدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ (سورة النجم: 8، 9)

”پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔“

وہاں کیا ہوا۔ یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے قرآن کریم نے بتایا ہے۔

فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔ (سورة النجم: 10)

”پس وحی کی اللہ نے اپنے محبوب بندے کی طرف جو وحی کی۔“

اس سے متعلق علامہ سید سلمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

پھر شاید مستورِ ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہِ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بارِ الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔

اسی مقامِ قرب اور گوشہِ خلوت میں دیگر انعاماتِ نفیہ کے علاوہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرضداشت پر حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے کئی بار بارگاہِ ربِّ العزت میں حاضری دی دیدار فرمایا اور تخفیف کے لیے التجا کی۔ چنانچہ نماز کی تعداد پانچ کر دی گئی اور ثواب پچاس کا ہی رہا۔

عرشِ عظیم سے، فرازِ عرش سے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم محبوبِ ربِّ العالمین حضور پر نور ﷺ مراجعت فرمائے ارض (زمین) ہوئے۔ ابھی یہاں رات کا سماں تھا ہر سورات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی سپیدہ سحر کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

اس سفر مبارک کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے پہلا حصہ حرم مکہ سے بیت المقدس تک اور دوسرا حصہ بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ اور ماورا تک۔ اس ماورا کی حقیقت کو اللہ تبارک تعالیٰ جانتا ہے یا اس کے پیغمبر اول و آخر و اعظم اصل الموجودات حاصل کائنات انسان کامل ہادی انس و جان رہبر کائنات رسول بحر و بر حضور پر نور حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم عالم خفا و غیوب مہجر صادق ﷺ جانتے ہیں۔

اس سفر مبارک کے پہلے حصہ کو اسراً کہتے ہیں اور اس کا ذکر پاک اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورۃ بنی اسرائیل یا سورۃ اسراء کی آیت مبارک 1 میں فرمایا ہے۔

اور اس سفر مبارک کے دوسرے حصہ کو معراج کہتے ہیں اور اس کا ذکر پاک اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن حکیم کی سورۃ نجم کی آیات پاک 1 تا 18 میں فرمایا ہے۔

اور عام زبان میں، عام کہنے سننے میں، یا عوام الناس میں اسراً اور معراج ان دونوں کو فقط ”معراج شریف“ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

معراج النبی ﷺ کا تفصیلی ذکر کرنے سے پہلے انشاء اللہ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ نجم کی متعلقہ آیات مبارک کا سلیس ترجمہ بھی پیش کیا جائے گا اور پھر کچھ ضروری تفسیر بھی بیان کر دی جائے یا آسان زبان میں تشریح کر دی جائے گی۔

معراج کب واقع ہوئی

یہ سفر مبارک کس ماہ کی کس تاریخ کو پیش آیا اور اس وقت سن نبوی کا کون سا سال تھا اس بارے میں علماء کے اہل سیر کے اقوال متعدد و مختلف ہیں جن میں سے کچھ جواہم ہیں وہ یہ ہیں۔

1- جس سال آپ ﷺ کو نبوت دی گئی اسی سال معراج بھی واقع ہوئی (یہ طبری کا قول ہے۔)

2- نبوت کے پانچ سال بعد معراج ہوئی (اسے امام نووی اور امام قرطبی نے رائج قرار دیا ہے۔)

3- نبوت کے دسویں سال 27 رجب کو ہوئی۔ (اسے علامہ منصور پوری نے اختیار کیا ہے۔)

4- ہجرت سے سولہ مہینے پہلے یعنی نبوت کے بارہویں سال ماہ رمضان میں ہوئی۔

5- ہجرت سے ایک سال دو ماہ پہلے یعنی نبوت کے تیرہویں سال محرم میں ہوئی۔

6- ہجرت سے ایک سال پہلے یعنی نبوت کے تیرہویں سال ماہ ربیع الاول میں ہوئی۔

ان میں سے پہلے تین اقوال اس لیے صحیح نہیں مانے جاسکتے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نماز پنجگانہ فرض ہونے سے پہلے ہوئی تھی اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت معراج کی رات ہوئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات معراج سے پہلے ہوئی تھی۔

اور یہ تو مصدقہ معلوم ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نبوت کے دسویں سال ماہ رمضان میں ہوئی تھی۔

لہذا معراج کا زمانہ اس کے بعد کا ہوگا اس سے پہلے کا نہیں۔ باقی رہے اخیر کی تین اقوال تو ان میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے کے لیے کوئی دلیل نہ مل سکی۔ البتہ سورۃ اسراء کے سیاق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکی زندگی کے بالکل آخری دور کا ہے۔ (زاد المعاد جلد 2، صفحہ 49..... مختصر السیرۃ للشیخ عبد اللہ صفحہ 148، 149..... رحمۃ للعالمین جلد 1، صفحہ 76)

علامہ ابن قتیبہ، دینوری (المتوفی 267ھ) اور علامہ ابن عبد البر (المتوفی 463ھ) نے ماہ رجب کی تیسین کی ہے اور متاخرین میں امام رافعی اور امام نووی نے روضہ میں اسی کو یقین کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور محدث عبد الغنی مقدسی نے بھی اسی مہینہ کو اختیار کیا ہے بلکہ 27 تاریخ کی بھی تصریح کر دی ہے اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں سلف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظن غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عمل درآمد ہو اور جو لوگوں میں مقبول ہو۔“ (السیرۃ النبویہ، سلیمان ندوی جلد 3 صفحہ 360)

رہی یہ بات کہ کس سال اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کو ”ملکوت السموات والارض“ کی سیاحت کرائی۔

اس کے بارے میں علامہ علی بن برہان الدین حلبی کی یہ عبارت جملہ اقوال علماء کی جامع ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

وذلك قبل الهجرة بسنة وبه حزم ابن حزم و ادعى فيه الاجماع وقيل بستين وقيل بثلاث سنين و كان بعد خروجه الى الطائف .

”یہ سفر ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا۔ ابن حزم نے اسے یقین کے ساتھ لکھا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ سفر ہجرت سے دو سال پہلے اور بعض کے نزدیک تین سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔“ (انسان الحيوان جلد 1 صفحہ 348)

معراج کس مہینہ میں ہوئی اس میں سات (7) اقوال ہیں۔ اور سب کے سب سیرت حلبیہ میں مذکور ہیں۔

1- 17 ربیع الاول۔

2- 27 ربیع الاول۔

3- 29 رمضان۔

4- 27 ربیع الآخر۔

5- 27 رجب شریف۔

6- بعض کا کہنا کہ شوال اور بعض نے کہا کہ ذی الحج میں معراج ہوئی۔

معراج کس رات کو ہوئی اس میں تین اقوال ہیں۔

1- جمعہ کی رات، ہفتہ رات، پیر کی رات اور یہ اقوال بھی سیرت حلبیہ سے نقل کئے ہیں۔

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین (۷۰۷) جلد دوم

معراج کون سے وقت میں ہوئی۔ اس میں دو قول ہیں۔ بقول حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تین ساعت رات باقی تھی اور بقول حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ چار ساعت رات باقی تھی۔

وفی زین القصص کان زمن ذهابه
صلی اللہ علیہ وسلم ومجینا ثلاث
ساعات وقيل اربع ساعات ای
زین القصص میں لکھا ہے کہ آپ معراج کو جب گئے اور
جب آئے رات سے تین گھنٹے باقی تھے اور بعض نے کہا
چار گھنٹے باقی تھے۔

(سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 414)

بقیت من تلك الليلة .

ان سب میں مطابقت و موافقت ”یواقیت و الجواہر جلد 2 صفحہ 35 اور مدارج النبوت جلد 1 صفحہ 175“ پر
لکھی گئی درج ذیل حقیقت سے ہے۔

ان اسرأته صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانت اربعا وثلثین واحدا بجسمه صلی اللہ
علیہ وسلم والباقي بروحه .

یعنی پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونتیس (34) مرتبہ معراج ہوئی۔ ایک
بار جسمانی معراج ہوئی اور باقی تینتیس (33) روحانی ہیں۔

(یواقیت و الجواہر جلد 2 صفحہ 35..... مدارج النبوت جلد 1 صفحہ 175)

اور یہ مسلمات میں سے ہیں کہ طائف سے واپسی کے بعد اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت سے پہلے اس درمیانی
مدت میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اول و آخر و اعظم محبوب خاص حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا شرف عظیم
عطا فرمایا۔

معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے

پیغمبر اول و آخر و اعظم تاجدار کائنات، ہادی انس و جاں، رہبر کائنات، رسول بحر و بر، اصل الموجودات
حاصل کائنات، فخر اولاد آدم، انسان کامل، داعی حق، مخبر صادق، عالم خفا و غیوب، اکرم الاولین اکرم الآخِرین شفیع
الذنبین حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سید المرسلین بھی ہیں

رحمت للعالمین بھی ہیں

خاتم النبیین بھی ہیں

انسان کامل بھی ہیں

اصل الموجودات بھی ہیں اور

حبیب رب للعالمین بھی

یعنی کہ آپ ﷺ اول تا آخر ہر پہلو میں عظیم ترین ہیں۔ آپ ﷺ کی رفعتیں، عظمتیں، شانیں سب ہی لاجواب، سب سے نرالی اور بلند ترین و عظیم ترین ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ ﷺ کو معجزے بھی عظیم ترین عطا فرمائے ہیں اور معراج بھی آپ ﷺ کا ایک عظیم ترین معجزہ ہے۔

علماء کرام نے دعویٰ نبوت اور معجزہ کے مابین تعلق کی وضاحت کرتے ہوئے یہ مثال بیان کی ہے کہ جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں بادشاہ نے اسے اپنا نائب مقرر کر کے بھیجا ہے تو اس علاقے کے لوگ قدرتی طور پر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ مدعی نیابت اپنے دعویٰ کی صداقت میں کوئی سند یا علامت پیش کرے، انہیں شاہی فرمان دکھائے تاکہ وہ مطمئن ہو کر اسے اپنا حاکم تسلیم کر لیں۔ اس کی حاکیت کو تسلیم کرنا دراصل بادشاہ کی حاکیت کے سامنے گردن جھکانا ہے، جس کا وہ نمائندہ ہوتا۔

کسی نبی یا رسول پر ایمان لانا یا اس کے دست حق پرست سے کسی معجزے کو رونما ہوتے دیکھ کر اس کی صداقت پر ایمان لانا دراصل اس قادر مطلق کی توحید پر ایمان لانا ہے جس کی قدرت کاملہ سے اس نبی سے یہ معجزہ صادر ہو رہا ہے۔ یا یوں کہئے کہ مدعی نیابت ایک طرف لوگوں کو اگر اپنی سند دکھاتا ہے تو دوسری طرف انہیں اپنی کسی خاص نشانی کا مشاہدہ بھی کراتا ہے تاکہ دیکھنے والی آنکھ کو یہ یقین حاصل ہو جائے کہ یہ شاہی نشانی بادشاہ کی توثیق کی مظہر ہے۔ بادشاہ کی انگشتی (مہر حکومت) اس شخص کو مل سکتی ہے جس کو بادشاہ اپنی نیابت کے اعزاز سے سرفراز کرے۔

معجزہ اس عظیم ہستی کے ہاتھوں سے صادر ہوتا ہے جسے منصب نبوت و رسالت پر فائز کیا گیا ہو۔ معجزہ کا صدور اللہ کے نبی اور رسول ہی سے ممکن ہے۔ معجزہ کسی غیر نبی سے صادر نہیں ہوتا۔ معجزہ ”آیت الہی“ ہوتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کا آئینہ دار ہوتا ہے اور اس کا ظہور اسی پروردگار کے اذن سے انبیاء و رسل سے صادر ہوتا ہے۔

ان سے معجزے کا مطالبہ یا تو تلاش حق کے لیے ہوتا ہے کہ معجزے کا ظہور دیکھ کر دولت ایمان نصیب ہو یا پھر یہ مطالبہ محض تعصب، حسد اور بغض کی بناء پر ہوتا ہے تاکہ منکرین اور منکرین بزم خویش معجزے کی عدم دستیابی کی صورت میں اللہ کے برگزیدہ رسول کو جھٹلا سکیں، یہی وجہ ہے کہ صدور معجزہ کی صورت میں معجزہ دیکھ کر بھی وہ ایمان کی روشنی سے محروم رہتے ہیں۔ ان کے تعصب، حسد اور بغض میں انکار کا مزید عنصر داخل ہو جاتا ہے اور ان کے دلوں پر قفل پڑ جاتے ہیں۔

جب کہ سعید روہیں معجزے کو دیکھ کر پکار اٹھتی ہیں:

امنا برب ہارون و موسیٰ ۔ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔

(سورۃ طہ آیت 70)

اس کے برعکس بد بخت اور دولت ایمان و ایقان سے محروم روہیں عناد و دشمنی کی تاریکی میں ڈوب کر کہتی ہیں:

ان هذا الا سحر مبين . یہ صریح جادو کے سوا (کچھ) نہیں۔

(سورة انعام آیت 7)

عقل والے سوچتے رہ جاتے ہیں اور عشق والے جھک کر اوج ثریا کو پا لیتے ہیں اور بام فلک کو چھو لیتے ہیں۔ اقرار نبوت بذات خود ایک بہت بڑا اعزاز ہے، اس اقرار کے سامنے سب اقرار ہیچ ہیں کیونکہ اس اقرار کی بدولت دین بھی ملتا ہے اور دنیا بھی، توحید کی دولت بھی مقدر بنتی ہے اور رسالت کی ثروت بھی نصیب ہوتی ہے۔ جہاں عقل عاجز آ جاتی ہے وہاں سے معجزے کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ معجزہ رب کائنات کی قدرت اور جلالت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ وہ خارق عادت واقعات ہوتے ہیں جو اللہ تبارک تعالیٰ کے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں سے صادر ہوتے ہیں۔ ان کا بظاہر کوئی سبب نظر آتا ہے اور نہ کوئی ان کی علت دکھائی دیتی ہے۔ یہ عقل کے دائرہ ادراک اور حیطہ (دائرہ) شعور میں نہیں آتے، لیکن جب انسان اپنے سر کی آنکھوں سے ان کا ظہور ہوتے دیکھتا ہے تو سر تسلیم خم کرنے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ نہیں رہتا اور وہ کہہ اٹھتا ہے کہ یہ معجزہ اللہ کے نبی سے صادر ہوا ہے، اس لیے یہ حق ہے۔

وہ لوگ جو معجزات و کرامات کے رد و قبول کا معیار اپنی سوچ، عقل، تجربہ اور مطالعہ کو قرار دیتے ہیں نہ صرف بہت بڑے اعتقادی مغالطے کا شکار ہو جاتے ہیں بلکہ علم کے تکبر میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اگر لکڑی آگ کے الاؤ میں گر کر جلانہ کرے تو عقل کبھی بھی ذہن انسانی کی یہ رہنمائی نہ کرے کہ آگ جلانے والی شے ہے۔ اس لیے کہ جو بات مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہو عقل اسے ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کرتی۔

مثلاً: اللہ کے برگزیدہ نبی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بے خطر آتش نمرود میں کود پڑیں اور آگ گلزار بن جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرمائیں تو آسمان سے پوری قوم کے لیے تیار شدہ طعام من و سلویٰ اترے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب چٹان پر عصا ماریں تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلیں کہ ہر قبیلہ کے لیے علیحدہ چشمہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا یا سمندر پر اپنا عصا ماریں تو بنی اسرائیل کے دوسری پار گزر جانے کے لیے جگہ جگہ اس دریا یا سمندر میں صاف ستھرے خشک راستے بن جائیں اور راستوں کے اطراف میں پانی شفاف دیوار کی مانند گھنٹوں کھڑا رہے۔ اور جب فرعون اور اس کی قوم اس میں کھل داخل ہو جائے تو پانی کی وہ دیواریں فوراً ڈھے جائیں اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کر دیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض اپنی آنکھوں سے لگائیں تو آپ علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئے، حضرت صالح علیہ السلام پہاڑ پر اپنی چھتری مبارک ماریں تو اس کے اندر سے اونٹنی برآمد ہو جائے، حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک درباری بلیک جھینکے سے پہلے اور اپنے جسم کو غائب کئے بغیر ہزاروں میل

دور سے ملکہ بلقیس کا تخت لا کر حاضر کر دے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قسم باذن اللہ کہیں تو قبر سے مردہ اٹھ کھڑا ہو، مٹی کا پرندہ بنا کر اسے کہیں کہ میرے رب کے حکم سے اڑ جا تو وہ اڑ جائے۔ مادرِ زاد اندھوں کو بینائی مل جائے۔

یا پھر انگشت پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ﷺ اٹھے اور چاند دو ٹکڑے ہو جائے، ڈوبتے سورج کی سمت دستِ اقدس اٹھائیں تو وہ غروب ہونے کے بعد واپس لوٹ آئے اور آقائے دو جہاں ﷺ کے جسمِ اطہر کے لمس سے کھجور کا مرا ہوا درخت پھر سے زندہ ہو جائے تو عقل اپنے دامنِ شعور کو تار تار نہیں کرے گی تو اور کیا کرے گی! ماورائے عقل سرزد ہونے والے انہی واقعات کو معجزہ کہتے ہیں۔ عقل ان معجزات کو سمجھنے سے معذور ہے۔

معجزہ کی تعریف

جب کسی نبی اور رسول کو خلعتِ نبوت و رسالت سے سرفراز کیا جاتا تو کفار و مشرکین دعویٰ نبوت کی صداقت کے طور پر اس سے دلیل طلب کرتے۔ اس پر قدرتِ خداوندی سے جو خارقِ عادت واقعہ اس نبی یا رسول کے دستِ حق پرست سے صادر ہوتا اسے معجزہ کہتے ہیں۔

مختلف ادوار میں اربابِ علم و فن نے معجزہ کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔ چند اہم تعریفات یہ ہیں:

امر خارق العادة يعجز البشر عن ان يأتوا معجزه اس خارق العادت چیز کو کہتے ہیں جس کی مثل لانے سے فرد بشر عاجز آ جائے۔ (النجہ صفحہ 488)

امام خازن رحمہ اللہ معجزہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المعجزة مع التحدي من النبي قائمة مقام قول الله عز وجل: "صدق عبدی فاطيعوه و اتبعوه" ولان معجز النبي شاهد علی صدقه فيما يقوله و سميت المعجزة معجزة لان الخلق عجزوا عن الاتيان بمثلها :

معجزہ اللہ کے نبی اور رسول کی طرف سے (جملہ انسانوں کے لیے) ایک چیلنج ہوتا ہے اور باری تعالیٰ کے اس فرمان کا آئینہ دار ہوتا ہے کہ "میرے بندے نے سچ کہا، پس تم اس کی (کامل) اطاعت اور پیروی کرو۔" اس لیے کہ نبی و رسول کا معجزہ اور جو کچھ اس نے فرمایا ہوتا ہے اس کی حقانیت اور صداقت پر دلیلِ ناطق ہوتا ہے اسے (عرفاً و شرعاً) معجزہ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کی مثل (نظیر) لانے سے مخلوقِ انسانی عاجز ہوتی ہے۔

(تفسیر خازن جلد 2 صفحہ 124)

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلم ان معنی تسمیتنا ماجاءت به
الأنبياء معجزة هو ان الخلق عجزوا عن
الاتيان بمثلها .

یہ بات بخوبی جان لینی چاہئے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام
اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں اسے ہم نے معجزے کا نام
اس لیے دیا ہے کہ مخلوق اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتی
ہے۔ (الشفاء جلد 1 صفحہ 349)

المعجزة عارة عن اظهار قدرة الله سبحانه
وتعالى و حكمته على يدنبی مرسل بين
امته بحيث يعجز اهل عصره عن ايراد
مثلا .

معجزہ اللہ سبحانہ، و تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا اس
کے برگزیدہ نبی کے دست مبارک پر اظہار ہے تاکہ وہ
اپنی امت اور اہل زمانہ کو اس کی مثل لانے سے عاجز
کردے۔ (معارج النبوة جلد 4 صفحہ 377)

ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معجزہ کی بڑی جامع تعریف کی ہے، فرماتے ہیں:

حد المعجزة ان يظهر عقيب
السؤال والدعوى ناقضا للعادة من
غير استحالة بجميع الوجوه و
يعجز الناس عن اتیان مثله بعد
التجهد والاجتهاد اذا كان بهم
حذافة و رزانة مثل تلك الصنعة .

معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ سوال اور دعویٰ کے بعد
(اللہ کے رسول اور نبی کے ہاتھ پر) کوئی ایسی خارق
عادت چیز ظاہر ہو جو ہر حیثیت سے محال نہ ہو اور لوگ
باوجود کوشش اور تدبیر کے اس قسم کے معاملات میں پوری
فہم و بصیرت رکھتے ہوئے بھی اس کے مقابلے سے عاجز
ہوں۔ (کتاب التہمید فی بیان التوحید از ابوشکور: صفحہ 71)

مندرجہ بالا سے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ

- 1- معجزہ من جانب اللہ ہوتا ہے لیکن اس کا صدور اللہ کے برگزیدہ نبی اور رسول کے ذریعہ ہوتا ہے۔
- 2- معجزہ مروجہ قوانین فطرت اور عالم اسباب کے برعکس ہوتا ہے۔
- 3- معجزہ نبی اور رسول کا ذاتی نہیں بلکہ عطائی فعل ہے اور یہ عطا اللہ رب العزت کی طرف سے ہوتی ہے۔
- 4- معجزے کا ظہور چونکہ رحمانی اور الوہی قوت سے ہوتا ہے اس لیے عقل انسانی اس کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے اور تصویر حیرت بن کر سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ وہ اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی۔

محدثین، مفسرین اور مفکرین نے ہر ہر مسئلہ کے ہر پہلو پر علم و حکمت کے موتی بکھیرے ہیں اور کمال عرق
ریزی سے امور و مسائل کی گتھیاں سلجھانے کی سعی کی ہے۔ ارباب علم و دانش نے اپنے محدود پیرائے میں معجزہ کے
بارے میں بھی علمی، فکری اور اعتقادی سطح پر حرف حق کی تلاش کا سفر جاری رکھا ہے اور تحقیق و جستجو کے محاذ پر داد
شجاعت دی ہے۔ اس ضمن میں بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ ”معجزہ“ کا لفظ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں کسی
ایک مقام پر بھی استعمال نہیں کیا۔ اس لیے وہ احتیاطاً معجزات کے بیان اور ان کے اثبات کے لیے قرآنی لفظ

”آیات“ کا استعمال کرتے ہیں۔ یہ استعمال یقیناً درست ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ آیات میں لفظ معجزہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ لفظ ”آیات“ میں عمومیت ہے جب کہ لفظ ”معجزہ“ میں خصوصیت ہے۔ لفظ ”معجزہ“ اصل فعل کے صدور اور وقوع کی کیفیت کو بھی بیان کرتا ہے۔ انسان کی ساری ظاہری اور باطنی صلاحیتیں اور قوتیں معجزہ کے صدور پر عاجز رہ جاتی ہیں۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اس فعل کو فقط آیات سے تعبیر نہیں کیا بلکہ متعدد دوسرے الفاظ کے ذریعہ بھی اس کے بنیادی تصور کو واضح کیا ہے۔

دلائل معراج جسمانی

جمہور سلف و خلف کا یہی عقیدہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو بحالت بیداری اور جسمانی معراج ہوئی ہے۔ اب کوئی شخص معراج شریف کے محال ہونے پر دلائل قائم کرے تو ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم معراج کو حضور پر نور ﷺ کا معجزہ کہتے ہیں۔ اور معجزہ وہ ہے جس کا وقوع عادتہ محال ہو اور انکار کرنے والوں کو عاجز کرنے کے لیے وہ کمال ایک نبی کی ذات سے ظاہر ہو۔

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ جو شخص اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات و صفات، علم و قدرت، عظمت و حکمت پر پوری طرح ایمان لایا ہے اور پھر حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی نبوت و رسالت، صداقت اور کمالات کی دل سے تصدیق کرتا ہے وہ واقعہ معراج یا اس قسم کے معجزات کا انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قادر مطلق جب اپنے حبیب ﷺ کو براق برق رفتار پر سوار کر کے بڑی راحت اور تکریم کے ساتھ چشمِ زدن میں زمین سے مقامِ او ادنیٰ میں لے گیا۔ تو اس کی قدرت کے آگے کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ کی معراج اور آپ کے کمالات کا انکار قدرتِ الہی کا انکار ہے۔ اس لیے اللہ تبارک تعالیٰ نے معراج کی آیت کو لفظ سبحان سے شروع کیا۔ کہ جو شخص اللہ تبارک تعالیٰ کی توحید اور کمالات کو بے عیب جانتا ہے۔ وہ اس کے حبیب ﷺ کے معجزات کو عقل کی کسوٹی سے نہیں جانچتا۔

برہانِ قرآن

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت مبارک 1 میں اللہ تبارک تعالیٰ، قادر مطلق کا ارشاد ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہٖ مِنْ اٰیٰتِنَا ۚ اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

ترجمہ:- ”پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصا تک، جس کے

گرداگرد ہم نے برکت رکھی، کہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہ سنتا ہے دیکھتا ہے۔“
اس حقیقت کا کہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ کو جسمانی معراج ہوئی اللہ تبارک تعالیٰ کا یہ ارشاد ”اسری بعبدہم“ بھی ایک روشن دلیل ہے۔ اس لیے کہ عبد کا لفظ ہمیشہ روح اور جسم دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ نہ بغیر روح کے جسم کو عبد کہا جاتا ہے اور نہ ہی صرف روح کو عبد کہا جاسکتا ہے۔ ویسے بھی روح کے بارے میں ہمیں کچھ بھی ادراک نہیں ہے اس لیے اس کے بارے میں تو ہم کچھ بھی نہیں کہہ سکتے، اور ہمیں کچھ بھی نہیں کہنا چاہئے۔

لفظ عبد واضح کر رہا ہے کہ سیر فقط روحانی نہیں بلکہ جسمانی بھی تھی، کیونکہ اس لفظ کا اطلاق جسم اور روح دونوں پر ہوتا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں۔

ان العبد اسم لمجموع الجسد والروح عبد کا اطلاق جسم و روح دونوں پر ہوتا ہے، لہذا
فوجب ان یکون الا سراء حاصلًا لمجموع یقیناً یہ سیر دونوں کے مجموعہ کو حاصل ہوئی۔
الجسد والروح۔ (مفاتیح الغیب، 20، 295)

اور اس حقیقت پر کہ لفظ عبد کا اطلاق جسم اور روح دونوں پر ہوتا ہے درج ذیل کی آیات مبارک بھی شاہد ہیں۔

سورۃ جن کی آیت 19 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝

ترجمہ:- ”اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اس کی بندگی کرنے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ جن اس پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہو جائیں۔“ (سورۃ جن آیت 19)

سورۃ علق کی آیات 9 اور 10 میں خالق و مالک کائنات کا فرمان ہے۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى ۝ عَبْدًا إِذَا صَلَّى ۝

ترجمہ:- ”بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے، بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔“ (سورۃ علق آیات 9، 10)

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور نبی اکرم نور مجسم سید دو عالم ﷺ کے اخص خصائص اور اشرف فضائل و کمالات اور روشن ترین معجزات و کرامات سے یہ امر ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کو فضیلت اسراء و معراج سے وہ خصوصیت و شرافت عطا فرمائی جس کے ساتھ کسی اور نبی اور رسول کو مشرف و مکرم نہیں فرمایا اور جہاں اپنے محبوب ﷺ کو پہنچایا کسی اور کو وہاں تک پہنچنے کا شرف نہیں بخشا۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ نے اس عظیم و جلیل واقعہ کے بیان کو لفظ سبحان سے شروع فرمایا جس کا واضح مطلب اللہ کی منزہ اور ذات باری کا ہر

عیب و نقص سے پاک ہونا ہے۔

اس میں یہ حکمت ہے کہ واقعات معراج جسمانی کی بناء پر منکرین کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہو سکتے تھے ان سب کا جواب ہو جائے۔ مثلاً حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کا جسم اقدس کے ساتھ بیت المقدس یا آسمانوں پر تشریف لے جانا اور وہاں سے ثم دنی فتدلی کی منزل تک پہنچ کر تھوڑی دیر میں واپس تشریف لے آنا منکرین کے نزدیک ناممکن اور محال تھا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے لفظ سبحان فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ یہ تمام کام میرے لیے ناممکن اور محال ہوں تو یہ میری عاجزی اور کمزوری ہوگی اور عجز و ضعف عیب ہے اور میں عیب سے پاک ہوں۔ اسی حکمت کی بناء پر اللہ تبارک تعالیٰ نے اسریٰ فرمایا جس کا فاعل (لے جانے والا کرنے والا) اللہ تبارک تعالیٰ ہے۔ حضور انور ﷺ کو جانے والا نہیں فرمایا بلکہ اپنی ذات کو لے جانے والا فرمایا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے لفظ سبحان الذی اسریٰ فرما کر معراج جسمانی پر ہر اعتراض کا جواب دیا ہے اور اس سے معلوم ہوا۔ آیت اسریٰ کا پہلا لفظ ہی معراج جسمانی کی روشن دلیل ہے۔

اس کی مزید وضاحت کے لیے درج ذیل آیات مبارک کے الفاظ اور اس کے ترجمہ کے دھیان سے پڑھئے انشاء اللہ صورت حال آپ پر واضح ہو جائے گی۔

سورۃ دخان آیت 23 میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک یوں ہے:

فَأَسْرِ بِعَبْدِي لَيْلًا إِنَّكُمْ مُتَّبِعُونَ ۝

ترجمہ:- ”ہم نے حکم فرمایا کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے نکل، ضرور تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔“
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا میرے بندوں بنی اسرائیل کے لوگوں کو رات کے وقت مصر سے باہر لے چلو کیونکہ دن ہو گیا تو قبلی (قوم فرعون) تمہارا تعاقب کر کے جانے نہیں دیں گے۔ اب اگر کوئی شخص اسریٰ بعبدہ کا یہ معنی کرے، کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندے کو خواب کی حالت میں روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس کی طرف لے گیا۔ تو یہ معنی اس کے مشابہ ہے کہ کوئی شخص مذکورہ بالا آیت فاسر بعبدی کا مطلب یوں بیان کرے کہ اے موسیٰ! میرے بندوں کو بحالت خواب محض روحانی طور پر مصر سے کنعان کی طرف لے چلو۔

لہذا ثابت ہوا کہ یہاں جسمانی معراج مقصود ہے۔ اگر روحانی اور خواب کا واقعہ ہوتا تو قرآن مجید میں اسویٰ بروح عبده نازل ہوتا۔

(ماخوذ از عمدة القاری جلد 7 صفحہ 229..... تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 572..... الروض الانف جلد 1 صفحہ 243)

برہان حدیث

بخاری شریف میں ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لما کذبنی قریش قمت فی الحجر فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرهم عن آیاته وانا انظر الیه ۔

بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مجھے قریش نے جھٹلایا تو میں حطیم میں میزاب رحمت کے نیچے ٹھہر گیا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے میرے سامنے بیت المقدس کو ظاہر فرمایا۔ پھر میں نے ان کو اس کی نشانیوں کی خبر دینی شروع کی اور میں اس وقت بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا۔

(بخاری جلد 1 صفحہ 548..... مسلم جلد 1 صفحہ 96)

اس حدیث شریف سے جسمانی معراج ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو اسے جھٹلانے کی کیا ضرورت تھی۔ (تفسیر فتح القدیر از شوکانی جلد 2 صفحہ 35..... خفاجی بیضاوی جلد 2 صفحہ 6..... یواقیت والجاہر جلد 2 صفحہ 20)

برہانِ قولِ صحابی

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جسمانی معراج کے وقوع کی دلیل پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا جو اللہ تبارک تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو ہزار بار آسمان سے زمین پر اتار سکتا ہے وہی اللہ تبارک تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو زمین سے آسمان پر لے جاسکتا ہے۔

اس کے بعد امام فخر الدین رازی اس قول کی تشریح میں یوں رقم طراز ہیں کہ اگر جسم کثیف کا اپنے ارضی مرکز سے عالم سماوی میں جانا ناممکن ہے۔ تو جسم لطیف کا اپنے سماوی مرکز سے عالم دنیا میں آنا کس طرح ممکن ہوگا۔ پس چاہئے کہ جو شخص جسمانی معراج کا انکار کرتا ہے، وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اترنے کا لازمی طور پر انکار کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اللہ تبارک تعالیٰ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اس کے ملکوتی مرکز سے دوسرے عالم (ناسوتی مرکز) میں بھیج سکتا ہے تو وہ قادر مطلق اپنی قدرت سے اپنے حبیب ﷺ کو اس دنیاوی مرکز سے سماوی مرکز میں بھیج سکتا ہے۔ (حاصل از تفسیر کبیر جلد 5 صفحہ 542)

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص قرآن کے نزول کا قائل ہے وہ معراج جسمانی کا انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جو شخص عالم بالا سے عالم سفلی میں ملائکہ کے نزول کا قائل ہے وہ عالم سفلی سے عالم بالا میں حضور سرِ اُپا نور ﷺ کے عروج کا قائل ہے۔

برہانِ روایت و درایت

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور پر نور ﷺ سے اس رات عرض کی جس رات میں آپ ﷺ کو معراج ہوئی کہ میں نے آج رات آپ ﷺ کو آپ کی جگہ پر تلاش کیا اور آپ ﷺ کو نہ پایا۔

عن شداد بن اوس انه قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ طلبتک یا رسول اللہ البار حر فی مکانک فلم اجدک فاجابہ انه جبریل علیہ السلام حملنی الی

المسجد الاقصی ۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حضرت جبرائیل علیہ السلام مسجد اقصیٰ کی طرف لے گئے تھے۔

(شفا شریف جلد 1 صفحہ 190)

عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال
للنبی صلی اللہ علیہ وسلم طلبتک و یا
رسول اللہ البارحة فی مکانک و فلم اجدک
فاجاب ان جبریل علیہ السلام حملہ الی
المسجد الاقصی ۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور
پُر نور نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ میں نے آپ ﷺ کو
آج رات آپ کی جگہ پر تلاش کیا اور میں نے آپ ﷺ
کو نہ پایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ
السلام مجھے مسجد اقصیٰ میں لے گئے تھے۔ (براس صفحہ 190)

اس کے علاوہ امام برہان الدین حلبی لکھتے ہیں کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم
ﷺ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں سوئے ہوئے تھے۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ رات کے ایک حصہ میں
میں نے آپ ﷺ کو گم پایا اور میری نیند اچاٹ ہو گئی اس خوف سے کہ کوئی دشمنوں کی طرف سے خطرہ لاحق نہ ہو
جائے۔

ابن سعد سے روایت ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو لوگوں نے اس رات اپنی قیام گاہ پر نہ پایا
تو بنو عبدالمطلب آپ کی تلاش میں ادھر ادھر چکر لگاتے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ ذی طویٰ کے مقام پر یا محمد (ﷺ)
پکارتے تھے حتیٰ کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے جواب دیا لبیک لبیک۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا
آپ نے اپنی قوم کو تھکا دیا آپ کہاں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیت المقدس کی طرف گیا تھا عرض کیا آج کی
رات وہاں گئے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں آج ہی رات وہاں گیا تھا۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ
(ﷺ) ہر طرح خیریت سے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بالکل ہر طرح خیریت سے ہوں۔ کہتے ہیں کہ
معراج سے واپسی پر آپ ﷺ نے ذی طویٰ پر براق سے اتر کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات چیت کی ہوگی۔

(المسیرۃ الخلیفہ جلد 2 صفحہ 205)

برہانِ تاریخ عالم

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے حضرت وحیہ بن
خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کو قیصر روم کی طرف بھیجا۔ حدیث کی کتابوں میں حضرت وحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے جانے اور وہاں
شاہی دربار میں پہنچنے کا پورا واقعہ موجود ہے اور یہ بھی ہے کہ قیصر روم نے جو بیت المقدس کی زیارت کے لیے شام
میں موجود تھا۔ حضور انور ﷺ کا مکتوب گرامی پڑھنے کے بعد وہاں عرب کے تاجروں کو بلایا۔ ابوسفیان (اسلام
لانے سے پہلے) اور ان کے ہمراہی قیصر روم کے سامنے پیش کئے گئے۔ قیصر روم نے ان سے چند سوالات کئے جن

کا ذکر بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔

ابوسفیان کا قول ہے کہ میں چاہتا تھا کہ ہر قل، قیصر روم کے سامنے کوئی ایسی بات کروں جس سے حضور پُر نور نبی کریم رُوف ورحیم ﷺ کی پاکیزہ شان اس بادشاہ کی نظروں میں گر جائے مگر مجھے خوف تھا کہیں ایسا نہ ہو میرا جھوٹ ظاہر ہو جائے اور میں بدنام ہو جاؤں۔ اور میری سرداری پر بھی داغ آجائے۔ میں اس فکر میں تھا کہ مجھے معراج کے متعلق اس کی بات یاد آگئی۔

میں نے فوراً کہا اے بادشاہ! کیا میں آپ کو ایسی بات نہ بتاؤں کہ جس کے سننے سے تجھے یقین ہو جائے کہ یہ شخص جھوٹا ہے۔ بادشاہ نے کہا وہ کیا بات ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک ہی رات میں مکہ سے چلا اور ایلیا (بیت المقدس) میں آیا اور اس رات ہی مکہ واپس ہو گیا۔ ابوسفیان نے کہا جس وقت میں یہ بات کہہ رہا تھا اس وقت بیت المقدس کا متولی جو عیسائیوں کا بڑا پادری تھا۔ قیصر روم کے پاس کھڑا ہو کر سب کچھ بڑے غورو دھیان سے سن رہا تھا۔

اس بیت المقدس کے متولی نے کسی کو بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔ میری بات پوری ہونے کے فوراً بعد وہ پادری بولا کہ مجھے اس رات کا علم ہے قیصر روم نے کہا تجھے کس طرح علم ہے؟ پادری نے کہا میری عادت ہے کہ میں ہر روز رات کو سونے سے پہلے مسجد کے تمام دروازے بند کر دیتا ہوں۔ اس رات میں نے تمام دروازے بند کر دیئے مگر انتہائی کوشش کے باوجود ایک دروازہ بند نہ ہو سکا۔ میں نے اپنے کارندوں اور تمام حاضرین سے مدد لی سب نے پورا زور لگایا مگر دروازہ نہ ہل سکا۔ بالآخر میں نے سوچا کہ اوپر کی عمارت نیچے آگئی ہے جس کے سبب سے اوپر کی چوکھٹ کا اس پر دباؤ پڑ گیا ہے اب رات کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ صبح دیکھیں گے جو خرابی بھی ہے درکھانوں کو بلا کر درست کرائی جائے گی۔

پادری نے کہا دروازہ کے دونوں کواڑ کھلے چھوڑ کر ہم لوگ واپس چلے گئے۔ صبح ہوتے ہی میں وہاں آیا اور لیکا یک دیکھتا ہوں کہ مسجد کا وہی دروازہ بالکل ٹھیک ہے۔ اور مسجد کے کونے میں جو پتھر پڑا تھا مجھے اس کے سوراخ سے سواری باندھنے کا نشان نظر آیا۔ یہ منظر دیکھ کر میں سمجھ گیا آج کی رات انتہائی کوشش کے باوجود کواڑوں کا بند نہ ہونا اور پتھر کے سوراخ کا واضح ہو جانا اور پھر اس میں جانور باندھنے کا نشان ہونا حکمت سے خالی نہیں۔

تب میں نے سوچا کہ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ایک نبی آخر زمان ﷺ نے بیت المقدس سے آسمان پر جانا تھا آج رات وہ تشریف لے جا چکے ہیں اور پھر سب لوگوں کو بلا کر میں نے حقیقت سے آگاہ کیا۔

(درمنثور جلد 4 صفحہ 157..... تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 12..... روح البیان جلد 2 صفحہ سیرت حلبیہ جلد 1 ص 410)

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، ہادیِ انس و جاں، رہبر کائنات، رسول بحر و بر، سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمت للعالمین، اصل الموجودات، حضور پُر نور، نبی کریم رُوف ورحیم، نور مجسم ﷺ یمن و برکت سے لبریز اس سفر سے جب

واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے اپنے سفر کے حالات اور مشاہدات سے اپنی چچا زاد بہن، حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ہمشیرہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کو آگاہ فرمایا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ صبح سویرے وہ حرم شریف میں جا کر اس سفر کے واقعات اپنی قوم کے سامنے بیان کریں گے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ میرے رب کریم کی بیکراں قدرتوں کی کیا شان ہے اور اس بندے کا اپنے معبود برحق کے دربار میں کیا مقام ہے۔

حضرت امام ہانی رضی اللہ عنہا نے ازراہ شفقت حضورِ انور ﷺ کا پلو پکڑ لیا اور بولیں اے میرے چچا زاد! میں آپ ﷺ کو خدا کا واسطہ دے کر عرض کرتی ہوں کہ آپ ﷺ ایسا نہ کریں اگر آپ ﷺ نے یہ واقعات انہیں سنائے تو یہ آپ کی تکذیب کر دیں گے۔ مذاق اڑائیں گے اذیتیں پہنچائیں گے۔ سرکارِ دو عالم نے جھٹکا دے کر اپنا پلو چھڑا لیا اور حرم شریف کی راہ لی۔ آپ کہتی ہیں کہ اس وقت حضورِ پُر نور ﷺ کے قلب مبارک سے نور کی ایک شعاع چمکی کہ میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور میں سجدہ میں گر گئی۔ جب میں نے سجدہ سے سر اٹھایا تو حضورِ پُر نور ﷺ تشریف لے جا چکے تھے۔

میں نے اپنی نبعہ نامی لونڈی کو کہا کہ تم حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کیا فرماتے ہیں اور لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔ نبعہ وہاں پہنچی دیکھا حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کعبہ شریف کے دروازے اور حجرِ اسود کے درمیان تشریف فرما ہیں اور لوگ حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کے ارد گرد انبوہ کئے ہوئے ہیں۔ ان میں مطعم بن عدی اور ابو جہل بھی ہیں۔

حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنی سیاحت ملکوت السموات والارض کے واقعات سنائے کہ رات کو مجھے بیت المقدس لے جایا گیا وہاں مسجد اقصیٰ میں انبیاء سابقین بھی جمع ہو گئے میں نے سب کی امامت کرائی ان تمام انبیاء نے میری اقتدا میں نماز ادا کی۔ جب سرکارِ دو عالم ﷺ نے اپنی بات ختم کی مشرکین نے شور مچا دیا۔ کچھ سیٹیاں بجانے لگے کچھ تالیاں بجانے لگے۔ بعض اپنے سروں پر ازراہ تعجب ہاتھ دھرے حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔

اچانک مطعم بن عدی بولا کہ آج تک جو باتیں آپ (ﷺ) کرتے تھے وہ عام فہم تھیں۔ لیکن جو بات آپ نے آج کہی ہے اس نے تو ہمیں لرزا کر رکھ دیا ہے۔ ہم کیسے باور کر لیں کہ جو مسافت طے کرنے کے لیے جاتے ہوئے ہمارا ایک مہینہ اور واپسی پر بھی ایک مہینہ صرف ہوتا ہے حالانکہ ہم تیز رفتار سائڈ نیوں پر سوار ہوتے ہیں، اس طویل مسافت کو آپ (ﷺ) نے رات کے قلیل عرصہ میں طے کر لیا۔ اور راتوں رات واپس بھی پہنچ گئے۔ لات و عزّیٰ کی قسم! ہم آپ کی یہ بات ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی پاس بیٹھے تھے۔ مطعم کا یہ ترش رویہ دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ اے مطعم! اپنے بھتیجے

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۱۹) جلد دوم

کے ساتھ جو گفتگو تم نے کی ہے وہ از حد ناپسندیدہ ہے تو نے ان کا دل دکھایا ہے اور انہیں جھٹلایا ہے۔ غور سے سنو میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ انہوں نے جو فرمایا ہے وہ حق ہے وہ سچ ہے۔ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے الجھ پڑے کہنے لگے تمہارا ذہن کیا اس انہونی بات کو تسلیم کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا! ہاں میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کیونکہ میں تو ان کی زبان سے نکلی ہوئی ایسی باتوں کو بھی صحیح مانتا ہوں جو اس سے بھی بڑی ہوتی ہیں۔ یہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس رات اور دن میں کئی کئی بار آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ تو حضور پر نور ﷺ کے اس ارشاد کو ماننے میں مجھے کیا تامل ہو سکتا ہے۔

آج کے سائنسی دور کے ارتقاء اور کائناتی انکشافات کے اس دور میں بھی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں نے خواب میں زمینوں اور آسمانوں کی سیر کی اور جب میں واپس آیا تو میرا بستر گرم تھا تو اسے من وعن تسلیم کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ خواب کی بات ہے اور خواب میں ایسا ہونا ممکن ہے۔ اگر حضور پر نور نبی کریم ﷺ بھی یہ دعویٰ خواب کے حوالے سے کرتے تو ابولہب کو مطعم بن عدی کو اس کی حقانیت سے انکار ہوتا اور نہ ابو جہل کو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دعویٰ عالم بیداری میں کیا گیا کہ آسمانوں اور زمینوں کی سیر میں نے عالم بیداری میں کی، اس لیے عقل اسے تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوئی۔ اب چونکہ جاگتے ہوئے یہ سب کچھ ہونا انسانی فہم و ادراک سے بالاتر تھا لہذا اس معجزہ کو اہل ایمان کے لیے ان کے ایمانوں کی آزمائش قرار دیا گیا۔ چنانچہ قرآن مجید کی سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 60 میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۚ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ ۚ وَنُخَوِّفُهُمْ لَا فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝

ترجمہ: اور ہم نے تو (شب معراج کے) اس نظارہ کو جو ہم نے آپ کو دکھایا لوگوں کے لیے صرف ایک آزمائش بنایا ہے (ایمان والے مان گئے اور ظاہر بین الجھ گئے۔) (سورۃ بنی اسرائیل آیت 60)

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رویا چونکہ عام طور پر خواب کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے لہذا حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو سفر معراج خواب میں عطا ہوا۔ درحقیقت یہ مفہوم غلط ہے۔ عربی زبان میں رویا رات کے وقت کھلی آنکھوں سے دیکھنے کو بھی کہتے ہیں اور دور جاہلیت کے کئی عرب شعراء کا کلام بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ یہاں رویا سے مراد مطلق مشاہدہ ہے۔ اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

لنريه من ايتنا۔ (بنی اسرائیل آیت 1) تاکہ ہم اس (بندہ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔

چونکہ یہ چیز کسی بھی شخص کے لیے عملاً ناممکن تھی لہذا اللہ رب العزت نے اسے اپنی قدرتوں کی طرف منسوب کیا اور فرمایا سورہ بنی اسرائیل آیت 1 میں

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ (ترجمہ: (کہہ) یہ نقص ہے، اور ناممکن ہے کہ اسے (۱۲)

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۲۰) جلد دوم

الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا
حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
الْبَصِيرُ ۝

ہے وہ قادر مطلق جو لے گیا اپنے بندے کو رات کے
وقت سیر کرانے۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت 1)

کفار و مشرکین مکہ کا رد عمل ہی ظاہر کرتا ہے کہ معجزہ معراج نہ کوئی معمولی واقعہ تھا اور نہ یہ کوئی خواب ہی بیان
ہو رہا تھا۔ اگر یہ خواب ہوتا تو کفار و مشرکین کا ایسا منکرانہ رد عمل سامنے نہ آتا اور نہ قرآن حکیم میں اس کا ذکر اس
اہتمام سے ہوتا۔

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم عالم خفا و غیوب مخبر صادق حضورِ انور رحمت دو عالم ﷺ بیت المقدس کے بارے میں
کفار و مشرکین مکہ کے ہر سوال کا درست جواب دے رہے تھے۔ جب انہیں اپنی اس سازش میں ناکامی کی صورت
دکھائی دینے لگی تو کہنے لگے کہ ہمارے بعض قافلے اس راہ پر گئے ہیں۔ کچھ ان کے بارے میں بتلائیے۔

حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارا پہلا قافلہ ”روحا“ کے مقام پر دیکھا
تھا۔ اس قافلے کی قیادت فلاں قبیلے کا فلاں شخص کر رہا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ اس قافلے کا ایک اونٹ گم ہو گیا۔ وہ لوگ
وہاں رک کر اپنے اونٹ کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ جب میں وہاں پہنچا تو مجھے پیاس لگی۔ میں نے دیکھا کہ ان
کے ایک اونٹ کے پالان کے ایک پیالے میں پانی پڑا ہے۔ میں نے اتر کر اس پانی کو پی لیا۔ جب میں روانہ
ہونے لگا تو مذکورہ شخص اونٹ کو تلاش کر کے واپس پہنچا تو میں نے جاتے ہوئے اسے سلام کیا تو قافلے والوں میں
سے بعض نے کہا یہ تو محمد ﷺ کی آواز ہے۔

قارئین کرام! یہاں معراج جسمانی کو ثابت کرنے کے لیے ایک نکتہ بہت ہی زیادہ توجہ طلب ہے اور وہ نکتہ
بھی ایسا ہے کہ اسے ہر کوئی با آسانی سمجھ سکتا ہے یعنی کہ وہ عوام الناس کے لیے قابل فہم ہے۔

اور وہ نکتہ ہے آپ ﷺ کا مقام روحا پر قافلہ والوں کے ایک ڈھکے ہوئے برتن سے پانی نوش فرمانا اور پھر
اسے اسی جگہ ڈھک کر رکھ دینا۔ اور قافلہ والوں کو اسلام علیکم کہنا اور قافلہ والوں کا آپ ﷺ کی آواز مبارک کا
پہچاننا۔

خواب میں مندرجہ بالا ممکن نہیں ہیں۔ خواب میں ہم پانی تو پی سکتے ہیں اور کھاتے پیتے بھی ہیں لیکن مادی
لحاظ سے عملی طور پر وہ ہم نے نہیں پیا ہوتا۔ یا یوں کہہ لیں کہ خواب میں پانی پئے گئے کے بارے میں آپ یہ مادی
عملی طور پر نہیں کر سکتے کہ حقیقت میں (مادی عملی طور پر) کسی برتن کا ڈھکنا یا کور اتاریں اور اس میں سے حسب
ضرورت پانی پی جائیں کہ اسی تناسب سے برتن میں پانی کم ہو جائے۔ ایسا تو صرف عالم بیداری میں جسمانی طور پر
ہی کیا جاسکتا ہے خواب میں نہیں۔

اس نکتہ کو ایک اور عام اور سادہ سی تمثیل سے سمجھ لیں۔

آپ لین دین کے خواب تو دیکھ سکتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے ایک گہرے دوست کو پچاس ہزار روپے کی ضرورت پڑی۔ آپ خواب میں بینک گئے اور وہاں سے پچاس ہزار روپے لے کر آپ نے اپنے دوست کو دے دیئے اور وہ آپ کی یہ رقم ایک ماہ بعد واپس کرنے کا کہہ کر چلا گیا اور اس کے ساتھ ہی آپ کا خواب بھی ختم ہو گیا۔

اب آپ صبح اٹھ کر یا کسی دن بھی اپنے دوست کو اپنا خواب تو سنا سکتے ہیں لیکن اس سے خواب میں دی گئی رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ کی دماغی صحت مشکوک ہو جائے گی اور آپ خود ہی اپنی دماغی صحت کے خراب ہونے کا ثبوت دیں گے۔

اس لیے کہ مادی عملی طور پر لینے دینے میں آپ دونوں کا خواب کے بجائے بیداری میں اٹھ کر جانا اور لین دین کو انجام دینا صرف اور صرف جسمانی طور پر ہی ہو سکتا ہے۔

یعنی کہ برتن میں سے پانی پیا اور پانی بھی ایک خاص مقدار تک کم ہو گیا تو اس کا مطلب ہے کہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے وہ اپنی عالم بیداری میں نوش فرمایا اور اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ معراج جسمانی تھا۔

جب مسجد اقصیٰ کے نشانات بتائے گئے تو صحیح صحیح بتائے گئے۔ قافلوں کے حالات سنائے گئے، تو سچ سچ سنائے گئے۔ مقامِ روحاء پر پیالہ سے پانی نوش فرمایا تو پیالہ خالی پایا گیا۔ ذی مروہ کے مقام پر براق کی رفتار کے فرائے سے اونٹ ڈر کر کودا۔ تب شتر سوار اس سے گرا اور اس کے ہاتھ کی کلائی ٹوٹ گئی۔ آپ ﷺ کی آواز کی پہچان اور ان تمام واقعات سے یہ روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ معراج بیداری میں ہوئی۔

(الروض الانف جلد ۱ صفحہ ۲۴۴)

”الشفاء جعفر بن عرفان مصطفیٰ“ میں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اپنی تحقیق کے مطابق ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام رحمہ اللہ کو جسمانی معراج پر ایمان رکھنے والا کہا ہے:

وذهب معظم السلف و المسلمین الی انہ
اسراء بالجسد و فی الیقظة و هذا هو الحق
و هو قول ابن عباس رضی اللہ عنہما و جابر رضی اللہ عنہ و انس رضی اللہ عنہ
و حذیفہ رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ
و مالک رضی اللہ عنہ بن صعصعہ رضی اللہ عنہ و ابی حبة
البدری رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہ الضحاک رضی اللہ عنہ
و سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ و قتادہ رضی اللہ عنہ و ابن
اسلاف اور مسلمانوں کی اکثریت اسراء کو جسم کے
ساتھ بیداری میں ہونے پر ایمان رکھتی ہے اور یہی سچا
قول ہے۔ اس قول میں ابن عباس رضی اللہ عنہ، جابر رضی اللہ عنہ،
انس رضی اللہ عنہ، حذیفہ رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مالک بن
صعصعہ رضی اللہ عنہ، ابوجہ البدری رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ،
ضحاک رضی اللہ عنہ، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، قتادہ ابن المسیب رضی اللہ عنہ،
ابن شہاب رضی اللہ عنہ، ابن زید رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، ابراہیم رضی اللہ عنہ،

المسیب رضی اللہ عنہ و ابن شہاب رضی اللہ عنہ و ابن زید رضی اللہ عنہ و الحسن رضی اللہ عنہ و ابراہیم رضی اللہ عنہ و مسروق رضی اللہ عنہ و مجاہد رضی اللہ عنہ و عکرمہ رضی اللہ عنہ و ابن جریر رضی اللہ عنہ و هو دلیل قول عائشة و هو قول الطبری رضی اللہ عنہ و ابن حنبل رضی اللہ عنہ و جماعة عظيمة من المسلمين و هو قول اکثر المتأخرين من الفقهاء و المحدثين و المتکلمين و المفسرين ۔

مسروق رضی اللہ عنہ، مجاہد رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ، ابن جریر رضی اللہ عنہ وغیرہ شریک ہیں اور یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول پر دلیل ہے اور یہ قول طبری رضی اللہ عنہ، ابن حنبل رضی اللہ عنہ کے علاوہ مسلمانوں کی غالب اکثریت کا بھی ہے اور متاخرین فقہاء محدثین اور متکلمین و مفسرین کا بھی یہی قول ہے۔

(الشفا جلد 1 صفحہ 188)

جسمانی معراج کے منکرین کے دلائل اور جواب

جسمانی معراج کے منکرین نے اس سے متعلق سورۃ بنی اسرائیل کی آیت مبارک 60 کا سہارا لیا ہے اور ان کا یہ کہنا ہے کہ اس آیت مبارک کی موجودگی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ واقعہ معراج ایک خواب تھا کیونکہ اس آیت میں ”رؤیا“ کا لفظ آیا ہے اور رؤیا کا مطلب خواب ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 60 میں رب للعالمین کا ارشاد پاک یوں ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۚ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ ۚ وَنُخَوِّفُهُمْ ۚ لَا فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝

ترجمہ:- ”اور جب ہم نے تم سے فرمایا کہ سب لوگ تمہارے رب کے قابو میں ہیں، اور ہم نے یہ کیا وہ دکھا دیا جو تمہیں دکھایا تھا، مگر لوگوں کی آزمائش کو۔“ (سورۃ بنی اسرائیل آیت 60)

جسمانی معراج کے منکرین کہتے ہیں کہ

ما جعلنا الرؤيا التي ارينك الا فتنه للناس ۔

”یہاں رؤیا کا لفظ ہے اس کا معنی خواب ہے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہ خواب آپ کو صرف اس لیے دکھایا تا کہ لوگوں کی آزمائش کی جاسکے۔“

جب خود قرآن پاک نے تصریح کر دی کہ یہ خواب تھا تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے۔ کیونکہ اس آیت مبارک کا پہلا حصہ (اور جب ہم نے تم سے فرمایا کہ سب لوگ تمہارے رب کے قابو میں ہیں) سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس خواب کا تعلق سن 6 نبوت سے پہلے کا ہے یعنی اس دور سے متعلق ہے جب پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور اس کے نواح میں اطلانیہ تبلیغ

فرما رہے تھے۔ کیونکہ اس میں یہی فرمایا گیا ہے کہ

”اے میرے محبوب نبی، ہادیِ انس و جاں، رحمت للعالمین، پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم دنیا کے سب لوگ میرے قبضہ قدرت و قابو میں ہیں، تو آپ تبلیغ فرمائیے اور کسی کا خوف نہ کیجئے، میں آپ کا حامی و ناصر و نگہبان ہوں۔“

اور اگر منکرینِ جسمانی معراج کا اس پر ہی اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج ہی کا ذکر ہے تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصریح کے بعد کوئی شک و ابہام نہیں رہتا۔ آپ نے فرمایا۔ یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے۔

قال ابن عباس ہی رؤیا عین اریہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
”یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رؤیا کا معنی ان آنکھوں سے دیکھنا ہے جس کا مشاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرایا گیا۔“

علامہ ابن عربی اندلسی نے احکام القرآن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔
ولو كانت رؤیا منام ما افتتن بها احد۔ ولا انكرها فانه لا يستبعد على احد ان يرى نفسه يخترق السموات ويجلس على الكرسي۔ ويكلمه الرب۔
”یعنی اگر معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا۔ اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور اللہ تبارک تعالیٰ نے اس سے گفتگو فرمائی تو ایسے خواب کو کبھی ناممکن اور خلاف عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔“ (احکام القرآن، ابن العربی صفحہ 1195)

کچھ مفسرین نے اس مذکورہ آیت مبارک کو صلح حدیبیہ یا جنگ بدر کی خواب پر معمول کیا ہے۔ جب کہ کچھ مفسرین نے اس آیت کو صلح حدیبیہ اور غزوہ اُحد کی خواب پر معمول کیا ہے۔
تو اس آیت کا معراج پر محمول کرنا حتمی اور یقینی نہ رہا۔ کیونکہ اذا جاء الاحتمال بطلل استدلال جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

رؤیا بمعنی رؤیت بصری میں مستعمل ہے۔ علی الخصوص رات کو آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں شائع اور ذرائع ہے۔ لغت عرب میں اس کے بہت شاہد ہیں۔ یہ جملہ دیوانِ متنبتی میں ابوالطیب نے بدر بن عمار کی تعریف میں لکھا ہے۔

مضى الليل والفضل الذي لا يمضي،

ورؤياك احلى في العيون من الغمض،

رات تمام ہوگئی اور تیری فضیلت ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ دائم اور ثابت ہے۔ اور تیری صورت کا دیکھنا آنکھوں میں نیند سے زیادہ میٹھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے یہاں رؤیا بمعنی رویت بصری میں استعمال ہوا۔ جو کہ ایک فصیح بلیغ شاعر کا قول ہے جس کو محاورہ کلام عرب میں بطور حجت اور دلیل کے پیش کیا جاسکتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

رؤیا عین اریہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ الی بیت المقدس۔

”رؤیا سے یہاں آنکھ سے دیکھنا مراد ہے۔ جو حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے معراج کی

رات بیت المقدس تک دیکھا ہے۔“ (بخاری شریف جلد 1 صفحہ 550)

اس حدیث کے خاشیہ 5 پر امام کرمانی کا مقولہ منقول ہے۔ رؤیا عین قید بہ للاشعار بان رؤیا بمعنی الرؤیۃ فی الیقظۃ لا رؤیا النام رؤیا کو آنکھ کے دیکھنے سے مقید فرمایا کہ لفظ رؤیا بحالت بیداری کے دیکھنے کے مستعمل ہے۔ اور خواب اور نیند کا واقعہ نہیں۔

یہ لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضور انور ﷺ نے فرمایا:

ثم استیقظت وانا فی المسجد الحرام۔

”پھر میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا۔“

اس روایت کے متعلق فن حدیث کے ماہرین کی تصریح ملاحظہ فرمائیے خود بخود شبہ دور ہو جائے گا۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شریک نے نقل کئے ہیں اور ”شریک لیس بالحافظ

عند اهل الحديث یعنی کہ اہل حدیث کے نزدیک، شریک حافظ حدیث نہیں ہے۔ (روح المعانی جلد 15)

دوسری روایت سنئے۔

ان هذا اللفظ رواه شريك عن انس و كان قد تغير باخروہ فيقول علی روايات الجميع۔

”کہ یہ الفاظ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صرف شریک نے روایت کئے ہیں ان کا حافظ آخر میں کمزور ہو گیا

تھا اس لیے ان کی روایت کی بجائے ان روایات پر بھروسہ کیا جائے جو باقی تمام راویوں نے بیان کی

ہیں۔“ (احکام القرآن، ابن العربی صفحہ 1195)

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث شریک کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث ابن شہاب، ثابت

البنانی اور قتادہ نے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی روایات میں یہ الفاظ نہیں۔

قد روی حدیث الاسراء من انس جماعة من الحفاظ المتقین والائمة المشہورین

کابن شهاب و ثابت البنانی و قتادة و لم یات احد منهم بما اتی به شریک .

(روح المعانی جلد 15)

اس سے متعلق امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

فاستیقف وهو بالمسجد الحرام کے تحت
ارقام فرماتے ہیں۔ و اقلہ قوله فاستیقف وهو
عند المسجد الحرام فان حمل علی ظاہرہ
جاز ان یکون نام بعد ان هبط من السماء
فاستیقف وهو عند المسجد الحرام و جاز
ان یؤول قوله استیقف ای افاق مما کان فیہ
فانہ کان اذا اوحی الیہ یتغرق فیہ فاذا
انتہی رجع الی حالہ الاولی فکفی عنہ بالا
استیقاظ .

کم از کم روایت کرنے والے کا یہ قول ہے کہ پھر حضور پر
نور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ مسجد حرام میں تھے اس قول کو
ظاہر پر بھی حمل کرنا جائز ہے اور اس کی تاویل بھی کی
جاسکتی ہے۔ ظاہر پر حمل کریں تو یہ کہیں گے کہ حضور انور
صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے واپس تشریف لا کر مسجد حرام میں سو
گئے۔ پھر جب بیدار ہوئے تو مسجد حرام ہی میں تھے اور
اگر تاویل کریں تو یہ معنی ہوں گے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو
جب معراج کے حال سے افاقہ ہوا تو آپ مسجد حرام میں
تھے۔ کیونکہ جب حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو
وحی ہوتی تھی تو آپ اس میں مستغرق ہو جاتے جب وحی
ختم ہوتی تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت استغراق سے
افاقہ ہو جاتا تھا۔ یہی کیفیت معراج کے لیے ہوئی حتیٰ
کہ جب تک حضور انور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں
رہے آپ پر استغراق طاری رہا جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
مسجد حرام میں واپس آئے آپ سے وہ استغراق زائل
ہوا۔ جس کو راوی بیداری ہونے سے تعبیر کرتا ہے۔

(فتح الباری جلد 13 صفحہ 410)

کچھ معترفین نے، جسمانی معراج کے منکرین نے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے، اپنے کج خیالات و
انداز فکر کی حمایت میں تضاد سے پر باتیں کی ہیں اور غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ ایک
سادہ سی بات کو بھی متنازع بنا کر پیش کرتے ہیں۔

تناقض و تضاد کے جو نمونے انہوں نے ذکر کئے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ وہ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حطیم میں تھے۔ دوسری میں ہے حجر میں تھے تیسری

میں ہے مسجد حرام میں تھے۔“

آپ ذرا غور فرمائیے کیا ان روایات میں تضاد نام کی کوئی چیز ہے حطیم اور حجر تو ایک جگہ کے دو نام ہیں یعنی وہ جگہ جو اصل میں کعبہ شریف کا حصہ تھی لیکن جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ گر گیا تو قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اسے باہر چھوڑ دیا ہے یہ حصہ حطیم یا حجر، مسجد حرام میں ہے۔ تو ان روایات میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔

آپ خود فرمائیے کہ احادیث کے ان کلمات میں کوئی تضاد ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس اختلاف کے بارے میں خود علماء نے تصریح کی اور جو حدیث زیادہ صحیح اور قوی تھی اس کو ترجیح دے کر نسبتاً ضعیف روایات کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا ہے۔ جو تضاد قابل فکر ہے وہ تو یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی پایہ کی ہوں۔ کسی کو کسی پر ترجیح بھی نہ دی جاسکتی ہو اور ان کو یکجا جمع بھی نہ کیا جاسکتا ہو۔

بہر حال یہ ان لوگوں کے شکوک و شبہات کا مجمل تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح دلائل ثقلیہ کا سہارا لے کر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔ (ضیاء القرآن جلد 2 صفحہ 425)

اس حدیث کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی یہی اخذ کیا جاتا ہے کہ ان حضرات کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ لیکن محدثین پہلے تو اس قول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کو ہی مشکوک سمجھتے ہیں اور اگر روایت ثابت ہو بھی جائے تو ان کے قول پر جمہور صحابہ کے ارشادات کو ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ اس وقت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا تو بالکل کسن بچی تھیں اور امیر معاویہ ابھی تک مشرف باسلام ہی نہ ہوئے تھے۔ نیز یہ ان صاحبان کی اپنی ذاتی رائے ہے حضور کا ارشاد نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

ما فقدت جسد رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة المعراج
معراج کی رات میں نے رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک
گم نہیں پایا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کو معراج سن 12 نبوی میں ہوئی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی مبارک ہجرت کے بعد ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضورِ پُر نور ﷺ کے پاس پایا جانا مشکل ہے۔ پھر ان کا فرمانا کہ میں نے جسم مبارک کو معراج کی رات گم نہ پایا۔ کیونکر تصور میں آ سکتا ہے؟ سوا اس کے اور کوئی صورت نہیں بن سکتی کہ آپ حضورِ انور نبی کریم ﷺ کے متعدد روحانی معراجوں میں سے کسی روحانی معراج کا ذکر فرما رہی ہیں۔ اس حدیث میں معراج متعارف (مذکورہ) کے جسمانی ہونے کا انکار ثابت نہیں ہو سکتا۔

رفتار، زمان اور مکان

اللہ تبارک تعالیٰ کی کائنات کی 99 فی صد حقیقتیں تو ابھی تک حضرت انسان اشرف المخلوقات سے چھپی ہوئی ہیں اور جو ظاہر ہیں ان کے بارے میں بھی ہمارا علم نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان معاملات کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے اور یہ اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ﷺ کے دل سے ماننے والوں کو تو نصیب ہے لیکن پھر بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی عقل سے انبیاء کرام کے معجزات کو سمجھنا چاہتے ہیں اور پھر طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں، خود بھی بھٹک جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی بھٹکاتے ہیں۔

قارئین کرام کو بیان معراج شریف پڑھتے وقت جن شکوک و شبہات، کم عقلی، اور بدظنی کا سامنا ہو یا جو کم عقلی، بدظنی شکوک و شبہات سر اٹھائیں، میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان پیچیدہ مسئلوں کو آسان اور زود فہم زبان میں پہلے ہی بیان کر دیا جائے تاکہ وہ معراج النبی سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔

میں زمان و مکان اور رفتار کو قرآن حکیم کی آیات مبارک اور سائنسی علوم کے ذریعے سمجھاؤں گا اور ان سب کا لب لباب وہی ہے کہ

اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق ہے، خالق و مالک کائنات ہے، وہ کلمہ کن کا مالک ہے اور ساری صداقتیں حکمتیں اور عظمتیں اسی کی ہیں۔ وہ جو چاہے کرتا ہے اور وہ ہمہ وقت ہر کچھ کرنے پر قادر ہے اور اس کی کرنی کو، اس کی حکمتوں کو سمجھ جانا حضرت انسان کے بس کی بات نہیں۔

اور یہ کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے بعد ہر صفت میں، ہر علم میں، ہر جہت میں پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ اللہ تبارک تعالیٰ کے نزدیک ترین ہیں اور آپ ﷺ اللہ تبارک تعالیٰ کو تمام کائناتوں میں سب کچھ سے زیادہ محبوب، عزت و اکرام والے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے محبوب رسول پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم ﷺ کی خوشی و رضا چاہتا ہے اور معراج النبی بھی اسی خوشی و رضا کی چاہت کا انعام ہے۔

اس واقعہ پر علوم طبیعیات کی رو سے دو اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض رفتار کی سرعت کے متعلق ہے دوسرا یہ کہ کیا جسم خاکی کے لیے ممکن ہے کہ فضا میں روشنی کی رفتار سے بھی تیز تر پرواز کر سکے۔ معراج کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کائنات کے افق اعلیٰ تک تشریف لے گئے پھر واپس بھی تشریف لے آئے حالانکہ آئن سٹائن مشہور عالم سائنس دان اور ریاضی دان کے نزدیک کائنات کے دائرہ کے قطر کے ایک کونے سے دوسرے کونہ تک اگر روشنی سفر کرے یا روشنی کی رفتار سے کوئی سفر کرے تو اس کو یہ مسافت طے کرنے کے لیے تین ہزار ملین نوری سالوں کا عرصہ درکار ہے۔ (۱) (۲) (۳) (۴) (۵) (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰) (۲۱) (۲۲) (۲۳) (۲۴) (۲۵) (۲۶) (۲۷) (۲۸) (۲۹) (۳۰) (۳۱) (۳۲) (۳۳) (۳۴) (۳۵) (۳۶) (۳۷) (۳۸) (۳۹) (۴۰) (۴۱) (۴۲) (۴۳) (۴۴) (۴۵) (۴۶) (۴۷) (۴۸) (۴۹) (۵۰) (۵۱) (۵۲) (۵۳) (۵۴) (۵۵) (۵۶) (۵۷) (۵۸) (۵۹) (۶۰) (۶۱) (۶۲) (۶۳) (۶۴) (۶۵) (۶۶) (۶۷) (۶۸) (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳) (۷۴) (۷۵) (۷۶) (۷۷) (۷۸) (۷۹) (۸۰) (۸۱) (۸۲) (۸۳) (۸۴) (۸۵) (۸۶) (۸۷) (۸۸) (۸۹) (۹۰) (۹۱) (۹۲) (۹۳) (۹۴) (۹۵) (۹۶) (۹۷) (۹۸) (۹۹) (۱۰۰)

(ہے) جسے ہندسوں میں یوں لکھا جاسکتا ہے۔ $30000000000 = 3000 \times 10000000$ یعنی تین ارب نوری سال۔

دائرہ کائنات کے قطر کے دو کناروں میں دوری کا جو اندازہ آئن سٹائن نے لگایا ہے یا روشنی کی سرعت رفتار کا جو تخمینہ اس نے بیان کیا ہے ہمیں اس کی تردید کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہم آئن سٹائن سے یہ پوچھنے کا حق تو رکھتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی علمی دلیل ہے جس پر اعتماد کر کے وہ یقین سے یہ کہہ سکتا ہے کہ روشنی سے زیادہ تیز رفتار اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی اور چیز ہو جو روشنی سے بھی کئی گنا زیادہ تیز رفتار ہو۔ یا روشنی کی طبعی رفتار تو تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہو لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی اور قوت سے اس کی تیز رفتاری میں مزید اضافہ کیا جاسکتا ہو۔ جب یہ سب امکانات موجود ہیں تو ہمیں اپنی سوچ و خیالات و تصورات پر جمود طاری نہیں ہونے دینا چاہئے۔

اور اللہ تبارک تعالیٰ تو قادر مطلق ہے یعنی کہ ہر کچھ کر دینے پر ہر وقت قادر ہے۔ اپنے فرشتوں کی زمین پر آمد و رفت کے لیے اس نے انہیں اپنے کسی ایسے نور کا ہالہ، ہوائی جہاز، یا آمد و رفت کے لیے براق یا رف رف قسم کی کوئی چیز دے رکھی ہو جو چشم زدن میں عرش سے فرش اور فرش سے عرش پر پہنچ جاتی ہو۔ اور بالآخر ہم اہل ایمان تو گھوم گھام کر اسی مضبوط و یقینی نکتہ پر آ جاتے ہیں کہ جس نے یہ خلا کی وسعت، یہ کائناتوں کی وسعت، یہ کائناتیں اور فاصلے بنائے ہیں اس کے لیے تو یہ فاصلے یہ وسعت کوئی معنی نہیں رکھتے۔ وہ تو ان کائناتوں میں، خلا میں، وسعتوں میں ہر جگہ خود موجود ہے اس لیے وہ کسی کو بھی ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ میں کہیں سے کہیں پہنچا دے۔

بہر حال معجزہ تو کہتے ہی اسے ہیں جو عقل کو عاجز کر دے۔ ہاں جو بھی خوش نصیب اللہ تبارک تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے قادر مطلق ہونے کو تسلیم کرتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ بے بس تماشائی کی طرح اس ہنگامہ خیر و شر کو دور سے بیٹھا ہوا دیکھ نہیں رہا بلکہ اس کے حکم اس کی حکیمانہ تدبیر اور اس کے اذن سے نبض ہستی کو خرام ہے، اسے قطعاً ایسے معجزات کے بارے میں شک نہیں ہونا چاہئے جو صحیح اور قابل وثوق ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہوں۔

قرآن کریم میں حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم، سرور کائنات ﷺ کے اس عظیم ترین معجزہ معراج کو جس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد عقل سلیم کو بلا چون و چرا ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے، وہ سچ ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ عجیب و غریب ہے۔ اس لیے وہ دل جو نور ایمان سے خالی تھے انہوں نے اسے اسلام اور داعی اسلام کے خلاف سب سے بڑا اعتراض قرار دیا کئی ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں ڈمگ گئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن کے دل میں یقین کا چراغ صوفشاں تھا انہیں قطعاً کوئی پریشانی اور تذبذب نہیں

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿۷۲۹﴾ جلد دوم

ہوا اور نہ دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی اور غوغا آرائی سے وہ متاثر ہوئے بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جب اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بلا جھجک جواب دیا کہ اگر میرے آقا و مولیٰ حضور پر نور صادق و امین نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے۔

اہل ایمان کے نزدیک کسی واقعہ کی صحت اور عدم صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ ان کی عقل اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے۔ بلکہ وہ اللہ تبارک تعالیٰ کی بے پایاں قدرت کے سامنے کسی چیز کو ناممکن خیال نہیں کرتے تھے ان کا یہ یقین تھا کہ اللہ تبارک تعالیٰ جو چاہے، جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔ ہمارے وضع کئے ہوئے قواعد و ضوابط اس کی قدرت کی بیکرانیوں کو محیط نہیں کر سکتے۔

اور جو اس واقعہ کی خبر دینے والا ہے وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی صداقت کے متعلق شک و شبہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ جب اس نے بتا دیا جس کی صداقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس قادر مطلق والے نے ایسا کیا ہے جو علیٰ کل شئی قدیر ہے تو پھر وہ امکان و عدم امکان کے چکر میں کیوں پڑیں۔ اس لیے جب شب اسریٰ کی صبح کو حرم کعبہ میں پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور عالم خفا و غیوب مخبر صادق نبی برحق ﷺ نے کفار کے بھرے مجمع میں اس عنایت ربانی کا ذکر فرمایا تو لوگ دو حصوں میں بٹ گئے۔ بعض نے انکار کر دیا اور بعض نے بلاچوں و چرا تسلیم کر لیا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب یہ واقعہ پیش آیا۔

لیکن آج صورت حال قدرے مختلف ہے، ایک گروہ تو وہی منکرین کا ہے۔ دوسرا گروہ وہی ماننے والوں کا ہے لیکن اب ایک تیسرا گروہ بھی نمودار ہو گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادی برتری کے زیر اثر ہیں اور ادھر اسلام سے بھی ان کا رشتہ ہے۔ نہ وہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضامند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربیوں کے نظریات رد کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

ناچار وہ اس واقعہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا نام تو رہ جاتا ہے لیکن اس کے سارے حسن و جمال پر پانی پھر جاتا ہے اور اس کی معنویت کا عدم ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریقہ کار پر بڑے مطمئن نظر آتے ہیں وہ شاید دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام پر وارد ہونے والا ایک بہت بڑا اعتراض دور کر دیا۔ حالانکہ یہ ان کی خوش فہمی ہی ہوتی اور معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ ایسے نازک معاملات کو اور الجھا دیتے ہیں۔

وقت اور فاصلوں کا سمٹ جانا، پھیل جانا

اللہ تبارک تعالیٰ، قادر مطلق کے حکم و اذن سے وقت اور فاصلوں کے سمٹ جانے اور پھیل جانے کے اس عمل کو ہی طی زمان، نشر زمان اور طی مکان اور نشر مکان کہا جاتا ہے۔

لاکھوں، کروڑوں، اربوں کلومیٹرز کے فاصلوں، وسعتوں میں بکھری ہوئی مسافتوں کے ایک جنبش قدم میں سمٹ آنے کو اصطلاحاً ”طی مکانی“ کہتے ہیں اور اسی طرح ایک قدم کے فاصلہ کو کہہ ڈالو، کلومیٹر میں پھیل جانا،

اصطلاحاً ”نشر مکانی“ کہتے ہیں۔

اور اسی طرح صدیوں پر محیط وقت کا چند لمحوں میں سمٹ آنے کو اصطلاحاً ”طی زمانی“ کہتے ہیں اور اسی طرح چند لمحوں کے دورانیہ کو، وقت کو، صدیوں کے وقت، دورانیہ میں پھیل جانے کو اصطلاحاً ”نشر زمانی“ کہتے ہیں۔

کیونکہ طی زمان اور طی مکان کی اصطلاحیں عوام الناس کے لیے زود فہم (آسانی سے سمجھ جانے والی) نہیں ہیں اس لیے میں ان کی جگہ اپنے بیان میں وقت اور فاصلوں کا سمٹ جانا، پھیل جانا کے الفاظ استعمال کروں گا۔

اور عموماً یہ وقت اور فاصلوں کا سمٹ جانا، پھیل جانا یا ان کے ساتھ ساتھ وقت اور فاصلوں کا زمینی وقت اور فاصلوں کے مطابق رہنا یہ تینوں مختلف عمل یہ یک وقت یا بہ یک جا بھی ہوتے ہیں، ہو سکتے ہیں۔

یعنی کہ کسی ایک واقعہ میں، اسی خدائی عمل میں یہ ممکن ہے بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کے لیے وقت و فاصلے (زمان و مکان) سمٹ رہے ہوتے ہیں اور کسی کے لیے پھیل رہے ہوتے ہیں اور کسی کے لیے وہ زمینی وقت و فاصلے کے مطابق قائم رہتے ہیں۔

اس کی بہت ہی واضح مثال قرآن حکیم، سورۃ بقرہ کی آیت مبارک 259 ہے جس میں حضرت عزیر علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس کا تفصیل سے ذکر تو چند صفحات بعد ہوگا لیکن یہاں میں مختصراً یہ بتاتا چلوں کہ اس آیت مبارک کے مطابق حضرت عزیر علیہ السلام کے لیے وہ سو سال دس بارہ گھنٹوں کے ہی رہے اور آپ کے طعام و مشروب کے لیے، اس سے بھی کم، شاید گھنٹہ آدھا گھنٹہ۔ جب کہ وہ سو سال آپ کے گدھے کے لئے بیس پچیس سال کے قریب رہے جب کہ زمینی وقت کے لحاظ سے جب آپ نیند سے بیدار ہوئے تو ایک سو سال گزر چکے تھے۔

بعض حضرات نے سیر معراج کی توجیہ سرعت سیر سے کی ہے یہاں تک کہ مکان اور زمان ہر دو اپنے استعداد پر باقی تھے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ وہ مسافت جس کو حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے معراج کی رات طے فرمایا نہایت دراز تھی حتیٰ کہ حقائق الحقائق میں ہے کہ مکہ شریف سے مقام اوجی تک تین لاکھ سال کی مسافت تھی۔ اور بعض نے پچاس ہزار سال کی مسافت کا قول کیا ہے۔

اور بعض نے زمان اور مکان بحالہ (اسی حال پر) مان کر مسافت کی طی (سمٹ جانے کا) قول کیا ہے۔ جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ ایسی کرامات بہت بزرگوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ معتبر اور ثقہ لوگوں کی حکایات کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ فقہانے بھی اولیاء کرام کی کرامات کے سلسلہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ اور یہ امر شرعاً ممکن ہے۔ فلا سفر اس کو طفرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ ایک مکان سے دوسرے مکان تک اس حیثیت سے پہنچنا کہ وہ مسافت جو مبداء اور منتہی کے درمیان واقع ہے اس سے محاذات و اختلاف واقع نہ ہو۔ اور بعض حضرات نے مسافت بر حال اور زمان کی نشر (پھیل جانے) کا قول کیا ہے۔

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین (۷۳۱) جلد دوم

خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو کرامات اور معجزات کی حقیقت پر یقین رکھنا چاہئے اور کیفیت کا معاملہ ہماری سمجھ سے بالا ہے اس کو باری تعالیٰ جانتا ہے واللہ الموفق للصواب اور طی مکان، نشر مکان کی طرح نشر زمان اور طی زمان بھی ہیں۔ تمام تر واقعات کو صوفیائے کرام نے تسلیم کیا ہے جب کہ معراج کے واقعہ سے یہ تحقیق مناسب تھی۔ اس لیے ہم نے اس مقام پر مسائل بیان کر دیئے ہیں۔ اور اللہ جل شانہ، ہی ہر کام کی حقیقت اچھی طرح جانتے ہیں۔

قادر مطلق، خالق و مالک کائنات مالک الملک کے عرشی مہمان پیغمبر اول و آخر و اعظم تاجدار کائنات، اصل الموجودات، ہادی انس و جاں، خاتم النبیین، رحمت للعالمین، محبوب رب العالمین ﷺ جب معراج سے واپس آئے تو وہی آن باقی تھی۔ حتیٰ کہ بستر مبارک ہنوز گرم تھا وضو کا پانی بہہ رہا تھا۔ اور حجرہ کی زنجیر ہل رہی تھی۔

اس بات کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کہ فی الحقیقت آپ ﷺ کو معراج میں کتنا عرصہ لگا۔ ہاں ایک مشہور قول ہے کہ اٹھارہ سال کے عرصہ تک نظام عالم میں سکون رہ گیا۔ ہر طرح سے جامد و ساکت رہا۔ گو کہ جدید اور قدیم فلسفہ میں منہمک اور نئی روشنی کے خیال کے لوگ اس کو بعید از عقل کہہ دیں مگر معجزات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا بیکار ہے۔ کیونکہ معجزہ وہ ہے جس کے مقابلہ میں انسان عاجز ہو جائے اور عقل حیران رہ جائے۔ خاص کر معراج کے واقعات اول سے آخر تک انوکھے اور نرالے ہیں۔ جو کہ اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق نے اپنی قدرت کے عجائبات حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو دکھائے۔

کہنے کو پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اتنی مدت گزرنے پر نظام عالم کس طرح بدستور رہا۔ نہ پودے اپنی مقدار سے بڑھ گئے نہ درختوں کی جسامت میں اضافہ ہوا، نہ کسی رہرو مسافر کی قطع مسافت میں زیادتی ہوئی، نہ سونے والے اتنے طویل زمانہ بیدار ہوئے، نہ ناخنوں اور بالوں میں تغیر امد تراخی و سکوت زمان کے باوجود نہ کسی چیز میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔

اگر وہ اس میں غور کرتے تو شبہ نہ رہتا کہ جس طرح گھڑی گئی سال بند پڑی رہے تو اس کی سوئیاں اور پرزے برقرار رہتے ہیں۔ یا کسی کارخانہ کا مالک اپنے دوست کی آمد پر کارخانہ بند کر دیتا ہے اور ملاقات کے بعد کارخانہ کو چالو کر دیتا ہے۔ اسی وقت سب پرزہ جات چلنے شروع ہو جاتے ہیں۔

اور ریاض الاذہار کے صفحہ 206 پر لکھا ہے کہ اس رات کورب العالمین کا خطاب مستطاب ہوا۔ کہ جبرائیل علیہ السلام تسبیح و تہلیل موقوف کر کے زاویہ طاعت کو چھوڑ دے۔ اور میکائیل علیہ السلام بندوں کی قسمت اور رزق کا پیمانہ ہاتھ سے دھر دے۔ اور اسرافیل علیہ السلام صور اٹھانا موقوف کر دے اور عزرائیل علیہ السلام روحوں کے قبض کرنے سے ہاتھ بند کر دے۔ رضوان جنت کو چاہے کہ بہشت کو آراستہ و پیراستہ کرے۔ دریا بہنے سے، ہوا چلنے سے، افلاک سیر گردش سے باز رہ جائیں۔

حتیٰ کہ جب قرب تمام جناب خالق انام و حصول کام و مدار و دیگر جلیل نعمت و کرم حاصل کر لے، پغمہ ابراہیم

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۳۲) جلد دوم

و آخرِ واعظم حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے مراجعت فرمائی تو ہنوز وضو کا پانی بہہ رہا تھا۔ حجرے کی زنجیر ہل رہی تھی۔ بستر بدستور گرم تھا۔

اس کو دوسرے زاویے سے بھی دیکھا جاسکتا ہے اور بیان کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ پیغمبرِ اول و آخرِ واعظم حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ ہماری دنیا کے ماحول سے چند منٹوں کے لیے دور رہے یا اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق نے آپ ﷺ کو معراج کے لیے ہماری زمین و ماحول سے چند ساعت دور رکھا، مصروف مشاہدات آیات کبریٰ رکھایا اسرأ اور معراج میں مصروف کار رکھا۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے حبیب خاص ﷺ کی خاطر، اپنی آیات کبریٰ دکھانے کی خاطر ان زمینی چند ساعتوں کو اپنی قدرتِ کاملہ سے کئی سالوں پر محیط کر دیا، کئی سالوں میں پھیلا دیا۔ یہ وقت کاسمیٹ دینا یا اسے پھیلا دینا بھی تو اللہ تبارک تعالیٰ کی آیات کبریٰ، بڑی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے۔ اور پھر اسرأ اور معراج پوری پوری تفصیل کے ساتھ کرایا گیا۔ دیدار محبوب اور محبوب کو دیدار کے لیے پورا پورا وقت دیا گیا۔

اور جب اللہ تبارک تعالیٰ کی رضا و منشاء کے مطابق آپ ﷺ کا معراج تمام لوازمات اور تزک و احتشام کے ساتھ مکمل ہو گیا تو قادر مطلق نے اپنے محبوب و حبیب خاص، مہمان خاص پیغمبرِ اول و آخرِ واعظم تاجدار کائنات، افضل الانبیاء، سرکارِ دو جہاں ﷺ کو تمام تر عظمتوں، رفعتوں، شانوں کے ساتھ زمین پر پہنچا دیا۔

اور اب تک یعنی کہ آپ ﷺ مکہ سے جانے اور آ جانے کے درمیان تک جو زمین پر وقت گزرا وہ چند ساعت کا تھا کہ حجرہ مبارک کی زنجیر بھی ابھی ہل رہی تھی وضو کا پانی بھی رواں تھا اور آپ ﷺ کا بستر مبارک بھی ابھی تک گرم تھا یعنی کہ جسم مبارک کی چھوڑی ہوئی حرارت ابھی اس میں موجود تھی۔

اور اللہ تبارک تعالیٰ تو قادر مطلق ہے۔ وہ تو ہر کچھ کر دینے پر ہمہ وقت قادر ہے۔ وہ خالق و مالک کائنات ہے، یکتا ہے، کلمہ کن کا مالک ہے۔ اس کے لیے نہ تو یہ مشکل ہے کہ اتنے عرصہ کے لیے جس میں اسرأ اور معراج مکمل طور پر احسن طریقوں اور رضا و منشاء الہی کے ساتھ رضائے مصطفیٰ ﷺ کے مطابق بھی مکمل ہو، وہ ہمارے تمام زمینی، شمسی و متعلقہ آفاقی نظاموں کو وہیں روک دے۔

اور نہ یہ مشکل ہے کہ زمینی، شمسی و متعلقہ آفاقی نظام بدستور اسی طرح جاری رہیں اور وہ ان چند زمینی ساعتوں کو جو آپ ﷺ کو آسمانوں و عرش پر لے جانے اور وہاں سے واپس زمین پر مکہ میں لے آنے کے درمیان گزریں، جس کے دوران آپ ﷺ فضائے بسیط، آسمانوں اور عرشِ عظیم پر رہے، ان چند ساعتوں کو ہماری زمین سے دور اتنا پھیلا دے کہ وہ کئی سالوں پر محیط ہو جائیں۔

وہو علیٰ کل شیء قدير۔ اللہ تبارک تعالیٰ تو ہر کچھ کرنے پر ہمہ وقت قادر

پیغمبرِ اول و آخرِ واعظم، ہادیِ دو جہاں، رہبر کائنات، رسولِ بحر و بر، سید المرسلین، رحمت للعالمین، خاتم النبیین،

حبیب رب العالمین، حاصل کائنات، اصل الموجودات، انسان کامل، فخر اولاد آدم، شفیع المذنبین، شافع محشر، حضور پر نور، حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے لیے یہ تمام کائنات بنائی، زمین کو ہر طرح کی زینت بخشی اور جنت کو سجایا گیا۔ آپ ﷺ ہی دراصل، اصل الموجودات ہیں یعنی کہ سب کچھ کی ابتداء آپ ﷺ کے نور سے ہے اور آپ ﷺ کے سبب ہی سارے نظام قائم و دائم ہیں۔

آپ ﷺ کے سبب ہی یہ ہماری دنیا کی رونقیں، مسرتیں، خوشیاں اور نور ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی یہ ساری رحمتیں، نوازشیں، کرم نوازیاں آپ ﷺ کے انتہائی معیاری طریقے سے کلمہ حق بلند کرنے، اللہ تبارک تعالیٰ کی انس و جاں کو احسن طریقے سے پہچان کرانے اور پر خلوص اختیاری کامل عبدیت و عبادت کے صلہ میں ہیں۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ نے بھی ہر طرح سے زمین و آسمانوں میں تمام مخلوقات پر اور خاص طور پر تمام ذی شعور مخلوقات پر اپنے حبیب و محبوب پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ﷺ کی نرالی عظمتوں، رفعتوں اور سب سے اونچی شانوں کو آشکارا کرنا ہے اور معجزہ معراج بھی آپ ﷺ کی اونچی اور نرالی شان کا مظہر ہے۔

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار ان ہی حقیقتوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو مئے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو بزم توحید بھی دنیا بھی نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
فیض ہستی کی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

اب جدید سائنس بھی اپنی تحقیقات کو بنیاد بنا کر اس کائناتی سچائی تک رسائی حاصل کر چکی ہے کہ رفتار میں کمی و بیشی کے مطابق کسی جسم پر وقت کا پھیلنا اور سکڑ جانا اور جسم کے حجم اور فاصلوں کا سکڑنا اور پھیلنا قوانین فطرت اور منشاءِ خداوندی کے عین موافق ہے۔ رب کائنات نے اپنی آخری آسمانی کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں طی زمانی اور طی مکانی (وقت اور فاصلوں کے سمٹ جانے پھیل جانے) کی بعض صورتوں کا ذکر فرما کر بنی نوع انسان پر یہ واضح کر دیا ہے کہ انسان تو بیسویں صدی میں اپنی عقل کے بل بوتے پر وقت اور جگہ (Time & Space) کے اضافی (Relative) تصورات کو اپنے حیطہ ادراک میں لانے میں کامیاب ہو گا لیکن ہم ساتویں صدی عیسوی کے اوائل ہی میں اپنی وحی کے ذریعہ اپنے محبوب رسول ﷺ پر ان کائناتی سچائیوں کو منکشف فرما رہے ہیں۔

خدائے قدیر و خیر خالق و مالک قادر مطلق اپنے برگزیدہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام میں سے کسی کو معجزہ اور کرامت کے طور پر طی زمانی اور کسی کو طی مکانی کے کمالات عطا کرتا ہے لیکن حضور پر نور رحمت دو عالم ﷺ کا سفر معراج معجزات طی زمانی اور طی مکانی دونوں کی جامعیت کا مظہر ہے۔ سفر کا ایک رخ اگر طی زمانی کا آئینہ دار ہے تو اس کا دوسرا رخ طی مکانی پر محیط نظر آتا ہے۔ معراج النبی ﷺ کے دوران میں ان معجزات کا صدور نص قرآن و

حدیث سے ثابت ہے، جن کی صحت میں کسی صاحب ایمان کے لیے انحراف کی گنجائش نہیں۔

آئیے اب ہم قرآن حکیم کی چند آیات مبارک کی روشنی میں وقت اور فاصلوں کا اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و اذن سے سمٹ جانا اور پھیل جانے کے بارے میں پڑھتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام ملکہ سبا ”بلقیس“ کے تخت کے بارے میں اپنے درباریوں سے سوال کرتے ہیں:

سورہ نحل آیت 38

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ ط بَلَى وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ:- ”(حضرت سلیمان علیہ السلام نے) فرمایا: اے دربار والو! تم میں سے کون اس (ملکہ) کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے، قبل اس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر میرے پاس آجائیں۔“

(سورہ نحل آیت 38)

ملکہ سبا بلقیس کا تخت دربار حضرت سلیمان علیہ السلام سے تقریباً 900 میل (1450 کلومیٹر) کے فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے کہ ملکہ سبا جو مطیع ہو کر ان کے دربار میں حاضر ہونے کے لیے اپنے دار الخلافہ سے روانہ ہو چکی ہے، اس کا تخت اس کے آنے سے قبل ہی دربار میں پیش کر دیا جائے۔ قرآن مجید کہتا ہے: (سورہ نحل آیت 39)

لَيَسِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِينَ ۝

ترجمہ:- ”ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا: ”میں اسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنے مقام سے اٹھیں اور بے شک میں اس (کے لانے) پر طاقتور (اور) امانت دار ہوں۔“

(سورہ نحل آیت 39)

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار کے ایک جن کو قاعدہ طی مکانی کے تحت یہ قدرت حاصل تھی کہ وہ دربار برخاست ہونے سے پہلے 900 میل کی مسافت سے تخت بلقیس لا کر حاضر کر دے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کو اتنی تاخیر بھی گوارا نہ ہوئی۔ اس موقع پر آپ کا ایک صحابی حضرت آصف بن برخیا، جس کے پاس کتاب اللہ کا علم تھا، خود کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ اس انداز کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔ (سورہ نحل آیت 40)

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ (سورہ نحل آیت 40)

ترجمہ:- ”(پھر) ایک ایسے شخص نے عرض کیا جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے۔ پھر جب سلیمان

(علیہ السلام) نے اس (تخت) کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا (تو) کہا یہ میرے رب کا فضل ہے۔“ کائنات کی حقیقتوں کو جاننے کے لیے، ان سے مستفید ہونے کے لیے، ان سے سرور حاصل کرنے کے لیے، درج ذیل کو بار بار پڑھیں اس سے مزید کائنات کے کچھ راز آپ پر کھل جائیں گے۔ آپ کی مثبت سوچ میں وسعت آئے گی اور شان کبریائی کے سامنے آپ سر بسجود ہو جائیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک برگزیدہ صحابی آنکھ جھپکنے سے پیشتر تخت بلقیس اپنے نبی کے قدموں میں حاضر کر دیتا ہے۔ یہ طی مکانی کی ایک ناقابل تردید قرآنی مثال ہے کہ فاصلے کس قدر سمٹ گئے۔

جسے قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک امتی سے منسوب کیا ہے۔ اگر اس کرامت کا صدور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک امتی سے ہو سکتا ہے تو اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم نبی آخر الزمان ﷺ کی امت کے نفوس قدسیہ کے کمالات کی کیا حد ہوگی؟ مرد مومن کا اشارہ پاتے ہی ہزاروں میل کی مسافت اس کے ایک قدم میں سمٹ آتی ہے اور اس کے قدم اٹھانے سے پہلے شرق و غرب کے مقامات زیرِ پا آ جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

قرآن حکیم ہر علم، حکمت اور دانائی کا سرچشمہ ہے جو کائنات کے راز ہائے سربستہ کو ذہن انسانی پر منکشف کرتا ہے اور اس میں شعور و آگہی کے ان گنت چراغ روشن کرتا ہے۔ طی زمانی کا ذکر بھی رب ارض و سماوات کی آخری الہامی کتاب میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ اصحاب کہف اور حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعات طی زمانی کی خوبصورت مثالیں ہیں۔ ان دونوں واقعات میں خرق عادت اور محیر العقول میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ دونوں واقعات اسی کرہ ارضی پر وقوع پذیر ہوئے اور طی زمانی کے حصول کے لیے سماوی کائنات (Outer Cosmos) میں روشنی کی رفتار سے سفر نہیں کیا گیا۔ مگر پھر بھی ظہور قدرت الہیہ کا نظارہ کیا عجب ہے کہ وقت تھم گیا اور مادی اجسام بھی محفوظ رہے اور صدیوں پر محیط عرصہ بھی بیت گیا۔

اور حضرت عزیر علیہ السلام والے واقعہ میں تو اللہ تبارک تعالیٰ نے وقت کے سمٹ جانے اور پھیل جانے (طی زمانی اور نشر زمانی) کا ایک بہت ہی نادر، اچھوتا اور عقل کو پرواز دینے والی نیرنگیاں دکھائی ہیں۔ جس کو سمجھانے کی خاطر میں قدرے تفصیل سے بیان کر رہا ہوں۔

قارئین کرام اب آپ درج ذیل کو اپنے تصور میں دیکھیں۔

حضرت عزیر علیہ السلام سفر میں ہیں۔ جب آدمی سفر میں ہو اور وہ کہیں آرام کی خاطر رکے تو وہ یقینی طور پر کسی درخت کے سائے میں آرام کرے گا اور اپنی سواری نزدیک، کسی درخت کے سایہ میں رکھ دے گا۔

سامان خور و نوش کو کہیں مناسب جگہ پر اپنے قریب ہی رکھے گا۔ زیادہ سے زیادہ ایک دو میٹر دور رکھ دے گا یا اسی درخت جس کے سائے میں خود نے آرام کرنا ہے، اس کی کسی شاخ کے ساتھ اسے لٹکا دے گا۔

میرا یہ کچھ لکھ دینے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام، آپ کا سامان خور و نوش اور سواری کا جانور گدھا، ان سب میں ایک دوسرے سے بہت زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ لیکن اللہ تبارک تعالیٰ خالق و مالک کائنات قادر مطلق نے اسی جگہ پر، اسی فاصلے میں ان تینوں (حضرت عزیر علیہ السلام، آپ کا کھانے پینے کا سامان، اور سواری کا گدھا) کے لیے وقت کا سمٹ جانا، اور پھیل جانا بالکل مختلف کر دیا۔

جو وقت زمین پر ایک سو سال بن کر گزرا، وہ حضرت عزیر علیہ السلام کے لیے صرف آٹھ دس گھنٹے بن کر گزرا۔ اور آپ کے کھانے پینے کے سامان کے لیے وہ ایک سو سال کا عرصہ صرف دو تین گھنٹوں میں گزر گیا کہ ان کی خوشبو مقدار اور تازگی میں ذرا جتنا فرق نہ آیا۔ اور آپ کے گدھے پر وہی سو سال کا عرصہ کوئی دس پندرہ سال بن کر گزر گیا۔

دس پندرہ سال اس لیے کہ کھلی فضا میں ہونے کے باوجود ابھی تک اس کی کچھ ہڈیاں مٹی کا ڈھیر نہیں بنی تھیں اور کھلی فضا میں ہڈیوں کا مٹی کے ڈھیر میں تبدیل ہو جانا بیس پچیس سال میں عین ممکن ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق نے ایک چھوٹے سے ایریا میں ہی قریبی جگہوں پر وقت کا ہر ایک کے لیے مختلف انداز سے سمٹ جانا اور پھیل جانے کا، اپنی قدرت کا، اپنی کبریائی کا، اپنی خلاق اور صنائی کا کیا شاندار مظاہرہ فرمایا ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام والے واقعہ کا ذکر سورۃ بقرہ کی آیت 259 میں ہے۔

طی زمانی کی ایک اور مثال قرآن حکیم نے حضرت عزیر علیہ السلام کے قصے میں بیان کی ہے۔ انہوں نے حصول حق یقین کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ سے طی زمانی کے بارے میں سوال کیا۔ ان کے سوال کے جواب میں اللہ تبارک تعالیٰ نے بطور مشاہدہ ان پر ایک سو سال کے لیے موت طاری کر دی اور پھر بعد ازاں قدرت خداوندی ہی سے وہ زندہ ہوئے۔ قرآن کہتا ہے: (سورۃ بقرہ، آیت 259)

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا ؕ قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا
 ؕ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ
 لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ؕ وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ
 آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ
 أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

ترجمہ:- ”سو (اپنی قدرت کا مشاہدہ کرانے کے لیے) اسے سو برس تک مردہ رکھا۔ پھر اسے زندہ کیا۔

(بعد ازاں) پوچھا: ”تو یہاں (مرنے کے بعد) کتنی دیر ٹھہرا رہا (ہے)؟“ (سورۃ بقرہ، آیت 259)

ایک صدی تک موت کی آغوش میں سوتے رہنے کے بعد جب حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ رب العزت کی طرف سے نئی زندگی عطا ہوئی، تو ان سے یہ پوچھا گیا کہ کتنا عرصہ لیٹے رہے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔

(سورۃ بقرہ آیت 259)

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا ۚ قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا
 ۚ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ
 لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ
 آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۖ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۖ قَالَ
 أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

ترجمہ:- ”میں ایک دن یا ایک دن کا (بھی) کچھ حصہ ٹھہرا ہوں۔“ فرمایا: ”(نہیں) بلکہ تو سو برس پڑا رہا (ہے)۔“ (سورۃ بقرہ آیت 259)

حضرت عزیر علیہ السلام کو اصل صورتحال سے آگاہ کیا گیا کہ انہیں تو لیٹے ہوئے 100 سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ ان کے پاس کھانے کا جو سامان تھا وہ بھی جوں کا توں تروتازہ رہا اور اس میں کوئی بویا کی پیدا نہ ہوئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی توجہ اس طرف دلانے کے لیے ارشاد ہوا: (سورۃ بقرہ آیت 259)

فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ

ترجمہ:- ”پس اب تو اپنے کھانے اور پینے (کی چیزوں) کو دیکھ (وہ) متغیر (باسی) بھی نہیں ہوئیں۔“

(سورۃ بقرہ آیت 259)

قدرت خداوندی ہے کہ ایک طرف تو حضرت عزیر علیہ السلام کے طعام اور مشروب میں عفونت اور سرائٹ تک پیدا نہ ہوئی اور وہ جوں کے توں تروتازہ رہے جب کہ دوسری طرف اللہ کے پیغمبر کے گدھے کی ہڈیاں بھی گل سڑ کر پیوند خاک ہو گئیں۔ پھر اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم سے آپ کے سامنے اس گدھے کی ہڈیاں اکٹھی ہوئیں اور وہ زندہ سلامت کھڑا ہو گیا۔

جدید ترین سائنسی تحقیقات بھی طی زمانی کی تصدیق کر رہی ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ کسی لاعلاج مریض پر مصنوعی موت طاری کر کے اسے طویل مدت تک سرد خانے میں محفوظ رکھا جائے اور جب اس کے مرض کا علاج دریافت ہو جائے تو اس کے جسم میں دوبارہ سے زندگی کی لہر دوڑا کر اس مریض کا علاج کیا جائے اور ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد اسے ایک بار پھر روزمرہ کے معمولات کی ادائیگی کے قابل بنادیا جائے۔ عین ممکن ہے کہ اس وقت تک اس کی اپنی اولاد میں سے کئی نسلیں موت سے ہمکنار ہو چکی ہوں۔ لگتا ہے کہ انسان کا یہ خواب اب خواب

نہیں رہے گا۔

قرآن حکیم وقت کے سمٹ جانے کی (طی زمانی کی) مثال اصحاب کہف (غار والے حضرات) کے حوالے سے یوں بیان فرماتا ہے کہ تین سو نو (309) سال تک وہ ایک غار میں لیٹے رہے اور جب سوکراٹھے تو انہیں یوں لگا کہ گویا وہ محض ایک دن یا دن کا کچھ حصہ سوئے رہے ہیں۔ سورۃ کہف کی آیت 19 میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کا یوں ذکر فرمایا ہے۔

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لَيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۖ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ط فَقَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ط فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۝
ترجمہ:- ”ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا، تم (یہاں) کتنا عرصہ ٹھہرے ہو؟

انہوں نے کہا، ہم (یہاں) ایک دن یا اس کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔“ (سورۃ کہف آیت 19)

ان کی غار کے علاوہ، ان کے علاوہ زمین پر 309 سال گزر چکے تھے لیکن جب وہ نیند سے جاگے تو انہیں یوں محسوس ہوا کہ ابھی تک مکمل ایک دن بھی نہیں گزرا ہے۔ اس دوران ان کے جسم پہلے کی طرح بالکل توانا اور تروتازہ رہے۔ وقت کے سمٹ جانے (طی زمانی) کی یہ کتنی حیرت انگیز مثال ہے کہ تین سو نو (309) سال اصحاب کہف اور ان کا کتا قطمیر غار میں سوتے رہے اور مرورایام سے، اتنی طویل مدت کے گزر جانے سے انہیں کسی طرح کا کوئی گزند نہ پہنچا، یہ 309 سال کا طویل عرصہ ان کی صحت، تروتازگی اور عمر پر قطعاً اثر انداز نہ ہوا۔ اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق نے ان کے جسموں کو گردش لیل و نہار سے پیدا ہونے والے اثرات سے بالکل محفوظ رکھا۔

تین سو نو (309) سال کا طویل عرصہ اصحاب کہف کے لیے ایک آدھ دن کا بن کر رہ گیا وہ بیدار ہونے پر صدیوں پر محیط اس مدت کو محض ایک آدھ دن خیال کرتے رہے۔ یہ اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق کی خاص نشانی (آیت) اور قدرت الہی کا خاص ظہور تھا۔

اللہ تبارک تعالیٰ سورۃ کہف کی آیت 17 میں مزید ان کے بارے میں یوں فرماتا ہے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزْوُرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ۖ ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۖ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَنْ يُضِلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا ۝
ترجمہ:- ”اور آپ دیکھتے دیکھتے جب سورج طلوع ہوتا تو ان کے غار سے دائیں جانب ہٹ جاتا اور جب غروب ہونے لگتا تو ان سے بائیں جانب کترا جاتا، اور وہ اس کشادہ میدان میں (لیٹے) ہیں۔“

(سورۃ کہف آیت 17)

اللہ تبارک تعالیٰ کی وہ خاص نشانی جس کا ظہور اس نے اصحاب کہف کی کرامت کے طور پر کیا یہ ہے کہ اس نے اپنے مقربین کو ظالم بادشاہ کے شر سے محفوظ رکھا اور جب 309 سال بعد عسائیت میں حیات بعد الموت پر شک کیا جانے لگا تو اللہ تبارک تعالیٰ نے اصحاب کہف کے ذریعے خیال بعد الموت کا عملی نظارہ پیش کر دیا تاکہ لوگ اللہ تبارک تعالیٰ کی وحدانیت، حاکمیت اور قدرت پر ایمان لائیں اور آسمانی تعلیمات کے مطابق عبادت، اطاعت و اتباع کریں اور شرک و بت پرستی کا خاتمہ ہو۔

خدائے رحمن و رحیم نے اپنی خصوصی رحمت سے اصحاب کہف کو تھپکی دے کر پر کیف نیند سلا دیا اور ان پر عجیب سرشاری کی کیفیت طاری کر دی۔ پھر انہیں ایک ایسے مشاہدہ حق میں مگن کر دیا کہ صدیاں ساعتوں میں تبدیل ہوتی گئیں۔ یوم حشر، قیامت کا دن بھی طی زمانی ہی کی ایک صورت میں برپا ہوگا، جس میں پچاس ہزار سال کا دن اللہ کے نیک بندوں پر عصر کی چار رکعتوں کی ادائیگی جتنے وقت میں گزر جائے گا، جب کہ دیگر لوگوں پر وہ طویل دن ناقابل بیان کرب و اذیت کا حامل ہوگا اور سینکڑوں سالوں پر محیط ہوگا۔

بلکہ قیامت کا دن شروع ہونے سے پہلے ہی، اپنی اپنی قبروں سے اٹھتے وقت ہی وقت کے سمٹ جانے (طی زمانی) کا ہر کوئی اظہار کرے گا۔ اور ہر کوئی سے مراد ہے اولاد آدم میں سب سے پہلے مرنے والے شخص سے لے کر روز قیامت سے ایک دو دن پہلے مرنے والے تمام افراد، تمام انسان۔

اس سے متعلق اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد پاک سورۃ یٰسین کی آیات 51 اور 52 میں یوں ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ۝ قَالُوا يَوْمَئِذٍ لَّأَنبَأًا مِّنْ بَعْثِنَا مِّنْ مَّرْقَدِنَا ۚ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ۝

ترجمہ:- ”اور پھونکا جائے گا صور، جب ہی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے چلیں گے۔ کہیں گے، ہائے ہماری خرابی، کس نے ہمیں سوتے سے جگا دیا۔“ (سورۃ یٰسین آیات 51، 52)

اولاد آدم میں سب سے پہلے مرنے والا بھی یہی کہتا ہوا اپنی قبر سے اٹھے گا کہ اے ہے میں تو ابھی سویا تھا مجھے اتنا جلدی کس نے اٹھا دیا، کیوں اٹھا دیا۔ اور روز قیامت سے ایک دو دن پہلے مرنے والے بھی یہی کہتے ہوئے انھیں گے کہ ہم تو ابھی سوئے تھے ہمیں ہماری خوابگا ہوں سے کس نے اٹھا دیا۔

آئیے اب وقت اور فاصلوں کے سمٹ جانے، پھیل جانے کے حوالہ سے اولیاء اللہ کی کرامات کا ذکر کریں کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے اولیاء سے بھی یہ کرامات کرا دیتا ہے۔ جیسا کہ روح المعانی میں ہے ایسی کرامات بہت بزرگوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ معتبر اور ثقہ لوگوں کی حکایات کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ فقہاء نے بھی اولیاء کرام کی کرامات کے سلسلہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔

لیجئے وقت اور فاصلوں کے سمٹ جانے (طی زمانی و طی مکانی) کے متعلق اب ایک دو حکایت پیش خدمت ہیں

اور اسی پر میں زیر بحث موضوع کو ختم کر دوں گا۔

حضرت عماد الدین احمد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے اس راز کو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا طی زمانی بسط (نشر، پھیلا دینا) زمانی ایک مخصوص شان ہے۔ جو بعض اولیاء کرام پر ظاہر ہوتی ہے۔

پھر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے اس واقعہ کی تصدیق میں یہ قصہ سنایا اور فرمایا کہ شیخ الشیوخ حضرت ابن السکینہ کے ایک ڈھلیا مرید تھا۔ ان کے ذمہ یہ خدمت تھی کہ جمعہ کے دن مشائخ کرام کے لیے مصلے بچھا کرے اور بعد نماز جمعہ کے لپیٹ کر خانقاہ شریف میں واپس لائیں۔ ایک جمعہ کے موقع پر انہوں نے مصلے لپیٹے تاکہ جامع مسجد جائیں اور چاہا کہ اول دریا دجلہ پر غسل کرے۔

چنانچہ دریائے دجلہ کنارے پر پہنچ کر کپڑے اتارے۔ تہ بند باندھا دریا میں اتر کر غوطہ لگایا جب پانی سے باہر آیا دیکھا نہ وہ کنارہ ہے نہ وہ کپڑے ہیں۔ لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کونسا شہر ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ دریائے نیل ہے۔ اور اس کے قریب شہر مصر ہے۔

انہیں سخت تعجب ہوا اور پانی سے باہر نکلے اور وہی تہہ بند باندھے ہوئے شہر میں چلے گئے وہاں ایک ڈھلے کی دوکان ملی۔ اس پر کھڑے ہو گئے۔ دوکاندار نے فراست سے جانا کہ یہ اہل فن ہے۔ انہیں عزت اور اکرام سے بٹھایا اور گھر لے گیا۔

مختصر یہ کہ اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر دی۔ سات سال تک یہاں رہا۔ تین بچے ہو گئے ایک روز دریائے دجلہ پر گئے اور غوطہ لگایا۔ جب پانی سے باہر ظاہر ہوئے تو اپنے کو اس جگہ پایا جہاں سات سال قبل غوطہ لگا چکے تھے اور دیکھا کہ کپڑے بھی اسی جگہ پڑے ہیں۔ جہاں اتارے تھے۔ آپ نے کپڑے پہنے اور خانقاہ شریف میں آئے تو مصلیٰ جیسے لپیٹ گئے تھے ویسے ہی ملے۔

بعض لوگ اسے کہنے لگے کہ آپ تو دجلہ سے بہت جلدی واپس لوٹ آئے۔ عرض کہ یہ مصلے مسجد میں لے گئے۔ اور نماز جمعہ پڑھی پھر انہیں خانقاہ شریف میں لائے۔ جس کے بعد حیرت و استعجاب میں جلدی جلدی گھر چلے گئے۔ وہاں بیوی نے کہا جن مہمانوں کی خاطر مچھلی تلنے کو کہہ گئے تھے میں نے مچھلی تل رکھی ہے۔ انہوں نے مہمانوں کو بلا کر کھانا کھلایا۔

پھر شیخ طریقت حضرت ابن السکینہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا سنایا۔ تو شیخ طریقت نے فرمایا کہ تو مصر سے اپنی بیوی اور بچے لے آ۔ چنانچہ یہ وہاں گئے اور تینوں بچے اور بیوی کو لے آئے۔

جب ابن السکینہ نے دیکھا تو تصدیق فرمائی اور فرمایا:

ان الله يبسط زमानا لمن يشاء من عباده مع قصره لقوم اخرين .

ترجمہ:- ”بے شک اللہ تبارک تعالیٰ جب چاہتا ہے بعض بندوں کے لیے بسط (نشر، پھیلا دینا) زمان فرما دیتا ہے اور بعض کے لیے زمان مقصور (سمٹا) رہتا ہے۔“ (شرح قصیدہ بردہ شریف)

ایک دن ایک شخص ابوالمعانی نام کے حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ، کی مجلس وعظ میں حاضر تھے۔ چنانچہ اثنائے مجلس میں اسے ایک بڑا تقاضا پیش آیا۔ اور اسے باہر جانے، بلکہ کثرت انبوه خلقت کے باعث ہلنے جلنے کی طاقت نہ رہی۔ مجبور ہو کر استغاثہ (مدد کے لیے، معاملہ کے حل کے لیے) کے طور پر حضرت غوث پاک کی طرف متوجہ ہوئے۔

حضرت پاک منبر کے ایک پایہ سے اترے اور پہلے پایہ پر ایک سرماندان کے سر مبارک کے ظاہر ہوا جب حضرت صاحب دوسرے پایہ پر اترے۔ وہ نیچے کا سر مبارک بمع ہر دو کندھوں کے ظاہر ہوا۔ اس طرح حضرت صاحب جب اترتے وہ صورت زیادہ ہوتی جاتی۔ یعنی کہ ان کی جگہ لیتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ صورت بعینہ مثل صورت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بن گئی اور وعظ کہنا شروع کیا۔ آواز مثل آواز غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تھی۔ اور کلام اس کی مثل کلام غوث پاک کے تھا اور اس کو اس شخص کے سوا یا جس کو اللہ جل شانہ نے چاہا کسی شخص نے نہ دیکھا۔

پھر غوث الاعظم اس کے سر پر کھڑے ہو گئے اور اپنی آستین مبارک یا رومال مبارک سے اس شخص کو چھپالیا۔ اس عمل کے ساتھ ہی فوراً اس شخص نے اپنے آپ کو ایک کشادہ جنگل میں پایا۔ وہاں ایک ندی بہہ رہی تھی۔ اور ندی کے کنارہ پر درخت تھے۔ ایک درخت پر چابیوں کا گچھا لٹکا دیا اس کے بعد وضو کیا دو رکعت نماز ادا کی اور دونوں طرف سلام پھیرا کہ ناگاہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اپنا رومال اٹھایا تو اس نے اپنے کو مجلس وعظ میں پایا اور اپنے اندام کو وضو کے پانی سے تر پایا اور حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ منبر پر وعظ میں مشغول تھے کہ گویا آپ نیچے اترے ہی نہیں۔

وہ شخص خاموش رہ گیا اور کسی کو نہ بتایا۔ چابیوں کا گچھا تلاش کیا جیب میں نہ پایا۔ بڑی مدت کے بعد عجم جانے کا قصد کیا۔ بغداد سے سفر کرتے ہوئے چودہ دن ہو چکے تو ان کا ایک جنگل میں گزر ہوا۔ وہاں ندی کے کنارہ وضو کا ارادہ کیا۔ دیکھا تو اس جنگل کا نقشہ اس جنگل کی طرح نظر آیا جہاں سالوں پہلے آیا تھا۔ اور ایسا لگا کہ ندی بھی وہی اور جگہ بھی وہی ہے جہاں وضو کیا تھا۔ کچھ تھوڑی دور ندی کے کنارہ پر چلا تو اس کو وہ جگہ نظر آئی جہاں وضو کیا تھا۔ اتنے میں اس درخت کو دیکھا جس پر چابیوں کا گچھا لٹکا ہوا تھا۔ چابیوں کا گچھا اسی طرح لٹکا ہوا تھا۔

جب بغداد واپس آیا۔ اور حضرت غوث الاعظم قدس سرہ کے سامنے تذکرہ کیا تو آپ نے بہت آہستہ اس کے کان میں ارشاد فرمایا ”ابوالمغانی! جب تک ہم زندہ ہیں اس راز کو ظاہر نہ کرنا اور کسی کو نہ بتانا۔“

اگر ہم یہ سمجھ جائیں

اگر ہم یہ سمجھ جائیں کہ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ اصل الموجودات ہیں تو معراج کو اوّل تا آخر سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا اور اسے آپ جتنا زیادہ سمجھ جائیں گے اسی قدر آپ اس سے مستفید بھی ہوں گے۔

اللہ کی اصل اور جڑ کا تصور بھی شرک ہے۔ چونکہ اللہ کی اصل کا ہونا تو ممکن نہیں اس لیے اصل و جڑ مخلوقات ہی کی ہو سکتی ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور پھر تمام مخلوقات میں سب سے افضل و برتر پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ پُر نور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ گویا اللہ کے سوا اس کائنات رنگ و بو کی ہر چیز کی اصل یا جڑ آقائے دو جہاں حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ ہیں۔ قسم ہے اے محبوب! تیری کہ میرے سوا اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے یا بعد میں ہوگا، محبوب! تو ان سب کی اصل ہے۔ یہ سب کچھ تیرے سبب ہی تو ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اصل کے مقابلے میں ہر شے فرع (اصل کی شاخ، ٹہنی، ڈالی) ہوتی ہے۔ اللہ ربّ العزت نے فرمایا: قسم ہے محبوب تیری کہ تو اصل ہے، اس کائنات رنگ و بو کا مرکز و منبع ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل فقط محبوب ربّ کریم ہیں اور باقی ساری کائنات آپ کی فرع ہے۔ خالق کائنات نے اپنے محبوب ﷺ کی کسی فرع کو انسانی شکل عطا کر دی، کسی کو جنات کا روپ دے دیا، کسی کو ملائکہ بنا دیا، کسی کو شجر و حجر کا درجہ دے دیا، کسی کو شمس و قمر بنا دیا، کسی کو آسمان اور کسی کو زمین کا وجود بخش دیا اور حضورِ پُر نور ﷺ کی کسی فرع کو تختِ امّی و کسی کو عرشِ معلیٰ بنا دیا۔

حضورِ انور نبی کریم ﷺ روّف و رحیم ﷺ اس کائنات رنگ و بو کا مرکزی نقطہ ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے وجود کائنات کا مبداء ہیں۔ تاجدار کائنات ﷺ ذاتِ بابرکات لَوْلَاكَ لَمَّا کے مصداق تمام کائنات کی اصل ہیں، اسی لیے آقائے کائنات حضورِ پُر نور ﷺ کو روح کائنات بھی کہتے ہیں۔ آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ گویا آپ ﷺ کے کرم کا ساہبان کائنات کی ہر شے پر محیط ہے۔ یہ چشمہ فیض ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ کائنات ارض و سموات میں موجود ہر شے اپنے وجود کے لیے حضورِ انور ﷺ کے قدموں کے دھوون کی محتاج ہے، تاجدار کائنات سلطان بحر و بر سرکارِ دو عالم ﷺ کے نقش کف پا کے تصدق کی مرہون منت ہے، اس لیے کہ حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کی خلقت تو اس وقت ہو چکی تھی، جب عالم رنگ و بو ابھی تخلیق نہیں کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ ہی کے قدموں کے صدقے اس عالم ہست و بود کو خلعت وجود سے نوازا گیا۔

تاجدار کائنات ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

اول ما خلق الله نوری، ومن نوری خلق کل شیء .

ترجمہ:- ”سب سے پہلے اللہ تبارک تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا، پھر میرے نور سے ہر چیز کو

بنایا۔“

مذکورہ حدیث مقدسہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور پر نور رحمت دو عالم ﷺ فرما رہے ہیں کہ میری ذات براہ راست اللہ رب العزت کے نور سے اکتساب فیض کر رہی ہے جب کہ یہ ساری کائنات، اس کائنات کا ذرہ ذرہ، یہ تمام اجرام فلکی، چرند پرند، ملائکہ، انسان و جنات، شجر و حجر، شمس و قمر، غرض کائنات کی ہر شے میرے نور سے فیض یاب ہو رہی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے آقائے دو جہاں حضور پر نور ﷺ سے دریافت فرمایا:

یا رسول اللہ! بابی انت و امی، اخبرنی عن اول شیء خلقه الله تعالى قبل الاشياء، قال: ”یا جابر ان الله تعالى قد خلق قبل الاشياء نور نبيك من نوره، فجعل ذلك النور يدور بالقدرة حيث شاء الله ولم يكن في ذلك الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار ولا ملك ولا سماء ولا ارض ولا شمس و القمر ولا جن ولا انس، فلما اراد الله تعالى ان يخلق الخلق قسم ذلك النور اربعة اجزاء، فخلق من الجزء الاول القلم و من الثانى اللوح و من الثالث العرش، ثم قسم الجزء الرابع اربعة، فخلق من الاول حملة العرش و من الثانى الكرسي و الثالث باقى الملائكة، ثم قسم الرابع الاربعة اجزاء، فخلق من الاول السموات و من الثانى الارضين و من الثالث الجنة و النار.....“

ترجمہ:- ”یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں مجھے بتائیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی؟ حضور پر نور ﷺ نے فرمایا: ”اے جابر! بے شک اللہ تبارک تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ پھر وہ نور مشیت ایزدی کے مطابق جہاں چاہتا سیر کرتا رہا۔ اس وقت لوح تھی نہ قلم، جنت تھی نہ دوزخ، فرشتے تھے نہ آسمان، نہ زمین تھی، سورج تھا نہ چاند، جن تھے نہ انسان۔ جب اللہ تبارک تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوقات کو پیدا کرے تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے حصے سے قلم بنایا، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش اور چوتھے کو پھر چار حصوں میں تقسیم کیا، پہلے حصہ سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے، دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے بنائے، پھر چوتھے حصے کو مزید چار حصوں میں تقسیم کر دیا، پہلے سے آسمان بنائے، دوسرے سے زمین اور تیسرے سے جنت و دوزخ.....“

(زرقانی علی المواہب جلد 1 صفحہ 46..... المواہب للذنیہ جلد 1 صفحہ 9..... السیرۃ الحلبیہ جلد 1 صفحہ 50)

کثیر ائمہ کرام..... جن میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جیسی نابغہ روزگار ہستیاں شامل ہیں..... نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اسی بنا پر سرکارِ دو عالم ﷺ کو مبداء کائنات کہا جاتا ہے۔

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۳۳) جلد دوم

آپ ہی وجہ تکوین عالم ہیں۔ کائنات کا سارا حسن، حسن محمدی ﷺ ہی کی ایک جھلک ہے۔ پھولوں میں خوشبو انہی کے نقش قدم کا فیضان ہے، ستاروں میں روشنی انہی کے وجود مسعود کا پرتو ہے۔ اگر حضور پُر نور نبی کریم ﷺ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو سورج کو خلعت نور عطا ہی نہ ہوتی بلکہ سرے سے اس کا وجود ہی نہ ہوتا۔

ہوئی کالفظ النجم کے ساتھ مذکور ہو تو چونکہ ہوئی میں ظہور کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے آیت کا ترجمہ کچھ یوں ہوگا:

”اے محبوب! قسم ہے تیری کہ تو اصل کائنات ہے اور قسم ہے تیری کہ تیرا نور مخفی تھا، جب میں نے چاہا تو منصہ شہود پر ظاہر ہو گیا۔“ (روح المعانی، 14: 45)

اگر غور کیا جائے اور منشاء ایزدی کو حیطہ شعور میں لایا جائے تو انکشاف ہوگا کہ رب کائنات تخلیق محمدی کی قسم کھا رہا ہے۔ بالفاظ دیگر پروردگار عالم صبح ولادت باسعادت کی قسم کھا رہا ہے۔ یہ کائنات رنگ و بو اس نے اپنے محبوب ﷺ کے تذکرہ جلیلہ کی خاطر ہی تو سجائی ہے کہ جس میں ہر لمحہ اس کے محبوب ﷺ کی آمد کا ذکر ہو رہا ہے۔ تمام الہامی صحیفے صبح میلاد کے طلوع کی بشارت سے سرفراز نظر آتے ہیں۔

معجزہ لازمہ نبوت

معجزات کے ظہور سے انبیاء کی حاکمیت و تصرفات کو اجاگر کرنا اور شکوک و شبہات کی گرد میں اٹے ہوئے اذہان کو نور ایمان سے منور کرنا مقصود ہوتا ہے۔ معجزات اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کا پرتو ہوتے ہیں۔ ہدایت آسمانی کی روشنی میں اللہ اپنے بندوں کو صراطِ مستقیم دکھاتا ہے اور ہر حوالے سے اپنے بندوں کی دلجوئی و دیکھ بھال اور رہنمائی فرماتا ہے۔ اگرچہ نبی کو ہدایت آسمانی کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے محیر العقول واقعات کی حاجت نہیں ہوتی تاہم اہل ایمان کے ایمان کی پختگی کے لیے نبی اور رسول کے ہاتھ پر معجزات کا صدور ہوتا ہے۔

معجزات کے صدور سے انبیاء کی تصدیق کے ساتھ ساتھ انسانی اذہان میں اس عقیدے کو پختہ کرنا ہوتا ہے کہ اس کائنات رنگ و بو کا خالق ہر چیز پر قادر ہے اور چونکہ معجزات عطاء ربانی ہوتے ہیں اس لیے ان کا انکار خدائے دو جہاں کی قدرت کاملہ کا انکار ہے۔

قرآن حکیم اور احادیث نبوی ﷺ کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ باری تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے جتنے بھی انبیاء علیہ السلام کو مبعوث فرمایا انہیں اپنے دعویٰ نبوت کی صداقت و حقانیت کے لیے ظاہری و باطنی معجزات سے بھی نوازا۔ ظاہری معجزات وہ ہیں جو خرق عادت کی صورت میں گاہے گاہے رونما ہوتے ہیں جب کہ باطنی معجزات وہ ہیں جو اللہ تبارک تعالیٰ کے نبی کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف جلیلہ کے ساتھ ارشادات جمیلہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔

نبی کا کردار اور اس کی شخصیت ہی معجزاتی جمال کا مظہر ہوتی ہے۔ قرآن حضور پُر نور رحمت دو عالم ﷺ کی

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۴۵) جلد دوم

سیرت و کردار کو تمام انسانیت کے لیے بالعموم اور اہل ایمان کے لیے بالخصوص اسوۂ حسنہ سے تعبیر کرتا ہے اور رہتی دنیا تک اس مینارۂ نور سے اکتسابِ شعور کی تلقین کرتا ہے۔ سورہ احزاب آیت 21 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ (سورۃ احزاب آیت 21)

ترجمہ:- ”بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔“

کردار کی روشنی کے ساتھ تمام انبیاء کو ظاہری معجزات کی خلعتِ فاخرہ سے بھی نوازا گیا اور معجزہ لازمہ نبوت قرار پایا۔ قرآنی حوالوں سے چند ایک جلیل القدر انبیاء و رسل کے معجزات کا ذکر کیا جا رہا ہے:

حضرت نوح علیہ السلام

سورہ ہود آیت 37

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ۝
ترجمہ:- ”اور تم ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی بناؤ اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے (کوئی) بات نہ کرنا وہ ضرور غرق کئے جائیں گے۔ (سورۃ ہود آیت 37)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

سورہ بقرہ آیت 260

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنُ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۖ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

ترجمہ:- ”ارشاد فرمایا سو تم چار پرندے پکڑ لو پھر انہیں اپنی طرف مانوس کر لو پھر (انہیں ذبح کر کے) ان کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو، پھر انہیں بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان لو کہ یقیناً اللہ بڑا غالب، بڑی حکمت والا ہے۔“ (سورۃ بقرہ آیت 260)

حضرت یوسف علیہ السلام

سورہ یوسف آیت 96

فَلَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَا جِإَنِي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ:- ”پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا، اس نے وہ قمیض، یعقوب علیہ السلام کے پاس رکھ دیا۔“

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۳۶) جلد دوم

دی تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: ”کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ بیشک میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“ (سورۃ یوسف آیت 96)

حضرت موسیٰ علیہ السلام

سورہ اعراف آیات 107، 108

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ط وَلَيَحْلِفْنَ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَى ط وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ط لَمَسْجِدَ أُتَسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ط فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ط وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ۝

ترجمہ:- ”پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا (نیچے) ڈال دیا تو اسی وقت صریحاً اثر دھابن گیا۔ اور اپنا ہاتھ (گریبان میں ڈال کر) نکالا تو وہ (بھی) اسی وقت دیکھنے والوں کے لیے (چمکدار) سفید ہو گیا۔“ (سورۃ اعراف آیات 107، 108)

حضرت ہود علیہ السلام

سورہ حاقہ آیات 7، 6

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أُغِجَّازٌ نَحْلٍ خَاوِيَةٍ ۝

ترجمہ:- ”اور رہی (قوم) عاد تو وہ ایک نہایت تند و تیز (اور) سخت ہوا سے تباہ کر دیئے گئے۔ جس کو اللہ نے سات رات اور آٹھ دن تک متواتر مسلط رکھا پھر (اے مخاطب! اگر) تو ان لوگوں کو اس (آندھی) میں دیکھتا تو ان کو ایسا گرا ہوا پاتا جیسے کھجور کے (بے حس و حرکت) کھوکھلے تنے (پڑے ہوتے ہیں۔)“ (سورۃ حاقہ آیات 7، 6)

حضرت صالح علیہ السلام

سورہ اعراف آیت 73

هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَمَذَرُوهَا تَاكُلُ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ أَلِيمٍ ۝

ترجمہ:- ”یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی ہے، سو تم اسے (آزاد) چھوڑے رکھنا کہ اللہ کی زمین میں چرتی رہے اور اسے برائی (کے ارادے) سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب آ پکڑے گا۔“

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین (۷۴۷) جلد دوم

حضرت داؤد علیہ السلام

سورہ انبیاء آیت 79

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ وَ كُنَّا فُضِّلِينَ ۝

ترجمہ:- ”اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں (تک) کو داؤد علیہ السلام کے (حکم کے) ساتھ پابند کر دیا تھا۔ وہ (سب ان کے ساتھ مل کر) تسبیح پڑھتے تھے اور ہم ہی (یہ سب کچھ) کرنے والے تھے۔“

(سورہ انبیاء آیت 79)

حضرت سلیمان علیہ السلام

سورہ ص آیت 36

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝

ترجمہ:- ”پھر ہم نے (ان کی اس دعا قبول فرمایا اور) ہوا کو ان کا تابع (فرمان) کر دیا کہ وہ ان کے حکم سے جہاں وہ جانا چاہتے نرم انداز سے چلتی۔“ (سورہ ص آیت 36)

حضرت زکریا علیہ السلام

سورہ مریم آیات 8-9

قَالَ رَبِّ اِنِّى يَكُونُ لِىْ غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هٰٓئِنٍ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝

ترجمہ:- ”(زکریا علیہ السلام نے) عرض کیا: ”اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے، در آنحالیکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بڑھاپے کے باعث (انتہائی ضعف میں) سوکھ جانے کی حالت کو پہنچ گیا ہوں“ فرمایا: ”(تجربہ نہ کرو) ایسے ہی ہوگا، تمہارے رب نے فرمایا ہے: یہ (لڑکا پیدا کرنا) مجھ پر آسان ہے۔“ (سورہ مریم آیات 8، 9)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سورہ آل عمران آیت 49

اِنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ ۙ اِنِّىْ اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا ۗ بِاِذْنِ اللّٰهِ

ترجمہ:- ”بے شک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (اک تیل) بناتا ہوں..... پھر میں اس میں دھونک دیتا ہوں۔“

ہوں..... سو وہ اللہ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے۔“ (سورۃ آل عمران آیت 49)

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

سورہ بنی اسرائیل اسراء آیت 1

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا
حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْإِسْنَاءِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

ترجمہ:- ”وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے
(محبوب اور مقرب) بندے کو مسجد حرام سے (اس) مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم
نے بابرکت بنا دیا ہے، تاکہ ہم اس (بندہ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی خوب سننے
والا خوب دیکھنے والا ہے۔“ (سورۃ بنی اسرائیل، اسراء آیت 1)

خالق کون و مکان خالق و مالک کائنات نے اپنی آخری الہامی کتاب میں ان معجزات کا ذکر کیا ہے جن کا اس
کے انبیاء و رسل کے ہاتھ پر ظہور ہوا۔ ان کے علاوہ بھی بعض ایسے انبیاء علیہم السلام کا ذکر موجود ہے جن کے معجزات
کے بارے میں قرآن خاموش ہے۔ مثلاً حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ذوالکفل
علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام۔ ان انبیاء کا تذکرہ قرآن حکیم میں موجود ہے لیکن ان کے معجزات کا بیان
درج نہیں۔ قرآن کی اس خاموشی سے ہرگز ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان انبیاء علیہم السلام کو اللہ رب العزت
نے معجزات سے سرفراز نہیں کیا اور انہیں کسی برہان سے نہیں نوازا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث مبارکہ ہے کہ تاجدار کائنات حضور انور رحمت دو عالم ﷺ نے

ارشاد فرمایا:

ما من الانبياء نبي الا اعطى من الآيات ما مثله او من . او امن، عليه البشر .

ترجمہ:- ”جملہ انبیائے کرام میں سے ہر نبی کو اس (کے زمانے) کی مثل معجزات عطا کئے گئے جس کے

سبب اس پر ایمان لایا گیا یا لوگ اس پر ایمان لے آئے۔“

(صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 1080..... کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ رقم: 6846.....)

صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 86..... کتاب الایمان، رقم: 239..... مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 341)

اللہ رب العزت نے اپنے انبیاء و رسل میں سے ہر کسی کو معجزات کی خلعت فاخرہ سے نوازا، بالطنی معجزات کو
ان کے کردار اور شخصیت کا حصہ بنایا اور ظاہری معجزات کا صدور ان کے ہاتھ پر کیا۔ ہر نبی اور رسول کو اپنی دعوت کے
حوالے سے جس سطح کے معاندین اور منکرین کا سامنا تھا اسی اعتبار سے اہمیت کے حامل معجزات کا صدور ہوا۔
زمانے اور علاقے کی آبادی کے اعتقادی حوالوں اور ذہنی استعداد کے مطابق معمولی اور غیر معمولی معجزات کا ظہور

ہوتا رہا اور عقل انسانی انہیں اپنے احاطے میں لینے سے عاجز آتی رہی۔
مکہ سے معراج ہونے میں مصلحتیں

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم ہادیِ انس و جان، رسولِ بحر و بر، رہبرِ کائنات، فخرِ اولادِ آدم، انسانِ کامل، اصلِ الموجودات، حاصلِ کائنات، حبیبِ ربّ للعالمین، رحمتِ للعالمین، حضورِ پُر نورِ نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کو مکہ شریف سے معراج ہوئی اور بعد از ہجرت مدینہ منورہ سے معراج نہ ہوئی اس میں بہت راز اور بھید ہیں۔ گو ان رازوں کو اللہ تبارک تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے مگر عشق و محبت کے متانوں کے لیے کچھ اشارے لکھے جاتے ہیں۔

یہ کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے چاہا کہ مکہ سے مدینہ منورہ تک جو زمین ہے اس پر انوارِ معراجیہ کا ورد ہو اور ان انوار سے برکت حاصل ہو اس لیے مکہ شریف سے معراج ہوئی اگر مدینہ منورہ سے معراج ہوتی تو مکہ اور مدینہ کے درمیان والی زمین معراج کے انوار و برکات سے مستفیض نہ ہو سکتی۔

یہ کہ ابوطالب کی گھائی میں پورے تین سال حضورِ پُر نورِ نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس حال میں رہنے پر مجبور کیا گیا کہ زندگی کے تمام ذرائع ان سے روک لیے گئے۔ حتیٰ کہ کھانا بند کر دیا گیا اور پانی بھی بند کر دیا گیا۔ ایسے سخت دباؤ ڈال کر ایسا مکمل بایکاٹ کیا گیا جس سے زیادہ بایکاٹ ممکن نہ تھا۔ قدرت کا قاعدہ ہے جس چیز کو ایک طرف سے دباؤ لگے تو دوسری طرف اس کا ابھرنا ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے شعب ابی طالب کی تکالیف کا آپ ﷺ کو وہ صلہ ملا جو حراً کے واقعہ سے زیادہ ندرت رکھتا ہے۔ جو کسی مکتب میں نہیں گئے اور اس کو کتاب دی گئی وہی (حضورِ پُر نورِ نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ) فرماتے ہیں کہ ایک رات کی ایک آن میں مجھے وہ عروج حاصل ہوا جو آج تک کسی کو نہ ہوا اور نہ ہوگا۔ (النبی الخاتم)

یہ کہ جس طرح بچہ کو ماں کے پیٹ میں ناف سے غذا ملتی ہے اسی طرح تمام روئے زمین کو ساری برکتیں بیت اللہ سے ملتی ہیں۔ اس لیے اس کو ناف زمین بھی کہتے ہیں جیسا کہ ”ریاض التحقیق نادر“ میں لکھا ہے۔ اور بیت المقدس قیامت کے دن لوگوں کے لئے برکتوں اور وقوف کی جگہ ہے۔ اس دن جتنی برکتیں ان لوگوں کو ملیں گی جو اس کے مستحق ہوں گے وہ بیت المقدس سے ملیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ اسراء کی ابتدا مکہ شریف سے اور اس کی انتہا بیت المقدس میں ہوئی تاکہ دنیا اور آخرت کے برکات کے دو چشمے رسالت کے ان انوار سے مستفیض ہوں جو معراج میں جلوہ گر تھے۔

یہ کہ آپ ﷺ کو مکہ شریف سے اس لیے معراج ہوئی تاکہ اسراء کی ابتداء اور انتہا میں مساوات ہو جائے یعنی معراج وہ سفر جس کا زمین سے تعلق ہے۔ ایک بیت اللہ (خانہ کعبہ) سے شروع ہوا۔ اور دوسرے بیت اللہ (بیت المقدس) میں ختم ہوا۔ گویا الفناء و بقاء کے درمیان مساوات ہو جائے۔

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۵۰) جلد دوم

اللہ تبارک تعالیٰ کے گھر میں گیا۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف جارہا ہے۔ منہ البدایۃ والیہ النہایۃ اس سے شروع اور اسی تک مقصود کی انتہا ہے۔

یہ کہ مکہ شریف سے معراج ہونے کا سبب یہ بھی ہے کہ جتنی مکہ میں ازا دی گئی اتنی کہیں بھی نہیں دی گئی۔ جب کفار نے ایذا میں انتہا کر دی تو رب کریم نے اپنے حبیب ﷺ کے دل مبارک کو تسلی دی اور قدرت کے وہ عجائب اور غرائب دکھائے اور سنائے جو نہ کسی نے دیکھے اور نہ کسی نے سنے ہیں۔

اور یہ کہ جب رحمۃ للعالمین ﷺ نے رب العالمین کی بارگاہ کا قصد فرمایا تو آپ ﷺ کا یہ مقدس معراج اس مقدس مقام سے شروع ہے جس کا نام ہدیٰ للعلمین ہے، کیونکہ ان اسماء شریفہ میں ایک قسم کا جزوی تناسب تھا۔
معراج کے مراحل و حیثیات

اولیاء اللہ، حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے اس مقدس مرحلہ و اس سفر کے باب میں اپنی کتاب ”فوائد الفوائد“ میں تین اصطلاحات استعمال فرمائی ہیں۔
1- اسراء

سفر معراج کا پہلا مرحلہ مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک کا ہے۔ یہ زمینی سفر ہے۔ یہ چونکہ انسانی دنیا کا حصہ ہے اور ذہن انسانی میں اس کی تفہیم نسبتاً آسانی سے ممکن ہے اس لیے اسے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، حتیٰ کہ سفر کے احوال، واقعات اور اس کی حقانیت پر دلائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔

2- معراج

سفر معراج کا دوسرا مرحلہ مسجد اقصیٰ سے لے کر سدرة المنتہی تک ہے۔ یہ کرۂ ارضی سے کھکشاؤں کے اس پار واقع نورانی دنیا تک سفر ہے۔ یہ چونکہ مخلوق کی حدود کے اندر تھا لہذا اسے بھی بیان کیا مگر تفصیل سے بیان نہیں کیا کیونکہ یہ پوری طرح ذہن انسانی میں آنے والا نہ تھا۔

3- اعراف

سفر معراج کا تیسرا مرحلہ سدرة المنتہی سے آگے قاب قوسین اور اس سے بھی آگے تک کا ہے۔ چونکہ یہ سفر محبت اور عظمت کا سفر تھا اور یہ ملاقات محبت اور محبوب کی خاص ملاقات تھی لہذا اس رواد محبت کو راز میں رکھا گیا۔ سورۃ النجم میں فقط اتنا فرمایا کہ وہاں اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو جو راز اور پیار کی باتیں کرنا چاہیں وہ کر لیں۔ (اب کسی کو اس سے کیا غرض کہ کیا باتیں کیں) جب کہ اس مقام پر فرمایا: اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ یہ نہیں بتایا کہ دیکھنے اور سننے والا کون ہے؟ اس سے مراد اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات بابرکات بھی ہو سکتی ہے اور آقائے دو جہاں ﷺ کی ذات بھی (یہ معنی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر روح المعانی

میں بیان کیا ہے) گویا اس کے دو معانی ہو گئے:

سفر معراج کے ان تینوں مراحل کے ساتھ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی تین شانوں کی انتہائی قربت و مناسبت کا پتہ چلتا ہے جسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینے، سمجھ لینے کے بعد حقیقت و فلسفہ معراج کو سمجھ لینا ممکن ہے اور آسانی کے ساتھ ممکن ہے۔

اگرچہ یہ تینوں شانیں حضورِ انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی ذات پاک کا جزو لا ینفک ہونے کے ناطے سے پہلو بہ پہلو موجود ہیں لیکن ان میں سے ہر ہر شان کا اظہار اپنے اپنے مقام و مرحلے پر ہوا۔ بحیثیت مجموعی معراج النبی بشریت، نورانیت اور مظہریت حقیقت کے تمام کمالات کی بدرجہ اتم جامع ہے۔

سفر معراج کے تین مراحل حضورِ انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی تین شانوں اور حیثیتوں کا مظہر ہیں۔ یہ مراحل درج ذیل ہیں۔

1- بشریت 2- ملکیت و نورانیت 3- مظہریت و حقیقت

بشریت

حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ اولادِ آدم کی اصلاح کے لیے مبعوث ہونے والے انبیاء کے سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ اس عالم بشریت میں آپ نے اپنی حیات مقدسہ گزاری۔ اسی کرہ ارضی پر آپ نے ازدواجی زندگی بھی بشری، آپ کی بشریت کا انکار کفر ہے۔

حضورِ انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ اس عالم آب و گل میں شانِ بشریت کے ساتھ جلوہ گر ہوئے تاکہ یہ عالم انس و جان آپ ﷺ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہو سکے۔ بیت اللہ سے بیت المقدس کا سفر حضور اکرم ﷺ کی بشریت کی معراج کا آئینہ دار ہے تاکہ یہ شان اپنے نقطہ کمال کو پہنچ جائے۔ جشن عید میلادِ حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی اسی بشریت کے جمالیاتی اور مجلسی اقرار کا نام ہے۔

ملکیت، نورانیت

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نور مجسم ہیں۔ آپ ﷺ کی نورانیت کا انکار بھی حد ادب کے منافی ہے۔ آپ ﷺ نور کائنات ہیں اور آپ ﷺ کا نور اور آپ ﷺ کی رحمت کائنات کی ہر شے پر محیط ہے۔

مسجد اقصیٰ سے عالم افلاک میں سدرۃ المنتہیٰ تک کا سفر معراج حضورِ انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کی شان ملکیت و نورانیت کو اپنے منہجائے کمال تک پہنچانے کے لیے تھا تاکہ آپ ﷺ کی فیض رسانی سے عالم انوار و ارواح بھی محروم نہ رہے اور آپ ﷺ کا نور کائنات کی ہر شے کو اپنے دامن رحمت میں سمیٹ لے۔

مظہریت، حقیقت

حقیقت محمدی ﷺ کو خدا کے سوا کوئی نہ جان سکا کیونکہ ہماری عقل ناقص یا تو گمراہیوں کے جال بن سکتی ہے یا اپنے عجز کا اظہار کر سکتی ہے۔ سدرۃ المنتہی سے ماوراء سفر معراج اس لیے کرایا گیا تاکہ آپ ﷺ کی شان محمدیت ذات حق تعالیٰ کی صفات اور حسن و جمال کا مظہر اتم بن جائے اور یہی معراج کا آخری منجہائے کمال ہے جس پر حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کے کمالات محمدی ﷺ کی انتہا ہو گئی۔

معراج کے رموز و حکمتیں

معجزہ، معراج النبی ﷺ کا وقوع پذیر ہونا تاریخ ارتقائے نسل انسانی کا ایک ایسا درخشندہ باب ہے جس کا ایک ایک حرف آپ ﷺ عظمت و رفعت کی ہزار ہا داستانوں کا امین اور عروج آدم خاکی کے ان گنت پہلوؤں کا مظہر ہے۔ نقوش کف پائے محمد ﷺ سے لوح افلاک پر شوکت انسانی کی جو دستاویز مرتب ہوئی وہ انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی دلیل ہی نہیں بلکہ ایک ایسا مینارۂ نور بھی ہے جو تسخیر کائنات کے ہر مرحلے پر آنے والی ہر نسل انسانی کے راستوں کو منور کرتا رہے گا۔

اور آسمانوں کی حدود سے نکل کر اولادِ آدم کو مشاہدہ فطرت کی ترغیب دیتا رہے گا اور اس پر نئے آفاق کے مقفل دروازوں کو دکھاتا کھولتا رہے گا۔ معجزہ معراج النبی ﷺ میں کئی ایک حکمتیں پوشیدہ ہیں، دلجوئی محبوب سے لے کر عظمت محبوب ﷺ کو آشکارا کرنے تک منشاء لیزدی کے کئی پہلوؤں میں انسانی پر آشکار ہوتے ہیں۔ حقیقت احوال اللہ اور اللہ کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں تاہم ارباب فکر و نظر نے اپنے علم اور فہم کے مطابق اس عظیم سفر آسمانی کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے پہلی دو نمایاں اور بڑی حکمتوں کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے تاکہ وہ حکمتیں جن کا مختصر بیان ہوگا، قارئین کرام کو انہیں بھی سمجھنا آسان ہو جائے۔

واقعہ معراج کی پہلی اور بڑی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اعلان نبوت کے ساتھ ہی حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ کفار کی طرف سے ایذا رسانی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو اذیتیں دینے کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا مگر آپ ﷺ کے قدم نہ ڈمگ سکے۔ بالآخر اہل مکہ اور قریش نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ معاشرتی سطح پر حضور انور ﷺ اور آپ ﷺ کے پورے خاندان کا بائیکاٹ کر کے آپ ﷺ کو حرم کعبہ کے قریب ایک گھائی شعب ابی طالب میں محصور کر دیا جائے۔ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے والدین اور دادا تو حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے بچپن ہی میں انتقال کر چکے تھے۔

اب آپ ﷺ کی کفالت اور پرورش آپ ﷺ کے چچا حضرت ابوطالب کے سپرد تھی۔ جو تمام تر مخالفتوں

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین (۷۵۳) جلد دوم

کے باوجود آپ ﷺ کا ساتھ دیتے چلے آ رہے تھے۔ سو وہ کسی پورے خاندان کے ساتھ اس بائیکاٹ کا شکار ہوئے جب کہ آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ الکبریٰ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ اس طرح نبوت کے ساتویں سال سے دسویں سال تک کبھی بھوکے رہ کر اور کبھی سوکھے پتے کھا کر گزارا کیا۔ آخر کار کفار نامراد ہوئے اور یہ بائیکاٹ ختم ہوا۔ اسی سال حضرت ابوطالب اور ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا۔

اس سے تمام ظاہری سہارے اور رشتے ٹوٹ گئے اور پیغمبرِ اول و آخر و اعظم آقائے دو جہاں ﷺ کے قلب انور پر دکھ کی سی کیفیت طاری رہنے لگی۔ اب نہ تو والدہ ماجدہ تھیں کہ دکھ کے وقت سینے سے لگا کر دلاسا دیتیں، نہ والد تھے کہ دستِ شفقت سر پر رکھتے، نہ وفا شعار بیوی تھی کہ اپنے حسن سلوک اور محبت سے غم دور کرتیں، نہ کوئی اور بزرگ اور مشفق ہی تھا کہ جس کی شفقت اور محبت کی فراوانی سے کفار مشرکین کی چیرہ دستیوں کی تلافی ہو جاتی۔ فضا مخالفت اور سازشوں کی گرد سے اٹی ہوئی تھی۔ بظاہر اپنائیت کا حصار دلکش ٹوٹ رہا تھا۔

حروف وفا کی خوشبو سے فضا عاری تھی، قدم قدم پر شقاوت قلبی کا پہرہ تھا۔ چنانچہ ایسے حالات میں اللہ رب العزت نے چاہا کہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، اپنے محبوب کے سارے غم، رنج و بلا، دکھ درد اور پریشانیاں دور کر دی جائیں اور یہ اسی طرح ممکن تھا کہ محبوب کو قابِ قوسین پر بلا لیا جائے کہ جب محبوب کا مسکراتا ہوا چہرہ سامنے ہو اور ملاقات میں خلوت میسر ہو تو محبت کرنے والوں کے دلوں میں کوئی دکھ اور ملال باقی نہیں رہتا بلکہ ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ مزید دکھوں کی خواہش کرتا ہے اور زبانِ حال سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ اے غمو! تم اٹھ کر آؤ تاکہ پرواز اور بلند ہو۔

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب

یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

گویا اللہ رب العزت بیان فرما رہا ہے کہ محبوب ﷺ اگر دنیا میں دکھ اور غم آئیں، مخالفت کا سامنا ہو تو غم نہ کرو کہ ہماری پیار شفقت و رحمت بھری آنکھیں تجھی پر لگی رہتی ہیں۔ سورہ طور آیت 48 میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۝

ترجمہ:- ”اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر کر، بے شک تو ہماری آنکھوں میں ہے (ہم تجھی کو دیکھتے رہتے

ہیں)۔“ (سورہ طور آیت 48)

اس کی ایک اور بڑی حکمت آپ ﷺ کی اپنی امت کی محبت و خیر خواہی بیان کی جاتی ہے۔ اعلان حق کے بعد مخالفت کی جو آندھیاں اٹھیں، سازشوں کا جو جال بچھایا گیا، روشنی کی راہ میں جو دیواریں اٹھائی گئیں، کفر و الحاد کے نمائندگان نے پیغامِ توحید کو جس طرح جھٹلا کر نظامِ باطل کے تحفظ کا عہد نامہ تحریر کیا، وہ راہِ حق کے مسافروں کے لیے باعثِ ملال ضرور ہوا لیکن یرچم توحید لہرانے والوں کے قدم مشاہدہ ایمان و ایقان پر آگے ہی بڑھتے گئے، ہر

طرف پیغمبرانہ بصیرت کے چراغ روشن تھے۔ ایثار و قربانی کی نئی داستان لکھی جا رہی تھی۔ بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریزی، کمال بندگی، کمال عبدیت کی صورت، لب اقدس پر خدائے وحدہ لا شریک کی حمد و ثنا کے پھول کھل رہے تھے۔

ساری رات انوار بندگی کے جھرمٹ میں گزر جاتی، پروردگار عالم نے اپنے محبوب ﷺ کی یہ مشقت دیکھ کر قرآن حکیم سورۃ مزمل کی آیات 1 اور 2 میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْمُزْمِلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝

ترجمہ:- ”(آپ) رات کو قیام فرمایا کریں، مگر تھوڑی رات، آدمی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر لیں۔

یا اس سے بھی کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔“ (سورۃ مزمل آیات 1، 2)

قارئین کرام! نوٹ کریں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کا کتنا پیار بھرا اور کشادہ انداز ہے۔ اپنے محبوب کی کس خوبصورتی سے دلجوئی، رضا جوئی فرمائی جا رہی ہے۔ حاکم الحاکمین اپنے محبوب کی خوشی میں عبادت کرنے کی کتنی ہی آسان صورتیں بیان فرما رہے ہیں۔ میرے محبوب اگر طبیعت چاہے تو یوں کر فوراً نہ یوں کر لو کہ سہولت آرام و آسانی ہو۔ اے اللہ تبارک تعالیٰ تیری شان اور تیرے محبوب پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ﷺ کی شان کہ محبوب کی مشقت بھی گراں گزرتی ہے اور اس کی طبیعت کا بھی بہت خیال ہے لہذا اس انداز کا فرمان ہوا۔

اب حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے راتوں کا جاگنا تو کم کر دیا لیکن امت کی فکر کچھ اس طرح دامن گیر ہوئی کہ سوتے میں بھی امت کا غم لیے رہتے۔ اس پر اللہ تبارک تعالیٰ نے جبرائیل امین کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ میرا مقصد تو محبوب ﷺ کی طبیعت کا بوجھ ہلکا کرنا تھا مگر ایسا ابھی تک نہیں ہوا۔ لہذا تو میرے محبوب کو اس کی امت کی بخشش کا مژدہ جانفزا سنا دے۔ سورۃ فتح آیات 1، 2 میں ارشاد رب العالمین ہے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ

ترجمہ:- ”بے شک ہم نے تمہیں کھلی فتح دے دی۔ تاکہ اللہ تمہارے سب گناہ بخشے تمہارے اگلوں

کے اور تمہارے پچھلوں کے۔“ (سورۃ فتح آیات 1، 2)

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، ہادیِ انس و جاں، رہبر کائنات، رحمت للعالمین، حضورِ پر نور، نبی کریم، رُوف و رحیم ﷺ اولادِ آدم کے ہی نہیں تمام مخلوقات کے نجات دہندہ بن کر آئے تمام جہانوں کے لیے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ﷺ امت کے غم میں رات رات بھر جاگتے۔ جب خدائے رحیم و کریم کی طرف سے امت کی بخشش کی بشارت مل گئی تو (اس خیال سے امت اپنے گناہوں کی بخشش پر کما حقہ ہوا اپنے رب کا شکر ادا نہ کر پائے گی) راتیں سجدوں کی تابانی سے پھر منور رہنے لگیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اب

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین (۷۵۵) جلد دوم

تو امت کی بخشش کا سامان بھی ہو گیا اب تو آپ راتوں کو نہ جاگا کریں تو ارشاد گرامی ہوا۔
اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا ۔

ترجمہ:- ”کیا میں اپنے اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔“ (صحیح البخاری، جلد 2: صفحہ 716..... کتاب التفسیر، رقم: 4556)
مگر اللہ تبارک تعالیٰ کو اپنے محبوب ﷺ کا مشقت میں پڑنا کیسے پسند آ سکتا ہے۔ چنانچہ سورہ طہ کی آیات 2، 1 میں ارشاد فرمایا:

طہ (۱) ج مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی ۝

ترجمہ:- ”طہ (اے محبوب مکرم) ہم نے آپ پر قرآن (اس لیے) نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔“ (سورہ طہ آیات 2، 1)

اللہ تبارک تعالیٰ تو اپنے محبوب ﷺ کی اتنی ہی عبدیت و عبادات سے بے حد مطمئن اور خوش تھا لیکن انسان کامل، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے بھی اپنی عبادات و عبدیت کو اور بڑھا دیا اور اللہ تبارک تعالیٰ نے انعام میں آپ ﷺ کی رفعتوں، عظمتوں، شانوں کو اور بڑھایا اور لا جواب، بے مثال حد تک عظیم ترین کر دیا۔

اور ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ہادی انس و جان رہبر کائنات پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ متواتر تجلیات الہی کے مشاہدہ کے باعث مقام شنید سے مقام دید تک پہنچ جائیں اور آیات کبریٰ بڑی بڑی آیات ربانی کے متعلق علم الیقین کی سرحد سے عین الیقین کی سرحد میں ترقی پائیں اور پھر حق الیقین کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو جائیں۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ معراج و اسراء میں پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو تمام ارضی و سماوی سیر فرمائی گئی اور آپ ﷺ کو یہ اختیارات تفویض کئے گئے کہ جس شخص کو آپ ﷺ شفاعت کی نعمت و دولت سے شرف عطا فرمائیں، وہ سعادت مند ہو جائے گا، شفاعت قبول کر لی جائے گی اور وہ نار جہنم سے بچا لیا جائے گا۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اللہ کے حبیب ہیں اور حبیب کو مخزونات (تمام طرح کے خزانوں) پر اطلاع ہوتی ہے۔ جس طرح مجازی بادشاہ جب کسی بندہ کو اپنی محبت سے مخصوص کرتے ہیں۔ تمام خزان اس کے سپرد کر دیتے ہیں اور تمام سلطنت اس کے زیر نگین کر دیتے ہیں۔ اسی طرح سب سے ممتاز کر کے حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو زمین کے خزان سے مطلع فرمایا۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ سات ستاروں میں مناظرہ اور مجادلہ تھا۔ کہ ہر ایک اپنے کو دوسرے پر ترجیح دیتا تھا۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور پر نور ﷺ کو معراج کا رتبہ دے کر ان کو دکھلایا کہ تمہارے انوار اس نور اعظم، نور نجم، اصل الموجودات کے طفیل سے ہیں لہذا تم کو ایک دوسرے پر فخر کرنا نامناسب ہے۔

نورِ اَمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۵۶) جلد دوم

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم، ہادیِ انس و جان، رسولِ بحر و بر، تاجدارِ کائنات، اصل الموجودات سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمت للعالمین، حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ وحی کے تمام اقسام سے شرف پائیں اور اس کے تمام اقسام وحی سے افضل وہ وحی جو کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ کے بغیر ہو۔ اس لیے مفسر حضرات کہتے ہیں کہ آیت ”امن الرسول“ سورۃ بقرہ کی آخری آیات حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطہ کے بغیر حضورِ پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے معراج کی رات اللہ تبارک تعالیٰ سے سنی تھی۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ امت کے لیے آپ ﷺ کو خاص نوازش عطا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن تمام نبی (سلام ہو ان پر) نفسی نفسی کہتے ہوں گے اور پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ امتی امتی کہتے ہوں گے۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ ربی ربی کہتے مگر امتی امتی میں ربی کی کثرت زیادت درج ہے۔ کیونکہ امتی سے مراد یہ ہے کہ وہ عطیے، عنایات جو معراج کی رات امت کے لیے کئے تھے۔ اب کرم نوازی فرما کے عطا فرمائے جائیں۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کی فضیلت تمام کائنات پر ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ اولاً بیت المقدس میں امام الانبیاء بنایا۔ تاکہ آپ کی شان انبیاء کرام میں ”سلام ہو ان پر“ روشن ہو جائے۔ اس کے بعد بیت المعمور میں فرشتوں کی امامت عطا ہوئی تاکہ فرشتوں پر آپ کی فضیلت متحقق ہو جائے۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ تمام تراشیاں پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم، حضورِ پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے زیرِ قدم ہو جائیں اور تمام عطایا کو آپ کی ذات سے نسبت کا فخر ہو اور آپ کو کسی چیز کی احتیاج نہ ہو۔ جس طرح حدیث شریف میں آیا ہے۔

انا اوّل من تنشق عنه الارض ولا فخر و لواء الحمد بیدی ولا فخر و ادم ومن دونہ تحت لوائی ولا فخر و انا اوّل من یقرع باب الجنة والا فخر۔

ترجمہ:- ”میں پہلا شخص ہوں جو زمین سے باہر ہو کر میدانِ قیامت میں جاؤں گا اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے اور حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ بھی کوئی فخر کی بات نہیں۔ حضرت آدم اور اس کی اولاد سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔ اور سب سے پہلے میں ہی بہشت کا دروازہ کھٹکھاؤں گا۔ اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں.....“

یعنی مجھے ان باتوں سے فخر نہیں ہے۔ بلکہ ان باتوں کو مجھ سے فخر حاصل ہے۔ کیونکہ ادنیٰ چیز اعلیٰ سے فخر حاصل کرتی ہے۔ اعلیٰ کو ادنیٰ سے فخر حاصل نہیں ہوتا۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم، تاجدارِ کائنات، انسانِ کامل، فخرِ اولادِ آدم، ہادیِ انس و جان،

نور اُم النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۵۷) جلد دوم

رہبر کائنات، رحمت للعالمین، حبیب رب للعالمین، حضور پر نور، اصل الموجودات ﷺ کا نور تمام مخلوق سے پہلے نور احدیت (نور اللہ وحدہ) سے جلوہ گر ہوا۔ جب وہ روح اس مقام سے عنصری وجود میں آئی تو اس مقام کا اشتیاق ہوا۔ پس ذنی فتدلی کے مقام سے قرار اور سکون پایا۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سفر مقدس میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو اپنی قدرت کی آیات کبریٰ کا مشاہدہ کرایا نیز چند اعمال پر مرتب ہونے والے اثرات اور عواقب کو محسوس پیکر میں پیش کیا گیا تاکہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے امتی ان سے عبرت حاصل کر سکیں۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ اصل الموجودات ہیں۔ اپنی اصل کو دیکھنے، اپنی اصل کی رفعتوں، عظمتوں، شانوں کو دیکھنے کا تمام مخلوق خدا کو شوق تھا۔ اللہ تبارک تعالیٰ کو بھی اپنے محبوب کی رفعتیں، عظمتیں، شانیں، نزالی اور سب سے اونچی شانیں اپنی مخلوق کو شایان شان طریقے سے دکھانے کا شوق تھا۔ سو اللہ تبارک تعالیٰ نے اسرا اور معراج فرمایا۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی رفعتوں، عظمتوں، نزالی سب سے اونچی شانوں کو جان کر آپ ﷺ کی دید خلق و حسن سے سب مخلوق نے ہی تسکین حاصل کرنی تھی اس لیے معراج کا اہتمام فرمایا گیا۔

حدیث معراج

حدیث معراج بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ یہاں فرداً فرداً احادیث مبارک کا ذکر کر دینا تو مناسب بھی نہیں اور ناممکن بھی ہے۔ عام کتابوں میں زیادہ حدیث معراج حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت کی ہوئی درج ہیں۔ میں یہاں ان میں سے اس حدیث مبارک کا ذکر کروں گا جو علماء جمہور کے نزدیک صحیح ترین حدیث ہے۔

معراج شریف کی حدیث بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مروی ہے جن میں سے زیادہ تر اسماء گرامی یہ ہیں۔

1- حضرت ابوبکر،

2- حضرت عمر،

3- حضرت عثمان،

4- حضرت علی،

5- حضرت عبداللہ بن مسعود،

6- حضرت عبداللہ بن عباس،

7- حضرت عبداللہ بن عمر،

8- حضرت ابی بن کعب،

- 9- حضرت ابو ہریرہ،
- 10- حضرت انس بن مالک،
- 11- حضرت جابر بن عبد اللہ،
- 12- حضرت بریدہ بن اسلمی،
- 13- حضرت ثمرہ بن جندب،
- 14- حضرت حذیفہ بن یمان،
- 15- حضرت شداد بن اوس،
- 16- حضرت صہیب رومی،
- 17- حضرت مالک بن صعصعہ،
- 18- حضرت ابو امامہ بابلی،
- 19- حضرت ابو ایوب انصاری،
- 20- حضرت ابوجہ،
- 21- حضرت ابوذر غفاری،
- 22- حضرت ابوسعید خدری،
- 23- حضرت ابوسفیان بن حرب،
- 24- حضرت اسامہ بن یزید،
- 25- حضرت عبدالرحمن بن عامر،
- 26- حضرت ابودرداء،
- 27- حضرت بلال بن سعد،
- 28- حضرت عمر بن حصین،
- 29- حضرت بلال حبشی،
- 30- حضرت عبد اللہ بن زبیر،
- 31- حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔
- عورتوں میں سے،
- 32- حضرت اسماء،
- 33- حضرت ام ہانی،

34- حضرت عائشہ،

35- حضرت ام کلثوم،

رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہن اجمعین۔

(معارج النبوت جلد 3 صفحہ 330..... ونشر الطیب صفحہ 25)

اور امت کے جمہور علماء کا یہی فیصلہ ہے کہ منزل ”ذَنَّا“ کا یہ سفر پیکر نورِ رحمتہ للعالمین خاتم النبیین ﷺ نے جسم اور روح دونوں کے ساتھ طے کیا۔

چنانچہ قاضی عیاض الشفا بتعريف حقوق المصطفىٰ میں رقمطراز ہیں۔

وذهب معظم السلف والمسلمين الى انه اسرأ بالجسد وفي اليقظة وهذا هو الحق وهو قول ابن عباس، وجابر، و انس، وحذيفة، وعمر و و ابى هريرة و مالك بن صعصعه و ابى حبه البدرى، و بن مسعود، والضحاك و سعيد بن خبير و قتادة و ابن المسيب و ابن شهاب و ابن زيد..... و جماعة عظيمة من المسلمين و قول اكثر المتأخرين من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين والمفسرين .

”سلف صالحین اور امت مسلمہ کی غالب اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اسراء جسم مبارک کے ساتھ حالت بیداری میں ہوا اور یہی قول حق ہے اور مندرجہ ذیل حضرات کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرات، ابن عباس، جابر، انس، حذیفہ، عمر، ابو ہریرہ، مالک بن صعصعہ، ابی حبه البدری اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم (یہ سب صحابہ ہیں) اور ضحاك، سعيد بن جبیر، قتاده، ابن المسيب، ابن شهاب، ابن زيد، حسن، ابراہیم، مفروق، مجاہد، عکرمہ اور ابن جریج، ان کے علاوہ طبری، امام ابن حنبل اور مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت کا یہی قول ہے نیز علماء متاخرین میں سے فقہاء محدثین متکلمین اور مفسرین کی اکثریت کا یہی قول ہے۔ (الثفاء جلد اول، صفحہ 246، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

احادیث صحیحہ جن میں واقعات معراج کا بیان ہے۔ وہ اس مفہوم کی تائید کے لیے کافی ہیں۔ میں یہاں فقط دو احادیث نقل کرنے پر اکتفا کروں گا اور ان کا بھی فقط وہ حصہ جس سے سورۃ نجم کی متعلقہ آیات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

پہلی حدیث وہ ہے جو ثابت البنانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اگرچہ حضرت انس سے دیگر کئی تابعین نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے لیکن قاضی عیاض رضی اللہ عنہ اس کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جود ثابت رضى الله عنه هذا الحديث عن انس ماشاء ولم يات احد عنه باصوب من هذا .

”یعنی حضرت انس سے جتنے راویوں نے یہ حدیث روایت کی ان میں سے صحیح ترین وہ حدیث ہے جو ثابت البنانی کے واسطے سے مروی ہے۔“ (الثقاء جلد اول، صفحہ 235، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت) قاضی عیاض اس حدیث کے بارے میں دوسرے صفحہ پر لکھتے ہیں۔

حدیث ثابت عن انس اتقن واجود۔

ترجمہ:- ”وہ حدیث جو حضرت ثابت البنانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ سب سے زیادہ محفوظ اور اعلیٰ پایہ کی ہے۔“ (الثقاء جلد اول، صفحہ 236)

درج ذیل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ معراج النبی سے متعلق وہ حدیث مبارک ہے جو حضرت ثابت البنانی کے واسطے سے مروی ہے۔ اور یہ حدیث مبارک کا ایک خاص حصہ ہے پوری حدیث مبارک یہاں نقل نہیں کی ہے۔

”ثم عرج بنا الى السماء السابعة فاستفتح جبرئيل فقيل من هذا قال جبرئيل قيل ومن معك قال محمد (ﷺ) قيل قد بعث اليه قال قد بعث اليه . ففتح لنا فاذا انا بابرهيم عليه الصلوة والسلام مسند اظهره الى البيت المعمور واذا هو يدخله كل يوم سبعون الف ملك لا يعودون اليه ثم ذهب بي الى السدرة المنتهى فاذا ورقها كاذ ان الفيل واذا ثمرها كالقلال قال فلما غشيها من امر الله ما غشى تغيرت وما احد من خلق الله يستطيع ان ينعتها من حسنها فاوحى الي ما اوحى ففرض على خمسين صلوة في كل يوم وليلة فنزلت الى موسى عليه السلام فقال ما فرض ربك على امتك قلت خمسين صلوة قال ارجع الى ربك فاسئله التخفيف فان امتك لا يطيقون لذلك فاني قد بلوت بنى اسرائيل وخبرتهم قال فرجعت الى ربي فقلت يا رب خفف على امتي وخط عني خمسا فرجعت الى موسى وقلت خط عني خمسا قال ان امتك لا يطيقون ذلك فارجع الى ربك فاسئله التخفيف قال فلم ازل ارجع بين ربي وبين موسى عليه السلام حتى قال يا محمد انهن خمس صلوات كل يوم وليلة كل صلوة عشر كذلك خمسون صلوة ومن هم بحسنة فلم يعملها كتبت له حسنة فان عملها كتبت له عشرا ومن هم بسيئة ولم يعملها لم تكتب له شيء فان عملها كتبت سيئة واحدة قال فنزلت حتى انتهيت الى موسى عليه السلام فاخبرته فقال ارجع الى ربك فاسئله التخفيف وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت قد رجعت الى ربي حتى استحييت منه .“

پھر مجھے اور جبرائیل کو ساتویں آسمان پہ لے جایا گیا۔ جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ آواز آئی کون ہے؟ کہا میں جبرائیل ہوں۔ پوچھا ساتھ کون ہے؟ جبرائیل نے کہا! محمد (ﷺ) پھر پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا! ہاں پس دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔ بیت المعمور وہ مقدس مقام ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، لیکن دوبارہ انہیں یہ سعادت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ (فقط مجھے لے جایا گیا) اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور پھل مشکوں کے برابر ہیں۔ حضورِ انور ﷺ نے فرمایا پھر جب ڈھانپ لیا اس سدرہ کو اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے جس نے ڈھانپ لیا تو وہ اتنا خوب صورت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن و جمال کو بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے وحی فرمائی میری طرف جو وحی فرمائی اور مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ میں وہاں سے اتر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا۔ انہوں نے پوچھا فرمائیے آپ ﷺ کے رب نے آپ (ﷺ) کی امت پر کیا فرض کیا ہے۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا! اپنے رب کی طرف واپس جائیے اور تخفیف کی التجا کیجئے۔ آپ (ﷺ) کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ میں نے بنی اسرائیل کو آزما کر دیکھا ہے۔ چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹا اور عرض کی اے پروردگار! میری امت پر تخفیف فرما۔ پس اللہ تبارک تعالیٰ نے پانچ کم کر دیں..... چنانچہ میں بار بار اپنے رب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان آتا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب! یہ تعداد میں تو پانچ ہیں۔ لیکن حقیقت میں پچاس ہیں۔ (اپنے حبیب کی امت پر مزید کرم کرتے ہوئے فرمایا) آپ (ﷺ) کے امتیوں میں سے جس نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس ارادہ پر عمل نہ کیا تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دوں گا اور اگر اس پر عمل بھی کیا تو دس نیکیاں لکھوں گا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اس نے اس برائی کو کیا تو اس کے بدلے ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اس کے بعد میں اتر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا پھر اپنے رب کے پاس جائیے۔ اور تخفیف کے لیے عرض کیجئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں کئی بار اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوا ہوں، اب مجھے شرم آتی ہے۔“

(مسلم شریف، جلد اول صفحہ 91)

قرآن مجید فرقان حمید

قرآن حکیم میں اسراء اور معراج کا دو سورتوں میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

اسراء کا تذکرہ سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں کیا گیا ہے جس میں ارشاد الہی ہے:

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا
حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ الْإِسْنَاءِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝

ترجمہ:- ”ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ بابرکت بنا دیا ہے ہم نے اس کے گرد و نواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بے شک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا۔“

(سورۃ بنی اسرائیل آیت 1)

اس بابرکت سفر کے دوسرے حصہ کو جسے معراج سے موسوم کیا جاتا ہے سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں بیان فرمایا گیا۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۝ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۝

ترجمہ:- ”قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا۔ تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔ اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ انہیں سکھایا ہے زبردست قوت والے نے۔ بڑے دانانے، پھر اس نے بلند یوں کا قصد کیا۔ اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا۔ پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا۔ یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کو جو وحی کی۔ نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ نے)۔ کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا۔ اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ نہ در ماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حدادوب سے) آگے بڑھی۔ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔“ (سورۃ نجم آیات 1-18)

سورۃ اسراء کی روشنی میں واقعہ معراج

تاریخ ارتقائے نسل انسانی میں معجزہ معراج ایک بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک ایسا رہنما سنگ میل ہے جس سے علم کی روشنی لیے بغیر ارتقاء کی کوئی منزل طے نہیں ہو سکتی اور عروج آدم خاکی کا کوئی خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ سفر معراج دراصل بنی نوع انسان کا سفر ارتقاء ہے۔ یہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کا وہ عظیم معجزہ ہے جس پر انسانی عقل آج بھی انگشت بدنداں ہے اور ہمیشہ رہے گی کہ کس قدر انتہائی

قلیل وقت میں مسجد حرام سے بیت المقدس تک کی طویل مسافت طے ہو جاتی ہے۔

سورۃ اسراء کا دوسرا نام سورۃ بنی اسرائیل بھی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ، خالق و مالک کائنات، قادر مطلق اس سورت کی پہلی ہی آیت مبارک میں اسراء کا ذکر ان گہرے، واضح اور جامع الفاظ میں یوں فرماتے ہیں۔

سُبْحَنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بَرَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہٖ مِنْ اٰیٰتِنَا ۚ اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

ترجمہ:- ”وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے، قلیل سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرب) بندے کو مسجد حرام سے (اس) مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندہ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔“ (سورۃ اسراء، بنی اسرائیل آیت ۱)

نص قرآن سے بڑھ کر تو کوئی روایت نہیں ہو سکتی۔ جب باری تعالیٰ خود فرما رہا ہے کہ میں اپنے بندے کو رات کے ایک قلیل عرصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ تو اسے اللہ تبارک تعالیٰ کو ماننے والوں کو تو بے چوں و چراں مان لینا چاہئے اور جو اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے رسول پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کو مانتے ہیں تو انہیں بھی اسے حق و سچ ہی بلا توقف جان جانا چاہئے۔

لیکن عقل انسانی اپنی تنگی کے سبب اس پر تعجب و حیرانی کا مظاہرہ کرتی ہے اور ذہن انسانی میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ سفر جو کئی ہفتوں اور مہینوں کا تھا، وہ رات کے ایک تھوڑے سے وقت میں کیسے مکمل ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہی ہے کہ اس کا انحصار تو لے جانے والے کی طاقت اور قوت پر ہے۔ اس سفر کا سارا انتظام رب کائنات کی طرف سے ہو رہا ہے، وہ جو ہر کچھ کر دینے پر ہمہ وقت قادر ہے۔ طاقت اور قدرت اس ذات کی کار فرما ہے جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ جس کے حکم کا پابند ہے۔ وہ رب جو ان اللہ علیٰ کل شیء قدیدر کا مالک ہے۔ وہ رب جو امر کن فیکون کی طاقت رکھتا ہے اور جس کے لیے کوئی چیز ناممکن اور محال نہیں۔ انسانی عقل اپنی تنگی کے سبب اس کی قدرت مطلقہ کے ساتھ بے بس اور عاجز ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ خالق و مالک کائنات ہے، قادر مطلق ہے اگر صرف یہی نقطہ ذہن نشین کر لیا جائے تو سفر معراج کی ساری حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔

جبرائیل امین کو اس نے بھیجا کہ جاؤ! اور میرے معجز مہمان، میرے برگزیدہ پیغمبر، پیغمبر اول و آخر و اعظم، میرے محبوب ﷺ کو لے آؤ۔ اس سفر کے لیے مہمان کی مہمان نوازی میں براق اور رفر ف بھی من جانب اللہ بھیجے گئے۔ حضور پر نور ﷺ نے یہ سماوی سفر کس رفتار سے طے کیا اور کیسے کیا، زمان و مکان کی قیودات سفر معراج پر اثر انداز ہوئیں یا نہ ہوئیں، کیا براق اور رفر ف کی رفتار روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تھی؟ ان تمام سوالات کے جوابات

لفظ ”سبحن الذی“ میں مضمّر ہیں۔ سبحن الذی میں چھپے ہیں۔

آیت مبارک کا آغاز سبحان، کے کلمہ سے کیا گیا ”سبحان سبح یسبح تسبیحا“ باب تفعیل کے مصدر تسبیح کا علم ہے اس کا معنی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے مبرا اور منزہ ہے۔ علامہ زحشری لکھتے ہیں۔

علم للتسبیح کعثمان للرجل وانتصابه بفعل مضمّر و دل علی التنزیہ البلیغ من جمیع القبائح التی یضیف الیہ اعداء اللہ۔

ترجمہ:- ”یعنی سبحان، تسبیح مصدر کا علم ہے جس طرح عثمان، (جو اس کا ہم وزن ہے) کسی شخص کا علم ہوتا ہے اور یہاں فعل مضمّر ہے جو اس کو نصب دیتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ تمام ان کمزوریوں، عیوب اور کوتاہیوں سے بالکل پاک اور منزہ ہے جن سے کفار یا کم عقل والے اللہ تبارک تعالیٰ کو متہم کرتے ہیں۔“

علامہ آلوسی نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

عن طلحة قال سئلت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تفسير سبحان وقال تنزيه الله عن كل سوء۔

ترجمہ:- ”کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سبحان اللہ کی تفسیر، رسول اللہ ﷺ سے پوچھی۔

حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ کو ہر برائی سے پاک اور منزہ کہنے کو سبحان اللہ کہتے ہیں۔“

آیت مبارک کی ابتدا میں سبحان کے کلمہ سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ اللہ تبارک تعالیٰ ہر عیب، نقص، کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے۔ اس کے لیے دلیل کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتا۔ بطور دلیل اللہ تبارک تعالیٰ نے ارشاد فرمایا الذی اسری بعبدہ، کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے محبوب بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر طے کرایا۔ اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیات بینات دکھائیں۔

جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کر سکتی ہے واقعی اس کی قدرت بے پایاں، اس کی عظمت بیکراں ہے اور اس کی کبریائی کے دامن پر کسی کمزوری اور بے بسی کا کوئی داغ نہیں۔ اور جس واقعہ کو اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی بڑا اہم، عظیم الشان اور محیر العقول واقعہ ہوگا اس لیے معراج کا انکار کرنا گویا اللہ تبارک تعالیٰ کی قدرت اور سبحانیت کی ایک قرآنی دلیل کو منہدم کرنا ہے۔

تنزيه الله من كل سوء .

اسرہی (اس نے سیر کروائی)

یہاں چند نکات نہایت ہی قابل توجہ ہیں۔

3- سیر کرنے اور کروانے میں بھی زمین اور آسمان کا فرق ہے، جب آدمی خود سیر کرتا ہے تو ممکن ہے

Islami Books Quran & Madni Ittar House Ameen Pur Bazar Faisalabad +923067919528

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۶۶) جلد دوم

اوجھل رہ جانے کا امکان کہاں؟ مثلاً ہم عجائب گھر جائیں اور وہاں کا سربراہ ہمیں سیر کروائے تو وہاں کا کونسا گوشہ اور چیز ہوگی جو ہمیں نہیں دکھائے گا، بلکہ اس کی کوشش یہی ہوگی کہ کوئی چیز ان دیکھی نہ رہ جائے۔

ذرا سوچئے جب سیر کروانے والی خود خالق کائنات کی ذات ہو اور وہ اپنے حبیب کریم رؤف ورحیم ﷺ کو سیر کروائے تو کائنات کا کون سا گوشہ ہوگا جو آپ کے سامنے نہ لایا گیا ہوگا؟ اس لیے آپ ﷺ کا مقدس فرمان ہے۔

ظہرت لمستوی حتی اسمع فیہ صریف الاقلام .

ترجمہ:- ”میں مقام مستوی تک پہنچا حتیٰ کہ میں نے اقلام تقدیر کی آواز سنی۔“ (بخاری و مسلم) شارح بخاری امام بدرالدین عینی (المتوفی 855ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

المعنی انی اقامت مقاما بلغت فیہ من رفعة المحل الی حیث الطلعت علی الکوائن و ظہر لی ما یراد من امر اللہ و تدبیرہ فی : : : : : و ہذا واللہ ہو المنتہی الذی لا نقدم فیہ لا حد علیہ .

ترجمہ:- ”اس کا معنی یہ ہے کہ اس مقام تک جا پہنچا کہ میں تمام کائنات پر مطلع ہوا اور مجھ پر مخلوق کے بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ کے اوامر و تدابیر کا ظہور ہوا۔ اللہ کی قسم! یہ وہ انتہا ہے جس پر آپ ﷺ کے سوا کوئی نبی نہیں پہنچا۔“ (مرقاۃ المفاتیح جلد 10 صفحہ 174..... عمدۃ القاری جلد 4 صفحہ 47)

لفظ سبحان کی طرح لفظ اسرای بھی تمام اعتراض کرنے والوں کا منہ بند کر رہا ہے، کہ اس طویل سیر و مشاہدات کا انکار مت کرو، جب یہ عطیہ و انعام اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے ہے، تو پھر ماننے والے بن جاؤ، کیونکہ اس کے لیے ایسے معاملات اور کچھ بھی کرنا ہرگز دشوار نہیں۔ اس کے ارادہ و کن فرمانے سے سب کچھ خود بخود ہو جاتا ہے۔
بعبدہ (اپنے کامل بندے کو)

تمام امت کا اتفاق ہے کہ یہاں عبد سے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ نور نبی کریم رؤف ورحیم سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذات ہی مراد ہے۔ شیخ الاسلام زکریا انصاری، ”فتح الرحمن“ میں لکھتے ہیں۔ نبی یا حبیب نہیں، بلکہ لفظ ”عبد“ لایا گیا تاکہ

لئلا تضلی امتہ کالنصارى .

ترجمہ:- ”کہیں نصاریٰ کی طرح آپ کی امت گمراہ نہ ہو جائے۔“

اور اس کے (امت کے) ذہن میں آپ ﷺ کی عبدیت اجاگر رہے۔ (جواہر البحار جلد 3 صفحہ 437)

اللہ تبارک تعالیٰ کا ”عبد“ سب سے اعلیٰ وصف ہے امام ابوعلی وفاق فرماتے ہیں۔

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۶۷) جلد دوم

ليس للمؤمن صفة اتم ولا اشرف من العبودية . (الرسالة القشيرية، 100)
ترجمہ:- ”کسی مومن کے لیے عبدیت سے بڑھ کر کوئی اور کامل و اعلیٰ وصف نہیں ہو سکتا۔“
سہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اعلیٰ مقامات پر آپ ﷺ کا تذکرہ اسی لفظ سے کیا ہے، مثلاً! واقعہ معراج کے حوالے سے فرمایا:

سبحان الذي اسرى بعبدہ .

ترجمہ:- ”ہلک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کروائی۔“ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت 1)
خود بھی یہی مانگا

امام فخر الدین رازی اپنے والد ماجد شیخ عمر حسین کے حوالہ سے لکھتے ہیں، امام ابوالقاسم سلیمان انصاری نے بیان کیا، شب معراج جب حضورِ نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ مقام عالی پر پہنچے تو اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا:
بامحمد بم اشرفك؟

ترجمہ:- ”اے محمد! ﷺ میں تمہیں کون سائق عطا کروں؟
آپ ﷺ نے عرض کیا۔

رب بان تنسبني الى نفسك بالعبودية .

ترجمہ:- ”میرے پروردگار! مجھے اپنا بندہ بنالے۔“

تو اللہ تبارک تعالیٰ نے ”سبحان الذي اسرى بعبدہ“ میں وہ لقب آپ ﷺ کو عطا فرمادیا۔

(مفتاح الغیب، 20، 292)

بعبدہ

اللہ تبارک تعالیٰ نے محبوب نبی ﷺ کو صرف عبد نہیں بلکہ عبدہ فرمایا یعنی کہ فقط بندہ نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ میرا خاص بندہ یعنی کہ اس کائنات میں سب سے کامل عبدیت آپ ﷺ کو ہی حاصل ہے یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ قرآن میں اللہ تبارک تعالیٰ نے بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی یہ لفظ ذکر کیا ہے حضرت ذکریا علیہم السلام کے بارے میں فرمایا۔

ذكر رحمة ربك عبده ذكريا . (سورۃ مریم آیت 2)

ترجمہ:- ”یہ ذکر ہے میرے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے ذکریا پر کی۔“

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

اصبر على ما يقولون و اذكر عبدنا داود .

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۶۸) جلد دوم

حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے۔

واذکر عبدنا ایوب اذ نادى ربه انى مسنى الضر وانت ارحم الراحمين .

ترجمہ:- ”اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا، مجھے تکلیف ہوئی ہے

اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔“ (سورۃ انبیاء آیت 83)

حبیبِ خدا اور دیگر انبیاء میں امتیاز

جن آیات میں اپنے حبیب ﷺ اور دیگر برگزیدہ انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنا عبد قرار دیا، وہ ہمارے سامنے

ہیں ان میں واضح طور پر اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک امتیاز قائم رکھا، دیگر انبیاء کو عبد فرمایا مگر مصلّا ان کا نام بھی ذکر

کر دیا، مگر اپنے حبیب ﷺ کو عبد کہا تو عبد کے بعد آپ ﷺ کا نام نہیں لیا، جو آشکار کر رہا ہے کامل عبد آپ ہی کی

ذات اقدس ہے۔

مفسر قرآن شیخ زادہ اس قرآنی امتیاز کی بنا پر قسطنطنیہ میں کہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی ذات، وجود تو حق

میں فنا تھی ہی مگر آپ کا نام بھی فنا ہو چکا تھا۔

هو الحسر المعق عن عبودية الموجودات ورق وجوده، فلهذا سماه الله تعالى بعد

عبر فيما اسمه ورسمه اسما ما ليس به احدا من خلقه الا واشعر بقاء اسمه ورسمه

كما قال عبده ذكريا .

ترجمہ:- ”آپ ﷺ عبدیت موجودات اور وجود کی غلامی سے آزاد اور بالاتر ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ

تبارک تعالیٰ نے اپنے دیگر مخلوق کی عبدیت کے ساتھ اس کا نام و نشان بھی ذکر کیا، مگر آپ ﷺ کی

عبدیت کے بعد نام کا ذکر تک نہ کیا۔“ (شرح قصیدہ بردہ، 170)

عبد کون؟

ویسے تو تمام کائنات عبد کہلاتی ہے۔ فرشتوں کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے۔

بل عباد مكرمون .

ترجمہ:- ”بلکہ وہ معزز بندے ہیں۔“ (سورۃ انبیاء)

دوسرے مقام پر ہر شے کے بارے میں فرمایا کہ روز قیامت

ان كل من فى السموات والارض الا اتى الرحمن عبدا .

ترجمہ:- ”آسمانوں اور زمین میں سے ہر شے رحمن کی بارگاہ میں بطور عبد حاضر ہوگی۔“ (سورۃ مریم)

لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کے ہاں مقام عبدیت کون پاتا ہے؟ اس بارے میں اہل معرفت فرماتے ہیں عبد وہ ہے

جو اللہ کے ہاں ہر شے کی بارگاہ میں بطور عبد حاضر ہو۔

شیخ ابن عطاء اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

البعء الذی لا ملک له .

ترجمہ:- ”عبد کسی شے کا مالک نہیں ہوا کرتا۔“

مفکر اسلام حضرت علامہ اقبال رحمہ اللہ نے عبد اور عبدہ میں خوب فرق واضح کرتے ہوئے کہا ہے۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دیگر ماسراپا انتظار او منتظر

(یعنی ان میں فرق یہ ہے کہ عبد اپنے مالک کے سلام و کرم کا منتظر رہتا ہے، لیکن جسے مقام عبدہ مل جائے،

خالق کا اس پر اس قدر کرم ہو جاتا ہے کہ پھر خالق و مالک خود اس کا انتظار فرماتا ہے۔)

شب معراج حضرت جبرائیل امین کا یہ جملہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے، انہوں نے عرض کیا تھا حضور چلے۔

ان ربك المشتاق اليك .

ترجمہ:- ”آپ کا رب آپ ﷺ کا مشتاق و منتظر ہے۔“

لیلاً (رات کے کچھ حصہ میں)

لیل کو معرفہ کی بجائے نکرہ ذکر کیا، تاکہ قلت مدت پر دلالت ہو، شیخ جابر اللہ زحشری کہتے ہیں۔

اراد بقوله ليلاً بلفظ التکیر تقليل مدة الاسراء (الكشاف) .

ترجمہ:- ”لیلاً نکرہ ذکر کر کے واضح کر دیا کہ سیر کی مدت بہت ہی کم تھی۔“

پھر لیلاً (تاء) کے بغیر فرمایا نہ کہ لیلۃ کیونکہ لفظ لیلۃ کی تمام رات پر دلالت کرتی ہے۔

چونکہ یہ سیر رات کے تھوڑے حصہ میں تھی، لہذا لیلاً فرمایا تاکہ واضح ہو جائے کہ اس سیر کے لیے تمام

رات نہیں بلکہ یہ سیر رات کے کچھ حصہ میں ہوئی۔

امام نجم الدین الغیطی رقمطراز ہیں۔

اذا قالوا سری لیلۃ کان ذلك فی الغالب لا استعیاب اللیلۃ باسری .

ترجمہ:- ”اگر ”اسری لیلۃ“ کا لفظ آیا ہوتا تو اس سے اغلب تمام رات میں سیر کرانا مراد ہوتی ہے۔“

(المعراج الکبیر صفحہ 9)

لنریہ من آیاتنا (تاکہ ہم انہیں اپنی آیات دکھائیں)

یہ اس سیر کی غایت ہے کہ ہم نے یہ سفر آپ ﷺ کو اپنی آیات کا مشاہدہ کروانے کے لیے کروایا، یہاں بھی

آیاتنا (ہماری آیات) اور سورۃ نجم میں ہے۔

لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ .

ترجمہ:- ”آپ ﷺ نے اس سفر میں بڑی بڑی آیات دیکھی۔“

یعنی دونوں مقامات پر آیات اللہ کا تذکرہ ہے کہ ہم نے خصوصی آیات کا مشاہدہ عطا فرمایا۔
اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنی مخلوق کی آیات دکھائیں تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عین الیقین ہو جائے۔ اس کا ذکر سورۃ انعام کی آیت 75 میں خالق و مالک کائنات نے یوں فرمایا ہے۔

و كذلك ترى ابراهيم ملكوت السموات والارض وليكون من الموقنين .
ترجمہ:- ”اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ
عین الیقین والوں میں ہو جائے۔“ (سورۃ انعام آیت 75)

کچھ لوگ اس آیت مبارک سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

فيلزم ان يكون معراج ابراهيم عليه السلام افضل من معراج محمد ﷺ
سماوی و ارضی تمام آیات کا مشاہدہ کروایا تو اس سے لازم آرہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معراج،
حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے معراج سے افضل ٹھہرے۔

اس لیے یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے
معراج میں آیات ربّ للعالمین کا مشاہدہ کیا یعنی کہ ذات باری تعالیٰ کے عرش عظیم پر پہنچ کر دیدار کیا، قرب حاصل
کیا، کائنات کے تمام علوم حاصل کئے اور ان گنت باری تعالیٰ سے نوازشیں حاصل کیں۔ آپ ﷺ نے اس دوران
سماوی اور ارضی تمام آیات کا بھی مشاہدہ فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف مخلوق (ارض و سماء) کی آیات کا
مشاہدہ کیا جب کہ حضور پر نور، پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم، حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے آیات الہیہ، اللہ
تبارک تعالیٰ کی ذات پاک کی آیات کا مشاہدہ فرمایا۔

بالفاظِ دیگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تبارک تعالیٰ کی مخلوق کی آیات مشاہدہ فرمائیں اور آپ ﷺ
نے خالق کی، خالق و مالک کائنات کی ذات پاک کی آیات کا مشاہدہ فرمایا۔ بلاشبہ آیات الہیہ کا مشاہدہ، سماوی اور
ارضی (مخلوق کے) مشاہدہ سے کہیں افضل ہے۔

اس سے متعلق امام رازی رحمہ اللہ نے اپنے خیال و رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔

الذی راہ ابراهيم ملكوت السموات والارض والذی راہ محمد ﷺ بعض آیات اللہ
تعالیٰ ولا شک ان آیات اللہ افضل . (مفاتیح الغیب، 20، 292)

ترجمہ:- ”جو آیات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھیں وہ سماوی اور ارضی تھیں، جب کہ حضور پر نور
نبی کریم ﷺ نے بعض آیات اللہ کا بھی مشاہدہ کیا اور آیات اللہ بلاشبہ افضل و اعلیٰ ہیں۔“

انہ هو السميع البصير (وہی دیکھنے اور سننے والا ہے)

مختار قول یہی ہے اس ضمیر کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے، معنی یہ ہے کہ وہ حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے اقوال کو

نوراً من النور، نور رحمة للعالمين ﴿٤٤١﴾ جلد دوم

سننے والا اور آپ کے افعال کو دیکھنے والا ہے۔

امام ابوالبقا عبد اللہ بن حسین عکبری نے بعض محققین سے نقل کیا ہے، اس کا مرجع عبد بھی ہو سکتا ہے اب ترجمہ یہ ہوگا۔

السمیع لکلامنا البصیر لذاتنا املاء ما من به الرحمن .

ترجمہ: ”آپ (ﷺ) ہمارا کلام سننے والے اور ہماری ذات اقدس کا دیدار کرنے والے ہیں۔“

اور قدرے آسان انداز میں اس کا بیان یوں ہے۔

بعض مفسرین نے انہ کی ضمیر کو محض اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف راجع کیا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ جھٹلانے والوں کو دھمکی اور وعید ہے۔ کہ ہم تمہاری مخالفت اور تکذیب کو دیکھتے اور سنتے ہیں۔ اس لیے خوب سزا دیں گے۔ اور بعض علماء کرام نے اس ضمیر کو محض حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی طرف راجع کیا ہے جیسا کہ زرقانی رحمہ اللہ نے امام سبکی رحمہ اللہ سے نقل فرمایا۔ (زرقانی جلد 3 صفحہ 124)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری قدرت کی نشانیاں جو دیکھنے کے قابل تھیں آپ ﷺ نے ان کو دیکھا۔ اور جو سننے کے قابل تھیں ان کو سنا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ قدرت کے سب واقعات آپ ﷺ نے مشاہدہ فرمائے جس طرح کہ مشاہدہ فرمانے کا حق تھا“ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ضمیر اگر اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف راجع ہو تب بھی جائز ہے۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہو تب بھی درست ہے۔ (روح المعانی پارہ 15 صفحہ 13)

معراج، سورۃ نجم کی روشنی میں

منبع علم و دانش قرآن مجید فرقان حمید میں واقعہ معراج نمایاں طور پر دو الگ الگ مقامات یا سورتوں میں بیان ہوا ہے۔ سورۃ النجم میں سفر معراج کا ذکر جمیل قدرے تفصیل سے ہوا ہے۔

سورۃ نجم میں بیت المقدس سے اگلے حصہ سیر کا تذکرہ ہے، اس حصہ کو بعد میں لانے کی حکمت یہ ہے کہ پہلے بیت المقدس تک جانا مان لیں اور اس پر آپ ﷺ کی سچائی واضح ہو جائے تو پھر اس سے بڑھ کر جو واقعہ ہے اسے سامنے لایا جائے تاکہ تدریجاً ایمان کا حصول ہو، آئیے! ان مبارک آیات اور الفاظ کی تلاوت اور ضروری تشریح و تفصیل سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے سورۃ نجم کی 1 تا 18 آیات پاک میں معراج النبی ﷺ کا یوں ذکر فرمایا ہے۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا

كَذَبَ ۚ إِنَّكَ لَخَشِيعٌ ۚ عَلِيمٌ ۝

جَنَّةُ الْمَأْوَى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۝ لَقَدْ رَأَى مِنْ
اٰیَتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۝

ترجمہ:- ”قسم ہے روشن ستارے (وجود محمدی ﷺ) کی جب وہ (شب معراج عرش بریں پر عروج فرما کر زمین کی طرف) اتر اتمہارے آقا نہ (کبھی) گمراہ ہوئے اور نہ بے راہ چلے اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے ان کا فرمانا فقط وحی الہی ہی ہوتا ہے جو (ان کی طرف) کی جاتی ہے انہیں سکھایا سخت قوتوں والے بہت زبردست (اللہ) نے پھر اس (اللہ) نے استوی فرمایا اس حال میں کہ وہ (محمد ﷺ) سب سے اونچے کنارے (دارہ امکان کے منتہی) پر تھے پھر قریب ہوا (اللہ محمد ﷺ سے) پھر زیادہ قریب ہوا تو (محمد ﷺ اپنے رب سے) دو کمانوں کی مقدار (نزدیک) ہوئے بلکہ اس سے (بھی) زیادہ قریب۔ تو وحی فرمائی اپنے عبد مقدس کو جو وحی فرمائی۔ نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ) نے کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا۔ اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا، سدرۃ المنتہی کے پاس اس کے پاس ہی جنت المادوی ہے جب سدرہ پر چھا رہا تھا، جو چھا رہا تھا۔ نہ در ماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حداب سے) سے آگے بڑھی یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔“ (سورۃ نجم آیت 18 تا 1)

خالق و مالک کائنات، اللہ رب العزت نے ان آیات مقدسہ کے آغاز میں قسم اٹھائی ہے اور یقیناً رب العالمین کا قسم اٹھانا ایک غیر معمولی بات ہے۔ اس (قسم اٹھانے) سے غیر معمولی واقعہ کی تمہید کو اجاگر کرنا مقصود ہے۔ خالق و کائنات کا کسی واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے قسم اٹھانا اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جا رہا ہے وہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اور جس ہستی معظم کے بارے میں یہ واقعہ بیان ہو رہا ہے وہ ہستی کن عظمتوں اور رفعتوں کی حامل ہے! اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے رحیم و کریم کسی بہت ہی اہم معاملے کا انکشاف فرما رہے ہیں۔

اس غیر معمولی اہتمام کی وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کو بندوں پر یہ آشکار کرنا بھی مقصود ہے کہ اس معجزہ معراج کو اپنی ناقص عقل کی کسوٹی پر نہ پرکھیں بلکہ اسے خالق ارض و سماوات کی قدرت کاملہ کا مظہر جان کر دل و جان سے قبول کر لیں۔ فرمایا! قسم ہے ستارے کی جب وہ اترے۔ مذکورہ آیات کی پہلی آیت میں ”نجم“ اور ”ہوی“ کے الفاظ معنی خیز بھی ہیں اور ہمیں غور و تدبر کی دعوت بھی دے رہے ہیں۔

لفظ نجم کا مفہوم

عربی لغت میں نجم کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔

یہ لفظ عربی زبان و ادب میں کبھی اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور کبھی اس کا استعمال بطور مصدر عمل میں لایا

نورِ اَمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۷۳) جلد دوم

جاتا ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر لفظ نجم بطور اسم استعمال ہو تو اس کا ایک معنی یہ لیا جائے گا کہ ”کسی چیز کی اصل، مبداء، یا جڑ مثلاً کسی درخت کی جڑ، جو ایک تناور درخت کی اصل ہوتی ہے۔“ جس جگہ سے کوئی چشمہ پھوٹے اس جگہ کو بھی نجم کہا جاتا ہے۔ چشمہ سب کو سیراب کرتا ہے۔ اور ریگستانوں، سنگلاخ چٹانوں کو بھی شاداب موسموں کی نوید دیتا ہے۔

لفظ نجم فن حدیث میں بھی اصل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ هذا الحديث لا نجم له تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ یہ بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔ آیت مذکورہ میں نجم سے مراد پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ ”قسم ہے ستارے کی جب وہ اترے“ معراج کی شب عظمت کا تاج کس رسول مکرم و معظم ﷺ کے سر اقدس پر سجایا گیا، کھلے آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ ظاہر ہے یہ حضور پر نور ﷺ کی ذات تھی اور خدا اپنے محبوب ﷺ کو ستارے سے تشبیہ دے رہا ہے۔ ستارہ جو روشنی کی علامت ہے، ستارہ جو حرکت اور زندگی کا نمائندہ ہے۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔

اس سے حبیبِ خدا ﷺ کی ذات اقدس مراد ہے۔ امام محی السنۃ حسین بن مسعود بغوی سن وفات 516 ہجری لکھتے ہیں۔

وقال جعفر الصادق یعنی محمد ﷺ اذ نزل من السماء الى الارض ليلة المعراج . ترجمہ:- ”امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے اس سے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس مراد ہیں جو شب معراج آسمان سے زمین پر تشریف لائے۔“ (معالم التنزیل جلد 4، صفحہ 244) صاحب روح المعانی اور تفسیر مظہری کا بھی یہی کہنا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: النجم انه محمد .

ترجمہ:- ”نجم سے مراد محمد ﷺ ہیں۔“ (روح المعانی پارہ، حصہ 27، صفحہ 45... تفسیر مظہری جلد 9، صفحہ 103) اکثر محدثین و مفسرین نے نجم سے مراد حضور انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کی ذات اقدس کو ہی لیا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے ”تفسیر کبیر“ میں، علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ”روح المعانی“ میں، امام خازن رحمہ اللہ نے، ”تفسیر خازن“ اور نہمان بقلی رحمہ اللہ نے ”عرّاس البیان“ میں نجم کے اسی مفہوم کو اعتماد و اعتبار کی سند عطا کی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر متعدد دائرۃ تفسیر نے بھی نجم سے مراد سیاح لامکاں پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور سرورِ کائنات ﷺ کی ذات اقدس ہی لی ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نجم کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”خدا کی ذات بابرکات نے کنائے اور اشارے کے پیرائے میں حضور انور نبی کریم ﷺ کی رخشندہ و

تابندہ ذات کی قسم کھائی اور فرمایا: قسم ہے اے محبوب! کہ تو اصل ہے۔“ (الفردات: 483)

اذا ہوی

والنجم اذا ہوی کا پہلا معنی بلندیوں تک پہنچنا ہے۔ معراج کی شب حضور پر نور نبی کریم ﷺ اپنے وجود بشری کے ساتھ ان بلندیوں سے بھی آگے تشریف لے گئے جن بلندیوں پر جبرائیل جیسے مقرب فرشتے کے بھی پر جلتے ہیں۔ کلام خدا پر جتنا بھی غور کیا جائے تفہیم کی نئی نئی پرتیں خود بخود سامنے آتی جاتی ہیں۔ اگر النجم سے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کا وجود مسعود مراد لیا جائے اور لفظ ہوی ہوی سے مشتق ہو تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا: ”چمکتے ہوئے ستارے محمد ﷺ کی قسم جو زمین کی پستیوں سے ابھر کر عالم لامکاں کی بلندیوں کی انتہا تک پہنچا۔“

اس کا ذکر ربّ کائنات نے قسم کھا کر کیا ہے کہ یہ واقعہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اور یہ بات سدرۃ المنتہی کے بعد کی ہے کیونکہ سدرۃ المنتہی تک تو جبرائیل کو بھی رسائی حاصل ہے۔ سدرۃ المنتہی عالم ملکوت کی آخری حد ہے، جہاں شہداء اور خدا کے برگزیدہ بندوں کا گزر رہتا ہے۔ لہذا سدرۃ المنتہی تک پہنچنا اتنی عظیم بات نہ ہوتی اور اسے اس اہتمام سے بیان بھی نہ کیا جاتا لیکن بات سدرۃ المنتہی سے آگے کی ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کے قسم کھانے سے اس استدلال کو تقویت ملتی ہے کہ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ پروردگار عالم کی عطا کردہ قوت سے عالم بالا کے اس آخری کنارے تک پہنچے جہاں کوئی نبی مرسل یا فرشتہ پہنچنے کی نہ تاب رکھتا ہے اور نہ جرات، وہاں تک تو کسی کے تصور و تخیل کی رسائی بھی ممکن نہیں۔

لفظ ہوی سدرۃ المنتہی سے قَابِ قَوْسَیْن تک کے سفر کو بیان کر رہا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس لمحہ کی قسم جب میرے محبوب تو لامکاں کی حدوں کو پار کر کے میرے مقام قرب تک پہنچا۔

ماضِل صاحبکم و ما غوی (تمہارا ساتھی نہ گمراہ ہوا اور نہ بھٹکا)

یہ جواب قسم ہے، یہاں اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ ﷺ سے دو باتوں کی نفی فرمائی ہے۔

ضلالت اور غی، ضلالت کی ضد ہدایت اور غی کی ضد رشد ہے۔ لفظ ضلالت عام طور پر اس گمراہی کے لیے آتا ہے جس کا تعلق بھول چوک یا فکر و اجتہاد کی غلطی سے ہو اور غوی کا تعلق اس گمراہی سے ہوگا جس میں نفس کی اکساہٹ اور آدمی کے قصد و ارادے کو بھی دخل ہو۔

صاحبکم

لفظ صاحب حضور پر نور ﷺ کے لیے اور ضمیر سے مخاطب قریش ہیں، انہیں متوجہ کر کے کہا جا رہا ہے کہ یہ پیغمبر

جو تمہارے دن رات کے ساتھی ہیں، تمہارے لیے کوئی اجنبی نہیں۔ تم ان کے ماضی و حاضر، ان کے اخلاق و کردار اور ان کے رجحان و ذوق سے اچھی طرح واقف ہو۔ تم نے کب ان کے اندر ایسی بات دیکھی ہے جس سے یہ شبہ ہو سکے کہ ان میں کہانت یا نجوم کا کوئی میلان پایا جاتا ہے، اس طرح کا ذوق کسی کے اندر ہوتا ہے تو دن رات کے ساتھیوں سے وہ عمر بھر چھپا نہیں رہتا۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جو چیز اتنی مدت تک تم نے ان کے اندر کبھی محسوس نہیں کی اور جب انہوں نے نبوت کا اعلان کیا اور تم کو اللہ کا کلام سنایا تو تم نے ان کو کاہن اور نجومی کہنا شروع کر دیا، حالانکہ ان کی زندگی اور ان کا کلام شاہد ہے کہ ان کے اندر کسی ضلالت یا غوایت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

ماضی اور ماضی دونوں ماضی ہیں جو واضح کر رہے ہیں کہ حضورِ انور ﷺ کی اعلانِ نبوت سے پہلے کی زندگی پاکیزہ اور اعلیٰ تھی یعنی اس میں کوئی عقیدہ و عمل کی ہرگز کوئی کجی نہیں تھی۔

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کا نام ذکر کرنے کی بجائے صاحبکم فرمایا، تاکہ ان پر حجتِ خوب واضح طور پر ہو

وہم اعلم الخلق بہ وبحالہ واقوالہ واعمالہ وانہم لا یعرفوند بکذب ولا غی ولا

ضلال ولا ینقصمون امر او احدا قط .

ترجمہ:- ”کیونکہ وہ (کفار و مشرکین مکہ) آپ ﷺ کی ذات، احوال، اقوال اور اعمال سے دیگر تمام

سے زیادہ باخبر تھے انہوں نے کبھی بھی آپ ﷺ سے کوئی جھوٹ، غلط بات، گمراہی ہرگز نہیں دیکھی

اور وہ اس طرح کا کوئی ایک معاملہ بھی پیش نہیں کر سکتے۔“ (المعراج الکبیر، 22)

وما ینطق عن الہوی (اور یہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں)

مخالفین نے جب یہ کہنا شروع کیا کہ یہ قرآن خود گڑھ کر لاتے ہیں اور اسے اللہ کا کلام بنا کر پیش کرتے ہیں

تو اس کے جواب میں فرمایا، یہ نبی تو اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں۔

ہوٰی کا مفہوم

یہ نفسِ امارہ سے محبت اور اس کی اتباع کا نام ہے۔ سب سے بڑی بت پرستی خواہشِ نفس کی اتباع ہے۔

بتوں، درختوں اور پتھروں کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے بچنا آسان ہے مگر اپنے اندر کے بت سے بچنا نہایت

دشوار ہے بلکہ بچنا تو درکنار اکثر لوگوں کو اس کا علم بھی نہیں رہا۔ حالانکہ خالق نے جہاں ظاہری بتوں کی مذمت اور

نشاندہی کی وہاں اس نے باطنی صنم کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ سورۃ فرقان آیت 43 میں ارشادِ ربانی ہے۔

اَرَاٰیْتَ مَنْ اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَٰوَاهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ۝

ترجمہ:- ”کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو خدا بنا لیا گیا، تم ایسے کی نگرانی کر سکتے

یعنی چوپائے ہر حال اور ہر شکل میں اپنی اس جبلت پر قائم رہتے ہیں جس پر اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کی پیروی میں سرمو اپنی جبلت سے انحراف نہیں کرتے۔ لیکن انسان جب اپنی خواہشوں کا غلام بن جاتا ہے تو وہ اپنی جبلت اور فطرت کی تمام حدود توڑ کر چوپایوں سے بھی بدترین بن جاتا ہے۔ اور سورۃ جاثیہ آیت 23 میں اس بات کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا۔

أَفَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (سورۃ جاثیہ آیت 23)

ترجمہ:- ”کیا تم نے ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا لیا۔“

اس حقیقت کی کہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، ہادیِ انس و جاں، رسولِ بحر و بر، رہبرِ کائنات، سرکارِ دو عالم، رحمت للعالمین، حبیب رب للعالمین، سید المرسلین، خاتم النبیین، حضورِ پُر نور، حضورِ انور نبی کریم ﷺ و رحیم ﷺ اپنی خواہش سے، اپنے نفس سے، کچھ بھی، کبھی بھی ارشاد ہیں فرماتے۔

بلکہ وہ توحی اللہ ہوتا ہے۔ درج ذیل روایت و حدیث بہت خوبصورتی سے ترجمانی کرتی ہے۔

کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میرا یہ دستور تھا کہ حضورِ پُر نور ﷺ کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتا، وہ لکھ لیا کرتا۔ قریش کے بعض احباب نے مجھے اس سے منع کیا اور کہنے لگے تم حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ کا ہر قول لکھ لیا کرتے ہو حالانکہ حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ انسان ہیں، کبھی غصے میں بھی کوئی بات فرما دیا کرتے ہیں، چنانچہ میں نے لکھنا بند کر دیا۔ بعد میں اس کا ذکر بارگاہ رسالت مآب میں ہوا اور میں نے سلسلہ کتابت بند کرنے کی وجوہ بیان کی، تو حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اكتب فوالذي نفسي بيده ما خرج مني الا الحق .

ترجمہ:- ”اے عبداللہ! تم میری ہر بات کو لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی۔“

ضل اور ينطق کا اہم فائدہ

اللہ تبارک تعالیٰ نے اس مقام پر آپ ﷺ کی عظمت و شان کے لیے ضل ماضی اور ينطق مضارع ذکر کیا تاکہ تمام احوال میں آپ کا صدق، عصمت واضح ہو جائے، امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں ان لفاظ میں نہایت ہی حسن ہے کیونکہ ان سے واضح کر دیا گیا کہ بچپن سے لے کر کوئی بھی برائی آپ ﷺ کے قریب نہیں آئی۔

فلم يكن اولاً ضللاً ولا غاوياً وصار الان منقاداً من الضلالة و مرشداً و هادياً .

ترجمہ:- ”آپ ﷺ تو ابتداء ہی سے گمراہ اور غلط نہ تھے اب تو آپ ﷺ گمراہی سے نجات دینے

والے اور ہادی و رہنمائی فرمانے والے ہیں۔“ (مفاتیح الغیب، پ 27، صفحہ 234)

علامہ محمود آلوسی (1270) نے الکشف کے حوالہ سے اس نکتہ کو یوں تحریر کیا ہے۔

لم یکن سابقة غواية وضلال منذ تمیز و قبل تحنكه و استنبائه لم یکن له نطق عن الهوى كيف و قد تحنك و نبی .

ترجمہ:- ”جب آپ ﷺ بلوغ سے اور نبوت کی گھٹی سے پہلے گمراہی پر نہ تھے اور خواہش سے نہ بولتے تھے تو نبی بنائے جانے کے بعد ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟“ (روح المعانی، پ 28، صفحہ 67)

ان هو الا وحی یوحی (یہ تو وحی ہے جو کی جاتی ہے)

ضمیر کے مرجع کے بارے میں دو آراء ہیں۔

1- اس کا مرجع قرآن ہے یعنی قرآن سراپا وحی ہے۔

2- اس کا مرجع نطق ہے یعنی آپ ﷺ کا ہر قول مبارک سراپا وحی ہے۔

دونوں ہی آراء درست ہیں مگر دوسری رائے احسن ہے کیونکہ اسے قرآن تک ہی محدود رکھنا خلاف ظاہر ہے اس لیے اہل علم نے یہ تصریح کی ہے۔

وهذا احسن من قول من جعل الضمير عائدا الى القرآن فانه يعم نطقه بالقرآن و السنة وان حکمها وحی و سياق الکلام یرشد هذا المعنى .

ترجمہ:- ”یہ اس قول سے احسن ہے کہ ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے، کیونکہ یہ قرآن و سنت دونوں کو شامل کرتا ہے اور دونوں وحی ہیں سیاق کلام بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔“ (المعراج الکبیر، 24)

جب آپ ﷺ کا نطق سراپا وحی ہے تو اب قرآن کے ساتھ ساتھ سنت بھی بلاشبہ وحی ہوگی، ہاں قرآن وحی جلی اور سنت وحی خفی۔

سنن داری میں یحییٰ بن کثیر سے درج ہے۔

کان جبریل ينزل على النبی ﷺ بالسنة كما ينزل عليه بالقرآن .

ترجمہ:- ”جبرائیل امین حضور پر نور نبی کریم ﷺ پر اس طرح سنت لے کر آتے جیسے قرآن لے کر آتے تھے۔“

حضرت حسان بن عطیہ سے بھی اسی طرح منقول ہے، سنن ابوداؤد میں حضرت مقدم بن معدیکرب سے ہے کہ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا۔

الا انی اوتیت القرآن و مثله .

ترجمہ:- ”سنو، مجھے قرآن اور اس کی مثل عطا کیا گیا ہے۔“ قرآن کی مثل اسوۂ حسنہ یا سنت مبارک ہی تو ہے۔

علمہ شدید القوی (زبردست قوتوں والے نے اسے سکھایا)

اکثر مفسرین نے اس سے حضرت جبرائیل امین جب کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس سے ذات الہی مراد لیتے ہیں علامہ محمود آلوسی رقمطراز ہیں۔

ان شدید القوی هو الله تعالى ۔

ترجمہ:- ”شدید القوی سے اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات مراد ہے۔“

(روح المعانی پ 27، صفحہ 74..... فتح البیان پ 27، صفحہ 447)

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے دیگر اقوال کو لیا ہی نہیں بلکہ لکھا۔

ای ذوقوہ شدیدۃ وهو الله تعالى ان الله هو الرزاق ذو القوة المتین وقوله تعالى وعلمك ما لم تكن تعلم وقوله تعالى الرحمن علم القرآن ۔

ترجمہ:- ”یعنی وہ جو قوت شدیدہ کا مالک ہے وہ اللہ تبارک تعالیٰ ہے اس کے بارے میں ہے رزاق ہے اور صاحب قوت متین ہے اس پر علمک ما لم تكن تعلم اور الرحمن علم القرآن بھی شاہد ہے۔“ (تفسیر القرآن بکلام الرحمن، 345)

ذومرۃ (جو بڑا دانا ہے)

اس کا مفہوم عقل میں کامل اور رائے میں صائب ہونا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا ترجمہ حسین و جمیل منقول ہے۔ شدید القوی سے قوت علم اور ذومرہ سے قوت جسم بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شدید القوی اور ذومرہ اللہ کی صفات ہیں، اللہ تبارک تعالیٰ زبردست قوتوں والا اور دانا ہے اس نے اپنے نبی کو قرآن کی تعلیم دی۔

فاستوی وهو بالافق الاعلی (پھر اس نے قصد کیا اور سب سے بلند کنارہ پہنچے)

اکثر مفسرین کے نزدیک فاستوی کا فاعل حضرت جبرائیل امین ہی ہیں لیکن امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق ان ضمائر کا مرجع بھی اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات ہے۔

على معنى العظمة والقدرة والسلطان ۔

ترجمہ:- ”تو اس سے مراد اللہ تبارک تعالیٰ کی عظمت، قدرت اور بادشاہی ہے۔“ (معراج الکبیر صفحہ 28)

ثم دنا فتدلی (پھر قریب ہوا اور قریب ہوا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ دنا کا فاعل اللہ تبارک تعالیٰ ہے امام مکی اور ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا۔

هو الرب دنا محمد ﷺ .

ترجمہ:- ”رب العزت کی ذات محمد ﷺ کے قریب ہوئی۔“ (الشفاء جلد 1 صفحہ 270)

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے۔

دنا الجبار رب العزة .

ترجمہ:- ”جبار رب العزت قریب ہوا۔“ (بخاری، کتاب التوحید)

امام طبری اور دیگر مفسرین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ نقل کئے۔

فدنا ربك عز وجل فكان قاب قوسين او ادنى . (جامع البيان پ 27، 62)

ترجمہ:- ”تو تمہارا رب عز وجل قریب ہوا اور فاصلہ دو کمانوں سے بھی کم ہو گیا۔“

ولقد راه نزلة اخرى کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں مروی ہے۔

دنا منه ربه .

ترجمہ:- ”حضور کا رب آپ کے قریب ہوا۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی نے دلائل النبوة للبيهقي کے حوالہ سے روایت نقل کر کے کہا۔

هذا سند حسن وهو شاهد قوي لرواية شريك .

ترجمہ:- ”یہ سند حسن ہے اور یہ روایت شریک پر قوی شاہد ہے۔“ (فتح الباری، 13)

فكان قاب قوسين او ادنى (تو ہو گئے قریب دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا)

معراج کے شایان شان یہی ہے کہ یہاں اللہ و رسول کا قرب مراد لیا جائے، اگر جبرائیل امین کا قرب مراد ہو تو پھر یہ اشکال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ وہ پہلے ہی دوزانو ہو کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں بیٹھتے تھے، شب معراج ان کا قرب چہ معنی دارد؟

یہاں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے جو معاملہ کو آشکار کرنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے لکھتے ہیں۔

ان الدنو التدلى من جبريل عليه السلام وكونه قاب قوسين او ادنى ليس كمالات للنبي عليه السلام فان النبي عليه السلام كان افضل من جبريل عليه السلام قال رسول الله ﷺ وزير اى فى السماء جبريل و ميكائيل .

ترجمہ:- ”حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کا دو کمانوں سے بڑھ کر قریب ہونا حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے لیے کمال نہیں کیونکہ آپ ﷺ جبرائیل امین سے افضل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان پر میرے دو وزیر جبرائیل و میکائیل ہیں۔“ (المظہری، پارہ 27، صفحہ 106)

فاوحی الی عبدہ ما اوحی (پس اللہ نے وحی کی اپنے بندے پر جو کرنا تھی)

یہاں بھی دو آراء ہیں کہ اوحی کا فاعل کون ہے؟ اکثر محدثین و مفسرین کرام کی رائے یہی ہے کہ اس کا فاعل اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات ہے کیونکہ حدیث مرفوع میں اوحی کا فاعل ذات الہی ہونے سے تصریح ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

فاوحی اللہ الی ما اوحی ففرض علی خمسين صلاة فی کل یوم وليلة (مسلم، کتاب الایمان) (مسند احمد)

ترجمہ:- ”اللہ نے وحی کی مجھ پر جو وحی کی، تو پھر مجھ پر ہر دن و رات میں پچاس نمازیں فرض کر دیں۔“
حافظ ابن حجر عسقلانی (المتوفی، 852 ہجری) اسی کو واضح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

و کلام اکثر المفسرین من السلف يدل علی ان الذی اوحی هو اللہ اوحی الی عبدہ محمد۔ (فتح الباری، 8، 496)

ترجمہ:- ”اسلاف مفسرین اکثریت کی گفتگو یہی بتاتی ہے کہ اوحی کا فاعل اللہ تبارک تعالیٰ ہے اور اس نے حضور پر نور ﷺ پر وحی فرمائی۔“

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں شب معراج آپ ﷺ کے اللہ تبارک تعالیٰ سے بلا واسطہ بار بار کلام کا شرف پانے پر تقریباً اجماع ہے۔

فحصل له التكليم من الرب عز وجل ليلتذ وائمة السنة كالمطيقين علی هذا۔

ترجمہ:- ”اس رات آپ ﷺ کو اپنے رب سے کلام کا شرف ملا اس پر تمام اہل سنت کے ائمہ کا تقریباً اجماع و اتفاق ہے۔“ (البدایہ والنہایہ)

ما کذب الفواد مار ای (نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا چشم سراج المنیر نے)

فواد قلب نبوی اور رآی کا فاعل حضور انور نبی کریم روف و رحیم ﷺ ہیں۔ مفہوم یہ ہوا آپ کے قلب انور نے تصدیق کی جس کا آپ کی آنکھوں نے مشاہدہ کیا کہ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں یہ حقیقت ہے یہ نظر کا فریب نہیں، نگاہوں نے دھوکا نہیں کھایا کہ حقیقت کچھ اور ہو اور نظر کچھ اور آ رہا ہو۔ ہر شخص کو کبھی نہ کبھی اس صورتحال سے واسطہ پڑتا ہے کہ آنکھوں کو تو کچھ نظر آتا ہے لیکن دل اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہاں واضح کیا جا رہا ہے کہ یہاں ہرگز ایسی صورت نہیں۔ یہ اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ کے اس مشاہدے کی تصدیق و تائید ہے تاکہ کوئی اس مشاہدے کو دل کی خیال آرائی اور نفس کا فریب نہ سمجھے۔ یہ مشاہدہ فریب نفس اور دھوکا نہیں بلکہ فی الحقیقت حضور انور ﷺ کا حقیقی مشاہدہ ہے۔

مشاہدہ کس کا مراد ہے؟ اختلاف ہے بعض صحابہ حضرت جبرائیل کا مشاہدہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ سیدہ عائشہ

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۷۸۱) جلد دوم

نبیؐ اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ بعض کے نزدیک دیدارِ الہی مراد ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ اور حضرت ابوامامہؓ سے منقول ہے، تفصیل کے لیے بیان معراج میں دیدارِ الہی کا مفصل و مدلل ذکر ملاحظہ فرمائیں۔

یہاں صرف امام نووی کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے قول کہ

رای جبریل له ستمائة جناح .

ترجمہ:- ”آپ نے جبرائیل کو چھ صد پروں کے ساتھ دیکھا۔
کے تحت لکھتے ہیں۔

هذا الذى قاله عبدالله هو مذهب في هذه الآية وذهب الجمهور من المفسرين ان المراد انه رأى سبحانه و تعالى .

ترجمہ:- ”یہ اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ کا قول ہے لیکن جمہور مفسرین کہتے ہیں یہاں مراد دیدارِ الہی ہے۔“ (شرح مسلم جلد 1 صفحہ 97)

ولقد رآه نزلة اخرى (اور یقیناً انہوں نے اسے دوبارہ بھی دیکھا)

یعنی نبی کا مشاہدہ فقط ایک بار نہیں کہ اس کی وجہ سے اس کو کوئی واہمہ یا مغالطہ قرار دے دیا جائے بلکہ اسی طرح انہوں نے دوبارہ بھی مشاہدہ کیا۔ یہاں بھی دونوں آراء ہیں قربِ جبرائیل ماننے والے کہتے ہیں آپ ﷺ نے جبرائیل امین کو اصل حالت میں دو دفعہ دیکھا لیکن قربِ الہی قرار دینے والے کہتے ہیں یہ دونوں دفعہ مشاہدہ باری تعالیٰ کا حاصل ہوا۔

امام نجم الدین الغیثی رقمطراز ہیں راہ کی ضمیر کے مرجع میں اختلاف ہے۔

فقال ابن مسعود و عائشة و مجاهد هو عائد على جبريل وقال ابن عباس و كعب الاحبار هو عائد على الله تعالى .

ترجمہ:- ”حضرت ابن مسعود، حضرت عائشہ، مجاہدؓ کہتے ہیں یہ جبرائیل امین کی طرف لوٹی ہے، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت کعب الاحبارؓ کے نزدیک یہ اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔“ (المعراج الکبیر: 34)

حضرت ابن عباسؓ سے ہے۔

رای محمد ﷺ ربہ مرتین .

دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔

نظر محمد الی ربہ جعل اکلام لموسی والخلة لا براہیم والنظر لمحمد ﷺ .
ترجمہ:- ”حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا، اس نے (اللہ تبارک تعالیٰ نے) کلام
حضرت موسیٰ کو، خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور دیدار حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو عطا
فرمایا۔“

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

روی الطبرانی فی الاوسط باسناد قوی .

ترجمہ:- ”امام طبرانی نے سند قوی سے اسے (مندرجہ بالا کو) روایت کیا ہے۔“

(اوسط للطبرانی بحوالہ فتح الباری، جلد 7، صفحہ 174)

عند سدرۃ المنتہی (سدرۃ المنتہی کے پاس)

یہ دوسری دفعہ مشاہدہ کے مقام کا تذکرہ ہے کہ وہ سدرۃ المنتہی کے پاس ہوا۔ سدرہ عربی زبان میں پیری کے
درخت کو کہا جاتا ہے یہ مقام کہاں ہے؟ اس کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دو آراء منقول ہیں۔
1- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ یہ چھٹے آسمان پر ہے۔ مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ
سدرہ پر تشریف فرما ہوئے۔

وہی فی السماء السادسة .

ترجمہ:- ”اور یہ چھٹے آسمان پر ہے۔“

2- لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا مقدس فرمان روایت کیا ہے۔

ثم صعد بی فوق سبع سموات فاتینا سدرۃ المنتہی . (سنن النسائی، باب فرض الصلاة)

ترجمہ:- ”پھر چھٹے آسمان سے اوپر لے جایا گیا اور پھر سدرۃ المنتہی پر جا پہنچے۔“

اس لیے ساتویں آسمان پر ہونے کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ یہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور رسول اللہ ﷺ

کا اپنا فرمان ہے۔

کچھ محدثین نے ان میں یوں موافقت بیان کی کہ اس کی اصل (جڑ) چھٹے آسمان پر جب کہ شاخیں وغیرہ
ساتویں آسمان پر ہیں۔ شارح مسلم امام نووی (المتوفی 672 ہجری) رقمطراز ہیں۔

ویمکن ان یجمع بینہما فیکون اصلہا فی السادسة و معظمہا فی السابعة .

ترجمہ:- ”ان کے درمیان یوں موافقت ممکن ہے کہ اس کی اصل چھٹے میں اور بڑا حصہ ساتویں میں

“

اور اس سے آگے شیخ خلیل کے حوالہ سے لکھا۔

هي سدرة في السماء السابعة قد اظلت السموات والجنة .

ترجمہ:- ”سدرۃ ساتویں آسمان پر ہے اور اس نے آسمانوں اور جنت کو ڈھانپ رکھا ہے۔“

(شرح مسلم جلد 1 صفحہ 17)

امام ابن حجر عسقلانی، امام قرطبی کے حوالہ سے احادیث میں تعارض ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں یہاں کوئی تعارض نہیں۔

لأنه يحمل على أن أصلها في السماء السادسة وأغصانها وفروعها في السابعة وليس في السادسة منها إلا أصل ساقها .

ترجمہ:- ”کیونکہ ممکن ہے اس کی اصل (جڑ) چھٹے آسمان میں، اس کی شاخیں ساتویں آسمان پر ہوں۔ تو چھٹے پر صرف اس کی جڑیں ہوں۔“ (فتح الباری جلد 7 صفحہ 199)

اس مقام کو انتہی کہنے کی متعدد وجوہ بیان ہوئی ہیں۔

1- ملائکہ کا علم یہاں تک ہی ہے، امام نووی رقمطراز ہیں۔

قال ابن عباس و المفسرون وغيرهم سميت سدرۃ المنتهى لان علم الملائكة ينتهى اليها ولم يجاوزها احد الا رسول الله ﷺ .

ترجمہ:- ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مفسرین اور دیگر نے سدرۃ المنتہیٰ کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ملائکہ کا علم یہاں تک ہی ہے اور اس سے آگے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی نہیں گیا۔ اور کوئی نہیں جانتا۔

2- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ یہ منقول ہے کہ اوپر سے اور نیچے سے جو چیز آتی ہے۔ وہ وہاں رک جاتی ہے۔

3- مخلوق کا علم یہاں تک ہی ہے اس سے آگے غیب ہے۔

لا يعلمه الا الله تعالى او من اعلمه .

ترجمہ:- ”اے اللہ تبارک تعالیٰ ہی جانتا ہے یا جسے وہ آگاہ فرما دے۔“ (المعراج الکبیر، 35)

4- حضور پرنور نبی کریم ﷺ کی شریعت کا کامل اتباع کرنے والوں کی یہ آخری منزل ہے۔

اذیغشی السدرۃ ما یغشی (جب سدرہ پر چھار ہاتھ جو چھار ہاتھ)

یہ ان انوار و تجلیات کی طرف اشارہ ہے جن کے ہجوم نے سدرہ کوڈھانپ رکھا تھا ان کے بیان کے لیے نہ کسی لغت میں کوئی الفاظ موجود ہیں نہ اس کے حقیقی معنی سمجھ سکے۔

احادیث مبارکہ میں متعدد الفاظ سے اس کی تفصیل آئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے دیکھا سدرہ کو نور نے ڈھانپ رکھا ہے اور اس کے ہر پتہ پر فرشتہ اللہ تبارک تعالیٰ کی تسبیح کر رہا ہے۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں۔

غشیها من نور اللہ عزوجل حتی ما يستطيع احد ينظر اليها .

ترجمہ:- ”اے اللہ عزوجل کے نور نے اس قدر ڈھانپ رکھا ہے کہ اسے دیکھنے کی کسی میں طاقت نہیں۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے۔

فما احد من خلق يستطيع انه ينعتها من حسنها .

ترجمہ:- ”مخلوق میں سے کوئی اس کے حسن کے بیان کی طاقت نہیں رکھتا۔“ (المظہری پ 27، صفحہ 113)

امام عبد بن حمید نے سلمہ بن وعران سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ فرشتوں نے اللہ رب العزت کی بارگاہ اقدس میں عرض کیا، ہم تمام پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ کی زیارت کا شرف پانا چاہتے ہیں۔

فاذن لهم فغشيت الملائكة السدرۃ ينظروا الى النبی ﷺ .

ترجمہ:- ”انہیں اجازت ملی تو وہ سدرہ پر جمع ہو گئے تاکہ حبیب خدا ﷺ کی زیارت کا شرف پا سکیں۔“

(درمنثور)

ما زاغ البصر و ما طغى

(نہ عاجز و در ماندہ ہوئی چشم) (مصطفیٰ) اور نہ (حدادب) سے آگے بڑھی

یہ نگاہ نبوی کی شان و کمال کا بیان ہوا، یہاں ایک طرف رسول اللہ ﷺ کے کمال تجل کا بیان ہے کہ اس قدر انوار و تجلیات کے باوجود آپ کی نگاہ میں کوئی چکا چوند و در ماندگی پیدا نہ ہوئی اور آپ ﷺ پورے سکون کے ساتھ پوری طرح انہیں دیکھتے رہے۔ دوسری طرف آپ ﷺ کے کمال ضبط و یکسوئی کا اظہار ہے کہ جس مقصد کے لیے آپ ﷺ کو بلایا گیا اس پر آپ ﷺ ذہن اور اپنی نگاہ کو مرکوز کئے رہے اور حیرت انگیز مناظر ہونے کے باوجود ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ ان الفاظ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

ما مال بصر النبی ﷺ يمينا ولا شمالا وما اخطى في النظر بل ائبته الباتا صيححا وما

طغى اى ما جاوز عن المحبوب الى غيره .

ترجمہ:- ”حضور پر نور نہ، نہ کریم ﷺ کی نگاہ مقدس دائیں مائیں نہ پھری اور نہ ہی دیکھنے میں کمی کی بلکہ

اسے آپ ﷺ نے نہایت ہی تحمل سے ثابت رکھا، و ما طغی یعنی اس نے محبوب کے علاوہ کسی طرف تجاوز نہ کیا۔“ (المظہری، پارہ 27، صفحہ 113)

ذہن و نگاہ، مقصد کی طرف مرکوز رہنے پر حضرت ملا علی قاری کی ایک گفتگو نہایت ہی اہم اور قابل مطالعہ ہے، حدیث معراج میں ہے پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ نے فرمایا مجھے جبرائیل امین نے کہا یہ تمہارے والد ابراہیم ہیں انہیں سلام کہو تو میں نے سلام کیا اور انہوں نے جواب دیا اس پر موصوف (حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ) لکھتے ہیں۔

كان نبينا عليه السلام كان في الاستغراق التام و مشاهدة المرام غلا فلا عن الا نام
كما اشار اليه سبحانه و تعالى بقوله مازاغ البصر و ما طغى حتى احتاج في كل من
المقام الى تعليم جبريل بالسلام .

ترجمہ:- ”گویا ہمارے نبی ﷺ اس وقت کامل حالت استغراق اور مشاہدہ مقصد کی طرف متوجہ اور تمام مخلوق سے بے نیاز تھے جیسا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس طرف اشارہ فرمایا، مازاغ البصر و ما طغی اس وجہ سے ہر مقام پر جبریل امین کے سلام کہلوانے کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت پیش آئی۔“

(مرقاۃ المفاتیح جلد 10 صفحہ 16)

لقد رأى من آيات ربه الكبرى

(بلاشبہ انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں)

سورۃ اسراء میں ارشاد مبارک تھا ”لنريه من اياتنا“ تاکہ ہم اپنی آیات کا مشاہدہ کروائیں۔

یہاں الفاظ ہیں ”آیات ربہ الكبرى“ اپنے رب کی آیات کا آپ ﷺ نے مشاہدہ کیا۔ یاد رہے آیات الہیہ (اللہ تبارک تعالیٰ) اور دیگر آیات (مخلوق کی آیات) میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ دیگر تمام نشانیاں، ان میں سے کسی ایک کے برابر بھی نہیں ہو سکتیں۔

حافظ ابن کثیر اور امام رازی نے یہاں لکھا کہ دونوں مقامات کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ دیدار الہی نہیں ہوا ورنہ آیات کی جگہ دیدار ذات کا تذکرہ کیا جاتا کیونکہ سب سے بڑی نعمت تو وہی تھی۔

اس کے جواب میں مفسرین نے کہا۔

لادلالة في عدم الرؤية في الايتين على عدم وقوعها لا احتمال انها وقعت و
كتمت خوفا من الانكار .

ترجمہ:- ”دونوں آیات میں عدم ذکر رویت کی عدم وقوع رویت پر دلالت نہیں کیونکہ ممکن ہے رویت و دیدار ہوا مگر اسے خوف انکار کی وجہ سے مخفی رکھا ہو۔“ (المعجم الکبیر، ص 40)

یہاں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو نہایت ہی قابل مطالعہ ہے۔
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آیات کی رویت، ذات کی رویت کے منافی نہیں۔
بل الايات قد يتجلى فيه الذات كما ان الشمس يتجلى في المرأة .
ترجمہ:- ”بلکہ آیات میں ذات روشن ہوتی ہے جیسا کہ شمس آئینہ میں۔
اس پر سوال ہوا پہلے تم نے ”وما طفی“ کا ترجمہ کیا تھا نگاہ نے محبوب کے دیدار سے تجاوز نہیں کیا۔
فكيف يتصور رؤية الايات .

ترجمہ:- ”تو یہ رویت آیات کا کیا معنی؟

تو آپ نے درج ذیل بہت خوبصورت جواب دیا۔

المقصود من رؤية الايات انما هي الذات ومن ثم تكون الايات مرآة للذات فحين
رأى الايات جاوز نظره عنها الى الذات و حين رأى الذات لم يتجاوز عنه الى غيره
اصلا .

ترجمہ:- ”رویت آیات سے مقصود ذات ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیات، ذات کے لیے آئینہ ہوتی
ہیں، جب آپ نے آیات دیکھیں اور آپ کی نگاہ ان سے گزر کر ذات پر گئی اور جب ذات کا دیدار
کیا تو پھر نگاہ کسی طرف متوجہ نہ ہوئی۔“ (المظہری پ 27، 114)



Islami Books Quran & Madni Ittar House Ameen Pur Bazar Faisalabad +923067919528

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ﴿ ۷۸۸ ﴾ جلد دوم

اور نہ کسی انسان کے وہم و گمان کی وہاں تک رسائی ہوئی۔ حجاب کبریا سے پار ہوئے۔ قباب قوسین او ادنی کی شان سے نوازے گئے دیدار الہی سے مشرف ہوئے مازاغ کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

سوموار، 27 رجب

آپ ﷺ کی عمر شریف اکاون سال چار ماہ انیس دن تھی اور سوموار کی رات ماہ رجب کی ستائیسویں تاریخ اور نبوت کا بارہواں سال تھا کہ معراج شریف کا واقعہ پیش آیا۔

(روح البیان جلد 1 صفحہ 310..... اخبار القرآن صفحہ 254..... سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 405)

حضرت ابن دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو معراج سوموار کو ہوئی۔

ولادت باسعادت سوموار کو ہوئی۔

بعثت سوموار کو (غار حرا میں پہلی وحی) ہوئی۔

ہجرت کے لیے مکہ سے سوموار کو روانہ ہوئے۔

یثرب (مدینہ منورہ) سوموار کو پہنچے اور

وصال سوموار کو فرمایا۔

(سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 405)

جبرائیل کو حکم ملا

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اللہ جل شانہ، کا حکم ہوا کہ آج کی رات بہشت سے ایک براق جن کر ستر ہزار فرشتوں کو شامل کر کے میرے حبیب ﷺ کے دروازہ پر جاؤ اور ادب ملحوظ رکھ کر اسے بیدار کر کے لے آؤ تاکہ میں اسے قرب و وصال کی دولت سے مشرف کروں۔

جبرائیل علیہ السلام جب بہشت میں آئے دیکھا کہ چالیس ہزار براق جنت کی چراگاہ میں چر رہے ہیں جن کی پیشانی پر لکھا ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ان میں ایک براق غمگین صورت میں ایک گوشہ میں سر جھکائے ہوئے رو رہا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا تو بتایا کہ میں نے چالیس ہزار سال سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نام سنا ہے۔ اس کی محبت اور اس کے شوق میں زندگی بسر کرتا ہوں یہاں تک کہ کھانا اور پینا موقوف کر دیا ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تمام براقوں سے اس براق کو پسند فرمایا کیونکہ اس کے دل میں حضور پر نور

ﷺ کی محبت موجزن تھی پھر براق کو زین و رک کے دولت سرا کا ارادہ کیا۔ (روض الاظہار صفحہ 207)

شب معراج اللہ ربّ العزت نے آقائے دو جہاں ﷺ کو اپنے پاس بلایا تو پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ کی مسرت و انبساط کی کوئی انتہا نہ تھی کیونکہ آپ ﷺ کو آپ کے محبوب نے بلوایا تھا۔ جس طرح عام انسان اپنے دوست کے بلانے پر خوش ہوتا ہے تو اللہ تبارک تعالیٰ بھی حضور پر نور نبی کریم ﷺ کا دوست ہے۔ ایسا دوست کہ جس کی دوستی پر کائنات کی ساری دوستیاں قربان کی جاسکتی ہیں۔ اس محبوب حقیقی نے آپ ﷺ کو بلاوا بھیجا۔ یہ اعزاز آج تک کسی اور کو نصیب ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا کیونکہ عشق کی نگاہ میں وہی اوّل بھی ہیں اور وہی آخر بھی ہیں۔

کسی کو دعوت دینے کے مندرجہ ذیل تین مختلف انداز اور ڈھنگ ہوتے ہیں۔

1- پیغام بھیجنا

کسی کو بلانے کا ایک انداز یہ ہے کہ دوست فقط خط کے ذریعے یا فون کر کے دوسرے دوست کو دعوت یا پیغام بھیج دے۔ مدعو (کیا جانے والا) اپنی سواری کا بندوبست کر کے اپنی کوشش سے دوست کے پاس پہنچ جائے۔

2- سواری بھیجنا

جہاں پیار و محبت کا لحاظ اور پاسداری زیادہ ہو وہاں فقط پیغام نہیں بھیجتے بلکہ ساتھ گاڑی بھی بھیجی جاتی ہے تاکہ دوست اس پر سوار ہو کر ملنے کے لیے چلا آئے۔ دوست کو بلانا اور ساتھ گاڑی بھی بھیجنا یہ فقط بلاوا بھیجنے سے کہیں زیادہ عزت اور احترام و اکرام کی بات ہوتی ہے۔

3- نمائندہ بھیجنا

جہاں پیار و محبت ادب و احترام بہت ہی زیادہ ہو وہاں فقط گاڑی بھیج دینا بھی خوشی کی بات ہے لیکن اگر بلوانے والا اپنی بارگاہ سے نہایت مقرب شخص کو بطور نمائندہ بھی بھیج دے، اس شان اور انداز سے بلایا جائے تو پھر خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔

شب معراج محبوب حقیقی اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ کو بلانے کے لیے پیغام ہی نہ بھیجا بلکہ اپنی کائنات کی سب سے عمدہ و اعلیٰ سواری بھیجی۔

براق

رسول پاک ﷺ کی سواری کے لیے اللہ جل مجدہ نے براق بھیجا اور ساتھ سدرۃ المنتہیٰ کا مقیم، عالم خلاق کا سب سے بڑا شہسوار اپنا نمائندہ خاص بنا کر بھیجا کہ محبوب! اس براق پر سوار ہو کر میرے اس نمائندہ کے ساتھ میرے پاس آ جا۔

رُفَرُف

جہاں جبرائیل علیہ السلام اور براق کی حد ختم ہو گئی وہاں اپنے حبیب مہمان گرامی کے لیے، محبوب حقیقی نے اور بھی اعلیٰ انتظام کیا۔ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جہاں براق کا سفر ختم ہو گیا وہاں رُفَرُف نامی سبز رنگ کا تخت بھیجا۔ عالم لامکاں میں ایک ایسا مقام آیا جہاں رُفَرُف بھی ٹھہر گیا۔

بقعہ نور

جب رُفَرُف بھی ٹھہر گیا تو حضورِ پُر نور نبی کریم رُؤف و رحیم ﷺ کو ایک بقعہ نور کے اندر داخل کر دیا گیا۔

ادب۔ ۷۔ بیدار کرنا

آ: ب عالم تاب اپنی روزانہ مسافت طے کر چکا اور وہ اپنی چمکدار شعاعوں کو سمیٹ کر غروب ہو چکا تھا کہ آفتابِ نبوت کے جلوہ افروز ہونے کا وقت آیا تو حضورِ پُر نور ﷺ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دیکھا کہ آپ ﷺ ہلکی اور خفیف نیند میں ہیں، جسے سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے انا بین النائم واليقظان اثنائي الملك جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تو آپ ﷺ اس خفیف نیند سے بیدار ہوئے اور بیداری کی حالت میں آپ ﷺ کو معراج پر لے گئے۔

(فتح الباری جلد 13 صفحہ 417..... عمدۃ القاری جلد 25 صفحہ 173)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ جب میں اس سوچ میں تھا کہ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پُر نور نبی کریم رُؤف و رحیم ﷺ کو بہترین ادب سے کیسے جگاؤں تو مجھے ابھام ہوا کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کی تلیوں کو بوسہ دے دوں، جب میں نے اپنے لب آپ کے پاؤں مبارک کی کف پر رکھے تو کافور کی برودت آپ ﷺ کی کف پاؤں کو محسوس ہوئی اور آپ ﷺ بیدار ہو گئے۔ میں نے اس وقت جانا کہ کافور سے میری سرشت کا سبب یہ تھا کہ میں معراج کی رات آپ ﷺ کو نہایت ادب سے بیدار کر سکوں۔

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پُر نور ﷺ کی خدمت اقدس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان الفاظ سے درخواست پیش کی۔

ان الله جل جلاله يقرئ السلام وهو يدعوك وانا حاملك الى الله تعالى فان الله يريد ان يكرمك بكرامات لم يكرم بها احدا قبلك ولم يكرم بها احدا غيرك ولا سمعه احد ولا خطر على قلب بشر .

ترجمہ:- ”بے شک اللہ تبارک تعالیٰ آپ پر سلام پڑھتا ہے۔ اور وہ آپ کو بلاتا ہے۔ اور میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کو اللہ تبارک تعالیٰ کے پاس لے جاؤں آج کی رات اللہ آپ کو ایسے اعزاز کا شرف

عطا فرمانے کا ارادہ رکھتا ہے جو اعزاز آپ سے پہلے نہ کسی کو حاصل ہوا نہ ہوگا اور آج تک ایسی نرالی شان و عظمت نہ کسی نے سنی ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں خیال تک گزرا ہے۔“

(معارج النبوة جلد 3 صفحہ 112، 124)

آپ ﷺ کو کس جگہ سے معراج ہوئی؟ اس بارے میں بہت روایات ہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ حطیم میں لیٹے ہوئے تھے جیسا کہ بخاری شریف میں روایت ہے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ شعب ابی طالب میں تھے جیسا کہ واقدی کی روایت ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں آرام فرما رہے تھے، جیسا کہ طبرانی نے روایت کی ہے۔ اور ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہی گھر میں تھے اور مکان کی چھت کھول کر حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں وارد ہے۔

ان روایات کا تعارض یوں دور کرنا چاہئے یا ان میں یوں موافقت کرنی چاہیے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر کو جو کہ شعب ابی طالب کے پاس تھا آپ ﷺ نے بوجہ سکونت کے اپنا گھر فرما دیا اور وہاں سے آپ ﷺ مسجد شریف کے حطیم میں گئے اور پھر حطیم سے آپ ﷺ معراج ہوئی۔

وضو اور طواف

حضورِ انور نبی کریم رؤف درحیم ﷺ نے فرمایا کہ بیدار ہو کر چاہا کہ وضو کر لوں۔ میں نے ابھی آستین اوپر نہیں کی تھی کہ رضوان جنت نے دو (2) یا قوتی کوزے جو آب کوثر سے لبریز تھے پیش کئے۔

اس پانی سے وضو اور غسل فرمایا اس کے بعد نورانی لباس زیب فرمایا اور نورانی عمامہ سر مبارک پر باندھا۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام وہ دستار مبارک لے آئے تو چالیس (40) ہزار فرشتے بھی اس کے ہمراہ حاضر ہو کر حضور پر نور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نورانی چادر آپ ﷺ کے دوش مبارک پر ڈالی زبرد کی نعلین پاؤں مبارک میں پہنائی اور ایک یا قوتی پٹکا آپ کی کمر پر باندھا زمر داخضر کا چابک آپ ﷺ کے ہاتھ میں دیا جو چار سو مرورید ناسفہ سے جڑا ہوا تھا۔ پھر آپ ﷺ خانہ کعبہ میں آئے وہاں سات بار طواف کیا اس کے بعد تھوڑی دیر حطیم میں استراحت فرمائی۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 124)

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آپ حسب معمول اپنا لباس اور اپنی پاپوش مبارک جو پہلے پہنا کرتے تھے وہی پہن کر معراج پر تشریف لے گئے اور یہی درست ہے۔

اور میں (ڈاکٹر محمد عمر خان بی ایس سی، ایم بی بی ایس، سپیشلسٹ سپیس میڈیسن) نے مندرجہ بالا لباس، عمامہ یا دستار، پٹکا، نعلین اور زمر داخضر کے چابک کا ذکر اس لیے بھی کر دیا ہے کہ ہم انسانوں کی سمجھ کے لیے تو ان لوازمات کا ذکر اس انداز سے کر دیا گیا ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ یہ چیزیں فضا میں آخری بلندوں، وسعتوں، تک جانے کے

لیے یہ ہمارے پیس سوٹ یا کنٹرول، ریموٹ کنٹرول طرح کی کوئی چیزیں ہوں۔ اور ہم پیس میں جانے والے انسانوں کے بھی پیس سوٹ کے نیچے یا اندر اکثر روزمرہ کے دوسرے زیب تن کئے جانے والے کپڑے، لباس بھی ہوتا ہے۔ کم از کم بنیان، انڈر ویر اور جرابیں تو ہمیشہ ہی پیس سوٹ کے نیچے ہوتی ہیں۔

شرح صدر مبارک

فرشتوں کی ایک جماعت نازل ہوئی جن کے پاس ایک سنہری طشت زمزم کے پانی سے بھرا ہوا تھا اور ایک طشت ایمان اور حکمت سے لبریز تھا۔ جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا کہ میرا سینہ اوپر سے نیچے تک شق کیا گیا (یعنی کھول دیا گیا) اور میرا قلب نکال کر ایک سنہری تھال میں آب زم زم سے دھویا گیا۔ پھر ایک اور تھال آیا جس میں ایمان اور حکمت رکھی ہوئی تھی تب میرے دل کو ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا، اور دل کو پھر اصلی مقام پر رکھ دیا گیا اور اوپر سے درست کر دیا گیا۔ (مسلم جلد 1 صفحہ 91)

شق صدر کتنی بار ہوا، اس کے بارے میں روایات ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کا شق صدر طفولیت کے عہد میں ہوا جب کہ آپ ﷺ بنی سعد کے ہاں حضرت حلیمہ کے پاس رہتے تھے۔ اور دوسری دفعہ بعثت کے بعد ہوا جس طرح کہ دلائل النبوت میں ابو نعیم اصبہانی نے بیان کیا ہے اور تیسری مرتبہ معراج کے آغاز میں ہوا۔ اور بعض نے چوتھی مرتبہ کا قول بھی کیا ہے۔ جب کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک بیس کی تھی۔ اور درمنثور میں ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں دفعہ شق صدر ہوا جب کہ آپ ﷺ کی عمر شریف دس سال کی تھی۔ مگر یہ پانچویں روایت درست نہیں کیونکہ راوی نے غلطی سے بیس کی بجائے دس کا لفظ کہہ دیا۔

(سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 120)

اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو مکہ شریف کے باہر بطحائے مکہ (وادی مکہ) میں سے لائے۔ وہاں حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام منتظر تھے۔ اور ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرب صف بستہ موجود تھے۔ آپ ﷺ کو دیکھتے ہی تعظیم و تکریم کی اور صلوٰۃ و سلام کے تحفے پیش کئے۔ آپ ﷺ نے بھی ان کے حالات کے مناسب ان پر کرم فرمایا۔ اس کے بعد فرشتوں نے حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو رضائے الہی اور کرامت غیر متناہی کی خوشخبری سنائی۔ (معارج جلد 3 صفحہ 125)

براق، سواری

آپ ﷺ کے سامنے ایک سفید جانور لا گیا جس کا نام براق ہے جو بجلی کی مانند تیز رفتار اور چمک دار ہے۔ فرشتوں کی طرح تذکیر اور تانیث سے پاک ہے۔ جس کا سینہ مثل یا قوت سرخ کے اور پیٹھ مثل چمکدار سفید موتی کے

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین ﴿ ۷۹۳ ﴾ جلد دوم

اور ٹانگیں مثل زمر دسبز کے اور دم اس کی مرجان خالص کی طرح ہے۔ اس کے ماتھے پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس براق کی خوبی ہے کہ پہاڑ پر چلتے وقت پاؤں لمبے ہو جاتے ہیں اور اترتے وقت ہاتھ لمبے ہو جاتے ہیں تاکہ سوار کو ہر طرح آسانی ہو جائے۔ یعنی کہ اس پر سوار کو چڑھائی یا اترائی معلوم نہیں دیتیں۔ (سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 408)

حدیث شریف میں ہے

وهو دابة ابيض طويل نوق الحبار دون البغل يضع حافره عند منتهى طرفه .
ترجمہ:- ”کہ وہ جانور سفید رنگ کا ہے گدھے سے قدرے بلند ہے اور نچر سے قدرے چھوٹا ہے
(یعنی درمیانہ قدر رکھتا ہے۔ نہ بہت پست قامت ہے اور نہ بہت لمبا قد آور ہے۔) جہاں اس کی (یعنی
کہ ہماری) نظر کی انتہا ہے وہاں اس کا (ایک) قدم پڑتا ہے۔“ (مسلم جلد 1 صفحہ 91)

نور مستور

ایک روایت میں ہے کہ براق کے دائیں اسی ہزار فرشتے اور براق کے بائیں اسی ہزار فرشتے استادہ تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں نورانی شمع تھی حتیٰ کہ ان کی چمک سے بطحا کا دالان (بطحا کی وادی) روشن تھا۔ جب حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ وہاں تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کی ذات بابرکات کے نور کے پر تو سے وہ روشنی نمودار ہوئی کہ ان تمام شمعوں پر غالب آئی۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اے جبرائیل! میں نے اپنے حبیب ﷺ کو نور کے ستر ہزار حجاب میں پوشیدہ کیا ہوا ہے۔ اس وقت صرف ایک حجاب اٹھالیا جو کہ ان تمام شمعوں پر غالب آیا جو تم سب عرش بریں سے روشن کر کے لائے تھے۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 127)

امت کی یادِ خیر خواہی

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض لی یا رسول اللہ ﷺ براق حاضر ہے۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر تشریف فرما ہوں کیونکہ ملا اعلیٰ اور مقربان عالم بالا آپ ﷺ کے قدوم فیض لزوم (مبارک آمد) کی انتظار میں ہیں۔ حضور پر نور، رحمت للعالمین، شفیع المذنبین ﷺ نے سوار ہونے میں توقف فرمایا اور سر مبارک نیچا کر لیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو خطاب ہوا کہ اے جبرائیل! میرے دوست سے اس توقف کا سبب دریافت کیجئے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس توقف کا کیا سبب ہے؟ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آج کی رات نوازشات الہی سے سرفراز ہوا۔ ملائکہ مقربین میرے اعزاز و اکرام کو جمع ہوئے اور براق برق رفتار میری سواری کے لیے ہمراہ لائے۔ اب یہ سوچ رہا ہوں کل قیامت کے دن جب میری امت کے لوگ اپنی قبروں سے باہر آئیں گے تو وہ پل صراط کی پچاس ہزار سال کی مسافت سواری کے بغیر پیدل کس طرح طے کریں گے۔ تب اللہ

تبارک تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ مغموم نہ ہوں کیونکہ آپ کی امت سے جس شخص کو میں اپنی عنایت سے مخصوص کروں گا اس کو براق پر سوار کر کے پل (صراط) پر سلامتی سے گزار کر بہشت میں پہنچا دوں گا۔

(ریاض الاذہار صفحہ 209)

حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے چاہا کہ براق پر سوار ہوں۔ تب براق کودنے لگا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اے براق تو کیوں کودتا ہے، حالانکہ تجھ پر ایسا شخص سوار ہو رہا ہے جو اللہ تبارک تعالیٰ کے نزدیک سب کائنات سے زیادہ مرتبہ والا ہے۔ براق نے کہا آپ نے درست کہا مگر میں حاجت مند ہوں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا تیری کیا حاجت ہے؟ براق نے عرض کیا قیامت کے دن بے شمار ایک سے اعلیٰ ایک براق اس خدمت کے لئے آپ کے سامنے حاضر ہوں گے میں چاہتا ہوں کہ اس دن بھی آپ ﷺ مجھے سواری کا شرف بخشیں جیسے آج کی رات شرف عنایت فرمایا ہے۔ حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے براق کی درخواست کو قبول فرمالیا اور سوار ہوئے۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 92)

روانگی مبارک

کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو لاکھوں سال کی عبادت کے صلہ میں براق کی زین دری کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور حضرت میکائیل علیہ السلام کو مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک لگام پکڑنے کی شرافت ملی اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زین پوش اٹھانے کا انعام عطا ہوا۔ جب آپ کی سواری روانہ ہوئی بطحا کا میدان آپ کے نور سے روشن ہو گیا اور بہشت سے خوشبودار ہوا چلی، صلوٰۃ والسلام کی صدا گونجی ہر طرف سے مرجا کے نعرے لگے۔ بہشتی حوروں نے ترانے گائے۔

چار پکاریں

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی اگر کوئی راستہ میں آواز سنائی دے تو آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ نہ فرمائیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ کو دہنی طرف سے پکارنے والے نے پکارا کہ میری طرف نظر کیجئے کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں مگر میں نے اس کی آواز کی طرف توجہ تک نہ کی۔ اس کے بعد بائیں طرف سے اسی طرح ایک آواز آئی مگر میں نے اس کی طرف التفات نہ کی۔ اس کے بعد سامنے سے ایک سنگار کئے ہوئی عورت پکار کر کہنے لگی آپ (ﷺ) ٹھہریئے میں نے آپ (ﷺ) سے کچھ دریافت کرنا ہے مگر میں نے اس کی طرف کوئی خیال نہ کیا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ پہلا پکارنے والا یہودیت کا داعی تھا اگر آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ فرماتے تو آپ ﷺ کی امت یہودی ہو جاتی اور دوسرا پکارنے والا نصرانیت کا داعی تھا۔ اگر آپ ﷺ التفات

نورام النور، نور رحمۃ للعالمین (۷۹۵) جلد دوم

فرماتے تو آپ ﷺ کی امت نصرانی ہو جاتی اور آگے سے پکارنے والی دنیا تھی۔ اگر آپ ﷺ اس کی طرف خیال مبذول فرماتے تو آپ ﷺ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دے دیتی۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ پیچھے سے بھی اس طرح آواز سنی گئی مگر آپ نے اس کی پرواہ تک نہ کی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ شرک اور آتش پرستی کا داعی تھا۔ اگر آپ ﷺ اس سے بات کرتے تو آپ ﷺ کی امت مشرک اور آتش پرست ہو جاتی۔
زمین یثرب

آپ ﷺ کا ایک زمین پر گزر ہوا جس میں کجھور کے درخت بکثرت تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ ﷺ یہاں اتر کر دو رکعت نفل نماز ادا فرمائیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وہاں اتر کر دو رکعت نفل نماز ادا فرمائی، اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ جہاں آپ نے نماز پڑھی ہے یہ آپ کی ہجرت گاہ یثرب (مدینہ منورہ) ہے۔ (زرقاتی شرح مواہب جلد 5 صفحہ 29)

طور سینا

پھر ایک سفید زمین پر آپ ﷺ کا گزر ہوا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ ﷺ یہاں اتر کر دو رکعت نماز نفل ادا فرمائیں۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے وہاں اتر کر دو رکعت نماز نفل ادا فرمائی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ طور سینا ہے جہاں اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام کا شرف بخشا تھا۔ (مواہب اللدنیہ جلد 2 صفحہ 14)

بیت اللحم

پھر ایک پہاڑ پر گزر ہوا جس کا رنگ سفید اور چمکیلا تھا۔ اس جگہ فرشتوں کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ ﷺ یہاں اتر کر نماز ادا کیجئے۔ حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ وہاں اترے اور دو رکعت نماز نفل ادا فرمائی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور اس جگہ کا نام بیت اللحم ہے۔ (در منثور جلد 2 صفحہ 127)

عافیت، بخت اور دولت

اس کے بعد تین شخص سائے ظاہر ہوئے ان میں سے ایک بوڑھا، اور ایک ادھیڑ عمر کا اور ایک نوجوان تھا۔ حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے جوان کی طرف نگاہ کی اور بوڑھے اور ادھیڑ عمر والے کو نہ دیکھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے بہت اچھا کیا ہے کہ آپ ﷺ نے عافیت کو پسند فرمایا۔ کیونکہ بوڑھا بخت اور ادھیڑ عمر دولت اور جوان عافیت ہے۔ بخت اور دولت ہر دو ناپائیدار ہیں۔ اور عافیت ہر

دو حال کا نعمت ہے۔ کائنات میں اس کے بعد آپ ﷺ کے لیے یہ سب کچھ لکھا ہے۔

گی۔ (معارج النہوۃ جلد 3 صفحہ 129)

حریص آدمی

ایک شخص پر گزر ہوا جس نے لکڑیوں کا ایک بڑا گٹھ بنا رکھا ہے اور اس کو سر پر اٹھانا چاہتا ہے مگر نہیں اٹھا سکتا۔ تو وہ اس میں اور لکڑیاں جمع کر دیتا ہے۔ پھر جب گٹھ کو نہیں اٹھا سکتا تو اس میں اور لکڑیاں جمع کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیسا شخص ہے جب لکڑیوں کا گٹھ بھاری ہے تو اس میں لکڑیاں کم کرے تاکہ سر پر اٹھا سکے، مگر یہ شخص گٹھ کو اور وزنی بناتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ آپ کی امت سے ایسا شخص ہے کہ بہت لوگوں کے حقوق اس کے ذمہ ہیں جب ان کے ادا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا تو زیادہ حقوق اپنے ذمہ میں جمع کرتا ہے اور حرص کرتا ہے۔ لوگوں کے حقوق اور ان کی امانتیں ایک قسم کا وزنی بوجھ ہے جس کو انسان نہ اٹھا سکے تو اس کے اندر زیادتی نہ کرے۔ (تفسیر ابن جریر جلد 6 صفحہ 15)

بڑی بات کی ندامت

ایک چھوٹے پتھر پر گزر ہوا جس میں سے ایک برائیل پیدا ہوتا ہے اور وہ بیل اس پتھر کے اندر جانا چاہتا ہے لیکن نہیں جاسکتا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا یہ اس شخص کا حال ہے جو ایک بڑی بات منہ سے نکالے اور شرمندہ ہو جائے مگر اس کے واپس کرنے پر قادر نہیں ہے۔ (مواہب اللدنیہ جلد 2 صفحہ 15)

ریا کاری

ایک شخص کو دیکھا جو کنویں میں ڈول لٹکاتا ہے جب ہی باہر نکالتا ہے اسے پانی سے خالی پاتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ ریا کار ہے۔ جو شخص دکھلاوے کی عبادت کرتا ہے وہ محنت بھی کرتا ہے۔ مگر قیامت کے دن اس کا ثواب نہ پائے گا۔ (معارج النہوۃ جلد 3 صفحہ 129)

جنت نے درخواست کی

ایک جگہ پاکیزہ اور ٹھنڈی ہوا چلی جس میں سے کستوری کی خوشبو آتی تھی اور ایک آواز سنی تھی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ جنت کی خوشبو ہے اور اس کی آواز ہے کہ اس نے اللہ تبارک تعالیٰ سے درخواست کی اے میرے رب! میرے بالا خانہ پر استبرق، حریر، سندس اور عبقری بہت ہو گئے۔ چاندی سونے کے گلاس اور برتن اور کوزے زیادہ ہو گئے۔ شہد، پانی، دودھ اور شرابا طہورا بہت کافی ہو گئے ہیں۔ موتی، موٹے اور مرجان بکثرت ہو گئے۔ اب اس وعدہ کو پورا کر جو مجھ سے کیا ہے۔

اور وہ لوگ بھیج جو ان چیزوں کو استعمال کریں۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تیرے لیے نیک لوگوں کو مقرر کیا ہے۔ اور وہ ایسے لوگ ہیں جو مرد یا عورت ایمان اور اسلام لائے اور میرے ساتھ شرک نہ کرے اور جو

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین ۷۹۷ جلد ۱۰

میرا خوف دل میں رکھے میں اسے امن دوں گا۔ اور جو کوئی مجھ سے مانگے گا میں اس کو دوں گا۔

اور جو مجھے قرض دے گا میں اس کو اس کا نیک صلہ دوں گا اور جو مجھ پر توکل کرے گا میں اس کی کفایت کروں گا اور میں ایک ہی عبادت کے لائق ہوں میرے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں میں وعدہ خلافی نہیں کرتا بے شک ایمانداروں کو فلاح ہوگی۔ اور بے شک تیرا رب، اللہ تبارک تعالیٰ بہت ہی برکت والا ہے۔ بہشت نے کہا کہ میں رضا مند ہوگئی۔ (ابن کثیر جلد 3 صفحہ 18)

دوزخ کی آرزو

ایک وادی پر گزر رہا تھا ایک وحشت ناک آواز سنی اور بدبو محسوس ہوئی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ جہنم کی آواز ہے۔ وہ کہتی ہے اے رب! جو مجھ سے وعدہ کیا ہے، مجھ کو عطا فرما۔ کیونکہ میری زنجیریں، طوق، شعلے، گرم پانی، پیپ اور عذاب کثرت سے ہو گئے ہیں۔ میری گہرائی بہت وسیع ہوگئی ہے۔ میری گرمی بہت سخت ہوگئی ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تیرے لیے ہر شرک کرنے والا مرد اور ہر شرک کرنے والی عورت اور کفر کرنے والا مرد اور کفر کرنے والی عورت اور تکبر و عناد کرنے والے لوگ اور قیامت کا انکار کرنے والے تجویز کئے ہیں۔ دوزخ نے کہا میں راضی ہوگئی۔ (درمنثور جلد 4 صفحہ 144)

جنات کو بھگانا

ہم براق پر جا رہے تھے ایک جن نظر آیا جس کے ہاتھ میں آگ کا شعلہ تھا جب میں اس طرف متوجہ ہوتا تو وہ مجھے دکھاتا جبرائیل امین کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتاؤں کہ ان کے پڑھنے سے اس کا شعلہ بجھ جائے اور یہ نیچے گر جائے فرمایا ضرور تو انہوں نے یہ کلمات بتائے۔

اعوذ بوجه الله للکریم وبکلمات الله التامات لا یجاوزهن بر ولا فاجر من شر ما یُنزل من السماء ومن شر ما یُعرج فیها ومن شر ما ذرأ فی الارض ومن شر ما یُخرج عنها وعن فتن اللیل والنهار ومن طوارق اللیل والنهار الا طارقا یطرق بخیر یا رحمن۔ ترجمہ:- ”میں پناہ میں آتا ہوں اللہ کریم کی ذات اور اللہ کے کامل کلمات کے جن سے نہ کوئی نیک تجاوز کر سکتا ہے اور نہ فاسق اس شر سے جو آسمان سے اترتا ہے اور اس شر سے جو آسمان کی طرف بلند ہوتا ہے اس شر سے جو زمین میں پیدا ہوا، اس شر سے جو زمین سے نکلتا ہے اور رات و دن کے فتنوں سے اور رات و دن کے آنے والوں سے البتہ جو رات کو خیر کے ساتھ آئے، اے رحمت کرنے والے۔“

یہ کلمات پڑھنے کی دہر تھی وہ جن بھاگ نکلا اور اس کا شعلہ بجھ گیا۔

یہ مجاہد ہیں

چلتے چلتے ایک قوم پر آئے جو ایک دن فصل بوتے اور دوسرے دن کاٹ لیتے اور جیسے ہی فصل کاٹتے وہ دوبارہ پہلے کی طرح لہلہانے لگ جاتی، میں نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ بتایا یہ لوگ اللہ تبارک تعالیٰ کے راستہ میں جہاد و محنت کرتے تھے ان کی نیکیاں نو سو گنا بڑھادی گئیں ہیں جو کچھ انہوں نے خرچ کیا وہ تمام ذخیرہ ہو گیا۔

یہ خوشبو کس کی ہے

اس کے بعد آپ ﷺ نے خوشبو پائی تو پوچھا یہ خوشبو کس کی ہے؟ عرض کیا یہ فرعون اور اس کی اولاد کی خادمہ کی خوشبو ہے ایک دن یہ فرعون کی بیٹی کی کنگھی کر رہی تھی، تو وہ ہاتھ سے گر گئی اس نے اٹھاتے ہوئے کہا۔

بسم اللہ تعس فرعون ۔

ترجمہ:- ”اللہ کے نام سے فرعون کی بربادی ہو۔“

دختر فرعون نے کہا۔

اولک رب غیر ابی؟

ترجمہ:- ”کیا میرے والد کے علاوہ بھی تیرا رب ہے۔“

اس نے کہا ہاں۔

ربی وربک اللہ ۔

ترجمہ:- ”میرا اور تیرا بھی رب اللہ ہے۔“

اس خاتون کے دو بیٹے اور خاوند تھا۔ فرعون نے انہیں بلا کر دین تبدیل کرنے کے لیے کہا اور کہا

بصورت دیگر میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ انہوں نے کہا ہم دین نہیں بدلیں گے اور اگر تو قتل کر دے گا تو

یہ تیرا ہم پہ احسان ہوگا۔ فرعون نے تانبے کی دیگ منگوائی اسے گرم کیا اور اس میں انہیں یکے بعد

دیگرے ڈالنا شروع کیا۔ جب سب سے چھوٹے بچے کو ڈالا تو اس نے والد سے مخاطب ہو کر کہا۔

یا امہ قعی ولا تقا عسی فانک الحق ۔

ترجمہ:- ”اماں جاں اس میں جلدی آؤ دیر نہ کرو کیونکہ تم حق پر ہو۔“

پتھر گرنے کی آواز

ایک وادی میں وحشت ناک آواز سننے میں آئی حضورِ انور نبی کریم رؤف وریم ﷺ نے فرمایا۔

”اے جبرائیل! یہ کیا آواز ہے جس سے انسان گھبرا جاتا ہے، اور لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے؟

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ ایک پتھر جو عرصہ ایک ہزار سال ہوئے دوزخ میں ڈالا گیا

تھا آج وہ پتھر دوزخ کی تہ میں پہنچا ہے۔ یہ اس کے گرنے کی آواز تھی جو سنی گئی۔“

(اخبار القرآن صفحہ 257)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز میں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معراج کی رات ریت کے سرخ ٹیلے کے پاس میرا گزر ہوا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر مبارک میں نماز پڑھ رہے تھے۔

براق کا باندھنا

بیت المقدس کے پاس آسمان کے بے شمار فرشتوں نے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کا استقبال کیا۔ اور عزت و احترام کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھا۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 129)

وہاں ایک پتھر تھا جس کے ساتھ پہلے نبی (اسلام ہو ان پر) اپنے براقوں کو باندھا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت کافی عرصہ گزرنے کے باعث اس پتھر کا وہ سوراخ بند ہو گیا تھا جس میں رسی ڈال کر براق کو باندھ دیا جاتا تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انگلی سے اشارہ فرمایا وہ سوراخ ظاہر ہو گیا۔ ریشم کی ڈوری سے براق کو وہاں باندھ دیا گیا۔ (زرقانی جلد 6 صفحہ 52)

فرشتوں کا استقبال کرنا

حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا جب میں بیت المقدس میں پہنچا تو میں نے فرشتوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ میرے استقبال کو آئے ہیں۔ اور مجھے رب العزت کی طرف سے نہایت اعزاز و احترام کی بشارت سنائی اور مجھے یوں سلام کہا السلام علیک یا اول یا آخر یا حاشر۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا ان ناموں کے ساتھ سلام میں کیوں مخصوص کیا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ ﷺ سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ سب سے آخری نبی ہیں اور قیامت کے دن مخلوقات کا حشر آپ کے قدموں کے نیچے ہوگا۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 129)

حوروں کا استقبال کرنا

تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ آپ کو حورِ عین دکھلائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ ان حوروں کے پاس جائیے کہ استقبال کے لیے حاضر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا تم کس کے لیے ہو انہوں نے کہا۔ ہم نیک ہیں اور خوبصورت ہیں۔ اسے نیک مردوں کا ہے۔ ان کے لیے ہے۔ ان کے لیے ہے۔ ان کے لیے ہے۔ ان کے لیے ہے۔

ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اور کبھی نہ مریں گے۔ (سیرت الحلبیہ جلد 1 صفحہ 411)

امام انبیاء

پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے فرمایا کہ میں اور جبرائیل علیہ السلام دونوں مسجدِ اقصاء میں داخل ہوئے تو انبیاء علیہم السلام کو میں نے پہچانا۔ کوئی صاحبِ قیام میں ہے کوئی رکوع میں کوئی سجدہ میں ہے۔ پھر ایک اذان کہنے والے نے اذان کہی اور پھر اقامت کہی گئی۔ اس وقت ہم صفیں درست کر کے اس انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ کون امامت کرتے ہیں۔ سو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور میں نے ان سب کو نماز پڑھائی۔

خطباتِ رسل

نماز سے فارغ ہو کر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے خطبہ پڑھا اور اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر اور اس کی ثناء بجالائے اور فرمایا اللہ تبارک تعالیٰ کا احسان ہے جس نے مجھے مٹی سے پیدا فرمایا اور خلیفہ بنایا۔ فرشتوں نے میرا سجدہ کیا، حوا کو مجھ سے پیدا کر کے میرا جفت بنایا۔ اور بہشت کی بے شمار نعمتوں سے ہم کو بہرہ ور فرمایا۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تقریر فرمائی کہ تمام تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے خلیل بنایا اور مجھ کو ملکِ عظیم عطا فرمایا مجھے صاحبِ ملت بنایا اور مجھ کو مقتداء صاحبِ قنوت بنایا یہاں تک کہ میری اقتداء کی جاتی ہے۔ اور مجھ کو آتشِ نمرود سے نجات دی اور اس کو میرے لیے سلامتی اور ٹھنڈک بنا دیا۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں جس نے مجھے کلامِ خاص کا شرف عطا فرمایا اور مجھے برگزیدہ بنایا اور مجھ پر تورات نازل فرمائی۔ میرا دشمن فرعون ہلاک ہو گیا اور میری مددگار بنی اسرائیل کی قوم کو نجات دی۔ میری قوم کو ایسا گروہ بنایا جو حق کے مطابق ہدایت کرتے ہیں اور اس کے موافق عدل کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد و ثناء کے بعد کہا کہ جمیع محامد اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں جس نے مجھ کو ملکِ عظیم عطا فرمایا۔ اور مجھ کو زبور کا علم دیا اور میرے لیے لوہے کو نرم کر دیا۔ اور پہاڑوں کو میرے لیے مسخر کر دیا جو میرے ساتھ اللہ تبارک تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور پرندوں کو میرے ساتھ تسبیح خوانی کے لیے مسخر کر دیا اور مجھ کو علم و حکمت اور خوش الحانی عطا فرمائی۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد و ثناء کے بعد یہ تقریر کی کہ تمام تعریفیں اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں۔ جس نے ہوا کو میرے لئے مسخر کر دیا اور جنات کو میرے تابع بنایا حتیٰ کہ جو چیزیں مثل عماراتِ عالی شان کے ان سے بنوانا چاہوں وہ بناتے ہیں۔ اور مجھ کو پرندوں کی زبان سمجھنے کی قدرت عطا کی اور مجھ

کو ایسی سلطنت بخشی ہے کہ میرے سوا کسی اور کو عطا نہ ہوئی۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد و ثناء کے بعد یہ تقریر فرمائی کہ تمام محمد اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں جس نے مجھے اپنا مسیح بنایا۔ اور مجھ کو حکمت، تورات اور انجیل کا علم دیا اور مجھے وہ طاقت عطا فرمائی حتیٰ کہ مٹی کے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں تو اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم سے اڑتا ہوا پرندہ بن جاتا ہے۔ مادرزاد اندھے اور جذامی کو اچھا کر دیتا ہوں۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ کے اذن سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوتا ہوں۔

اس کے بعد پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پُر نور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ جمیع محمد اللہ تبارک تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں جس نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ سب لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈر کی باتیں بتانے والا بنایا ہے۔ اور مجھ پر قرآن شریف نازل کیا جس میں ہر شے کا بیان ہے۔ میری امت کو بہترین امت بنایا۔ میرے نام کے ذکر کو بلند کیا۔ مجھے سب سے اول اور سب سے آخر بنا دیا (یعنی نور میں اول اور ظہور میں آخر بنایا)۔ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کی اس تقریر کے بعد سب انبیاء کرام علیہم السلام کہنے لگے کہ اس میں شک باقی نہیں رہا کہ آپ (ﷺ) ہم سب نبیوں سے فضیلت پا گئے۔ مرتبہ اور شان کے لحاظ سے بڑھ گئے۔ (زرقاتی جلد 6 صفحہ 50)

جنت کے مشروبات

ثم خرجت فجاءني جبريل باناء من خمر و اثناء من لبن فاخترت اللبن فقال جبريل عليه السلام اخترت الفطرة .

ترجمہ: ”حضورِ انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا کہ جب مسجد اقصیٰ سے باہر آیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام دو برتن لائے ایک میں شراب طہور تھی اور ایک میں دودھ لبریز تھا پھر کہا ان دو میں سے جو آپ پسند فرمائیں، اسے نوش فرمائیے تو میں نے دودھ کا برتن اختیار کیا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے کہا آپ نے فطرت ”دین اسلام“ کو پسند فرمایا۔“ (مسلم جلد 1 صفحہ 93)

امام ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں کہ اس روایت میں اختلاف ہے۔ کہ جو برتن آپ کے سامنے پیش کئے گئے تھے۔ بیت المقدس میں معراج شروع ہونے سے پہلے تھے۔ یا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچنے کے بعد تھے۔ پھر برتنوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں دو برتن مذکور ہیں ایک شراب طہور اور ایک دودھ خالص کا اور بعض روایات میں شہد سے بھرے ہوئے برتن کا بیان بھی ہے۔ اور بعض روایات میں پانی کے برتن کا اضافہ ہے۔ ”جیسا کہ تفسیر ابن کثیر کی روایت میں چار برتنوں کا ذکر ہے۔“ امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان روایات میں موافقت کی صورت یہ ہے کہ دودھ برتن پیش کئے گئے۔ ایک دفعہ بیت المقدس میں نماز سے قبل غروب کے بعد ایک

مرتبہ سدرۃ المنتہی کے پاس جب کہ آپ ﷺ نے چار نہروں کا مشاہدہ فرمایا۔ (فتح الباری)
ہوا میں معلق پتھر

جب آپ ﷺ نے معراج کے لیے براق پر سوار ہونے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کا قدم اس صخرہ شریف (پتھر) پر پڑا جو بہشت کے پتھروں سے ایک پتھر ہے۔ اور وہ پتھر اللہ تبارک تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات میں سے ہے۔ اس لیے کہ وہ پتھر اس وقت تک مسجد اقصیٰ کے صحن میں زمین اور آسمان کے درمیان لٹکا ہوا (فضا میں معلق) ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کو ہوا میں بغیر ستون کے محفوظ رکھا ہے جس طرح آسمان ستون کے بغیر موجود ہے۔ اور اس پتھر کے جنوبی حصہ میں حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے قدم مبارک کا نقش ہے، جو براق پر سوار ہوتے وقت ظاہر ہوا تھا۔ اب وہ پتھر بوجہ ادب نقش پا شریف کے اس طرح جھکا ہوا ہے۔ (شرح الثناء جلد 1 صفحہ 390)

سیڑھی کا ظہور

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا وہاں ایک سیڑھی (فضائی راستہ) ظاہر ہوئی جو خوبصورتی میں اپنی مثال اور نظیر نہ رکھتی تھی۔ اس سیڑھی کے دو بازو تھے ایک یا قوت سرخ کا اور ایک زمرہ اخضر کا۔ اور اس کے درمیان بہت ڈنڈے تھے جن میں ایک ڈنڈا سونے کا اور ایک چاندی کا تھا۔ اور اس سیڑھی کے پچاس مقام تھے ہر مقام ستر برس کی راہ تھا۔ اور ہر مقام میں ایک فرشتہ متعین تھا جس کے پاس پچاس ہزار فرشتے خادم تھے۔ اور جب فرشتے آسمان سے زمین پر آتے جاتے ہیں تو اس سیڑھی کے ذریعہ آتے جاتے ہیں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا جب میں براق پر سوار ہو کر اس سیڑھی سے گزرا تو وہاں ایک فرشتہ نے مجھے سلام کر کے کہا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پچیس ہزار برس پہلے سے یہاں مقرر ہوں تاکہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ والسلام پڑھتا رہوں۔ میں مدت سے آپ ﷺ کے انتظار میں بے قرار تھا اور آپ ﷺ کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہے۔ سو اللہ تبارک تعالیٰ کی مہربانی ہوئی کہ آپ ﷺ کی زیارت سے شرف پایا۔

ہوائی اور ناری کرے

اس کے بعد حضور پر نور نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا ہوائی کرہ سے گزر ہوا ہے۔ وہ ہوا کا ایک خزانہ ہے جس کو ستر ہزار زنجیروں سے باندھا گیا ہے اور ہر زنجیر پر ایک فرشتہ نگران ہے تاکہ اس کی نگاہ رکھے۔

(سراج النبوة جلد 3 صفحہ 132)

اس کے بعد آپ ﷺ نے کرہ ناری (آگ کے خزانے) سے گزر فرمایا۔ (روح البیان جلد 2 صفحہ 397)
کہتے ہیں کہ جب قوم عاد پر عذاب آیا تو صرف انگوٹھی کے سوراخ کے برابر اس ہوا کا راستہ کھولا گیا جس کی وجہ سے قوم عاد کا نام ہوا یہ ہو گیا۔ اور ان کے درخت اور عمارتیں سب نیست و نابود اور تباہ و برباد ہو گئیں۔

دریائے قاصیہ

ایک دریا پر حضورِ انور نبی کریم ﷺ کا گزر ہوا۔ کہ اس کا نام دریائے قاصیہ ہے اس کی موٹائی دو سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔ اس دریا کا رنگ نیلا ہے۔ آسمان کی نیل گونی جو نظر آتی ہے دراصل یہ دریا قاصیہ کا رنگ ہے۔ اس دریا میں سمندروں اور جنگلات کے جانوروں کے مثل سب طرح کے جانور موجود ہیں۔

(معارج النبوة جلد 3 صفحہ 132)

پہلا آسمان

جب آسمان تک پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانے کے لیے آواز دی۔ اس دروازہ کا نام باب الحفظ ہے۔ جو یا قوت سرخ سے ہے۔ اور اس کا قفل موتی کا ہے۔ اس کے دربان کا نام اسمعیل ہے جس نے آواز سن کر کہا مرحبا، آپ کا آنا بہت اچھا، آئیے اور دروازہ کھول دیا۔ آپ ﷺ اس دروازہ سے آسمان پر چلے گئے۔ اس آسمان کی موٹائی پانچ سو برس کی مسافت تھی۔ اور اس دربان کے ماتحت ایک لاکھ فرشتے تھے۔

(ریاض الاذہار صفحہ 212)

فرشتے قیام میں

پیغمبرِ اول و آخر و اعظم تاجدار کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس آسمان پر فرشتوں کی جماعت دیکھی جو صف بستہ قیام کی حالت میں تسبیح پڑھ رہے تھے۔

میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ ان فرشتوں کی کیا یہی عبادت ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ جب آسمان پیدا ہوا اس دن سے ان کی یہی عبادت ہے۔ اور قیامت تک اسی عبادت میں مشغول رہیں گے۔ آپ ﷺ اللہ تبارک تعالیٰ سے درخواست کریں کہ اپنے فضل و کمال سے اس عبادت کا ثواب آپ ﷺ کی امت کو عطا فرمائے۔ حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے باری تعالیٰ سے درخواست کی تو اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا، کہ ہم نے نماز میں قیام آپ (ﷺ) کی امت پر فرض کیا ہے۔ اس لیے ان کو لازم ہے کہ اسے اچھی طرح بجالائیں میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ ان فرشتوں کی تعداد کتنی ہوگی؟ اس نے کہا کہ ان کی تعداد کو سوائے اللہ تبارک تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 133)

حضرت آدم علیہ السلام

آپ حضورِ انور ﷺ نے فرمایا کہ میں وہاں گیا تو دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام موجود ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسند بزاز میں روایت ہے کہ ان کی داہنی طرف ایک دروازہ ہے کہ اس میں سے خوشبودار ہوا آتی ہے اور بائیں طرف ایک دروازہ ہے کہ اس میں بدبودار ہوا آتی ہے۔ جب داہنی طرف دیکھتے ہیں خوش ہوتے ہیں

اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو مغموم ہوتے ہیں۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ ﷺ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ آپ ﷺ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور مرحبا فرزند صالح اور بنی صالح کہا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ صورتیں داہنی اور بائیں ان کی اولاد کی رو ہیں۔ داہنی طرف جنتی اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں۔ اس لیے داہنی طرف دیکھ کر ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔ (زر قانی جلد 6 صفحہ 60)

جہاد، صدقہ، خیرات

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا جو کھیتی کا کام کر رہے تھے مگر اس طرح پر کہ فصل کاشت کی۔ اسی وقت فصل پک گئی۔ پھر اس کو کاٹ کر حاصل کر لیا اور فائدہ بھی اتنا کہ ایک دانے کے عوض میں سات سو گنا اناج حاصل کرتے ہیں۔ اور جب وہ کاٹ لیتے ہیں پھر وہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ کاٹنے سے پہلے تھا۔ آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کہ ان کی نیکی سات سو گنا تک بڑھتی ہے اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اللہ تبارک تعالیٰ ان کو اچھا عوض عطا فرماتا ہے۔ اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نماز میں لا پرواہی

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کے سر پتھر سے پھوڑے جاتے ہیں۔ اور جب وہ کچلے جاتے ہیں تو پھر سابقہ حالت پر ہو جاتے ہیں اور ان کا یہ سلسلہ ذرہ بھر دیر کے لیے بھی بند نہیں ہوتا۔ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو فرضِ نماز میں سستی کرتے ہیں اور اس کو اپنے اوقات میں ادا نہیں کرتے اور رکوع و سجود بھی پورا نہیں کرتے۔ (در منثور جلد 2 صفحہ 142)

تارکِ زکوٰۃ

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا کہ ان کی شرم گاہ کے آگے اور پیچھے چیتڑے لپٹے ہوئے ہیں اور وہ موسیٰ کی طرح چر رہے ہیں اور زقوم (تھوہر) اور دوزخ کے پتھر کھا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔ اور فقیروں اور مسکینوں پر رحم نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر ابن جریر جلد 15 صفحہ 16)

زنگنه

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کے سامنے ایک ہنڈیا میں پکا ہوا اچھا صاف گوشت رکھا ہے۔ اور ایک دوسری ہنڈیا میں کچا اور سٹرا ہوا گوشت رکھا ہے۔ وہ لوگ اس سڑے کچے گوشت کو کھا رہے ہیں۔ اور یکا صاف اچھا گوشت

نورام النور، نور رحمۃ للعالمین (۸۰۵) جلد دوم

نہیں کھاتے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ ﷺ کی امت سے وہ مرد ہے جس کے پاس حلال اور پاکیزہ بیوی ہو۔ اور پھر غیر عورت کے پاس جائے اور شب باشی کرے اسی طرح وہ عورت ہے جو اپنے حلال اور پاکیزہ خاوند کے ہوتے ہوئے کسی غیر مرد کے پاس جائے اور اس کے ساتھ برا کرے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 12)

قیموں کا مال کھانے والے

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کے ہونٹ اونٹوں کی طرح ہیں اور وہ آگ کی چنگاریاں کھا رہے ہیں۔ اور وہ چنگاریاں ان کے پیٹ کو جلاتی ہوئی نیچے نکل جاتی ہیں۔ اور اسی طرح سلسلہ جاری ہے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو قیم کے مال ناحق کھاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد 3 صفحہ 12)

راہ کے منو ذی

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا جو شارع عام سولیوں پر لٹکائے جا رہے ہیں اور سولیاں ایسے کانٹے رکھتی ہیں کہ راہ جانے والے کے جسم اور لباس کو نوچ لیتی ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو راستہ پر بیٹھ کر راہ جانے والوں کو تکلیف دیتے تھے۔ (در منثور جلد 4 صفحہ 24)

خیانتی

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا کہ بہت سا بوجھ انہوں نے اپنی پیٹھ پر اٹھا رکھا ہے حتیٰ کہ بوجھ کے مارے وہ جنبش نہیں کر سکتے اور ہلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ مگر وہ پھر بھی کہہ رہے ہیں کہ ہاں اور بوجھ رکھ دو۔ چنانچہ ان لوگوں کے کہنے پر اور بوجھ لادا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ ان لوگوں کی صورت مثالی ہیں جو امانت میں خیانت کرتے ہیں اور باوجود اس کے کہ ان کی گردن پر پہلے ہی حقوق کا بڑا بوجھ ہوتا ہے وہ اور حقوق اپنے ذمہ لے لیتے ہیں۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 134)

خوشامدی

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا کہ ان کے ہونٹ اور زبانیں آگ کی مقراضوں (قیچیوں) سے کاٹی جاتی ہیں۔ جب وہ اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہیں فرشتے پھر کاٹ لیتے ہیں۔ اور ایک ساعت کی مہلت نہیں دیتے۔ آپ ﷺ نے ان کے بارہ میں پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حاکموں کے پاس جاتے ہیں اور ان کی خوشامد کرتے ہیں اور ان کے جھوٹ اور واضح بری باتوں پر ہاں سے ہاں ملاتے ہیں اور ان کو ظلم، فسق، فجور سے نہیں روکتے اور انہیں انصاف و احسان کا فرمان نہیں سناتے۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 134)

غیبت کرنے والے

ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کو مردار جانور کے گوشت کا بدبودار گلاسٹرا نکڑا کھلایا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ جو چغل خوری کرتے تھے اور دوسرے بھائی کا گلہ و غیبت کرتے تھے۔ (اخبار القرآن صفحہ 262)

شراب نوش

ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کے چہرے کالے اور آنکھیں نیلی تھیں۔ ان کا نچلا ہونٹ پاؤں تک ٹکتا تھا اور اوپر کا ہونٹ سر کے اوپر جاتا تھا۔ انہیں دوزخ کی آگ کا زرد پانی آگ کے پیالوں میں پلایا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ پیپ اور خون ان کے منہ سے ٹپکتا تھا اور وہ گدھے کی طرح پیچتے اور چلاتے تھے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں شراب پیتے تھے۔ (اخبار القرآن صفحہ 262)

جھوٹے گواہ

ایسے لوگوں پر گزر ہوا کہ ان کی زبانیں گدی سے نکالی گئی ہیں اور ان کی شکلیں مسخ ہو کر سور جیسی شکلیں بن گئی ہیں۔ سر سے پاؤں تک عذاب میں گرفتار ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی گواہی دیتے تھے۔ (ریاض الازہار صفحہ 214)

سودخور

ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کے پیٹ سوج کر بوٹھے (کپے) کی طرح ہو گئے تھے۔ اور ان کے چہرے پیلے ہو گئے تھے۔ طوق ان کی گردنوں میں اور زنجیر ان کے ہاتھوں میں اور بیڑیاں ان کے پاؤں میں پڑی ہوئی تھیں۔ جب چاہتے تھے کہ اٹھ کھڑے ہوں تو پیٹ کے بہت پھولنے کے سبب گر جاتے تھے اور پر سے نیچے تک عذاب میں مبتلا تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے۔ (درمنثور جلد 4 صفحہ 142)

قاتل ناحق

ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کو فرشتے آگ کی چھریوں سے ذبح کر رہے تھے اور ان کے گلے سے کالا خون بہتا تھا وہ پھر زندہ ہو جاتے تھے۔ تو پھر ذبح کئے جاتے تھے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ لوگ ہیں جو ناحق قتل کرتے تھے۔ (ریاض الازہار صفحہ 241)

نافرمان بیویاں

عورتوں کے ایک گروہ پر گزر ہوا کہ ان کے منہ کالے اور آنکھیں نیلی ہیں۔ آگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ فرشتے ان کو آگ کے گرز مارتے ہیں اور وہ گدھوں اور کتوں کی طرح چلاتی ہیں۔ آوازیں نکالتی ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کی نافرمان ہیں۔ (تفسیر ابن جریر جلد 15 صفحہ 11)

نافرمان اولاد

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا جو آگ کے جنگل میں قید تھے۔ ان کو آگ جلاتی تھی۔ پھر وہ درست ہو جاتے تھے۔ اسی وقت پھر ان کو آگ جلا دیتی تھی اور یوں ہی سلسلہ جاری تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ماں باپ کے نافرمان تھے۔

بحر الحیوان

اس کے بعد آپ ایک دریا پر پہنچے کہ اس دریا کے عجائب و غرائب گنتی سے زیادہ ہیں اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ اور اس کی موجیں پہاڑوں سے زیادہ اونچی تھیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! اس دریا کو بحر الحیوان کہتے ہیں۔ جب قیامت کے دن لوگوں کا حشر ہوگا۔ تو اس دریا سے زمین پر بارش ہوگی۔ جس کے اثر سے بوسیدہ ہڈیاں اور ریزہ ریزہ شدہ اجزاء باہم جمع ہو جائیں گے اور انسان کا جسم بحکم خداوندی زندگی حاصل کر لے گا۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 135)

دوسرا آسمان

پھر پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے تو وہ آسمان نہایت ہی نورانی تھا۔ اس کا نام قیدوم تھا۔ اور اس کا دروازہ موتی کا اور قفل نور کا تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آگے بڑھے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں جبرائیل ہوں۔ دربان نے کہا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ پھر دربان نے پوچھا کیا آپ ﷺ کو بلایا گیا ہے؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ ہاں۔ بلائے گئے ہیں۔ دربان نے کہا الحمد للہ کہ آپ ﷺ تشریف لائے ہیں اور دروازہ کھول دیا۔ اس دربان کا نام اسرائیل ہے اور اس کے تابع دو لاکھ فرشتے خادم مقرر ہیں ان کو آپ ﷺ نے سلام کیا۔ تمام نے نہایت ادب و عظمت کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔ (ریاض الاضہار صفحہ 215)

فرشتے رکوع میں

آپ حضورِ انور ﷺ نے اس آسمان پر فرشتوں کو دیکھا کہ صف بستہ حالت رکوع میں تسبیح کہہ رہے تھے۔ اور یہ فرشتے جب سے پیدا ہوئے رکوع میں ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام سے آپ ﷺ نے پوچھا کہ دوسرے آسمان کے فرشتوں کی یہی عبادت ہے؟ اس نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ اس آسمان کے فرشتوں کی یہی عبادت ہے۔ آپ بھی اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تبارک تعالیٰ آپ ﷺ کی امت کو اس عبادت کا ثواب عطا فرمائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس وقت دعا کی۔ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اللہ تبارک تعالیٰ نے نماز میں رکوع کو فرض کر دیا۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 137)

حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام

جب حضور پر نور نبی کریم ﷺ رؤف رحیم ﷺ فرشتوں کے گروہ سے گزرے تو آپ ﷺ نے دونو جوان دیکھے جو ہم شکل ہیں۔ اور آمنے سامنے دو سونے کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جبریل علیہ السلام سے ان کا حال دریافت کیا تو اس نے کہا یہ دونو جوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔ جو کہ آپس میں رشتہ کے لحاظ سے خالہ زاد بھائی ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا آپ ﷺ ان کو سلام کیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا مرحبا بھائی نیک اور نبی نیک کو۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بہت سی خوشخبری سنائیں اور ان خصوصیات کا ذکر کیا جو اللہ تبارک تعالیٰ کی عنایت سے آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 137)

تیسرا آسمان

جب تیسرا آسمان آیا تو دیکھا کہ سفید موتی سے زیادہ روشن اور چمکدار نورانی قدیلیں رکھی ہوئی ہیں اس آسمان کا ام زلیون تھا۔ اس کے دربان کا نام کائیل ہے۔ تین لاکھ فرشتے اس کے ماتحت ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کو کہا۔ حسب دستور دربان نے دروازہ کھولا۔ (ریاض الاذہار صفحہ 216)

فرشتے سجدہ میں

وہاں آپ ﷺ نے بہت سے فرشتے دیکھے جو صف بستہ سجدہ میں پڑے ہوئے تھے آپ ﷺ نے ان کو سلام کہا انہوں نے سر اٹھایا اور آپ کے ﷺ سلام کا جواب دیا اور پھر سجدہ میں چلے گئے۔ اور سجدہ میں وہ اپنی نصوص تسبیح کہہ رہے تھے۔

آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اس آسمان کے فرشتوں کی کیا یہی عبادت ہے؟ اس نے

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۸۰۹) جلد دوم

عرض کیا کہ ہاں آپ ﷺ بھی اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ آپ ﷺ کی امت کو بھی اس طرح عبادت عطا فرمائے۔ اس وقت حضورِ انور نبی کریمؐ رؤف ورحیم ﷺ نے اللہ تبارک تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت کو بھی اس عبادت سے حصہ عطا فرمائے۔ اس وقت اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کی امت پر ہر رکعت میں دو سجدے فرض کیے۔ اس واسطے کہ ان فرشتوں نے سلام کا جواب دینے کے لئے سجدے سے سر اٹھایا اور پھر دوبارہ سجدے میں چلے گئے۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 128)

حضرت یوسف علیہ السلام

پھر آپ حضورِ انور ﷺ نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا کہ وہاں عبادت میں مشغول ہیں۔ حضرت جبرائیل نے آپ ﷺ کو کہا کہ یہ یوسف علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ آپ ﷺ نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دے کر معافقہ کیا اور اللہ تبارک تعالیٰ کی مہربانیوں کی خوشخبری سنائی۔ (ریاض الازہار صفحہ 217)

جبر و تکبر کرنے والے

جب پیغمبر اول و آخر و اعظمؐ حضورِ نبی کریمؐ رؤف ورحیم ﷺ آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک بہت بڑی جسامت والا فرشتہ کرسی پر بیٹھا ہے اور اس کے ارد گرد بھی بڑی جسامت والے قد آور فرشتے تھے۔ وہ فرشتے لوگوں کے ایک گروہ کو آتش گرزوں سے اس طرح عذاب دے رہے ہیں کہ جب ان کو گرز مارتے ہیں تو ان سب کے اجسام ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ ہی دیر بعد وہ اجسام پھر اصل حالت پر ہو جاتے ہیں۔ پھر دوبارہ ان کو مار کر ریزہ ریزہ کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اس فرشتہ کا نام اور ان لوگوں کے عذاب کا سبب دریافت کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اس فرشتہ کا نام ضوصائیل ہے۔ اور یہ لوگ وہ ہیں جو جبر اور تکبر کرتے تھے۔ کہ اپنے کیے کی سزا بھگت رہے ہیں۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ نے اس فرشتہ کو بمع تمام اس کے خادموں کے مقرر کر دیا ہے تاکہ اس طور پر قیامت تک ان کو عذاب دیتے رہیں۔

(معارج النبوة جلد 3 صفحہ 139)

چوتھا آسمان

چوتھا آسمان مثل مروارید سفید کے چمکتا تھا۔ اس آسمان کا نام زاہرہ ہے۔ اس کا دروازہ نور کا ہے اور قفل بھی نور کا لگا ہوا ہے۔ اس پر نور سے لکھا ہے۔

لا اله الا الله محمد رسول الله

اس کے دربان کا نام موصائیل ہے۔ چار لاکھ فرشتے اس کے تابع ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانے کو کہا اور دربان نے حسب دستور سابق کے دروازہ کھول دیا۔

فرشتے قعدہ میں

اس آسمان پر فرشتے دوزانو بیٹھے ہوئے تسبیح پڑھ رہے تھے۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی انس و جان رہبر کائنات رسول بحر و بر حبیب رب للعالمین رحمت للعالمین حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا اے جبریل یہ بتلائیے کہ چوتھے آسمان پر رہنے والوں کی عبادت یہی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ بھی اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کریں کہ اس طرح کی عبادت کا حصہ آپ ﷺ کی امت کو بھی عطا ہو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے آخری قعدہ نماز میں فرض کر دیا۔

(معارج النبوة جلد 3 صفحہ 139)

حضرت ادریس علیہ السلام

حضور پر نور حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ادریس علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ صاحب حضرت ادریس علیہ السلام ہیں آپ ﷺ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا مرحبا اے بھائی صالح اور نبی صالح۔ اس کے بعد اس نے میرے حق میں بھلائی کی دعا کی۔ (بخاری جلد 1 صفحہ 549، مسلم جلد 1 صفحہ 91)

حضرت عزرائیل علیہ السلام

اس کے بعد ایک فرشتہ دیکھا جو نہایت غمگین صورت میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کی آنکھ سے انوار چمک رہے تھے۔ اس کرسی کے چار گوشے تھے اور ہر گوشہ میں سات لاکھ پائے تھے۔ اس کرسی کے آس پاس بہت فرشتے کھڑے تھے۔ جن کی تعداد اللہ تبارک تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دائیں طرف ایسے فرشتے کھڑے تھے جو نورانی چہرے والے سبز پوش اور عنبر کی خوشبو والے تھے نرمی سے بات کرنے والے اور بہت ہی خوبصورت اور نیک خصلت تھے کہ جن کو دیکھ کر جی خوش ہو جائے۔

بائیں طرف ایسے فرشتے کھڑے تھے جن کے چہرے سیاہ تھے۔ بہت ہی تند خو تھے تسبیح کے وقت ان کے منہ سے آگ کے شعلے اس قدر نکلتے تھے کہ کسی کو ان کی جانب نظر اٹھا کر دیکھنے کی طاقت نہ تھی۔ اس بڑے فرشتے کے سامنے ایک تختہ تھا جسے وہ ہر وقت دیکھتا رہتا ہے اور اس سے نظر نہیں اٹھاتا۔ اور اس کے قریب ہی سبز پتوں کا ایک بہت بڑا درخت ہے جس کے اتنے پتے ہیں کہ ان کی گنتی سوائے اللہ تبارک تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور ہر ایک پتہ پر ایک آدمی کا نام لکھا ہوا ہے۔

اور اس فرشتہ کے سامنے ایک تھال بھی رکھا ہوا ہے اور وہ فرشتہ ہر ساعت میں تھال کی طرف ہاتھ کو بڑھاتا ہے اور ہاتھ میں کچھ چیز لے کر کبھی داہنی طرف والے فرشتوں کو دے دیتا ہے اور کبھی بائیں طرف والے

فرشتوں کو دے دیتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔ اس فرشتے کا نام عزرائیل (علیہ السلام) ہے۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آگے جا کر اس کو مطلع کیا کہ اے عزرائیل! یہ نبی آخر الزمان ﷺ ہیں تب اس نے سراٹھایا اور حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھ کر تبسم کیا اور تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اور کہا خوش آمدید ہو۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ ﷺ سے زیادہ پیارا پیدا نہیں کیا۔ اور کوئی امت آپ ﷺ کی امت سے زیادہ فضیلت والی نہیں ہے۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پر نور، حضور انور، نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں حضرت عزرائیل علیہ السلام نے کہا ارشاد فرمائیے کیا فرمان ہے۔ حضور انور ﷺ نے پوچھا کہ آپ غمگین صورت میں کیوں نظر آتے ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ میرے ذمہ روحوں کے قبض کرنے کا کام ہے۔ اور میں ہر وقت ڈر کے مارے غمگین صورت رہتا ہوں کہ خدا کرے میری خدمت قبول ہو جائے اور اس میں قصور سرزد نہ ہو جائے۔

پھر آپ حضور انور ﷺ نے فرمایا تمہارے سامنے یہ تھال کیسا ہے؟ اور یہ تختہ کیسا ہے اور اس درخت کا کیا مقصد ہے؟ اس نے کہا کہ یہ تھال مثال تمام دنیا کی ہے۔ کہ قاف سے قاف تک تمام جہان میری قدرت (پہنچ) میں ایسے ہے جیسے یہ تھال میرے سامنے ہے۔ اور یہ تختہ زندگی کی معیاد اور موت کا وقت بتلاتا ہے۔ اور اس درخت کے ہر پتہ پر نیک یا گناہ گار لکھا ہوا ہے۔ جب وہ بیمار ہو جاتا ہے تو وہ پتہ جس پر اس کا نام درج ہے زرد ہو جاتا ہے اور جس وقت اس کی موت آ جاتی ہے وہ پتہ خشک ہو کر اس تختہ پر گر جاتا ہے۔ میں اس کا نام تختہ سے کاٹ کر ہاتھ دراز کرتا ہوں اور اس بندہ کی روح قبض کر لیتا ہوں۔ خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔

پھر آپ ﷺ نے پوچھا یہ فرشتے دائیں بائیں کس کام میں لگے ہوئے ہیں؟ اس نے کہا دائیں طرف والے رحمت کے فرشتے ہیں۔ جب کسی نیک آدمی کی روح قبض کرتا ہوں تو ان کے حوالے کر دیتا ہوں۔ اور جب کسی برے انسان کی روح قبض کرتا ہوں تو بائیں طرف والے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ فرشتے کس قدر ہوں گے؟ وہ کہنے لگا کہ ان کی گنتی کا علم اللہ تبارک تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ لیکن جب روح کے قبض کا وقت ہوتا ہے تو چھ لاکھ رحمت کے فرشتے اور چھ لاکھ عذاب کے فرشتے آ جاتے ہیں۔ پھر میں نیک کی روح کو رحمت کے فرشتوں کے حوالے کرتا ہوں اور برے کی روح کو عذاب کے فرشتوں کے حوالے کرتا ہوں۔ پھر قیامت تک ان کو دوبارہ حاضر ہونے اور روح کو لینے کی نوبت نہیں آئے گی۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ہر جاندار کی روح قبض کرنے کو تو خود جاتا ہے یا کسی دوسرے فرشتے کو بھیج دیتا ہے؟ اس نے کہا جس دن سے میں یہاں آ کر ٹھہرا ہوں میں کبھی اس جگہ سے ہلا نہیں۔ لیکن ستر ہزار فرشتے میرے ماتحت ہیں۔ اور پھر ہر فرشتے کے تابع ستر ہزار فرشتے ہیں۔ جب کسی بندہ کی

جلد دوم

روح قبض کرنے کا وقت آتا ہے تو میں ان کو بھیج دیتا ہوں تاکہ وہ اس بندہ کی روح کو قبض کر کے اس کے حلق تک لے آئیں۔ اس کے بعد میں خود ہاتھ بڑھا کر کام پورا کر لیتا ہوں۔

پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے فرمایا کہ اے مقرب فرشتے میں تجھ سے ایک درخواست کرتا ہوں۔ اگر قبول کرے تو کہوں؟ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے کہا۔ آپ ﷺ فرمائیے میں بصد شوق دل و جان سے اس بات کو قبول کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے ساتھ سہولت اور آسانی کا معاملہ کیا کرو۔ عزرائیل علیہ السلام نے کہا کہ مجھے اللہ تبارک تعالیٰ کی عزت اور اس کے جلال کی قسم ہے۔ کہ اللہ تبارک تعالیٰ مجھے ہر رات دن میں ستر ہزار مرتبہ حکم فرماتا ہے۔ کہ اے عزرائیل! میرے حبیب ﷺ کی امت پر سختی نہ کرنا اور بہت نرمی کرنا۔ بنا بریں عرض ہے کہ میں ان پر بہت مہربان ہوں۔ (ریاض الاذہار صفحہ 317، 318)

سورج

پھر آپ ﷺ نے سورج کو ملاحظہ فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے۔ کہ سورج کا طول و عرض اسی ہزار برس کی راہ ہے۔ ہر روز تین لاکھ ساٹھ ہزار فرشتے اس کو مشرق سے مغرب میں لاتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور دوسرے دن اور فرشتے اس قدر آ جاتے ہیں۔ اور یہی کام کرتے ہیں۔ اور پھر قیامت تک ان کی نوبت نہیں آتی (اس کام کے لئے ان کی باری نہیں آتی)۔ (بخاری و مسلم)

پانچواں آسمان

بعد ازاں آپ ﷺ کا پانچویں آسمان پر گزر ہوا۔ اس آسمان کا نام صافیہ ہے۔ اور دربان کا نام سحائل ہے۔ آپ ﷺ نے سلام کیا۔ اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ جب حسب دستور دروازہ کھلوا کر آپ ﷺ آسمان کے اوپر تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ اس دربان کے ماتحت پانچ لاکھ فرشتے مقرر ہیں۔

فرشتے خشوع میں

آپ ﷺ نے وہاں فرشتوں کو دیکھا کہ سب خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑے ہیں۔ اور بلند آواز سے اپنی مخصوص تسبیح کہہ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کیا ان کی یہی عبادت ہے اس نے کہا ہاں! آپ ﷺ بھی اپنی امت کے لئے دعا کیجئے کہ آپ ﷺ کی امت کو بھی یہ عبادت نصیب ہو۔ تب آپ ﷺ نے دعا کی پھر اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت کے لئے بھی نماز میں خشوع و خضوع کا حکم نازل فرمایا۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 143)

حضرت ہارون علیہ السلام

حضورِ انور ﷺ نے فرمایا۔ کہ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ہارون علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ حضرت

نور اُم النور، نور رحمۃ للعالمین (۸۱۳) جلد دوم

جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ ہارون علیہ السلام ہیں۔ آپ ﷺ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا مرحبا یعنی خوش آمدید اے برادر صالح اور نبی صالح۔ (بخاری جلد 1 صفحہ 549، مسلم جلد 1 صفحہ 91)

شرک کرنے والے

پھر پیغمبر اول و آخر اعظم حضور پر نور حضور انور نبی کریم رُوف ورہیم ﷺ کا گزر ایک فرشتے پر ہوا جو بہت ہی جسیم اور قد آور تھا۔ اور اس کے پاس اور بہت فرشتے تھے جو اسی کی طرح جسیم اور بہت قد آور تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں آتشی گرز تھا۔ ان فرشتوں کے سامنے لوگوں کا ایک گروہ تھا جن کے جسموں پر آگ کا لباس تھا۔ یہ فرشتے ان لوگوں کو گرز مارتے تھے۔ جس کے صدمہ سے ان کے گوشت پوست پر آگ کے شعلے بھڑکتے تھے۔ پھر وہ جل کر نیست و نابود ہو جاتے تھے۔ اور پھر وہ اصل حالت میں آ جاتے تھے۔ اور فرشتے پھر ان سے اسی طرح کرتے تھے جیسے پہلے کیا تھا۔ آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔ یہ شرک کرنے والے لوگ ہیں۔ جو بتوں سے اپنی حاجتیں مانگتے تھے۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ نے اس فرشتہ کو بمع اس کے ماتحتوں کے ان پر مسلط کیا ہے۔ تاکہ اس قسم کا عذاب ہمیشہ دیتے رہیں۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 147)

چھٹا آسمان

پھر چھٹے آسمان پر گزر ہوا۔ حسب دستور دروازہ کھلوانے کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آواز دی اور دربان نے دروازہ کھولا اس آسمان کا نام حاروس ہے اور دربان کا نام رومائیل ہے۔ آپ ﷺ نے سلام کیا اس نے سلام کا جواب دے کر یہ دعا دی:

بَارَكَ اللَّهُ فِي حَسَنَاتِكَ وَزَادَ فِي كَرَمَاتِكَ

اللہ تبارک تعالیٰ تمہاری نیکیوں میں برکت دے اور تمہاری بزرگی زیادہ کرے آپ ﷺ نے اس دعا کے بعد آمین کہی اس فرشتہ کے مطیع چھ لاکھ فرشتے تھے۔ (معارج النبوة)

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضور پر نور نبی کریم رُوف ورہیم ﷺ نے فرمایا کہ میں وہاں گیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام موجود تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر کہا مرحبا اے برادر صالح اور نبی صالح۔ جب میں ان سے مل کر آگے چلا تو وہ روئے۔ ان سے پوچھا آپ کیوں روئے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے بعد ایک نوجوان نبی مبعوث ہوئے۔ جس کی امت کے لوگ میری امت کے لوگوں سے بہشت میں بہت زیادہ تعداد

اس کے بعد حضرت میکائیل علیہ السلام پر گزر ہوا۔ کہ وہ ایک بڑی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے ایک بہت بڑی ترازو ہے۔ جن کا ایک پلہ آسمان و زمین کے چودہ اطباق سے بھی بڑا ہے اس ترازو کی ڈنڈی مشرق سے مغرب تک پہنچی ہوئی ہے۔ رزق کے بے شمار ٹیلے ان کے پاس جمع ہیں۔ آپ نے اس کو سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا اور اٹھ کر تعظیم کی اور پھر معافقہ کیا۔ پھر یہ دعا دی۔

زَادَكَ اللهُ كَرَمَةً وَفَرَحًا

اور آپ ﷺ کو بشارت سنائی کہ کسی امت کی خیر و برکت آپ ﷺ کی امت کے برابر نہیں ہے۔ وہ آدمی بہت ہی خوش نصیب ہے جس نے آپ ﷺ کی پیروی کی اور آپ ﷺ سے محبت کی اور وہ شخص بہت ہی بدنصیب ہے جس نے آپ ﷺ کی نسبت دل میں بغض رکھا۔

حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت میکائیل علیہ السلام کے ماتحت سات لاکھ فرشتے مقرر ہیں۔ ہر ایک کے پاس ایک جھنڈا ہے۔ اور ہر جھنڈے کے نیچے سات لاکھ فرشتے ہیں۔ اور وہ تمام کے تمام حضرت میکائیل علیہ السلام کے سامنے صف بستہ ہیں۔ اور ان کے حکم کی انتظار میں ہیں۔ ان تمام ملائک نے کہا کہ ہم سب آپ ﷺ کے خادم ہیں۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پچیس ہزار برس پہلے سے آپ ﷺ پر درود و سلام بھیج رہے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ بارش کے ہر قطرہ ہوا کے ہر ذرہ سورج اور چاند کی ہر کرن اور نباتات سے جو پودا زمین سے پیدا ہوتا ہے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک فرشتہ موکل ہوتا ہے تاکہ اس کی تربیت کر کے کمال تک پہنچائے۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 146)

ساتواں آسمان

اس کے بعد ساتواں آسمان دیکھا اس کا نام اسحاقائیل تھا۔ جو کہ سفید شیشہ کی مانند چمکتا تھا۔ جب دروازہ کھلوا کر اوپر جانا ہوا۔ تو روحائیل دربان نے سات (7) لاکھ فرشتوں کے ساتھ آپ ﷺ کو سلام کیا۔

پیدائش ملائکہ

ایک فرشتہ پر گزر ہوا کہ اس کے سات سر ہیں۔ اور ہر سر میں ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرہ میں ستر ہزار منہ ہیں اور منہ میں ستر ہزار زبان ہے۔ اور ہر زبان میں ساتھ لاکھ بولی ہے جو ایک بولی دوسری بولی سے بہ لحاظ نوعیت کے مختلف ہے۔ اس کے سات لاکھ بازو ہیں۔ ہر روز نہر میں غوطہ لگاتا ہے۔ اور باہر نکل کر اپنے پر و بال جھاڑتا ہے اور اس طرح جو قطرے بنتے ہیں ہر قطرہ سے اللہ تبارک تعالیٰ اپنی قدرت کے ساتھ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ (ریاض الازہار صفحہ 224)

حضرت اسرافیل علیہ السلام

پھر ایک فرشتہ پر گزر ہوا جس نے دوزانو بیٹھے ہوئے عرش کی طرف نگاہ لگا رکھی تھی وہ اپنے منہ میں صور لیے ہوئے کسی انتظار میں محو تھا۔ اس صور میں تمام مخلوق کی روحوں کی مقدار میں سوراخ تھے اور اس کے سامنے ایک لوح یعنی تختی لٹکی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے پہچان لیا کہ یہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کو سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا: اِبْشُرْ فَإِنِّي أَرَى الْخَيْرَ فِيكَ وَفِي أُمَّتِكَ آپ ﷺ کو مبارک ہو کہ میں آپ ﷺ میں اور آپ ﷺ کی امت میں بھلائی دیکھ رہا ہوں۔ (اخباری القرآن صفحہ 265)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور مرحبا یا نبی الصالح وابن الصالح، نیک نبی اور نیک بیٹے کو خوش آمدید ہو۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا اپنی امت کو میری طرف سے کہنا اور یہ پیغام دینا کہ بہشت کی زمین بہت عمدہ ہے۔ اس میں بیشمار درخت لگاؤ۔ اور پھر اس کے باغات کے میوہ جات چنوا اور ان درختوں کے لگانے کی تسبیح یہ ہے۔

سبحان الله والحمد لله والاله الا الله والله اكبر

(معراج شریف از عبدالباسط فاخوری مفتی بیروت ص 11)

بیت المعمور

منقول ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے بیت المعمور کو دیکھا جو آسمانوں پر ملائکہ کا قبلہ ہے۔ وہاں ستر ہزار فرشتے روزانہ آ کر زیارت کرتے ہیں۔ اور پھر قیامت تک ان کو حاضری کی نوبت نہیں مل سکتی۔ (مسلم جلد 1 صفحہ 93)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیت المعمور ساتویں آسمان میں ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ چھٹے آسمان میں ہے۔ طبری نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ بیت المعمور پہلے آسمان پر ہے۔

ان میں موافقت مطابقت کے لئے ایک حدیث شریف ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ان ف كل سماء بيتا يحاذي الكعبته وكل منها معمور بالملائكة (فتح المسلم ج 1 صفحہ 320)
تحقیق ہر آسمان میں ایک گھر (بیت المعمور) ہے جو کعبہ کے سامنے ہے۔ اور یہ سب کے سب (بیت المعمور) فرشتوں سے آباد ہیں۔

سدرۃ المنتہی

پھر آپ ﷺ کا سدرۃ المنتہی پر گزر ہوا۔ وہ ایک پیری کی شکل کا درخت ہے۔ اس کا تنا سونے کا ہے۔

ڈالیاں موتی اور یاقوت اور زمرہ کی ہیں۔ اس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح ہیں۔ اور اس کے پھل ہجر کے منکے کی طرح ہیں۔ اس کی ڈالی سے جڑ تک پچاس ہزار برس کی راہ ہے اس پر پروانوں کی مانند اتنے فرشتے رہتے ہیں کہ جن کی گنتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کہتے ہیں کہ باوقتِ معراج یہ فرشتے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کی زیارت کے لئے جمع ہوئے تھے۔

(روح المعانی جلد 27 صفحہ 44، درمنثور جلد 6 صفحہ 126)

توبہ کرنے والے

اس کے بعد آپ حضور پر نور ﷺ کا ایک نہر پر گزر ہوا جہاں کالے لوگ غسل کر کے باہر نکلتے ہیں جو نورانی شکل والے بن جاتے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ نہر رحمت ہے۔ جن لوگوں نے گناہ کیے اور پھرتا تب ہو گئے تو گویا وہ اس نہر سے غسل کر کے گناہوں کی سیاہی دھو رہے ہیں۔ (معارج جلد 3 صفحہ 149)

جبرائیل علیہ السلام کی حد اور واپسی

پھر سدرۃ المنتہی کے ایک مقام پر وہ وقت آیا کہ آگے کے ذمہ دار فرشتے یا اللہ تبارک تعالیٰ کے ایک کارکن نے اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و اذن سے پس پردہ سے ہاتھ باہر کر کے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کو جمع براق اٹھالیا۔

اور حضرت جبرائیل علیہ السلام وہیں ٹھہر گئے۔ آپ نے فرمایا اے جبرائیل آپ مجھے اس جگہ کیوں اکیلا چھوڑتے ہو؟ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی میں کیا کروں مجھے آگے پرواز کرنے کی طاقت نہیں اس لیے کہ (وما منا الا لہ مقام معلوم) ترجمہ: ”اور ہم سب فرشتوں سے کوئی ایسا فرشتہ نہیں جس کا خاص مقام معلوم نہ ہو“۔ (سورۃ صفت آیت 164) کہ اس سے آگے ہمیں تجاوز کا حق حاصل نہیں۔ یہاں اس مقام پر بھی آپ ﷺ کی بدولت آگیا ورنہ میرا اصلی مقام وہ ہے جہاں سدرۃ المنتہی پر ملاحظہ فرمایا تھا۔ جو کہ بہت دور رہ گیا ہے۔ اس وقت پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ اپنے ہاتھ مبارک سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو قابو کر کے ایک قدم چلے کہتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے جلال سے حضرت جبرائیل علیہ السلام چڑیا کے برابر ہو گئے۔

لرزه براندام اور آبدیدہ ہو کر آپ ﷺ عرض کیا لَوْ دَنُوتُ اَنْبَلَةَ لَا خَتَرَ قَتِّ بَالِي (مکتوۃ شریف)

یعنی کہ اگر انگلی کے پورے کی مقدار بھی قریب ہوں گا تو میرے پر جل جائیں گے۔ (مکتوۃ شریف)

اس کے بعد آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا اور ایک اشارہ میں اس کو اس کے اپنے مقام پر پہنچا دیا۔ روایت ہے کہ اس ایک قدم میں پانچ سو سال کی راہ طے ہو چکی تھی۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 151)

حجاب زابغت

جب آپ حضور پر نور ﷺ حجاب زابغت تک پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پردہ کو ہلایا۔ اندر سے آواز آئی آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں جبرائیل ہوں۔ اور میرے ساتھ حضرت محمد رسول

اللہ ﷻ ہیں۔ اس وقت حجاب کے اندر سے آواز سنی کہ فرشتہ نے کہا ”اللہ اکبر“ اس کے بعد کہا گیا۔ میرے بندہ نے سچ کہا۔ میں سب سے بڑا ہوں۔

پھر فرشتے نے کہا ”اشھد ان لا الہ الا اللہ“ کہا گیا میرے بندہ نے سچ کہا۔ عبادت کے لائق ایک میں ہوں۔ پھر فرشتے نے کہا: اشھد ان محمد رسول اللہ کہا گیا میرے بندہ نے سچ کہا۔ میں نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

پھر فرشتے نے کہا: حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ
اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور ﷺ نے اس فرشتہ کی بابت حضرت جبرائیل السلام سے دریافت فرمایا۔ تو اس نے کہا۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ ﷺ کو بنی بنا کر بھیجا ہے کہ میں تمام مخلوق سے اللہ تبارک تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوں۔ مگر جب سے پیدا ہوا ہوں میں نے اس سے پہلے اس فرشتہ کو نہیں دیکھا۔ (در منثور جلد 4 صفحہ 154 نووی شرح مسلم جلد 1 صفحہ 93)

خصائص کبریٰ میں لکھا ہے۔ کہ یہ اقامت تھی جو معراج کی رات آپ ﷺ نے سنی۔ لہذا یہ سوال نہ ہوگا کہ مدینہ منورہ میں اذان کے لئے مشورے کیوں ہوئے۔
جس جگہ معراج کے واقعہ میں اذان ہونے کا بیان وارد ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ الفاظ معروفہ سے اذان ہوئی ہو۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ اذان کی مشروعیت بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں ہوئی۔

(سیرت حلبیہ جلد 1 صفحہ 412)

باب کبریا

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ نے فرمایا کہ میں تنہا رہ گیا۔ اور سوائے درگاہ کے کوئی مونس و مددگار نہ تھا۔ و ماں اللہ تبارک تعالیٰ کے جلال کی بیبت میرے دل پر چھائی۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک قطرہ ٹپکا اور میں نے اس نومنہ میں لے لیا۔ خدا کی قسم میں نے زندگی بھر اس سے زیادہ (عطا کن راحت بخش پر کن خوش کن) چیز نہ چکھی تھی۔ پھر اس قطرہ کی برکت سے تنہائی کا تصور خیال سے دور ہو گیا۔ اور اولین و آخرین کا علم مکشوف ہو گیا۔ (مواہب الدنیہ جلد 6 صفحہ 128 مدارج النبوة جلد 1 صفحہ 169)

تفسیر روح البیان میں ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکا جس سے مجھے گزشتہ اور آئندہ سب امور کا علم ہو گیا۔

سدرہ سے آگے تنہا

جب مہمانِ عرش آگے بڑھنے لگے تو جبرائیل امین رک گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جبرائیل چلو! تو عرض کیا:

لو دنوت أنملة لا حترقت

اگر میں ایک چیونٹی برابر بھی آگے بڑھا تو (تجلیات الہی کے پر تو سے) جل جاؤں گا۔

(البواقیت والجواہر 3: 34)

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے یہ کہہ دینے پر پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور نبی کریم روف و رحیم ﷺ نے اس پر یہ کرم کیا کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و اذن سے آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا اور اس اشارے کے سبب حضرت جبرائیل امین کو فوراً ہی سدرۃ المنتہی میں ان کے مقام پر پہنچا دیا۔

اور اس کے بعد پیغمبر اول و آخر اعظم، شہسوار اعظم، مہمان ذات کبریٰ ﷺ، اپنے محبت سے وصال کے لئے عرش عظیم کی وسعتوں میں تنہا و یکتا ہی اللہ تبارک تعالیٰ کی بھیجی ہوئی سواری روف روف پر روانہ ہو گئے۔

اس مقام پر آقا ﷺ کو جنت کی سیر کرائی گئی۔ حضور پر نور رحمت دو عالم ﷺ نے جنت کے احوال کا مشاہدہ فرمایا اور وہاں کی نعمتوں کی زیارت فرمائی۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور نور ﷺ جب سفر معراج کی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے تو جبرائیل اور براق ساتھ نہ تھے۔ آپ ﷺ یکتا و تنہا ہی اپنے خالق کائنات کے اذن سے روانہ ہوئے۔ اللہ رب العزت قادر مطلق نے اپنے مہمان عرش کی سواری کے لئے ایک سبز رنگ کا ملکوتی اور نورانی تخت بھیج دیا۔ اس تخت کا نام ”زخرف“ تھا۔ حضور نور رحمت دو عالم ﷺ کو عرش معلیٰ تک اللہ تبارک تعالیٰ کے حضور پہنچایا گیا۔

جب سدرۃ المنتہی کی منزل گزر چکی جب فرشتوں کا استقبال پیچھے رہ گیا تو آگے ایک نور تھا اور دیکھنے والے کو اس نور کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ جب حضور پر نور نبی کریم ﷺ کو اس نور میں غائب کر دیا گیا تو دیکھنے والی آنکھ آپ ﷺ کو دیکھنے سے قاصر تھی۔ اب کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ نور کیا ہے؟ کیسا ہے؟ کہاں سے ہے؟ کہاں تک ہے؟ کہاں جانے والا ہے؟ اس حصار نور میں داخل ہونے کے مہمان ذی حشم حضور نور رحمت دو عالم ﷺ نے عرش معلیٰ کی سیر کی۔ اس کے بعد مہمان مکرم کو بڑی عزت و وقار اور تمکنت کے ساتھ آگے لے جایا گیا۔

سدرۃ المنتہی سے وصال الہی تک سفر معراج کا نقطہ عروج ہے۔ یہاں سے سفر کا ایک نیا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ آگے ایک عالم نور تھا۔ انوار و تجلیات الہی پر فشاں تھے۔ اللہ رب العزت کی ذاتی اور صفائی تجلیات سے بھرپور عالم لامکاں کے جلوے ہر سو جلوہ ریز تھے۔ مہمان عرش حضور پر نور رحمت دو عالم ﷺ کو تنہا ان جلوؤں میں داخل کر دیا گیا۔

سب سے پہلے اللہ پاک کے اسماء کے پردے ایک ایک کر کے گزرتے رہے اور ہر اسم مبارک کے رنگ و نور سے حضور ﷺ کو گزارا گیا۔ حضور ﷺ عالم بیداری میں تھے لہذا اس عجیب سی کیفیت کو دیکھ کر بتقاضائے بشریت کچھ معمولی سی تنہائی بھی محسوس فرمانے لگے جو نبی حضور پر نور ﷺ کے قلب اقدس پر یہ کیفیت وارد ہوئی اللہ رب العزت کی طرف سے آواز آئی:

قف یا محمد ﷺ ان رب یصلی

پیارے محمد ﷺ رک جاؤ! بے شک تمہارا رب (استقبال کے لئے) قریب آ رہا ہے۔

(الیواقیت والجوہر جلد 2 صفحہ 35)

اُدُن منی کا خطاب

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور تاجدار کائنات سرکار دو عالم ہادی انس و جان رہبر کائنات رسول بحر و بر اصل الموجودات حاصل کائنات انسان کامل ﷺ نے فرمایا کہ حجاب کبریا کے جب نزدیک پہنچا تو آواز آئی اے میرے حبیب گزر جائیے۔ اس آواز کے سنتے ہی میں نے خیال کیا تو حجاب کبریا سے پار ہو گیا تھا اس کے بعد میں خطاب سنتا تھا۔ ادن منی میرے نزدیک آ جائیے۔“

جب ہی اس خطاب نے مخاطب ہوتا تھا ایک قدم اٹھاتا تھا۔ اور ہر قدم سے اتنا فاصلہ طے ہوتا تھا جتنا کہ اب تک زمین سے وہاں تک طے کیا۔ اور ہزار بار ادن منی کا خطاب سنا اور ہر خطاب پر قدم اٹھایا۔ اور زمین سے وہاں تک جتنی مقدار مسافت تھی ایک قدم سے ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ دنی کے مرتبہ سے مشرف پایا۔ اس کے بعد فتدلی پر ترقی پائی۔ اور وہاں سے فکان قاب قوسین کے خلوت خانہ میں پہنچا اور اوحی الی عبدہ ما اوحی کے اسرار اور راز و رموز سے محرم راز ہوا۔ (معارج النبوة جلد 3 صفحہ 153)

معجزہ معراج میں یہاں تک کا سفر سفر محبت و عظمت تھا۔ اب یہاں سے آگے سفر وصال شروع ہوتا ہے۔ سفر معراج کے اس مرحلہ پر مہمان عرش حضور پر نور رحمت دو عالم ﷺ مقام ”قاب قوسین“ پر پہنچ گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین أو أدنی

پھر (اس محبوب حقیقی سے) آپ قریب ہوئے اور آگے بڑھے۔ پھر (یہاں تک قریب بڑھے

قریب ہوئے کہ) صرف دو کماندوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ (سورۃ نجم آیت 8)

دوری اور دوئی کے تمام جھگڑے ختم کرنے کے لئے تمام حدوں کو توڑ دیا، تمام فاصلے مٹا دیئے، تمام فاصلے یکسر ختم کر دیئے سوائے ایک فرق کے کہ وہ خدا تھا.... خدائے لا شریک اور یہ اس کے محبوب بندے اور رسول تھے۔ وہ خالق تھا اور یہ مخلوق۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

فأوحی الی عبدہ ما أوحی

پس وحی کی اپنے بندے کی طرف جو کہ اس نے وحی کی۔ (سورۃ نجم آیت-10)

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ محبت اور محبوب کے درمیان تنہائی کی ملاقات میں جو باتیں ہوئیں ان کا بیان

بھی نہیں فرمایا۔ (الانجام)۔ یہی ہے کہ اس کا ہم کو حقیقت کا کسم کسو نہیں دے سکتا۔

بالا آیات پاک سے یہ ظاہر ہے کہ محبت اور محبوب دونوں ایک ہو گئے۔
اللہ کا درود

امام شعرانی فرماتے ہیں۔ کہ جب حضور انور نبی کریم ﷺ کو اکیلا پن محسوس ہوا۔ تو آپ ﷺ نے ایک آواز سنی جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز کے مشابہ تھی وہ آواز یہ تھی۔

یا محمد فان ربك يصلی
اے پیارے محمد (ﷺ) آپ توقف فرمائیے۔ آپ کا رب صلوٰۃ فرما رہا ہے۔
اس سے حضور پر نور ﷺ کے دل مبارک میں خیال گزرا کہ میرا رب نماز پڑھتا ہے۔ حتیٰ کہ حضور
انور ﷺ کو اس خطاب سے تعجب ہوا اور اکیلے پن کا خیال جاتا رہا۔
اس وقت اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا:

هو الذی یصلی علیکم وملائکتہ (سورہ احزاب آیت 43)
اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ فعلم عندک ما ہوا المراد بصلوٰۃ الحق
پس اللہ تبارک تعالیٰ کا یہ فرمان سن کر حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے جان لیا کہ صلوٰۃ سے مراد درود شریف ہے۔
پھر یہ آیت نازل ہوئی: هو الذی یصلی علیکم وملائکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور
اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ تاکہ آپ کو اندھیرے سے اجالے میں
لائے۔ (سورہ احزاب آیت 43)

ابوبکر بن فورک سے روایت کہ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ ای فی صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علی وملائکتہ
وامرہ بذالک (شفا شریف جلد 1 صفحہ 47) حضور انور نبی کریم ﷺ رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھوں کی
ٹھنڈک صلوٰۃ میں ہے۔ یعنی درود شریف میں ہے۔ وہ درود جو اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے فرشتے مجھ پر پڑھتے
ہیں۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ نے اس درود کے پڑھنے کا حکم فرمایا۔ (الشفا جلد 1 صفحہ 47)
قلموں کی آواز

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرج لی حتی ظہرت مستوی اسم فیہ

صریف الاقلام (مسلم شریف ج 1 صفحہ 93)

پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور ﷺ نے فرمایا پھر مجھے اور بلند کیا گیا حتیٰ کہ میں ایک بہت بلند مقام پر
چڑھ گیا۔ جہاں میں نے قلموں کی آواز سنی۔ (مسلم جلد 1 صفحہ 93)

حضرت شہاب الدین حفا جی لکھتے ہیں۔ انہ بلغ من الرفعة بمقام اطلع فیہ علی التکوین
وما یراد ویؤمر له من تقریر اللہ عزوجل آپ ایسے بلند مرتبہ پر پہنچے تو آپ نے تکوین اور اللہ تبارک

تعالیٰ کے احکام اور اس کی مراد پر اطلاع پائی۔ (نیم الریاض جلد 2 صفحہ 320)

التحیات کے رموز

پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور پر نور، نبی کریم، رؤف و رحیم ﷺ کو جب رب العزت سے کلام کا شرف حاصل ہوا۔ تو آپ نے ان الفاظ میں اللہ تبارک تعالیٰ کی حمد و ثناء ادا کی التحیات لله او الصلوات والطیبات (تمام عبادات قولی اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے ہیں اور تمام عبادات بدنی اور تمام عبادات مالی بھی اسی اللہ کے لیے ہیں۔ پھر حق تعالیٰ کی طرف سے یوں سلام ارشاد ہوا۔

السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته

(اے پیارے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ تبارک تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور انور ﷺ نے اس سوال کا جواب بارگاہ الہی میں یوں پیش کیا السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين (اے اللہ آپ کا سلام ہم پر اور اللہ تبارک تعالیٰ کے نیک بندوں پر نازل ہو) پھر ایک فرشتہ نے حضور پر نور ﷺ کے اس عظیم الشان مرتبہ کو دیکھ کر یہ کہا: اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله (میں گواہی دیتا ہوں عبادت کے لائق ایک ہی خدا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں بیشک حضرت محمد ﷺ اس کے مقدس بندے اور اس کے رسول ہیں۔) (نہایہ شرح بدایہ جلد 1 صفحہ 176، کبیری شرح منیہ صفحہ 320)

حدیث وضع الکف

عن عبدالرحمن بن عائش قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت ربي في احسن صورة قال فيما يختصم الملاء الاعلى قلت انت تعلم قال فوضع كفه بين كتفي فودت بردها بين ثديي فعلمت ما في السموات والارض وتلاو كذلك نرى ابراهيم ملكوت السموات والارض وليكون من الموقنين (مشکوٰۃ شریف ج 1 صفحہ 69)

عبدالرحمن بن عائش سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم، حضور انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب تعالیٰ کو اچھی صورت میں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ فرشتے کس بات میں بحث کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ تو ہی خوب جانتا ہے۔ حضور پر نور ﷺ نے فرمایا کہ پھر میرے رب تعالیٰ نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان میں رکھا میں نے اس کے وصول فیض کی سردی اپنے دونوں پستانوں کے درمیان محسوس کی پس جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے میں نے جان لیا۔ (مشکوٰۃ جلد 1 صفحہ 69)

یاد رہے کہ وضع کف (رحمت کا ہاتھ رکھنا) مزید فضل عنایات اور نوازشات خاص یر دلالت کرتا ہے۔ اور سردی کا پانا وصول اثر فیض اور حصول علم سے کنایہ ہے۔

اب یہاں اس مذکورہ حدیث شریف کی شرح تحریر کی جاتی ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ ج 1 صفحہ 463) میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں جس کا حاصل یہ ہے۔

کہ اس فیض کے حاصل ہونے کے سبب سے میں نے وہ سب کچھ جان لیا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے یعنی جو کچھ اللہ تبارک تعالیٰ نے تعلیم دی۔ ان چیزوں میں سے جو آسمان اور زمین میں ہیں ملائکہ اور اشجار وغیرہا سے۔ اور یہ عبارت حضور پُر نور ﷺ کی وسعت علمی پر دلائل کرتی ہے۔ جو اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ پر مفتوح فرمایا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”مَافِی السَّمَوَاتِ“ سے آسمانوں بلکہ ان سے بھی اوپر کی تمام کائنات کا علم مراد ہے جیسا کہ معراج کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور ”أَرْضُ“ بمعنی جنس ہے یعنی وہ تمام چیزیں جو ساتوں زمینوں میں بلکہ جو ان سے بھی نیچے ہیں۔

عرش سے تحت الثریٰ تک اللہ تبارک تعالیٰ کی جتنی مخلوق ہے اس تمام مخلوق کی عقلوں سے اللہ تبارک تعالیٰ نے اس پوشیدہ وحی کے بھید کو ما اوحی فرما کر مبہم کر دیا اس لیے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے حبیب خاص پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ کو جو وحی کی اس کو کسی نے نہ سنا جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ محبت اور محبوب کے درمیان جو راز ہوتا ہے اس پر ان دونوں کے سوا کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا۔

اور پھر واپسی پر حضور ﷺ کو امت کے لئے پچاس نمازوں کا تحفہ عطا کیا گیا جسے لے کر آپ ﷺ اللہ تبارک تعالیٰ کی ذاتی وصفاتی تجلیات اور تمام فیوض و برکات سمیت واپس کرۂ ارضی کی طرف پلے صدیوں پر محیط سفر معراج چشم زدن میں طے ہو گیا۔ براق پر مکہ معظمہ میں واپسی ہوئی صحن حرم میں تشریف لائے پھر تہجد کے وقت اٹھے حدیث پاک میں آتا ہے۔

فاستيقضت وأنا بالسجد الحرام

(ملاء اعلیٰ اور ملکوتی مشاہدہ سے وارد شدہ استغراق کی کیفیت سے) واپس پلٹا تو مسجد حرام میں تھا۔

(الغناء جلد 1 صفحہ 246)

دیدار الہی

آیات معراج کی تشریح کرتے ہوئے کچھ علماء تفسیر رویت کے بارے میں سخت مغالطے کا شکار ہوئے ہیں اور وہ آیات کریمہ میں ”دو کمانوں یا اس سے بھی کم کے باہمی قرب کو“ حضور پُر نور ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے درمیان قرب سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ روایت باری تعالیٰ کو خارج از امکان دیتے ہوئے اس گمان میں مبتلا ہیں کہ مقام ”دنی فتدلیٰ اور قاب قوسین او ادنیٰ“ پر حضور انوار ﷺ کو جبرائیل علیہ السلام کا قرب اور اصل صورت میں دیدار نصیب ہوا۔

اس سے متعلق احادیث اور قرآن حکیم کی آیات پاک پر مشتمل اس تحقیق کو غور سے پڑھیے انشاء اللہ آپ صحیح نتیجہ یا صحیح بات یا حق پر پہنچ جائیں گے۔

اسی باب میں وہ حدیث پاک جو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور جسے علماء کرام نے سب سے زیادہ محفوظ اور اعلیٰ پایہ کی قرار دیا ہے۔ (الشفاء جلد 1 صفحہ 236) اس کا متعلقہ عربی متن اور اس کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ میں کتاب کی صحامت اور موضوع کی غیر ضروری طوالت کے پیش نظر اس حدیث کو یہاں نقل نہیں کر رہا ہوں بلکہ آپ سے گزارش کر رہا ہوں کہ

اس حدیث کے خط کشیدہ جملوں کو دوبارہ غور سے پڑھیے۔ حقیقت حال روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ ساتویں آسمان تک تو جبرائیل گئے۔ یہاں تک کے لیے ”عُذِّجَ بَنَّا“ جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی رہی اس کے آگے جبرائیل کی حد پرواز ختم ہو گئی اور حضور پر نور ﷺ کو اس سے آگے اکیلے لے جایا گیا، اس لیے ”ذُہِبَ بِي“ میں واحد متکلم کی ضمیر استعمال کی گئی۔ پھر فاوخی الی عبدہ ما اوخی اور فاوخی الی ما اوخی میں جو یکسانیت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ وحی کرنے والا اللہ تبارک تعالیٰ ہے اور اس مقام پر وحی کی جارہی ہے جہاں جبرائیل امین کی مجال نہیں۔ پھر ”فرض“ کا فاعل خود اللہ تبارک تعالیٰ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب ملاقات ہوتی ہے تو وہ بارگاہ الہی میں لوٹنے کا مشورہ دیتے ہیں جبرائیل کے پاس لوٹنے کا نہیں۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور رؤف و رحیم ﷺ فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ عزت و جلال میں شرف باریابی حاصل کرتا رہا۔

دُنِّی فِتْنَتِی فِکَانَ قَابِ قَوْسِیْنِ اَوْ اِدْنِیْ فَاَوْحِیْ اِلَیْ عَبْدِہِ مَا اَوْحِیْ مَا کَذَبَ الْفَوَادِ
مَا رَأَیْ.... وَلَقَدْ رَآہُ نَزْلَةً اٰخَرٰی

ان کلمات طیبات میں آپ جتنا غور کریں گے حقیقت آشکار ہوتی چلی جائے گی۔

نویں مرتبہ جب بارگاہ رب العزت میں حاضری ہوئی تو صرف پانچ نمازیں ہی معاف نہیں کیں بلکہ مزید کرم یہ فرمایا کہ اے حبیب! تیری امت کا کوئی فرد اگر نیکی کا ارادہ کرے گا تو اسے ایک ثواب دوں گا اور اگر عمل کرے گا تو دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھوں گا۔ لیکن اگر برائی کا ارادہ کرے گا تو اس کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب گناہ کر بیٹھے گا تو فقط ایک گناہ لکھا جائے گا۔ قربان جائے انسان! اللہ تبارک تعالیٰ کے محبوب کی نیاز مند یوں پر اور قربان جائے انسان! اس کے رب کریم کی بندہ نوازیوں پر۔

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تبارک تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر میں پانچ نمازیں ہی فرض کی جائیں گی تو پھر پہلے پچاس فرض کرنے میں کون سی حکمت ہے۔ اس میں بھی اپنے بندوں کو اپنے محبوب کے امتیوں کو یہ بتایا مقصود ہے کہ یہ سارا لطف و کرم اس محبوب کریم ﷺ کے صدقے تم پر ہوا ہے۔ اگر اس کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو تمہارے کندھوں پر بار گراں لا دیا جاتا۔

اس کے بعد یہ چیز بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تبارک تعالیٰ کے محبوب نے تخفیف کے لئے التجا کی تو ایک بار ہی پینتالیس نمازیں کیوں نہ معاف کر دی گئیں؟

اس راز کو صرف اہل محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ کو یہ ادا بہت ہی پسند ہے کہ میرا حبیب مانگتا جائے میں دیتا جاؤں۔ وہ بار بار دامن طلب پھیلاتا جائے اور میں اس کو بھرتا جاؤں۔ اس بار بار کی باہم کلامی میں اس بار بار کے مانگنے اور بار بار کے دینے میں جو لذت و سرور ہے اس سے ہر کوئی لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ یہ محبت کی شان ربوبیت شان کریمہ تھی اور محبوب کی کامل عبدیت کا مظاہرہ تھا یعنی کہ محبت و محبوب بار بار دیدار و کلام سے محفوظ ہو رہے تھے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر حاضر ہونے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا نہ مجھے اب اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میری امت ایسی نا اہل ہے اور اتنی ناشکر گزار ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں پانچ بار بھی اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہیں ہوگی۔ ہم غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کا فرض ہے کہ حدیث کے اس آخری جملے کو کبھی فراموش نہ کریں۔ اب آئیے ایک اور حدیث بلا حلف فرمائیے۔

”ثم مرتت بابرہیم علیہ السلام فقال مرحبا بانلی اصالح والابن الصالح قال قلت من هذا قال هذا ابرہیم۔ قال ابن شہاب واخبرنی ابن حزم ان ابن عباس و ابا حبة الانصاری یقولان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم عرج بی حتی ظہرت لمستوی لسمع فی ہ صریف الاقلام قال ابن حرم و انس بن مالک قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ففرض اللہ علی امتی خمین صلوة قال فرجعت بذلك حتی امر بموسیٰ علیہ السلام وقال موسیٰ ماذا فرض ربك علی امتك قال قلت فرض علیہم خمین صلوة قال لی موسیٰ فراجع ربك فان امتك لاتطبق ذلك قال فرجعت ربی فوضع شطرھا

”حضور فرماتے ہیں پھر میں ابراہیم کے پاس سے گزرا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے نبی صالح مرحبا! اے فرزند ارجمند خوش آمدید! میرے پوچھنے پر جبرائیل نے بتایا یہ ابراہیم ہیں۔ ابن شہاب کہتے ہیں مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوجہ انصاری کہا کرتے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہاں سے مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے مجھے اقلام تقدیر کے چلنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ ابن حزم اور انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا وہاں اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب میں لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ ان پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ کر

جاؤ۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ چنانچہ میں اپنے رب کے حضور میں لوٹ کر گیا اور کچھ حصہ معاف ہوا.... الخ“ (مسلم شریف صفحہ 93، مشکوٰۃ شریف متفق علیہ)

ان خط کشیدہ جملوں کو ذرا غور سے پڑھئے۔ کیا جس مقام کا یہاں ذکر ہے وہاں حضرت جبرائیل موجود تھے؟ کیا ان کی رسائی وہاں ممکن تھی؟ کیا نمازوں کی فرضیت میں حضرت جبرائیل واسطہ تھے یا بار بار کی تخفیف میں جبرائیل کا کوئی اور واسطہ تھا؟ اب یہ آپ کے ذوق عقل و سمجھ پر منحصر ہے کہ آپ علمہ شدید القویٰ سے لے کر مازاغ البصر وما طفی تک کی آیات مبارک کو حضرت جبرائیل پر منطبق کرتے ہیں یا ان احوال و واقعات پر جو زبان رسالت مآب ﷺ سے ان احادیث صحیحہ میں ذکر کیے گئے ہیں۔

قارئین کرام!

اسی باب ”بیان معراج“ میں آپ یہ درج ذیل احادیث پڑھ آئے ہیں کہ

۱۔ معراج پر لانے کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا اور ہدایت فرمائی کہ میرے محبوب کو نہایت ادب سے بیدار کرنا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہلکی اور خفیف نیند میں ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ جب میں اس سوچ میں تھا کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین ادب سے کیسے جگاؤں تو مجھے الہام ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کی تلیوں کو بوسہ دے دوں۔ جب میں نے اپنے لب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کی کف پر رکھے تو کافور کی ٹھنڈک (برودت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کف پا کو محسوس ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ میں نے اس وقت جانا کہ کافور سے میری سرشت کا سبب یہ تھا کہ میں معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت ادب سے بیدار کر سکوں۔

۲۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے سدرۃ المنتہیٰ میں اپنی آخری حد پر پہنچ جانے کے بعد عرض کی۔ یا رسول اللہ مجھے آگے پرواز کی طاقت نہیں اس لئے کہ ہم فرشتوں میں کوئی ایسا نہیں جسے اپنا خاص مقام معلوم نہ ہو۔ اس حد سے اگر میں انگلی کے ایک پورے کی مقدار بھی قریب ہوں گا تو میرے پر جل جائیں گے۔ اس وقت پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو قابو کر کے ایک قدم چلے۔ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے جلال سے حضرت جبرائیل علیہ السلام سکڑ کر چڑیا کے برابر ہو گئے۔

۳۔ روایت ہے کہ اس ایک قدم میں پانچ سو سال کی راہ طے ہو چکی تھی۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کی یہ مجبوری سن کر پیغمبر اول و آخر و اعظم تاجدار کائنات سرکار دو عالم انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے کرم فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا اور ایک اشارہ میں جبرائیل امین کو سدرۃ المنتہیٰ میں اپنے

اصل مقام پر پہنچا دیا۔

۴۔ اور پھر اس کے بعد کے فاصلے سدرۃ المنتہیٰ کی آخری حد سے ”فکان قاب قوسین“ تک کے کھربوں نوری سال کے فاصلے پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا طے فرمائے۔

ان مندرجہ بالا چار نکات کو بار بار پڑھیے۔ یہ آپ پر روزِ روشن کی طرح واضح کر دیں گے کہ ساری افضلیت، عظمتیں، رفعتیں، شانیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصل الموجودات، حاصل کائنات، انسانِ کامل (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہیں، کے لئے ہیں اور حضرت جبریل امین علیہ السلام تو اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق کے حکم و اذن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت گزار ہیں۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

سورہ بنی اسرائیل کی آیت 70 میں خالق و مالک کا ارشاد مبارک یوں ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝

ترجمہ: ”اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی، اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔“

اس آیت مبارک کی تشریح میں حسن کا قول ہے کہ اکثر سے کل مراد ہے اور اکثر کا لفظ کل کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس آیت مبارک کی تشریح میں حسن کا قول ہے کہ اکثر سے کل مراد ہے اور اکثر کا لفظ کل کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں اور بھی کئی جگہ ارشاد ہوا ”واکثرهم کذبون اور ما یبع اکثرهم الا ظنا“ میں اکثر یہ معنی کل ہے لہذا ملائکہ بھی اس میں شامل ہیں اور خواص بشر یعنی انبیاء کرام علیہم السلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور صلحائے بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ مومن اللہ کے نزدیک ملائکہ سے زیادہ کرامت رکھتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فرشتے طاعت و مجبول ہیں، یہی ان کی سرشت ہے۔ ان میں عقل ہے شہوت، لذات و خواہشات نہیں اور بہائم یعنی جانوروں میں شہوت و لذات ہیں عقل نہیں اور آدمی عقل اور شہوت دونوں کا جامع ہے۔ تو جس نے عقل کو شہوت پر غالب کیا وہ ملائکہ سے افضل ہے اور جس نے شہوت کو عقل پر غالب کیا وہ جانوروں سے بدتر ہے۔

بھلا پیغمبرِ اول و آخر و اعظم، اصل الموجودات، انسانِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی اور انسان یا کسی اور مخلوق کا کیا موازنہ کیا مقابلہ کیا ذکر؟

اور یہی نکات ان لوگوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے کافی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ معراج کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک تعالیٰ کا دیدار نہیں فرمایا بلکہ آیاتِ ربانی میں مذکور دیکھنے کو وہ حضرت جبریل علیہ السلام کو دوبار اس کی اصل شکل میں دیکھنے پر تعبیر کرتے ہیں۔ بھلا جبریل امین کو ان کی اصل شکل میں ہزار بار بھی دیکھ لینے کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے وہ ایسا اپنے طور پر تو نہیں کرتے وہ تو سب کچھ اللہ کے حکم و اذن سے

کرتے ہیں۔

قابلِ غور امر یہ ہے کہ بفرض محال اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو کیا وہ قرب حضرت جبرائیل علیہ السلام کی عظمت کا آئینہ دار ہے یا حضور پر نور ﷺ کی عظمت کا عکاس، جنہیں خالق و مالک کائنات نے بطور مہمان خصوصی معراج کے لئے بلوایا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام ان گنت بار حضور انور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور وہ بارگاہِ کریم نبوی ﷺ میں بغیر اجازت داخل نہ ہوتے تھے۔ اگر معراج میں جبرائیل علیہ السلام کی عظمت کا اظہار مقصود ہوتا تو فی الواقع یہ معراج حضور ﷺ کی بجائے جبرائیل علیہ السلام کی ہوتی۔

صحیح بخاری میں آیہ کریمہ مذکورہ کی تفسیر ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

دنی الجبار رب العزة فتدلی حتی کان منه قاب قوسین او ادنی
اللہ رب العزت اتنا قریب ہوا کہ دو کمانوں کے درمیان جتنا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

(صحیح البخاری 1120:2، کتاب التوحید رقم 7079)

حدیث مبارکہ سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں وہ ذات جو حضور پر نور نبی کریم ﷺ کے قریب ہوئی اس سے مراد رب العزت ہے جو جبار ہے۔

انکارِ رویت

علماء میں ایک ایسا گروہ ہے جن کا عقیدہ ہے کہ معراج میں حضور انور نبی کریم ﷺ کو اللہ تبارک تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوا۔

قرآن حکیم کی جس آیت مقدسہ کو رویتِ باری تعالیٰ کے عدم امکان کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے وہ سورہ انعام کی آیت 103 ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (سورہ انعام آیت 103)

ترجمہ: نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ سب نگاہوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

مذکورہ آیت پاک کا بالعموم یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ کسی آنکھ کو اتنی قدرت حاصل نہیں کہ وہ اللہ تبارک تعالیٰ کا دیدار کر سکے۔ اس آیت سے یہ معنی مراد لینا اسے نہ سمجھنے کے مترادف ہے اس لیے کہ اس میں رویت کا نہیں بلکہ ادراک کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور آیت کا معنی یہ ہوا کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ سب آنکھوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ اور ادراک دیکھنے کے معنی میں نہیں بلکہ کسی شے کے احاطہ کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ دیکھنا اور بات ہے اور کسی چیز کا احاطہ کرنا دوسری بات ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں رب ذو الجلال نے اپنے دیکھے جانے کی نفی نہیں کی بلکہ ارشاد یہ ہوا ہے کہ عالم امکان میں ساری آنکھیں بھی مل کر اس کی ذات پاک کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں اور صرف اسی کی ذات ہر

چیز کا احاطہ کرنے پر قادر ہے۔ لہذا ادراک سے دیکھنا مراد لے کر آیت کا یہ معنی نکالنا کہ اللہ تبارک تعالیٰ کا دیدار کسی آنکھ کے لئے ممکن ہی نہیں قطعاً درست نہیں۔

اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے ایک مثال یوں دی جاسکتی ہے۔ ایک مقرر بہت بڑے مجمع سے خطاب کر رہا ہے۔ مجمع دور تک پھیلا ہوا ہے جسے وہ دیکھ تو سکتا ہے لیکن سب حاضرین جلسہ کا وہ احاطہ نہیں کر سکتا۔ جو لوگ سامنے اس کے قریب ہیں انہیں وہ دیکھتا ہے لیکن جو لوگ پس دیوار ہیں وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ اس سے یہ نکتہ کھلتا ہے کہ کوئی محدود وجود غیر محدود وجود کو دیکھ تو سکتا ہے مگر اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

کسی جزو کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ وہ کل کا احاطہ کر سکے۔ پس ذات خداوندی جو غیر محدود اور کل ہے اس کا احاطہ سب انسانی آنکھیں جو محدود اور جزو ہیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں جب کہ وہ ذات ہر شے کا احاطہ کرنے پر قادر ہے۔ اس ساری گفتگو سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار اور مشاہدہ عین ممکن ہے مگر اس کا ادراک ممکن نہیں۔

اس سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ کے برگزیدہ صحابی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جن کی قرآن فہمی مشہور خاص و عام تھی اور جنہیں صاحب قرآن نے ترجمان القرآن کے خطاب سے نوازا تھا انہوں نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو مذکورہ آیت سے نفی روایت کی دلیل لاتے تھے اختلاف کیا اور فرمایا کہ اس آیت میں روایت کی نہیں بلکہ ذات باری تعالیٰ کے ادراک کی نفی کی گئی ہے۔

دوسری آیت کریمہ نفی روایت کے لئے جس کا سہارا لیا جاتا ہے وہ سورہ شوریٰ کی آیت مبارک 51 ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا

ترجمہ: اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اللہ اس سے (براہ راست) بات کرے مگر ہاں (اس کی تین صورتیں ہیں یا تو) وحی (کے ذریعے) یا پردے کے پیچھے سے یا (اللہ) کسی فرشتے کو بھیج دے۔

(سورہ شوریٰ آیت 51)

علماء نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ کسی بشر کی مجال نہیں کہ وہ بے حجاب اللہ تبارک تعالیٰ سے ہم کلام ہو سکے اس لئے اس کا دیدار بے حجاب ممکن ہی نہیں۔ اس دلیل کی بنا پر وہ تسلیم نہیں کرتے کہ شب معراج حضور انور ﷺ نے ذات باری تعالیٰ کا بے حجاب دیدار کیا۔

اس آیت کو سمجھنے میں بھی ان سے وہی مغالطہ سرزد ہوا جو سابقہ آیت پاک کو سمجھنے میں ہوا تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ آیت کریمہ میں بے حجاب کلام کی نفی کی گئی ہے نہ کہ بے حجاب مشاہدے کی جب کہ اس میں دیدار اور مشاہدے کا نہیں بلکہ بے حجاب کلام کا ذکر ہے اور یہ تو نہیں کہا گیا کہ اللہ کو طاقت نہیں کہ وہ اپنا دیدار کسی کو بے حجاب کرا سکے۔ چونکہ اس آیت میں اللہ تبارک تعالیٰ کی نہیں بلکہ بشر کی طاقت کی نفی کی جارہی ہے اس لیے اسے شب معراج حضور پر نور ﷺ کے دیدار الہی کے نفی کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

منکرین رویت باری تعالیٰ اس حدیث کا حوالہ بھی اپنے حق میں دیتے ہیں جس میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب ان سے معراج میں حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار الہی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ جب حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا:

نورانی ارادة

وہ تو نور تھا میں بھلا اسے کیسے دیکھ سکتا تھا۔ (صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 99 کتاب الایمان رقم 291)

اس حدیث مبارکہ کا ترجمہ بالعموم یہی کیا جاتا ہے اور اسی سے وہ نئی رویت کا استدلال کرتے ہیں۔ اگر ہم گہرائی میں جا کر پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی پر غور کریں تو اس کا یہ معنی نہیں جو بازی النظر میں سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے اگلی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ

رایت نوراً۔

میں نے نور کو دیکھا۔ (صحیح مسلم جلد 1 صفحہ 99 کتاب الایمان رقم 292)

اس کی روشنی میں متذکرہ بالا حدیث کا معنی یہ ہوا کہ میں نے جس طرف سے بھی دیکھا اسے نور پایا۔ یہ معنی نہیں کہ وہ نور تھا میں اسے کیسے دیکھ سکتا تھا۔ ”رایت نوراً“ کے الفاظ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حضور پر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دیدار الہی کا اثبات کرتے ہوئے اس کی کیفیت بیان کر رہے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ کو جس طرف سے بھی دیکھا اسے ہر جہت سے نور علی نور پایا۔

حضور انور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا دیدار کیا تو اس کے جلوہ ذات کی کیفیت کو نور کی مانند پایا جس نے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ یہی ”نورانی ارادہ“ کا مفہوم ہے اور اس کی کیفیت کو جس کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج مشاہدہ کیا دیدار الہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

رویت کا امکان

رویت اللہ تبارک تعالیٰ کے ضمن میں یہ خیال عام ہے کہ اس دنیا میں اللہ کو دیکھنا ممکن نہیں ہے اور بطور انعام دیدار الہی محض آخرت کا حصہ ہے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم کی دو آیات کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہوگا جس سے اس دنیا میں دیدار الہی کی امکانی صورت واضح ہو جائے گی۔

اس سے متعلقہ قرآن کریم کی پہلی آیت کا ذکر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا بارگاہ رب العزت میں دیدار کے لئے خواستگار ہونا ہے۔ وہ سراپا سوال بن کر اللہ تبارک تعالیٰ کے حضور استدعا کرتے ہیں۔ جو سورہ اعراف کی آیت 143 میں یوں ہے

رَبِّ ارْنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے دکھا کہ میں تیرے پاس کیسے پہنچاؤں گا۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی جنہیں بارہا اپنے رب سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا ہے اس بات سے آگاہ نہیں تھے کہ وہ دیدار الہی کا مطالبہ کر کے ایسی چیز کا تقاضا کر رہے ہیں جو سرے سے ممکن ہی نہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رویت باری تعالیٰ کے عدم امکان کے بارے میں بے خبر ہونا بعید از فہم ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا بار بار اللہ کے حضور دیدار کا تقاضا کرنا اس بات کی غمازی کرتا ہے اس حقیقت کی دلیل مبین ہے کہ علی وجہ البصیرت ان کا اعتقاد تھا کہ اللہ تبارک تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں عین ممکن ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ سرطور ”رب ارنی“ کی صدا بلند کرتے رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس التجا کے جواب میں اللہ تبارک تعالیٰ نے جو ارشاد فرمایا وہ بھی غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ خالق و مالک کائنات کی طرف سے اپنے کلیم کو خطاب فرمایا گیا جس کا ذکر سورہ اعراف کی آیت 143 میں یوں ہے:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ لَا قَالَ رَبِّ ارْنِي أَنْظُرَ إِلَيْكَ ۖ قَالَ لَنْ تَرَانِي
وَلَكِنْ أَنْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ
دُكَّانًا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۖ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَنَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

ترجمہ: تم مجھے (براہ راست) ہرگز دیکھ نہ سکو گے۔ (سورہ اعراف آیت 143)

جواب کی نوعیت پر غور کریں تو اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ مجھے قطعاً دیکھا نہیں جاسکتا بلکہ ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! تیری آنکھ مجھے دیکھنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ یہ نہیں کہا کہ کوئی آنکھ مجھے دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ اس سے امکان رویت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس ارشاد رب للعالمین میں اس حقیقت کی مثبت جھلک موجود ہے کہ میرے دیدار کا شرف معراج کی شب صرف میرا حبیب ﷺ حاصل کرے گا۔ قضا و قدر نے یہ شرف و امتیاز پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور سرکار کائنات اصل الموجودات انسان کامل سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے حصے میں رکھا ہے۔ یہی سبب تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی التجا کو شرف پذیرائی نہ بخشا گیا کیونکہ اس سعادت کے لئے ازل سے حضور پر نور نبی کریم ﷺ کی ذات ستودہ صفات کو منتخب کیا جا چکا تھا۔

دوسری آیت پاک میں اہل جنت کے لئے مژدہ ہے کہ انہیں اللہ رب العزت اپنے دیدار سے نوازیں گے۔ سورہ قیامت کی آیات 22، 23 میں ارشاد ربانی ہے:

وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝

ترجمہ: کتنے چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اپنے پروردگار کے دیدار میں محو ہوں گے۔

(سورہ قیامت آیت 22، 23)

اللہ تبارک تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اہل جنت کے تروتازہ چہروں پر بشارت کی لہر دوڑ جائے گی جب انہیں اللہ تبارک تعالیٰ کا مدار عام بے حجاب کرنا جائے گا۔ پیغمبر اول و آخر و اعظم مخر صادق حضور پر نور نبی کریم

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین

رووف ورحیم رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا کہ آخرت میں اللہ تبارک تعالیٰ کے بے حجاب دیدار سے بڑھ کر اور کوئی نعمت اہل ایمان کے لئے نہ ہوگی۔

رویت باری تعالیٰ پر متفق علیہ حدیث

پیغمبر اول و آخر و اعظم ہادی انس و جان رسول بحر و بر رہبر کائنات سرکارِ دو عالم حضورِ انور حضور پر نور نبی کریم رووف ورحیم رحمۃ للعالمین حبیب رب العالمین تاجدارِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

انکم سترون ربکم عینا

بے شک تم اپنے رب کو اعلانیہ دیکھو گے۔ (صحیح بخاری 2: 1105، کتاب التوحید رقم: 6998، مسند احمد بن حنبل 3: 16)

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ چودھویں کے چاند کی رات ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

انکم سترون ربکم یوم القيامة کما ترون القمر هذا

تم اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو۔

(صحیح البخاری 2: 1106، کتاب التوحید رقم: سنن ابی داؤد 2: 302، کتاب السنۃ رقم: 4729، سنن ابن ماجہ 1: 63، رقم: 177، مسند احمد بن حنبل 4: 360)

اس سے روز روشن کی طرح ظاہر اور واضح ہے کہ مندرجہ بالا ارشادات پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ کی رو سے دیدار رب العزت کی نفی مطلقاً نہیں ہوتی۔

اور اگر بالفرض اس کے عدم امکان کو تسلیم کر لیا جائے تو منطق کے اصول کے مطابق جو چیز اس جہاں میں ناممکن ہے وہ عالم اخروی میں بھی ناممکن ہے۔ لیکن پیغمبر اول و آخر و اعظم حضورِ انور نبی کریم رووف ورحیم ہادی انس و جان رہبر کائنات رسول بحر و بر سرکارِ دو عالم حبیب رب العالمین عالم خفا و غیوب مخبر صادق رحمت للعالمین ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق اہل جنت کے لئے کامیاب لوگوں کے لئے سب سے بڑی نعمت و راحت قادر مطلق اللہ تبارک تعالیٰ کا دیدار ہی ہوگا۔

سورۃ نجم کی آیات معراج میں چار مقامات ایسے ہیں جن میں ذات باری تعالیٰ کے حسن مطلق کے دیدار کا ذکر کیا گیا ہے۔ (سورۃ نجم آیات 8، 9)

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ۝

ترجمہ: پھر قریب ہوا (اللہ محمد ﷺ سے) پھر زیادہ قریب ہوا تو (محمد ﷺ اپنے رب سے) دو

کمانوں کی مقدار (نزدیک) ہوئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب۔ (سورۃ نجم آیات 8، 9)

ارشاد ربانی میں اس انتہائی درجے کے قرب کی نشاندہی کی گئی ہے جس کا حتمی نتیجہ اور نقطہ منتہی سوائے

ویدار الہی کے اور کچھ قرین فہم نہیں۔ اس کے بعد سورہ نجم کی آیت 11 میں فرمایا

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى ○

ترجمہ: قلب مبارک نے اس کے خلاف نہ کہا جو (چشم اقدس نے) دیکھا۔ (سورہ نجم آیت 11)

قرآن حکیم نے یہ واضح فرمادیا کہ شب معراج پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمال ذات باری تعالیٰ کا مشاہدہ دل کی آنکھ سے بھی کیا اور سر کی آنکھ سے بھی۔

علماء امت کی تصریحات

حدیث طبرانی میں ہے کہ

ان محمد راى ربه مرتين مرة بعينه ومرة بفواده

ترجمہ: حضور ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ آنکھ سے اور ایک مرتبہ دل سے۔

(كعجم الكبير 71: 12 رقم 12564 ، المعجم الاوسط 356: 6 رقم 575 ، المواب اللدني 37: 2 ، نشر الطيب 55)

اس حدیث پاک سے رویت اللہ تبارک تعالیٰ کے بارے میں اوپر درج کی گئی قرآنی آیات کے مضمون کی بخوبی تائید ہوتی ہے۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ جیسے برگزیدہ اصحاب رسول کی صحبت سے فیض یافتہ نامور تابعی ہیں، ان سے ایک بار حضور انور نبی کریم ﷺ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آیا انہوں نے معراج کی شب ذات باری تعالیٰ کا دیدار کیا؟ تو انہوں نے تین بار قسم کھا کر اس بات کا اقرار کیا کہ ہاں انہوں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔

اسی طرح جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت باری تعالیٰ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے تین باریہ الفاظ دہرائے 'قد رای ربہ یعنی کہ انہوں نے اپنے رب کو دیکھا' یہاں تک کہ ان کی سانس پھول گئی۔

یہ خیالات و معتقدات سب ممتاز اور قابل ذکر صحابہ کرام، صحابیات رضی اللہ عنہن، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کرام کے ہیں۔ قرآن حکیم نے رویت باری کی تائید فرماتے ہوئے شک کرنے والوں سے پوچھا۔ (سورہ نجم کی آیت 12 میں)

اَفْتَمَارُونَهُ عَلٰی مَا يَرٰى ۝

ترجمہ: کیا تم ان سے اس پر جھگڑتے ہو جو انہوں نے دیکھا۔ (سورہ نجم آیت 12)

حضورِ مکیؐ کی چشمانِ مبارک جو دیدارِ الہی کے شرف سے مشرف ہوئیں، کائناتِ ساوی کا ایک ایک نقشِ جن میں ثبت ہے اور یہی چشمانِ مقدس سدرۃ النستہی کے جمال کا عینی شاہد ہیں۔

کلام ربانی میں آقائے دو جہاں تاجدارِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ کی ان مبارک آنکھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو اپنے حوصلے، اعتماد، ہمت اور عزم و یقین کے باعث اس ارشادِ ربانی کا مصداق ٹھہریں۔ یعنی کہ ”ما زاع“ کی صفت سے نوازی گئیں۔ سورہ نجم آیت 17 میں اس کا ذکر مبارک ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ۝

ترجمہ: نگاہ جھپکی نہ حد سے بڑھی (جس کو دیکھنا تھا اس پر جمی رہی) (سورہ نجم آیت 17)

سرورِ دو جہاں، ہادیِ انس و جاں پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تبارک تعالیٰ نے ظاہری آنکھ کے علاوہ ایک آنکھ باطنی دل کی بھی عطا فرمائی تھی۔ جب ساعت دیدار آئی تو آپ ﷺ کو ظاہری جلوہ اور باطنی جلوہ دونوں نصیب ہوئے جیسا کہ سورہ نجم کی آیت 13 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ۝

ترجمہ: اور بیشک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور دیکھا۔ (سورہ نجم آیت 13)

معراج مشاہدہ حق کے وقت اس میں نہ صرف اضمحلالِ واقع نہ ہوا بلکہ وہ کمالِ ہوش کے ساتھ مشاہدہ جمال میں محو رہی۔

حضرت سہل بن عبد اللہ التستری رحمۃ اللہ علیہ اسی مشاہدہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

شاهد نفسه والى مشاهدتها وانما كان مشاهدا ربه تعالى بشاهد ما يظهر عليه

من الصفات التي اوجبت الثبوت في ذلك المحل

اس طرح مستغرق ہوئے کہ سوائے ذاتِ باری اور صفاتِ الہیہ کے کسی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

(روح المعانی پارہ 27، صفحہ 54)

اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تجلیِ الہی کی ایک جھلک بھی برداشت نہ کر سکے اور صفاتی تجلی کے انعکاسی شعاع کے اثر سے آپ علیہ السلام کا خرمن ہوش جل گیا۔

قرآن آگے چل کر رویتِ آیاتِ الہیہ کے باب میں حضور ﷺ کے کمالِ بصارت کا ذکر سورہ نجم کی آیت 18 میں بایں الفاظ کرتا ہے۔

لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ۝

ترجمہ: بیشک آپ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (سورہ نجم آیت 18)

آپ ﷺ کی بصارت اس درجہ طاقت و وسعت کی حامل تھی کہ شبِ معراج مشاہدہ حق، دیدارِ اللہ تبارک تعالیٰ کے وقت اس میں کسی قسم کی کوئی در ماندگی یا اضمحلال واقع نہ ہوا بلکہ وہ تمام ہوش و دلچسپی کے ساتھ مشاہدہ جمال حق میں محو رہے۔

اور اللہ تبارک تعالیٰ قادر مطلق کا اپنے محبوب پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ﷺ کو عرشِ عظیم پر بلانے کا بنیادی مقصد اپنی ذات پاک سے متعلق آیات کا دکھانا مقصود تھا جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل (سورۃ اسراء) کی پہلی آیت مبارک میں فرمایا گیا ہے۔ اور اپنی مخلوق کی آیات دکھانا مقصود نہ تھا۔

اور مخلوق کی آیات تو سدرۃ المنتہیٰ سے پہلے پہلے کی تھیں اور اس وقت تک کی تھیں جب پیغمبرِ اول و آخر و اعظم ہادی النور و جان رہبر کائنات سرکارِ دو عالم سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضور پر نور حبیب رب العالمین حضور انور نبی کریم رؤف و رحیم اصل الموجودات حاصل کائنات انسان کامل ﷺ نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کی مجبوری سن کر ایک اشارے سے اُسے سدرۃ المنتہیٰ میں اس کے مقام پر پہنچا دیا۔ اس کے بعد اب جب آپ ﷺ نے اللہ تبارک تعالیٰ کے حکم و اذن و ارادے سے اللہ تبارک تعالیٰ کے قرب کے لئے تنہا سفر شروع کیا تو پہلے قدم مبارک سے ہی اللہ تبارک تعالیٰ کی ذاتی آیات کا مشاہدہ شروع ہو گیا اور اُس پہلے قدم میں ہی آپ ﷺ نے اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف قرب الہی کی طرف اتنا طویل سفر طے فرمایا جتنا کہ آپ ﷺ اب تک زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک کا سفر طے فرما چکے تھے۔ (یہ الفاظ ”کی طرف“ ”قرب الہی کی طرف“ ”قرب الہی میں“ (اس کتاب کے مصنف) نے قارئین کرام کو عوام الناس کو سمجھانے کی خاطر لکھ دیئے ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ ہم اس کو اپنے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔)

اس سیر کے دوران قادر مطلق کا اپنی مخلوق (زمین و آسمان اور ان میں سب کچھ فرشتے جبرائیل علیہ السلام وغیرہم) کی آیات کی دکھائے جانا تو مہمان گرامی ﷺ کی شان مبارک میں اضافی تھیں جو کہ آپ ﷺ کے علم نبوت کا حصہ تھیں ان کا معراج کے بنیادی مقصد سے براہ راست تعلق نہ تھا یا ان (مخلوق کی آیات) کا دکھایا جانا اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات پاک کی آیات بڑی بڑی آیات (اللہ تبارک تعالیٰ کی ذاتی آیات پاک ہی بڑی آیات ہیں) کے دکھائے جانے کا حصہ نہ تھیں۔

تذکرہ واقعہ معراج

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کہ معراج ہوئی آپ ﷺ میرے گھر میں سوتے تھے۔ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر سو گئے اور ہم بھی سو گئے۔ جب فجر کا وقت ہوا ہم کو رسول اللہ ﷺ نے بیدار کیا۔ پھر جب آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھ چکے اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تب آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے ام ہانی! میں نے آپ لوگوں کے ساتھ آج رات نماز پڑھی جیسا کہ تم نے دیکھا ہے۔ پھر میں بیت المقدس میں پہنچا اور وہاں نماز پڑھی۔ اس کے بعد صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی ہے جیسا کہ تم نے دیکھا ہے۔ پھر آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ باہر تشریف لے جائیں۔

اس وقت میں نے آپ ﷺ کی چادر کا گوشہ پکڑ لیا۔ اور کہا یا نبی اللہ (ﷺ) آپ یہ قصہ لوگوں کو نہ

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۸۳۵) جلد دوم

بتائیں ورنہ آپ ﷺ کی تکذیب کریں گے اور آپ ﷺ کو ایذا دیں گے۔ حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا واللہ مجھے خدا کی قسم میں ضرور ان سے بیان کروں گا۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ایک حبشی لونڈی سے کہا تو آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلی جاتا کہ وہ تمام باتیں سن سکے جو آپ ﷺ لوگوں سے کہیں اور لوگ آپ ﷺ سے کہیں۔ (جواہر الحسان جلد 2 صفحہ 329)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایات ہے کہ جب حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ نے میرے ہاتھ سے چادر کا گوشہ چھڑا لیا تو آپ ﷺ کے دل مبارک سے ایک نور کا جلوہ بلند ہوا جس سے میری آنکھیں چندھیا گئیں اور میں سجدہ میں گر گئی۔ جب میں نے سجدہ سے سر کو اٹھایا تو آپ ﷺ باہر تشریف لے جا چکے تھے۔

(سیرۃ النبویہ احمد زینی بن دحلان جلد 1 صفحہ 291)

قریش کا مذاق اڑانا

امام احمد اور بزاز نے اچھے اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس رات مجھے معراج ہوئی اور مکہ میں صبح سویرے اٹھا تو خدا کا دشمن ابو جہل میرے پاس سے گزرا پھر اس نے کہا اہل کان من شیء کیا کوئی نئی بات ہے؟ تو حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے آج رات بیت المقدس تک سیر کرائی گئی۔ ابو جہل نے کہا تم اصبحت بین اظہرنا پھر آج ہی آپ (ﷺ) نے ہم میں صبح کی۔ حضورِ انور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔

ابو جہل نے کہا کہ اگر میں آپ (ﷺ) کی قوم کو بلاؤں تو آپ (ﷺ) ان کو یہی بات بتلائیں گے۔ پیغمبرِ اول و آخر و اعظم حضورِ پُر نور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہاں۔ ابو جہل نے پکار کر آواز دی۔ اے کعب بن لوی کی اولاد (جلدی دوڑ کر آؤ) راوی کہتا ہے کہ لوگ گروہ درگروہ اس آواز پر ٹوٹ پڑے۔ یہاں تک کہ بہت سارے ان کے پاس پہنچ گئے۔ ابو جہل نے کہا۔ جو بات آپ (ﷺ) نے مجھے بتائی ہے۔ وہی بات اپنی قوم کو بتلا دیجئے۔ حضورِ انور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان کو بات بتائی۔ تو پھر تعجب اور حیران ہو کر کوئی تالیاں بجاتا تھا۔ اور کوئی سر پر ہاتھ رکھتا تھا۔ (فتح المسلم جلد 1 صفحہ 333)

نبیوں کے حلیے

حتیٰ کہ جب کافی لوگ اکٹھے ہو گئے۔ سب نے کہا آپ (ﷺ) ہم کو سارا قصہ پوری طرح سنائیں جب آپ ﷺ نے واقعہ سناتے ہوئے یہ فرمایا کہ بیت المقدس میں مجھے نبیوں کی جماعت ملی جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔ تو لوگوں نے کہا اچھا آپ (ﷺ) ان کے حلیے بیان فرمائیے۔ تب آپ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام درمیانہ قد سے ذرا اونچے اور دراز قامت سے ذرا کم ہیں۔ فراخ سینہ والے ہیں سرخ رنگ ان پر غالب ہے گھنے بالوں والے ہیں گویا کہ عروہ بن مسعود تقفی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھاری جسم والے ہیں۔ گندم گوں رنگ دراز قامت گھنے بال تہ بہ تہ دانت اور ماتھے پر بل رکھنے والے ہیں۔ گویا کہ وہ (قبیلہ) ازد شنوہ سے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پس خدا کی قسم ہے کہ وہ میرے ہم شکل اور ہم خصلت ہیں۔ (روح البیان جلد 2 صفحہ 405، درمنثور جلد 4 صفحہ 148)

جب آپ حضور پر نور نبی کریم ﷺ نے یہ حلیے بیان فرمائے تو قریش نے نہ مانا بلکہ شور مچایا اور ہنسی مذاق میں ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

تصدیق صدیق

امام حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب مستدرک شریف میں یہ حدیث سند سے بیان کی ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جب حضور انور نبی کریم ﷺ کو مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی آپ ﷺ نے صبح صادق ہونے کے بعد لوگوں سے معراج کے واقعات بیان فرمائے تو بعض ایسے لوگ مرتد ہو گئے جو آپ کے ساتھ ایمان لا چکے تھے اور تصدیق کر چکے تھے۔ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف یہ خبر لے کر دوڑتے ہوئے پہنچے۔ پھر کہنے لگے کیا آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے دوست (حضرت محمد رسول اللہ) نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا ہے کہ اسے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی اور صبح صادق سے پہلے مکہ میں واپس آ گئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ ﷺ نے یوں ہی فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں یوں ہی کہا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اگر آپ ﷺ نے یوں ہی فرمایا ہے۔ تو ضرور بالضرور تحقیق آپ ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ لوگ کہنے لگے کیا آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں بیت المقدس میں گئے اور پھر صبح سے پہلے واپس آ گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس سے بھی زیادہ بعید از عقل بات کو مانتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے پاس جبرائیل علیہ السلام صبح اور شام آسمان سے خبریں لاتا ہے کہتے ہیں کہ آپ کا نام اس لیے اس دن سے ابو بکر صدیق ہو گیا۔ یعنی آپ کو ”صدیق“ کا لقب عنایت کر دیا گیا۔

(مستدرک حاکم ازالہ الخفاء صفحہ 305)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا کہ قریش مجھ سے میرے سفر معراج کے متعلق پوچھتے تھے سو انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی گئی باتیں ایسی پوچھیں کہ جن کو میں نے (بوجہ غیر ضروری سمجھنے کے) ضبط نہ کیا تھا۔ سو مجھ کو اس قدر کھٹن ہوئی کہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ پس اللہ تبارک تعالیٰ نے اس (بیت المقدس) کو میرے لیے ظاہر کر دیا کہ میں اس کو دیکھتا ہوں اور جو

مجھ سے پوچھتے تھے میں ان کو بتاتا جاتا تھا۔ (مسلم شریف جلد 1 صفحہ 96)

قافلوں کی معلومات

معراج کی رات قافلوں کے حالات پر مشتمل احادیث کو بہت علماء نے کہیں تفصیل اور کہیں اختصار کے ساتھ مختلف عبارات میں بیان فرمایا۔

جن کتابوں سے یہ مضمون اخذ کیا جا رہا ہے۔ ان کے نام بمع حوالات صفحات حسب ذیل ہیں۔ تفسیر کشاف ج 2 ص 351 تفسیر روح البیان ج 2 صفحہ 406 'سیرت حلبیہ ج 1 ص 421 'مدارج النبوة ج 1 صفحہ 72 'خصائص کبریٰ ج 1 صفحہ 180 'معارج النبوة ج 3 صفحہ 199 'زرقانی شرح مواہب ج 2 صفحہ 162

قافلوں کے بارے میں دو روایات ہیں ایک روایت یہ ہے کہ یہ تین قافلے تھے اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ ایک قافلہ تھا مگر اس کے تین حصے ہو گئے تھے۔ اور وہ دوران سفر میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اور میرے نزدیک یہی روایت صحیح ہے۔

المواہب للندنیه میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ سے کفار مکہ نے آسمان کے حالات نہ پوچھے کیونکہ اس سے وہ ناواقف تھے جب آپ ﷺ نے بیت المقدس کے نشانات بتائے تو کفار حیران ہو کر کہنے لگے جو کچھ محمد (ﷺ) نے فرمایا سب درست ہے۔ لیکن یہ احتمال ہے کہ آپ (ﷺ) نے کسی ایسے شخص سے سن کر یاد کر لیے ہوں جو وہاں گیا ہو۔

بیت المقدس سے متعلق پوچھے گئے سوالات کے جواب میں آپ ﷺ نے انہیں صحیح علامات بتانے اور جوابات دینے کے بعد فرمایا کہ اس سے واضح اور ثبوت کون سا ہے جس سے تمہیں صداقت کا یقین ہو سکے؟ تو حاضرین قریش کہنے لگے۔

اخبِرنا عن غیرنا هل لقیتم منها شیاء (سیرت حلبیہ) آپ (ﷺ) ہم کو ہمارے قافلہ کے حالات سے مطلع فرمائیے کہ آپ (ﷺ) کی ان میں سے کسی کے ساتھ ملاقات ہوئی ہے۔ آپ (ﷺ) نے ان کو کہیں دیکھا۔

1- پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور انور نبی کریم رؤف و حیم عالم خفا و غیوب، مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ہاں (ایک شخص کا نام لے کر ارشاد فرمایا جو راوی کو یاد نہ رہا) فرمایا میں بنی فلاں کے قافلہ پر مقام رحاء میں گزرا۔ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا وہ اسے تلاش کر رہے تھے میں ان کے پالان اور سامان کی طرف آیا۔ وہاں اس وقت کوئی شخص نہ تھا۔ پانی کا ایک پیالہ وہاں رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے پی لیا اور اور سرپوش دے کر اس کو ڈھک دیا اور پھر اس کی جگہ اس کو ویسے ہی رکھ دیا جیسے کہ رکھا ہوا تھا۔ اور وہ قافلہ بدھ کے دن سورج غروب ہوتے ہی یہاں پہنچ جائے گا۔ پھر تم لوگ ان سے دریافت کر لینا کہ جب وہ اپنا گم شدہ اونٹ

تلاش کر کے اپنے سامان کی طرف واپس ہوئے تو کیا انہوں نے پیالہ کو پانی سے خالی پایا یا نہیں؟ اور ان سے یہ بھی پوچھنا کہ جب تم اونٹ کی تلاش میں سرگرداں تھے اور تم کو کس نے پکار کر کہا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ ہے۔ اور تم حیران ہو کر کہنے لگے شام کے ملک میں یہ محمد (ﷺ) کی آواز کیسے ہے۔ پھر تم نے اس آواز پر عمل کرنے کے بعد اونٹ پایا یا نہ؟ قریش نے کہاں ہاں ٹھیک ہے یہ بہت بڑی نشانی ہے۔

2- پھر حضور پر نورؐ نبی کریمؐ رؤف ورحیمؐ نے ایک شخص کا نام لے کر فرمایا کہ میں بنی فلاں کے قافلہ پر گزرا (فلاں جس کا نام راوی کو یاد نہیں رہا) مقام ذی مروہ پر دو شخص ایک اونٹ پر سوار تھے۔ ان کا اونٹ براق کی تیز رفتاری کی وجہ سے بدکا، بھاگا اور کودا۔ وہ دونوں سوار گر گئے۔ ان میں سے فلاں (راوی کو نام یاد نہیں رہا) شخص کا ہاتھ کلائی سے ٹوٹ گیا۔ بدھ کے دن ٹھیک دوپہر کو وہ قافلہ یہاں مکہ میں آ جائے گا۔ پھر آپ دونوں سے دریافت کر لینا۔ انہوں نے کہا بہت اچھا یہ نشانی بھی ٹھیک ہے۔

3- انہوں نے کہا آپ (ﷺ) ایک اور قافلہ کے حالات سنائیں حضور انور نبی کریمؐ رؤف ورحیمؐ نے فرمایا کہ میں اس قافلہ سے مقام تنعیم پر گزرا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اس قافلہ کی پوری ماہیت سے آگاہ فرمائیے۔ حضور پر نورؐ نے فرمایا وہ بنی فلاں کا تھا اس قافلہ کے آگے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ چل رہا تھا۔ اس پر دو دھاری دار بوریاں غلہ کی لدی ہوئی تھیں اور اس پر ایک سیاہ حبشی سوار ہے اور فلاں شتر سوار کو سردی لگی تو وہ اپنے غلام سے مکمل مانگ رہا تھا اور وہ قافلہ قریب آ گیا ہے طلوع شمس کے وقت پہنچ جائے گا۔ جب آجائیں تو دریافت کر لینا انہوں نے کہا یہ تیسری نشانی بھی خوب اچھی اور ٹھیک ہے۔

قافلوں کی آمد

ہر قافلہ کے متعلق پیغمبر اول و آخر و اعظمؐ عالم خفا و غیوب، مخبر صادق، حبیب رب العالمین، حضور انور نبی کریمؐ رؤف ورحیمؐ نے اوقات آمد مقرر فرمائے۔ مشرکین نے صداقت کو جاننے کے لئے مخصوص مقامات پر اپنے آدمی بٹھا دیئے کہ وہ قافلوں کی بروقت آمد یا بصورت دیگر سے آگاہ رہیں۔

قارئین کرام: اول الذکر قافلہ یعنی نمبر 1 کے تحت بیان کردہ قافلے نے سب سے آخر میں مکہ پہنچنا تھا اور اس کے بعد اس قافلہ نے مکہ آنا تھا جس کا نمبر 2 کے تحت ذکر کیا گیا ہے اور ان قافلوں میں سے سب سے پہلے آخر الذکر قافلے یعنی کہ جس قافلے کا نمبر 3 کے تحت ذکر کیا گیا ہے اس نے مکہ پہنچنا تھا۔

اس لیے درج ذیل میں ان قافلوں کے بیان کی ترتیب الٹ گئی ہے یعنی کہ اب پہلے نمبر 3 والے قافلے کا ذکر ہوگا پھر نمبر 2 والے کا اور آخر میں نمبر 1 والے قافلہ کا ذکر ہوگا۔

طلوع آفتاب سے کافی پہلے کچھ لوگ کدی پہاڑی پر آ بیٹھے اور قافلہ کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ وہ بڑی بے تابی سے سورج کے طلوع ہونے کا انتظار بھی کر رہے تھے۔ پوٹھنے تک صبح کاذب تک قافلے کی آمد کے کوئی

نورِ اُمّ النور، نورِ رحمۃ للعالمین (۸۳۹) جلد دوم
آثار معلوم نہ دیئے۔

لیکن جیسے ہی ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ سورج تو نکل آیا، تو ساتھ ہی دوسرے آدمی نے (جو قافلہ کے آنے والے راستے پر نگاہ رکھے ہوئے تھا) کہا کہ یہ لو قافلہ بھی آ گیا۔ (معراج النبوة جلد 3 صفحہ 199)
خاکستری رنگ کا اونٹ جس پر دو دھاری دار بوریاں لدی ہوئی تھیں اس قافلہ کے آگے آگے تھا۔ اس کے بعد چند نشانیوں کی تحقیق کی گئی تو اس طرح ہی ہوا جس طرح کہ حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے فرمایا تھا:

پھر دوسرے قافلہ کی آمد کے انتظار میں بہت سارے لوگ اس پہاڑی پر جا بیٹھے۔ عین نصف النہار کے وقت دوسرا قافلہ بھی اپنے وقت پر پہنچ گیا یعنی کہ پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے بتائے ہوئے وقت پر مکہ پہنچ گیا۔

ان کا اونٹ جب پہنچا تو جو شخص گرا تھا اس کا ہاتھ کلائی سے ٹوٹا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ آپ ﷺ سچ کہتے ہیں کہ جنگل میں بجلی کی طرح آپ ﷺ ہم پر گزرے (جس سے اونٹ کودا) اور گرنے سے کلائی ٹوٹ گئی) (معراج النبوة جلد 3 صفحہ 199)

پھر جب وہ دن آیا جس دن کے لئے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قافلہ سورج غروب ہونے کے وقت مکہ میں پہنچتا ہوا نظر آ جائے گا تو مشرکین مکہ حسب سابق غروب کے وقت سے بہت پہلے ہی اس پہاڑی پر آ کر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے۔

سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا لیکن قافلہ کی آمد کے آثار نظر نہ آئے حضور انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے رب للعالمین سے دعا کی اور اس کے ساتھ ہی جیسے ہی سورج غروب ہونے لگا انتظار کرنے والوں نے قافلے کو آتا ہوا دیکھ لیا۔ وہ قافلہ بھی مکہ اسی وقت پہنچا جس کا آپ حضور انور نبی کریم رُوف و رحیم عالم خفا و غیوب، مخبر صادق، حبیب رب للعالمین، پیغمبر اول و آخر و اعظم ﷺ نے فرما دیا تھا۔

پھر ان سے برتن کا پوچھا گیا انہوں نے خبر دی کہ ہم نے پیالہ میں پانی رکھ کر اوپر سے ڈھکنا دے دیا تھا۔ جب ہم واپس آئے تو پیالہ برتن ڈھکنا سے بند تھا مگر پانی نہ پایا۔ پھر ان لوگوں نے بتایا جن کا اونٹ بھاگ گیا تھا۔ کہ ہم نے وادی میں ایک آواز سنی کو اونٹ کی طرف ہم کو بلارہا تھا۔ چنانچہ ہم نے اس کے اشارہ سے اونٹ کو پایا۔

مشرکین مکہ کو تو یقین واثق تھا کہ اب پیغمبر اول و آخر و اعظم حضور پُر نور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ کے خلاف کہنے کے لئے انہیں بہت مواد مل جائے گا لیکن اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول پیغمبر اول و اعظم حضور انور نبی کریم رُوف و رحیم صادق و امین ﷺ کو تو ہر بات میں سچا کرنا تھا، سچا دکھانا تھا کہ کافروں نے حجت

قائم ہو اور ہوا بھی یہی۔ قافلوں کی آمد کے اوقات و حالات جو آپ ﷺ نے بتلائے تھے، فرمائے تھے وہ سب سچ ہوئے لیکن وائے رے مشرکین و کفار کی ازلی بد نصیبی کہ اتنی ساری صداقتوں کو جان لینے کے باوجود وہ کہنے لگے کہ ولید سچ کہتا تھا کہ (معاذ اللہ) آپ (ﷺ) جادوگر ہیں۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ وما جعلنا الرؤيا التي اريناك الا فتنة للناس (سورہ بنی اسرائیل آیت 60) اور وہ دکھلا دیا جو ہم نے آپ کو دکھلایا سو اس کو ہم نے لوگوں کے لئے آزمائش بنایا جس سے لوگوں کا امتحان ہو گیا۔ حتیٰ کہ پختہ لوگوں نے سن کر مان لیا اور خام لوگوں نے انکار کر دیا۔

یہودی مسلمان ہو گیا

روایت میں ہے کہ جب پیغمبرِ اوّل و آخر و اعظم حضور پر نور ﷺ معراج سے واپس تشریف لائے اسی دن آپ ﷺ گھر سے باہر گئے۔ تو ایک کنیز کو دیکھا کہ وہ آٹے کی مشکیزہ کندھوں پر اٹھائے ہوئے روتی تھی اور چلتی تھی۔ حضور انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں یہودی کی کنیز ہوں مجھے اس نے چکی پر بھیجا تھا کہ دانے پسا لاؤں، میں بیمار ہوں، مجھے دیر ہو گئی، اب ڈر لگتا ہے کہ وہ مالک مجھ پر ناراض ہوگا۔

تاجدار کائنات سرکارِ دو عالم حضور پر نور ﷺ نے آٹے کا مشکیزہ اپنے دوش مقدس پر اٹھایا اور اس کنیز کو ہمراہ لے کر یہودی کے دروازہ پر پہنچے۔ وہاں دروازہ کھٹکھٹایا، یہودی گھر سے دروازہ پر آیا۔ یہودی کے اندر سے آپ ﷺ کو دیکھ کر عرض کیا آپ (ﷺ) آج کس طرح یہاں تشریف لائے؟ حضور انور نبی کریم رُوف و رحیم ﷺ نے کنیز کی تکلیف کا قصہ سناتے ہوئے سفارش کی۔

تب وہ یہودی کہنے لگا کہ آج رات آپ (ﷺ) کو معراج ہوئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، لیکن تجھے کس طرح پتہ چلا ہے۔

چنانچہ وہ یہودی حویلی کے اندر چلا گیا۔ تمام قبیلے کو اکٹھا کر کے ہمراہ لایا اور تورات میں سب کو پڑھ کر سنایا کہ رسول اللہ ﷺ کی معراج کی نشانی یہ ہے کہ صبح کو وہ ایک کنیز کی مشکیزہ اٹھا کر یہودی کے پاس سفارش کرے گا۔ جب یہودیوں کو یقین ہوا تو سب ایمان لائے اور یوں کہا:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

(معراج النبوة جلد 3 صفحہ 212)



نُورُ الْمَدِينِ نُورُ حَمَّةٍ لِلْعَالَمِينَ

ایک نظر میں

- دو جہانوں میں سب سے اونچی شان والے ﷺ کی
- نرالی رفعتیں، شانیں اور عظمتیں
- دل مبارک پر نزول قرآن اور شان نزول
- آپ ﷺ نے کبھی بھی، کسی کے لئے بھی بددعا نہیں کی
- آپ ﷺ ہر کچھ میں، جہت سے اللہ کے نزدیک ترین ہیں

انسان

- انسان اشرف المخلوقات کیوں ہوا؟
- عقل اللہ کی ایک عظیم تخلیق اسکی بنا پر ذمہ داریاں اس کی بنا پر جزاء و سزا
- انسان کا سب سے خطرناک دشمن اس کے اندر موجود ہے
- نور و ظلمت نور کیا ہے؟ کائنات کے راز

عالم کون ہے؟ عقلمند کون ہے؟

- ”میں“ میں آنے والے اپنے آپ کو بہت عقلمند سمجھنے والے یقینی طور پر غلط فہمی کا شکار ہیں
- ”متقی“ اتنا اچھا ترجمہ نہیں ہے جتنا کہ ”اللہ سے ڈرنے والے“۔

اسلام کی تشریح

- اسلام میں پاپائیت نہیں
- چند انتہائی مشکل آیات کی مفصل سادہ تفسیر
- دین اسلام اور امت مسلمہ کے بدخواہ مستشرقین کی چالیں ان کا رد اور سد باب
- پیچیدہ روایات کا صحیح اور آسان بیان تحقیق و دلائل ایسے مضبوط جنہیں آپ جھٹلانہ سکیں گے بلکہ خوشی سے انہیں قبول کریں گے اور حق کے ہمنوا ہو جائیں گے

اسلام کی تاریخ

- غزوات کا پر تحقیق اور مفصل ایسا بیان جو آپ کو اپنے اندر جذب کر لے گا
- خاص طور پر غزوہ بدر اور غزوہ احد میں ایسی نادر تحقیق جو اسلام کے بدخواہوں کی زبان و قلم کو مستقل لگام دے دے گی۔

اور اسی طرح کئی اور موضوعات کی

آسان مدلل مسرور کن راحت بخش اور شگفتہ وضاحت